www.darulshaour.com دارالشعور

پاکستان کی سیاسی تاریخ

پاکستانی سیاست کے پس پردہ حالات وواقعات کا انسائیکلوپیڈیا

احمد سلیم

جلد اول

پاکستان کی سیاسی تاریخ

پاکستانی سیاست کے پس پردہ حالات وواقعات کا انسائیکلوپیڈیا

احمد سلیم

پاکستان کی سیاسی تاریخ

(پہلی جلد)

پاکستانی سیاست کے پس پردہ حالات وواقعات کا انسائیکلوپیڈیا

احمد سلیم

دارُالشُعُور

37۔مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان
Email:Info@darulshaour.com
www.darulshaour.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ نام کتاب: پاکستان کی سیاسی تاریخ (پہلی جلد)

☆ مصنف : احمد سلیم

☆ اشاعت : 2018ء

☆ مطبع : طیب شمشاد پرنٹرز، لاہور

☆ قیمت : -/1500 روپے

☆ برائے :

دارالشعور 37 مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

اہتمام

محمد عباس شاد

042 37239138, 03009426395
Email:info@darulshaour.com
www.darulshaour.com
Facebook.com\darulshaour

حرف اول

پاکستان کی سیاسی تاریخ پر جزوی طور پر بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں موجود ہیں۔آپ کے ہاتھ میں موجود کتاب جو سردست چار جلدوں پر مشتمل ہے جو آٹھ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ یہ اپنی نوعیت میں ایک منفرد کتاب ہے۔ کیونکہ اس کے مصنف ایک سیاسی کارکن ہیں جنہوں نے بیشتر تاریخ کو اپنے سامنے رقم ہوتے دیکھا ہے۔انہوں نے حالات و واقعات کو سادے انداز سے بیان کرتے ہوئے اپنے تجربات کو تجزیے کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔

انسانی فکروعمل اور جدوجہد کے نتائج واثرات کو سمجھنے کے لئے تاریخ ایک اہم ذریعہ ہے۔پاکستان میں حکمرانی اور سیاست کے میدان میں ہمارے حکمرانوں اور سیاست دانوں نے جو اچھا یا برا کیا ہے اس کی جانچ اور پرکھ کا واحد ذریعہ تاریخ ہی ہے۔اور اسی تاریخی عمل سے ہی ہم نئی نسل کے لئے کوئی لائحہ عمل مرتب کر سکتے ہیں لیکن ہمارے ہاں المیہ یہ رہا ہے کہ ریاست پر مسلط اشرافیہ تاریخ بھی اپنی مرضی سے اپنی من پسند مصنفین سے لکھواتی رہی ہے جس کے باعث یہاں کی تاریخ خود ایک چیستان بن کر رہ گئی ہے۔تاریخ کو تاریخ کے جدید اصولوں پر لکھنا اور پڑھنا ایک ناگزیر امر ہے ورنہ سچ میں ملا جھوٹ ایسے خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے جو صرف خالی جھوٹ سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں ہماری تاریخ کچھ ایسی ہی کیفیت سے مرکب ہے۔

پاکستان اپنے قیام سے اب تک مختلف حالات سے گزرا ہے۔اس میں بدقسمتی سے ہمارے حالات پر داخلی اور خارجی سطح پر بیرونی قوتیں زیادہ اثر انداز رہی ہیں ان قوتوں کے کردار کا تحلیل وتجزیہ کیے بغیر ہم اپنی تاریخ کو لکھنے اور پڑھنے کا حق ادا نہیں کر سکتے۔خصوصاً ضیا آمریت کا دور جس میں بین الاقوامی قوتوں کے ایماء پر مذہب کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔

ہماری تاریخ میں ایک اہم فیکٹر وہ سیاسی قوتیں ہیں جو مختلف خاندانوں اور سول وفوجی بیوروکریسی کی شکل میں ملک پر مسلط رہی ہیں ان کی کھوج لگانا کہ یہ کن قوتوں کے اشاروں پر پلی بڑھیں اور کس طرح قوم کے مقدر کی مالک بنیں رہیں۔

یہ سارے کام ایسا مصنف ہی کر سکتا ہے جو تاریخ کا سیاسی وسماجی شعور بھی رکھتا ہو اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ احمد سلیم صاحب اس اہلیت کے حامل ہیں۔

دارالشعور کے پلیٹ فارم سے میری آغاز ہی سے یہ خواہش رہی ہے کہ میں پاکستان کی سیاسی تاریخ پر کوئی معیاری کتاب شائع کرسکوں۔میں محترم احمد سلیم کی تحریریں زمانہ طالب علمی سے پڑھتا آرہا ہوں جب بھی پاکستان کی سیاسی تاریخ پر کتاب لکھوانے اور شائع کرنے کا خیال گزرا تو نظر احمد سلیم صاحب پر ہی جا کر ٹھہرتی تھی احمد سلیم صاحب لاہور سے اسلام آباد چلے گئے اور میرا خیال بھی نسیان کی نظر ہوگیا۔2016ء میں ایک مہربان دوست کی بدولت یہ مسودہ میری ٹیبل پر پہنچ گیا اور دارالشعور سے شائع ہونے کے اسباب پیدا ہوگئے۔

میں گزشتہ دنوں جب اس کی کاپیاں چیک کر رہا تھا میرا پرانا خیال لوٹ آیا کہ میں تو پاکستان کی تاریخ پر احمد سلیم صاحب سے کتاب

لکھوانے کی خواہش رکھتا تھا اور قدرت نے خاموشی سے اس کے سارے اسباب پیدا کر دیئے ہیں نہ جانے یہ میری مائینڈ پاور کا کرشمہ ہے یا احمد سلیم صاحب کی توجہ کا ثمر۔ بہر حال قدرت نے اسباب در اسباب کی شکل میں یہ خدمت مجھے سونپ دی۔ اس کتاب کا سارا مواد ایک پرانے کمپوز شدہ مسودے کی شکل میں ہمیں ملا تھا جو بہت ہی خستہ اور نازک حالت میں تھا ہم نے اسے محفوظ بنانے کی غرض سے فوری طبع کرنا ضروری سمجھا کیونکہ مسودہ اور کسی شکل میں دستیاب نہ تھا لہذا اس میں سوائے احمد سلیم صاحب کے ایک مقدمہ کے کوئی اور ترمیم ممکن نہ تھی لیکن انشاء اللہ اس کا نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوگا۔

محمد عباس شاد

جولائی 2017ء

مقدمہ

یہ کتاب ایک پرانا قرض ہے جو گزشتہ ربع صدی سے بھی زائد عرصہ سے، مجھ پر واجب تھا لیکن جس کی ادائیگی میں مسلسل تاخیر ہو رہی تھی۔ پاکستان کے پہلے تیس برسوں (1977-1947) کے چار ادوار کی سیاسی تاریخ 1990ء میں لکھی جا چکی تھی اور پانچویں جلد پر کام شروع ہو چکا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی اشاعت معطل ہو گئی۔ صفِ اول کے جس اشاعتی ادارے سے اسے چھپنا تھا، اس ادارے کا اشاعتی پروگرام بوجوہ متاثر ہونا شروع ہوا اور آہستہ آہستہ یہ مسودوں کے ڈھیر میں دفن ہو کر رہ گئی۔ اسی ادارے سے وابستہ ایک دوست نے کہیں اور سے اس کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی تا کہ مسودہ ضائع نہ ہو جائے اور اس پر مزید کام جاری رکھا جا سکے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب کی کمپوزنگ اور پیسٹنگ کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اور اب اسے پریس میں جانا تھا لیکن یہ آخری مرحلہ شروع نہ ہو سکا۔ اس مہربان دوست کی کاوشوں سے یہ مسودہ دارالشعور کے جناب محمد عباس شاد تک پہنچا۔ ان سے پرانی یاد اللہ تھی۔ انہوں نے اس کی فوری اشاعت میں دلچسپی ظاہر کی۔ اندھے کو کیا چاہیے، دو آنکھیں۔ میں فوراً جناب محمد عباس شاد سے ملا اور اس کی اشاعت کے امکانات کا جائزہ لیا۔ طے پایا کہ اس کی فوری اشاعت اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسے کمپوزنگ کے نئے مرحلے سے گزارے بغیر اسے اسی حالت میں چھاپ دیا جائے تا کہ یہ محفوظ ہو جائے اور اس کے دوسرے ایڈیشن پر نہ صرف اسے نئی تزئین و آرائش سے مرصع کیا جائے گا بلکہ اگلی جلدوں پر بھی کام شروع کر دیا جائے گا۔ چنانچہ آج سے تیس برس پہلے اسے جس انداز میں لکھا تھا، اسے جوں کا توں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس پر یقیناً نظر ثانی کی ضرورت تھی۔ ہر تصنیف یا تالیف میں بہتری کی گنجائش ہوتی ہے لیکن جب محمد عباس شاد نے نقشِ اول پر اعتماد کا اظہار کیا تو میں بھی اسے دن کی روشنی میں لانے پر آمادہ ہو گیا۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے کا. . . . . . . پہ معدد تابیں موجود ہیں، پھر اس موضوع پر ایک نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی، پہلی بات تو یہ ہے کہ زیرِ نظر کتاب اپنی طرز کی پہلی کوشش تھی۔ یہ روایتی انداز کی کوئی باضابطہ سیاسی تاریخ نہیں ہے اس میں تاریخی اعتبار سے ترتیب وار انداز میں سیاسی واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کو اہم سمجھا گیا کہ منتخب سیاسی واقعات کو مختصر مقالات کی صورت میں تجزیے کے ساتھ پیش کیا جائے تا کہ عوام براہِ راست پاکستان کی سیاسی تاریخ پر سوالات اٹھا سکیں۔ معروضی انداز کو برقرار رکھنے کے لئے دستاویزات کا متن بھی شامل کیا گیا ہے لیکن اس تالیف کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ایک ایسی سیاسی تاریخ کا خاکہ پیش کیا جائے جو ریاستی مائنڈ سیٹ کی بجائے عوامی مائنڈ سیٹ کو سامنے لائے۔ بدقسمتی سے بعض مفروضات کو حقائق کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ ریاست کے نقطۂ نظر کو تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بعض ریاستی اداروں اور شخصیات کو مقدس گائے کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ جن پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔ جمہوری سیاسی جدوجہد کو روکنے کے لئے غداری کے تمغے تقسیم کیے گئے۔ مالی بدعنوانیوں کی آڑ میں سیاسی مخالفین کو جبراً نااہل قرار دیا گیا جبکہ مالی بدعنوانیوں کو روکنے کے لئے کوئی حقیقی اقدامات نہ کیے گئے۔ آمریت کے ادوار، جو

پاکستان کے لئے تباہ کن ثابت ہوئے ،انہیں روشن ادوار قرار دیا گیا۔ایسے ہی ایک روشن دور میں پاکستان دولخت ہوگیا۔کوشش کی گئی کہ پاکستان کے مقدر سے کھیلنے والے کرداروں کی نشاندہی ہو سکے۔

اس کام کا آغاز اواخر 1988ء سے کیا گیا۔تصور یہ تھا کہ پاکستانی سیاست کا ایک سائیکلو پیڈیا تیار کیا جائے تا کہ ہر اہم واقعہ ایک خاص ترتیب میں بیان کیا ہوا مل سکے۔لیکن حروفِ تہجی کی بجائے میں نے سن وار ترتیب کو ترجیح دی۔پہلی جلد 2 جون 1947ء سے شروع ہوکر 27 اکتوبر 1858 تک کے واقعات پر مبنی ہے۔دوسری جلد کا دورانیہ 28 اکتوبر 1958ء سے 25 مارچ 1969ء تک ہے۔تیسری جلد 26 مارچ 1969ء سے 16 دسمبر 1971ء تک اور چوتھی جلد 20 دسمبر 1971ء سے 5 جولائی 1977ء تک پھیلی ہوئی ہے۔کتاب کو مذکورہ ادوار میں ان کی سیاسی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا دور پاکستان کے منصوبہ کے نوآبادیاتی اعلان سے شروع ہوکر اولین گیارہ برسوں پر محیط ہے،جس میں سول حکومتوں اور پارلیمانی اسمبلیوں کی ٹوٹ پھوٹ جاری رہی۔شروع سے ہی سول اور ملٹری افسر شاہی نے پاکستان کے پہلے سول دور پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔برصغیر پاک و ہند میں طاقتور سربراہوں کی روایت بڑی پرانی ہے۔اس روایت نے مسلم تاجداروں کی صورت میں جنم لیا۔پھر برطانوی راج نے یہاں کی سیاسی روایات پر گہرے اثرات مرتب کئے اور یہ ورثہ جمہوری روایات سے ہم آہنگ نہ ہو سکا۔برطانوی عہد میں افسر شاہی کے کچھ ارکان نے پاکستان میں بعض انتہائی اہم مناصب پر قبضہ کرلیا۔گورنر جنرل غلام محمد،صدر اسکندر مرزا،چوتھے وزیراعظم چوہدری محمد علی،یہ سب سول سروس کے اعلیٰ عہدوں سے آئے تھے۔اس بات کی مشکل سے ہی امید کی جا سکتی تھی کہ یہ طاقتور گروہ جمہوری اصولوں کی پاسداری کرے گا۔لیاقت علی کے انتقال اور خواجہ ناظم الدین کی اچانک برطرفی کے بعد اس گروپ نے سرکاری مشینری پر مکمل کنٹرول اور غلبہ حاصل کرلیا۔تیرہ ماہ کے مختصر وقفے کے لئے سہروردی وزیراعظم بنے لیکن انہیں بھی انتہائی طاقتور صدر اسکندر مرزا اور اس کی پارٹی پر انحصار کرنا پڑا تھا۔جی ڈبلیو چودھری کے بقول یہ گروپ ''پاکستان میں تو یقین رکھتا تھا لیکن اسے عوام پر اعتماد نہیں تھا کہ وہ اپنی حکومت آپ چلا سکتے ہیں۔''

ابتداء سے ہی امریکہ ضروری سمجھتا تھا کہ پاکستان اس کے زیر اثر رہے کیونکہ پاکستان کی سرزمین سے پرواز کر کے امریکن ہوائی جہاز روس کی اسلحہ ساز فیکٹریوں پر بمباری کر سکتے ہیں اور خلیج کے ممالک کے تیل کے ذخائر پر بھی۔ 1958ء میں ہی امریکی پالیسی ساز اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ پاکستان میں سیاسی حکومت کسی وقت بھی بے راہروی پر اتر سکتی ہے لہٰذا یہاں فوجی حکومت ہی موزوں ہے کیونکہ فوجی ہمارے خیر خواہ اور ہم خیال ہیں اور فوجی حکومت کے عہد میں ہی پالیسیاں فروغ پا سکتی ہیں۔

1958ء کا مارشل لاء اپنے ساتھ ہولناک تصورات لایا۔پاکستان میں اس سے پہلے جو بھی اسمبلیاں ٹوٹیں وہ نئی انتخابی سرگرمیوں کے امکانات اپنے ساتھ لاتی رہی تھیں۔اب دس سال لمبی رات چھا گئی تھی اور اس رات کا سوا گت مزید اندھیرا پھیلانے کے عمل سے کیا گیا۔مشرقی پاکستان کی آزاد اور جمہوری روح کو کچل کر 7 اکتوبر 1958ء کی شام آٹھ بجے جب مارشل لاء کا اعلان ہوا تو میجر جنرل امراؤ خان خوفِ خدا سے کانپ اٹھے۔اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت و رہنمائی کی دعا کی۔یہ نماز،عام نماز

عشاء سے بہت طویل تھی۔ ''مارشل لاء نے مجھے لاانتہا اختیارات دے دیئے تھے چنانچہ ان کو انصاف سے استعمال کرنے کی ذمہ داری اور بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے خدا سے ہدایت اور رہنمائی کی دعا مانگی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر ملک کے کسی کونے میں فوجیوں نے کوئی بے انصافی یا جرم کیا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔ نماز کے بعد وہ رات، مارشل لاء کے ضوابط اور احکام مکمل کرنے میں گزر گئی۔ انہیں کئی مہینے پہلے تیار کرلیا گیا تھا۔۔۔ اور 8 اکتوبر 1958ء کو علی الصبح انہیں نافذ کر دیا گیا۔ یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنے احکام دو دن بعد جاری کیے۔۔ 8،9 اکتوبر کی صبح کو میں خود حلیہ بدل کر شہر میں گھومتا رہا تاکہ عوام کا ردِعمل معلوم کرسکوں (میجر جنرل امراؤ خان، ایک جرنیل کی سرگزشت، ص، 107) وحشیانہ جبر اور انسانی حقوق کی بے پناہ پامالی کو ''خوف خدا'' کہنا اور اس سے کانپ اٹھنا میجر جنرل امراؤ خان کا ہی کارنامہ ہوسکتا ہے۔

اس مارشل لاء کے پیچھے ایوب خان اور امریکی ذہن تھا لیکن مارشل لاء کا اعلان صدر مملکت میجر جنرل اسکندر مرزا سے کروایا گیا۔ پہلے دور میں اسکندر مرزا کے آخری بیس دنوں کی کہانی بھی شامل ہے جس نے 28 سالہ نوجوان ذوالفقار علی بھٹو کو بھی وزارت سے روشناس کرایا لیکن جب 27 اکتوبر کو ایوب خان نے اسکندر مرزا سے گن پوائنٹ پر استعفیٰ لے کر اقتدار پر براہِ راست قبضہ کرلیا تو نوجوان بھٹو نکالے جانے کے خوف سے فوراً ایوب خان کے پاس پہنچا اور وفاداری کا یقین دلا کر اپنی وزارت بچائی یہی بھٹو بعد میں ایوب خان کو ''ڈیڈی'' اور آخر میں آمر کہہ کر پکارتے رہے۔

دوسرا دور (دوسری جلد) 28 اکتوبر 1958ء سے شروع ہوکر 25 مارچ 1969 ءتک کے واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔ حب الوطنی پر حکومتی پارٹی کی اجارہ داری کا دعویٰ کرتے ہوئے اختلاف کو غداری قرار دینے کی جو روایت 1950ء میں شروع ہوئی تھی، اس دور میں وہ کہیں زیادہ شدت کے ساتھ دہرائی جارہی تھی۔

1960ء میں جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ایوب خان نے ایک آئینی کمیشن بنایا تھا جس کے ذمے یہ کام تھا کہ پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کی وجوہات تلاش (!) کرے۔ جی ڈبلیو چودھری اس میں بطور اعزازی مشیر شامل تھے۔ کمیشن کی تحقیقات کے مطابق یہ وجوہات مندرجہ ذیل تھیں:

1۔ انتخابات منعقد نہ ہونا۔

2۔ سربراہانِ مملکت کا وزراء، اور سیاسی پارٹیوں کے معاملات میں اور مرکزی حکومت کا صوبائی حکومتوں کے کام میں غیر ضروری مداخلت کرنا

3۔ لیڈرشپ کی کمی، جس کے نتیجے میں منظم سیاسی جماعتوں کا فقدان،

سیاسی رہنماؤں میں کردار کی کمی اور انتظامیہ میں ان کا غیر ضروری مداخلت کرنا

چودھری کا خیال تھا کہ وہ ان وجوہات سے اتفاق کرتے ہیں لیکن پاکستان میں جمہوریت کو حقیقی خطرات اور چیلنج انتہائی طاقتور اور غیر ذمہ دار مقتدرِ اعلیٰ کی طرف سے پیش آئے جس میں اتنی ہی طاقتور افسر شاہی نے اس کی مدد کی۔

پاکستان میں ایگزیکٹو یا سربراہ شروع سے ہی انتہائی طاقتور اور غالب عنصر کا حامل رہا ہے۔ ''اپنے وجود میں آنے کے وقت سے پاکستانی ریاست سربراہ، افسر شاہی اور فوج کے غلبے میں رہی ہے۔''

گیارہ سال بعد ایوب خان کے خلاف پوری قوم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا اقتدار بچانے کے لئے کمزور ہو چکے آمر نے تمام سیاسی رہنماؤں کی گول میز کانفرنس بلائی۔ شیخ مجیب کے خلاف اگرتلہ سازش مقدمہ ختم کر کے انہیں رہا کیا تا کہ وہ کانفرنس میں شرکت کر سکیں۔

گول میز کانفرنس بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ اس کانفرنس میں ذوالفقار علی بھٹو اور عبدالحمید بھاشانی نے سرے سے شرکت نہیں کی تھی۔ جب اصغر خان کو پتہ چلا کہ بھٹو کانفرنس میں شرکت نہیں کر رہے تو وہ بھٹو کے پاس انہیں رضامند کرنے کے لئے گئے۔ بھٹو کا جواب بڑا دلچسپ تھا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں مولانا بھاشانی نے مشورہ دیا ہے کہ کانفرنس میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ایوب خان سیاسی جماعتوں کو کوئی رعایت دیتے ہیں تو اس کا فائدہ ان جماعتوں کو بھی ہوگا جو کانفرنس میں شریک نہیں ہیں۔۔ کانفرنس میں ایوب خان بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نئے انتخابات اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن یحییٰ خان نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ ملٹری انٹیلی جنس تو ان کے قبضے میں تھی ہی۔ سول انٹیلی جنس بھی بڑی حد تک ان کے کنٹرول میں آ گئی۔ انہوں نے سول اور ملٹری انٹیلی جنس کے ذریعے گول میز کانفرنس کو سبوتاژ کرا دیا۔ 25 مارچ 1969ء کو انہوں نے ایوب خان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو دس سال پہلے ایوب خان نے اسکندر مرزا کے ساتھ کیا تھا۔ اس روز صبح دس بجے ایوان صدر میں ایوب نے اپنا آخری پیغام ریڈیو ٹیلیویژن کے لئے ریکارڈ کروایا۔ ریکارڈنگ کے دوران جنرل یحییٰ غمگین صورت بنائے آنسو بہانے کے انداز میں سر جھکائے بیٹھا رہا لیکن جونہی ریکارڈنگ کے ٹیپ ان کے قبضہ میں آ گئے، اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ ہشاش بشاش، جھومتے جھامتے کمانڈر انچیف ہاؤس واپس آیا۔ اپنے چند لنگوٹئے دوستوں اور منظور نظر خواتین کو طلب کیا۔ شراب کا دور چلا اور دیر تک سب نے '' ہے جمالو'' کی تان پر آپس میں مل جل کر دیر تک بھنگڑا ڈالا۔ (مشتاق مرزا۔ ایوب خان تخت نشینی سے تختہ الٹنے تک، الطاف گوہر، ایوب خان نے اقتدار کیسے چھوڑا، ص، 53)۔ قوم کو اس واقعہ سے دھچکا پہنچا۔ ایوب خان نے عوام سے شکست کھائی تھی لیکن اقتدار وہ فوجی ٹولے کے سپرد کر گئے۔ اب تو قومی اسمبلی کے سپیکر پر اعتماد کر لیا جاتا اور اگر وہ 26 مارچ 69ء کو ہی مارشل لاء اٹھانے کے بعد اپنی جگہ قومی اسمبلی کے لئے خالی کر دیتے تو؟ تو بھی آئندہ حکمران کوئی سیاستدان نہیں، کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ ہوتا۔ فوج اقتدار سول اداروں کو منتقل کرنا برداشت نہ کر سکتی۔

ایوب خان کے آخری دنوں میں بھارتی اخبار سٹیٹسمین کے نمائندے نہال سنگھ نے، جو ان دنوں پاکستان میں تھے، اپنے مراسلے میں لکھا کہ اسلام آباد میں یہ سوال عام طور پر پوچھا جا رہا ہے کہ ایوب خان کے بعد کون؟ انہوں نے لکھا کہ جواب بڑا آسان ہے۔ جو بھی اس وقت پاکستان کی بری فوج کا کمانڈر انچیف ہوگا۔

بیچارہ ایوب خان ایک المناک تنہائی کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ جاہ وجلال کا دلدادہ، مصاحبوں کی حمد وثناء کا عادی، فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، جسے رات دن بتایا جاتا تھا کہ وہ دس کروڑ پاکستانیوں کے دلوں کی دھڑکن ہے، ان کے دکھوں کے لئے مسیحا ہے، جب گرا تو پھر اٹھ نہ

سکا۔ 24 مارچ 1969ء کو اس نے اپنے عہدے اور سیاست سے ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا لیکن پُر امن طریقے سے اقتدار عوام کے نمائندوں کو سونپنے کی بجائے یحییٰ خان کے حوالے کیا۔ بریگیڈئر اے آر صدیقی نے اپریل 85ء کے ڈیفنس جرنل میں لکھا: ایک سپاہی ہونے کے باوصف ایوب خان سیاست کے شعور سے عاری تھا لیکن تھا متکبر۔ اس نے عوامی جمہوریت کی جگہ ملک میں ایک تجارتی اور نیم صنعتی نظام قائم کرنے کی کوشش کی اور اس میں ناکام ہوا۔ سیاست سے مبرا ایک خالص معاشیاتی نظام بربریت پیدا کرتا ہے جس میں عوام کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جمہوریت پر مبنی سیاسی نظام عوام کو ملک کے انتظام میں شمولیت کی دعوت دیتا ہے۔ ایسے سیاسی نظام کی معاشیات اطمینان بخش ہوتی ہے، جہاں نمائندہ حکومت اور عوام کی شمولیت نہیں وہاں ہر چیز اپنی افادیت کھو دیتی ہے۔ (ایم اے کے چودھری مارشل لاء کا سیاسی انداز، جنگ پبلیشرز، ص،106)

کتاب کی تیسری جلد، سب سے مختصر عرصہ (26 مارچ 1969ء تا 6 دسمبر 1971ء) لیکن نتائج کے اعتبار سے انتہائی تباہ کن دور پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں پاکستان دولخت ہوا اور یحییٰ خان شرمناک انجام سے دوچار ہوا۔ بھٹو کے لفظوں میں ''نیا پاکستان'' وجود میں آیا۔

یحییٰ خان نے اقتدار پر قبضہ کیا تو وہ خود نہیں جانتا تھا کہ اس پر ایک فرد، ایک ووٹ کی بنیاد پر آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کرانے کا الزام عائد کیا جائے گا۔ 1962ء کے آئین کو مرتب کرنے کے بعد وہ ایک نیا آئین مرتب کرنا چاہتا تھا جس میں اس کی مدت صدارت پندرہ سال رکھی جارہی تھی۔ صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ایوب خان کے آخری ایام میں اپنا ایک گروپ بنالیا تھا۔ جس پر وہ انحصار کرسکتا تھا۔ اپنے اقتدار کے چند ماہ کے اندر اندر اس نے ایک لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا جس کے تحت ون یونٹ توڑ کر پرانے صوبے۔ سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان بحال کر دیئے گئے۔ بنیادی جمہوریتوں کے نظام کو ختم کر دیا گیا اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست انتخابات کرانے کا اعلان ہوا۔ مشرقی پاکستان، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد میں آبادی کی بنیاد پر اراکین اسمبلی کی تعداد مقرر کی گئی۔ اس آرڈر کے تحت قومی اسمبلی کو قانون سازی کے ساتھ ساتھ آئین ساز اسمبلی کا کردار بھی ادا کرنا تھا اور اس پر لازم تھا کہ اپنے انعقاد سے 120 دن کے اندر اندر آئین تیار کرے ورنہ صدر خود آئین بنا کر نافذ کرنے میں آزاد ہوگا۔ بعض دیگر آئینی آرڈرز کے ذریعے عدالتوں کے اختیارات اس حد تک کم کر دیئے گئے کہ اب اعلیٰ عدالتیں، فوجی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں نہیں سن سکتی تھی۔

بہرحال اسی لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت پہلے عام انتخابات منعقد ہوئے مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی، نیپ اور جمعیت علماء اسلام اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے واضح برتری حاصل کی اور عوامی لیگ ملک کی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ یحییٰ کے لئے انتخابی نتائج اس قدر مایوس کن تھے کہ تین دن تک اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ جسٹس کارنیلس سے جو اسلامی آئین تیار کروایا گیا تھا اور جسے چھپوا بھی لیا گیا تھا اس میں یحییٰ خان کو بغیر کسی انتخاب کے، پندرہ سال کے لئے ملک کا صدر مقرر کیا گیا تھا۔ جب الیکشن کے نتائج سامنے آئے تو اس مدت کو گھٹا کر پانچ سال کر دیا گیا۔

انتخابی نتائج کے بعد اصولاً اسمبلی کا اجلاس بلانا چاہئے تھا جو آئین سازی کرتا، اکثریتی پارٹی حکومت بناتی اور صوبائی حکومت اور اسمبلیاں اپنے کام کا آغاز کرتیں۔ پنجاب اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی کامیابی، خود اس کے لئے غیر متوقع تھی۔ 30، 35 سیٹوں کی امید کرنے والی جماعت کو 81 سیٹیں مل گئی تھیں۔ چنانچہ پیپلز پارٹی نے مرکزی حکومت میں عوامی لیگ کے ساتھ اقتدار میں شرکت کرنے کا سوال اٹھایا۔ بھٹو نے فوج کو تیسری پارٹی قرار دیتے ہوئے کہا کہ ''اگر صدر مملکت، عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو آئین مقررہ مدت سے پہلے ہی تیار ہوسکتا ہے۔'' انہوں نے دونوں پارٹیوں کے آپس میں افہام وتفہیم سے کام لینے پر زور دیا اور کہا کہ ''پیپلز پارٹی کو نظرانداز کر کے آئین بنانے کی کوششیں تباہ کن ہوں گی۔ مختصراً یہ کہ بھٹو صاحب، مرکز میں اقتدار میں اپنا حصہ چاہتے تھے۔ یحییٰ خان نے اس مطالبے کی تائید کی اور جنوری 1971ء میں مجیب الرحمان پر بھٹو کے ساتھ کسی سمجھوتے پر پہنچنے کے لئے زور دیا۔ یہ مشرقی پاکستان میں انتخابات کے نتائج کو پس پشت ڈالنے اور ملک کے دونوں حصوں کے درمیان آویزش کا بیج بونے کے مترادف تھا۔

10 مارچ کو یحییٰ خان نے سیاسی رہنماؤں کی گول میز کانفرنس بلانے کا اعلان کیا جسے مجیب نے ایک ''ظالمانہ مذاق'' قرار دیتے ہوئے اسے گن پوائنٹ پر دیا ہوا دعوت نامہ کہا۔ 10 مارچ ہی کو بھٹو نے بھی مجیب کے نام ایک تار میں کہا کہ پاکستان کو ہر قیمت پر بچایا جانا چاہئے اور اس کے لئے وہ ڈھاکہ آنے کے لئے تیار ہیں لیکن عوامی لیگ کے نقطہء نظر سے اب کافی تاخیر ہو چکی تھی۔ مجیب سے مذاکرات کے لئے یحییٰ خان 15 مارچ کو ڈھاکہ پہنچا۔ یحییٰ، مجیب، بھٹو ملاقات ناکام رہی اور معاملہ فوجی ایکشن تک پہنچ گیا۔ ''دسمبر 1970ء سے مارچ 1971ء کے واقعات خصوصاً قومی اسمبلی کے اجلاس کے التوا کا انداز اس امر کے غماز تھے کہ فوج سیاسی قوت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

26 مارچ کو یحییٰ خان نے ڈھاکہ سے واپس آ کر قوم سے خطاب کرتے ہوئے عوامی لیگ کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ پاکستان بھر میں تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی اور اخبارات پر مکمل سنسر شپ نافذ کر دیا مجیب الرحمان کی عدم تعاون کی تحریک کی مذمت کرتے ہوئے یحییٰ خان نے اسے ''بغاوت کا اقدام'' قرار دیا اور کہا کہ مجیب الرحمان اور ان کی جماعت پاکستان کے دشمن ہیں اور ملک سے مکمل طور پر علیحدگی کے خواہاں ہیں'' انہوں نے کہا کہ ''مجیب الرحمان کا یہ جرم معاف نہیں کیا جائے گا۔

اب فوج عوام پر ٹوٹ پڑی۔ ''بغاوت کچلنے'' کے نام پر بستیوں کی بستیاں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ بلا جواز فوجی اقدام نے کروڑوں کی آبادی کو خون میں نہلا دیا۔ یہ ایک فوج کا، خود اپنے ہی ملک پر حملہ تھا۔ اپنی ہی آبادی کو ''فتح کرنے'' کا ایک مجرمانہ اقدام تھا اور ''مجیب کی علیحدگی پسندی کے جرم'' کے باوجود لاکھوں بے گناہ شہریوں کو قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ فوجی آمر سچ مچ دیوانہ ہو گیا تھا۔ نیو یارک ٹائمز کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اس نے انتہائی سنگدلی سے کہا تھا: ''ڈھاکہ میں جو کچھ ہوا، وہ فٹ بال کا کوئی میچ نہیں تھا۔ لڑنے والے ایک دوسرے پر پھول نچھاور نہیں کرتے۔''

اس عرصہ میں عوام پر کیا گزری۔ اس کے بارے میں ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ صرف ایک واقعہ سے اس کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایم اے کے چودھری وسط مئی 1971ء میں مشرقی پاکستان کے آئی جی پولیس بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ڈھاکہ جانے سے پہلے

وہ انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر سید نذیر احمد رضوی سے ملے تاکہ مشرقی پاکستان کے متعلق کوئی خاص ہدایت ہو تو لے لی جائے۔ مشرقی پاکستان کے ہنگاموں میں ان کا داماد قتل ہو گیا تھا۔ انہیں جو ہدایت رضوی صاحب نے دی، بہت مختصر اور عجیب تھی۔ رضوی نے چودھری صاحب سے کہا تھا: اپنے ساتھ بہت سے نوجوان پٹھان سپاہی لے جاؤ اور وہاں ان کو کھلا چھوڑ دو تاکہ آئندہ بنگالی نسل نیلی آنکھوں والی پیدا ہو' ایم اے کے چودھری لکھتے ہیں: 'رضوی چونکہ اپنے داماد کی موت پر سوگوار تھے، میں نے ان کی بات کو اس صدمے کا نتیجہ سمجھ کر سنی ان سنی کر دیا۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ دل سے کہہ رہے تھے۔''

ایم کے چودھری کے بقول'' یہ بات میرے ذاتی علم میں ہے کہ 14 دسمبر 1971ء کی صبح کو ہتھیار ڈال دینے کی ہدایت کے بعد جب گورنر مشرقی پاکستان نے صدر پاکستان کو ٹیلیفون کیا تو ان کی بات نہ ہو سکی۔ سٹاف افسروں نے کہا کہ صدر بہت مصروف ہے گورنر کے اصرار پر انہوں نے پوچھا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ گورنر نے کہا کہ آدھا ملک جا رہا ہے۔ کیا میں بطور نمائندہ صدر اور گورنر ان سے بات بھی نہیں کر سکتا؟ سٹاف افسر نے جواب میں ٹیلیفون بند کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ شراب کے نشے میں چور تھا اور بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔

مشرقی پاکستان میں' پاکستانی فوج نے' ہندوستانی کمانڈر کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس دن پاکستان ٹیلی ویژن سے بتایا جا رہا تھا کہ حالات مکمل طور پر قابو میں ہیں۔ یحییٰ خان، جی ایچ کیو میں فوجی افسروں سے مخاطب تھا۔ صدر شکست کی وجوہات پر روشنی ڈال رہا تھا۔ وہ ایک خود ساختہ آئین کے تحت، اپنی صدارت میں، ایک سیاسی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ یحییٰ خان نے پھر قوم سے ایک ظالمانہ مذاق کیا۔ 17 دسمبر کو اس نے اپنا وہ آئین جاری کر دیا جس میں پارلیمانی طرز کی حکومت کے ساتھ افواج پاکستان کو خصوصی تحفظات فراہم کیے گئے تھے۔ 18 دسمبر کو نورالامین نے صدر سے ملاقات کے بعد بتایا کہ یحییٰ پرسکون تھا اور نئے آئین کے تحت نئی حکومت تشکیل دینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ وہ بس بھٹو صاحب کا منتظر تھا۔

یحییٰ خان نے جس اسمبلی کو، اس کا اجلاس منعقد ہونے سے پہلے ہی توڑ دیا تھا۔ اس کے ساتھ ملک بھی ٹوٹ گیا۔

چوتھی جلد کا آغاز 20 دسمبر 1971ء سے ہوتا ہے جب بھٹو نے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر اقتدار سنبھالا اور نئے پاکستان کی نوید سنائی۔ بھٹو نے فوراً سماجی اور معاشی اصلاحات کا ڈول ڈالا۔ یکم مئی کو محنت کشوں کے لئے چھٹی کا اعلان کیا۔ نئی یونیورسٹیاں اور ثقافتی ادارے بنائے لیکن اپنے اندر کے'' وڈیرے بھٹو'' کو مطیع نہ کر سکا۔ 1977ء میں اس نے وقت سے قبل انتخابات کرانے کی ٹھانی۔ اسے زبردست کامیابی ملی لیکن دائیں بازو کا اتحاد، امریکی شہ پر اس کے اقتدار کا خاتمہ کرنے کے درپے تھا۔ دھاندلی کے نام پر اس کے خلاف طوفان برپا کر دیا گیا۔

جب ملک میں قومی اتحاد کے ہنگامے جاری تھے اسی دوران پاکستان میں امریکی سفیر کا واپس تبادلہ ہو گیا۔ جنرل ضیاءالحق کمانڈر انچیف پاکستان آرمی نے ایک شاندار الوداعیہ سفیر کے لئے اپنے گھر پر دیا۔ ایم اے کے چودھری ان دنوں وزارت داخلہ میں بطور سیکرٹری کام کرتے تھے انہیں بھی اس الوداعیہ میں شرکت کی دعوت ملی تھی۔ انہیں لگا کہ دعوت کچھ زیادہ ہی پرتکلف تھی۔ کسی سفیر کے

تبادلے پر عموماً وزارت خارجہ ایک عام سی دعوت دیا کرتے ہیں۔ فوج کے سربراہ عموماً ایسی دعوتیں نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تو سفیروں کی طرف سے دی گئی دعوتوں پر بھی کم ہی جاتے ہیں۔ چودھری صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔ اگلے دن انہوں نے وزیراعظم سے ضمناً ذکر کیا۔ بھٹو ان کا مطلب سمجھ گئے لیکن خاموش رہے۔ جب وہ سپریم کورٹ میں اپنے خلاف قتل کے مقدمے میں بیان دے رہے تھے تو انہوں نے اس ''دعوت'' کا بھی حوالہ دیا۔

جب پی این اے کی تحریک زوروں پر تھی تو قائم مقام امریکی سفیر کی ٹیلیفون پر ایک اور سفارت کار سے گفتگو پاکستانی انٹیلی جنس کے محکمے نے ٹیپ کر لی اور وزیراعظم کو سنائی۔ گفتگو میں ٹیپ کا مصرعہ تھا۔'' بھٹو ختم ہو گیا اور کھیل بھی ختم ہو گیا۔'' انگریزی میں الفاظ تھے

Bhutto is Finished . The Party is over

اس گفتگو کے اگلے ہی روز بھٹو نے اسمبلی کا اجلاس بلایا ہوا تھا۔ اپنی تقریر میں انہوں نے امریکی سفیر کی گفتگو دہراتے ہوئے بڑے جوش سے کہا: کھیل ختم نہیں ہوا۔

The party is not over

لیکن کھیل سچ مچ ختم ہونے والا تھا۔ اور 5 جولائی کو کھیل ختم ہو گیا۔

چار جلدوں میں پاکستان کی یہ کہانی ایک متبادل تاریخ کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ اسی انداز میں کام کو جاری رکھتے ہوئے پانچویں جلد (5 جولائی 1977 تا 7 اگست 1988ء) پر کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ چھٹی جلد اگست 1988ء سے اکتوبر 1999ء تک محیط ہو گی۔ ساتویں جلد اکتوبر 1999ء تا 2007ء تک کے واقعات کا احاطہ کرے گی۔ جبکہ آٹھویں جلد 2007ء سے 2017ء تک کے حالات و واقعات کو پیش کرے گی۔ یہ میرا عزم ہے لیکن کام کا جاری رہنا آپ کی قبولیت پر ہو گا۔

احمد سلیم

جولائی 2017ء

انتقالِ اقتدار ـــ منصوبہ اور تکمیل

جون 1947ء

2 جون۔۔انتقالِ اقتدار کی منصوبہ بندی

مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں کے نمائندوں سے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 2 جون 1947ء کو انتقال اقتدار کے حتمی منصوبے پر گفتگو کی' جس میں ملک کی تقسیم کا ایک فارمولا طے کر لیا گیا۔ قائداعظم نے صوبوں کی تقسیم کی مخالفت کی اور کہا کہ بنگال اور پنجاب متحدہ صورت میں پاکستان میں شامل ہونے چاہئیں۔

(حوالے: 1'2)

مزید دیکھیں۔۔۔۔ اسی جلد کا ایک حصہ۔ انتقال اقتدار' منصوبے کی تفصیلات

2 جون۔۔قیامِ پاکستان اور امریکہ

2 جون 1947ء کو برطانوی وزیراعظم کلیمنٹ ایٹلی نے لندن میں متعین امریکی سفیر لیوس ڈبلیو ڈگلس کو ماؤنٹ بیٹن کے تقسیم ہند کے منصوبے کے بارے میں اطلاع فراہم کر دی تھی۔ ایٹلی نے بتایا تھا کہ اگلے روز (3 جون) ہندوستان کا وائسرائے تقسیم کے طریق کار کا اعلان کرنے والا ہے۔ اس سے قبل ڈگلس کو معلوم ہو چکا تھا کہ اگرچہ بہت سے ممالک ہندوستان میں اپنے مشن قائم کر چکے ہیں لیکن برطانوی حکومت نے صرف امریکی نمائندے کو قبل از وقت مطلع کرنے کے قابل سمجھا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ "صرف امریکہ ہی" صورت حال کا قریبی طور پر جائزہ لیتا رہا تھا اور مدد دینے والے بیانات کے ذریعے اپنی دلچسپی بھی ظاہر کرتا رہا تھا....

اس سے قبل یکم مئی 1947ء کو مسلم لیگ کے رہنما قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں اپنی رہائش گاہ پر دو امریکی مہمانوں کا استقبال کیا۔ یہ مہمان امریکی محکمہ خارجہ کے جنوبی ایشیائی امور کے شعبے کے سربراہ ر۔منڈ اے ہیر اور ہندوستان میں امریکی سفارت خانے کے سیکنڈ سیکرٹری تھامس ای ویل تھے۔ قائداعظم نے انہیں بتایا کہ چونکہ مسلم لیگ پاکستان کے قیام کا عزم کئے ہوئے ہے اس لئے وہ کسی طور بھی متحدہ ہندوستان کے تصور کو قبول نہ کریں گے۔ انہوں نے اپنے ان امریکی مہمانوں پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ ایک آزاد اور خودمختار پاکستان کا ظہور امریکی مفادات کے حق میں ہو گا۔ پاکستان ایک مسلمان ملک ہو گا اور مسلمان ممالک مل کر سوویت جارحیت کے خلاف متحد ہو جائیں گے۔ اس جدوجہد میں انہیں امریکی امداد کی ضرورت ہو گی۔ قائداعظم نے سوویت جارحیت کے خطرے کو ایک اور خطرے کے ساتھ ملا دیا جس سے مسلم اقوام کو سابقہ پیش آ سکتا تھا۔ یہ ہندو سامراجیت کا اندیشہ تھا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مشرق وسطیٰ میں ہندو سامراج کی توسیع کو روکنے کی خاطر پاکستان کا قیام بہت ضروری ہے....

اس سے بھی قبل اپریل 1947ء میں امریکی پالیسی سازوں کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان کے حصے بخرے ہونے سے امریکہ کے سلامتی کے مفادات کو ضعف پہنچے گا۔ اس لئے امریکہ میں' قائداعظم کے مطالبہ پاکستان کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ محکمہ خارجہ کے انڈر سیکرٹری ڈین ایچی سن نے 4 اپریل 1947ء کو لندن کے امریکی سفارت خانے کو بھیجے جانے والے ایک مراسلے میں امریکی موقف کو مختصراً یوں بیان کیا ہے: "گذشتہ برس کے دوران ہم نے متحدہ ہندوستان کی اساس پر مقامی لوگوں کو اقتدار کی پرامن منتقلی کے لئے برطانوی حکومت کی کاوشوں کی بھرپور تائید کی ہے۔ اس تائید کا اظہار اعلیٰ امریکی حکام کی طرف سے پریس کو جاری ہونے والے بہت سے بیانات کے علاوہ ہمارے سفارتی نمائندوں اور ممتاز ہندوستانی رہنماؤں کے درمیان غیر رسمی ملاقاتوں کی صورت میں ہوتا رہا ہے۔ اس طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے ہم ہندوستان کی وحدت کو برقرار رکھنے کی راہ میں حائل رکاوٹوں سے پوری طرح آگاہ رہے ہیں۔ ہم اس تصور کی طرف میلان رکھتے ہیں کہ ہندوستان کی یکجہتی برقرار رہنے سے دنیا کے اس حصے میں ہمارے سیاسی اور معاشی مفادات کو بہترین فائدہ پہنچے گا....

(حوالہ: 3)

3 جون۔۔ تقسیم کا منصوبہ

3 جون کو وائسرائے نے ہندوستان کی تقسیم کا مکمل منصوبہ پیش کیا جس میں ہندوستان کی دو حصوں میں تقسیم' سرحد اور سلہٹ میں ریفرنڈم' دو دستور ساز اسمبلیوں کے قیام' سرحدی کمیشن کی تشکیل' فوجی اثاثوں کی تقسیم اور دیگر نکات کی تفصیل سامنے آئی۔ قائداعظم اور پنڈت نہرو نے ریڈیو سے منصوبے کی منظوری کا اعلان کیا۔

(حوالے: 4'5'6)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ۔۔۔ انتقال اقتدار' منصوبے کی تفصیلات

4 جون۔۔ آزادی کی تاریخ کا اعلان

ہندوستان کے آخری وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے' پوری دنیا سے آئے ہوئے تقریباً 300 صحافیوں کی ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ 15 اگست 1947ء کو اقتدار' ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو سونپ دیا جائے گا۔ عام خیال یہ تھا کہ اقتدار 1948ء سے پہلے

منتقل نہیں کیا جائے گا اس لئے یہ اطلاع دھماکہ خیز تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے تمام سیاسی رہنماؤں کو ایک کیلنڈر ارسال کیا جس کا ایک صفحہ ہر روز پھاڑا جانا تھا۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اب تقسیم میں اتنے دن رہ گئے ہیں۔ ڈیلی ٹریبیون نے اس روز لکھا کہ قائداعظم کے ہاتھ ایک کٹا پھٹا پاکستان آئے گا۔ اس کی مثال اس پھل کی سی ہو گی جسے کیڑے کھا چکے ہوں۔ اور آخر کار سکھ ہتھیار اٹھالیں گے۔

اس روز ماسٹر تارا سنگھ نے ایک بیان میں اس منصوبے پر شدید تنقید کی اور کہا کہ اس میں سکھوں کے اقتدار یا منصب یا ان کی حیثیت اور مفادات کے تحفظ سے مکمل اغماز برتا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ سکھ اس وقت تک مطمئن نہیں ہوں گے جب تک دریائے چناب کو حدبندی کی لکیر قرار نہیں دیا جاتا۔ اس نے کہا کہ سکھوں کا وجود ہی خطرے میں پڑ گیا ہے اور یہ کہ خالصہ کی طرف سے دنیا پر یہ ثابت کر دیا جائے گا کہ گورو گوبند سنگھ کی روح ابھی ہمارے اندر زندہ ہے۔

(حوالے : 7، 8)

10 جون۔۔ مسلم لیگ کی طرف سے منصوبے کی منظوری

9، 10 جون کو مسلم لیگ کی کونسل نے، لیگ کی مجلس عاملہ کے 3 جون کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے جو قرارداد منظور کی اس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان کے مسائل کا واحد حل یہی ہے کہ "برعظیم کو دو حصوں۔۔۔ "پاکستان اور ہندوستان" میں تقسیم کر دیا جائے کونسل کو اگرچہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے اتفاق نہیں تھا لیکن اس ضمن میں کونسل نے قائداعظم کو پورے اختیارات دیئے کہ وہ اس منصوبے پر جو بھی مفاہمت یا فیصلہ کرنا چاہیں کر لیں۔

14 جون۔۔ کانگریس کی منظوری اور سکھوں کی بے چینی

کانگریس نے اپنے 13 جون کے اجلاس میں 3 جون کے منصوبے کی منظوری دے دی۔ اسی روز ایلن کیمبل جانسن نے اپنی ڈائری میں لکھا: " پنجاب میں سکھوں کی بے چینی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ انہیں 3 جون کے منصوبے کے نتائج کا احساس ہو گیا ہے۔ انہیں پتہ چل گیا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کا مطلب سکھوں کی تقسیم ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انہیں مسلمانوں کے عزائم اور ہندوؤں کی موقع پرستی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔ ان کے لیڈر سیاسی کشمکش میں بری طرح مات کھا گئے ہیں اور انہوں نے پرانے حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں.... طاقت تارا سنگھ جیسے وحشی لوگوں کے ہاتھ میں جا رہی ہے"

(حوالہ : 9)

17 جون۔۔ ریاستوں سے متعلق قائداعظم کا اعلان

3 جون کے منصوبے کے ضمن میں، ہندوستانی ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ ہندوستانی ریاستیں، آئینی اور قانونی طور پر برطانوی اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوتے ہی ازخود آزاد اور خودمختار ریاستیں ہوں گی اور اپنے لئے اپنی پسند کے مطابق راہ عمل اختیار کرنے میں آزاد ہوں گی۔ انہیں اس بات کی کھلی اجازت ہے کہ وہ ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی میں شامل ہوں یا پاکستان کی یا پھر مکمل طور پر آزاد رہنے کا فیصلہ کریں اور آخری صورت میں، وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ اپنی صوابدید کے مطابق، جس قسم کے تعلقات یا انتظامات چاہیں وابستہ کر لیں۔ (حوالہ : 10)

20 جون۔۔۔ بنگال کی تقسیم کا فیصلہ

تقسیم کے منصوبے میں طے شدہ طریقے کے مطابق مسلم اکثریت کے صوبوں میں رائے شماری ہوئی۔ 20 جون کو صوبہ بنگال کی اسمبلی میں رائے شماری کے لئے پہلے اسمبلی کا مشترکہ اجلاس ہوا جس میں مسلم لیگ کی جانب سے یہ قرارداد پیش کی گئی کہ متحدہ بنگال کو پاکستان میں شامل کیا جائے۔ اس قرارداد کے حق میں 126 اور مخالفت میں 90 ووٹ آئے۔ گویا مشترکہ اجلاس کا اکثریتی فیصلہ متحدہ بنگال کو پاکستان میں شامل کرنے کا تھا لیکن مجوزہ طریق کار کے مطابق بنگال کو متحد رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ اس اسمبلی میں صوبے کے مغربی اور مشرقی حصوں سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی کے علیحدہ اجلاسوں میں کیا جانا تھا۔ چنانچہ مغربی بنگال سے تعلق رکھنے والے ارکان کے اجلاس میں کانگریسی ارکان نے یہ قرارداد پیش کی کہ صوبے کو دو حصوں میں تقسیم ہونا چاہئے۔ اس قرارداد کے حق میں 58 اور مخالفت میں 21 ووٹ آئے۔ ادھر مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ارکان کے اجلاس میں یہ قرارداد پیش کی گئی کہ صوبے کی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے حق میں 106 اور مخالفت میں 35 ووٹ آئے۔ تاہم ایک اور قرارداد بھی پیش کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ صوبے کی تقسیم کی صورت میں مشرقی بنگال کو بہرحال پاکستان میں شامل کیا جائے گا۔ اس کے حق میں 107 اور مخالفت میں 34 ووٹ ڈالے گئے۔ یوں بنگال کی تقسیم کا فیصلہ کر لیا گیا۔ (حوالہ : 11)

21 جون۔۔ حسین شہید سہروردی اور خودمختار بنگال

بنگال کی تقسیم کے فیصلے کے خلاف ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے بنگال کے وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ایک اخباری بیان میں کہا: " آزاد اور خودمختار بنگال کی تجویز کو چھرا گھونپ کر موت کے گھاٹ اتار دیا

گیا ہے اور اب بنگال کو جلد ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔ مسلم بنگال کو اس پر کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ ہماری خواہش تو یہ تھی کہ یک رنگی اتحاد ہو کیونکہ اس طرح ہم ایک نہایت ترقی پذیر اور خوشحال قوم کی تشکیل کر سکتے تھے لیکن یہ اتحاد ہمارے مقدر میں نہیں تھا۔ خواہ ہمارے پاکستان کی اور بھی زیادہ کانٹ چھانٹ کر دی جائے۔ خواہ یہ اور بھی کرم خوردہ اور خستہ حالت میں رہ جائے ہم پھر بھی اس کا خیرمقدم کریں گے کیونکہ اس طرح مسلم قوم کی روح اور شان و شوکت کا تحفظ ہو گیا ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اب ہم ہندوستان کی اکثریت کے طفیلی نہیں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہماری سیاسی اہمیت اور معاشی ذرائع دنیا کی اقوام میں ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ مقبولیت کا باعث بنیں گے جو الگ تھلگ رہنے کے عقیدے سے سرشار ہیں جن کی بین الاقوامیت محض ایک ڈھونگ ہے اور جن کی ایشیائی بالادستی کے ڈھول کا پول کھل چکا ہے اب مسلم قوم کو خوش حالی و عظمت کی طرف پیش قدمی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

(حوالہ : 12)

23 جون۔۔پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ

بنگال کی طرح پنجاب اسمبلی کے متحدہ اجلاس میں سادہ اکثریت کا فیصلہ متحدہ پنجاب کو پاکستان میں شامل کرنے کا تھا۔ اس سوال پر کہ پنجاب کے متحد رہنے کی صورت میں وہ پاکستان کا حصہ بنے یا بھارت کا' 168 ارکان اسمبلی میں سے 91 نے پاکستان میں شمولیت کے حق میں ووٹ دیا جبکہ ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل 77 ووٹ اس کی مخالفت میں پڑے۔ اس کے بعد طے شدہ طریق کار کے مطابق مشرقی اور مغربی پنجاب کے اراکین کے الگ الگ اجلاس ہوئے۔ مشرقی پنجاب کے 72 ارکان کے اجلاس میں مسلم لیگ کے نواب افتخار حسین ممدوٹ نے صوبے کو متحد رکھنے کی قرارداد پیش کی لیکن اس کے حق میں صرف 22 ووٹ پڑے اور وہ 50 ووٹوں کی اکثریت سے مسترد ہو گئی۔ دوسری طرف مغربی پنجاب کے ارکان کے اجلاس میں صوبے کو متحد رکھنے کی قرارداد 27 کے مقابلے میں 69 ووٹوں کی اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ مشرقی پنجاب کے ارکان نے تقسیم کے ساتھ ساتھ مشرقی پنجاب کو بھارت میں شامل کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔ یوں پنجاب میں بھی پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ غیر مسلموں نے کیا جن میں سکھ پیش پیش تھے۔

(حوالے : 13' 14)

26 جون۔۔سندھ اسمبلی کا فیصلہ

سندھ اسمبلی نے اپنے اجلاس میں سندھ کو پاکستان کی نئی آئین ساز اسمبلی میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ قرارداد کے حق میں 33 اور مخالفت میں 20 ووٹ پڑے۔ یورپی ارکان نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ کانگریسی ارکان نے قرارداد کی مخالفت کی۔

29 جون۔۔بلوچستان کا فیصلہ

29 جون کو کوئٹہ میں شاہی جرگہ نے اپنے اجلاس میں فیصلہ کیا کہ بلوچستان پاکستان میں شامل ہو گا۔ مخالف نقطہ نظر کے مطابق شاہی جرگے کے فیصلے کو غیر نمائندہ قرار دیا گیا۔

(حوالے : 15' 16' 17' 18' 19)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ۔۔ بلوچستان کا فیصلہ پاکستان یا ہندوستان ۵

30 جون۔۔حدبندی کمیشن کا تقرر

30 جون کو وائسرائے نے بنگال اور پنجاب کی حدبندی کے لئے' سائرل ریڈ کلف کی سربراہی میں ایک کمیشن مقرر کیا جس کے دیگر آٹھ اراکین میں چار مسلمان اور چار غیر مسلم تھے۔

جولائی 1947ء

2 جولائی۔۔قائداعظم نے مشترکہ گورنر جنرل منظور نہیں کیا

ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے ملاقات کی اور انہیں ایک مشترکہ گورنر جنرل کا اصول تسلیم کرنے کے لئے مجبور کیا اور کہا کہ اس اصول کے تسلیم کئے جانے سے اسٹورز اور اثاثہ جات کی دیانتدارانہ تقسیم اور دونوں مملکتوں کے درمیان ایک منصفانہ سرحد کا قیام یقینی ہو جائے گا۔ وائسرائے کا مزید استدلال یہ تھا کہ پاکستان ایک کمزور ملک ہو گا اور اسے اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سہارے کی ضرورت ہو گی اس نے دھمکی دی کہ پاکستان اگر ایک مشترکہ گورنر جنرل منظور نہیں کرتا تو اس بات کا امکان ہے کہ اسے بہت کچھ کھونا پڑے۔ قائداعظم نے جواب دیا کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کو ایک سپر گورنر جنرل کی حیثیت سے قبول کرنے پر آمادہ ہیں گو کہ ایسا کوئی طریقہ دنیا میں رائج نہیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ قائداعظم کو پاکستان کا وزیراعظم بننا چاہئے۔ اس طریقے سے وہ اپنے ہاتھوں میں سارا اقتدار رکھ سکتے ہیں۔ قائداعظم نے کہا کہ انہیں اقتدار کی کوئی پروا نہیں۔ نواب آف بھوپال نے بھی انہیں مشترکہ گورنر جنرل کا اصول تسلیم کرنے پر زور دیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ بھی کہا کہ اگر شمال مغربی سرحد کے قبائل علیحدہ ہو جائیں تو جناح کے لئے ان پر قابو پانا مشکل ہو گا۔ اس کے علاوہ پاکستان' ہندوستان کے رحم و

کرم پر ہو گا۔ ہاں' اگر ماؤنٹ بیٹن وہاں ہوئے تو ایسی صورت حال پیش نہیں آئے گی۔ ماؤنٹ بیٹن نے آخر میں کہا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ گورنر جنرل کی حیثیت سے ان (قائداعظم) کے تقرر کو منظور نہیں کریں گے۔

قائداعظم اس بات کے لئے تیار نہیں تھے کہ ایک ایسے شخص کو دونوں ممالک کے گورنر جنرل کی حیثیت دے کر پاکستان کی قسمت کو داؤ پر لگا دیں جو کانگریس کے ہاتھوں بک چکا ہو اور پہلے ہی کئی لحاظ سے پاکستان کے موقف کو نقصان پہنچا چکا ہو۔

اگر ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل مقرر کیا جاتا تو وہ اپنا کام کہاں سے شروع کرتا۔ ظاہر ہے کہ یہ جگہ دہلی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں بجا طور پر یہ سوچا جا سکتا تھا کہ وہ ہندوؤں کے زیر اثر کام کرے گا۔ وہ یقیناً ایک نسبتاً بڑے ملک کے لیڈروں کے مشوروں پر چلے گا۔ کیا وہ دونوں دارالحکومتوں کے درمیان جھولتا رہے گا اور کراچی میں ایک دفتر قائم کرے گا یا دونوں ممالک کے درمیان آنے جانے والا پیغام رسانی کا ادارہ قائم کیا جائے گا۔ بہرحال ماؤنٹ بیٹن یہ سمجھتا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح' وزیراعظم کی حیثیت سے اس کی غیر موجودگی میں' قائم مقام گورنر جنرل کے طور پر بھی کام کر سکتے ہیں لیکن قائداعظم محسوس کرتے تھے کہ عوام کو جب یہ معلوم ہو گا کہ ان پر دہلی سے حکومت کی جا رہی ہے تو ان پر کیا اثر پڑے گا؟ یہ بات ان کے لئے کتنی حیران کن اور ناپسندیدہ ہو گی کہ ان کی قسمتوں کا اختیار قائداعظم کی بجائے ماؤنٹ بیٹن کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح قوم اپنے لیڈر پر سے اعتماد کھو دے گی۔

بہرحال اس سے ماؤنٹ بیٹن کو گہرا صدمہ پہنچا اور اس کی انا کو ایک ایسا زخم لگا جس کا ردعمل پاکستان کے لئے نقصان کا باعث ثابت ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے ہونے والی گفتگو اپنی حکومت کو پہنچاتے ہوئے یہ معنی خیز تبصرہ کیا کہ اس فیصلے نے اس کے سیاسی منصوبوں اور فوجی تقاضوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔

(حوالہ: 20)

6-7 جولائی۔۔سلہٹ کا ریفرنڈم

آسام کے ضلع سلہٹ کے ریفرنڈم میں ووٹروں کی اکثریت نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کے حق میں 2,39,619 اور مخالفت میں 1,84,041 ووٹ پڑے۔ سلہٹ کے ریفرنڈم کے بارے میں قائداعظم کو متعدد شکایات تھیں مثلاً ریفرنڈم کمشنر مسٹر شارک آئی۔ سی۔ ایس پہلی جنگ عظیم میں ترکی میں قید رہا تھا اس لئے وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔

(حوالہ: 21)

6-17 جولائی۔۔صوبہ سرحد میں ریفرنڈم

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں اکثریت نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ خدائی خدمت گار تحریک نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا۔ سیاسی طور پر اسے ایک متنازعہ ریفرنڈم تصور کیا جاتا ہے۔

مزید دیکھیں' اسی کتاب کا ایک علیحدہ باب۔ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم

(حوالے: 22' 23' 24' 25)

13 جولائی۔۔قائداعظم کی بحیثیت گورنر جنرل تقرری

قائداعظم کو پاکستان کا گورنر جنرل بنانے کے مسلم لیگی فیصلے کے تحت' حکومت برطانیہ نے قائداعظم کو پاکستان کا گورنر جنرل نامزد کر دیا۔ اپنی نامزدگی کے دوسرے روز 13 جولائی کو قائداعظم نے ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا:

"یہ بات بالکل غلط ہے کہ مسلم لیگ سب سے پہلے اس بات پر رضامند ہو گئی تھی کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں کا ایک ہی گورنر جنرل مقرر کیا جائے اور اس کے بعد وہ اپنے قول سے منحرف ہو گئی۔ پاکستان اور ہندوستان کے گورنر جنرلوں کا انتخاب مسلم لیگ اور کانگریس نے کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا انتخاب عوام نے کیا ہے۔ گورنر جنرل کے سلسلے میں ایک غلط قسم کا تصور پیدا ہوا ہے۔ عموماً قاعدہ یہ تھا کہ گورنر جنرل کا تقرر' کابینہ کے مشورے پر کیا جاتا تھا لیکن چند وجوہات کی بنا پر یہ طے کیا گیا کہ حکومت کے ذمہ دار جانشین گورنر جنرلوں کا انتخاب کریں اور ملک معظم ان کی تقرری کی منظوری دے دیں۔ اس لئے میں اس بات کو واضح اور صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان اور ہندوستان کے گورنر جنرلوں کا انتخاب یہاں کی حکومت کی ذمہ دار پارٹیوں یعنی مسلم لیگ اور کانگریس نے کیا۔ عام طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس سے پہلے گورنر جنرل کا انتخاب بادشاہ کیا کرتا تھا ویسا ہی اس بار بھی ہوا ہے۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور میں اسے صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ ان دونوں آبادیوں کے گورنر جنرلوں کا انتخاب درحقیقت بادشاہ نے نہیں بلکہ ملک کے عوام نے کیا ہے اور اسی بنیاد پر میں نے اس عظیم عہدے کو قبول کیا ہے۔"

مختلف سوالوں کے جواب میں انہوں نے اقلیتوں کے بارے میں ایک بار پھر واضح طور پر یقین دہانی کرائی کہ پاکستان میں ان کے مذہب اور تمدن کا تحفظ کیا جائے گا اور انہیں بھی وہ تمام مراعات حاصل ہوں گی جو اکثریت کو ملیں گی۔ اسی طرح اقلیتوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے

کہ وہ پاکستان کی وفادار رہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اسی اصول کی بنیاد پر بھارتی مسلمانوں کو اپنی مملکت کا وفادار رہنا چاہئے۔ انہوں نے دونوں ملکوں کے تمام شہریوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی اپنی مملکت کے وفادار رہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا پاکستان میں ایک غیرمذہبی حکومت ہو گی یا وہاں حکومت الٰہیہ قائم ہو گی تو قائداعظم نے کہا کہ آپ لوگ لغو سوال کر رہے ہیں جس کے کوئی معنی نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ حکومت الٰہیہ سے کیا مراد ہے؟ سوال کی وضاحت ہونے پر انہوں نے کہا کہ ہم آج سے تیرہ سو سال قبل ہی جمہوریت کا عملی سبق دے چکے ہیں۔

(حوالہ: 26)

17 جولائی۔۔ پاکستان کے بارے میں امریکی رویہ

امریکی وزیر خارجہ مارشل نے پاکستان کے قیام پر اسے فوراً تسلیم کرنے کے بارے میں امریکی صدر ٹرومین کو ایک یادداشت بھیجی جس میں کہا گیا تھا کہ 15 اگست 1947ء کو شمال مغربی ہندوستان کے بڑے حصے اور شمال مشرقی ہندوستان کے ایک چھوٹے حصے پر حاکمانہ اختیار رکھنے والی ایک نئی حکومت جو ڈومینین آف پاکستان کے نام سے موسوم ہے' معرض وجود میں آ جائے گی۔۔۔۔ وزیر خارجہ نے لکھا: "میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے قومی مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ پاکستان کی اس نئی ڈومینین کو سفیروں کے تبادلے کی متوقع درخواست کا مثبت جواب دیتے ہوئے' جلد ازجلد تسلیم کر لیا جائے۔ سات کروڑ کی آبادی کا حامل پاکستان دنیا میں سب سے بڑا مسلم ملک ہو گا اور دنیا میں سب سے زیادہ دفاعی اہمیت کے حامل علاقوں میں سے ایک پر مشتمل ہو گا۔

(حوالہ: 27)

18 جولائی۔۔ قانون آزادیٔ ہند

یکم جولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کو آزادی ہند کے بل کی نقول فراہم کر دیں۔ یہ بل 7 جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ میں منظوری کے لئے پیش ہونا تھا۔ اپنے اپنے قومی مفاد میں دونوں پارٹیوں نے اس بل پر اعتراضات کئے لیکن دونوں ہی نے ایک دوسرے کے اعتراضات کو مسترد بھی کر دیا۔۔۔ یہ اعتراضات اور ان پر ہندوستان کے حق میں اپنا تبصرہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی کابینہ میں وزیر ہند کو بھیج دیا۔ چند روزہ بحث کے بعد اور معمولی تبدیلیوں کے ساتھ 16 جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا اور 18 جولائی کو برطانوی بادشاہ کے دستخطوں سے یہ بل آزادی ہند کا قانون بن گیا۔

18 جولائی۔۔ قرارداد الحاقِ پاکستان

جوں جوں آزادی کی گھڑی قریب آ رہی تھی' ریاست جموں و کشمیر کے حالات بگڑتے جا رہے تھے۔ چنانچہ 18 اور 19 جولائی کو مسلم کانفرنس نے سری نگر میں ایک کنونشن کا انعقاد کیا۔ کانفرنس کے اجلاس کے شرکاء محسوس کر رہے تھے کہ جہاں ایک طرف پاکستان سے ملنے والے سرحدی علاقوں میں فوجی نقل و حرکت میں اضافہ ہو گیا ہے وہاں دوسری طرف کانگرسی زعماء کی آمدورفت بھی بڑھ رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ مسلم کانفرنس اپنے واضح موقف کا تعین کرے اور مہاراجہ الحاق کا فیصلہ اکثریت کے اس موقف کی روشنی میں کرے۔ پہلے' کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان نے کشمیر کی خودمختاری کی قرارداد پیش کی جس کی شدید مخالفت ہوئی حتیٰ کہ محرک کو اپنی قرارداد واپس لینا پڑی۔ دوسری قرارداد اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ جغرافیائی' اقتصادی' لسانی' ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہایت ضروری ہے کیونکہ ریاست کی آبادی کا 80 % حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے تمام بڑے دریا' جن کی گزرگاہ پنجاب ہے' کے منبعے وادی میں ہیں اور ریاست کے عوام بھی پاکستان کے عوام کے ساتھ مذہبی' ثقافتی اور اقتصادی رشتوں میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کرایا جائے۔

کنونشن میں مہاراجہ سے مطالبہ کیا گیا کہ کشمیری عوام کو داخلی خودمختاری دی جائے اور مہاراجہ آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ریاست میں ایک نمائندہ قانون ساز اسمبلی کی تشکیل کرے اور دفاع' مواصلات اور امور خارجہ کے محکمے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سپرد کئے جائیں۔

(حوالہ: 28)

24 جولائی۔۔ پنجاب باؤنڈری فورس کا قیام

پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے تجویز کیا گیا کہ ایک خاص سرحدی فوج کی تشکیل کی جائے۔ تجویز کی منظوری کے بعد باؤنڈری فورس قائم ہو گئی جس کے ارکان کی تعداد 55 ہزار تھی۔ ایک انگریز میجر جنرل ٹی ڈبلیو ریس اس کا اعلیٰ کمانڈر مقرر ہوا۔ پاکستان کی طرف سے بریگیڈیئر محمد ایوب خان اور ہندوستان کی طرف سے بریگیڈیئر ڈگمبر سنگھ اس کے مشیر مقرر ہوئے۔ اس خاص فوج کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ یہ امن و امان کے مسائل والے اضلاع۔۔۔ سیالکوٹ' گوجرانوالہ' شیخوپورہ' لائل پور' منٹگمری' لاہور' امرتسر' گورداسپور' ہوشیارپور'

جالندھر، فیروزپور اور لدھیانہ میں تاحکم ثانی امن قائم رکھے گی لیکن اس سے پہلے کہ کیم اگست کو باؤنڈری فورس عملی طور پر وجود میں آتی 31 جولائی کو پورے مشرقی پنجاب میں سکھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا اور یہ فورس بالآخر بے اثر اور ناکام ثابت ہوئی۔

اگست -- 1947ء

3 اگست -- قائداعظم کا تصورِ جمہوریت

مسلمان فوجی افسروں سے ایک عصرانے کی تقریب میں جو لیفٹیننٹ کرنل (بعد ازاں میجر جنرل) شاہد حامد کی رہائش گاہ پر منعقد ہوئی، قائداعظم نے کہا کہ اب پاکستان کو دنیا کی عظیم ترین مملکت بنانا آپ کا کام ہے۔ پاکستان کے سیاسی نظام کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں کہا: "پاکستان کی منتخب حکومت ایک سویلین حکومت ہو گی اور جو کوئی جمہوری اصولوں کے خلاف سوچتا ہے اسے اپنے لئے پاکستان کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے۔"

7 اگست -- قائداعظم کراچی پہنچتے ہیں

7 اگست کو قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے لئے وائسرائے کے ڈکوٹا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر دہلی سے کراچی پہنچے۔ ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح اور عملے کے بعض ارکان بھی تھے۔ انگریزی لباس کی بجائے نئی سفید شیروانی زیب تن کئے دہلی کے ہوائی اڈے پر جب وہ طیارے میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے پلٹ کر دہلی شہر پر آخری نظر ڈالی اور کہا "میرا خیال ہے کہ میرے لئے دہلی کا یہ آخری دیدار ہے۔" جب جہاز کراچی اترا تو عوام کا انبوہ عظیم ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ہوائی اڈے پر موجود تھا جو اندرون شہر تک پھیلا ہوا تھا۔ قدم قدم پر پاکستان زندہ باد کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔

گورنمنٹ ہاؤس (کراچی میں موجودہ گورنر ہاؤس) پہنچ کر قائداعظم نے اپنے اے ڈی سی احسن سے کہا: "شاید تمہیں یہ معلوم نہ ہو کہ مجھے کبھی یہ امید نہیں تھی کہ پاکستان میری زندگی میں قائم ہو جائے گا۔ ہم نے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اس پر ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

(حوالہ: 29)

10 اگست -- دستور ساز اسمبلی کا افتتاح

10 اگست کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ ایوان میں موجود 69 ارکان اسمبلی نے جوگندرناتھ منڈل کو اسمبلی کا عارضی صدر منتخب کیا۔ ارکان نے اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا۔

افتتاحی اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی موجود تھے۔

(حوالہ: 30)

مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ۔ دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس

حوالے: انتقالِ اقتدار -- منصوبہ اور تکمیل

1- ٹرانسفر آف پاور، جلد نمبر 11، صفحات 47-39 (انگریزی)

2- ویول -- دی وائسرائز جرنل، صفحہ 419 (انگریزی)

3- ایم ایس وینکٹے رامانی -- پاکستان میں امریکہ کا کردار (اردو ترجمہ: قاضی جاوید، لاہور، 1988ء صفحات 1'2'7'8 اصل حوالے (1) لندن میں امریکی سفیر (لیوس ڈبلیو ڈگلس بنام وزیر خارجہ (مارشل) جون ء (2) نئی دہلی میں امریکی ناظم الامور (جارج آر میرل) بنام امریکی وزیر خارجہ (جارج_ سی- مارشل) 2 مئی 1947ء_ "امریکہ کے خارجہ تعلقات 1947ء" (واشنگٹن 1972ء) جلد نمبر 3، صفحات 155-154 (3) قائم مقام وزیر خارجہ (ڈین ایچسن) برطانیہ میں امریکی سفارت خانے کے نام- 4 اپریل 1947ء "خارجہ تعلقات 1947ء" جلد 3، صفحات 152-151

4- سید انصار ناصری -- تین جون 1947ء -- ماہنامہ 'اردو ڈائجسٹ' جون 1989ء صفحات 38-37

5- ہیکٹر بولائتھو -- محمد علی جناح (ترجمہ زہیر صدیقی) لاہور 1984ء، صفحات 284_283

-6

Major General Shahid Hamid

Disastrous twilight, London, 1986, p. 176

7- ایضاً، صفحات 182-181

8- زاہد چوہدری (تکمیل و ترتیب: حسن جعفر زیدی، پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد نمبر 3، صفحہ 23، نگارشات، لاہور، صفحہ 23

9- ایضاً- صفحہ 23، اصل حوالہ ایلن کیمپبل جانسن، مشن ود ماؤنٹ بیٹن (انگریزی) لندن، 1952، صفحہ 118

10- تاریخ خوانین بلوچ -- حسب الحکم و ہدایت اعلیٰ حضرت میر احمد یار خان، خان اعظم قلات، کوئٹہ، 8 اگست 1970ء- صفحہ 182

11- زاہد چوہدری، جلد نمبر 2، صفحہ 395، اصل حوالہ: ٹرانسفر آف پاور، جلد نمبر 11، صفحہ 681

12- ایضاً- صفحہ 396، اصل حوالہ: پاکستان ٹائمز، 23 جون 1947 (انگریزی)

13- دی پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی پروسیڈونگز، آفیشل رپورٹ، لاہور 1947ء، صفحات 7-1

14- زاہد چوہدری، جلد نمبر 2، صفحہ 397، اصل حوالہ: ٹرانسفر آف پاور،

جلد نمبر11' صفحات 566-567
15- ڈاکٹر انعام الحق کوثر --جدوجہد آزادی میں بلوچستان کا کردار' ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان' لاہور' 1991' صفحات 296-291
16- اے بی اعوان--بلوچستان' ہسٹاریکل اینڈ پولیٹیکل پراسیس' لندن' 1985ء صفحات 187-181
17- سلیگ ہیریسن--بلوچ قومی تحریک (اردو ترجمہ : مسعود بخاری) گوشہ ادب' کوئٹہ 1991ء صفحہ 42
18- میر گل خان نصیر-- تاریخ بلوچستان--روبی پبلشرز' کوئٹہ' 1986ء صفحہ 483
19- منیر احمد مری--بلوچستان' سیاسی کشمکش' گوشہ ادب کوئٹہ' 1989ء صفحات 91-88
20- شاہد حامد' صفحہ 200
21- ٹرانسفر آف پاور' جلد نمبر11' صفحہ 896
22- زاہد چوہدری' جلد نمبر2' صفحہ 402
23- خان عبدالولی خان--حقائق' حقائق ہیں--پشاور' 1988ء صفحات 231-218
24- فاروق قریشی--ولی خان اور قرار داد پاکستان-- لاہور' 1987ء' صفحہ 32
25- احمد سلیم--ٹوٹتی بنتی اسمبلیاں اور سول- ملٹری بیورو کریسی' جنگ پبلشرز' لاہور 1990ء صفحات 82-80
26- محمود عاصم-- افکار قائداعظم' لاہور' 1976ء' صفحات 352-348
27- وینکٹیے رامانی' صفحہ 9-8' اصل حوالہ: یادداشت برائے صدر (ہنری الیں ٹرومین) وزیر خارجہ (مارشل) کی طرف سے' 17 جولائی 1947ء- ہنری الیں ٹرمین کے کاغذات' مسوری-
28- خواجہ غلام احمد پنڈت' کشمیر آزادی کی دہلیز پر' جنگ پبلشرز' لاہور' 1991ء صفحات 171-169
29- بولا تھنو' صفحات 293-291
30- عبداللہ ملک- پاکستان دستوریہ 1947ء کا افتتاحی اجلاس' روزنامہ 'پاکستان' 13 اگست 1991ء اصل حوالہ : کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی آف پاکستان ڈی بیٹس- اتوار 10 اگست 1947ء' آفیشل رپورٹ' (انگریزی) لاہور' 1947ء

پہلی دستور ساز اسمبلی - I

(قائداعظم کا پاکستان)

15 اگست 1947ء - 11 ستمبر 1948ء

11-14 اگست۔۔۔ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے دوسرے دن 11 اگست کو بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اسمبلی کے مستقل صدر چن لئے گئے۔ اسی روز انہوں نے اپنے تاریخی خطاب میں کہا: "آپ آزاد ہیں۔ آپ کا ملاً آزاد ہیں کہ اپنے مندروں میں جائیں۔ آپ کو پوری آزادی ہے کہ اپنی مساجد کا رخ کریں یا پاکستان کی ریاست میں جو بھی آپ کی عبادت گاہیں ہیں ان میں آزادی سے جائیں۔ آپ کا کوئی بھی مذہب' ذات یا مسلک ہو سکتا ہے۔ ریاست کے امور سے اس کا کوئی بھی تعلق نہیں.... آپ دیکھیں گے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ہندو' ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان' مسلمان نہیں رہیں گے۔ یہ بات میں مذہبی معنوں میں نہیں کہہ رہا کیونکہ یہ تو ہر فرد کے نجی عقیدے کا معاملہ ہے بلکہ ریاست کے باشندے ہونے کی بنا پر سیاسی معنوں میں کہہ رہا ہوں...." اسی روز قومی پرچم کی بھی منظوری دی گئی۔

افتتاحی اجلاس کے تیسرے روز 12 اگست کو محمد علی جناح کے لئے قائداعظم کا خطاب تجویز کیا گیا جس سے کانگریسی ارکان نے اختلاف کیا۔ یہ قرار داد بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔ 14 اگست افتتاحی اجلاس کا آخری دن تھا جس دن لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی آئے۔ اسمبلی میں اپنے خطاب میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کی تخلیق ایک تاریخی واقعہ ہے.... اب پیچھے مڑ کر دیکھنے کا وقت نہیں ہے صرف آگے دیکھنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا: "ہم یقیناً دوستوں کی طرح جدا ہو رہے ہیں اور میں پورے خلوص کے ساتھ متوقع ہوں کہ ہم دوست رہیں گے۔" قائداعظم کی تقریر کے ساتھ اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔

(حوالے: 5, 4, 3, 2, 1)

مزید دیکھیں اسی کتاب کا ایک حصہ۔۔۔ دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس

14 اگست۔۔۔ قائداعظم کا حلف وفاداری

ہندوستان کے آخری وائسرائے اور نامزد گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی میں قائداعظم نے پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ اور اس موقع پر انہوں نے پھر عوام سے رواداری اور تحمل کی اپیل کی۔ جس عمارت میں یہ رسم ادا ہوئی اس پر وہ نیا پرچم لہرا رہا تھا جو قائداعظم اور لیاقت علی خان نے پاکستان کے لئے منتخب کیا تھا۔ قائداعظم نے اپنی تقریر میں یہ واضح کر دیا کہ یہ پرچم کسی سیاسی جماعت کا نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے وہی بات دہرائی جو تین دن قبل دستور ساز اسمبلی میں کہی تھی:

"میرے ذہن میں پاکستان کا جو تصور موجود ہے اس میں کسی فرد یا فرقے کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہ ہو گی۔ نہ کسی کو کوئی خاص حقوق یا رعائتیں حاصل ہوں گی۔ پاکستان کے تمام شہریوں کے حقوق برابر ہوں گے اور ان کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی یکساں ہوں گی۔

(حوالہ: 6)

14 اگست۔۔۔ امریکی صدر ٹرومین کا گورنر جنرل پاکستان کے نام مبارک باد کا تار

"آج کے مبارک دن' جبکہ پاکستان کی نئی ریاست اقوام عالم کی صف میں شامل ہو گئی ہے' میں امریکی عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ کو' وزیراعظم لیاقت علی خان اور پاکستانی عوام کو اپنی نیک خواہشات کا پیغام بھیج رہا ہوں۔" امریکی صدر نے کہا کہ اس دن کے لئے انتھک جدوجہد کی گئی تھی اور پاکستانی عوام اور لیڈروں پر بھاری ذمہ داریاں آ پڑی ہیں اسلئے وہ یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان کی نئی ریاست اپنی ترقی میں امریکہ کی پر خلوص دوستی کو شامل حال پائے گی۔ امریکی حکومت اور عوام تاریخی طور پر پاکستان سے قریبی اور گہرے رشتوں میں منسلک ہیں۔ ہم پاکستانی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ملک کی تیز ترقی میں آپ کے ساتھ ہیں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے عالمی معاملات میں نئی مملکت سے تعمیری شرکت کی توقع کرتے ہیں۔

(حوالہ: 7)

14 اگست۔۔۔ آزادی کی پہلی پریڈ

آزادی کی پہلی پریڈ' پاکستان کی مسلح افواج کی کسمپرسی کا واضح اظہار کرتی تھی۔ اس روز پریڈ کے لئے ساتویں بلوچ بٹالین صرف ایک کمپنی پیش کر سکی۔ رائل پاکستان نیوی (جو بعد ازاں پاک بحریہ بنی) نے صرف چند جوان پیش کئے۔ یہی حال رائل پاکستان ایئر فورس (بعد ازاں پاک فضائیہ) کا تھا۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان کے بقول سلامی دینے کے لئے انتہائی مشکلوں سے ضروری چھوٹا اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا جا سکا۔ افواج پاکستان کے پاس اس وقت کوئی توپ خانہ نہ تھا اور بحریہ بلینک گولوں کے بغیر تھی۔ چنانچہ بلینک گولوں کی بجائے دیسی ساخت کے پٹاخوں سے سلامی دی گئی۔

(حوالہ: 8)

15 اگست --- اعلان پاکستان

چودہ اور پندرہ اگست کی درمیانی رات بارہ بج کر ایک منٹ پر دو نئی

مملکتیں پاکستان اور ہندوستان وجود میں آ گئیں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی قائداعظم محمد علی جناح ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے پہلے گورنر جنرل بن گئے۔ اس سلسلے میں پاکستان میں واقع ریڈیو اسٹیشن جو رات دس بجے تک آل انڈیا ریڈیو کہلاتے تھے اب ریڈیو پاکستان بن گئے۔ یہ جمعہ کی رات تھی اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب اگلے روز جمعۃ الوداع تھا۔ سید انصار ناصری نے جو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے پشاور ریڈیو اسٹیشن پہنچ چکے تھے۔ رات بارہ بجے سے پہلے پہلے آل انڈیا ریڈیو کی تیسری مجلس کے پروگراموں کا اختتام کیا۔ اعلان میں کہا گیا تھا۔ ابھی ابھی آپ آل انڈیا ریڈیو سے خبریں سن رہے تھے اب آل انڈیا ریڈیو پشاور کی تیسری اور آخری مجلس ختم ہوتی ہے۔ آداب عرض! ٹھیک بارہ بجے آپ اسی میڈ پر پاکستان براڈکاسٹنگ سروس کی خاص مجلس : پروگرام سنیں گے۔ اسوقت تک کیلئے اجازت دیجئے خدا حافظ۔ رات ٹھیک بارہ بجے اعلان ہوا۔ اسلام علیکم یہ پاکستان براڈ کاسٹنگ سروس کا پشاور ریڈیو اسٹیشن ہے۔ اسوقت لیلۃ القدر اور چودہ اور پندرہ اگست کی درمیانی رات کے بارہ بجے ہیں۔ الحمدللہ مسلمانان برصغیر کی آزاد و خود مختار مملکت قائم ہو گئی۔ آج اور اس وقت ہمارا آزاد وطن پاکستان قائم ہو گیا۔ اس مبارک ساعت میں ہم اپنے تمام محترم سننے والوں کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ پاکستان زندہ باد۔ ابتدا ہوتی ہے تیرے نام سے۔

قاری علی تجمل صاحب نے سورۃ القدر کی تلاوت اور اسکا ترجمہ پیش کیا۔ قومی گیت نشر کئے گئے۔ اور اسکے بعد پندرہ اگست کے پروگراموں کا خلاصہ پیش کیا گیا۔

14 اور 15 اگست کی درمیانی رات بارہ بجے ریڈیو پاکستان لاہور سے پہلی بار پاکستان کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ تاریخی اعلان مشہور اناؤنسر اور نیوز کاسٹر شکیل احمد نے کیا۔

اگلی صبح ریڈیو سے تلاوت کلام پاک کے بعد خبریں شروع ہو گئیں جو لاہور اسٹیشن سے ریلے (Relay) کی جا رہی تھیں۔ اردو خبریں شکیل احمد نے سنائیں۔ خبروں کے فورا بعد 14 اگست کیلئے قائداعظم کا وہ پیغام نشر کیا گیا جسے سید انصار ناصری چند روز قبل دہلی سے قائداعظم کی اپنی آواز میں ریکارڈ کر کے لائے تھے۔ انگریزی پیغام کے فورا بعد انہوں نے اسکا اردو ترجمہ نشر کیا پیغام کا متن حسب ذیل ہے۔

قائداعظم کا خطاب

"میں انتہائی مسرت اور قلبی احساس کے ساتھ آپ سب کی خدمت میں تہنیت پیش کرتا ہوں۔ 15 اگست ہماری آزاد خود مختار مملکت پاکستان کے وجود میں آنے کا دن ہے یہ مسلم قوم کی تقدیر کی برآوری کا دن ہے جس نے اپنا آزاد وطن حاصل کرنے کیلئے گذشتہ برسوں میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس انتہائی اہم ساعت میں میرا دل ہماری جنگ آزادی کے ان دلیر مجاہدوں کی یاد سے پر ہے جنہوں نے پاکستان کو زندہ حقیقت بنانے کے لئے اپنا سب کچھ اپنی جانیں تک نثار کر دیں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان ہمیشہ ان کا ممنون احسان رہے گا اور اپنے ان رفیقوں کو جو اب ہم میں نہیں رہے ہمیشہ دل سے یاد رکھے گا"

"اس نئی مملکت کے قائم ہو جانے سے پاکستان کے شہریوں پر زبردست ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں اب یہ موقع ملا ہے کہ دنیا کو دکھا دیں کہ کس طرح ایک ایسی قوم جو مختلف عناصر پر مشتمل ہے آپس میں مل جل کر صلح و آشتی کے ساتھ رہتی ہے اور ذات پات کا امتیاز کئے بغیر کس طرح اپنے تمام ہم وطنوں کی یکساں فلاح و بہبود کے لئے کام کرتی ہے"

"ہمارا مطمع نظر امن ہونا چاہئے اندرون ملک بھی اور بیرون ملک بھی ہم سب کے ساتھ صلح و امن سے رہنا چاہتے ہیں اور اپنے قریبی پڑوسیوں کے ساتھ ساری دنیا کے ساتھ' دوستانہ اور خوش گوار تعلقات رکھنا چاہتے ہیں ہم کسی کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم اقوام متحدہ کے منشور کے پابند ہیں اور عالمی امن و خوشحالی کے فروغ کے لئے خوشدلی کے ساتھ اپنی بساط بھر کوشاں رہیں گے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ وہ ایک متحد و منظم قوم ہیں ان کے مقاصد اور مطالبے حق اور انصاف پر مبنی ہیں جنہیں ہرگز رد نہیں کیا جا سکتا۔

آیئے آج کے دن ہم اللہ تعالٰی کی بخشی ہوئی نعمتوں کا شکر بجا لائیں اور دعا کریں کہ وہ ہمیں ان کا اہل ثابت ہونے کی توفیق عطا کرے"

"آج کا دن ہماری قومی تاریخ کی تلخیوں سے بھرپور دور کے اختتام کا یادگار دن ہے آج ہی کے دن سے ہمارے نئے شاندار اور پر وقار عہد کا آغاز بھی ہوتا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے قول و فعل اور طرز فکر و عمل سے اقلیتوں پر یہ ثابت کر دیں کہ جب تک وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرتی رہیں گی جو ان پر پاکستان کے وفادار شہریوں کی حیثیت سے عائد ہوتی ہیں انہیں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں ہونا چاہئے"۔

"اپنی سرحدوں کے حریت پرست قبائل اور سرحد سے پرے کی مملکتوں کے باشندوں کی خدمت میں بھی ہم تہنیت پیش کرتے ہیں اور انہیں یقین دلاتے ہیں کہ پاکستان ان کے مقام اور مرتبے کا ہمیشہ احترام کرے گا اور قیام امن کے سلسلے میں ان کے ساتھ دوستانہ تعاون کرتا رہے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم خود عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور دوسروں کو بھی باعزت طور پر زندگی بسر کرنے دیں۔ اس سے زیادہ ہماری کوئی اور تمنا نہیں ہے"۔

"آج جمعۃ الوداع ہے۔ رمضان کے مبارک مہینے کا آخری جمعہ۔

آج کا دن ہم سب کے لئے جہاں جہاں بھی ہوں اس وسیع براعظم میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں مسرت اور شادمانی کا دن ہے ہمیں چاہیے کہ آج کے دن تمام مساجد میں مسلمان ہزاردرہزار مجتمع ہوں اور قادر مطلق کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ سربہ سجود ہو کر اس کی ابدی رحمتوں اور بخششوں کا شکر بجالائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان کو ایک عظیم ملک بنانے کے لئے اور ہم کو ہر اعتبار سے اس کا بااہل شہری بننے کے لئے اپنی ہدایت اور نصرت سے سرفراز فرمائے"۔

"آخر میں میرے عزیز ہم وطنو! میں آپ کو بتاناچاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرزمین عظیم وسائل سے مالا مال ہے لیکن اسے ایک ایسا ملک بنانے کے لئے جو مسلم قوم کے شایان شان ہو۔ ہمیں اپنی صلاحیتوں کی آخری رمق تک بروئے کار لانا ہو گی اور مجھے پورا بھروسہ ہے کہ آپ سب لوگ خوشدلی کے ساتھ اپنی تمام قوتیں صرف کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔

پاکستان زندہ باد۔۔۔۔"

پندرہ 15 اگست کو کابینہ کا اعلان کیا گیا۔ قائداعظم نے جناب لیاقت علی خان کو وزیراعظم مقرر کیا۔ ان کے پاس دفاع اور امور خارجہ کے محکمے بھی تھے۔ آئی آئی چندریگر کو تجارت، صنعت اور مالیات کے محکمے سونپے گئے۔ سردار عبدالرب نشتر کو ڈپٹی وزیراعظم بنانے کے ساتھ ساتھ وزیر مواصلات بنایا گیا۔ جس میں ریلوے، ٹرانسپورٹ، ڈاک و تار، جہاز رانی اور دوسرے متعلقہ محکمے شامل کر دیئے گئے۔ خوراک، صحت اور زراعت کا وزیر راجہ غضنفر علی خان کو مقرر کیا گیا۔ جناب جوگندر ناتھ منڈل کو قانون کے علاوہ مزدوروں کا شعبہ بھی دیا گیا۔ منڈل کو اس سے قبل عبوری وزارت میں بھی قانون کا محکمہ ہی دیا گیا تھا۔ جناب فضل الرحمن کو امور داخلہ اور اطلاعات و تعلیم کے محکمے دیئے گئے۔

دسمبر 47ء میں جب کابینہ میں توسیع ہوئی تو سر ظفراللہ خان کو پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر کر دیا گیا۔ جب آئی آئی چندریگر کو کابل میں سفیر بنا کر بھیجا گیا تو ان کے محکمہ کا اضافی چارج بھی فضل الرحمن کے سپرد کر دیا گیا اسی طرح جب راجہ غضنفر علی خان کو ایران میں سفیر بنایا گیا۔ تو ان کے محکمے پیر زادہ عبدالستار کے حوالے کر دیئے گئے۔ دسمبر 47ء میں ہی خواجہ شہاب الدین نے وزیر کے طور پر حلف اٹھایا۔ غلام محمد وزیر خزانہ بنے۔

پاکستان کے معروف بیوروکریٹ جناب مسرت حسین زبیری نے 15 اگست کی کیفیت کو دلچسپ لیکن حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے:

"ہم کراچی کے جزیرے پر رابنسن کیروسو کی طرح بے برگ و ساز اپنے تحفظ کے لئے چھوڑ دیئے گئے۔ ہمیں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مرکزی کابینہ کی مکمل تشکیل کرنا تھی۔ اسے ساڑھے سات کروڑ نفوس کی ذمہ داری اٹھانا تھی۔ جس نے مملکت کے دو بڑے تقسیم شدہ صوبوں پنجاب اور بنگال کی حکومتوں کے معاملات کو سنبھالنا اور نئے سرے سے منظم کرنا تھا۔ جبکہ یہ دونوں صوبے ایک دوسرے سے کم وبیش ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع تھے۔ اور ان کے درمیان ایک ایسا ملک حائل تھا جسے دوست نہیں کہا جا سکتا تھا جن کا معاشی ڈھانچہ جان بوجھ کر برباد کیا جا سکتا تھا۔ اور جن کے ذرائع مواصلات قطع کئے جا چکے تھے۔ ایسی حالت میں ایک نئی مملکت کو قائم کیا جانا تھا۔

"ہم میں سے چند لوگ جو کراچی پہنچے، جنگ آزمودہ تھے۔ ہم نے اشیاء کی کمی محسوس کی تھی اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مختلف طریقے دریافت کر لئے تھے۔ جن صندوقوں میں سامان بندھ کر آیا تھا۔ انہیں ہم نے میز اور کرسی کی جگہ استعمال کیا۔ جب نئے لفافوں کے لئے کاغذ نہ ملا تو ہم نے پرانے لفافوں کو دوبارہ سہ بارہ استعمال کیا یا اخبارات کے لفافے بنا دیئے۔ اشارہ نویسی کے لئے کاغذ کی کمی تھی۔ زبانی بات چیت سے فیصلے کر لئے جاتے تھے۔ اگر اشارہ نویسی ناگزیر ہو جاتی تو مختصر طور پر کاغذ کے دونوں طرف کر دی جاتی۔ اگر کاغذات کو اکٹھا رکھنے کے لئے کلپ اور پن نہ ہوتے تو کیا ہم نے دوسری جنگ عظیم کے دوران اسی قسم کے حالات میں دہلی کے سیکریٹریٹ میں اس مقصد کے لئے خار دار درختوں اور جھاڑیوں کے کانٹے استعمال نہیں کئے تھے؟ چنانچہ ان حالات میں ہم نے پھر کانٹوں کا استعمال کیا۔ ہمارے پاس دفتری جگہ کی قلت تھی۔ ہم نے کمروں میں پارٹیشنز کھڑی کر لیں۔ یا دو میزوں کے درمیان لکڑی کا تختہ کھڑا کر دیا جاتا۔ وزراء اپنی رہائش گاہوں کا ایک کمرہ دفتر میں تبدیل کر لیتے۔ جیسا کہ ہمارے وزیر سردار عبدالرب نشتر نے کیا۔ ٹیلیفونوں کی اتنی کمی تھی کہ ہماری پوری وزارت کے پاس صرف تین ٹیلیفون تھے۔ وزیر کے پاس اسکے گھر میں صرف ایک ٹیلیفون تھا (اس وقت پورے ملک میں کل ٹیلیفون بارہ ہزار پانچ سو پچاس تھے۔ ان میں سے کراچی میں دو ہزار پانچ سو اور لاہور میں تین ہزار پانچ سو ٹیلیفون تھے)"

گورنر جنرل ہاؤس

سات اگست کو دہلی سے کراچی پہنچنے کے بعد قائداعظم نے جس عمارت میں رہائش اختیار کی تھی۔ وہ گورنر جنرل ہاؤس کہلائی۔ جس زمانے میں سندھ، انتظامی اعتبار سے بمبئی کا حصہ تھا اس وقت وکٹوریہ روڈ پر واقع یہ عمارت چیف کمشنرز ہاؤس کہلاتی تھی۔ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کے بعد جب 1937ء میں سندھ وزارت قائم ہوئی۔ تو یہ عمارت گورنر ہاؤس کہلائی۔ اور اگست 47ء میں یہ قائداعظم کی رہائش گاہ بنی۔ پہلے دن سے ہی محترمہ فاطمہ جناح امور خانہ داری پر خود کڑی نگاہ رکھتے

ہوئے تھیں۔ جس میں اصراف کم اور وقار زیادہ کا اصول کار فرما تھا۔ کئی شاہ خرچ افسروں کو چھٹی کرنا پڑی۔ قائداعظم شروع سے ہی گورنر جنرل ہاؤس میں کفائت، سادگی، متانت، وقار اور بلند عزم و امانت کی شاندار مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔ تاہم انہیں اس عمارت میں بہت کم ٹھہرنے کا موقع مل سکا۔ ان کا زیادہ وقت بلوچستان میں یا نواب بہاولپور کے بنگلے (واقع ملیر کراچی) میں گزرا۔ آج پھر یہ عمارت گورنر ہاؤس کہلاتی ہے۔

اسی گورنر جنرل ہاؤس میں پاکستان کی پہلی وزارت کے ارکان نے عہدے کا حلف اٹھایا۔ وہ سب اس تقریب کے لئے جمع ہوئے اور جب وقت ہو گیا تو فلائیٹ لیفٹیننٹ ربانی قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ جلسہ گاہ تک ان کی پیشوائی کریں۔ اس تاریخی تقریب کا حال ربانی نے یوں بیان کیا:

"میں قائداعظم کے کمرے میں گیا تو وہ کھڑے ہوئے تھے اور ان کا لباس پہلے سے بھی زیادہ ستھرا اور بے داغ معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے پوچھا "اب ہمیں چلنا چاہئے؟" پھر ہم سیڑھیوں سے اتر کر ایک درمیانی جھروکے میں پہنچے اور وہاں سے قائداعظم نے اپنے وزیروں پر اور باہر کھڑے ہوئے ہجوم پر نظر ڈالی مگر جھروکا یوں واقع تھا کہ جو لوگ نیچے کھڑے تھے وہ قائداعظم کو نہ دیکھ سکے۔ نیچے کا منظر دیکھ کر قائداعظم مسکرائے اور میں نے پہلی دفعہ ان کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور انہیں دیکھ کر میں نے کہا کہ شاید بارش ہونے والی ہے اس پر قائداعظم بولے:"کراچی کے بادلوں کو میں خوب جانتا ہوں، ان میں پانی نہیں ہوتا"۔

"نیچے اتر کر ہم اس میدان میں پہنچے جہاں تقریب ہونے والی تھی۔ قائداعظم نے وزیروں سے یکے بعد دیگرے حلف اٹھوایا مگر ان کے چہرے پر کسی جذبے کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ تقریب کے بعد میں نے انہیں ان کے کمرے میں واپس پہنچایا جب میں رخصت ہونے لگا تو قائداعظم پھر مسکرائے لیکن جو خوشی انہیں ہوئی تھی وہ ان کے دل ہی میں رہی۔ کسی اور پر انہوں نے ظاہر نہ کی۔۔۔"

(حوالے: 13,12,11,10,9)

15 اگست۔۔۔ قلات کا اعلانِ آزادی

خان قلات، میر احمد یار خان نے 15 اگست دو نماز جمعہ کے بعد قلات کی آزادی کا رسمی طور پر اعلان کیا۔ ان کے خطاب کے مطابق یہ اعلان آزادی، انگریزوں سے پرانے معاہدوں اور 14 اگست 1947ء کو قائداعظم اور حکومت پاکستان سے ہونے والے معاہدے کی مطابقت میں تھا۔

(حوالے: 15,14)

مزید دیکھیں اسی جلد کا ایک حصہ۔۔ قلات کا اعلان آزادی

16 اگست۔۔۔ ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان

پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے نتیجے میں، پاکستان اور ہندوستان میں شامل ہونے والے علاقوں کی نشاندہی کے لئے حد بندی کمیشن نے اپنا فیصلہ دے دیا۔ ریڈ کلف ایوارڈ کے فیصلے، پاکستان کے ساتھ صریح بے انصافی پر مبنی تھے۔ جہاں تک پنجاب کا سوال ہے، صوبے کی سات تحصیلوں اور ایک ریاست کو مغربی پنجاب سے زبردستی الگ کر کے مشرقی پنجاب کے حوالے کر دیا گیا۔ پاکستان کے ساتھ یہی بے انصافی بنگال کی تقسیم کے سلسلے میں ہوئی۔

(حوالے: 18,17,16)

مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ۔۔۔ ریڈ کلف ایوارڈ

17 اگست۔۔۔ پنجاب وزارت

17 اگست کو پنجاب میں ممدوٹ وزارت نے حلف اٹھایا۔ جس میں خود افتخار حسین ممدوٹ (وزیر اعلیٰ) کے علاوہ میاں ممتاز دولتانہ، سردار شوکت حیات اور شیخ کرامت علی شامل تھے۔ ممدوٹ نے وزارت اعلیٰ کے علاوہ اپنے پاس امن عامہ، جیل خانہ جات اور عام انتظامیہ کے شعبے رکھے۔ دولتانہ کو صنعت، سول سپلائی اور ٹرانسپورٹ، سردار شوکت کو مال، بجلی، آب پاشی، حیوانات اور جنگلات اور شیخ کرامت علی کو تعلیم، لوکل باڈیز، تعمیرات اور صحت کے محکمے دیئے گئے۔ ایک ماہ بعد 19 ستمبر کو میاں افتخار الدین وزیر مالیات کے طور پر پنجاب کی وزارت میں شامل ہو گئے اور وزارت سے اختلاف کے باعث دو ماہ کے اندر اندر پندرہ نومبر کو مستعفی ہو گئے۔ اسوقت تک پنجاب میں وزارتی بحران کا آغاز ہو چکا تھا۔ جو بعد ازاں دولتانہ ممدوٹ چپقلش کے نام سے مشہور ہوا۔

(حوالہ: 19)

21 اگست۔۔۔ نظام حیدر آباد کی خود مختاری کا اعلان

نظام حیدر آباد نے اپنی ریاست کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

22 اگست۔۔۔ سرحد وزارت کی برطرفی

15 اگست 47ء کے فوراً بعد مسلم لیگ صوبہ سرحد کے سوا پاکستان کے باقی چاروں صوبوں اور مرکز میں اپنی حکومتیں قائم کر چکی تھی۔ واحد رکاوٹ کانگریسی وزارت کے صوبے سرحد میں پیش آئی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مملکت پاکستان کے پرچم کو سلامی دینے سے انکار کر کے صوبہ سرحد کی حکومت نے اپنے خاتمے کا خود ہی سامان پیدا کر دیا۔ چنانچہ 22 اگست کو اسے برطرف کر دیا گیا اور اگلے روز عبدالقیوم خان کے تحت

مسلم لیگ کی وزارت قائم کر دی گئی۔ حکومت پاکستان کا موقف یہ تھا کہ ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت نے 15 اگست کو پاکستان کا پرچم لہرانے کی تقریب میں شرکت نہ کر کے عدم وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ دوسری طرف خدائی خدمت گار کے ذرائع کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے گورنر سرحد سرجارج کنینگھم کے منع کرنے پر تقریب میں شرکت نہیں کی تھی۔ ان ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ خدائی خدمت گاروں کے زبردست ڈسپلن کا نتیجہ تھا کہ تمام سرکاری عمارتوں پر پاکستان کا قومی پرچم لہرانے کی تقریب' کسی بھی ناخوشگوار حادثے کے بغیر ہوئی۔ اسی دن گورنر کنینگھم نے حلف وفاداری لیا۔ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے ساتھی تقریب پر مدعو تھے لیکن انہیں حلف اٹھانے کی دعوت نہیں دی گئی۔ خدائی خدمت گاروں کے مطابق گورنر نے ڈاکٹر خان صاحب سے کہا کہ کیا وہ اور ان کے ساتھی پرچم کشائی کی تقریب میں شرکت کریں گے' تو ڈاکٹر خان صاحب نے کہا کہ بے شک ضرور....! جس پر گورنر نے انہیں خبردار کیا کہ چونکہ تقریب کے سارے انتظامات مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے ہاتھ میں ہیں اسلئے وہ تقریب میں خود اپنی ذمہ داری پر شرکت کر سکتے ہیں اور یہ کہ گورنر ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکے گا۔

"ہم سے کبھی نہیں کہا گیا کہ ہم حلف اٹھائیں ہم سے صرف یہ کہا گیا کہ ہم مستعفی ہو جائیں۔ ہم نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور پھر ہماری وزارت برطرف کر دی گئی"۔

"اسی کتاب کا ایک حصہ---مرکزی اور صوبائی وزارتیں" بھی دیکھیں۔

(حوالے: 21,20)

25 اگست--- ہندو مسلم فسادات

قیام پاکستان کے نتیجے میں سرحد کی دونوں جانب ہندو مسلم قتل و غارت گری کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے جریدہ ٹائمز نے سکھ مسلح جتھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام اور شہری انتظامیہ کی مکمل ناکامی کا ذکر کیا۔

(حوالہ: 22)

مزید دیکھیں' اسی کتاب کا ایک باب--- ہندو مسلم فسادات

29 اگست--- مزید فرقہ وارانہ فسادات

قائداعظم کے ملٹری سیکریٹری کرنل برنی نے بھی ان ہولناکیوں کی بہت ہی مختصر جھلک دکھائی ہے جو تقسیم کے فوراً بعد پنجاب پر مسلط ہو گئی تھیں۔ اپنی 29 اگست کی ڈائری میں انہوں نے لکھا کہ "گزشتہ دو ہفتوں میں سرحد کے دونوں پار بڑے ہولناک مظالم ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ دونوں ملکوں میں اکثر لوگ بری طرح دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں میں ہزاروں پناہ گزیں خیموں میں پڑے ہیں۔ ان کے گھر پھونک دیئے گئے ہیں۔ اور ان کا سارا مال و اسباب ان سے چھن چکا ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ دونوں فرقوں کو ایک دوسرے پر مطلق اعتبار نہیں رہا۔ انگریز سپاہیوں کے تین بریگیڈ آسانی سے حالات پر قابو پا سکتے تھے۔ اور دوبارہ امن قائم کر سکتے تھے۔ لیکن موجودہ صورت حال میں یہ بھی ممکن نہیں۔ ریل کے مسافروں پر قاتلانہ حملے اب بہت زیادہ ہو رہے ہیں اور ان میں سکھ پیش پیش ہیں۔

(حوالہ: 23)

31 اگست--- پنجاب باؤنڈری فورس ختم کر دی گئی

پنجاب باؤنڈری فورس ختم کر دی ہے۔ باؤنڈری فورس کی تحویل میں دیئے گئے علاقوں کا براہ راست کنٹرول پاکستان اور بھارت نے سنبھال لیا۔

(حوالہ: 24)

ستمبر 1947ء

یکم ستمبر--- امریکی امداد کیلئے پاکستانی پیش رفت

پاکستان کے وزیر خزانہ نے یکم ستمبر کو کراچی میں امریکی ناظم الامور کو غیر رسمی بات چیت کی دعوت دی تھی۔ ناظم الامور لیوس جب وزیر خزانہ کے دفتر پہنچے تو وزیر موصوف نے انہیں بتایا کہ وہ ایک بہت ہی اہم مسئلے پر کسی سیاست دان کے بجائے ایک تاجر کی طرح بے تکلفی سے صاف صاف کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اور اس مسئلے کو کابینہ میں اٹھانے سے قبل اسکا اپنے اس امریکی دوست کے ساتھ جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

"کیا امریکہ پاکستان کو فوری طور پر درکار مالی امداد فراہم کر کے پاکستان کی طرف دست تعاون بڑھانے پر رضامند ہو گا"۔

وزیر خزانہ نے کہا یہ ہے وہ مسئلہ جو وہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ پاکستان اپنی معیشت کو تیزی سے ترقی دینے کی خاطر مالی اور فنی امداد کا طالب ہے۔ امداد کے ایسے انتظامات بھی تلاش کئے جا سکتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ امریکی سرمائے کیلئے کافی منافع بخش ثابت ہونگے۔ پاکستان کو ایسے شعبے میں بھی امریکی امداد درکار ہے جو امریکہ کے سلامتی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کیا امریکہ انتظامی اخراجات اور خاص طور پر حکومت پاکستان کی دفاعی ضروریات پوری کرنے کیلئے امداد مہیا کیا کرے گا۔

وزیر خزانہ نے اشارہ دیا کہ اگر روسی شمال کی جانب بڑھنے کا کوئی

فیصلہ کریں تو پاکستان کو ان کی راہ روکنے کیلئے دفاعی اعتبار سے تیار ہونے چاہئے۔ اس وقت پاکستان کی فوج تقریبا 95 ہزار افسروں اور جوانوں پر مشتمل ہے۔ اور اسکی مدد کیلئے فضائیہ اور بحریہ بھی موجود ہے۔ پاکستان کیلئے یہ بار گراں ہے۔ لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ ان افواج میں کمی مناسب ہو گی۔

امریکی ناظم الامور نے مشورہ دیا کہ حکومت پاکستان کو اپنی مالی صورت حال اور امداد کے تقاضوں کے بارے میں دستاویز تیار کرنی چاہئے اور پاکستان کے حال ہی میں مقرر ہونے والے سفیر کو یہ معاملہ واشنگٹن میں امریکی حکام کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

(حوالہ: 25)

5 ستمبر۔۔۔ دہلی میں فسادات

دہلی میں فسادات پھوٹ پڑے۔ نہتے مسلمان ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے دہشت گردوں کے مسلح حملوں کے بعد دہلی کے پرانے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان حملوں میں بھارتی فوج اور پولیس نے بھی دہشت گردوں کا ساتھ دیا۔

8 ستمبر۔۔۔ مرکز ملازمین کا گورنمنٹ ہاؤس پر حملہ

حکومت پاکستان کے مرکزی ملازمین نے گورنمنٹ ہاؤس پر ہلہ بول دیا۔ وہ بھارت میں پھنسے ہوئے اپنے لواحقین کی بحفاظت پاکستان آمد کے انتظامات کرنے کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔

10 ستمبر۔۔۔ سندھیوں نے جونا گڑھ میں لاٹھیاں نہیں برسائیں: شاہنواز بھٹو

جونا گڑھ کے وزیراعظم سر شاہنواز بھٹو نے اس الزام کی سختی سے تردید کی کہ سندھیوں نے جونا گڑھ میں لاٹھیاں برسائی ہیں۔

15 ستمبر۔۔۔ جونا گڑھ کا پاکستان سے الحاق

جونا گڑھ کے حکمران نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔

(حوالہ: 26)

16 ستمبر۔۔۔ ریڈ شرٹ تحریک پر پابندی

صوبہ سرحد کی حکومت نے ریڈ شرٹ تحریک پر پابندی لگا دی۔ اس تنظیم پر انگریزی دور میں بھی دو بار پابندی لگائی گئی تھی۔

23 ستمبر۔۔۔ پاکستان میں پہلے امریکی سفیر

پاکستان میں پال ایچ ایلنگ امریکہ کے پہلے سفیر مقرر کر دیئے گئے۔

24 ستمبر۔۔۔ پاکستانی فوج کی حالت

جب پاکستان بنا تو پاکستانی افواج بد نظمی کا شکار اور ضروری سازوسامان سے محروم تھیں۔ ان کے پاس مناسب طور پر منظم یونٹ اور نہ ہی سازوسامان تھا۔ اور گولہ بارود کی بھی شدید قلت تھی۔ 24 ستمبر کو فوجی یونٹوں اور دیگر سازوسامان کی تقسیم کیلئے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس میں طے پایا تھا کہ جنگی سامان کے ذخائر پاکستان اور بھارت میں بالترتیب 36 اور 64 کی نسبت سے تقسیم کئے جائیں گے لیکن ایسے اکثر ذخائر بھارت میں تھے اور اس نے من مانی تبدیلیاں کر کے پاکستان کی پوزیشن کو شدید نقصان پہنچایا۔

(حوالہ: 27)

26 ستمبر۔۔۔ ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح

قائداعظم محمد علی جناح نے ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ "کوئی صنعت اس وقت یا حقیقتاً فروغ نہیں پا سکتی جب تک اس کے مزدور مطمئن نہ ہوں"

(حوالہ: 28)

29 ستمبر۔۔۔ شیخ عبداللہ کی رہائی

شیخ عبداللہ کو بادامی باغ کنٹونمنٹ جیل سے رہا کر دیا گیا۔ انہیں "کشمیر چھوڑ دو تحریک کے دنوں میں گرفتار کیا گیا تھا۔"

30 ستمبر۔۔۔ پاکستان، اقوام متحدہ کا رکن

پاکستان کو اقوام متحدہ کا رکن بنا لیا گیا۔ افغانستان نے سرحد میں ریفرنڈم کے رد عمل میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی۔

اکتوبر 1947ء

3 اکتوبر 47ء --- فرقہ وارانہ فسادات اور گاندھی جی

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فضا کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ گاندھی جی نے 3 اکتوبر کو اپنے جنم دن پر تقریر کرتے ہوئے کہا: "

آ ج تمام دن لوگ مجھے تہنیت کے پیغام دینے کے لئے میرے پاس آ رہے ہیں۔ ...... لیکن اگر آج مجھے تہنیت کے بجائے تعزیت کے پیغام دیئے جائیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ ایک وقت تھا جب ہندو عام طور پر میری آواز پر کان دھرتے تھے لیکن آج میری بار بار کی اپیلوں کے باوجود میں ہر طرف سے یہی آواز سنتا ہوں کہ مسلمانوں کو بھارت سے نکال دو اور پاکستان میں دھکیل دو۔ جس ملک میں انسانوں کو انسانوں سے اتنی نفرت ہو' ...... اس ملک میں رہنا میرے لئے ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔

(حوالہ: 29)

4 اکتوبر۔۔۔ ریاست بہاولپور اور خیرپور کا پاکستان سے الحاق

ریاست بہاولپور اور خیرپور نے پاکستان کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان کر دیا۔ 7 اکتوبر کو پاکستان نے ریاست بہاولپور کے ساتھ الحاق کی منظوری دے دی۔ بہاولپور سمیت اس ریاست میں خانپور' رحیم یار خان' بہاولنگر جیسے اہم شہر بھی شامل ہیں۔ 12 اکتوبر کو ریاست خیرپور کا پاکستان کے ساتھ الحاق بھی منظور کر لیا گیا۔

(حوالہ: 30)

8 اکتوبر۔۔۔ امریکہ میں پاکستانی سفیر کا تقرر

امریکہ میں پاکستان کے پہلے سفیر ایم ایچ اصفہانی نے 8 اکتوبر کو اپنے کاغذات نامزدگی امریکی صدر ٹرومین کو پیش کئے۔ امریکی صدر نے سفیر کو یقین دلاتے ہوئے کہا: "ہم ان تمام مناسب طریقوں سے پاکستان کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں جن سے ہمارے دونوں ملکوں اور دنیا کو فطری طور پر فائدہ پہنچ سکے۔"

15 اکتوبر۔۔۔ مہرچند مہاجن وزیراعظم کشمیر

سرحدی کمیشن کے ایک رکن مہرچند مہاجن کو کاک کی جگہ کشمیر کا وزیراعظم بنا دیا گیا۔ کاک ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے مخالف تھے۔

15 اکتوبر۔۔۔ کراچی سے روزنامہ "جنگ" کا اجراء

دہلی سے نکلنے والے روزنامہ "جنگ" کا کراچی سے اجراء ہوا۔ غازی انعام نبی پردیسی کی ادارت میں نکلنے والا' قیام پاکستان کے بعد یہ پہلا اردو روزنامہ تھا۔

16 اکتوبر۔۔۔ عید اور پوجا کے تہوار ساتھ ساتھ

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈھاکہ مسٹر رحمت اللہ نے ہندو مہاسبھا اور مسلم لیگ کے تعاون سے یہ فارمولا تیار کر لیا کہ مشرقی پاکستان میں ہر مذہبی فرقے کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ اور عید اور پوجا کے تہوار حسب سابق پہلو بہ پہلو پوری آزادی سے منائے جائیں گے۔

(حوالہ: 32)

17 اکتوبر۔۔۔ قائداعظم کے خصوصی ایلچی امریکہ میں

امریکہ میں پاکستانی سفیر اصفہانی نے' امریکی دفتر خارجہ کے حکام سے قائداعظم کے خصوصی ایلچی میر لائق علی کے لئے ملاقات طے کرانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ لائق علی نے ان حکام کو بتایا کہ حکومت پاکستان امریکہ سے دو ارب ڈالر کا قرضہ حاصل کرنے کی خواہش مند ہے۔ پھر انہوں نے ایک یادداشت امریکی حکام کے حوالے کی جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستان کی ترقی و سلامتی' صنعتی ترقی کے ایک ہمہ گیر منصوبے پر عمل در آمد کرانے کا تقاضا کرتی ہے' لیکن ملک اس وقت ایک مشکل مالی صورت حال کا شکار ہے۔ دفاعی شعبے میں شدید فوری تقاضے یہ ہیں کہ اسلحہ سازی کی موجودہ فیکٹریوں میں توسیع کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ بعض قسم کے ہتھیار و گولہ بارود اور بنیادی کیمیکلز کی تیاری کے لئے نئے کارخانے لگائے جائیں۔ یادداشت میں مزید کہا گیا تھا کہ صنعتی ترقی کے کسی منصوبے پر عمل کا انحصار کیپیٹل گڈز خریدنے اور فنی تعاون حاصل کرنے کی پاکستان کی صلاحیت پر ہے۔ لائق علی نے یادداشت کی بنیاد پر اپنا موقف پیش کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ پاکستان اس وقت اپنی شمالی سرحد پر سوویت خطرے کا سامنا کر رہا ہے۔

پاکستان کے معاملے میں امریکی دلچسپی کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ امریکی حکام نے صاف لفظوں میں بتایا کہ حکومت پاکستان کے انتظامی اخراجات پورے کرنے کے لئے ان کے پاس رقم کا کوئی وسیلہ موجود نہیں ہے۔

لائق علی نے دو مزید کاغذات امریکی محکمہ خارجہ کے حوالے کئے۔ ایک میں پاکستانی ضروریات کی تشریحات تھیں اور دوسرے میں مختلف ضرورتوں کا جواز۔ ان میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان کو صنعتی ترقی کے لئے 70 کروڑ' زرعی ترقی کے لئے 70 کروڑ اور اپنی دفاعی سروسز کی تعمیر و آلات کی فراہمی کے لئے 51 کروڑ ڈالر درکار ہیں جن میں سے بری فوج پر سترہ کروڑ ڈالر فضائیہ کے لئے ساڑھے سات کروڑ ڈالر اور بحریہ کے لئے 6 کروڑ ڈالر خرچ کئے جانے تھے۔ حکومت پاکستان کے نقطۂ نظر سے امریکی رویہ بالآخر مایوس کن تھا۔

(حوالہ: 33)

20 اکتوبر۔۔۔ کشمیر میں ڈوگرہ مظالم کے خلاف پاکستان کا احتجاج

کشمیر میں مسلمانوں پر ہونے والے ڈوگرہ مظالم کے خلاف پاکستان نے شدید احتجاج کیا۔

22 اکتوبر۔۔۔ سوشلسٹ آئین کا مطالبہ

سندھ مسلم لیگ کونسل نے دوسری صوبائی لیگوں کے مقابلے میں سبتا زیادہ جرات کا مظاہرہ کیا۔ تقسیم کے صرف دو ماہ بعد سندھ مسلم لیگ نے پاکستان میں نظام حکومت کیلئے سوشلسٹ آئین بنانے کی سفارش پیش کی۔ اس قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ "پاکستان کے آئین میں ہر صوبے کو داخلی معاملات میں مکمل خود مختاری حاصل ہونی چاہئے اور پاکستانی وفاق کی تشکیل اس طرح عمل میں لائی جائے کہ پاکستان میں شامل تمام اکائیوں کو چھوٹی بڑی کے امتیاز کے بغیر انتظامیہ اور مقننہ میں مساوی نمائندگی مل سکے"

(حوالے: 35,34)

24 اکتوبر۔۔۔ عیدالضحیٰ پر قائداعظم کا پیغام

عیدالضحیٰ کے فلسفے پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد قائداعظم نے کہا کہ آیئے! عیدالضحیٰ کے دن جو اسلام کے اس جذبہ ایثار اور قربانی کا مظہر ہے جس کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے' یہ عہد کریں کہ ہم اپنے تصورات کے مطابق اس نئی مملکت کی تخلیق میں بڑی سے بڑی قربانی دینے اور آزمائشوں اور مشکلات کا مقابلہ کرنے میں پیچھے نہ رہیں گے اور ہم اپنی ساری قوتیں اور سارے وسائل اس مقصد کے حصول پر صرف کر دیں گے۔

یہ وقت ہرچند کہ بہت نازک ہے مگر مجھے پختہ یقین ہے کہ ہم اس پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ ہم اپنی طویل تاریخ کے دوران ایسے بہت سے طوفانوں کے منہ پھیر چکے ہیں۔ گو دشمن اپنی کوششوں میں مصروف ہے اس کے باوجود ہم آلام و مصائب کی اس تاریک رات سے کامران ہو کر نکلیں گے اور دنیا کو دکھا دیں گے کہ یہ مملکت محض زندگی کیلئے نہیں بلکہ اچھی زندگی گزارنے کیلئے بنی ہے۔

(حوالہ: 36)

24 اکتوبر۔۔۔ حکومت آزاد کشمیر کا قیام

کشمیر میں آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کے نتیجے کے طور پر آزاد علاقوں میں 24 اکتوبر کو حکومت آزاد کشمیر قائم ہو گئی جس کے سربراہ سردار محمد ابراہیم تھے۔ اس سے 20 روز قبل 4 اکتوبر آزاد کشمیر کی عارضی حکومت کا اعلان ہوا تھا۔

(حوالہ: 37)

مزید دیکھیں۔ اسی کتاب کا ایک باب۔۔ حکومت آزاد کشمیر کا قیام

24 اکتوبر۔۔۔ مسئلہ فلسطین اور قائداعظم

کراچی میں رائٹر کے نمائندے کو ایک طویل انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم نے یہ واضح موقف اختیار کیا۔ کہ پاکستان عرب مفادات کے تحفظ کیلئے سب کچھ کر گزرے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر فلسطین کو تقسیم کیا گیا تو اس سے بے مثال تباہی اور بربادی ہو گی۔ پورا عالم اسلام اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا۔ کیونکہ فلسطین کی تقسیم تاریخی' سیاسی اور اخلاقی' کسی بھی پہلو سے جائز نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان کے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو گا کہ وہ عربوں کی پوری پوری حمایت کرے۔ بلکہ اس بے انصافی کو روکنے کیلئے پاکستان ہر وہ قدم اٹھائے گا جو اس کے اختیار میں ہو گا۔

اسی انٹرویو میں پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات پر اظہار خیال کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا۔ کہ دونوں حکومتوں کا سب سے پہلا لازمی اقدام یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی اپنی مملکتوں میں امن و امان قائم کرنے کیلئے کوششیں کریں۔ فرقہ وارانہ فسادات کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم نے واضح کیا۔ کہ یہ فرقہ وارانہ فسادات نہیں تھے بلکہ سب کچھ ایک منظم باقاعدہ اور سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق کیا گیا۔ جس کا مقصد پاکستان کی نئی مملکت کو تباہ کرنا تھا۔

26 اکتوبر۔۔۔ قائداعظم کی لاہور روانگی

کشمیر میں تیزی سے ہونے والی تبدیلیوں' پونچھ میں بغاوت کے بعد آزاد کشمیر کی متوازی حکومت کا قیام' پانچ ہزار گوریلا قبائل کی کشمیر میں مسلح کارروائیاں اور اس کے دو روز بعد مہاراجہ کا ہندوستان سے کشمیر کے الحاق کا اعلان اور ہندوستان سے فوجی مدد کی درخواست وغیرہ ایسے واقعات تھے جو قائداعظم کو مجبور کر رہے تھے کہ وہ ذرا قریب سے کشمیر کی خطرناک صورتحال کا جائزہ لے سکیں۔ قائداعظم چاہتے تھے کہ پاکستان کی نامکمل فوج کشمیر میں داخل ہو کر مسلمانوں کو تباہ ہونے سے بچائے۔ اس ضمن میں وہ جنرل گریسی کو کارروائی کرنے کا حکم دے چکے تھے۔ جس کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ 26 اکتوبر کو وہ بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچے جہاں انہیں ماؤنٹ بیٹن اور سر آکنلیک سے مسئلہ کشمیر پر تبادلہ خیال بھی کرنا تھا۔

(حوالہ: 38)

27 اکتوبر۔۔۔ پنڈت نہرو کا تار

بھارتی فوجیں ایک طرف کشمیر کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں اور دوسری طرف بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو پاکستان اور دنیا کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ ریاست کو ہندوستان میں شامل کرنے کیلئے دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے وزیراعظم پاکستان کے نام کئی تار ارسال کئے۔ 27 اکتوبر کو انہوں نے مندرجہ ذیل تار بھیجا۔

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس ہنگامی صورتحال میں کشمیر کی مدد کرنے کا مدعا کسی طرح بھی یہ نہیں ہے کہ ریاست کے ہندوستان میں شامل ہونے کے معاملے پر اثر ڈالا جائے۔ ہمارا نظریہ اس معاملے میں یہ ہے جسے ہم بار بار اعلانیہ طور پر دہرا چکے ہیں کہ کسی بھی متنازعہ فیہ علاقے یا ریاست کی شمولیت کا فیصلہ عوام کی رائے پر موقوف ہونا چاہئے اور ہم اس نظریئے پر قائم ہیں"۔

(حوالہ: 39)

27 اکتوبر۔۔۔ ہندوستان سے کشمیر کے الحاق کا اعلان

مہاراجہ کشمیر نے ہندوستان سے ریاست کے الحاق کا اعلان کر دیا۔ حکومت آزاد کشمیر کی افواج کی سری نگر کی طرف پیش قدمی۔

29 اکتوبر۔۔۔ جوناگڑھ پر بھارتی قبضہ

ہندوستان نے ریاست جوناگڑھ کے الحاق کے فیصلے کو نظرانداز کرتے ہوئے اس پر زبردستی قبضہ کر لیا۔

30 اکتوبر۔۔۔ امریکہ امداد دینے سے انکار کرتا ہے

امریکی امداد کیلئے پاکستان کی دو ماہ سے زائد کوششوں کا نتیجہ انکار کی صورت میں برآمد ہوا۔ کافی غور و خوض کے بعد 30 اکتوبر کو امریکی محکمہ خارجہ کے حکام نے قائداعظم کے خصوصی ایلچی لائق علی سے ملاقات کی۔ جس میں دو ٹوک لہجے میں پاکستان کو امداد دینے سے معذوری کا اظہار کیا گیا۔ ان حکام نے پاکستانی درخواست کے اس حصے کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔ جس کا تعلق پاکستان کی دفاعی افواج کی جدت کاری اور توسیع سے تھا۔ پاکستان کی درخواست میں شامل فوجی شقوں پر اس لئے توجہ نہ دی گئی کہ ابھی یہ بات واضح نہ تھی کہ اس نئی مملکت کے فوجی امور میں برطانیہ کیا کردار ادا کرنے والا تھا اور نہ ہی یہ واضح تھا کہ جنوبی ایشیاء کے بارے میں امریکہ کی فوجی پالیسی بالآخر کیا ہو گی۔

اس ملاقات کے دوران میر لائق علی نے کمبلوں اور طبی سامان کی ہنگامی امداد کیلئے ساڑھے چار کروڑ ڈالر کی بھی درخواست کی تاکہ تین لاکھ مہاجرین کیلئے 15 ڈالر فی کس کے حساب سے کمبل اور طبی اشیاء خریدی جا سکیں۔ امریکی حکام نے اس کے جواب میں کہا کہ امریکہ کے پاس ایسے کوئی فنڈز نہیں ہیں جن سے امدادی مقاصد کیلئے کمبل اور اس قسم کی دوسری اشیاء خریدی جا سکیں۔

(حوالہ: 40)

30 اکتوبر۔۔۔ قائداعظم۔۔۔ لاہور کے شہریوں سے

یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں لاہور کے شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے مہاجرین کے مسئلے، عوام کی قربانیوں اور انتظامیہ کے ساتھ ان کے تعاون وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے بلند ہمتی سے کام لینے اور خدا پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کی۔ تقریر ختم کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ "میں اپنے ملک کے ہر باشندے اور شہری کی شرافت نفس سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے گا۔ اور اپنے رویئے اور عمل سے اپنی حکومت اور ان رہنماؤں کیلئے طاقت کا ستون ثابت ہو گا جو خلوص دل سے ہمارے ان بدقسمت بھائیوں کے آلام و مصائب کا ازالہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔"

اسی روز ریڈیو پاکستان سے قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا

"گذشتہ چند دنوں سے مجھے پنجاب کے وحشت ناک اور الم انگیز واقعات کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں مجھے مختلف ذرائع سے جو واقعات و حالات پنجاب کی صورتحال کے متعلق ملے ان کے پیش نظر میں نے فیصلہ کیا کہ پنجاب آ کر خود حالات کا مطالعہ کروں۔ یہاں پہنچنے پر میں نے ان تمام ذرائع اور وسائل، جو مجھے میسر آئے کام لیا۔ اور حالات و واقعات کی صحیح حالت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے جو کچھ میں نے سنا تھا۔ جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا۔ اس میں سے بہت حد تک واقعات درست نکلے۔ میں اس وقت آپ سے انتہائی رنج و الم کے جذبات اور دکھے ہوئے دل کے ساتھ خطاب کر رہا ہوں ان واقعات پر میرا دل خون رو رہا ہے اور میری آنکھیں اشک ریز ہیں۔ لیکن صبر و تحمل اور نظم و ضبط سے کام لینا چاہئے۔

اس میں شک نہیں کہ افق پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں۔ مصیبتوں کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ مشکلوں کے طوفان اٹھ رہے ہیں لیکن میں آپ سے اپیل کروں گا کہ اپنے حوصلوں اور ہمتوں کو بلند کریں۔ کیا ہمارے حوصلے پست ہو گئے ہیں؟.... کیا ہمارے دل بجھ گئے ہیں؟ نہیں! ہرگز نہیں۔۔۔ تاریخ اسلام شاندار روایات و واقعات کی حامل ہے ہم

اعلیٰ روایات رکھتے ہیں۔ ایسی روایات جو ہمارے عزائم کو متزلزل نہیں ہونے دیتیں۔ قوموں کی زندگی میں ایسے واقعات آیا کرتے ہیں لیکن بہادر قومیں خندہ پیشانی اور جوانمردی سے ایسے واقعات و حالات کا مقابلہ کرتی ہیں۔

میں پاکستان کی ترقی' سربلندی اور ظفرمندی سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ میرا یقین ہے۔ کامل یقین کہ اگر سات کروڑ انسانوں کی متحد قوم عزم صمیم اور جذبہ غیرمتزلزل کے ساتھ اٹھ کھڑی ہو تو وہ دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ اقوام میں اپنا بلند مقام حاصل کر سکتی ہے"۔

31 اکتوبر--- نہرو بنام لیاقت علی

کشمیر کے مسئلے پر ایک اور تار میں نہرو نے لکھا:

"ہماری یہ یقین دہانی کہ جونہی امن و امان بحال ہو گیا' ہم کشمیر سے اپنی فوجیں ہٹالیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ عوام پر چھوڑ دیں گے' ایک ایسا وعدہ ہے جو ہم نے صرف آپ کی حکومت کے ساتھ نہیں بلکہ کشمیری عوام اور دنیا بھر کے ساتھ کیا ہے"۔

(حوالہ: 41)

نومبر 1947ء

یکم نومبر--- قائداعظم۔ ماؤنٹ بیٹن مذاکرات

قائداعظم اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے درمیان لاہور میں مسئلہ کشمیر پر تبادلہ خیالات ہوا۔

یکم نومبر--- شاہنواز بھٹو مستعفی

پاکستان سے الحاق کا اعلان کرنے والی ریاست جوناگڑھ کے وزیراعظم سر شاہنواز بھٹو اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

3-11 نومبر--- پاکستان کے ساتھ مزید ریاستوں کا الحاق

3 نومبر کو چترال کے میتر نے' پاکستان کے ساتھ اپنی ریاست کے الحاق کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ 5 نومبر کو ھنزہ اور نگر کی ریاستیں بھی پاکستان میں شامل ہو گئیں۔ 8 نومبر کو چترال کے ساتھ ساتھ دیر کی ریاست بھی پاکستان میں شامل ہو گئی۔ 11 نومبر کو سر شاہنواز بھٹو نے اعلان کیا کہ ریاست جوناگڑھ ابھی تک پاکستان کا حصہ ہے۔

(حوالہ: 42)

4 نومبر--- نہرو بنام لیاقت

"میں آپ کی توجہ کشمیر پر اپنی نشری تقریر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں' جو میں نے کل شام کی ہے۔ میں نے اپنی حکومت کی پالیسی کو بیان کیا اور یہ واضح کر دیا کہ ہم کشمیر پر اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں چاہتے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ہم اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ کوئی غیر جانبدار فریق مثلاً اقوام متحدہ رائے شماری کی نگرانی کرے"۔

6 نومبر--- سر فیروز خان کا دورۂ ترکی

امریکی امداد کے سلسلے میں مختلف کوششوں کو کامیاب بنانے کے لئے' قائداعظم نے ایک قدم یہ اٹھایا کہ انہوں نے سر فیروز خان نون کو کئی مسلم ملکوں کے خیرسگالی دورے پر بھیجا جن میں ترکی بھی شامل تھا۔ ترکی میں اپنے قیام کے دوران نون نے انقرہ میں امریکی سفارت خانے سے رابطہ کیا تاکہ وہ ایک اہم دستاویز امریکی سفارتی حکام کے حوالے کر سکیں۔ 6 نومبر کو وہ امریکی کونسلر ہربرٹ ایس برسلے سے ملے اور بتایا کہ ان کے خیرسگالی کے دورے کا بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ انقرہ کے امریکی سفارت خانے میں جائیں جسے ایک موثر سفارت خانہ سمجھا جاتا تھا--- پاکستان کو فوری طور پر ہتھیاروں کی ضرورت تھی اور اگر امریکہ ترکی کی طرح اسے بھی مدد دے سکے تو وہ شکرگزار ہو گا۔ پاکستان ہتھیاروں کی قیمت ادا کرنے پر تیار تھا اور وہ بڑی مقدار میں امریکی قرضہ بھی چاہتا تھا نون نے زور دے کر کہا۔ پاکستان اور امریکہ "گہرے" دوست بن سکتے ہیں۔ ان کا ملک امریکی مصنوعات کی "بڑی مقدار" کی منڈی بن سکتا ہے۔ علاوہ ازیں سوویت اشتراکیت کے خلاف فصیل کے طور پر امریکہ پاکستان پر اعتماد کر سکتا ہے۔ جو یادداشت انہوں نے امریکی قونصلر کے حوالے کی اسے انہوں نے "بہت زیادہ خفیہ" قرار دیا۔ اس میں کہا گیا تھا۔

"پاکستان کے مسلمان اشتراکیت کے مخالف ہیں۔ ہندوؤں نے اپنا ایک سفیر بھی ماسکو بھیج دیا.... اسی طرح روسیوں نے بھی ہندوستانی دارالحکومت دہلی میں اپنا سفیر رکھا ہوا ہے۔ ہم مسلمانان پاکستان کا ماسکو میں کوئی سفیر نہیں۔ نہ ہی ہمارے دارالحکومت کراچی میں روس کا کوئی سفیر ہے.... دوستوں کی تلاش میں پاکستان کو چاروں طرف دیکھنا پڑے گا اور ترکی کی طرح اسے بھی جو دوست مل سکتا ہے وہ امریکہ ہے۔ اگر امریکہ اور برطانیہ پاکستان کو ایسا مضبوط اور آزاد ملک بننے میں مدد دیں جو اپنی ثقافت پر نازاں ہو تو پھر پاکستان کے عوام اپنی آزادی اور اپنے طرز حیات کے تحفظ کیلئے اشتراکیت کے خلاف جنگ میں کسی قربانی سے گریز

نہ کریں گے"۔
اس مشن کے دوران فیروز خان نون اس حقیقت سے بے خبر رہے کہ امریکہ دو ارب ڈالر کے قرضے کیلئے پاکستان کی درخواست پہلے ہی مسترد کر چکا ہے۔

(حوالہ: 44)

15 نومبر--- میاں افتخار الدین کا استعفیٰ

دو ماہ تک پنجاب حکومت میں مہاجرین کی بحالیات کا وزیر رہنے کے بعد، حکومت سے اختلافات ہو جانے پر میاں افتخار الدین نے استعفیٰ دے دیا۔ اپنے اخباری بیان میں انہوں نے کہا کہ حکومت نے ان کی تجویز کردہ اصلاحات اور معاشی نظام کے نفاذ کیلئے ان سے تعاون نہیں کیا۔ حتیٰ کہ انہیں اپنی وزارت میں مکمل اختیارات تک حاصل نہیں تھے۔ میاں افتخار کی بنیادی تجویز یہ تھی کہ تمام جاگیروں کو قومیا کر مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے۔ میاں افتخار کے جواب میں وزیراعلیٰ نے دعویٰ کیا۔ کہ جمہوریت کی بنیاد مشترکہ ذمہ داری پر ہوتی ہے اور کسی ایک وزیر کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(حوالہ: 45)

20 نومبر--- آزاد کشمیر کی فوجوں کا راجوری پر قبضہ

آزاد کشمیر کی فوجوں نے راجوری پر قبضہ کر لیا۔

30 نومبر--- پاک۔ برطانیہ سفارتی تعلقات

پاکستان اور برطانیہ کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔

دسمبر 1947ء

یکم دسمبر--- قبائلی جرگے

صوبہ سرحد کے انگریز گورنر سر جارج کننگھم نے میراں شاہ میں شمالی وزیرستان کے قبائل، وانا میں احمد زئی وزیر قبائل اور پاراچنار میں محسود قبائل کے جرگے بلائے۔ ان جرگوں میں تمام قبائل نے پاکستان کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھایا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ بالکل ویسے ہی تعلقات چاہتے ہیں جیسے ان کے برطانوی حکومت کے ساتھ تھے۔

(حوالہ: 46)

یکم دسمبر--- قائداعظم کراچی واپس پہنچ گئے

کشمیر کی صورت حال اور فرقہ وارانہ فسادات کی شدت کے باعث قائداعظم کو کافی دنوں تک لاہور رکنا پڑا۔ اسی دوران وہ بیمار پڑ گئے اور کئی دن تک گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی کے ہاں صاحب فراش رہے۔ کراچی سے ان کی غیر حاضری کے باعث مرکزی حکومت کا سارا کام ٹھپ ہو گیا تھا یکم دسمبر کو وہ کراچی واپس پہنچ گئے اور وہاں بھی کافی دنوں تک بیمار رہے۔

3 دسمبر--- 40 لاکھ مہاجرین

مشرقی پنجاب اور دہلی سے 40 لاکھ مہاجرین پنجاب پہنچے۔

10 دسمبر--- "بنگالی کو مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان بنایا جائے"

سکولوں اور کالجوں کے پانچ سو طلباء نے ڈھاکہ سیکرٹریٹ کے سامنے مظاہرہ کرتے ہوئے، بنگالی کو مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے اردو اور بنگالی کے حامیوں کے درمیان جھڑپ کو پاکستان دشمنوں کی سازش قرار دیا۔

12 دسمبر--- قلات اسمبلی کا اجلاس

12-15 دسمبر کے اپنے اجلاس میں قلات اسمبلی نے اتفاق رائے سے پاکستان سے الحاق کے خلاف قرارداد منظور کی۔

(حوالہ: 47)

مزید دیکھیں، اسی کتاب کا ایک باب - قلات اسمبلی کا اجلاس

14 دسمبر--- آل انڈیا مسلم لیگ کا آخری اجلاس

پاکستان کے قیام کے بعد بھی آل انڈیا مسلم لیگ ایک تنظیم کے طور پر برقرار رہی تھی جبکہ عملاً اب یہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اس کو تنظیمی طور پر بھی دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کرنے کے لئے 13 دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ پارٹی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس سلسلے میں قرارداد، کونسل کے سامنے پیش کی جائے۔ کونسل کا اجلاس اگلے روز خالقدینہ ہال میں منعقد ہوا جس میں قائداعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کے طور پر آخری بار شرکت کی۔ کونسل نے مسلم لیگ کو دو علیحدہ اور جداگانہ تنظیموں میں تقسیم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ ایک

تنظیم پاکستان کے لئے اور دوسری بھارت کے لئے۔ پاکستان مسلم لیگ کے کنوینر لیاقت علی خان مقرر ہوئے اور ہند مسلم لیگ کے لئے جناب محمد اسماعیل کا نام تجویز ہوا۔

کونسل کے اجلاس میں ہندوستان کے مندوبین نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے قائداعظم سے اپیل کی کہ مسلمان ہندوستان میں بے یار و مدد رہ گئے ہیں اس لئے قائداعظم وہاں آ جائیں اور ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کریں قائد کا جواب تھا:

"مسلم لیگ کونسل نے مجھے پاکستان کا گورنر جنرل بنایا ہے تاکہ میں ملک کو بحران سے نکال سکوں لیکن اگر اب کونسل یہ فیصلہ کرے تو میں گورنر جنرل کے عہدے سے مستعفی ہو کر نتائج کی پروا کئے بغیر ہندوستان جانے کو تیار ہوں۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کب تک میری قیادت پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں گے۔ اگر میں مر جاؤں تو آپ کیا کریں گے"۔

اس روز قائداعظم نے انتہائی جذباتی تقریر کی۔ ان کی تقریر میں جب فرقہ وارانہ قتل و غارتگری کا ذکر آیا تو ان کا چہرہ سوگوار ہو گیا.... ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ شاید خود انہیں بھی اندازہ نہ تھا کہ آزادی کی صبح اس قدر خون آلود ہو گی۔۔۔

(حوالہ: 48)

15 دسمبر۔۔۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اثاثہ جات کی تقسیم

تقسیم کے وقت ریزرو بنک آف انڈیا کے پاس متحدہ ہندوستان کی حکومت کا کیش بیلنس چار ارب روپے تھا۔ جس میں 75 کروڑ روپیہ پاکستان کے حصے میں آتا تھا۔ کام چلانے کے لئے 20 کروڑ روپیہ فوری طور پر حکومت پاکستان کے حساب میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ باقی 55 کروڑ روپیہ حساب کتاب کی تکمیل تک روک لیا گیا۔ 15 دسمبر تک دونوں ملکوں کے درمیان حساب کتاب مکمل ہو گیا اور یہ طے پا گیا کہ باقی 55 کروڑ روپیہ بھی پاکستان منتقل ہو جانا چاہئے لیکن اس وقت بھارتی اخباروں میں یہ پراپیگنڈہ شروع ہو گیا کہ اگر پاکستان کے حصے کا روپیہ ادا کر دیا گیا تو یہ روپیہ گولہ بارود کی صورت میں منتقل ہو کر محاذ کشمیر پر بھارت کے شہریوں اور فوجیوں کے خلاف استعمال ہو گا۔ لہٰذا بھارتی حکومت کو اس رقم کی ادائیگی کی حماقت نہ کرنی چاہئے۔ بھارتی حکومت نے بھی ٹال مٹول شروع کر دی۔ گاندھی جی نے اس بات کا نوٹس لیا اور کانگریسی لیڈروں کو دھمکی دی کہ اگر پاکستان کو اس کے حصے کی رقم فوراً ادا نہ کی گئی تو وہ مرن برت رکھ لیں گے۔ اس دھمکی سے ڈر کر بھارتی حکومت نے 55 کروڑ کی ادائیگی کر دی۔

(حوالہ: 49)

19 دسمبر۔۔۔ پاکستان سول سروس کا پہلا امتحان

پاکستان میں پاکستان سول سروس (پی سی ایس) کا پہلا امتحان 15 جنوری 1948ء کو منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا۔

21 دسمبر۔۔۔ دہلی میں روزنامہ "جنگ" کی عمارت پر قبضہ

ہندوستان کی حکومت نے دہلی میں واقع روزنامہ 'جنگ' کے دفتر پر قبضہ کر لیا۔

24 دسمبر۔۔۔ پاکستان میں سرکاری چھٹیوں کا اعلان

پاکستان نے اپنی مسلم اور غیر مسلم آبادی کے لئے قومی اور مذہبی تہواروں کے سلسلے میں سرکاری چھٹیوں کا اعلان کیا۔ دی جانے والی چھٹیوں میں عید میلاد النبی، گڈ فرائی ڈے، ملکہ الزبتھ کی سالگرہ، بنک ہالیڈے، شب برات، جمعتہ الوداع، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، دسہرہ، یوم پاکستان، جنم اشٹمی، یوم الحج، دیوالی، محرم الحرام، کرسمس ڈے، قائداعظم کا یوم ولادت، سال نو، بسنت پنچمی، نوروز، شو راتری، ہولی، ایسٹر منڈے، یوم ولادت حضرت علیؓ کا یوم ولادت، گیارھویں شریف، شب معراج، زرتشت کا یوم ولادت، گورونانک کا یوم ولادت، چہلم اور باکسنگ ڈے شامل تھے۔

(حوالہ: 50)

24 دسمبر۔۔۔ مسلم لیگ یا پاکستان لیگ؟

آل انڈیا مسلم لیگ کے آخری اجلاس میں جناب حسین شہید سہروردی نے قائداعظم کے موقف سے اختلاف کیا تھا۔ سہروردی ہندوستان سے کئی دوسرے مسلم لیگی کونسلروں کے ساتھ اجلاس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ سہروردی نے بڑی شد و مد سے یہ سوال اٹھایا تھا کہ بدلے ہوئے حالات میں کیا پاکستان کے مسلمانوں کے لئے اپنی تنظیم کو فرقہ وارانہ خطوط پر قائم رکھنا درست ہے؟ ان کا موقف تھا کہ متحدہ ہندوستان میں مسلم لیگ صرف مسلم اقلیت کے حقوق اور مفاد کی ترجمان تھی لیکن جو جماعت پاکستان کے جمہوری ملک کی حکمران سیاسی جماعت بننے کی مدعی ہے وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے مفاد تک کیسے محدود کر سکتی

ہے؟ اس پر مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے مفاد کی حفاظت کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے' لہٰذا پاکستان میں آل انڈیا مسلم لیگ کی جانشین پارٹی کو اپنا نام پاکستان لیگ رکھنا چاہئے اور اپنی رکنیت کا دروازہ غیر مسلموں کے لئے بھی کھول دینا چاہئے۔ لیکن یہ موقف رد کر دیا گیا تھا۔

ایک اور اختلافی مسئلہ جو قائداعظم اور سہروردی کے درمیان پیدا ہوا کہ مسلم لیگ کو پاکستان کی واحد سیاسی جماعت بنانے پر اصرار کیا جائے یا دوسری پارٹیوں کو منظم ہو کر لوگوں میں کام کرنے کی اجازت ہو؟ قائداعظم کا دو ٹوک موقف یہ تھا کہ فی الحال مسلم لیگ کو ہی مضبوط بنایا جائے اور دوسری جماعتوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

دوسرے روز سہروردی نے کراچی میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ پاکستان مسلم لیگ غیر مسلم باشندوں کے لئے بھی اپنے دروازے کھول دے گی کیونکہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ کوئی برسراقتدار پارٹی اپنے آئین کے ذریعے عوام کے ایک حصے کو اپنی صفوں سے باہر رکھے۔

نئی دہلی پہنچ کر 24 دسمبر کو ایک اور انٹرویو میں انہوں نے کہا: "پاکستان میں یہ قومی احساس موجود ہے کہ ملک میں ایک نیشنلسٹ لیگ کی تشکیل کی جائے جس کے دروازے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے لئے کھلے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان لیگ میں نیشنلزم کے اثر و دخل کی بنا پر یہ تنظیم لازمی طور پر کم فرقہ وارانہ اور زیادہ ترقی پسندانہ ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو عناصر برسراقتدار ہیں اور لیگ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے خواہاں ہیں وہ نیشنل لیگ کی تجویز کے خلاف ہیں"

(حوالے: 51' 52)

25 دسمبر۔۔۔ قائداعظم کی سالگرہ

قائداعظم' جو لاہور میں کئی ہفتے بیمار رہے تھے' یکم دسمبر کو کراچی واپس پہنچ کر بھی پژمردہ رہے۔ دسمبر کے تیسرے ہفتے تک وہ پھر چاق و چوبند ہو چکے تھے۔ 25 دسمبر کو وہ رائل اسکالس رجمنٹ کے افسروں کے رخصتی ڈنر میں شریک ہوئے۔ دعوت کا اہتمام بڑا شاندار تھا۔ میزوں پر رجمنٹ کی کامیابی کی یادگار نشانیاں سجی ہوئی تھیں۔ شہنائی بج رہی تھی۔ کھانے کے بعد شہزادی الزبتھ کا جام صحت نوش کیا گیا۔ شہزادی اس رجمنٹ کی کرنل ان چیف تھیں۔ اس کے بعد ملک معظم کا جام صحت نوش کیا گیا۔ اس رجمنٹ کی یہ پرانی روایت ہے کہ بادشاہ کے بعد کسی اور کا جام صحت تجویز نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس موقع پر رجمنٹ کا افسر اعلیٰ اٹھا اور قائداعظم کی طرف دیکھ کر بولا:

"جناب عالی! آپ نے ہماری اس دعوت میں شریک ہو کر ہماری عزت افزائی کی ہے اور اس مبارک موقعے پر روایت شکنی جائز ہے۔ ہم خود لڑائی میں بڑے ہوشیار ہیں اور آپ بھی زبردست لڑنے والے ہیں" یہ سن کر قائداعظم کھڑے ہو گئے اور کہا: "حضرات! آپ کے افسر اعلیٰ نے رجمنٹ کی ایک پرانی روایت توڑی ہے اگر آپ اجازت دیں تو ان کو جواب دے کر اس روایت شکنی میں کچھ اضافہ کر دوں۔ جن انگریزوں نے آزادی کے بعد پاکستان کی خدمت قبول کی اور اس مملکت کی تشکیل میں ہماری مدد کی ہے میں ان کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔۔۔"

(حوالہ: 53)

26 دسمبر۔۔۔ پاکستان کے بارے میں امریکی رویہ

پاکستان کے سلسلے میں امریکی بے نیازی کے رویئے کی شہادت 26 دسمبر 1947ء کو محکمہ خارجہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس کی روئیداد سے ملتی ہے۔ اس کانفرنس میں جنوبی ایشیائی امور کے شعبے کے سربراہ ریمنڈ اے۔ ہیر نے سفیر گریڈی سے درج ذیل قسم کے سوالات پوچھے تھے:

--- کیا ہمارا طرز فکر اب بھی یہ ہونا چاہئے کہ پاکستان بالآخر متحدہ ہندوستان کی طرف لوٹ جائے گا؟

-- اچھا تو کیا ہم اس بات سے اتفاق کریں کہ ہم دونوں میں سے کسی ملک کی آزادی پر شبہ نہ کریں گے لیکن جب کبھی ممکن ہوا تو تعاون کی حوصلہ افزائی کریں گے؟

(حوالہ: 54)

31 دسمبر۔۔۔ امریکی ناظم الامور' پاکستانی دفتر خارجہ میں

پاکستانی حکام دو ارب ڈالر کی امریکی امداد کے سلسلے میں واشنگٹن سے کسی اچھی اطلاع کے شدت سے منتظر تھے۔ قائداعظم کے ایلچی میر لائق علی نے پاکستانی حکمرانوں کو کہیں اب جا کر امداد کے سلسلے میں امریکی انکار سے مطلع کیا تھا۔ جس پر وزیر خزانہ غلام محمد بہت ملول تھے۔ وہ امریکی ناظم الامور سے اس بارے میں بات کرنا چاہتے تھے۔ یہ ملاقات 31 دسمبر کو ہوئی۔ لیوس جب دفتر خارجہ پہنچے تو وزیر خارجہ ظفر اللہ خان اور غلام محمد دونوں ان کے منتظر تھے۔ غلام محمد یہ جاننے کے لئے بے چین تھے کہ آخر کیا گڑبڑ ہوئی ہے کیونکہ لائق علی کی رپورٹوں سے تو انہوں نے یہی محسوس کیا تھا کہ امریکہ' پاکستان کی درخواست پر ہمدردی سے غور کر رہا ہے۔ اس پر لیوس نے وزیر خزانہ کو امریکہ سے آئی ہوئی وہ دستاویزات دکھائیں جن سے واضح تھا کہ میر لائق علی کو کئی ہفتے پہلے ہی امریکی حکومت کے فیصلے سے زبانی طور پر آگاہ کر دیا گیا تھا۔

اب وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے کہنا شروع کیا کہ پاکستان کا سٹرٹیجک محل وقوع، روسی کیمونزم سے اس کی "واضح نفرت" اور امریکہ کے لئے اس کی "جانی پہچانی دوستی" پاکستان کے دفاعی تقاضوں پر امریکہ کی سنجیدہ توجہ کا جواز فراہم کرتی دکھائی دیتی ہے۔ بہرحال وزیر خارجہ بھی اپنی کوشش میں ناکام رہے۔ پاکستان، امریکہ کو اپنی فوجی قوت کا بڑا وسیلہ بنانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ امریکہ پہلے ہی اپنا منفی ردعمل ظاہر کر چکا تھا۔

(حوالہ: 55)

31 دسمبر ۔۔۔ امریکہ اور کشمیر

قائم مقام امریکی وزیر خارجہ رابرٹ ایم لووٹ کے دستخطوں سے جاری ہونے والی، پاکستان اور ہندوستان کے نام ایک مشترکہ اپیل 31 دسمبر کو دونوں ملکوں کے امریکی سفارت خانوں کو بھیج دی گئی تاکہ اسے متعلقہ وزرائے اعظم تک پہنچا دیا جائے امریکہ کو "بھارت اور پاکستان دونوں کا پکا دوست" قرار دیتے ہوئے لووٹ نے اپنی اپیل میں کہا تھا کہ ان کا ملک کشمیر کے جھگڑے کا فوری اور پرامن تصفیہ کروانے میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی کوششوں میں تعاون کرے گا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ مذاکرات کے دوران پاکستان اور بھارت کو "نہ صرف اشتعال انگیز قدم اٹھانے سے احتراز کرنا چاہئے۔۔۔۔ بلکہ دونوں جانب کے ان غیر ذمہ دار عناصر کو بھی قابو میں رکھنا چاہئے جو اپنے اعمال کے خوفناک نتائج سے آگاہ نہیں ہیں۔۔۔۔"

(حوالہ: 56)

31 دسمبر ۔۔۔ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں

ہندوستان نے مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے مسئلہ کشمیر میں اقوام متحدہ کی مداخلت کا خیر مقدم۔

31 دسمبر ۔۔۔ آپریشن کرزن

قائداعظم کی ہدایت پر پاکستان نے اپنے مسلح دستوں کو وزیرستان کے علاقے سے واپس بلا لیا۔

(حوالہ: 57)

مزید دیکھیں، اسی کتاب کا ایک باب۔۔۔ آپریشن کرزن

جنوری 1948ء

1-15 جنوری ۔۔۔ کشمیر کی صورت حال

جب کشمیر میں زیادہ سے زیادہ فوج جھونکنے کے باوجود بھارت کو کشمیر میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو نے مداخلت کے لئے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ شکایت یکم جنوری 1948ء کو دائر کی گئی جس کا مطلب اقوام متحدہ کے چارٹر 34, 35 کے تحت پاکستان کے خلاف ریاست جموں و کشمیر میں جارحیت کا الزام عائد کرنا اور جموں و کشمیر کی سرزمین میں جارحیت کا الزام عائد کرنا اور جموں و کشمیر کی سرزمین سے پاکستان کے سول و فوجی ملازمین کو حملے میں شریک ہونے یا پاکستان کی سر زمین کو فوجی مقاصد کیلئے استعمال کرنے سے روکنے کی استدعا کرنا تھا۔۔۔

فوجی نقطہ نظر سے حالات، بھارت کے ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔ پونچھ مکمل طور پر مجاہدین آزادی کے قبضے میں تھا مظفر آباد کی آزادی کے بعد جہلم ویلی روڈ کو قبائلی رضا کاروں نے منقطع کر دیا تھا۔ گلگت اور چلاس آزاد کرائے جا چکے تھے اور لداخ آزاد ہوا ہی چاہتا تھا۔ ان حالات میں وزیراعظم ہندوستان نے گھبرا کر سلامتی کونسل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

15 جنوری کو سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا جس میں بھارتی مندوب سر گوپالا سوامی آئنگر نے فوری کارروائی کی استدعا کرتے ہوئے متنبہ کیا کہ اگر اس معاملے میں تاخیر سے کام لیا گیا تو یہ بین الاقوامی امن کے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی۔ پاکستان نے بھارت کی شکایت کے جواب میں اس پر مندرجہ ذیل الزامات عائد کئے۔

1.... کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام۔

2.... جوناگڑھ، مناوا اور منگرول ریاستوں نے پاکستان سے الحاق کیا تھا، ان پر فوجی طاقت سے قبضہ کرنا۔

3.... ایک ایسے ملک کی لاعلمی میں کشمیر پر حملہ کرنا جس کے ساتھ اس کا معاہدہ قائم تھا۔

4.... فوجی سازوسامان اور اثاثہ جات کو روکنا۔

بھارتی وفد وزیر دفاع آئنگر (قائد) کے علاوہ اٹارنی جنرل ایم سی سیٹورڈ اور شیخ محمد عبداللہ پر مشتمل تھا جبکہ پاکستانی وفد میں وزیر خارجہ پاکستان چودھری ظفراللہ خان (قائد) کے علاوہ ایم اے ایچ اصفہانی سفیر پاکستان برائے امریکہ، مسٹر وسیم ایڈووکیٹ جنرل، چودھری محمد علی سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان اور سردار محمد ابراہیم شامل تھے۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور سردار محمد ابراہیم خان بار ایٹ لاء بھی پاکستانی وفد کے ہمراہ تھے۔

سلامتی کونسل نے، دونوں طرف کی بحث سننے کے بعد، 15 جنوری کو ہی ایک قرار داد منظور کی جس میں پاکستان اور ہندوستان پر زور دیا گیا کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے صورتحال مزید بگڑ جائے۔ دوسرے

دونوں مملکتوں کے درمیان مصالحت کرانے کی غرض سے ایک سہ رکنی کمیشن قائم کیا جائے۔

(حوالہ: 58)

یکم جنوری---- تنخواہوں میں رضاکارانہ تخفیف

پاکستان کے وزراء نے اپنی تنخواہوں میں رضاکارانہ تخفیف کا اعلان کیا۔

3 جنوری---- نئی کرنسی

پاکستان میں نئے نوٹ اور سکے اس روز پہلی بار جاری ہوئے۔

6 جنوری---- پنجاب کا خسارے کا بجٹ

وزیر خزانہ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ نے پنجاب اسمبلی میں 49-1948ء کا بجٹ پیش کیا۔ 5 کروڑ 60 لاکھ پر مشتمل یہ خسارے کا بجٹ تھا جو قیام پاکستان کے بعد پیش کیا جانے والا پہلا بجٹ تھا۔

9 جنوری---- شریعت بل

پنجاب اسمبلی میں وزیر خزانہ دولتانہ نے شریعت بل پیش کیا۔

10 جنوری---- 25 کروڑ روپے پاکستان کو منتقل ہو گئے؟

نظام حیدر آباد دکن نے غیر منقسم ہندوستان کی حکومت کے تمسکات مالیتی' 25 کروڑ روپے' جو اس کے قبضے میں تھے پاکستان منتقل کر دیئے لیکن پاکستان کے وزیر خزانہ غلام محمد نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندے کو بتایا کہ یہ خبر من گھڑت ہے۔

(حوالہ: 59)

11 جنوری---- پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کا قیام

لاہور میں پاکستان ٹریڈ یونین کا اجلاس مرزا محمد ابراہیم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں مزدوروں کی ایک مرکزی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ مرزا ابراہیم' فیض احمد فیض' محمد حسین عطا' فضل الٰہی قربان' سردار شوکت علی' ممتاز علی اور لئیق احمد اس کے مختلف عہدیدار منتخب ہوئے۔

(حوالہ: 60)

18 جنوری---- سندھ میں مہاجرین کا داخلہ روکنا ہوگا: کھوڑو

وزیر اعلیٰ سندھ محمد ایوب کھوڑو نے کہا کہ سندھ صرف آٹھ اضلاع کا صوبہ ہے جسے پہلے مرکزی حکومت کی مدد سے چلایا جاتا تھا۔ ملازمتوں' زراعت اور تجارت کے شعبوں میں گنجائش کم ہے اس لئے سندھ میں مہاجرین کے مزید داخلے کو کسی نہ کسی طرح روکنا پڑے گا حکومت سندھ نے اپنے اس فیصلے سے مرکزی حکومت کو آگاہ کر دیا۔

(حوالہ: 61)

23 جنوری---- پاک۔ افغان سفارتی تعلقات کا قیام

افغانستان اور پاکستان نے باہمی طور پر سفارتی تعلقات کا فیصلہ کر لیا۔

29 جنوری---- کشمیر میں رائے شماری کا فیصلہ

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کشمیر میں رائے شماری کرانے کا فیصلہ کر لیا۔

30 جنوری---- گاندھی جی کا قتل

پاکستان کے اثاثہ جات کی بقایا رقم کی ادائیگی پر گاندھی جی کے اصرار اور دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام کے خلاف گاندھی جی کا رویہ وزیرداخلہ پٹیل سمیت بہت سے انتہا پسند ہندو لیڈروں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ 12 جنوری کو گاندھی جی نے اعلان کیا کہ چونکہ دہلی میں مسلمانوں کا کشت و خون جاری ہے اور سردار پٹیل وزیرداخلہ کی حیثیت سے امن و امان بحال کرنے میں ناکام رہا ہے اسلئے وہ 13 جنوری سے برت رکھیں گے جو صورت حال کے ٹھیک ہونے تک جاری رہے گا۔ 18 جنوری کو گاندھی جی نے اپنا برت ختم کر دیا کیونکہ ماؤنٹ بیٹن' نہرو اور مولانا آزاد نے انہیں یقین دلایا تھا کہ اب دہلی میں امن وامان ہو گیا ہے۔ 20 جنوری کو گاندھی جی کی پرارتھنا میٹنگ میں بم کا دھماکہ ہوا جو ظاہر کرتا تھا کہ انتہا پسند ہندو ان کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد بھی گاندھی جی کے لئے کوئی حفاظتی اقدامات نہ کئے گئے اور 30 جنوری کی شام کو جب وہ برلا ہاؤس کے کھلے میدان میں آئے تو گجرات کے ایک ہندو نوجوان نتھو رام گوڈسے نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ گاندھی جی کی ہلاکت میں اس اہم نکتے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے پیچھے نہرو... پٹیل تضاد بھی کافی شدت سے کار فرما تھا۔

(حوالہ: 62)

30 جنوری---- گاندھی جی کے قتل پر پاکستان میں سوگ

گاندھی جی کے قتل پر پاکستان میں سرکاری دفاتر سوگ میں بند رہے۔ قائداعظم نے ایک بیان میں اس قتل کو ہندوستان کے لئے نقصان دہ قرار دیا۔

فروری 1948ء

یکم فروری --- مہاجرین کے بارے میں سخت پالیسی

آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کے سیکرٹری نے ایک بیان میں شکایت کی کہ مہاجرین کو ابھی تک سخت پالیسی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

3 فروری --- دنیا کا آفاقی تصور: بھٹو

یونیورسٹی آف لاس اینجلس میں ایک پاکستانی طالب علم --- ذوالفقار علی بھٹو --- نے 3 فروری کو اپنی معرکۃ الآرا تقریر میں کہا تھا "آج میرا دل کچھ اس طرح خون کے آنسو رو رہا ہے جس طرح اس سے پہلے کبھی نہیں رویا تھا۔ ایک عالمی شہری کی حیثیت سے میں یہ اپنا مقدس فریضہ سمجھتا ہوں کہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کروں کہ اب ہماری نجات دنیا کے ایک ہو جانے میں ہے۔ ہمیں جنگ اور امن، موت یا زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔"

تقریر ختم کرتے ہوئے بھٹو نے کہا تھا:

"فی الوقت، ہم پریشان کن حالات سے دو چار ہیں لیکن ٹیگور کے یہ لفظ میری ہمت بندھاتے ہیں

جہاں دل خوف سے خالی ہے اور سر بلند ہے
جہاں علم مفت دیا جاتا ہے
جہاں دنیا کو تنگ گھریلو دیواروں میں ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جاتا۔
جہاں لفظ سچ کی گہرائی سے پھوٹتے ہیں
جہاں علم اپنے پنکھ پھیلائے پیہم تکمیل کی طرف پرواز کر رہا ہے۔
جہاں عقل و دانش کا شفاف چشمہ، مردہ عادتوں کے بھیانک صحرا میں اپنی راہ کھو نہیں دیتا
جہاں "تو" ذہن کو دائمی طور پر وسعت پذیر خیال اور عمل پیہم کی طرف رواں کئے ہوئے ہے
آزادی کی اس بہشت میں میرے ملک کو میرے مولا! بیدار کر دے

(حوالہ: 63)

3 فروری --- گاندھی شمع امید تھے: غفار خان

خدائی خدمت گار تحریک کے رہنما خان عبدالغفار خان نے گاندھی جی کے قتل پر ایک بیان میں کہا کہ بدقسمتی سے، ایسے وقت میں جب ہم انتہائی نازک دور سے گزر رہے تھے۔ اس تاریک زمانے میں گاندھی جی ہم لوگوں کے لئے شمع امید تھے۔

5-10 فروری: جنرل مسوری کے بعد جنرل گریسی

پاکستان کی بری فوج کے پہلے سربراہ جنرل فرینک مسوری کے سبکدوش ہونے پر ایک اور اعلیٰ برطانوی فوجی افسر ڈگلس گریسی کو پاکستان کی بری فوج کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔

8 فروری --- سندھ کا پہلا بجٹ

صوبہ سندھ کا 49-1948ء کا بجٹ پیش کر دیا گیا۔ یہ بجٹ وزیر اعلیٰ کھوڑو نے پیش کیا۔

10 فروری --- روزنامہ "زمزم" پر پابندی

حکومت مخالف مضمون شائع کرنے پر، روزنامہ "زمزم" پر دو ماہ کے لئے پابندی لگا دی گئی۔

14-27 فروری --- قلات کا قضیہ

سبی دربار کے موقع پر قائداعظم سبی آئے تو خان قلات نے ان سے ملاقات کی۔ قائداعظم نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ قلات کا پاکستان کے ساتھ الحاق منظور کر لیں۔ خان قلات نے اس سلسلے میں مہلت مانگی۔

(حوالہ: 65)

مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک باب --- قلات کا الحاق

10 فروری --- میکناٹن فارمولا

10 فروری کو سلامتی کونسل کے صدر جنرل اے۔جی۔ایل۔ میکناٹن نے قرار داد کی صورت میں جو تجویز مرتب کی، اس میں جنگی کارروائیوں کو فوری طور پر روکنے، دونوں ملکوں کی فوجوں اور ریاست میں گھس آنے والے غیر مسلح افراد کو واپس بھیجنے، گڑبڑ کی وجہ سے باہر چلے جانے والے تمام شہریوں کو واپس لانے اور اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کرانے جیسے اقدامات شامل تھے۔ پاکستان نے اس قرار داد کو منظور کر لیا جبکہ ہندوستان نے اسے مسترد کر دیا۔

(حوالہ: 64)

15 فروری --- مرزا محمد ابراہیم کی گرفتاری

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن نے یکم فروری 48ء کو مغربی پاکستان میں "یوم مطالبات" منایا۔ جس کے تحت تمام بڑے شہروں میں جلسے منعقد کئے اور جلوس نکالے گئے۔ 15 فروری کو فیڈریشن کے صدر مرزا ابراہیم کو کھوڑ کے مقام پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس گرفتاری کے رد عمل کے طور پر

16 اور 17 فروری کو ریلوے ورکشاپ مغلپورہ لاہور میں ہڑتال ہوئی۔

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن پاکستان کی ایک مثالی مزدور تنظیم تھی۔ اس وقت پاکستان کی 251 میں سے 59 یونینیں اس کے ساتھ ملحق تھیں جن کی رکنیت 80 ہزار تھی۔ پاکستان کی یونینوں کی کل رکنیت ایک لاکھ ستاون ہزار دو سو چھیالیس (1,57,246) تھی جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ریلوے	71,000
ٹیکسٹائل	10,600
انجینئرنگ کے ادارے	6,400
گودیوں اور بندر گاہوں میں	7,400
دیگر صنعتوں اور اداروں میں	61,246

15 فروری۔۔۔ کھوڑو نے سندھ آبزرور کے حصص خریدے

وزیر اعلیٰ سندھ محمد ایوب کھوڑو نے سندھ آبزرور کے 65% حصص خریدے۔

18 فروری۔۔۔ لکھنؤ میں روزنامہ "جنگ" کے داخلے پر پابندی

بھارت کے صوبے اتر پردیش کی حکومت نے لکھنؤ میں روزنامہ "جنگ" کے داخلے پر پابندی لگادی۔

24 فروری۔۔۔ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس

14 اگست 1947ء کے بعد دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس 24 فروری کو اسمبلی چیمبر کراچی میں قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مولانا محمد اکرم خان اور بیگم شائستہ سہروردی اکرام اللہ نے رکنیت کا حلف اٹھایا۔

24 فروری۔۔۔ جوناگڑھ کا بھارت سے الحاق

ریاست جوناگڑھ کا بھارت کے ساتھ جبری الحاق کر دیا گیا۔

24 فروری۔۔۔ پنجاب میں 51 لاکھ مہاجرین کی آبادکاری

مغربی پنجاب کی حکومت نے ایک اعلان میں بتایا کہ صوبائی حکومت، پنجاب میں اب تک 51 لاکھ مہاجرین کو آباد کر چکی ہے۔

25 فروری۔۔۔ اردو اور صرف اردو

25 فروری کو دستور ساز اسمبلی میں میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، سردار شوکت حیات اور مولوی ابراہیم خان نے اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا۔ دھرنیورناتھ دت نے تحریک پیش کی کہ بنگالی زبان چونکہ آبادی کی اکثریت زبان ہے اسلئے اسے ریاست کی سرکاری زبان ہونا چاہئے۔ سردار عبدالرب نشتر، لیاقت علی خان، غضنفر علی خان، محمد ہاشم گزدر مولوی تمیزالدین خان نے تحریک کی مخالفت کی۔ لیاقت علی خان نے کہا کہ صرف اردو ہی مغربی و مشرقی پاکستان کو متحد رکھ سکتی ہے اس لئے اردو اور صرف اردو ہی پاکستان کی سرکاری زبان ہو گی

(حوالہ: 66)

26 فروری۔۔۔ قائداعظم اور خارجہ حکمت عملی

قائداعظم کے ذہن میں پاکستان کے ضمن میں خارجہ تعلقات کا واضح تصور تھا۔ 20 فروری 1948ء کو انہوں نے امریکی سفیر سے کہا کہ پاکستان کے لوگ کسی ایسی چیز کے طالب نہیں، جو ان کی اپنی نہ ہو۔ وہ دنیا کی تمام آزاد اقوام سے خیرسگالی اور دوستی رکھنے سے زیادہ کسی اور بات کے خواہش مند نہیں۔ ہم پاکستانی اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ اب، جبکہ ہم نے اپنی مدتوں کی کھوئی ہوئی آزادی حاصل کر لی ہے۔ ہم نہ صرف اپنی مملکت کو مستحکم اور خوشحال بنانے کی انتہائی کوشش کریں گے بلکہ بین الاقوامی امن اور خوشحالی کے لئے بھی، جہاں تک ممکن ہو گا، پوری مدد کریں گے۔

(حوالہ: 67)

مارچ 1948ء

یکم مارچ۔۔۔ وزارت اقتصادی امور کی تشکیل

دستور ساز اسمبلی میں پاکستان کا پہلا بجٹ اجلاس ابھی جاری تھا جب یکم مارچ کو اقتصادی امور کی وزارت تشکیل دی گئی۔ ارکان اسمبلی نے بجٹ اجلاس کے دوران اس وزارت کی اہمیت اور ضرورت پر بہت زور دیا تھا۔ اس کی ضرورت کا احساس وزارت مالیات کو بھی تھا جس کے کندھوں پر ملک کی غیر منظم اقتصادیات کو منظم کرنے اور اسے ایک واضح سمت دینے کی ذمہ داری آ پڑی تھی۔ تحقیق اور مشاورت کے اہم وظائف کے ساتھ ساتھ اسے ان مختلف وزارتوں کے درمیان رابطے کا کام بھی دینا تھا جن کا تعلق اقتصادی میدان سے تھا۔

(حوالہ: 68)

یکم مارچ۔۔۔"پاکستان کی زبان صرف اردو ہوگی"

مشرقی بنگال کے وزیراعلیٰ خواجہ ناظم الدین نے کہا کہ پاکستان کی زبان صرف اردو ہوگی۔ جس پر صوبے میں شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا۔

6 مارچ۔۔۔ سہروردی دستور ساز اسمبلی میں

سہروردی نے، جو متحدہ بنگال کا خواب لئے دونوں ملکوں میں بھٹک رہے تھے۔ 6 مارچ کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ایک طویل تقریر کی جس میں انہوں نے پھر حکومت پاکستان پر تنقید کی تھی کہ وہ اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی کی مرتکب ہو رہی ہے اور فرقہ واریت کو پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔ انہوں نے کہا:

"جناب عالی! کسی شخص سے یہ توقع کرنا کہ اس کی وفاداری کسی ایک ہی مقصد یا آدرش تک محدود ہوگی، کوء جائز توقع نہیں۔ انسان مختلف النوع وفاداریوں کا مجموعہ ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ مختلف النوع وفاداریاں ایک دوسرے کی دشمن ہوں۔ میں دیانت داری سے محسوس کرتا ہوں کہ انسان میں سب سے بڑی وفاداری پوری انسانیت کے ساتھ ہوتی ہے اور انسانیت سے وفاداری تمام نسلی، مذہبی اور وطنی وفاداریوں سے بالا اور ماوراء ہے۔ انسانیت سے وفاداری کے ناتے میں آج آپ سے مخاطب ہوں۔ میں یہاں آپ کے سامنے یہ بتانے کے لئے کھڑا نہیں ہوا ہوں کہ آپ اپنی نوزائیدہ مملکت کو کیسے چلائیں؟ صنعتیں کیسے لگائیں؟ تعلیم کو سستا اور عام کیسے کریں؟ اپنے شہریوں اور دیہات میں بسنے والوں کی صحت کا بہتر بندوبست کیسے کریں؟ یہ تمام معاملات میں ان ارباب حل و عقد پر چھوڑتا ہوں جو اس مملکت کے روزمرہ کے کاروبار چلانے کے ذمہ دار ہیں۔ میرا مقصد آج صرف ان بنیادی سوالوں پر اظہار خیال کرنا ہے جن پر خود پاکستان کی اساس رکھی گئی ہے۔ مملکت کی اس اساس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ پاکستان کے شہریوں کی دیکھ بھال اور ان سے حسن سلوک۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ کے اپنے ہمسایہ ملک یعنی بھارت سے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟"

پاکستان میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت کا حوالہ دیتے ہوئے سہروردی نے کہا: "اب' اسلام خطرے میں ہے" کے بعد "پاکستان خطرے میں ہے" کے نعرے لگا کر فرقہ پرستی کو نہیں بڑھانا چاہئے۔ میں انسانیت کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے دل و دماغ سے فرقہ پرستی نکال دیں اور اپنے ملک کی اقلیتوں کو اپنے ساتھ برابر کا حصہ دار بنائیں۔ مجھے خان عبدالغفار خان سے اتفاق ہے کہ پاکستان میں اب مسلم لیگ کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اس تقریر کے بعد، بحث کے جواب میں وزیراعظم لیاقت علی خان نے کہا: "پاکستان کی فراخدلی کا سب سے بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ ہم نے ہندوستان کے باشندے کو پارلیمنٹ کا ممبر بنا رکھا ہے اور آج اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہاں پر جو چاہے کہے مجھے یقین ہے کہ سہروردی پاکستان کے باشندے ہوتے تو ہندوستان کی حکومت انہیں یہ حق کبھی نہ دیتی کہ وہ ان کی پارلیمنٹ میں تقریر کریں۔"

(حوالے: 70,69)

11-12 مارچ۔۔۔ پاکستان اور بھارت کے لئے امریکی ہتھیاروں پر پابندی

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی اور کشمیر میں حالات کی ابتری کے پیش نظر امریکی حکام کا خیال تھا کہ دونوں ملکوں کو اس وقت تک ہتھیار فروخت نہ کئے جائیں جب تک وہ اپنے جھگڑے کا حل تلاش نہ کرلیں اور کشمیر میں تصادم بند نہ ہو۔ 11 مارچ 1948ء کو امریکی وزیر خارجہ مارشل نے صدر ٹرومین سے سفارش کی کہ پاکستان اور بھارت دونوں کو ہتھیاروں، گولہ بارود اور دوسرے فوجی سامان کی برآمد پر غیررسمی بندش عائد کردی جائے۔ مارشل نے لکھا تھا "محکمہ خارجہ کے متعلقہ حکام نے اس وقت پاکستان اور بھارت کو فوجی سازوسامان فراہم کرنے کے مسئلے پر احتیاط سے غوروخوض کیا ہے۔ اور یہ عارضی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کشمیر اور دوسرے مسائل کی بناء پر برصغیر میں پیدا ہونے والی کشیدہ صورت حال کے پیش نظر جو دونوں فریقوں کے نزدیک عالمی امن کیلئے خطرہ بن گئی ہے، صورت حال کے زیادہ واضح ہونے تک پاکستان یا بھارت دونوں کے فوجی سازوسامان کی درآمد کیلئے اجازت نامے جاری نہ کئے جائیں۔ محکمہ کا یہ بھی خیال ہے کہ جب تک اس بات کی شہادت نہ مل جائے کہ پاکستان اور بھارت میں سامان غیر فوجی اور تجارتی مقصد کیلئے درکار ہے۔ اسوقت تک فارن لیکوڈیشن کمشنر کے دفتر کے تحت آنے والے فوجی سازوسامان کی پاکستان اور بھارت کو فروخت، منتقلی اور دوبارہ منتقلی کے بارے میں یکساں پالیسی اختیار کی جانی چاہئے۔ یہ پابندی اس رویے کے مطابق ہے جو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بھارت اور پاکستان کے سوال پر بحث کے دوران اس حکومت نے اختیار کیا۔ کیونکہ امریکی نمائندے نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جھگڑا پرامن طریقوں سے حل ہونا چاہئے۔"

12 مارچ 48ء کو صدر ٹرومین نے مارشل کی سفارشات منظور کرلیں اور اسکے ساتھ ہی غیررسمی پابندی موثر ہوگئی۔

(حوالہ: 71)

13 مارچ --- پاکستان کا پہلا بجٹ

پاکستان کے وزیر خزانہ غلام محمد نے 28 فروری کو پاکستان کا پہلا بجٹ پیش کیا۔ 28 فروری سے 13 مارچ تک پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے مختلف اجلاسوں میں اس پر بحث ہوئی۔ اس بجٹ پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت پاکستان کے ذرائع آمدنی بہت کم تھے۔ مجموعی آمدنی کا تخمینہ 79ء57 کروڑ اور اخراجات کا تخمینہ 89ء68 روپے تھے۔ اس اعتبار سے پاکستان کا پہلا بجٹ ہی خسارے کا بجٹ تھا جسے نئے ٹیکسوں سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ طول طویل بحثوں کے بعد اسے 13 مارچ کو منظور کر لیا گیا۔ تفصیل کے لئے اسی کتاب کا ایک حصہ "پاکستان کے مرکزی بجٹ" دیکھیں۔

(حوالہ: 72)

13 مارچ --- بنک آف بھوپال لمیٹڈ پاکستان

حکومت پاکستان نے بنک آف بھوپال لمیٹڈ کو پاکستان کا شیڈولڈ بنک قرار دیا۔

17 مارچ --- مشرقی بنگال کا پہلا بجٹ

حکومت مشرقی بنگال نے صوبے کی اسمبلی میں پونے چھ کروڑ روپے کے خسارے کا بجٹ پیش کیا۔

17 مارچ --- خاران' لسبیلہ اور مکران کا الحاق

حکومت پاکستان نے خاران' لسبیلہ اور مکران کا پاکستان کے ساتھ الحاق منظور کر لیا۔

(حوالے: 75, 74, 73)

مزید دیکھیں' اسی کتاب کا ایک باب--- قلات کا الحاق

20 مارچ --- قیدیوں کے تبادلے کا آرڈیننس

گورنر جنرل پاکستان۔ قائداعظم محمد علی جناح نے' پاکستان اور بھارت کے درمیان قیدیوں کے تبادلے کی کارروائی کو مکمل کرنے کی غرض سے' قیدیوں کے تبادلے کا آرڈیننس جاری کیا۔

21 مارچ --- مسلم لیگ کا کردار

کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے آخری کونسل اجلاس کے تین ماہ بعد قائداعظم نے جماعت سازی کے موضوع پر کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے دوسری سیاسی جماعتوں کی حوصلہ افزائی نہ کرنے اور مسلم لیگ کو آگے بڑھانے کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ "ہم نے دس سال کی مسلسل کوشش اور جدوجہد کے بعد پاکستان حاصل کیا ہے۔ یہ مسلم لیگ کی کارگزاری ہی تھی۔ کئی مسلمان ایسے بھی تھے جو اس جدوجہد سے الگ تھلگ رہے بعض کو اپنے مفاد پر زد پڑنے کا ڈر تھا۔ لیکن ہم کوشش کرتے رہے اور لڑتے رہے بالاخر ہم نے پاکستان قائم کر لیا جو دنیا کیلئے ایک حیران کن واقعہ ہے۔ اب اگر آپ پاکستان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تعمیر میں دلچسپی رکھتے ہیں تو میں کہوں گا کہ ہر مسلمان کیلئے سیدھا راستہ یہی ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے اور اپنی بساط کے مطابق ملک کی خدمت کرے۔ آج جو دوسری پارٹیاں ہیں ان کے ماضی کی وجہ سے ان پر شک و شبہ کیا جائے گا۔ ہمیں کسی سے دشمنی نہیں نہ ہم کسی کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔"

(حوالہ: 76)

21 مارچ --- عوام کو حکومت بدلنے کا اختیار ہے: قائداعظم

فروری 1948ء میں مشرقی بنگال میں' بنگالی زبان کے حوالے سے سیاسی بے چینی پیدا ہوئی تھی۔ بیماری کے باوجود قائداعظم نے ملک کے مشرقی حصے کا تفصیلی دورہ کیا۔ 21 مارچ کو ڈھاکہ سٹیڈیم میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"میں آپ کو صاف صاف بتا دوں کہ جہاں تک آپ کی بنگالی زبان کا تعلق ہے' اس افواہ میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ پ کی زندگی پر کوئی غلط یا پریشان کن اثر پڑنے والا ہے۔ بالاخر اس صوبے کے لوگوں ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس صوبے کی زبان کیا ہو گی۔ لیکن یہ میں آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی اور صرف اردو' اور اردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں جو کوئی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔۔ دوسرے ملکوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ پس جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے' وہ اردو ہی ہو گی۔"

اسی تقریر میں عوام کے مختار کل ہونے کی حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

"یاد رکھئے' کہ کسی حکومت کو برقرار رکھنا یا اس کے اختیارات چھین لینا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن یہ عمل غیر آئینی طور پر یا ہلڑ بازی سے انجام نہیں دینا چاہئے۔ آپ کو اختیار حاصل ہے مگر اختیارات کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی آپ کو آنا چاہئے کہ پہلے اس مشین کو سمجھنے

کی کوشش کریں جس سے آپ کو کام چلانا ہے ۔ آئینی طور پر آپ کو اختیار ہے کہ کسی حکومت سے آپ اگر اس حد تک غیر مطمئن ہوں کہ اسے بدل دینا چاہتے ہوں، تو اسے بر طرف کر دیں۔ اور اس کی جگہ دوسری حکومت لے آئیں۔ یہ سب کچھ آپ ہی کے اختیار میں ہے"

(حوالہ: 77)

22 مارچ۔۔۔ قائداعظم کے ساتھ امریکہ کا ہتک آمیز رویہ

دو ارب ڈالر کی امداد سے انکار کے بعد امریکی وزیر خارجہ نے کراچی میں اپنے سفارت خانے کو تار بھیجا کہ بارہ انچ کے چار جھولنے والے پنکھے (یقیناً 220 وولٹ کے) امریکی حکومت کے آداب کے ساتھ گورنر جنرل پاکستان کے حوالے کر دئے جائیں یہی نہیں، 22 مارچ کو امریکی سفیر نے اپنے وزیر خارجہ کو ایک خفیہ مراسلہ ارسال کیا۔ سفیر نے قائداعظم کی دعوت اور ملاقات کے دوران ان سے ہونے والی گفتگو کو جو رنگ دیا، وہ ہم یہاں بلا تبصرہ نقل کرتے ہیں:

"مسٹر جناح نے اپنے اے ڈی سی کی معرفت معلوم کروایا تھا کہ آیا میں، میری بیوی اور بیٹی بدھ، 17 مارچ کو سینڈ سپٹ کے قریبی ساحل تک گورنر جنرل کی لانچ پر ان کی اور ان کی ہمشیرہ کی رفاقت گوارہ کریں گے اور ان کے ساحلی کاٹیج میں چائے پینا پسند کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ہم نے یہ دعوت قبول کر لی۔ سینڈ سپٹ تک آمدورفت کا یہ تفریحی سفر اور چائے کا وقفہ تین گھنٹوں کے دورانیے پر مشتمل تھا۔ اس دوران مجھے گورنر جنرل کے ساتھ بہت سے امور پر بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ میں یہاں ان میں سے اہم کو بیان کرتا ہوں۔

جائیداد کی خرید: مسٹر جناح نے پوچھا کہ آیا ہمیں سرکاری جائیداد کے حصول میں کامیابی ہو رہی ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہم نے ایک عارضی منصوبہ بنایا ہے۔ تب انہوں نے اور ان کی ہمشیرہ دونوں نے پوچھا کہ آیا ہمیں ان کے گھر "فلیگ سٹاف" میں دلچسپی ہے۔ چند روز پہلے اس گھر کے بارے میں انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ اسے خریدا جا سکتا ہے۔ میں نے وضاحت کی کہ "فلیگ سٹاف" کے بارے میں اس اطلاع سے پہلے ہی 1- بونس روڈ پر سفیر کی رہائش گاہ خریدنے کے لئے مذاکرات اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب ان سے نکلنا محال ثابت ہو گا۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ آیا "فلیگ سٹاف" سفارت خانے کے عملے کے کسی اور فرد کے لئے مناسب نہ ہو گا۔ میں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم نے اس امکان کا جائزہ لیا ہے لیکن ہمارے عمارتی ماہر کا کہنا یہ ہے کہ وہ ماتحت عملے کے کسی فرد کے لئے اس قدر وسیع و عریض جائیداد کو خریدنے کا جواز مہیا نہیں کر سکتا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ دراصل ہم چند چھوٹے گھر یا فلیٹ خریدنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ اس قسم کی دو ایک جائیدادوں کے بارے میں ہمیں تفصیلات بھیجیں گے۔ البتہ میں محسوس کر سکتا تھا کہ مسٹر جناح اور ان کی ہمشیرہ کو اس بات پر مایوسی ہوئی کہ ہم "فلیگ سٹاف" نہیں خرید سکے"۔

(حوالے: 79,78)

24-31 مارچ۔۔۔ مشرقی پاکستان میں قائداعظم کے مزید خطابات

ڈھاکہ میں عظیم الشان اجتماع سے خطاب کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں کئی بڑے اور عوامی اجتماعات سے خطاب کیا۔ 24 مارچ کو انہوں نے ڈھاکہ یونیورسٹی میں جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر بنگالی طلباء سے دل کی باتیں کیں۔ انہوں نے ایک بار پھر زبان کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا اور اپنے نقطۂ نظر کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے کہا:

زبان

"جہاں تک آپ کے صوبہ کی سرکاری زبان بنانے کا تعلق ہے اس صوبے کے تمام باشندوں کو اسکا حق ہے وہ جو زبان چاہیں اختیار کریں۔ کیونکہ اس مسئلہ کو صرف انہی کی رضامندی سے طے کیا جا سکتا ہے جس کا اظہار وہ اپنے حقیقی نمائندوں کے ذریعے غیر جانبداری سے مناسب وقت پر کر سکتے ہیں لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پورے ملک کی صرف ایک ہی زبان ایسی ہو سکتی ہے اور یہ زبان ہونی چاہئے جس میں ملک کے تمام صوبے ایک دوسرے سے خط و کتابت کر سکیں۔ چنانچہ ایسی زبان سوائے اردو کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

طرز تعلیم

سامراجی دور میں تعلیم اور اس کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظم نے اس کے نتائج کی نشاندہی کی۔

"پرانے طرز تعلیم اور طرز حکومت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اچھے اور تربیت یافتہ کلرک پیدا کئے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کلرک ذرا اونچے اٹھ گئے اور ایک بلند مقام پر فائز ہو گئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مقصد اچھے کلرک حاصل کرنا ہی تھا۔ سول سروس میں زیادہ تر خود انگریز رہتے تھے۔ ہندوستانیوں کو سول سروس میں داخل کرنے پر بہت بعد میں عمل کیا گیا۔ بہرحال پورا اصول اور خیال یہ تھا کہ ایک خاص قسم کی ذہنیت، ایک نفسیات، ایک مخصوص ذہنی کیفیت پیدا کی جائے اور یہ کہ ایک عام آدمی جب بی۔اے یا ایم۔اے پاس کر لے تو بس سرکاری ملازمت ڈھونڈتا پھرے۔ اگر ملازمت مل گئی تو سمجھ لیا کہ منزل پالی اس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی محال تھا۔ میں جانتا ہوں اور آپ سب بھی

جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا' عام مشاہدہ ہے کہ ایک ایم۔اے پاس نوجوان کی آمدنی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بھی کم ہوتی ہے اور سرکاری ملازمین میں سے بیشتر ایسی پست زندگی بسر کر رہے ہیں کہ ان سے کئی درجے اچھی حالت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو پرائیویٹ اداروں میں ادنیٰ کام کرتے ہیں۔"

قائد نے تلقین کی کہ طلباء کے مقاصد اور ان کی تمناؤں کا رخ اب دوسرے راستوں' دوسری منزلوں اور دوسرے میدانوں کی طرف ہونا جاہئے جن میں معیشت' بنکاری' تجارت' قانون' فنی تعلیم اور صنعت و حرفت کے شعبے شامل ہیں۔

نوکرشاہی

26 مارچ کو انہوں نے چٹاگانگ میں سرکاری افسروں سے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ آپ اس انقلابی تبدیلی کے گہرے اثرات و نتائج کا پورا پورا احساس کریں۔ آپ خواہ کسی بھی فرقے' ذات یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں' بہرحال اب آپ پاکستان کے خادم ہیں۔ خادم اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں سے صرف خدمت کر کے ہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ وہ دن گئے جب ہمارے ملک پر نوکرشاہی کا راج تھا۔ یہ عوام کی حکومت ہے اور عوام کے سامنے جوابدہ۔۔۔ سیدھے جمہوری خطوط پر اور پارلیمانی روایات کے مطابق۔"

اسلامی سوشلزم

اسی روز چٹاگانگ میں ایک استقبالیہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے سماجی برابری اور اسلامی سوشلزم کی حمایت کی۔ ان کے لفظ تھے
:

"جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیادیں سماجی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر استوار کی جائیں جن میں انسانوں کے درمیان برابری' مساوات اور اخوت پر بہت زور دیا گیا ہے تو ایسا کہتے ہوئے آپ دراصل میرے اور میری طرح کے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہی کر رہے ہیں۔ اسی طرح جب انصاف☆ کے مطابق سب کو برابری کے ساتھ مواقع دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ تب بھی آپ میرے ہی جذبات اور خیالات کی ترجمانی کر رہے ہوتے ہیں۔ مساوی بنیاد پر ترقی کی منزل کے ان نشانات کے بارے میں پاکستان میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ ہی اس لئے کیا تھا اور اس کے حصول کیلئے جدوجہد بھی اسی لئے کی تھی اور پاکستان بھی اسی لئے حاصل کیا گیا ہے کہ اب ہم جسمانی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے تمام معاملات اپنی روایات اور قومی مزاج کے تقاضوں کے عین مطابق طے کر سکیں۔ انسانوں کے درمیان اخوت' مساوات اور بھائی چارہ ہمارے مذہب' کلچر اور تہذیب کے تین بنیادی نکات ہیں۔

پارلیمانی جمہوریت

31 مارچ کو ڈھاکہ ریڈیو سے' قوم کے نام اپنی نشری تقریر میں انہوں نے غیر آئینی حربوں کی نشاندہی کرتے ہوئے دو ٹوک لفظوں میں کہا کہ حکومت یا اس کی پالیسی منتخب نمائندوں کی رائے سے بدلی جا سکتی ہے۔ غیر ملکی اقتدار ختم ہو جانے کے بعد لوگ اب اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا خود ہی اختیار رکھتے ہیں' انہیں پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ آئینی طور پر جس قسم کی حکومت اپنے لئے پسند کریں' اپنائیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ غیر آئینی طور پر کوئی گروہ یا طبقہ' حکومت وقت پر' جس کی تشکیل عوام کی رضامندی سے ہوئی ہے اپنی مرضی یا منشا مسلط کرے۔

مشرقی بنگال کے وسائل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"اس صوبے کے قدرتی وسائل کو ابھی تک استعمال میں نہیں لایا گیا۔ یہاں خام پیداوار اور بجلی کی طاقت کے وسیع خزانے موجود ہیں۔ چٹاگانگ میں اول درجے کی بندرگاہ بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور وقت آنے والا ہے کہ چٹاگانگ دنیا کی بہترین بندرگاہوں میں شمار ہو گا اور اگر ہمیں امن کی فضا میسر آ گئی اور یہاں کے لوگوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا تو وہ دن دور نہیں جب مشرقی بنگال' پورے پاکستان کا سب سے خوشحال صوبہ ہو گا۔ میں آپ کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم کے فوری بعد جب کئی مہینوں

(حوالہ: 80)

26 مارچ۔۔۔ بوگرہ' برما میں پاکستان کے پہلے سفیر

حکومت پاکستان نے محمد علی بوگرہ کو برما میں پاکستان کا پہلا سفیر مقرر کیا۔

28 مارچ۔۔۔ اسرائیل کی مخالفت

پاکستان نے اسرائیل کو اقوام متحدہ کا رکن بنانے کی مخالفت کی۔

(حوالہ: 86)

31 مارچ۔۔۔ پاک۔ بھارت مالیاتی معاہدہ

بھارت اور پاکستان کے درمیان آئندہ مالیاتی اور سکہ جاتی تعلقات کے بارے میں کراچی میں معاہدہ طے کیا۔ اس معاہدے پر پاکستان کی جانب سے قائداعظم اور ہندوستان کی جانب سے ماؤنٹ بیٹن نے دستخط کیئے۔

(حوالہ: 87)

اپریل 1948ء

یکم اپریل۔۔۔ پاکستانی کرنسی کا اجراء

یکم اپریل کو گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں پاکستانی نوٹوں کے اجراء کی تقریب منعقد ہوئی۔ وزیر خزانہ غلام محمد نے قائد کی خدمت میں پاکستان کے جاری کردہ نوٹوں کا نمونہ پیش کیا۔ اس موقع پر اپنے مختصر خطاب میں قائداعظم نے کہا:

"آپ نے پاکستان کے نئے سکے اور نوٹ میرے سامنے پیش کر کے مجھے جو اعزاز بخشا ہے، میں اس کے لئے تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں.... پہلے ہی بجٹ سے دنیا پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہو گا کہ پاکستان کی معاشی بنیادیں مضبوط ہیں اور حکومت پاکستان ان بنیادوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے گی۔ .....مجھے پاکستان کے روشن مستقبل پر یقین ہے صرف شرط یہ ہے کہ پاکستان کے لامحدود وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے...."

یکم اپریل۔۔۔ عالمی نزاع نے دنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے: بھٹو

پاکستانی طالب علم ذوالفقار علی بھٹو نے یونیورسٹی آف لاس اینجلس میں اسلام کے عظیم تہذیبی اور سیاسی ورثے کے موضوع پر اپنے طویل خطاب کے آخری حصے میں کہا:

"ہم ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جسے باہمی نزاع نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ ایک دنیا، جس میں بین الاقوامی تعلقات دو وجوہ سے غالب ہیں۔ اولاً اجتماعی تحفظ، دوسرے طاقت کا توازن۔ مختلف ناسازگار ادوار کے اثرات نے ہمیں بلاکوں میں صف آرا کر دیا ہے۔ عالمی رہنما، ایک سانس میں امن کی تبلیغ کرتے ہیں اور دوسری میں تہذیب کو ایٹم بموں سے معدوم کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ہماری حیثیت افسوسناک حد تک ناپائیدار ہے۔ سامراج نے دنیا کے ہر حصے میں ہمارا خون نچوڑ لیا۔ ہماری قوت کو مفلوج کر دیا۔ ایسے وقت میں مسلمانوں کی نئی نسل جو ایک نئی حرکت یعنی انصاف پر مبنی ایک نظام کی رہنما ہو گی، استحصال کا خاتمہ چاہتی ہے۔ یکسانیت کے رشتے ہم میں اب بھی برقرار ہیں اور اپنی ثقافت کی وحدت کی بنا پر، ہم سیاسی اتحاد میں دوبارہ جڑ سکتے ہیں۔ اسلامی کنفیڈریشن مسلمانوں کو ان کے محفوظ مستقبل کی ضمانت دے سکتی ہے... "

(حوالہ: 88)

یکم اپریل۔۔۔ ہندوستان نہروں کا پانی بند کرتا ہے

یکم اپریل کو ہندوستان کی حکومت نے راوی اور ستلج دریاؤں سے مغربی پنجاب کو سیراب کرنے والی نہروں کا پانی یکایک بند کر دیا۔ نہر اپر باری دوآب اور نہر دیپالپور ان دریاؤں سے نکلتی اور لاہور، منٹگمری (ساہیوال) ملتان اور بہاولپور کے اضلاع کے علاوہ لاکھوں لوگ اس نہری نظام سے اپنے اور اپنے مویشیوں کے لئے پینے کا پانی بھی حاصل کرتے تھے۔

اگرچہ ریڈکلف ایوارڈ میں دونوں دریاؤں کے ہیڈورکس ہندوستان کے حوالے کر دیئے گئے تھے لیکن پنجاب کی بٹوارہ کمیٹی میں ہندوستان کے نمائندوں نے یقین دلایا تھا کہ مغربی پنجاب کو نہری پانی کی اتنی ہی سپلائی ہوتی رہے گی جتنی کہ تقسیم ہند سے پہلے ہوتی تھی۔ ریڈکلف نے بھی اپنے ایوارڈ میں اس قسم کی امید ظاہر کی ہوئی تھی۔ لہٰذا مغربی پنجاب کے نمائندے مطمئن رہے ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ کسی باقاعدہ بین الاقوامی معاہدے کی عدم موجودگی میں نہری پانی کی تقسیم کے بارے میں مشرقی پنجاب کے نمائندوں کی یقین دہانی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے پنجاب کی نہروں کی مالیت کے تنازعہ کو ثالثی ٹریبونل کے سپرد کر دیا۔ لیکن نہری پانی کی سپلائی کے بارے میں ثالثی کروانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ 31 مارچ 1948ء کو ثالثی ٹریبونل کی میعاد ختم ہوئی تو ہندوستان نے یکم اپریل کو راوی اور ستلج کی نہروں کا پانی بند کر دیا۔

اگرچہ 4 مئی کو ہندوستان سے ایک معاہدے کے تحت پانی کی سپلائی بحال ہونے کا اعلان ہوا لیکن پانی کی سپلائی بتدریج کم ہوتی چلی گئی اور پانی کا مسئلہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک سنگین معاشی جنگ میں تبدیل ہو گیا۔

(حوالہ: 89)

11 اپریل۔۔۔ قائداعظم کا دورۂ سرحد

مارچ میں مشرقی پاکستان کے طویل دورے کے بعد قائداعظم نے صوبہ سرحد کا دس روزہ دورہ بھی کیا۔ وہ پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، طورخم، رسالپور اور بنوں بھی گئے جہاں عوام نے ان کا جوش و خروش سے استقبال کیا۔ اس دورے میں انہوں نے خدائی خدمت گار خان عبدالغفار خان سے ملاقات بھی کرنا تھی جو نہ ہو سکی۔ اس بارے میں دونوں جانب متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔

(حوالے: 94,93,92,91,90)

مزید دیکھیں اس جلد کا ایک باب ____ قائداعظم کا دورۂ سرحد

اور خدائی خدمت گار تحریک

15 اپریل ____ ممتاز شاہنواز' جہاز کے حادثے میں ہلاک

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی رکن بیگم جہاں آراء شاہنواز کی صاحبزادی آئرلینڈ میں ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک ہو گئیں۔ انہوں نے برصغیر کی مسلمان عورت کی سیاسی اور سماجی جدوجہد پر مبنی انگریزی زبان میں ایک ناول "ہارٹ ڈیوئڈڈ" کے نام سے لکھا تھا۔ ممتاز شاہنواز کی سیاسی اور ادبی زندگی کے بارے میں مزید جاننے کے لئے دیکھیں۔۔۔ اسی کتاب کا حصہ۔۔۔ اہم سیاسی شخصیات۔۔۔

21-24 اپریل۔۔۔ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں

مسئلہ کشمیر کے بارے میں چھ ملکوں کی مشترکہ قرار داد کی منظوری دے دی۔ 24 اپریل کو سلامتی کونسل کے صدر نے کہا کہ کشمیر کی قرار داد کی منظوری کے بعد کونسل جوناگڑھ کے مسئلے پر بھی غور کرے گی۔

26 اپریل۔۔۔ کھوڑو وزارت کی برطرفی

گورنر جنرل پاکستان' قائداعظم محمد علی جناح کے حکم سے صوبہ سندھ کے وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو کی وزارت کو برطرف کر دیا گیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ وہ کرپشن اور بدعنوانیوں کے الزامات کا سامنا کریں۔

اس برطرفی کا ایک سبب وزیراعلیٰ (کھوڑو) اور گورنر (سر غلام حسین ہدایت اللہ) کے درمیان سنگین اختلافات کا پایا جانا بتایا جاتا ہے۔ برطرفی سے عین قبل گورنر نے' وزیراعلیٰ سے پوچھے بغیر بعض وزیروں کے محکموں میں ردوبدل کر دیا تھا۔ ایک اور بڑی وجہ اس برطرفی کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایوب کھوڑو' کراچی کو سندھ سے علیحدہ کر کے اسے وفاق کا حصہ بنانے کی تجویز سے متفق نہیں تھے اور 2 فروری 1948ء کو سندھ اسمبلی اس تجویز کے خلاف قرارداد بھی منظور کر چکی تھی۔ دوسرے مہاجرین اور غیر سندھی سرکاری افسروں کی آمد سے بھی کشیدگی کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور سندھی' غیر سندھی سوال اٹھایا جانے لگا تھا۔ تاہم وزیراعلیٰ ایم اے کھوڑو جن الزامات کے تحت برطرف کئے گئے تھے۔ وہ درست ثابت ہو گئے اور ان پر مارچ 51ء تک عوامی عہدہ قبول نہ کرنے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ اسی کتاب کا ایک حصہ۔۔۔ "مرکزی اور صوبائی وزارتیں" بھی دیکھیں۔

27 اپریل۔۔۔ کراچی چیمبر آف کامرس

قیام پاکستان کے بعد سے ملک میں یہ احساس کافی شدید تھا کہ صنعت و تجارت کے شعبے میں ملک خاصا پسماندہ ہے جسے تیزی سے ترقی دیئے بغیر' ملکی اقتصادیات اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکے گی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ صنعت اور تجارت کے فروغ میں کافی فراخدلانہ پالیسی وضع کرے۔ چنانچہ 27 اپریل کو کراچی چیمبر آف کامرس کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے ملک کو صنعتی بنانے کے ہر مرحلے پر نجی سرمایہ کاری پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ چند پبلک شعبوں کو چھوڑ کر دوسری تمام صنعتی سرگرمیاں نجی سرمائے کے لئے کھلی رکھی گئی ہیں جسے حکومت تمام ضروری سہولتیں دے گی۔ غیر ملکی تجارت کے ضمن میں انہوں نے کہا:

"تجارت' ثقافت کی نسبت' کہیں زیادہ بین الاقوامی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ آپ اس انداز میں کام کریں کہ آپ کے ہر اقدام سے پاکستان کی طاقت اور وقار میں اضافہ ہو' مجھے ذرا بھی شک نہیں کہ پاکستان کی تجارت میں کاروباری ساکھ' دیانت اور طریق عمل کا اعلیٰ معیار قائم ہو جائے گا۔ اگر پاکستانی اشیاء کو اپنی ایک خاص اور منفرد شہرت بناتی ہے' تو شروع ہی میں آج ہی سے مطلوبہ معیار قائم ہو جانا چاہئے۔ میری یہ زبردست تمنا ہے کہ پاکستانی اشیاء معیار اور کوالٹی کے اعتبار سے دنیا کی تمام منڈیوں میں ایک علامت' ایک نمونہ' ایک مثال کی حیثیت میں جانی پہچانی جائیں۔ خدا کرے لفظ "پاکستان" مال کی عمدگی اور معیار کا مترادف ہو جائے۔

(حوالہ: 95)

مئی 1948ء

3 مئی۔۔۔ پیر الٰہی بخش' سندھ کے نئے وزیراعلیٰ

کھوڑو کی برطرفی کے ایک ہفتے بعد خود ان کے تحت کام کرنے والے ایک وزیر کو سندھ لیگ اسمبلی پارٹی کا لیڈر چن لیا گیا اور وہ صوبے کے وزیر اعلیٰ بن گئے۔ میر غلام علی سندھ لیگ اسمبلی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر منتخب ہوئے۔

(حوالہ: 96)

3 مئی۔۔۔ تمام کلیدی صنعتیں قومیالی جائیں: مرزا ابراہیم

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے صدر مرزا ابراہیم کیمبلپور جیل سے رہا کر دیئے گئے۔ رہائی کے بعد انہوں نے ایک بیان میں تمام کلیدی صنعتوں کو قومیا لینے کا مطالبہ کیا۔

8 مئی۔۔۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی تشکیل

6 مارچ 48ء میں خان عبدالغفار خان نے دستور ساز اسمبلی میں

شرکت کے لئے پاکستانی سیاست میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ کراچی میں اپنے قیام کے دوران قائداعظم کے علاوہ انہوں نے بعض دوسرے سیاسی عناصر سے بھی ملاقاتیں کیں۔ 8 مئی 1948ء کو انہوں نے جی ایم سید اور عبدالصمد خان اچکزئی کے ساتھ مل کر پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی جو پاکستان کی پہلی غیر فرقہ وارانہ سیاسی تنظیم تھی۔ اس کے بنیادی مقاصد میں (1) لسانی بنیادوں پر صوبائی خودمختاری (2) پاکستان کی' سوشلسٹ جمہوریاؤں پر مبنی ایک یونین کے طور پر سلامتی اور استحکام اور (3) پڑوسی ریاستوں بالخصوص ہندوستانی یونین کے ساتھ ثقافتی تعلقات جیسی شقیں شامل تھیں لیکن ناموافق سیاسی حالات کے باعث اس جماعت کو پنپنے کا موقع نہ مل سکا اور یہ چند ماہ میں ہی سیاسی منظر سے غائب ہو گئی۔ اس موضوع پر مزید دیکھیں' اسی کتاب کا حصہ--- پاکستان کی سیاسی جماعتیں--

(حوالہ: 97)

8 مئی--- بھارت پر پاکستان کے الزامات

سلامتی کونسل میں پاکستان کے مستقل مندوب نے اپنی بحث کا اختتام کرتے ہوئے بھارت کے خلاف مندرجہ ذیل الزامات عائد کیے۔

(1) جوناگڑھ' مانگرول اور منادر پر ناجائز قبضہ

(2) پاکستان کے حصے میں آنے والے ایک لاکھ 65 ہزار ٹن فوجی سامان میں سے صرف 4 ہزار 7 سو ٹن کی وصولی

(3) پاکستان کے حصے میں آنے والے تار و ٹیلیفون کے مشینی آلات میں سے صرف 10 % کی وصولی

(4) ریزرو بنک کے معاملے میں بے انصافی

(5) پاکستان کے نقد فاضلات میں رکاوٹ

(6) بھارت میں مسلم اقلیت کا قتل عام

(حوالہ: 98)

10 مئی--- پاکستان پیپلز پارٹی کا کنونشن

کراچی میں پاکستان پیپلز پارٹی کے کنونشن میں خان عبدالغفار خان صدر اور جی ایم سید سیکرٹری جنرل مقرر کر دیئے ہیں---

تفصیل کے لئے دیکھیں' اسی کتاب کا حصہ --- "پاکستان کی سیاسی جماعتیں" ---

10 مئی--- کھوڑو کا 50 لاکھ روپیہ منجمد

سابق وزیر اعلیٰ سندھ محمد ایوب کھوڑو پر اپنے عہدے سے برطرفی کے بعد بیرون ملک جانے پر پابندی لگا دی گئی۔ نیز بنکوں میں جمع ان کا 50 لاکھ سے زائد روپیہ منجمد کر دیا گیا۔ ان کے خلاف بدعنوانیوں کے الزام میں مقدمہ چلانے کے لئے جسٹس عبدالرشید اور جسٹس شباب الدین پر مشتمل خصوصی عدالت قائم کر دی گئی---

12 مئی--- وزیر تعلیم بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑے گئے

پنجاب کے وزیر تعلیم شیخ کرامت علی کے بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑے جانے پر تحریری طور پر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ انہیں خانیوال ریلوے سٹیشن سے ٹکٹوں کی چیکنگ کے دوران پکڑا گیا تھا۔

14 مئی--- اچکزئی کی نظربندی کا حکم

خان عبدالصمد خان اچکزئی کو کوئٹہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے نظربند کرنے کی ہدایت جاری کر دی۔

22 مئی--- کراچی' پاکستان کا مستقل دارالحکومت ہو گا

پاکستان کے عارضی دارالحکومت کراچی کو پاکستان کا مستقل دارالحکومت بنانے کی قرارداد منظور کر لی گئی۔ دستور ساز اسمبلی میں یہ قرارداد خواجہ شباب الدین نے پیش کی تھی۔

25 مئی--- سہروردی اور دستور ساز اسمبلی

جنوری 1948ء میں سندھ میں بھی ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تھے اور ہندو آبادی ہندوستان منتقل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ قائداعظم اس صورت حال پر ملول تھے اور انہوں نے صاف لفظوں میں کہا تھا: "میں مسلمان مہاجروں کے جذبات کو پوری طرح سمجھتا ہوں جنہوں نے سختیاں جھیلیں اور میری تمام ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں لیکن انہیں اپنے آپ پر قابو پانا چاہئے اور لازمی طور پر ذمہ دار انسانوں کی طرح عمل کرنا چاہیے' اور میزبانی کے اس جذبے کا غلط استعمال نہیں کرنا چاہیے جو ان کے لئے روا رکھا گیا اور انہیں بھولنا نہیں چاہئے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کے لئے کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔ میں ایک بار پھر تمام مسلمانوں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ حکومت اور سرکاری حکام سے بھرپور تعاون کریں تاکہ ان کے ہندو ہمسایوں کو ان لا قانون عناصر فقہ کا لمسوں اور شرپسند عناصر سے محفوظ رکھا جا سکے۔"

یہ صورت حال کافی دنوں تک چلتی رہی تھی۔ 25 مئی کو حسین شہید سہروردی نے کراچی میں ایک انٹرویو کے دوران کہا کہ "ہندوؤں کو سندھ میں واپس لانے اور انہیں دوبارہ یہاں آباد کرنے کے لئے ضروری

ہے کہ سندھ کہ ہندو ارکان اسمبلی میں سے کسی ایک کو صوبائی کابینہ میں شامل کیا جائے اور اسے انتظامی اختیارات بھی دیئے جائیں۔" یہ بیان دینے کے بعد وہ فوراً ہندوستان چلے گئے۔ وہ گذشتہ کئی ماہ سے ہندوستان آ اور جا رہے تھے اور یہ واضح نہیں تھا کہ وہ ہندوستان شہری ہیں یا پاکستان کے۔ حکومت انہیں ہندوستانی شہری قرار دینے پر مصر تھی اس لئے انہیں دستور ساز اسمبلی کی رکنیت سے محروم کرنے کے لئے 25 مئی کو ہی اسمبلی نے اپنے قواعد و ضوابط کا اعلان کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ "اگر اسمبلی کے صدر کے پاس یہ باور کرنے کی وجہ ہو کہ کوئی رکن پاکستان میں مستقل طور پر رہائش پذیر نہیں ہے یا یہ کہ اس کی وفاداری صرف پاکستان کے ساتھ وابستہ نہیں ہے تو وہ ایسے رکن سے یہ استفسار کر سکتا ہے کہ اسمبلی میں اس کی نشست کو خالی کیوں نہ قرار دے دیا جائے۔ اگر ایسا رکن صدر اسمبلی کو مقررہ میعاد کے اندر اپنی شہریت اور وفاداری کے متعلق مطمئن نہیں کر سکے گا تو صدر یہ اعلان کرنے کا مجاز ہو گا کہ اس رکن کی دستور ساز اسمبلی کی رکنیت ختم ہو گئی ہے اور اب اس کی نشست خالی ہے ...."

(حوالے: 100,99)

28 مئی --- پنجاب کے دو وزراء مستعفی

پنجاب کے دو وزراء وزیر خزانہ میاں ممتاز خان دولتانہ اور وزیر مال گزاری سردار شوکت حیات اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں پنجاب کا وزراتی بحران اپنی شدت کی انتہا کو پہنچ گیا۔

جون 1948ء

2 جون --- "الوحید" اور "سندھ آبزرور" پر پابندی

کراچی کے سندھی روز نامے "الوحید" نے اور انگریزی روز نامے "سندھ آبزرور" پر عائد پابندیوں کے خلاف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز نے حکومت سندھ کو انتباہ کیا کہ اگر حکومت نے صحافیوں کی سفارشات پر عمل نہ کیا تو پاکستان بھر کے اخبارات حکومت سندھ کی خبروں کا بائیکاٹ کریں گے۔

3 جون --- کھوڑو کے خلاف تحقیقات

بدعنوانیوں کے 56 الزامات کے تحت سندھ نے معزول وزیر اعلیٰ ایم ۔ اے کھوڑو کے خلاف تحقیقات کا آغاز ہو گیا۔

7 جون --- غلام محمد دستور ساز اسمبلی کے رکن

پاکستان کے وزیر خزانہ ملک غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی کی رکنیت حاصل کر لی۔

8 جون --- سہروردی، گرفتاری اور صوبہ بدری

پاکستان میں مستقل رہائش پذیر ہونے کے ارادے سے سہروردی 8 جون کو ڈھاکہ پہنچے لیکن ڈھاکہ پہنچنے کے 24 گھنٹے کے اندر اندر انہیں مشرقی پاکستان سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ اور اس حکم پر ان سے فوری تعمیل کروائی گئی۔ جب وہ رانی گنج سے تنگیال جانے کے لئے کشتی پر سوار ہو رہے تھے تو اس حکم کی تعمیل انسپکٹر جنرل پولیس ذاکر حسین نے بہ نفس نفیس کرائی۔ یہ حکم انہیں رحمت اللہ مجسٹریٹ سے ملا اور رحمت اللہ مجسٹریٹ کو یہ احکام عزیز احمد چیف سیکرٹری سے موصول ہوئے اور عزیز احمد کو مرکزی حکومت نے براہ راست ہدایت دی تھیں۔ ان احکام میں صرف یہی درج نہیں تھا کہ حسین شہید سہروردی کو مشرقی پاکستان سے نکالا جاتا ہے بلکہ یہ بھی درج تھا کہ وہ چھ ماہ تک دوبارہ مشرقی پاکستان میں داخل بھی نہیں ہو سکتے۔

(حوالہ: 101)

13 جون --- فقیر ایپی بمقابلہ پاکستان

1937ء سے انگریزوں کے خلاف بر سر پیکار مشہور پشتون حریت پسند فقیر ایپی نے وزیرستان کے پاکستانی علاقے پر افغان فوج کی مدد سے حملہ کر دیا۔ وزارت دفاع کی اطلاع کے مطابق، فقیر ایپی نے اس حملے میں خاص طور پر حصہ لیا۔

14 جون --- قائد اعظم اور مسلح افواج کا حلف

مئی کے آخر میں قائد اعظم کی طبیعت پھر نڈھال رہنے لگی تھی۔ ڈاکٹروں کے مشورے پر انہوں نے اپنے عملے کے ساتھ زیارت جانا منظور کر لیا۔ وہاں بھی وہ اپنے آپ کو قومی مسائل اور سرکاری کاموں سے الگ تھلگ نہ رکھ سکے۔ 16 جون کو کوئٹہ میں بلوچستان کے اس وقت کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل محمد اکبر خان نے ان کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔ عصرانے کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے، قائد اعظم نے لگی لپٹی رکھے بغیر فوجی افسروں کو یاد دلایا کہ وہ آئین کے ماتحت ہیں اور سول حکومت سربراہ کے احکامات کے پابند۔ انہوں نے کہا:

"میں نے محسوس کیا کہ فوجیوں نے جو حلف اٹھایا ہے وہ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے نہیں ہیں۔ ویسے تو قسم کھانا صرف چند الفاظ کو

زبان سے دہرایا دینا ہے لیکن جو بات زیادہ اہم ہے وہ اس کے معنی اور مفہوم ہیں۔ اس موقع پر میں آپ کے سامنے اس حلف کو دہرانا چاہتا ہوں۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر حلف اٹھاتا ہوں کہ میں پاکستان کے آئین اور مملکت کا وفادار رہوں گا' اور میرا فرض ہو گا کہ میں ایمانداری اور وفاداری سے پاکستانی فوج میں خدمات انجام دیتا رہوں گا ---- اس دوران ملازمت میں ہوائی جہاز سمندر یا زمین سے جہاں کہیں بھی بھیجا جائے گا' جاؤں گا اور اگر جان کا خطرہ ہو گا تب بھی میں ان افسروں کا حکم مانوں گا جو میرے اوپر متعین کئے جائیں گے۔"

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ اصل چیز تو معنی ہوتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ رائج الوقت آئین کا مطالعہ کریں اور اس کی آئینی و قانونی شقوں کو سمجھیں کہ اس کا کیا مطلب ہے----؟

اگر آپ کو وقت ملے تو آپ 'گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو جس ترمیم کے ساتھ پاکستانیوں نے قبول کر لیا ہے کا مطالعہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یاد رکھیں کہ انتظامی اختیارات کا منبع و مخرج حکومت پاکستان کا سربراہ ہے جو گورنر جنرل ہوتا ہے اور اس لئے آپ کو جو احکامات دیئے جاتے ہیں وہ اس کی مرضی و منشاء کے بغیر نہیں دیئے جا سکتے اور آئین آپ سے اس امر کا مقتضی ہے کہ آپ ان احکامات پر عمل پیرا ہونے میں کبھی تامل نہ کریں۔"

(حوالہ: 102)

15 جون---- صوبائیت۔ ایک لعنت

اگلے روز کوئٹہ کے شہریوں کے سپاسنامے کے جواب میں قائداعظم نے کہا: "جیسا کہ آپ جانتے ہیں ' صوبہ بلوچستان کی ذمہ داری براہ راست میری ہے۔ اس لئے بلوچستان کے مسئلے سے مجھے خاص دلچسپی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ صوبہ بھی' دوسرے صوبوں کی طرح مملکت کے معاملات میں پورا پورا حصہ لے لیکن اسے دوسرے صوبوں کے برابر لانے کے لئے کچھ وقت درکار ہو گا۔ میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرا ہاتھ بٹائیں....."

15 جون---- باچا خان کی گرفتاری

پاکستان پیپلز پارٹی کی تشکیل کے بعد غفار خان صوبہ سرحد لوٹے تاکہ "جمعیت العوام" یا پیپلز پارٹی کا پروگرام عوام کے سامنے رکھیں اور اس کے لئے ان کی حمایت حاصل کریں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مئی کے آخری ہفتے میں قاضی عطا اللہ کی معیت میں صوبہ سرحد کے دورے کا آغاز کیا۔ پہلے انہوں نے شمالی اضلاع کا دورہ کیا جس سے صوبائی حکومت پریشان ہو گئی۔ اور انہیں گرفتار کرنے کے بارے میں سوچنے لگی۔ ابھی انہوں نے جنوبی اضلاع کا دورہ شروع ہی کیا تھا کہ 15 جون کو انہیں کوہاٹ میں بہادر خیل کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں وہاں شام تک بھوکا پیاسا نظربند رکھا گیا۔ ان کا بیٹا ولی خان اور دو دوسرے لوگ بھی گرفتار ہوئے۔

غفار خان اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کا جواز پیش کرتے ہوئے صوبے کے وزیر اعلیٰ عبد القیوم خان نے الزام لگایا کہ وہ مملکت پاکستان کے خلاف کھلی بغاوت پھیلا رہے تھے۔ ان کی حکومت نے غفار خان کی گرفتاری کا فیصلہ کافی پہلے اس وقت ہی کر لیا تھا جب وہ کراچی سے واپس آئے اور انہوں نے صوبے کا دورہ شروع کر دیا۔ لیکن حکومت پاکستان نے متعدد یاد دہانیوں کے باوجود سرحد سیفٹی آرڈیننس کی گورنر جنرل سے منظوری لے کر نہیں بھیجی تھی - بعد ازاں بلوچستان میں قائداعظم سے اس کی منظوری لے کر' اسے واپس بھیجا گیا۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ان کی حکومت فقتہ کالمسٹوں کا کردار ادا کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے سے نہیں ہچکچائے گی۔

کوہاٹ کے ڈپٹی کمشنر کی سرسری عدالت سے انہیں "بغاوت" اور "فقیر اپی" کے ساتھ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے جرم میں تین سال کی سزا دے دی لیکن وہ 1954ء تک قید اور 1955ء تک اپنے صوبے میں واپس جانے کی اجازت سے محروم رہے۔

(حوالے: 103, 104)

16 جون---- سر اللہ بخش ٹوانہ کا انتقال

انگریزی دور میں پنجاب کے وزیر اعظم سر خضر حیات ٹوانہ کے چچا اور پنجاب اسمبلی کے سابق رکن سر اللہ بخش ٹوانہ کا انتقال ہو گیا۔

24 جون---- مغربی بنگال میں روزنامہ "ڈان" کا داخلہ بند

بھارت کے صوبہ مغربی بنگال کی حکومت نے پاکستان روزنامہ "ڈان" کا صوبے میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔

25 جون---- سٹیٹ بنک آف پاکستان کے پہلے گورنر

حکومت نے وزارت خزانہ کے افسر اور اقتصادی امور کے ماہر زاہد حسین کو سٹیٹ بنک کا پہلا گورنر مقرر ر دیا۔ سٹیٹ بنک کا افتتاح ایک - بعد یکم جولائی کو قائداعظم نے کیا۔

28 جون۔۔۔ پاکستان پر حملے کی نہرو۔ ایپی "سازش"

خان عبد الغفار خان کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کے بعد حکومت فقیر ایپی کو پکڑنا چاہتی تھی۔ اب ایک اور "سازش" پکڑی گئی۔ حکام کے مطابق فقیر ایپی بنوں پر حملے کرنے اور اسے فتح کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جس کے بعد وہ پشتونوں کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیتا۔ پشتون ذرائع اسے من گھڑت اور جھوٹا الزام قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ باچا خان اور ان کے ساتھ ساتھ فقیر ایپی پر گرفت حاصل کرنے کی سازش سرحد کا وزیر اعلیٰ قیوم خان کر رہا تھا۔ حقیقت میں باچا خان کا فقر ایپی کی سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

28 جون کو پاکستان پر حملہ کرنے کا ایپی - نہرو منصوبہ پکڑا گیا۔ حکومت سندھ نے فقیر ایپی کے ایلچی اول خان کو حیدر آباد میں اس خط سمیت گرفتار کر لیا جسے مبینہ طور پر فقیر ایپی نے 6 مئی کو پنڈت نہرو کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں پاکستان کو سامراجی ذہن کی پیداوار قرار دیتے ہوئے نہرو سے مدد کی استدعا کی گئی تھی۔۔ سرحد کے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ فقیر ایپی چند سکوں کے بدلے ہندوؤں کا ایجنٹ بننے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ قیوم خان نے یہ بھی کہا کہ نہ تو فقیر ایپی پاکستان کو کمزور کر سکتا ہے اور نہ ہی قبائلی مجاہدین کو کشمیر کی آزادی کے لئے وہاں جانے سے روک سکتا ہے۔ نہرو کے نام ایپی کے مبینہ خط کی اشاعت سے سرحدی قبائل میں انتہائی اشتعال پھیلا۔ تاہم حکومت فقیر ایپی کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ پشتون ذرائع کے مطابق یہ خط جعلی تھا۔

(حوالہ: 105)

جولائی 1948ء

کیم جولائی۔۔۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح

زیارت میں قائداعظم کی طبیعت ابھی تک علیل تھی جب انہوں نے اچانک اس بات پر اصرار کرنا شروع کر دیا کہ کیم جولائی کو کراچی میں سٹیٹ بنک کا افتتاح وہ خود کریں گے۔ جب ان کی تقریر تیار ہو گئی تو ان کے بحری اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد نے مشورہ دیا کہ تقریر کا مسودہ کراچی بھیج دیں اور افتتاح کے وقت' ان کی طرف سے وزیر اعظم پڑھ دیں۔ قائداعظم نے ہاتھ کے اشارے سے مشورہ مسترد کر دیا۔ اور چند روز بعد کیم جولائی کو قائد اعظم کراچی پہنچ گئے۔ مس فاطمہ جناح اور ان کے بحری اے ڈی سی ان کے ہمراہ تھے۔

گورنر جنرل اور ان کی ہمشیرہ اپنی قیام گاہ سے بنک کی عمارت تک گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر گئیں۔ یہ گاڑی ان سرکاری سواریوں میں سے ایک تھی جو انگریزوں کے زمانے میں وائسرائے کے لئے مخصوص تھیں اور تقسیم کے وقت دہلی سے کراچی لائی گئی تھی۔ اسے چھ گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ جب گاڑی گورنر جنرل ہاؤس سے چلنے لگی تو قائداعظم نے جھک کر اپنے ملٹری سیکرٹری کرنل نولز سے کہا: "مجھے امید ہے کہ اس سفر کے لئے ان گھوڑوں کو کافی مشق کرا لی گئی ہے۔"

قائداعظم نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا:

"مغرب کے اقتصادی نظام نے ساری دنیا کے لئے بعض ایسے پیچیدہ مسئلے پیدا کر دیئے ہیں جن کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ بلکہ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصیبتیں دنیا کو تیزی سے بربادی کی طرف لے جا رہی ہیں اور کوئی معجزہ ہی اسے اس تباہی سے بچا سکتا ہے۔ یہ نظام نہ معاشی عدل کے تقاضے پورے کر سکا نہ بین الاقوامی مخاصمت کا مداوا کر سکا بلکہ گزشتہ نصف صدی میں جو دو عالمگیر جنگیں ہوئی ہیں ان کی ذمہ داری زیادہ تر اسی اقتصادی نظام پر ہے۔ صنعتی معاملات میں مغربی ممالک کو بلا شبہ باقی دنیا پر فوقیت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود مغربی دنیا کی حالت جتنی ابتر آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ ہمارا اقتصادی نصب العین یہ ہے کہ ہمارے عوام ہر طرح سے مطمئن اور خوش و خرم ہوں۔ مغرب کے اقتصادی نظریے اور اس کا معاشی نظام ہمارے درد کا درماں نہیں اور ان کے ذریعے ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے مخصوص تصورات و مقاصد کے مطابق اپنے اقتصادی نظام کی تشکیل کریں اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نمونہ پیش کریں جو انسانی مساوات اور معاشی انصاف کے اسلامی تصورات کا آئینہ دار ہو۔ اس طرح وہ مشن بھی پورا ہو جائے گا جس کے لئے ہم نے بحیثیت مسلمان اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور ہم دنیا کو امن و آشتی کا راستہ دکھا سکیں گے۔ اسی راستے میں انسانیت کی نجات ہے اور اسی کے ذریعے بنی نوع انسان کو خوشحالی اور مسرت نصیب ہو سکتی ہے۔" یہ قائداعظم کی آخری پبلک تقریب تھی۔

(حوالہ: 106)

5 جولائی۔۔۔ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے تحت گرفتاریاں

صوبہ سرحد کی حکومت نے فرنٹیر کرائمز ریگولیشن کی دفعہ 40 کے تحت' زلمے پختون' کے رہنما' پشتو کے عظیم شاعر اور خان عبد الغفار خان کے صاحبزادے عبدالغنی خان' ڈاکٹر خان صاحب کے صاحبزادے خان عبداللہ خان اور ترقی پسند سیاسی کارکن ماسٹر عبدالکریم کو گرفتار کر لیا۔

7 جولائی۔۔۔ پاک فوج اور فقیر ایپی کے درمیان تصادم

پاک فوج اور فقیر ایپی کے درمیان مسلح جھڑپوں کی خبریں موصول ہوئیں۔ جھڑپوں کا سلسلہ کافی عرصہ بعد تک جاری رہا۔

8 جولائی --- شہزادہ عبدالکریم کی بغاوت

قلات کے الحاق کی مزاحمت میں شہزادہ عبدالکریم اور ان کے ساتھیوں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔

(حوالے: 107 - 108)

مزید دیکھیں اسی جلد کا ایک باب۔ شہزادہ عبدالکریم کی بغاوت۔

12 جولائی --- گلگت اور لداخ کی آزادی

گلگت اور لداخ کا چالیس ہزار مربع میل علاقہ آزاد فوج نے آزاد کرالیا۔ اس کے بعد جلد ہی سکردو بھی آزاد کرالیا گیا۔

13 جولائی --- مشرقی پاکستان میں پولیس کی ہڑتال

ایوب خان مشرقی پاکستان جنرل آفیسر کمانڈنگ تھے جب جولائی 1948ء میں پولیس نے سول انتظامیہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ ایوب خان اس بغاوت کو کس طرح کچل پائے اس بارے میں انہوں نے اپنی سیاسی سوانح حیات میں تفصیل سے لکھا ہے۔ دراصل پولیس والوں کی شکایتوں پر کچھ دھیان نہیں دیا جا رہا تھا اور بڑے پیمانے پر گڑ بڑ کی روک تھام کے لئے فوج کا کافی عملہ بھی نہیں تھا۔ مشرقی پاکستان میں پولیس کے عملے کی تعداد 60 ہزار تھی۔

بقول ایوب خان' مواد اندر ہی اندر پک رہا تھا جو بالآخر 13 جولائی 1948ء کو ڈھاکہ میں پھوٹ پڑا۔ ایوب خان آئی جی پولیس ذاکر حسین کے ساتھ دورے پر تھے۔ یہ لوگ میمن سنگھ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھے کہ ڈھاکہ سے ٹیلیفون پر اطلاع ملی کہ پولیس نے گورنمنٹ ہاؤس اور وزیر اعلیٰ کے گھر کو گھیر رکھا ہے۔ کچھ پولیس سول سیکرٹریٹ کے سامنے بھی دیکھی گئی۔ انہوں نے پولیس لائنز کے اسلحہ خانے سے اسلحہ اور گولہ بارود حاصل کر لیا تھا۔ اور باقاعدہ مورچے بنا لیے تھے۔

ایوب خان کو ایک طرف تو اپنے میزبان اور آئی جی پولیس کو مطمئن کرنا تھا اور دوسری طرف اس کے باغیوں سے نمٹنا تھا۔ جی او سی نے بٹالین کمانڈر سے کہا کہ وہ پولیس کو تنبیہ کرے اور کوئی اندھا دھند کارروائی نہ کرنے دے۔ کئی گھنٹے دونوں طرف بحث چلتی رہی مگر پولیس اپنی لائنوں میں واپس جانے پر آمادہ نہ ہوئی پولیس نے جو مورچے بنا رکھے تھے' وہ شہر کے بیچوں بیچ تھے اس لئے عوام کے گولیوں کی زد میں آنے کا خطرہ بھی تھا اور فوجی افسر کو پولیس پر حملے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ چنانچہ یہ کام 8 / 3 پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی کے سپرد کیا گیا۔ اسے پولیس کے مورچے تک پہنچنے کے لئے کھلے میدان میں کوئی تین سو گز کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس نے تیزی سے پیش قدمی کی اور مورچے پر قبضہ کر لیا۔ ایک یا دو آدمی' جن میں اس فساد کا سرغنہ بھی تھا' مارے گئے اور دس بارے آدمی زخمی ہوئے۔ صورت حال پر قابو پا لیا گیا۔

(حوالہ: 109)

17 جولائی --- قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی خلاف قانون

بلوچستان میں مسلح کارروائی اور شہزادہ عبدالکریم نے ہتھیار پھینکنے کے بعد قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ اس پارٹی پر انگریزی دور میں بھی پابندی لگائی گئی تھی جو پاکستان تک رہی۔

18 جولائی --- دفعہ 92 الف کا اجراء

گورنر جنرل پاکستان کے حکم سے ملک کے عارضی آئین کی دفعہ 92 کے ساتھ 92 - الف کا اضافہ کر دیا گیا جس کے تحت اگر گورنر جنرل کو یقین ہو جائے کہ پاکستان کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی ہے یا صوبائی حکومت نظم و نسق چلانے میں ناکام ہو گئی ہے تو وہ اس حکومت کو توڑنے کا حکم جاری کر سکتا ہے۔

23 جولائی --- کراچی کی سندھ سے علیحدگی

حکومت پاکستان نے کراچی کو سندھ سے جدا کر کے اسے وفاق کا حصہ بنا دیا۔

(تفصیلی حوالے: 110, 111, 112, 113)

مزید دیکھیں اسی جلد کا ایک باب --- کراچی کی سندھ سے علیحدگی۔

اگست 1948ء

4 اگست --- عبدالصمد اچکزئی کی گرفتاری

خان عبدالصمد اچکزئی نے قیام پاکستان کا خیر مقدم کرتے ہوئے' نئی مملکت کا وفادار شہری ہونے اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن جلد ہی انہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کوئٹہ کے حکم سے بلوچستان پبلک سیفٹی ریگولیشن کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ اور دو ماہ تک جیل میں قید رکھا گیا۔ بعد میں تین ماہ تک انہیں اپنے گاؤں میں نظر بند رکھا گیا۔ جن دنوں وہ " گلستان " میں نظر بند تھے' ان کی سیاسی جماعت " انجمن وطن " کا ایک اجلاس' ان کی صدارت میں منعقد ہوا اس اجلاس میں ایک بار پھر اس امر کا اعادہ کیا گیا کہ پاکستان ہمارا گھر اور ہمارا وطن ہے۔

اجلاس کے بعد جناب اچکزئی نے قائد اعظم اور لیاقت علی خان کے نام اپنے الگ الگ خط میں ان کی توجہ اپنی غیر منصفانہ نظر بندی کی طرف مبذول کرائی۔ نظر بندی کی معیاد پوری ہونے والی تھی کہ بلوچستان میں ایجنٹ ٹو گورنر جنرل (اے جی جی) کے حکم سے' جو ایک انگریز تھا' اسی ریگولیشن کے تحت انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور 14 اگست 1948ء کو جیل بھیج دیا گیا۔ نظر بندی میں وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی رہی اور انہیں کہیں 1954ء میں جا کر رہائی نصیب ہوئی۔

(حوالہ: 115)

12 اگست --- بابڑہ فائرنگ

صوبہ سرحد میں خان قیوم کی مسلم لیگی حکومت نے جون 1948ء میں خان عبدالغفار خان کی گرفتاری کے بعد خدائی خدمت گار تحریک پر ایک بڑا وار کیا۔ 12 اگست کو بابڑہ میں پرامن عوام پر بے دریغ گولی چلا دی گئی۔ جس سے' عینی شاہدوں کے مطابق' سینکڑوں لوگ مارے گئے۔ اس واقعہ کو 'ایک اور جلانوالہ' کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔

(حوالے: 118, 117, 116)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک باب --- "بابڑہ فائرنگ - ایک اور جلیانوالہ"

12 اگست --- مسئلہ کشمیر کا حل غیر جانبدارانہ رائے شماری ہے: غلام عباس

کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کو صرف غیر جانبدارانہ رائے شماری سے ہی حل کیا جا سکتا ہے یا پھر اس کے لئے میدان جنگ ہے۔ ہم دونوں صورتوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہیں۔

13 اگست --- کشمیر میں فائر بندی کی قرار داد

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان نے جنیوا میں اپنے ابتدائی اجلاس کے بعد' 6 جولائی سے پاک و ہند میں اپنا کام شروع کیا۔ ایک ماہ تک دونوں ملکوں کے اعلیٰ حکام سے مذاکرات کے بعد کمیشن نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ دونوں ملک براہ راست مذاکرات کے ذریعے کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے چنانچہ 13 اگست کو کمیشن نے مندرجہ ذیل قرار داد مرتب کی:

(ا) ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اس امر پر اتفاق کرتی ہیں کہ ان کی اپنی اپنی ہائی کمان علیحدہ علیحدہ مگر بیک وقت التوائے جنگ کا حکم جاری کر دے گی۔ جو ریاست جموں و کشمیر میں ان کے کنٹرول میں تمام فورسز پر حاوی ہو گا اور جو ان تجاویز کو دونوں حکومتوں سے قبول کر لینے کے بعد جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ چار دن کے اندر جاری کر دیا جائے گا۔

(ب) ہندوستانی اور پاکستانی افواج کی ہائی کمانیں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہ ایسے تمام اقدامات سے اجتناب کریں گی جن کی وجہ سے ریاست جموں و کشمیر میں ان کے کنٹرول میں فورسز کی طاقت میں اضافہ ہو جائے (ان تجاویز کے مطابق ان کے زیر کنٹرول فورسز میں وہ تمام منظم یا غیر منظم فورسز شامل ہیں جو اس طرف جنگ اور مخالفانہ کارروائیوں میں مصروف ہوں)۔

(ج) ہندوستانی اور پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف فوجوں کی موجودہ تعیناتی میں ایسی تبدیلیاں کرنے کے لئے جو جنگ بندی میں آسانیاں پیدا کریں' فوری طور پر آپس میں صلاح مشورہ کریں۔

(د) کمیشن اپنی مرضی کے مطابق اور جہاں تک قابل عمل ہو' فوجی مبصر مقرر کرے جو کمیشن کے اختیارات کے تحت اور دونوں ہائی کمانوں کے تعاون سے التوائے جنگ کے حکم کی پابندی کی نگرانی کریں۔

(ہ) ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اپنے اپنے عوام سے یہ اپیل کرنے پر رضا مندی کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ ایسی فضا پیدا کرنے اور اسے بحال رکھنے میں مدد دیں گے جو مذاکرات کو جاری رکھنے کے لئے سازگار ہو۔

(حوالہ: 119)

14 اگست --- پہلا یوم پاکستان

قائد اعظم کوئٹہ میں تھے جب بیماری کی حالت میں پہلے یوم پاکستان کے موقع پر ان کا پیغام ریکارڈ کیا گیا۔ اس پیغام میں انہوں نے "توقعات سے بڑھ کر تعمیری کارناموں کے نتائج" کا ذکر کیا۔ پاکستان کے قیام کو دنیا کی ایک بے مثال حقیقت قرار دیا۔ لاکھوں کروڑوں مہاجرین کی مشکلات کا ذکر کیا اور بے مثال بہادری سے مشکلات کے ہجوم کا مقابلہ کرنے پر قوم کو سراہا۔ انہوں نے روز بروز بہتر ہوتی ہوئی اقتصادی حالت اور عوام کی زندگی کے بارے میں بات کی اور ان کے آخری لفظ تھے: "قدرت نے آپ کو سب کچھ عطا کیا ہے۔ آپ کے ذرائع اور وسائل لامحدود ہیں۔ آپ کی سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی ہے اور اب اس کی تعمیر آپ کے ہاتھوں میں ہے......"

17 اگست --- سکردو فتح کر لیا گیا

آزاد فوج نے شمالی علاقہ جات کے اہم شہر سکردو کو آزاد کرا لیا۔

19 اگست --- پاکستان نیشنل کانگریس کا قیام

مشرقی بنگال میں آل انڈیا کانگریس نے اپنا نام پاکستان نیشنل کانگریس رکھ لیا۔ کانگریس نے 21 اگست کو ڈھاکہ میں صوبے کی غذائی صورت حال پر غور کیا۔

21 اگست --- روزنامہ "آغاز" پر بندش

مغربی پنجاب کی حکومت نے روزنامہ "آغاز" پر دو ماہ کے لئے پابندی لگا دی۔

27 اگست --- پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان

گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح کے حکم سے پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔

28 اگست --- دو لاکھ مہاجرین سندھ میں بسائے جائیں گے: وزیر اعظم لیاقت علی

کراچی میں سندھ پاکستان مشترکہ مہاجرین کونسل کا ایک اجلاس لیاقت علی خان کی صدارت میں ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ پنجاب کے کیمپوں میں پڑے ہوئے مہاجرین میں سے 2 لاکھ مہاجرین کو سندھ میں بسایا جائے گا۔

(حوالہ: 120)

29 اگست --- قائد کی مایوسی

اگست میں قائد اعظم کی حالت کبھی بہتر ہو جاتی کبھی مزید خراب۔ 29 اگست کو انہوں نے اپنے ڈاکٹر کو بتایا کہ اب انہیں زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں رہی۔ حالانکہ جولائی کے آخر میں انہوں نے ڈاکٹر سے اپنے جینے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنی ڈائری میں لکھا ---

"میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے ہیں ..... میں اس تبدیلی کی وجہ نہ سمجھ سکا..... خود انہوں نے یہ وجہ بتائی تھی کہ ان کا مقصد زندگی اب پورا ہو چکا ہے لیکن اس توجیہ سے میری تسلی نہ ہوئی بلکہ یوں محسوس ہوا کہ یہ بات محض مجھے ٹالنے کے لئے کہی گئی ہے.... میں نے یہ ضرور محسوس کیا کہ کوئی بات ان دنوں میں ایسی ہوئی ہے جس نے ان کے عزم زندگی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔"

مس جناح بھی یہی لکھتی ہیں کہ "اگست کے آخر میں قائد اعظم بالکل دل چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے میری آنکھوں میں گھورتے ہوئے مجھے کہا " فطی! میں اب زندہ رہنے میں --- کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ جتنا جلد چلا جاؤں، بہتر ہے" مس جناح نے تسلی دینا چاہی تو وہ مردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولے --- "نہیں --- اب میں زندہ رہنا نہیں چاہتا" (حوالے: 122, 121)

ستمبر 1948ء

2 ستمبر --- تین ادبی جرائد پر پابندی

مغربی پنجاب کی حکومت نے لاہور سے نکلنے والے تین ادبی جرائد---- "ادب لطیف"، "سویرا" اور "نقوش" پر پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت پابندی لگا دی۔

4 ستمبر --- بھارت میں "ڈان" کے داخلے پر پابندی

بھارتی حکومت نے کراچی سے نکلنے والے روزنامہ "ڈان" کے پورے بھارت میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔

5 ستمبر --- قائد کے آخری دن اور کشمیر

5 ستمبر کی شام قائد اعظم کو نمونیہ ہو گیا۔ تین دن میں ان کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد انہیں بے چینی کا دورہ بھی پڑتا تھا۔ اس حالت میں وہ اکثر بڑبڑاتے رہتے اور اس طرح ان خیالات کا سراغ ملتا جو اس وقت ان کے ذہن کی گہرائیوں میں کارفرما تھے۔ اس حالت میں جو آخری فقرے ان کی زبان سے نکلے وہ کشمیر کے متعلق تھے۔ اچانک ان کی آواز اونچی ہو گئی اور انہوں نے غصے سے کہا: "آج کشمیر کمیشن نے مجھ سے ملاقات کے لئے وقت لیا تھا وہ اب تک کیوں نہیں آئے۔ وہ کہاں ہیں؟" وہ یہ کہتے بھی سنے گئے: "کشمیر ---- انہیں حق ---- دے دو ---- فیصلہ کا ---- آئین ---- میں مکمل کروں گا ---- جلد ---- مہاجرین ---- ان کو دو ---- ہر قسم کی امداد ---- پاکستان ----"

(حوالہ: 123)

7 ستمبر --- افغان حکومت کا فقیر ایپی کو انتباہ

افغان حکومت نے سامراج دشمن پشتون حریت پسند فقیر ایپی کو متنبہ کیا کہ وہ پاکستان کے خلاف اپنی باغیانہ سرگرمیوں کا سلسلہ ختم کر دیں۔ بصورت دیگر افغان حکومت ایسی سرگرمیوں کو خود اپنے ملک کے خلاف بغاوت قرار دے گی اور اسے سختی سے کچل ڈالے گی۔

11 ستمبر۔۔۔ آخری سفر

10 ستمبر کو ڈاکٹروں نے محترمہ فاطمہ جناح کو بتا دیا تھا کہ ان کے بھائی اب چند دن کے مہمان ہیں ---- 11 ستمبر کو کراچی روانگی کا فیصلہ ہوا۔ انہیں اسٹریچر پر ڈال کر ہوائی جہاز تک پہنچایا گیا۔ جہاز کے انگریز پائلٹ اور اس کے باقی عملے نے صف میں کھڑے ہو کر گورنر جنرل کو سلامی دی۔ قائد اعظم نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اٹھا کر ان کے سلام کا جواب دیا۔ سہ پہر چار بجے جہاز ماری پور کے ہوائی اڈے پر اترا۔ قائد اعظم کی آمد صیغہ راز میں رکھی گئی تھی۔ جہاز کے پاس کرنل نولز کھڑے تھے۔ انہوں نے قائداعظم کے سٹریچر کو ہوائی جہاز سے باہر جاتے ہوئے دیکھا اور جب سٹریچر کا رخ سورج کی طرف ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ قائداعظم نے اپنا ہاتھ چادر میں سے نکالا اور آہستہ سے اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تاکہ سورج کی روشنی ان کی آنکھوں پر نہ پڑے۔

سٹریچر کو ایک فوجی ایمبولنس میں رکھ دیا گیا مس جناح اور قائد اعظم کی نرس سسٹر ڈنہم بھی اس میں سوار ہو گئیں۔ تھوڑی دور جا کر' مہاجروں کی گنجان بستی سے ذرا آگے ایمبولنس خراب ہوئی۔ ایک گھنٹے تک ڈرائیور اسے ٹھیک نہ کر سکا تو شہر سے دوسری ایمبولنس منگوائی گئی۔ سسٹر ڈنہم بیان کرتی ہیں:

"ہم مہاجروں کی بستی اور اس کی کیچڑ سے زیادہ دور نہ تھے اور مکھیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ میں نے ایک دفتی کا ٹکڑا ڈھونڈ نکالا اور اس سے مسٹر جناح کے منہ پر پنکھا جھلنے لگی تاکہ مکھیاں نہ بیٹھنے پائیں۔ چند منٹ تک ان کے پاس میرے سوا کوئی نہ تھا اور اس اثنا میں انہوں نے میری دلجوئی اس انداز سے کی کہ میں ساری عمر نہیں بھول سکتی۔ انہوں نے اپنا بازو چادر میں سے نکالا اور اپنا ہاتھ میرے بازو پر رکھ دیا۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے لیکن ان کی آنکھوں سے ان کے جذبہ تشکر کا پوری طرح اظہار ہو رہا تھا۔ میں ان کی جو کچھ خدمت کر سکی تھی بس یہ ایک نگاہ اس کا مکمل صلہ تھی۔ اس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ قائد اعظم کی ساری روح ان کی آنکھوں میں اتر آئی ہے۔"

ڈاکٹر الٰہی بخش' جو ایمبولینس کے ساتھ ساتھ دوسری گاڑی میں آرہے تھے' لکھتے ہیں: "بمشکل چار میل گئے ہوں گے کہ ایمبولنس یکایک رک گئی۔ ہم حیران تھے کہ آخر یہ کیا ہوا۔ میں نے باہر نکل کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ گاڑی کا انجن خراب ہو گیا ہے۔ ڈرائیور نے کہا ابھی ٹھیک کئے دیتا ہوں۔ وہ کوئی بیس منٹ تک مصروف رہا لیکن گاڑی پھر بھی نہ چلی۔ مس جناح نے ملٹری سیکرٹری کو ایک اور ایمبولنس لانے کے لئے بھیجا۔ ایمبولنس میں ہوا بالکل بند تھی۔ نرس اور نوکر انہیں پنکھا جھل رہے تھے۔ پھر بھی قائد اعظم کو پسینے پر پسینے آرہے تھے۔ ہمیں خیال آیا کہ انہیں بڑی کار میں منتقل کر دیں لیکن سٹریچر اس کے دروازے سے بڑا تھا۔ وہ خود بھی اتنے کمزور تھے کہ پچھلی سیٹ پر نہیں لیٹ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے کپڑے پسینے سے شرابور تھے اور باہر انہیں ہوا لگ جانے کا خطرہ تھا۔ میں ان کی نبض دیکھ کر کچھ سہم سا گیا کیونکہ وہ بڑی کمزور معلوم ہو رہی تھی...... مجھے خیال آیا کہ خدانخواستہ قائد اعظم نے ہوائی سفر بخیر و خوبی طے کرنے کے بعد سڑک کے کنارے جان دے دی تو یہ کتنا بڑا سانحہ ہو گا...... میں گھڑی گھڑی شہر کی طرف نظریں دوڑاتا تھا لیکن ایمبولنس کے کوئی آثار نہ تھے۔ بڑے صبر آزما انتظار کے بعد خدا خدا کر کے ایمبولنس آئی۔۔۔۔۔"

چھ بج کر دس منٹ پر ایمبولنس گورنمنٹ ہاؤس پہنچی۔ قائد اعظم کو اوپر ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اب ایک نیا مسئلہ شروع ہوا۔ کئی گھنٹے کی تگ و دو کے باوجود رات کے لئے کسی نرس کا انتظام نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش خود بھی اس بارے میں بھاگ دوڑ کرتے رہے وہ حیران تھے کہ ہوائی اڈے سے لے کر اب تک ہر بات کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پورے کراچی شہر میں نرس کا ملنا اتنا دشوار ہو گا۔ بالآخر ملٹری سیکرٹری کو رات آٹھ بجے کے قریب کہیں سے ایک نرس مل گئی۔ لیکن اس کے تقریباً دو گھنٹے بعد دس بج کر دس منٹ پر قائد اعظم محمد علی جناح کی روح پرواز کر گئی۔ اس وقت ان کے پاس تین ڈاکٹروں' ایک نرس اور مس فاطمہ جناح کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

(حوالے: 125,124)

حوالے: پہلی دستور ساز اسمبلی-1 (قائد اعظم کا پاکستان)

1- کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس - پیر' 11 اگست 1947ء آفیشل رپورٹ (انگریزی) لاہور 1947ء

2- ہفت روزہ "لیل و نہار"۔ کراچی' 17 تا 23 اگست' 1970ء' صفحات - 46, 6, 5

3- کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس' منگل 12 اگست 1947ء آفیشل رپورٹ۔ (انگریزی) لاہور 1947ء۔

4- کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس' جمعرات' 14 اگست 1947ء - آفیشل رپورٹ (انگریزی) لاہور 1947ء

5- میجر جنرل شاہد حامد - "دنیا بدل گئی" --- لاہور' جولائی 1990ء' صفحات 539 - 544

6- بولا ئتھو' صفحہ 298

7- امریکہ - پاکستان ریلیشنز (مرتب کے عارف) جلد نمبر1' لاہور صفحہ' (انگریزی) دین گارڈ بکس لیمٹڈ' لاہور' صفحہ 3

8- میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان ---- ہماری فوج قیام پاکستان کے وقت برگ گل مجلہ اردو کالج، کراچی، ایوب نمبر، 1960ء، صفحہ 431
9- سید انصار ناصری۔ ماہنامہ "حرمت" اسلام آباد، 6 تا 26 اگست 1982ء، صفحات 93 - 90
10- تمیز الدین خان۔ دی ٹیسٹ آف ٹائم -- ڈھاکہ، 1989ء، صفحہ 148 (انگریزی)
11- مسرت حسین زبیری۔ ہماری تاریخ کے اندھیرے اجالے ---- ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" - جولائی 1985ء صفحہ 56
12- کے۔ کے۔ عزیز ---- پارٹی پالیٹکس ان پاکستان، اسلام آباد، صفحہ 267 (انگریزی)
13- بولائتھو، صفحہ 298
14- تاریخ خوانین بلوچ --- صفحات 167 - 165، 185 - 181
15- گل خان نصیر، صفحات 490 - 488
16- زاہد چوہدری - جلد دوم، صفحات 448 - 442
17- فیروز خان نون، چشم دید، لافیروز سنز، لاہور، 1974ء، صفحات 318 - 316
18- مولانا غلام رسول مہر۔ پنجاب کی سات تحصیلیں، ہندوستان کے حوالے کیوں کی گئیں۔ ہفت روزہ "لیل و نہار"۔ کراچی، 24 تا 30 اگست 1970ء صفحہ 11
19- احمد سلیم - صفحہ 132
20- ایضاً"، صفحہ 109
21- کے - کے - عزیز، صفحات 2 - 1
22- شاہد حامد، صفحات 548 - 545
23- بولائتھو، صفحہ 309
24- زاہد حسین انجم -- پاکستان کے تیس سال - اگست کے آئینے میں۔ لاہور، 1977ء اگست صفحہ 47
25- وینکٹنے رامانی، صفحہ 17، اصل حوالہ: امریکی وزیر خارجہ (مارشل) کے نام کراچی سے ناظم الامور (لیوس) کا مکتوب 2 ستمبر 1947ء۔
26- زاہد حسین انجم، ---- ستمبر کے آئینے میں۔ صفحہ 22
27- وینکٹنے رامانی۔ صفحات 16 - 13 اصل حوالہ فضل مقیم خان - پاکستانی فوج کی کہانی (انگریزی) کراچی - 1963ء، صفحات 29، 40، 54
28- پاکستان کی تصویر ---- ہفت روزہ "لیل و نہار" - 8 ستمبر 1957ء، صفحہ 12
29- سید نور احمد - مارشل لاء سے مارشل لاء تک، لاہور، صفحہ 340
30- زاہد حسین انجم، اکتوبر کے آئینے میں، صفحات 7، 12، 20
31- وینکٹنے رامانی - صفحات 20 - 19
32- زاہد حسین انجم، صفحہ 27
33- وینکٹنے رامانی، صفحات 23 - 20
34- "پاکستان ٹائمز"، لاہور، 22 اکتوبر 1947ء
35- ڈاکٹر صفدر محمود ---- پاکستان، مسلم لیگ کا دور حکومت، لاہور، 1988ء صفحہ 186
36- محمود عاصم، صفحہ 364
37- خواجہ غلام احمد پنڈت - صفحات 210 - 209
38- بولائتھو، صفحات 314 - 313
39- محمد ایوب خان -- جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی، اسلام آباد، 1967ء، صفحہ 394
40- وینکٹنے رامانی، صفحات 27 - 25
41- محمد ایوب خان، صفحہ 394
42- زاہد حسین انجم --- نومبر کے آئینے میں، صفحات 6، 15، 21
43- محمد ایوب خان - صفحہ 395
44- وینکٹنے رامانی، اصل حوالہ: فیروز خان نون کے ساتھ بات چیت کی یادداشت۔ تیار کردہ قونصلر برائے انقرہ۔ (ہربرٹ ایس برسلے) 6 نومبر 1947ء - بمع فیروز خان نون کی فراہم کردہ یادداشت
45- روزنامہ "پاکستان ٹائمز" - 16 نومبر 1947ء
46- زاہد حسین انجم - دسمبر کے آئینے میں، صفحہ 2
47- گل خان نصیر - صفحات 499 - 493
48- ڈاکٹر صفدر محمود، صفحات 60 - 54 اصل حوالے (1) محمد رضا خان۔ واٹ پرائس فریڈم، مدراس، 1969ء صفحات 362 - 361 (2) 'ڈان' کراچی۔ 15 دسمبر 1947ء
49- سید نور احمد، صفحہ 342
50- زاہد حسین انجم - صفحہ 42
51- زاہد چوہدری، جلد نمبر4 صفحہ 234، اصل حوالے: 'پاکستان ٹائمز' لاہور 16 دسمبر 1947ء
52- عبداللہ ملک۔ پاکستان لیگ یا پاکستان مسلم لیگ؟ روزنامہ پاکستان، لاہور 17 جولائی 1991ء
53- بولائتھو، صفحہ 318
54- وینکٹنے رامانی - صفحہ 43 - اصل حوالہ: بات چیت کی یادداشت از جوزف ایس سپارکس- این ای اے۔ جنوبی ایشیاء، 26 دسمبر 1947ء - خارجہ تعلقات 1947ء
55- ایضاً صفحہ 32 - کراچی سے ناظم الامور (لیوس) بنام وزیر خارجہ (مارشل) 27 دسمبر 1947ء -
56- ایضاً - صفحہ 46 - اصل حوالہ: قائم مقام وزیر خارجہ (رابرٹ ایم

لوٹ) بنام سفارت خانہ در بھارت 31' دسمبر 1947ء - خارجہ تعلقات
1947ء
57- "دی پاکستان آرمی" 49-1947ء (انگریزی) سروسز کلب صفحہ 257
58- خواجہ غلام احمد پنڈت' صفحات 327 - 325
59- زاہد حسین انجم' جنوری کے آئینے میں' صفحہ 114
60- ایضاً' صفحہ 15
61- ایضاً' صفحہ 24
62- زاہد چوہدری' جلد نمبر3' صفحات 67-65
63- ذوالفقار علی بھٹو۔ عوام کی سیاست' جلد نمبر1 خارجہ پالیسی کی تشکیل
نو اسلام آباد' صفحات 12 - 9
64- خواجہ غلام احمد پنڈت' صفحہ 228
65- گل خان نصیر' صفحات 507 - 505
66- کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس' 25 فروری 1948ء
آفیشل رپورٹ (انگریزی) صفحات 23 - 13
67- ہفت روزہ "لیل و نہار" - پاکستان کی تصویر۔ 8 ستمبر 1957ء صفحہ 11
68- مشتاق احمد' گورنمنٹ اینڈ پالیٹکس ان پاکستان (انگریزی) کراچی'
1988ء - صفحہ 74
69- شائستہ اکرام اللہ - حسین شہید سہروردی۔ اے بائیو گرافی (انگریزی)
کراچی' 1991ء صفحات 70 - 68
70- عبداللہ ملک ---- پاکستان لیگ یا پاکستان مسلم لیگ؟ - روزنامہ "
پاکستان"' 17' جولائی 1991ء۔ سہروردی کا پاک دستوریہ سے اخراج' ایضاً'
21 جولائی 1991ء
71- وزیر خارجہ (مارشل) کی طرف سے صدر (ٹرومین) کے لئے یادداشت
11 مارچ 1948ء بحوالہ وینکٹنے رامانی' صفحات 56 - 55
72- احفاظ الرحمان -- پاکستان کا پہلا بجٹ اجلاس' ہفت روزہ "معیار" 31
مارچ تا اپریل 1984ء
73- گل خان نصیر' صفحہ 509
74- ڈاکٹر انعام الحق کوثر' صفحات 58 - 357
75- سید محمود شاہ بخاری --- برصغیر میں تحریک آزادی اور قیام پاکستان
لاہور' 1985ء' صفحات 168 - 167
76- عبداللہ ملک' پاکستان لیگ یا پاکستان مسلم لیگ؟ روزنامہ "پاکستان"
17 جولائی 1991ء
77- محمود عاصم' صفحہ 390
78- کراچی میں امریکی سفارت خانے کے نام وزیر خارجہ (مارشل) کا تار۔
3 مارچ 1948ء - بحوالہ وینکٹنے رامانی - صفحہ 34
79- کراچی سے امریکی سفیر (پال ایچ ایلنگ) بنام وزیر خارجہ (مارشل) 22
مارچ 1948ء' بحوالہ وینکٹنے رامانی' صفحہ 35
80- محمود عاصم' صفحات 441 - 400
81- میر احمد یار خان بلوچ۔ "انسائیڈ بلوچستان"' (انگریزی) کراچی' 1975ء
صفحات 166 - 153
82- میر گل خان نصیر۔ صفحات 522 - 521
83- میر احمد یار خان - قلات پاکستان کے ساتھ ہے۔ (کتابچہ)
84- تاریخ خوانین بلوچ۔ صفحات 204 - 202
85- اخبار "پاسبان"' کوئٹہ - 4 اپریل 1948ء
86- زاہد حسین انجم - "مارچ کے آئینے میں"' صفحہ 46
87- ایضاً - صفحہ 51
88- ذوالفقار علی بھٹو۔ عوام کی سیاست۔ خارجہ پالیسی کی تشکیل نو۔
(مدیران حامد جلال۔ خالد حسن)' راولپنڈی' 1977
89- زاہد چوہدری' جلد نمبر3' صفحات 72 - 68
90- عزیز جاوید۔ قائداعظم اور سرحد' پشاور' 1977ء' صفحات 664 - 662
91- روزنامہ "سٹیٹسمین" دہلی' 22 اپریل 48ء' بحوالہ ایضاً
92- روزنامہ "ڈان" کراچی' 22 اپریل 1948ء بحوالہ ایضاً
93- فارغ بخاری' صفحات 306 - 302
94- روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' 15 اپریل 1948ء
95- محمود عاصم' صفحہ 429
96- "پاکستان ٹائمز" - 4 مئی 1948ء۔
97- ایم - رفیق افضل پولٹیکل پارٹیز ان پاکستان (انگریزی) 58 - 1947ء'
اسلام آباد' 1986ء صفحہ 82
98- زاہد حسین انجم -- مئی کے آئینے میں۔ صفحہ 13
99- قائداعظم محمد علی جناح ---- سپیچز' ایز گورنر جنرل آف پاکستان
48-1947ء (انگریزی)' کراچی' صفحہ 48
100- گزٹ آف پاکستان' 28 مئی 1948ء' صفحات 68 - 267 اصل حوالہ :
زاہد چوہدری' جلد نمبر4' صفحہ 23ء-
101- شائستہ اکرام اللہ۔ صفحہ 69
102- محمود عاصم' صفحات 432 - 431
103- ڈی جی ٹنڈلکر' عبدالغفار خان' بمبئی۔ 1967ء صفحہ 465
104- فارغ بخاری۔ صفحہ 283
105- احمد سلیم --- دی کانگریس کنکشن' "دی فرنٹیئر پوسٹ" (انگریزی)
لاہور' 6 اپریل' 1990ء
106- بولائتھو' صفحات 333 - 331
107- گل خان نصیر' صفحات 524 - 523
108- "دی پاکستان آرمی"' 49-1947ء' صفحات 162 - 161

109- محمد ایوب خان، صفحات 48-47
110- محمد ابراہیم جویو --- آمریت کے سائے تلے دانشورانہ زندگی، ماہنامہ "راستہ" اپریل 1990، صفحہ 68
111- احمد سلیم ---- سندھ، جبر اور بربادی کے 43 سال، ایضاً، جون 1990ء صفحہ 5
112- سید نور احمد، صفحات 365 - 363
113- ایم رفیق افضل، صفحہ 68
114- زاہد چوہدری، جلد نمبر4، صفحات 60 - 59- خط کشیدہ جملے مس فاطمہ جناح کے اصل مسودہ میں شامل ہیں جو نیشنل آرکائیوز اسلام آباد میں محفوظ ہے۔
115- جسٹس شبیر احمد کی عدالت میں، خان عبدالصمد خان اچکزئی خان کا بیان۔ عدالت عالیہ، لاہور، 26 اکتوبر 1956ء صفحات 20 - 19
116- بابڑہ میں قیوم خان کے مظالم۔ ہفت روزہ "لیل و نہار"، 3 مئی 1970ء، صفحہ 21
117- ٹنڈلکر، صفحات 467 - 466
118- فارغ بخاری، صفحہ 273
119- خواجہ غلام احمد پنڈت، صفحہ 236
120- زاہد حسین انجم - اگست کے آئینے میں۔ صفحہ 42
121- بولائتھو، صفحہ 341
122- زاہد چوہدری، جلد نمبر4، صفحہ 65 اصل حوالہ فاطمہ جناح --- "مائی برادر قائد اعظم محمد علی جناح" -----
123- بولائتھو، صفحہ 342
124- ایضاً
125- ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش ----- قائد اعظم کے آخری ایام، لاہور 1949ء صفحات 79، 100، 114 - 111، حوالہ زاہد چوہدری، جلد نمبر4 صفحات 67 - 66 سے ماخوذ۔

پہلی دستور ساز اسمبلی۔ 2

12 ستمبر 1948ء تا 24 اکتوبر 1954ء

ستمبر1948ء

12 ستمبر--- قائد اعظم سپردِ خاک کر دیئے گئے

پاکستان کے بانی قائد اعظم محمد علی جناح لاکھوں انسانوں کی اشکبار آنکھوں اور رنج و غم کی فضا میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ نماز جنازہ میں 6 لاکھ افراد نے شرکت کی اور تدفین سے قبل ہوائی جہازوں سے ان کی میت پر گل پاشی کی گئی۔

13 ستمبر48ء--- حیدر آباد دکن پر ہندوستانی فوج کا حملہ

حکومت ہندوستان نے 9 ستمبر کو حیدر آباد دکن پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس وقت تک کشمیر میں قبائلیوں کا حملہ پسپا ہو چکا تھا۔ 11 ستمبر کو قائد اعظم کی المناک موت سے برصغیر کے مسلمانوں کا حوصلہ کافی پست ہو چکا تھا۔ جب 13 ستمبر کی صبح ہندوستانی فوجوں نے حیدر آباد دکن پر چڑھائی کر دی تین اطراف سے ہونے والے ہندوستانی حملے کو ریاستی فوج روکنے میں ناکام رہی اور اس نے چوتھے روز خود ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے ساتھ ہی برطانوی سامراج کے "انتہائی وفادار اتحادی' رستم دوراں' ارسطوئے زماں' آصف جاہ اعلیٰ حضرت نظام الملک میر عثمان علی خان بہادر سپہ سالار اور فتح جنگ" کی سلطنت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ اگرچہ بعض مغربی طاقتوں نے ہندوستانی جارحیت کی مذمت کی لیکن اس وقت تک ریاست پر ہندوستانی قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔ مسلمان چونکہ اقلیت میں تھے۔ اسلئے ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ دو ہزار مارے گئے پچاس ہزار گرفتار ہوئے اور ایک ہزار گھر لوٹ لئے یا جلا دیئے گئے۔ دیہات پر دس ہزار حملے ہوئے جن میں ہزاروں عورتوں کی آبروریزی ہوئی۔

ہندوستان کے لئے حیدر آباد دکن کی خود مختاری کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں تھا لیکن دو وجوہ سے وہ اس ریاست کی خود مختاری کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اول اس کا مسلمان حکمران' جو اپنی تمام تر رجواڑہ ذہنیت کے باوجود پاکستان کی طرف جھکاؤ رکھتا تھا اور دوم ریاست پر کیونسٹوں کا غلبہ تیزی سے بڑھتا ہوا غلبہ۔ کیونسٹ پارٹی کے زیر قیادت غریب کسانوں کی مسلح بغاوت روز بروز پھیلتی چلی جا رہی تھی' اور ہندوستان کا گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن محسوس کرتا تھا کہ اگر ریاست کا ہندوستان کے ساتھ الحاق نہ ہوا تو پانچ دس برسوں میں کیونسٹ اپنی حکومت قائم کر لیں گے۔ چنانچہ یہ بات حیرت کا باعث نہیں ہونی چاہیے کہ حیدر آباد دکن پر حملے کے فیصلہ 13 مئی 48ء کو ماؤنٹ بیٹن کے زیر صدارت ہی ہوا تھا کیونکہ حالات یہ بتا رہے تھے کہ مسلمانوں اور کیونسٹوں کے اتحاد کے باعث ریاست ہمیشہ کے لئے ہندوستان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔

(حوالہ: 1)
(حوالہ زاہد چودھری ---- جلد تین .... صفحہ 379 - 380)

14 ستمبر--- نئے گورنر جنرل کا تقرر

جب تک قائد اعظم زندہ رہے' اقتدار اعلیٰ گورنر جنرل کے عہدے کا حصہ بنا رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد' اقتدار اعلیٰ پارلیمانی سربراہ یعنی وزیر اعظم کے پاس چلا گیا۔ اب گورنر جنرل کا عہدہ' ایک آئینی سربراہ کا عہدہ تھا۔ لیاقت علی خان نے اولین قدم کے طور پر ریاستوں اور سرحدی علاقہ جات کا شعبہ' گورنر جنرل سے لے کر خود اپنے زیر انتظام کر دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب اقتدار کا سرچشمہ گورنر جنرل نہیں بلکہ وزیر اعظم ہے۔

14 ستمبر کو جاری ہونے والے سرکاری گزٹ کے مطابق " وزیر اعظم پاکستان کے مشورے پر" برطانیہ کے بادشاہ نے خواجہ ناظم الدین کو پاکستان کا نیا گورنر جنرل مقرر کر دیا۔ 15 ستمبر کو اپنے عہدے کا حلف اٹھانے کے بعد خواجہ ناظم الدین نے ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"یہ قوم کی خوش بختی ہے کہ ہمارے وزیر اعظم لیاقت علی خان' بارہ سال تک قائداعظم کے قریبی ساتھی رہے ہیں۔ اس عرصے میں قومی بہبود کا ایسا ایک بھی مسئلہ نہیں جس سے وزیر اعظم مکمل آگاہی نہ رکھتے ہو۔ قائد اعظم کے طے کردہ راستے پر پاکستان کو آگے بڑھانے کے لئے' وزیر اعظم لیاقت سے بڑھ کر کوئی بہتر شخصیت نہیں ہے"۔

مشرقی بنگال کے سبتا کمزور اور خم پذیر خواجہ ناظم الدین کا حلیہ بیان کرتے ہوئے امریکی سفارت خانے نے اپنے تار میں لکھا کہ وہ "دیکھنے میں پست قد ہیں۔ قد غالباً 5 فٹ سے زیادہ نہیں۔ کمر سے گول گپے ہیں اور ٹانگیں سوکھی ہوئی ہیں۔بیان میں یہ اضافہ بھی کیا گیا تھا کہ اگرچہ شکل صورت میں ممتاز نہیں اور خصوصاً لیڈر کے طور پر نمایاں نہیں لیکن پھر بھی ان کا وسیع تر احترام کیا جاتا ہے --- بنیادی طور پر ان کا انتخاب سیاسی مصلحت کے تحت کیا گیا ہے تاکہ مرکزی حکومت میں مشرقی بنگال کی نمائندگی کو بڑھایا جائے اور اس بے حد اہم صوبے کے ساتھ رابطے کو استحکام بخشا جائے۔"

15 ستمبر--- نور الامین مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ بن گئے

مشرقی بنگال کی صوبائی کابینہ نے نئے وزیر اعلیٰ نورالامین کی سربراہی میں حلف اٹھا لیا۔ نور الامین نے خواجہ ناظم الدین کی جگہ وزارت اعلیٰ کی

ذمہ داریاں سنبھالیں۔

20 ستمبر۔۔۔ اسلام میں داڑھی رکھنا یا مسجد میں جا کر نماز پڑھنا لازمی شرط نہیں ہے: بھٹو

امریکی جریدے نیوز ویک میں 20 ستمبر کو قائد اعظم محمد علی جناح کے بارے میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے جواب میں ایک پاکستانی طالب علم اور مستقبل کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا کہ قائد کے بارے میں کئی غلط بیانیاں کی گئی ہیں جسے وہ درست کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کہ (1) قائد اعظم اسلام قبول کرنے والے کسی ہندو کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ پیدائشی مسلمان ہیں (2) اسلام میں داڑھی رکھنا یا مسجد میں جا کر نماز پڑھنا لازمی شرط نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کہیں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسٹر بھٹو نے لکھا کہ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے قائد اعظم کو کئی موقعوں پر مسجد جا کر نماز پڑھتے دیکھا۔

(حوالہ: 4)

24 ستمبر۔۔۔ پرمٹ کے بغیر ہجرت پر پابندی

گورنر جنرل نے ایک آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے ہندوستان سے پاکستان آنے والوں کو لازماً ایک پرمٹ حاصل کرنے کا پابند بنا دیا گیا۔ پابندی نہ کرنے والوں کو ایک سال یا ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا دینے کا اعلان ہوا۔

28 ستمبر۔۔۔ شیخ حسام الدین گرفتار

مجلس احرار کے رہنما شیخ حسام الدین کو پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کا حکم حکومت پنجاب نے جاری کیا۔

29 ستمبر۔۔۔ اچھوت کانفرنس

جوگندر ناتھ منڈل کی صدارت میں ڈھاکہ میں اچھوتوں کی پہلی کانفرنس کا آغاز ہوا جس کا افتتاح وزیر اعلیٰ نور الامین نے کیا اور غیر مسلم اقلیتوں کو ہر طرح کا تحفظ دینے کا وعدہ کیا۔ یکم اکتوبر کو صدر جلسہ وزیر قانون و صحت جوگندر ناتھ منڈل نے بتایا کہ پاکستان میں مسلمان اور ہریجن بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں۔

30 ستمبر۔۔۔ پاکستان میں بھارتی کرنسی بند

تقسیم کے بعد جو ہندوستانی کرنسی اب تک چل رہی تھی۔ پاکستان میں اسے مکمل طور پر بند کر دیا گیا۔

اکتوبر 1948ء

3 اکتوبر۔۔۔ پاک۔ چین تجارتی معاہدہ

پاکستان اور چین کے درمیان اشیاء کے بدلے اشیا ایک تجارتی معاہدے کے تحت پاکستان نے کپڑے کے بدلے چین کو روئی دینے کا سمجھوتہ کر لیا۔

4 اکتوبر۔۔۔ نہرو بنام لیاقت علی خان

ہندوستان ایک طرف مقبوضہ کشمیر کو ہتھیانے اور اس پر اپنے قبضے کو مضبوط بنانے کے لئے وہاں اپنی قوت بڑھا رہا تھا تو دوسری طرف پاکستان اور دوسری دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوششیں بھی کر رہا تھا کہ وہ کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کا حامی ہے۔ 4 اکتوبر کو ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے وزیر اعظم پاکستان کو ایک تار ارسال کیا جس میں کہا گیا تھا کہ "ہم اپنے اس موقف سے کبھی منحرف نہیں ہوئے کہ جموں اور کشمیر میں حالات جونہی اعتدال پر آئیں' آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری ہونی چاہیے۔"

اسی روز نہرو نے لیاقت علی خان کے نام ایک اور تار ارسال کیا جس میں اس نے لکھا "میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس خواہش میں آپ کا شریک ہوں کہ کشمیر کے مسئلے کا حل تلاش کرنے کا معاملہ عوام کی مرضی پر ہی موقوف ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ میں اس مسئلے کا امن پسندانہ اور آبرو مندانہ حل تلاش کرنے میں ہمیشہ تعاون کے لئے تیار رہوں گا۔"

(حوالہ: 5)

4 اکتوبر۔۔۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی گرفتاری

قیام پاکستان کے فوراً بعد جماعت اسلامی اور حکومت پاکستان کے درمیان تضادات کا آغاز ہو گیا تھا' جماعت اسلامی نے پاکستان اور قائد اعظم کی مخالفت ترک کر کے' نظام اسلامی کے مطالبے پر زور دینا شروع کر دیا تھا حیدر آباد دکن کے سانحہ اور قائد اعظم کے انتقال پر مولانا مودودی نے اپنے رنج و غم کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے نئے گورنر جنرل کی بھی حمایت کی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ ستمبر میں انہوں نے جہاد کشمیر میں عملی حصہ لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ جماعت کا کہنا تھا کہ مسلم لیگ کی حکومت بعض صوبوں میں "پبلک سیفٹی ایکٹ" کا استعمال جس آزادی کے ساتھ کر رہی ہے۔ وہ سخت تعجب انگیز ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ پچھلے دنوں جماعت اسلامی کے خلاف ملک میں جس بیباکی کے ساتھ اعلانیہ جھوٹا پروپیگنڈا ہوا ہے۔ اس پر مجلس شوریٰ افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ ان تمام واقعات کے دوران نظام اسلامی کا مطالبہ زور و شور سے کیا جاتا رہا۔ دونوں طرف سے حالات اس نہج پر آ گئے کہ 4 اکتوبر کو مولانا سید ابو الاعلیٰ

مودودی اور میاں طفیل محمد کو لاہور سے اور مولانا امین احسن اصلاحی کو راولپنڈی سے گرفتار کر لیا گیا۔ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ تین کے تحت' جماعت اسلامی کی قیادت کو چھ ماہ کے لئے پابند سلاسل کیا گیا۔ جو بڑھتے بڑھتے 20 ماہ تک پھیل گیا اور انہیں 28 مئی 50ء کو رہائی نصیب ہوئی۔

(حوالہ: 6)

4 اکتوبر۔۔۔ شیخ غلام حسین ہدایت اللہ انتقال کر گئے

گورنر سندھ سر غلام حسین ہدایت اللہ کا 69 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ان کی جگہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے دین محمد کو سندھ کا نیا گورنر مقرر کیا گیا۔

9 اکتوبر۔۔۔ فیڈرل کورٹ کے پہلے چیف جسٹس

لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس' مسٹر جسٹس سر عبدالرشید' فیڈرل کورٹ کے پہلے چیف جسٹس مقرر کر دیئے گئے۔

10 اکتوبر۔۔۔ وزیراعظم کی دولت مشترکہ کانفرنس میں شرکت

دو ہفتوں تک جاری رہنے والی دولت مشترکہ کی کانفرنس میں شرکت کے لئے وزیر اعظم پاکستان' لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔

12 اکتوبر۔۔۔ پاکستان۔ چیکوسلواکیہ تجارتی معاہدہ

چیکوسلواکیہ اور پاکستان کے درمیان ایک تجارتی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

18 اکتوبر۔۔۔ کمیونسٹ پارٹی کی سیفٹی آرڈیننس پر تنقید

کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے ایک بیان میں پبلک سیفٹی آرڈیننس پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس سے پاکستانی عوام کے بنیادی شہری حقوق کو صدمہ پہنچا ہے۔

(حوالہ: 7)

19 اکتوبر۔۔۔ سرحد میں تحفظ امن عامہ کا آرڈیننس

صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان نے چار ماہ قبل جاری شدہ تحفظ امن عامہ کے آرڈیننس کے سلسلہ میں سرحد اسمبلی میں ایک بل پیش کیا جس کا مقصد صوبائی حکومت کو امن عامہ کے لئے خطرناک شخص یا جماعت کے خلاف کارروائی کرنے کے پورے اختیارات دینا تھا۔

(حوالہ: 8)

19 اکتوبر۔۔۔ پاکستان کی دفاعی ضروریات اور امریکی امداد

امریکہ میں پاکستان کے سفیر ایم ایچ اصفہانی نے 19 اکتوبر 48ء کو امریکی وزیر خارجہ کے نام اپنے طویل خط میں پاکستان کی فوری دفاعی ضروریات کا ذکر کرتے ہوئے جلد اور ہمدردانہ غور کی درخواست کی۔ خط میں شکایت کی گئی کہ ہندوستان نے پاکستان کے اثاثوں کا بہت بڑا حصہ دبا لیا ہے۔ جن میں فوجی سازو سامان بھی شامل ہے۔ خط کا زیادہ اہم حصہ پاکستان کو امریکی اڈہ بنانے کی پیشکش سے عبارت تھا۔ اصفہانی نے لکھا" بین الاقوامی نقطۂ نظر سے پاکستان کی دفاعی اہمیت کو نہ تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے کم کیا جا سکتا ہے۔ کسی ہنگامی صورت حال میں پاکستان فوجی اور فضائی کارروائیوں کے لئے اڈہ بن سکتا ہے۔ اس لئے پاکستان کے علاوہ دوسری اقوام کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ پاکستان کیل کانٹے سے لیس' مضبوط اور ایسی کسی ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے جو بین الاقوامی صورت حال دنیا کے لئے پیدا کر سکتی ہے"۔

اپنے خط میں انہوں نے اشتراکیت کو خلاف اسلام قرار دیتے ہوئے اسکی آمد کے آگے پل باندھنے پر زور دیا۔ اور کہا کہ یہ وہ نقطہ ہے جسکی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔

(حوالہ: 9)

26 اکتوبر۔۔۔ وزیر اعلیٰ سندھ کا پی اے جاسوسی کے الزام میں گرفتار

وزیر اعلیٰ سندھ پیر الٰہی بخش نے اپنے ہندو پرسنل اسسٹنٹ پرس رام کو اس کی بھارت روانگی کے وقت سفارشی خط دیا تھا وہ کراچی ایئرپورٹ پر پاکستان کی اہم دستاویزات کے ساتھ پکڑ لیا گیا۔

28 اکتوبر 48ء۔۔۔ لیاقت۔۔۔ مارشل ملاقات

اکتوبر میں وزیراعظم پاکستان اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے سلسلے میں پیرس میں موجود تھے کہ 28 اکتوبر کو انہیں امریکی وزیر خارجہ سے ملاقات کا موقع مل گیا۔ 45 منٹ کی اس ملاقات میں پاکستانی وزیر اعظم نے اپنے ملک کو درپیش سخت مشکلات اور بھارت کے رویے سے پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کا حوالہ دینے کے بعد پاکستان کی دفاعی اہمیت کا ذکر چھیڑ دیا۔ انہوں نے یورپ کی بحالی کے منصوبے میں امریکی ذمہ داریوں پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر بھی زور دیا کہ وہ فوجی اور معاشی اعتبار سے مشرقِ وسطیٰ کو مضبوط بنائے۔ انہوں نے کہا کہ

مسلمان ہونے کی ناتے پاکستانی کمیونزم کے آگے کبھی نہیں جھکیں گے۔ کیونکہ وہ جمہوریت' ملکیت اور انفرادی حقوق کے بارے میں اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ کمیونزم کے جارحانہ عزائم کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان اسکی مزاحمت کے معاملے میں سب سے زیادہ بے چین ہے۔ اس مقصد کے لئے امریکہ سے تعاون درکار ہے۔ جو آزاد اقوام میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔

امریکی وزیر خارجہ پر ان دلائل کا خاطر خواہ اثر نہیں ہوا اور یہ ملاقات لاحاصل رہی۔

(حوالہ: 10)

نومبر 1948ء

6 نومبر۔۔۔ کے ایچ خورشید کو ان کی خدمات سے سبکدوش کر دیا گیا

بھارت کی قید میں کشمیری رہنما اور پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح کے پرسنل سیکرٹری کے ایچ خورشید کو ان کی غیر حاضری میں' 30 اکتوبر سے سبکدوش کر دیا گیا۔

12 نومبر۔۔۔ دکھ اور بھوک' خون اور قحط ہر زبان میں سمجھے جاتے ہیں: ذوالفقار بھٹو

پاکستانی طالب علم ذوالفقار علی بھٹو نے 12 نومبر 1948ء کو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا' برکلے میں اپنے ایک اہم خطاب میں نوع انسانیت کی آفاقیت پر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا: "کیا اس کی کچھ اہمیت ہے کہ ہم دوسروں سے مختلف زبان بولتے ہیں؟ اس سے کیا کچھ فرق پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو مختلف النوع چیزوں اور گوناگوں رنگینیوں کا مسکن بنایا ہے؟ دکھ اور بھوک' خون اور قحط ہر زبان میں سمجھے جاتے ہیں۔ قادر مطلق کی قوت کو ناپنے کی بجائے انسانی ارادوں کو جانچنا چاہیے۔ اس صورت میں ہم نئے عقائد کے مشعل بردار اور اخوت و اتحاد کے داعی بن سکتے ہیں۔ یہ ایک چیلنج ہے۔ نہ خدا اور نہ ہی انسان ہم سے' اس سے زائد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔"

(حوالہ: 11)

22 نومبر۔۔۔ علاقائی سوچ ترک کر دیں

لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عوام بنگالی' پنجابی' سندھی' بلوچی' اور پٹھان بن کر سوچنا بند کر دیں۔ کیونکہ سوچنے کا یہ انداز اسلامی فکر اور مسلم قومیت کے خلاف ہے۔ ہم ایک ہی قوم ہیں اور ایک ہی وطن کے رہنے والے ہیں۔

23 نومبر۔۔۔ کشمیر کمیشن' ناکامی کا اعتراف

اقوام متحدہ کے قائم کردہ کشمیر کمیشن کی رپورٹ کا پہلا حصہ شائع کر دیا گیا۔ جس میں کمیشن نے اعتراف کیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اس کی مصالحت کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

26 نومبر۔۔۔ اخبارات پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت بند

سندھ کی حکومت نے "جنگ"' "انجام"' "ڈان" اور "سندھ آبزرور"' پر پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ ماہ کے لئے پابندی لگا دی۔ جس کے خلاف پورے ملک میں احتجاج شروع ہو گیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت سندھ کو اخبارات پر سے پابندی فوراً ہٹانی چاہیے۔ لاہور سے شائع ہونے والے اخبارات نے بھی اس اقدام کی مذمت کی۔

(حوالہ: 12)

دسمبر 1948ء

4 دسمبر۔۔۔ شہزادہ عبدالکریم اور ساتھیوں کو سزائیں

ہتھیار ڈالنے اور گرفتار ہونے کے بعد شہزادہ عبدالکریم اور اسکے ساتھیوں کو کوئٹہ اور مچھ کی جیلوں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ان کے خلاف مقدمے کی سماعت کے لئے ایک خصوصی جرگہ بٹھایا گیا۔ جس نے مچھ جیل میں 10 نومبر سے 17 نومبر تک مقدمے کی سماعت کی۔ 4 دسمبر کو فیصلہ سنا دیا گیا۔

جس کے تحت شہزادہ عبدالکریم خان اور محمد حسین عنقا کو دس دس سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔ ان کے باقی دو سو ساتھیوں کو سات سال ۔ سے ایک سال تک کی مختلف معیاد کی سزائیں دی گئیں۔ جرمانے اور ضمانتوں کی رقوم اسکے علاوہ تھیں۔

(حوالہ: 13)

5 دسمبر۔۔۔ کھوڑو' سندھ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے

"پروڈا" کے قانون کا سامنا کرنے والے سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو واضح اکثریت سے سندھ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے۔

6-29 دسمبر۔۔۔ ملا شور بازار پاکستان میں

6 دسمبر کو مذہبی رہنما ملا شور بازار افغانستان سے پشاور پہنچا تو مذہبی حلقوں میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ پشاور کے ایک جلسے میں اس نے افغانستان اور پاکستان کو ایک ہی جسم کے دو حصے قرار دیا۔ بعد ازاں وہ لاہور پہنچا جہاں اس نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہندوستان نے پاکستان کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیاں بند نہ کیں تو افغانستان کی حکومت پاکستان کی مدد کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ تاہم 29 دسمبر کو اپنے رخصتی پیغام میں ملا شور بازار نے' جسے حضرت نور المشائخ بھی کہا گیا' کہا کہ وہ نہ تو حکومت افغانستان کے سفیر ہیں اور نہ ہی ان کا اپنے ملک کی خارجہ پالیسی سے کوئی تعلق ہے۔ پاکستان کے مختلف سیاسی حلقوں مین ان کی پاکستان آمد اور تین ہفتے تک عوامی اجتماعات سے خطاب اور ملاقتوں کے بارے میں چہ مگوئیاں کی گئیں۔

(حوالہ : 14)

8 دسمبر۔۔۔ کھوڑو مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہو گئے

محمد ایوب کھوڑو' جو دو تین روز قبل سندھ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے تھے' انہوں نے اس بنیاد پر (استعفیٰ) دے دیا کہ جب تک ان کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کی تحقیقات مکمل نہیں ہو جاتیں وہ صدارت کے عہدے پر فائز نہیں ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔

14 دسمبر۔۔۔ مولوی تمیز الدین دستور ساز اسمبلی کے سپیکر منتخب ہو گئے

دستور ساز اسمبلی کے چوتھے سیشن کے پہلے دن کا اجلاس ڈاکٹر عمر حیات ملک کی صدارت میں ہوا جس میں مولوی تمیز الدین کو قائد اعظم محمد علی جناح کی جگہ دستور ساز اسمبلی کا بلا مقابلہ صدر چن لیا گیا۔ انتخاب کے بعد آدھے گھنٹے کے لئے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ دوبارہ اجلاس شروع ہونے پر قائد اعظم کے لئے تعزیتی قرار داد کے حق میں تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے کہا کہ قائد اعظم انتقال کر گئے ہیں لیکن ان کا مشن زندہ ہے۔ سریس چندر چٹوپادھیا نے ان دنوں کو یاد کیا کہ جب وہ اور قائد کانگریس میں اکٹھے کام کرتے تھے مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا محمد اکرم خان' محمد ہاشم گردر' سردار عبدالرب نشتر' سردار شوکت حیات خان' نذیر احمد خان اور محمد ایوب کھوڑو نے بھی قائد اعظم کو زبردست خراج عقید پیش کیا۔ تمام ممبران نے ہاتھ اٹھا کر تعزیتی قرار داد منظور کر لی۔

(حوالہ : 15)

18 دسمبر۔۔۔ تمام قحبہ خانے بند کر دیئے جائیں گے

پاکستانی پارلیمنٹ نے ایک بل کی منظوری دی جس میں تمام قحبہ خانے بند کر دینے کا اعلان کیا گیا۔

19-22 دسمبر۔۔۔ پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس

کراچی میونسپل کارپوریشن ہال میں پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس کا سالانہ اجلاس روزنامہ "ڈان" کے ایڈیٹر الطاف حسین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ تمام صوبوں کے ساتھ مدیران جرائد و رسائل و سہ روزہ اخبارات نے اجلاس میں شرکت کی۔ ان میں روزنامہ "آزاد" کے مولانا اکرم خان' پاکستان ٹائمز کے فیض احمد فیض' زمیندار ' کے مولانا اختر علی خان اور کئی ممتاز اخبارات و رسائل کے مدیران شامل تھے۔ یہ سہ روزہ کانفرنس دسمبر کو ختم ہو گئی۔ آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے تحریک آزادی کشمیر کے رہنما چوہدری غلام عباس نے کہا کہ پاکستانی اخبارات ہی ملک کے معمار ہیں۔ اور وہی ملک کا مستقبل سنوار یا بگاڑ سکتے ہیں۔ الطاف حسین ایڈیٹر "ڈان" آل پاکستان ایڈیٹرز کانفرنس کے دوبارہ صدر منتخب ہو گئے۔

(حوالہ : 16)

23 دسمبر۔۔۔ کے ایچ خورشید رہا ہو گئے

ڈوگرہ شاہی کی جیل، میں گذشتہ ایک برس سے محبوس' کشمیری رہنما کے ایچ خورشید رہا کر دیئے گئے۔

23 دسمبر۔۔۔ غلام محمد نے اسمبلی میں حلف اٹھایا

پاکستان کے وزیر خزانہ ملک غلام محمد نے جنہیں مشرقی بنگال کی قانون ساز اسمبلی سے دستور ساز اسمبلی کے لئے منتخب کیا گیا تھا' 23 دسمبر کو اسمبلی کے اجلاس میں اپنی رکنیت کا حلف اٹھا لیا۔ اس کے فورا بعد 3 جنوری 1949ء تک کے لئے اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

(حوالہ : 17)

28 دسمبر۔۔۔ رکن اسمبلی عبدالمتین چوہدری انتقال کر گئے

دستور ساز اسمبلی کے رکن عبدالمتین چوہدری کا انتقال ہو گیا۔

جنوری 1949ء

یکم جنوری۔۔۔ کشمیر میں جنگ بندی

کشمیر میں دونوں حکومتوں نے جنگ بندی منظور کر لی۔ پاکستان میں

عوامی سطح پر اس اقدام کو ناپسند کیا گیا کیونکہ ان کے خیال میں ہندوستانی فوج گھٹنے ٹیک رہی تھی۔

(حوالہ: 19,18)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک باب --- کشمیر میں جنگ بندی

3 جنوری --- مشتاق احمد گورمانی' وزیر بے محکمہ

ریاست بہاولپور کے سابق وزیر اعظم نواب مشتاق گورمانی کو گورنر جنرل کے حکم سے پاکستان کی مرکزی کابینہ میں وزیر بے محکمہ بنا دیا گیا۔

3 جنوری --- دستور ساز اسمبلی کا اجلاس

1948ء کے بعد نئے سال کا دستور ساز اسمبلی کا اجلاس 3 جنوری کو شروع ہوا تو ممتاز خان دولتانہ نے اسمبلی کے رکن کا حلف اٹھایا۔ اس اجلاس میں سیاستدانوں کی نااہلی کا بل "پروڈا" منظوری کے لئے پیش کیا گیا۔ اسمبلی میں نشستوں کی تعداد میں رد و بدل یا اضافے کے لئے تشکیل شدہ کمیٹی کی رپورٹ کو منظور کیا گیا۔ انڈین انڈیپنڈنٹ (امنڈمنٹ) بل پاس ہوا اور اسمبلی کے اخراجات کے تخمینے اور ارکان اسمبلی کے الاؤنسوں کے تعین کی تحریکیں منظور ہوئیں۔

(حوالہ: 20)

6 جنوری --- سیاسی نااہلیوں کا قانون "پروڈا"

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے 6 جنوری کو ایک بل پاس کیا جس کے تحت وزراء اور عوامی نمائندے اگر بدعنوان پائے جائیں اور ان پر الزامات ثابت ہو جائیں تو ان کو ایک مقررہ مدت تک کے لئے عوامی عہدوں اور نمائندگی کے لئے نااہل قرار دیا جا سکتا تھا۔ یہ قانون زیادہ تر اپنے سیاسی مخالفین کو سیاسی عمل سے باہر رکھنے کے لئے نافذ کیا گیا تھا جسے ستمبر 1954ء میں دستور ساز اسمبلی نے ختم کر دیا۔

اسی روز اسمبلی کی نشستوں میں رد و بدل یا اضافے کا بل اور دی گورنمنٹ اف انڈیا (ترمیمی) بل بھی منظور کر لئے گئے۔ مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک باب --- 'سیاسی نااہلیوں کے قوانین'

7 جنوری --- شیخ حسام الدین رہا

مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری شیخ حسام الدین کو رہا کر دیا گیا وہ ستمبر 1948ء میں پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے تھے۔

9 جنوری --- پاک۔ مصر تجارتی معاہدہ

پاکستان اور مصر نے ایک تجارتی معاہدے پر دستخط کئے جس کے تحت پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ مصر کو تین ہزار ٹن پٹ سن بھیجے گا۔

18 جنوری --- مزدوروں کی ہڑتال

نرائن گنج کے پانچ سو مزدور ہڑتال پر چلے گئے۔

21 جنوری --- تین اخبارات پر بندش

ناظم کراچی کے حکم سے ایک روزنامہ --- "مسلمان" اور دو ہفت روزوں --- فیریس (انگریزی) اور "فریڈم" (انگریزی) پر سنسر شپ کے قوانین کے تحت 3 سے 6 ماہ تک کے لئے اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔

22 جنوری --- زمینداری نظام ختم کر دیا جائے گا: تمیز الدین

دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین نے فرید پور میں ایک عام جلسے میں کہا کہ مشرقی بنگال سے بہت جلد زمینداری نظام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

22 جنوری --- امیر بہاولپور آئینی حکمران ہوں گے

نومبر 1948ء میں ریاست بہاولپور میں جمہوری حقوق کے سلسلے میں اصلاحات کی پہلی قسط کا اعلان کیا گیا تھا۔ سیاسی حلقوں میں ابھی ان کے بارے میں بحث جاری تھی کہ 22 نومبر کو ریاست کے وزیر اعظم کرنل اے۔ جے۔ ڈرنگ نے اعلان کیا کہ بہاولپور کے امیر' آئندہ صرف آئینی حکمران کی حیثیت سے رہیں گے اور مارچ میں ہونے والی ان کی سلور جوبلی کے موقع پر مزید اصلاحات کا اعلان کیا جائے گا۔

(حوالہ: 21)

25 جنوری --- ممدوٹ وزارت برطرف' اسمبلی توڑ دی گئی

پنجاب میں ممدوٹ' دولتانہ چپقلش کے نتیجے میں' 25 جنوری 1949ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب نواب افتخار حسین ممدوٹ کی وزارت برطرف اور پنجاب اسمبلی توڑ دی گئی۔ اسمبلی اور وزارت کو برخواست کرنے کا حکم وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے جاری کیا۔

وزارت کے ایک رکن ممتاز دولتانہ اور افتخار ممدوٹ کے اختلافات' وزارت کے قیام کے ایک سال کے اندر اندر ہی پیدا ہو گئے تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی انہیں دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ قائد اعظم نے معاملہ گورنر پنجاب پر چھوڑ دیا۔ مئی 1948ء میں میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات اپنی اپنی وزارت سے مستعفی ہو گئے۔ اور اختلافات کی خلیج مزید گہری ہو گئی۔

20 جنوری 49ء کو وزیراعظم پاکستان لاہور پہنچے۔ حالات دیکھ کر انہوں نے وزارت اور اسمبلی کو توڑنے کا انتہائی فیصلہ کر لیا اور گورنر جنرل کو اس کی سفارش کر دی۔ چنانچہ گورنر جنرل نے وزارت اور اسمبلی دونوں کو توڑ کر صوبے میں گورنر راج نافذ کر دیا۔
مزید دیکھیں اسی کتاب کے ایک حصے --- "مرکزی اور صوبائی وزارتیں"
(حوالہ : 23,22)

26 جنوری--- مسلم لیگ میں رجعت پسند عناصر کا غلبہ

مسلم لیگ کے بعض سابق کارکنوں نے الزام لگایا کہ جماعت میں رجعت پسند عناصر غلبہ پا گئے ہیں۔ انہوں نے فارورڈ بلاک تشکیل دیا۔ پروگریسو مسلم بلاک کی تشکیل کے ابتدائی اجتماع میں جو کارکن شریک ہوئے ان میں نواب شمس الحسن سابق سیکرٹری جنرل یو پی مسلم لیگ، عبدالحئی عباسی، عزیز غفور قاضی، ڈاکٹر ایل آر خان، شیخ محمد توفیق، ڈاکٹر الٰہی اور ڈاکٹر لطیف فاروقی شامل تھے۔

(حوالہ : 24)

28 جنوری--- پاکستان کو سات کروڑ روپے کا سونا ملے گا

ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نامہ نگار نے بتایا کہ حکومت کے مالیاتی حلقوں کے مطابق پاکستان کو ریزرو بنک آف انڈیا کے اثاثوں کی تقسیم کے سلسلے میں کم از کم سات کروڑ روپے کا سونا ملے گا، 30 جنوری 1948ء تک ریزرو بنک کے جو کرنسی نوٹ گردش میں تھے، ان کے معاوضہ میں ریزرو بنک آف انڈیا، اب تک پاکستان کو 2 کروڑ 60 لاکھ کو سونا دے چکا ہے۔

(حوالہ : 25)

29 - 31 جنوری--- پاکستان، اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا

پاکستان نے اسرائیل کی ریاست کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ برطانوی حکومت کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم کرنے کے فیصلے پر اپنا شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے پاکستان کی حکومت نے اپنے بیان میں کہا کہ یہودی ریاست کو تسلیم کرنے کا عمل غیر اخلاقی اور غیر آئینی ہے۔

فروری 1949ء

4 فروری--- پیر الٰہی بخش وزارت برطرف

سندھ میں پیر الٰہی بخش کی وزارت برطرف کر دی گئی اور وزیر اعلیٰ کو ایک سابق انتخابی غدر داری کے مقدمے میں عہدے اور اسمبلی کی رکنیت کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔
مزید اسی کتاب کے ایک حصے --- "مرکزی اور صوبائی وزارتیں" --- میں دیکھیں۔

8 فروری--- وزیراعظم کی "خوشگوار، روشن اور پرنور صبح"

پاکستان کی تاریخ میں پہلی سہ فریقی مزدور کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ وہ چشم زدن میں خواب و خیال کی رنگین دنیا نہیں دکھا سکتے۔ لیکن مزدوروں سے ایک خوشگوار روشن اور پرنور صبح کا وعدہ ضرور کر سکتے ہیں۔

18 فروری--- سندھ میں یوسف ہارون وزارت

یوسف ہارون نے بحیثیت وزیر اعلیٰ سندھ حلف اٹھالیا۔
اسی کتاب کا ایک حصہ --- "مرکزی اور صوبائی وزارتیں" دیکھئے۔

18 فروری--- موتمر عالم اسلامی کا اجلاس

مصر، انڈونیشیا، سعودی عرب، عراق، ایران، افغانستان، ملایا، تیونس، یمن، لبنان، فلسطین، لیبیا، شام اور پاکستان کے نمائندوں پر مشتمل موتمر عالم اسلامی کا اجلاس کراچی میں شروع ہو گیا۔

20 فروری--- پاکستان مسلم لیگ کونسل کا پہلا اجلاس

دسمبر 47ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کو ختم کر کے اسے پاکستان مسلم لیگ اور انڈیا مسلم لیگ میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ پاکستان مسلم لیگ کونسل کا پہلا اجلاس 20 فروری کو خالقدینہ ہال کراچی میں منعقد ہوا۔ اپنے طویل پالیسی خطاب میں وزیر اعظم لیاقت علی خان نے لیگ کے نومنتخب صدر خلیق الزماں اور جنرل سیکرٹری یوسف خٹک کو مبارک باد دیتے ہوئے پاکستان کے قیام، مہاجرین کی صورت حال، ہندوستان کے مسلمانوں کے ایثار، پاکستان کے دفاع، ملک کی اقتصادی حالت، ہندوستان سے تعلقات، اقوام متحدہ، فلسطین، افغانستان، ایران، برما، سری لنکا، انڈونیشیا، دولت مشترکہ، ملکی صنعت، تجارت، تعلیم، رہائشی مسائل، ریلوے، بندرگاہوں، ڈاک و تار، اطلاعات و نشریات، خوراک، صحت عامہ، ریاستوں کی صورت حال اور آئین کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ 300 کونسلروں کے اس اجلاس میں چیف آرگنائزر نے دعویٰ کیا کہ "مسلم لیگ کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی اتنی تیزی سے رکنیت سازی نہیں ہوئی تھی۔"
کونسل کے اجلاس میں پاکستان کی مسلح افواج کو بھی زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔

عہدیداروں کے علاوہ مندرجہ ذیل آٹھ ارکان پر مشتمل ایک پارلیمانی بورڈ بھی تشکیل دیا گیا۔

1) مولانا عبدالباقی
2) عبدالکریم
3) مولوی تمیزالدین خان
4) سید خلیل الرحمان
5) چوہدری نصیر احمد ملہی
6) خان محمد ابراہیم خان
7) آغا غلام نبی پٹھان
8) قاضی محمد عیسیٰ

اخبارات نے چوہدری خلیق الزمان کے بحیثیت صدر انتخاب کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ روزنامہ "زمیندار" نے لکھا: "موقع پرستی کے میدان میں چوہدری خلیق الزمان کا کوئی ثانی اور حریف نہیں" روزنامہ "امروز" کے لفظ تھے: "انہوں نے صوبائی لیگ کے رہنماؤں میں نفاق و افتراک کا بیج بو دیا ہے اور اب انہیں یہ فصل کاٹنی ہو گی۔" روزنانہ "نوائے وقت" نے لکھا: "اگر وہ اپنا مطمع نظر متحارب عناصر میں مصالحت اور لیگ کے وقار کی بحالی قرار دیتے ہیں تو ہم یہ عرض کریں گے کہ ان کا دعویٰ فراڈ ہے" چنانچہ جب وہ مارچ میں وہ لاہور کے دورے پر آئے تو ان کا استقبال کالی جھنڈیوں سے ہوا اور انہیں "بھارتی مسلمانوں کا قاتل" اور "سازشی" تک کہا گیا۔

(حوالہ: 26, 27, 28, 29, 30)

26 فروری۔۔۔ کراچی میں عصمت فروشی پر پابندی

دستور ساز اسمبلی نے کراچی میں عصمت فروشی پرپابندی لگاتے ہوئے اسے خلاف قانون قرار دے دیا۔

28 فروری۔۔۔ پاکستان کے بجٹ

پاکستان کا دوسرا مرکزی بجٹ پیش کر دیا گیا جس میں وزیر خزانہ نے 99 لاکھ روپے کی بچت دکھائی۔ معاشی ماہرین نے اس بجٹ پر مایوسی کا اظہار کیا۔

مزید دیکھیں، اسی کتاب کا ایک حصہ --- پاکستان کے بجٹ

(حوالہ: 31)

مارچ 1949ء

2 مارچ۔۔۔ سہروردی کی دستور ساز اسمبلی سے رکنیت ختم

25 مئی 1948ء کو دستور ساز اسمبلی نے پاکستان میں مستقل طور پر رہائش نہ رکھنے والوں یا اس کے وفادار نہ رہنے والوں کی رکنیت اسمبلی ختم کرنے کے قواعد کا اعلان کیا تھا۔ 2 مارچ 1949ء کو اسمبلی نے جناب سہروردی کی نشست کو خالی قرار دے دیا اور مشرقی بنگال اسمبلی کو ہدایت کی کہ وہ اس خالی نشست کے لئے اپنا نیا نمائندہ منتخب کرے۔ اسمبلی کے صدر مولوی تمیزالدین کے حکم سے حسین شہید سہروری سے ان کی عوامی نمائندگی کا حق واپس لے لیا گیا۔

اس موقعے پر سہروردی خود موجود تھے۔ انہوں نے تقریر کا آغاز ان لفظوں سے کیا: "اپنی زندگی میں ہر ایک کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ خود اپنی تدفین پر تقریر کرے۔ مجھے یہ منفرد موقع نصیب ہوا ہے۔" شائستہ اکرام اللہ نے لکھا ہے کہ شہید بھائی اپنی نشست پر بیٹھے بہت تنہا دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے ان کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

لاؤ تو قتل نامہ میرا' میں بھی دیکھ لوں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

بولے' اچھا ہے۔ مجھے لکھ کر دے دو۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جنوری میں پروڈا کے نفاذ اور ممدوٹ وزارت کے خاتمے کے بعد' دو ماہ کے اندر اندر حکومت کا یہ تیسرا انتہائی اقدام تھا۔

(حوالہ: 32)

2 مارچ۔۔۔ پبلک سیفٹی ایکٹ میں توسیع

سندھ کی حکومت نے سندھ پبلک سیفٹی ایکٹ کی مدت میں ایک سال کا مزید اضافہ کر دیا۔

6 مارچ۔۔۔ بجٹ پر میاں افتخار الدین کی تنقید

دستور ساز اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران میاں افتخار الدین نے کہا کہ وزیر خزانہ نے جس طرح کا بجٹ دیا ہے اس سے پاکستان آئندہ پچاس برسوں میں بھی ترقی نہیں کر سکے گا۔

7 مارچ۔۔۔ سر ظفراللہ نے رکن اسمبلی کا حلف اٹھایا

پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان اور شیخ کرامت علی نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی رکنیت کا حلف اٹھایا۔

اسی روز وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اسمبلی میں قرار داد مقاصد کا مسودۂ قانون پیش کیا جس پر فوراً بحث شروع ہو گئی۔

8 مارچ۔۔۔ ریاست بہاولپور میں نئی اصلاحات

ریاست بہاولپور میں جن نئی اصلاحات کا اعلان کیا گیا ان کے تحت انتخابات اور نامزدگیوں سے ریاستی کونسل اور وزراء چننے کا فارمولا طے کر دیا گیا۔ ریاست کے وزیر اعظم کی نامزدگی کی ذمہ داری حکومت پاکستان نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔

12 مارچ۔۔۔ قراردادِ مقاصد کا اعلان

مجلس دستور ساز کی قرار داد اغراض و مقاصد جسے پاکستان کا "منشور آزادی" بھی کہا گیا' 12 مارچ کو منظور کر لی گئی۔ خود لیاقت علی خان نے اسے "ملک کی تاریخ میں حصول پاکستان کے بعد اہم ترین واقعہ قرار دیا" اس قرار داد میں وہ اصول وضع کر لئے گئے جن کی بنیاد پر ملک کا آئین تیار ہونا تھا۔ قرار داد میں کہا گیا تھا کہ اسلامی اصولوں کے مطابق جمہوریت' آزادی' مساوات اور معاشرتی انصاف کی پوری پاسداری کی جائے گی۔ اور مسلمانوں کو اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ اس میں اقلیتوں کو اپنے مذہب اور تمدن کے مطابق زندہ رہنے کی ضمانت دی گئی تھی۔ بنیادی حقوق کے تحفظ اور عدلیہ کی آزادی پر زور دیا گیا تھا۔ قرار داد کے مطابق پاکستان کو ایک وفاقی مملکت بننا تھا۔

اسمبلی میں قرار داد کی حمایت کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی نے 9 مارچ کو کہا: "ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن غلط لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت پیچھے ہٹنا پڑتا ہے ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔۔"

وزیر خارجہ و تعلقات دولت مشترکہ سر ظفراللہ خان نے 12 مارچ کو اپنی تائیدی تقریر میں کہا کہ جن معزز ارکان نے قرار داد پر... نکتہ چینی کی ہے... ان کے خیال میں یہ ایک عجیب اور رجعت پسندانہ بات ہے کہ کوئی قوم اپنے دستور مملکت کی بنیاد اپنے مذہبی اصول پر رکھنے کی خواہش مند ہو..."

حزب اختلاف کے رکن مسٹر دت نے اعتراض کیا کہ قرار داد میں مذہب اور سیاست کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ جس کے تحت اقلیتی فرقوں کے لوگ محض غلام بن کر رہ جائیں گے۔ میاں افتخار الدین کا کہنا تھا کہ جب تک معاشی نظام میں بنیادی اور دور رس تبدیلیاں نہیں کی جاتیں' محض سیاسی آزادیوں کا تحفظ بے سود ہو گا۔ ایس سی چٹوپادھیائے نے قرارداد

پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس سے غیر مسلم محض پانی بھرنے والے اور لکڑہارے بن کر رہ جائیں گے"۔ ان اعتراضات کے جواب میں وزیراعظم نے یقین دلایا کہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں برتی جائے گی---

(حوالے: 34,33)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ--- قرارداد مقاصد(متن)

12مارچ--- بنیادی اصولوں کی کمیٹی

قرارداد مقاصد میں آئین کے بنیادی اصولوں کی نشاندہی ہو جانے کے بعد حکومت نے بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی (B.P.C.) تشکیل دی۔ دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیزالدین کی سربراہی میں 24 ارکان پر مشتمل اس کمیٹی میں تمام سیاسی پارٹیوں کے نمائندے شامل تھے۔ اس کمیٹی کی فوری اور واحد ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرے جن کی بنیاد پر ملک کا آئندہ آئین مرتب کیا جا سکے۔ کمیٹی کے ارکان میں خود وزیراعظم' سر ظفراللہ' سردار عبدالرب نشتر' خواجہ شہاب الدین' پیرزادہ عبدالستار' فضل الرحمان' جوگندر ناتھ منڈل' عمر حیات ملک' مولانا شبیر عثمانی' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی' کامنی کمار دت' بیگم جہاں آرا شاہنواز' فیروز خان نون' سیس چندر چٹوپادھیا' میاں ممتاز دولتانہ' مولانا اکرم' میاں افتخارالدین' سردار بہادر خان' ڈاکٹر محمود حسین' بیگم شائستہ سہروردی اکرام اللہ' پریم ہری برما' نذیر احمد خان اور شیخ کرامت علی شامل تھے۔

(حوالے: 36,35)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ--- بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

16مارچ--- دولتانہ صوبائی لیگ کے عہدے سے مستعفی

پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں ممتاز دولتانہ نے مسلم لیگ کی صدارت کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

22مارچ--- کھوڑو تین سال کے لئے نااہل

سندھ کے سابق وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو کو پروڈا کے تحت تین سال کے لئے اسمبلی کی رکنیت اور سرکاری عہدے کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

22مارچ--- اقوام متحدہ اور کشمیر

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے ایڈمرل چسٹر ڈبلیو نمٹز کو ریاست جموں و کشمیر میں رائے شماری کا منتظم مقرر کردیا۔

24 مارچ--- پاکستان کے بارے میں امریکی جوائنٹ چیفس آف سٹاف کی یادداشت

امریکہ نے اب تک پاکستان کو نظرانداز کیا تھا اور امداد کے لئے اس کی درخواستوں کو اہمیت نہیں دی تھی۔ چین کے واقعات اور ہند چینی کی صورت حال تقاضہ کر رہی تھی کہ برصغیر پاک و ہند میں امریکی سلامتی کے مقاصد کا جائزہ لیا جائے۔ خاص طور پر پاکستان اب توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔ امریکہ کے ایک فوجی گروپ نے اس خطے کے کسی اور ملک کے مقابلے میں پاکستان کو امداد کا زیادہ حقدار قرار دیا۔

24 مارچ 49ء کو امریکی جائنٹ چیفس آف سٹاف نے اپنی یادداشت میں لکھا:

"فوجی نقطۂ نظر سے' پاکستان کے سوا' جنوبی ایشیا کے دوسرے ملک موجودہ صورت حالات میں امریکہ کے لئے اہم نہیں ہیں-.... بعض حالات میں پاکستان میں کراچی - لاہور کا علاقہ دفاعی اہمیت کا حامل بن سکتا ہے۔ فوجی نقل و حرکت کی مشکلات کے باوجود' وسطی سوویت یونین کے خلاف فضائی کارروائیو کے اڈے کے طور پر یا مشرق وسطی کے تیل کے علاقوں کی حفاظت یا ان پر دوبارہ قبضے کی کوشش کرنے والی افواج کے لئے میدان عمل کی حیثیت سے اس علاقے کی ضرورت پیش آسکتی ہے.... جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے ایسے تجارتی انتظامات کئے جائیں جو کسی ہنگامی صورت حال میں کراچی۔ لاہور کے علاقے کی اڈوں کی سہولتوں کے استعمال میں مددگار ثابت ہوں...."

24 مارچ--- سرخ پوشوں کے بارے میں پنڈت نہرو کے بیان پر احتجاج

پنڈت نہرو نے بھارتی پارلیمنٹ میں ایک بیان میں کہا کہ پاکستان کی حکومت خان عبدالغفار خان اور سرخ پوشوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہی۔ پاکستانی حکومت نے اس بیان پر بھارتی حکومت سے شدید احتجاج کیا۔

اپریل 1949ء

9 اپریل--- مغربی پنجاب کا بجٹ

کئی ٹیکسوں کے اضافے کے بعد مغربی پنجاب کی حکومت نے 9 لاکھ

روپے کی بچت کا بجٹ پیش کر دیا۔

17 اپریل --- میاں عبدالباری پنجاب مسلم لیگ کے صدر ہو گئے

دولتانہ کے استعفے کے بعد میاں عبدالباری کو پنجاب مسلم لیگ کا نیا صدر چن لیا گیا۔

17 اپریل --- پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن نے اپنے انتخابات کے بعد مرزا ابراہیم کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔

21 اپریل --- کشمیر کے بارے میں مشترکہ قرار داد منظور

کشمیر سے متعلق چھ ملکوں کی مشترکہ قرار داد کو منظور کر لیا گیا۔

مئی 1949ء

یکم مئی --- ادیبوں نے یوم مئی منایا

لاہور میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی جانب سے یوم مئی منایا گیا۔ اجلاس کی صدارت معروف شاعر فیض احمد فیض نے کی۔

6 مئی --- گورنر راج ختم کیا جائے

ممدوٹ وزارت کی برطرفی کے ساتھ ہی مغربی پنجاب میں گورنر راج نافذ کر دیا گیا تھا۔ مغربی پنجاب اسمبلی کے سابق رکن رانا نصراللہ نے مطالبہ کیا کہ گورنر راج ختم کیا جائے۔

11 مئی --- لیاقت کا دورۂ روس' امریکی اندازے

ابھی ماسکو سے پاکستانی وزیراعظم کو دورۂ روس کی دعوت بھی نہ ملی تھی کہ امریکہ نے پاکستان کے امکانی ردعمل کے بارے میں اندازے لگانے شروع کر دیئے تھے۔ واشنگٹن کے کارپردازان سمجھتے تھے کہ اگر ماسکو نے کوئی اشارہ دیا بھی تو پاکستانی وزیراعظم اس کا مثبت جواب نہیں دیں گے کیونکہ وہ کیمونزم سے خوفزدہ ہیں۔ مئی 1949ء میں قاہرہ سے ایک امریکی افسر نے اپنے محکمہ خارجہ کو ایک رپورٹ میں بتایا کہ لیاقت علی حال ہی میں دولت مشترکہ کی وزرائے اعظم کی کانفرنس میں شرکت کے بعد' جب وطن واپس جاتے ہوئے قاہرہ رکے تو اس کی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔

لیاقت علی کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کیمونزم کے بڑھتے ہوئے خطرے سے خائف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ "سوویت یونین کا تعاون رکھنے والے بہت زیادہ منظم اور مالی طور پر آسودہ کیمونسٹ گروہ' رہنماؤں کے قتل سمیت دہشت گردی کے دوسرے کام کرنے کے موقع کی تلاش میں ہیں۔ ان کا مقصد بدنظمی اور بددلی پھیلانا ہے۔.... انہوں نے کہا کہ امریکہ چیانگ کائی شیک کو کافی مدد دینے میں ناکام رہا ہے۔ چین کے بعد اب امکان یہ ہے کہ بھارت اپنے تضادات' غربت اور جہالت کی بنا پر کیمونزم کی گود میں جا گرے گا یوں پاکستان مشرق وسطیٰ اور کیمونسٹوں کے درمیان آخری دیوار رہ جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مغربی طاقتیں مستقبل کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کو فوجی اور معاشی اعتبار سے مضبوط بنائیں...."

(حوالہ: 38)

13 مئی --- سرخ پوشوں کے خلاف کارروائی اور بھارتی حکومت

بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو نے ایک پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا کہ حکومت پاکستان' بھارت کے خلاف بے بنیاد الزامات پر معافی مانگے۔ سرحد حکومت نے گرفتار کئے جانے والے سرخ پوشوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ بھارت کے ساتھ پاکستان دشمن سازش میں ملوث ہیں۔

14 مئی --- بلوچستان قبائلی فیڈریشن

قبائلی سرداروں اور مسلم لیگی رہنماؤں کے درمیان باہمی چپقلش کے باعث قبائلی سرداروں نے 1949ء میں خود اپنی تنظیم "بلوچستان قبائلی فیڈریشن" قائم کر لی۔

(حوالہ: 39)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ۔ سیاسی جماعتیں' بلوچستان قبائلی فیڈریشن

19 مئی --- منٹ ملازمین کی یونین کے جنرل سیکرٹری گرفتار

منٹ ملازمین کی یونین کے جنرل سیکرٹری سید محمد محسن پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

20 مئی --- چیف جسٹس عبدالرشید سبکدوش

لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس' مسٹر جسٹس عبدالرشید سبکدوش کر دیئے گئے۔

21 مئی۔۔۔ پیر پگاڑا کے عرس پر سے پابندیوں کا خاتمہ

صبغت اللہ شاہ پیر پگاڑا کی شہادت کے بعد پیر پگاڑا کے سالانہ عرس پر عائد پابندیوں کو ختم کر دیا گیا۔

22 مئی۔۔۔ انگریز گورنر کو ہٹایا جائے

مغربی پنجاب مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے صوبے کے انگریز گورنر کو ہٹانے کا مطالبہ کیا۔

25 مئی۔۔۔ ڈاک و تار کے ملازمین کی ہڑتال

سرحد اور پنجاب کے ڈاک اور تار کے ملازمین نے حکومت کو نوٹس دیا کہ اگر ان کے مطالبات منظور نہ ہوئے تو وہ 8 جون سے مکمل ہڑتال کر دیں گے۔

جون 1949ء

2 جون۔۔۔ لیاقت علی کو دورۂ روس کی دعوت

2 جون کو 1949ء کو تہران میں سوویت ناظم المور نے پاکستانی سفیر راجہ غضنفر علی خان کو لیاقت علی خان کے دورۂ ماسکو کی سرکاری دعوت زبانی طور پر دی تھی۔ دعوت دینے کا انداز عجیب اور غیر معمولی تھا۔ دو ہفتے پہلے جب پاکستانی وزیراعظم ایران کے دورے پر تھے' ایک سوویت سفارت کار نے بیگم لیاقت علی خان سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اور ان کے شوہر سوویت یونین کا دورہ کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں تو بیگم صاحبہ نے ہاں میں جواب دیا تھا۔ جب یہ دعوت ملی تو کسی قدر غیر معمولی انداز میں ہی سہی لیکن لیاقت علی خان نے اسے فوراً قبول کر لیا۔

یہ اتفاق تھا یا ماسکو کی دعوت کا رد عمل کہ 3 جون کو امریکی محکمہ خارجہ نے برطانوی سفیر کو اطلاع دی کہ 75 ایم ایم گولہ بارود کے دو لاکھ راؤنڈ پاکستان کو منتقل کرنے کی درخواست منظور کر لی گئی ہے۔

8 جون کو پاکستانی وزیر خارجہ نے بھی روسی دعوت قبول کر لینے کی تصدیق کر دی۔ بعد ازاں لیاقت علی خان نے کہا کہ "پاکستان انتظار نہیں کر سکتا اسے جہاں بھی دوست ملیں انہیں قبول کر لیا جانا چاہئے" بیگم لیاقت علی نے امریکی سفارت خانے کے ایک افسر سے کہا "ٹرومین نے تو ہمیں واشنگٹن کی دعوت دینے کے قابل نہیں سمجھا لیکن اسٹالن نے ہمیں ماسکو بلا لیا ہے"

3 جون کو کراچی سے امریکی سفارت خانے نے اپنے محکمہ خارجہ کو مندرجہ ذیل تار ارسال کیا:

"جنگی خریداری کا پاکستانی مشن 4 جون کو برطانیہ اور امریکہ کے لئے کراچی سے روانہ ہو رہا ہے۔ مشن 12 جون کو امریکہ پہنچے گا۔ مشن (1) لیفٹیننٹ کرنل اسکندر مرزا سیکرٹری وزارت دفاع (2) غلام عباس مشیر فوجی مالیات (3) میجر جنرل افتخار علی خان کمانڈر دسواں ڈویژن (4) لیفٹیننٹ کرنل سیف الرحمان' آرڈیننس اور (5) میجر فاروقی پر مشتمل ہے۔ لیفٹیننٹ کرنل اسکندر مرزا اور میجر جنرل افتخار علی خان کو میں ذاتی طور پر اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ امریکہ نواز ہیں۔ افغان اور کشمیر کے مسئلوں پر بات کے لئے تیار رہیے۔۔۔ مشن کا بنیادی مقصد فوجی سپلائز اور سٹورز ہیں۔ امید ہے کہ محکمہ تعاون کر سکتا ہے"

(حوالہ: 40)

3 جون۔۔۔ کشمیر کی جنگ مسلمانوں کے لئے جہاد ہے: فتویٰ

ممتاز علمائے کرام نے ایک فتویٰ جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ کشمیر کی جنگ مسلمانوں کے لئے جہاد ہے۔

4 جون۔۔۔ پاکستان' انڈونیشی اور ویت نامی جدوجہد کی حمایت کرے: کمیونسٹ پارٹی

پنجاب کمیونسٹ پارٹی نے حکومت پاکستان سے برمی حکومت کی امداد نہ کرنے اور انڈونیشیا اور ویت نام کے عوام کی جدوجہد کی حمایت کرنے کا مطالبہ کیا۔

5 جون۔۔۔ پاکستانی پارلیمانی وفد امریکہ میں

دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیزالدین نے امریکہ کا دورہ کیا اور صدر ٹرومین سے ملاقات کی۔ وفد میں ڈاکٹر عمر حیات ملک بھی شامل تھے۔ یہ وفد دولت مشترکہ کے پارلیمانی وفد کے دیگر نمائندوں کے ساتھ امریکہ گیا تھا۔

8 جون۔۔۔ پنجاب اسمبلی کے سابق سپیکر سر شہاب الدین کا انتقال ہو گیا

پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے سابق سپیکر اور معروف پنجابی شاعر سر شہاب الدین کا انتقال ہو گیا۔

10 جون۔۔۔ مائی بختاور کا دن سندھ بھر میں منایا جائے: سندھ ہاری کمیٹی

سندھ ہاری کمیٹی نے صوبے میں ہاری کمیٹی کی تمام شاخوں سے کہا

کہ وہ پورے صوبے میں 22 جون کو مائی بختاور کا دن منائیں جو زمینداروں کے استحصال کے خلاف لڑتی ہوئی سینے پر گولی کھا کر شہید ہوئی تھی۔
مزید دیکھیں' اسی جلد کا حصہ---- "اہم سیاسی شخصیات"---

12 جون---- روس اور پاکستان کے تعلقات مضبوط بنانے ماسکو جا رہا ہوں: لیاقت علی خان

پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان نے راولپنڈی میں صحافیوں سے گفتگو کے دوران کہا کہ وہ روس اور پاکستان کے تعلقات کو مضبوط بنانے کے لئے ماسکو جا رہے ہیں۔

12 جون---- پیرمانکی اور رلونڈ خوڑ پر بنوں میں داخلے پر پابندی

صوبہ سرحد کی انتظامیہ نے پیر مانکی شریف اور غلام محمد خان لونڈ خوڑ کے ضلع بنوں کی حدود میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔

13 جون---- فقیر اپی اور پاک فوج میں جھڑپ

وزیرستان کے پاکستانی علاقے میں قبائل کے حملے میں فقیر اپی کے ساتھیوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔

15 جون---- پیر زکوڑی گرفتار

پیر عبدالطیف آف زکوڑی شریف کو' صوبہ سرحد کی حکومت کی ہدایت پر فرنٹیر کرائمز ریگولیشن کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

15 جون---- سیکرٹری خارجہ واشنگٹن میں

15 جون کو پاکستان کے سیکرٹری وزارت خارجہ اکرام اللہ نے امریکی محکمہ خارجہ کے حکام سے ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں سے قبل امریکی محکمہ خارجہ نے اپنے مذاکراتی افسروں کے لئے جناب اکرام اللہ کا مندرجہ سوانحی خاکہ تیار کیا تھا "وہ نمایاں اہلیت اور معروضی نقطۂ نظر کے حامل سرکاری ملازم ہیں اور امریکی مبصرین نے انہیں ایسا شخص قرار دیا ہے جو معاملات طے کرنے میں معقول اور مصالحت پسند ہے---- اور امریکیوں کے متعلق دوستانہ رویہ رکھتا ہے"
امریکی خارجہ افسروں سے بات چیت کرتے ہوئے جناب اکرام اللہ نے پاک۔ سوویت تعلقات کو استوار کرنے کی کسی خواہش کا اظہار نا کیا' اس کے برعکس انہوں نے امریکیوں کو کیمونسٹ توسیع پسندی کے خطرات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا چین ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ برما نکلنے کو ہے اور یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ ہندوستان بھی کیمونسٹ ہو جائے گا۔ اگرچہ پاکستان میں بھی خطرہ موجود ہے لیکن زیادہ بڑا نہیں۔ جب ایک امریکی افسر نے سوال کیا کہ کیا آنے والے برسوں میں پاکستان میں سیاسی استحکام کی توقع کی جا سکتی ہے تو پاکستانی افسر نے اعتراف کیا کہ اگرچہ پاکستان کی واحد سیاسی جماعت مسلم لیگ کی مخالفت بڑھ رہی ہے لیکن چند ناگوار واقعات کو چھوڑ کر پاکستان میں داخلی سیاسی استحکام موجود رہے گا۔

(حوالہ: 41)

16-17 جون---- "نیا زمانہ" سے ضمانت کی طلبی

کیمونسٹ پارٹی آف پاکستان کے ترجمان "نیا زمانہ" (ایڈیٹر عبداللہ ملک) سے بعض مضامین کی اشاعت کے جرم میں تین ہزار روپے زرضمانت طلب کیا تھا۔ عبداللہ ملک نے لاہور ہائی کورٹ میں اس کے خلاف اپیل کر دی۔ عدالت نے ضمانت کی سزا کو منسوخ کرنے کا حکم سنایا۔

20 جون---- ہاری رپورٹ کے اختلافی نوٹ پر سے پابندی ختم

20 جون 1949ء کو حکومت نے ہاری رپورٹ پر ایم مسعود کھدر پوش کے مشہور اختلافی نوٹ پر سے پابندی ختم کر کے اس کی اشاعت کی اجازت دے دی۔

(حوالہ: 42)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک نوٹ---- ہاری رپورٹ---

22 جون---- مائی بختاور کی دوسری برسی

سندھ ہاری کمیٹی کے زیراہتمام سندھ کے کونے کونے میں مائی بختاور کی دوسری برسی منائی گئی۔ مائی بختاور اپنے گاؤں ڈینی سراسٹیٹ میں زمیندار چوہدری سیف اللہ کی طرف سے مسلح حملے کے جواب میں' اپنی فصلوں کی حفاظت کرتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بن گئی تھی۔
مزید دیکھیں اسی جلد کا ایک حصہ---- اہم سیاسی شخصیات---

23 جون---- عوامی مسلم لیگ کی تشکیل

مشرقی پاکستان میں' تقسیم سے قبل ہی مسلم لیگی وزارت قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ تقسیم کے بعد بھی وہی واحد سرگرم سیاسی جماعت نظر آتی تھی۔ لیکن جلد ہی مسلم لیگی کارکنوں اور مسلم لیگی ارباب اقتدار کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ 1947ء کے اواخر تک سلہٹ کے ریفرنڈم میں

مسلم لیگ کو فتح سے ہمکنار کرنے والے آسام مسلم لیگ کے صدر مولانا بھاشانی مشرقی پاکستان آ چکے تھے۔ 1948ء میں لسانی مسئلے نے صوبے میں سیاسی ہلچل پیدا کر دی۔ جنوری 1949ء میں مولانا بھاشانی نے مسلم لیگی طالب علموں اور کارکنوں کو ایک پیغام بھیجا کہ وہ ایک نئی سیاسی جماعت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگی طلباء دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک کا تعلق خواجہ ناظم الدین اور حکومت سے تھا اور دوسرا گروپ سہروردی کا حامی تھا۔

23 جون کو مولانا بھاشانی نے مسلم لیگیوں کا ایک کنونشن بلایا۔ جس کا مقصد ایک نئی سیاسی جماعت کا قیام تھا۔ کنونشن کے دو اہم مطالبے تھے۔ زمینداری کا خاتمہ اور شہری حقوق کی بحالی۔ کنونشن سے تین دن پہلے شیخ مجیب کو چھوڑ کر باقی تمام طلباء جیل سے رہا کر دیئے گئے۔ کنونشن میں عوامی مسلم لیگ کا قیام عمل میں آ گیا۔ جو گروہ غیر فرقہ وارانہ اصولوں پر زیادہ زور دیتا تھا وہ چاہتا تھا کہ جماعت کا نام صرف عوامی لیگ ہو۔ جب مولانا بھاشانی نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو وہ گروہ الگ ہو گیا۔

مولانا بھاشانی جماعت کے صدر منتخب ہوئے اور شمس الحق جنرل سیکرٹری۔ شیخ مجیب الرحمان اس نئی سیاسی تنظیم کے جوائنٹ سیکرٹری چنے گئے۔ عطاالرحمان خان اور عبدالسلام خان نائب صدر منتخب ہوئے جبکہ یار محمد خان کو اس کا خزانچی چنا گیا۔

(حوالہ: 43)

30 جون--- ڈیورنڈ لائن تسلیم شدہ بین الاقوامی سرحد ہے: برطانیہ

حکومت برطانیہ کے تعلقات' دولت مشترکہ کے محکمے کے سیکرٹری فلپ نوئل بیکر نے دعویٰ کیا کہ ڈیورنڈ لائن افغانستان اور پاکستان کے درمیان تسلیم شدہ بین الاقوامی سرحد ہے۔ برطانوی حکومت اس موقف کی حامی ہے کہ قبائلی علاقوں کے معاملے میں بین الاقوامی قانون کی رو سے' پاکستان ہی برطانوی ہند اور ملک معظم کے حقوق کا وارث ہے۔ مسٹر بیکر نے یقین ظاہر کیا کہ دونوں ملکوں کے تنازعات پرامن گفت و شنید سے حل ہو سکتے ہیں۔

جولائی 1949ء

6 جولائی--- سرحد کا انگریز گورنر مستعفی

صوبہ سرحد کے انگریز گورنر ڈنڈاس نے استعفے دے دیا جسے گورنر جنرل نے 6 جولائی سے منظور کر لیا۔

11 جولائی--- پنجاب کا انگریز گورنر بھی مستعفی

پنجاب کا انگریز گورنر بھی سر فرانسس موڈی بھی مستعفی ہو گیا۔ پنجاب کے سیاسی اور عوامی حلقوں میں ایک مدت سے' اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ گورنر جنرل نے استعفیٰ منظور کر لیا۔

12 جولائی--- اخبارات سندھی مہاجر تعلقات خوشگوار بنانے میں مدد دیں

اطلاعات و نشریات اور داخلہ امور کے مرکزی وزیر خواجہ شہاب الدین نے اردو اور سندھی کے صحافیوں سے کہا کہ وہ صوبے کے قدیم سندھی باشندوں اور مہاجر عوام کے درمیان تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے کام کریں۔ تاکہ مہاجرین احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔

14 جولائی--- اسکندر مرزا کا فوجی مشن

جون میں برطانیہ اور امریکہ کے لئے روانہ ہونے والے پاکستان کے فوجی مشن نے 14 جولائی کو امریکی محکمہ دفاع اور خارجہ کے نمائندوں سے مذاکرات کئے۔ اسکندر مرزا نے کہا کہ ان کے مشن کا بنیادی مقصد پاکستان کے لئے فوجی سپلائز کا ایک یقینی وسیلہ--- امریکہ--- حاصل کرنا ہے۔ رسمی اجلاس کے خاتمے کے بعد اسکندر مرزا نے امریکی نمائندوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ کشمیر کے جھگڑے میں پاکستان کا رویہ بدستور منصفانہ اور معقول رہے گا۔ انہوں نے اس توقع کا اظہار بھی کیا کہ فوجی امداد کے لئے پاکستان کی درخواست پر غور کرتے ہوئے کشمیر کا مسئلہ پہلے کی طرح امریکہ کے فیصلے پر اثر انداز نہ ہو گا۔ پاکستان کی خواہش یہ تھی کہ رائے شماری کے ناظم ایڈمرل نمٹز جس قدر جلد ممکن ہو کشمیر جائیں جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے وہ ایڈمرل کے کئے ہوئے ہر فیصلے کی پابندی کرے گا۔ چاہے وہ پاکستان کی خواہش کے مطابق نہ ہی ہو۔

(حوالہ: 44)

23 جولائی--- سردار نشتر' گورنر پنجاب ہو گئے

مرکزی وزیر مواصلات سردار عبدالرب نشتر نے اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد مغربی پنجاب کے گورنر کے عہدے کا حلف اٹھا لیا۔

24 جولائی--- روسی تجارتی وفد کی پاکستان آمد

وزیراعظم پاکستان کے دورۂ روس کی دعوت کے بعد' پاکستان اور روس کے درمیان تجارت کو فروغ دینے کے سلسلے میں سوویت یونین کا تجارتی وفد پاکستان پہنچا۔

اگست 1949ء

8 اگست۔۔۔ ایوب کھوڑو تمام الزامات سے بری

سندھ چیف کورٹ کی طرف سے محمد ایوب کھوڑو کو تمام الزامات سے بری کر دیا گیا۔

13 اگست۔۔۔ سیفٹی ایکٹ کی میعاد میں توسیع

گورنر پنجاب سر عبدالرب نشتر نے سیفٹی ایکٹ کی میعاد مکمل ہونے پر اسے دوبارہ نافذ کر دیا۔

ستمبر 1949ء

یکم ستمبر۔ پاک۔ جاپان سفارتی تعلقات

جاپان نے پاکستان کے ساتھ سفارتی تعلقات کا آغاز کرتے ہوئے پاکستان میں اپنا سفارت خانہ کھولنے کا اعلان کیا۔

ستمبر۔ دورۂ ماسکو کی دعوت۔ اصفہانی بنام لیاقت

جب تک ماسکو نے لیاقت علی کو روس کا دورہ کرنے کی دعوت نہیں دی تھی' امریکی' پاکستانیوں کے ساتھ کچھ کم ہی التفات برت رہے تھے۔ سی دعوت کے قبول کر لئے جانے کے بعد امریکی حکام کے لئے پاکستانی کار یکایک اہم ہو گئے تھے۔ اس کا اندازہ وزیراعظم پاکستان کے نام پاکستانی سفیر اصفہانی کے ایک مکتوب سے ہوتا ہے۔ سفیر نے لکھا:

نے ماسکو کے دورے کی دعوت قبول کر کے حکمت عملی کا پیش کیا ہے۔ چند ماہ پہلے تک ہم لوگ (امریکی) محکمہ خارجہ ے درجے کے حکام سے چند میٹھے بولوں کے سوا اور کچھ حاصل ل نہ تھے۔ ہمیں تو بس اچھے لونڈوں کی حیثیت سے قبول ے لڑکے جو نہ تو کمیونزم کی طرف آنکھ اٹھائیں گے اور کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلیں گے--- ہمارے ملک کو ل سمجھا ہی نہ جاتا تھا۔ دوسری طرف امریکی حکومت یادہ توجہ دیتی تھی۔ بھارت کو خوش کرنے کی خاطر وہ و تیار تھی-- لیکن آپ کی طرف سے ماسکو کو دعوت ے بعد پاکستان راتوں رات امریکی حکومت کی نظروں میں اہم ۔ اب وہ یہ اثر زائل کرنے کی ہرممکن کوشش کر رہی ہے کہ رت کے معاملے میں جانبدار ہے--- ہمارے شبہات دور کرنے ں یہ جتلانے کی کوششیں بھی کی جا رہی ہیں کہ ہمارے ساتھ سلوک کیا جائے گا اور وہ توجہ دی جائے گی جس کے ہم مستحق (حوالہ:)

11 ستمبر۔ مشرقی پاکستان میں بھوک مارچ

مشرقی بنگال کی اس سال کی سب سے اہم سرگرمی کا آغاز 11 ستمبر کو ہوا۔ اس دن عوامی مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک "بھوک مارچ" ہوا اور حکومت نے مولانا بھاشانی' شمس الحق اور مجیب الرحمان کو گرفتار کر لیا۔ ان کے علاوہ آٹھ اور افراد کی گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں۔ مجیب الرحمان چند ہی روز پہلے جیل سے رہا ہوئے تھے اور شمس الحق نے صرف ایک ہفتہ پہلے شادی کی تھی۔ شمس الحق پر اتنا تشدد ہوا کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے اور بعد ازاں کئی برس انہوں نے لاہور کے پاگل خانے میں گزارے۔ (حوالہ: 46)

12 ستمبر۔ سر ظفراللہ واشنگٹن میں

ستمبر کے دوسرے ہفتے پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان واشنگٹن پہنچے۔ ان سے ملاقات کے بعد نائب وزیر خارجہ میکی نے وزیر خارجہ کے نام اپنے مراسلے میں لکھا:

"کئی معاملات میں پاکستان کے ساتھ ہمارے روابط حال ہی میں نازک مرحلے میں داخل ہوئے ہیں۔ حکومت پاکستان کا احساس اور خوف یہ ہے کہ امریکہ بھارت کی طرف زیادہ سے زیادہ جھک رہا ہے اور یوں پاکستان کو خفیہ ہندو سازش کے مقابلے میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس قسم کے خوف کے نتیجے میں حال ہی میں پاکستان میں مغرب سے رخ موڑنے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ اس کی ایک شہادت یہ ہے کہ اس کے وزیراعظم نے ماسکو کا دورہ کرنے کی دعوت قبول کر لی ہے۔ اس کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ماسکو کی دعوت کو پاکستان کے عوام کی وسیع تر تائید حاصل ہوئی ہے اور پاکستانی پریس میں مغرب کے خلاف جذبات ابھرنے لگے ہیں۔ سر ظفراللہ خان کے ساتھ ایک گفتگو حکومت پاکستان کو یہ یقین دلانے میں بہت مددگار ہو سکتی ہے کہ اس کے مسائل میں ہماری ہمدردانہ دلچسپی کم نہیں ہوئی۔"

محکمہ خارجہ کے ڈپٹی انڈر سیکرٹری ڈین رسک نے اس سفارش سے اتفاق کرتے ہوئے پاکستانی وزیر خارجہ کے بارے میں لکھا:

"وہ پاکستان کے قابل ترین مسلمانوں میں سے ایک ہیں۔ نسلی مسائل پر بہت حساس ہیں۔ امریکہ کے بارے میں دوستانہ اور معروضی رویہ رکھتے ہیں لیکن امریکہ کی فلسطین کے بارے میں پالیسی کی شدید مخالفت کر چکے ہیں۔ انگریز ان پر ہمیشہ اعتماد کرتے رہے ہیں" (حوالہ: 47)

14 ستمبر۔ غلام محمد بھی امریکی دورے پر

جون سے پاکستان کے کئی حکام اور اعلیٰ افسر یکے بعد دیگرے امریکہ کے سامنے پاکستان کا کیس پیش کرنے کے لئے امریکہ آ رہے تھے۔ 14 ستمبر کو پاکستانی وزیر خزانہ واشنگٹن میں میکی سے ملاقات کر رہے تھے۔ غلام محمد نے کہا کہ پاکستان' وزیراعظم لیاقت علی خان کو امریکہ کے دورے کی دعوت کا خیر مقدم کرے گا۔ میکی نے جواب دیا کہ دونوں ملکوں کے لئے مناسب وقت پر امریکہ وزیراعظم لیاقت علی خان کا استقبال کرنے میں خوشی محسوس کرے گا۔ اس سلسلے میں جب تک تاریخ طے نہ ہو جائے اس وقت تک وزیراعظم کو دعوت دینے میں امریکی حکومت کی رضامندی

کو خفیہ رکھا جائے۔ اس پر غلام محمد نے فوراً کہا کہ وزیراعظم نے انہیں دعوت قبول کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ (حوالہ: 38)

16 ستمبر۔ کھوڑو سندھ مسلم لیگ کے صدر چن لئے گئے

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ چیف کورٹ میں تمام الزامات سے بری ہونے کے بعد سندھ مسلم لیگ کے صدر منتخب کر لئے گئے۔

18 ستمبر۔ وزیراعظم 2 نومبر کو ماسکو جائیں گے

حکومت پاکستان کی ایک سرکاری اطلاع کے مطابق' وزیراعظم لیاقت علی خان کی 2 نومبر کو ماسکو روانگی کا اعلان کیا گیا۔

23 ستمبر۔ پاکستان اپنے سکّے کی قیمت نہیں گھٹائے گا

پاکستان نے اپنے سکے کی قیمت نہ گھٹانے کا اعلان کیا۔

اکتوبر 1949ء

یکم اکتوبر۔ عوامی جمہوریہ چین کا اعلانِ آزادی

یکم اکتوبر کو چین مغربی طاقتوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس نے اپنے عوامی جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ حکومت پاکستان نے اگلے سال 4 جنوری کو اسے تسلیم کر لیا۔

7 اکتوبر۔ صحافیوں کی گرفتاری

کراچی میں پندرہ ممتاز صحافی گرفتار کر لئے گئے جس کے خلاف ملک بھر کے صحافیوں' خوش نویسوں اور مزدوروں نے احتجاجی مظاہرے کئے۔ پنجاب کے صحافیوں نے اخباروں کی ہڑتال کے فیصلے کی تائید کر دی۔ 11 اکتوبر کو ملک بھر میں اخبارات نے ہڑتال کی۔ ڈھاکہ میں صحافیوں پر لاٹھی چارج کیا گیا۔

11-18 اکتوبر۔ نئے سیفٹی ایکٹ کا نفاذ

مرکزی حکومت نے نیا سیفٹی ایکٹ نافذ کر دیا۔ مغربی پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی سے منتخب ہونے والے دستور ساز اسمبلی کے ارکان نے سیفٹی ایکٹ کے نفاذ کے خلاف احتجاج کیا۔

16 اکتوبر۔ روس کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کئے جائیں: فیض

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی جنرل کونسل کے اجلاس میں پاکستان کی حکومت سے' سرمایہ دار ملکوں کی بجائے روس کے ساتھ تجارتی تعلقات مضبوط بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔ جنرل کونسل کے اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اگلے ماہ چینی دارالحکومت پیکنگ میں منعقد ہونے والی ایشیائک ٹریڈ یونین کانفرنس میں فیض احمد فیض' مرزا ابراہیم' سلطان احمد' کامریڈ غلام محمد اور سوبھو گیانچندانی شرکت کریں گے۔

17 اکتوبر۔ روزنامہ "احسان" سے ضمانت کی طلبی

روزنامہ "احسان" میں شیخ مجید افضل پراچہ کے خلاف شیخ محمد رشید کے قابل اعتراض مضمون کی اشاعت پر لاہور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے روزنامہ "احسان" کے مدیر ابو سعید بزمی اور مالک ملک نور الٰہی سے 500/= روپے کی ضمانت طلب کر لی۔

22 اکتوبر۔ ایس پی سنگھا کا انتقال

پاکستان عیسائی لیگ کے صدر ایس۔ پی۔ سنگھا کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔

25 اکتوبر۔ پبلک سیفٹی آرڈیننس کے نفاذ پر تشویش

پاکستانی اخباروں کے مدیران کی کانفرنس کی مجلس قائمہ نے پاکستان پبلک سیفٹی آرڈیننس کے نفاذ پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس آرڈیننس کی جن دفعات کا تعلق پریس سے ہے ان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کے غلط استعمال کا بھی امکان ہے۔ (حوالہ: 49)

21 اکتوبر۔ دورۂ ماسکو کے خلاف برطانوی دباؤ

گذشتہ کچھ عرصہ سے برطانوی حکام' پاکستانی نمائندوں کو اس بات کے اشارے دے رہے تھے کہ وہ لیاقت علی خان کے دورۂ ماسکو کے امکان سے خوش نہیں ہیں۔ 27 اکتوبر 1949ء کو برطانوی ہائی کمشنر نے وزیراعظم لیاقت علی خان کو یہ اطلاع پہنچائی کہ اگر انہوں نے ماسکو کا دورہ کیا تو ماسکو میں برطانوی سفیران سے "وہ التفات نہ برت سکیں گے جس کے وہ مستحق ہیں۔" کراچی میں برطانوی اور امریکی سفارت کار جانتے تھے کہ لیاقت علی کے قریب' کوئی بھی بااثر شخصیت اپنے وزیراعظم کے دورۂ ماسکو کے حق میں نہیں تھی۔ جی ڈبلیو چوہدری کے لفظوں میں "ظفراللہ خاں اس بااثر ٹولے کے خیالات کی عکاسی کرتے تھے جس میں وزیر خزانہ غلام محمد --- سیکرٹری خارجہ اکرام اللہ اور بعض دوسرے اعلیٰ سرکاری حکام شامل تھے۔ کریملن کے ارادوں اور محرکات سے خائف یہ گروہ ماسکو

کی طرف اٹھنے والے ہر قدم کو سبوتاژ کرنا چاہتا تھا۔ وینکٹسے رامانی اس میں ایک نام--- اسکندر مرزا--- کا اضافہ کرتے ہیں۔ (حوالہ: 50)

28 اکتوبر۔ پبلک سیفٹی آرڈیننس عوام کی خودداری کو چیلنج ہے: سہروردی

پاکستان میں اپوزیشن کے رہنما، حسین شہید سہروردی نے اپنے بیان میں، پبلک سیفٹی آرڈیننس کو عوام کی خودداری کے لئے کھلا چیلنج قرار دیا۔

30 اکتوبر۔ سوویت یونین میں پہلا پاکستانی سفیر

شعیب قریشی کو سوویت یونین میں پاکستان کا پہلا سفیر مقرر کیا گیا۔ نامزد سفیر نے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی مضبوطی کے لئے بھرپور کوششیں کرنے کا یقین دلایا۔

نومبر 1949ء

7 نومبر۔ سوویت یونین سے دوستانہ تعلقات بڑھائے جائیں گے: پاکستانی سفیر

سوویت یونین کے لئے پاکستان کے نامزد سفیر شعیب قریشی نے دارالحکومت میں ایک بیان میں کہا کہ پاکستان تمام ممالک، خصوصاً سوویت یونین سے تعلقات بڑھانے کا حامی ہے۔

7 نومبر۔ سندھ وزارت کی تبدیلی

گورنر سندھ کے اعلان کے مطابق صوبے کی وزارت تبدیل کر دی گئی۔ وزیر اعلیٰ یوسف ہارون نے نئی وزارت تشکیل دی جس میں میر غلام علی تالپور، سید میراں محمد شاہ، رحیم بخش سومرو اور مولا بخش سومرو شامل تھے۔

9 نومبر۔ پاکستان، روس کی دعوت مسترد کرتا ہے

9 نومبر کو پاکستانی حکام نے یونائیٹڈ پریس کے نمائندے کو بتایا کہ وزیراعظم لیاقت علی خان کا دورۂ ماسکو ملتوی کر دیا گیا ہے۔ نمائندے کو بتایا گیا کہ خبر صرف بیرون ملک اشاعت کے لئے ہے۔

11-13 نومبر۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس

انجمن ترقی پسند مصنفین کی کل پاکستان کانفرنس 11 تا 13 نومبر 1949ء کو لاہور میں منعقد ہوئی تھی جس میں پاکستان بھر کے ادیبوں کے علاوہ سوویت ادیبوں کا ایک وفد بھی، ایک دن کی تاخیر سے شامل ہوا۔ کانفرنس کے انعقاد سے قبل ہی اسے ناکام بنانے کی منظم کوششوں کا آغاز ہو گیا۔ مخالفین میں ہفت روزہ "چٹان" کے ایڈیٹر آغا شورش کاشمیری اور روزنامہ "احسان" پیش پیش تھے۔ ترقی پسند ادیبوں پر پاکستان دشمنی اور اسلام دشمنی کی تہمت لگائی گئی۔ بعض مولویوں نے ترقی پسند ادیبوں کے خلاف کفر و الحاد کے فتوے بھی شائع کئے۔ کانفرنس کے انعقاد کو قانونی طور پر روکنے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ کانفرنس کے دوران اس کے جلسوں کو درہم برہم کرنے اور مندوبین اور رضاکاروں پر مسلح حملے کرنے کے واقعات بھی رونما ہوئے۔

مولانا چراغ حسن حسرت نے افتتاحی خطبہ پڑھا جس میں انہوں نے کہا: "آج آپ لوگوں کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ادب اور شاعری خواص کا کھلونا بن کر نہ رہ جائے۔ آرٹ پر ایک طبقہ قبضہ کر کے نہ بیٹھ جائے.... وقت کا یہ تقاضہ ہے کہ آپ کے نغموں میں زیادہ بلند آہنگی اور سرمستی پیدا ہو جائے...." کانفرنس میں سجاد ظہیر، جاں نثار اختر، ہاورڈ فاسٹ، جان لوئس اور ڈی برنال کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

کانفرنس میں سو سے زیادہ مندوبین نے شرکت کی۔ اردو، سندھی، پنجابی، بلوچی اور پشتو قلم کاروں کے ساتھ ساتھ، سندھی عوامی تھیٹر، پشتون رقاص اور کسانوں کے تہذیبی دستے بھی شریک ہوئے۔

کانفرنس نے متعدد قراردادیں منظور کیں۔ انہوں نے امن اور جنگ کے بارے میں اپنے واضح خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے پاکستان میں پبلک سیفٹی آرڈیننس اور پبلک سیفٹی ایکٹوں کی مذمت کی۔ انہوں نے رجعت پسند ادیبوں اور ان کے جرائد کے بائیکاٹ، زبان کے مسئلے اور ادیبوں کے حقوق کے مسئلے کے بارے میں اہم تجاویز پیش کیں۔ کانفرنس علانیہ جانبداری کا ایک غیر مبہم اظہار تھی۔

ترقی پسند مصنفین کی کل پاکستان کانفرنس نے جو منشور پیش کیا اس میں پاکستان کی معاشی، سماجی اور سیاسی ابتری کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ ملکی معیشت کو اینگلو امریکی سامراج کا پابند کر دیا گیا ہے، جاگیرداری کا غلبہ قائم ہے۔ زندگی کی تمام اعلیٰ قدریں آرٹ، ادب، حسن و محبت، اخلاق و مروت اور انسانیت بازاری جنس بن گئی ہیں۔ معاشی زوال اور تہذیبی انحطاط کے اس عالم میں ادب دو دھڑوں میں بٹ گیا ہے۔ ایک دھڑا سچی آزادی، امن، جمہوریت اور اشتراکیت کے لئے جدوجہد کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے تو دوسرا حکمران طبقے کے اغراض و مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان کے درمیان ایک تیسرا ادبی گروہ بھی ہے جو غیر جانبداری کا دعویٰ کرتا ہے لیکن یہ غیر جانبداری صاف دھوکہ ہے۔ رجعت پسند ادبی گروہوں میں ادب برائے ادب، پاکستانی ادب، اسلامی ادب اور فحاشی و

عریانی سے عبارت انفرادیت پرست ادب کے نعرے عام ہیں۔ ان سب کے برعکس ترقی پسند ادب زندگی کا آئینہ ہی نہیں بلکہ اسے بدلنے اور بہتر بنانے کا وسیلہ بھی ہے۔ منشور کی آخری سطروں میں کہا گیا کہ جو شخص انسان سے محبت نہیں کر سکتا۔ وہ آرٹ سے بھی محبت نہیں کر سکتا.... اس کانفرنس نے ادب برائے زندگی سے آگے بڑھ کر ادب برائے انقلاب کا نعرہ دیا۔

(حوالے: 51' 52)

15 نومبر۔ چوہدری خلیق الزمان کا "اسلامستان"

15 نومبر کے "ڈان" نے اطلاع دی کہ پاکستان مسلم لیگ کے صدر چوہدری خلیق الزمان' حال ہی میں اسلامی ملکوں کے گیارہ ہفتوں کے دورے سے لوٹے ہیں۔ وہ وہاں اپنی "اسلامستان" کی سکیم کے سلسلے میں گئے تھے۔ اخبار نے اطلاع دی کہ ان کی واپسی پر اس وقت اس سکیم پر تنقید شروع ہو گئی۔ جب انہوں نے بتایا کہ انہوں نے برطانوی حکومت کے دولت مشترکہ کے تعلقات کے محکمے اور محکمہ خارجہ سے ایک "سیکورٹی پیکٹ" کے سلسلے میں بات چیت کی ہے۔ (حوالہ: 53)

23 نومبر۔ لیاقت علی کو دورۂ امریکہ کی دعوت

23 نومبر کو امریکی صدر نے لیاقت علی کے نام ایک دعوت نامے پر دستخط کئے اس میں لکھا تھا:

"ہمارے دونوں ملکوں کے بہت سے مفادات اور عالمی امن کے لئے ہماری مشترکہ کاوشوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے محکمہ خارجہ کے اسسٹنٹ سیکرٹری جناب سی۔ میگی سے کہا ہے کہ وہ اس حکومت کی طرف سے آپ کو اور بیگم لیاقت علی خان کو امریکہ کا دورہ کرنے کی انتہائی پرتپاک دعوت پہنچا دیں۔

"امریکی عوام تحسین و دلچسپی کے ساتھ پاکستان کی ترقی میں پیش قدمی کا جائزہ لیتے رہے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کے عظیم ملک کے بارے میں مزید جاننے کے موقع کا خیر مقدم کریں گے۔ دوسری باتوں کے علاوہ مجھے امید ہے کہ بیگم لیاقت علی خان امریکی خواتین کے گروپوں کو پاکستانی خواتین اور بچوں کے بارے میں اپنی جامع سرگرمیوں سے آگاہ کریں گی۔" (حوالہ: 54)

25 نومبر۔ اسلامی ملکوں کی اقتصادی کانفرنس

ترکی' مصر' شام' سعودی عرب' ایران' عراق' افغانستان' مسقط' الجزائر' تیونس' مراکش' لیبیا اور کشمیر وغیرہ پر مشتمل 16 اسلامی ملکوں کی اقتصادی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے وزیراعظم لیاقت علی خان نے بتایا کہ موجودہ عہد میں اسلام ہی بنی نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل ہے۔ کانفرنس نے فیڈریشن آف اسلامک چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں اسے ایک مستقل ادارہ کی حیثیت دے دی گئی۔

26 نومبر۔ سرحد میں "عوامی مسلم لیگ" کا قیام

مشرقی بنگال کے بعد سرحد' دوسرا صوبہ تھا جہاں نومبر 50ء میں "عوامی مسلم لیگ" کے نام سے ایک نئی جماعت وجود میں آ گئی۔ صوبہ سرحد کے ممتاز مسلم لیگیوں نے جو قیوم خان کی آمرانہ پالیسیوں سے نالاں تھے' اپنا کنونشن بلا کر تنظیمی کام کا آغاز کر دیا۔ اس کے مرکزی روح رواں پیر صاحب مانکی شریف تھے جبکہ ان کے ساتھ پیر صاحب زکوڑی شریف' ارباب عبدالغفور خان' غلام محمد لوند خوڑ' اسد اللہ جان' تاج علی خان' قاضی شفیع الدین' محمد آصف خان' مولانا شاکر اللہ' میاں محمد شاہ' ارباب عطا اللہ خان' نثار محمد خان' محمد سرفراز خان' میاں مشرف شاہ' قاضی محمد اسلم' میاں عبدالخالق میاں جی' حاجی فقیرا خان' عبدالقیوم سواتی' فضل حق شیدا اور کئی دوسرے نئی جماعت میں شامل تھے۔ یہ تنظیم بعد ازاں مشرقی پاکستان کی عوامی مسلم لیگ اور پنجاب میں ممدوٹ کی جناح مسلم لیگ کے ساتھ "آل پاکستان جناح عوامی مسلم لیگ" میں مدغم ہو گئی۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ -- سیاسی جماعتیں' آل پاکستان جناح عوامی مسلم لیگ' جناح مسلم لیگ' عوامی مسلم لیگ۔

دسمبر 1949ء

11 دسمبر۔ باری علیگ کا انتقال ہو گیا

معروف تاریخ دان اور اشتراکی ادیب باری کا انتقال ہو گیا۔ وہ کئی اہم کتابوں کے مصنف تھے جن میں "کمپنی کی حکومت" کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ اشتراکی فکر و فلسفے اور مارکس کی تعلیمات پر ان کی متعدد چھوٹی بڑی کتابیں آج بھی توجہ اور دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں ان کا تعلق فیصل آباد سے تھا۔

13 دسمبر۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کا انتقال

علامہ شبیر احمد عثمانی جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں آئین سازی کے سلسلے میں کافی تگ و دو کر رہے تھے اور جنہوں نے اسلام کی بنیاد پر قرار داد مقاصد کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ 13 دسمبر کی صبح اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ ان دنوں وہ تعلیمی اصلاحات کے

سلسلے میں بھاولپور آئے ہوئے تھے۔ ان کا جنازہ کراچی لے جایا گیا اور وہیں دفن ہوا۔

13 دسمبر۔ فضائی حادثے میں دو پاکستانی جرنیل ہلاک

پاکستانی مسلح افواج کو آغاز میں ہی اپنے دو بہترین اور تجربہ کار اعلیٰ افسروں سے محروم ہونا پڑا۔ جنرل افتخار خان اور بریگیڈیئر شیر خان دسمبر میں جنگ شاہی کے قریب ایک فضائی حادثے میں انتقال کر گئے۔ جنرل افتخار' چند ماہ قابل جولائی میں اسکندر مرزا کے ساتھ ایک فوجی مشن میں امریکہ کا دورہ کر چکے تھے۔ امریکی فوجی اتاشی نے انہیں ممتاز لیڈر قرار دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جنرل افتخار ہی کو کمانڈر انچیف مقرر کیا جائے گا۔ ان کے بعد شیر خان آتے تھے جو "طارق" کے مشہور نام سے کشمیر کی جنگ آزادی میں شریک رہے تھے اور انہیں ایک ہیرو کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ امریکی فوجی اتاشی نے انہیں "بہترین ذہن" اور متوازن شخصیت کا حامل قرار دیا تھا۔ ان کی اچانک موت سے ایوب خان کے لئے پاکستان کا پہلا مسلمان کمانڈر انچیف بننے کا راستہ صاف ہو گیا۔ میجر جنرل نوابزادہ شیر علی خان کا کہنا ہے کہ "اگر افتی (جنرل افتخار خان) کمانڈر انچیف ہوتے تو پاکستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ وہ سیاسی مقاصد کے لئے فوج کے استعمال کی کبھی اجازت نہ دیتے اور نہ ہی بطور کمانڈر انچیف اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر فوج کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔" ایوب خان کی رائے کے مطابق "وہ بہت اچھے افسر تھے۔ ان کے ساتھ لوگوں کی کم بنتی تھی اور پھر انہیں غصہ بھی جلد آ جایا کرتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں کمانڈر انچیف کی حیثیت سے کس حد تک کامیابی حاصل ہوتی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہیں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔" (حوالے: 55' 56' 57)

17 دسمبر۔ پاک' جرمن تجارتی معاہدہ

مغربی جرمنی اور پاکستان نے فرینکفرٹ میں ایک تجارتی معاہدے پر دستخط کئے۔

19 دسمبر۔ سندھ پبلک سیفٹی ایکٹ کی میعاد نہ بڑھائی جائے

سندھ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے صوبائی حکومت سے سندھ پبلک سیفٹی ایکٹ کی میعاد میں توسیع نہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کی پہلی میعاد 17 مارچ 1950ء کو ختم ہونے والی تھی۔

20 دسمبر۔ سیفٹی ایکٹ کی مذمت

راولپنڈی میں' مزدوروں کے ایک اجتماع نے پبلک سیفٹی ایکٹ کی مذمت کی۔

22 دسمبر۔ ممبران اسمبلی کا حلف

اے کے فضل الحق' حمید الحق چوہدری' مشهود الحق اور سید ابو البشر محمود حسین نے دستور ساز اسمبلی میں اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا۔ اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئی۔

27 دسمبر۔ مسلم لیگی ارکان پر دوسری تنظیموں میں شمولیت پر پابندی

پاکستان مسلم لیگ' جو تیزی سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے مزید انتشار سے بچانے کے لئے دسمبر 49ء میں پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے ارکان پر پابندی عائد کر دی کہ وہ مسلم لیگ کے رکن ہوتے ہوئے مندرجہ ذیل دوسری انیس سیاسی تنظیموں کے رکن نہیں بن سکتے۔

(1) جماعت اسلامی (2) مسلم لیگ' پروگریسو گروپ (3) مسلم لیگ پروگریسو فرنٹ (4) انجمن ہائے مہاجرین (5) مسلم لیگ جناح گروپ (6) زمیندارہ مسلم لیگ (7) زمیندارہ لیگ پنجاب (8) اسلام لیگ (9) مسلم لیگ خلافت پاکستان گروپ (10) ہری سری پارٹی (11) کانگریس پارٹی (12) عوامی مسلم لیگ (13) کیمونسٹ پارٹی (14) سرخپوش تحریک (15) سوشلسٹ پارٹی (16) بلوچستان قبائلی فیڈریشن (17) انجمن وطن بلوچستان (18) نیشنل پارٹی بلوچستان (19) سندھ ہاری کمیٹی۔ (حوالہ: 58)

27 دسمبر۔ پاکستان' چیکوسلواکیہ تجارتی معاہدہ

پاکستان اور چیکوسلواکیہ نے ایک تجارتی معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

27 دسمبر۔ پاکستان نے انڈونیشیا کو تسلیم کر لیا

پاکستان کی حکومت نے جمہوریہ انڈونیشیا کو تسلیم کر لیا۔ گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے دونوں ملکوں کے صدیوں پرانے مذہبی اور نظریاتی تعلقات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ اعلان کیا۔

28 دسمبر۔ بریگیڈیئر اعظم خان میجر جنرل بن گئے

پاکستان کی بری فوج کے بریگیڈیئر اعظم خان کو میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔

30 دسمبر۔ دستور ساز اسمبلی کے قواعد کا ترمیمی بل منظور

دستور ساز اسمبلی نے اسمبلی کے قواعد میں ترمیم منظور کر لی۔ اس

اجلاس میں وزیراعظم نے دستور ساز اسمبلی میں ریاستوں کے نمائندوں کی شمولیت کے لئے تشکیل کردہ کمیٹی کی عبوری رپورٹ بھی پیش کی۔ اسمبلی میں نشستوں کی تعداد میں اضافے اور ردوبدل کا ترمیمی بل بھی منظور کر لیا گیا۔

جنوری 1950ء

4 جنوری۔ پاکستان نے چین کی جمہوری حکومت کو تسلیم کرلیا

حکومت پاکستان نے چین کی عوامی جمہوری حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اس کا اعلان ماسکو میں متعین پاکستان کے سفیر شعیب قریشی نے کیا۔

6 جنوری۔ مغربی پنجاب کا سرکاری نام پنجاب ہو گا

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں وزیراعظم لیاقت علی خان نے ایک بل پیش کیا جس میں مغربی پنجاب کو آئندہ سرکاری طور پر "پنجاب" کہنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ تحریک کو بغیر بحث کے منظور کر لیا گیا۔ اسی روز بہاولپور' خیرپور اور بلوچستان کے لئے دستور ساز اسمبلی میں نشستوں کا تعین بھی کیا گیا۔ (حوالہ: 59)

7 جنوری۔ پاکستان نے میکناٹن کی تجاویز میں ہندوستانی ترمیمیں رد کردیں

کشمیر کے بارے میں سلامتی کونسل کے سابق صدر میکناٹن کی تجویزوں میں ہندوستان نے یہ ترمیمیں پیش کی تھیں کہ آزاد فوجوں کو ختم کر دیا جائے اور شمالی علاقہ جات میں بھارتی فوجیں متعین کی جائیں۔ پاکستان نے ان ترمیموں کو رد کر دیا۔

8 جنوری۔ صنعتی دفاع' ملکی دفاع کا اہم جزو ہے

کوہ نور ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح کرتے ہوئے گورنر پنجاب سر عبدالرب نشتر نے کہا کہ صنعتی دفاع' ملکی دفاع کا اہم جزو ہے اور عوام کو' صنعتی ترقی میں حکومت کی مدد کرنی چاہئے۔

16 جنوری۔ منٹو فحاشی کے الزام میں قید

عظیم افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کو ان کے ایک افسانے پر فحش نگاری کے الزام میں تین ماہ قید بامشقت اور تین سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی۔

18 جنوری۔ پاکستان جہنم ہے: سردار شوکت حیات

مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی سے علیحدہ کئے جانے پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے سردار شوکت حیات نے کہا کہ پاکستان جہنم بن گیا ہے۔

18 جنوری۔ ریاستی نمائندوں نے اسمبلی میں حلف اٹھایا

ریاست بہاولپور اور خیرپور کی اسمبلیوں سے منتخب دستور ساز اسمبلی کے ایک ایک نمائندے مولوی فضل حسین (بہاولپور) اور ممتاز حسن قزلباش (خیرپور) نے حلف اٹھایا۔ اسمبلی کے اجلاس میں تین بل بھی منظور کئے گئے۔ (حوالہ: 60)

21 جنوری۔ انجمن ترقی پسند مصنفین سیاسی جماعت ہے: حکومت پاکستان

حکومت پاکستان نے اپنے ایک اعلان میں کہا کہ انجمن ترقی پسند مصنفین ایک سیاسی جماعت ہے۔

27 جنوری۔ نہری پانی کا تنازعہ

پاکستان نے ہندوستان کی یہ تجویز اصولی طور پر تسلیم کر لی کہ نہری پانی کا تنازعہ ماہرین کے کمیشن کے سپرد کیا جائے۔

30-31 جنوری۔ سوئیکارنو کا دورۂ پاکستان

انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو اور ان کی اہلیہ پاکستان کے دو دن کے دورے پر کراچی پہنچے۔ کراچی میں انہوں نے قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھائے اور اگلے روز وطن واپس جاتے ہوئے پاکستانی عوام کی محبت اور عقیدت کا شکریہ ادا کیا۔

فروری 1950ء

5 فروری۔ جنوبی افریقہ اور پاکستان

حکومت پاکستان نے جنوبی افریقہ پر سے پابندیاں اٹھانے کا اعلان کر دیا۔ بھارت۔ پاکستان اور جنوبی افریقہ کی سہ ملکی کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پاکستان نے یہ اقدام کیا۔ (حوالہ: 61)

12 فروری۔ کوٹری بیراج کا سنگ بنیاد

گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے کوٹری بیراج کے منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا۔ 300 فٹ لمبے اس بیراج سے 27'500 ایکڑ اراضی سیراب ہوگی۔ (حوالہ: 62)

17 فروری۔ مشرقی بنگال میں زمینداری منسوخ

مشرقی بنگال لیجسلیٹو اسمبلی نے لگان داری اور تنسیخ زمینداری کا مسودۂ قانون منظور کرلیا۔ (حوالہ: 63)

20 فروری۔ پاک ایران معاہدۂ دوستی

پاکستان اور ایران کے درمیان تہران میں دوستی کے ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ پاکستان کی طرف سے ایران میں پاکستانی سفیر راجہ غضنفر علی خان اور ایران کی طرف سے وزیر خارجہ ایران ڈاکٹر علی اکبر نے دستخط کئے۔

25 فروری۔ مشرقی بنگال کا بجٹ

مشرقی بنگال اسمبلی میں وزیر اعلیٰ نور الامین نے صوبے کا تیسرا بجٹ پیش کیا جس میں 1ء73 کروڑ کا خسارہ دکھایا گیا تھا۔

مارچ 1950ء

1-10 مارچ۔ شہنشاہ ایران کا دورۂ پاکستان

شہنشاہ ایران اپنے دورۂ پاکستان کے سلسلے میں کراچی پہنچے۔ کراچی کے علاوہ انہوں نے ڈھاکہ اور لاہور کا بھی دورہ کیا۔ اپنی تقریروں میں انہوں نے حالیہ پاک۔ ایران معاہدے کو دونوں ملکوں کے لئے سنگ میل قرار دیا۔

2 مارچ۔ صوبہ سرحد کا سالانہ بجٹ

وزیر اعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خان نے صوبائی اسمبلی میں تیسرا سالانہ بجٹ پیش کیا جس میں 15 لاکھ کا خسارہ دکھایا گیا تھا۔ آمدنی: 4 کروڑ 9 لاکھ 22 ہزار اور اخراجات 4 کروڑ 24 لاکھ۔

5 مارچ۔ سکھر کے اخباروں سے ایک ایک ہزار روپیہ زرضمانت

سندھ کی حکومت نے سکھر سے تمام اخباروں سے ایک ایک ہزار روپے کا زرضمانت طلب کیا۔

7 مارچ۔ وزیراعظم دکن برقعہ اوڑھ کر فرار

امریکی امداد کے سلسلے میں امریکہ میں قائداعظم کے خصوصی ایلچی اور حیدر آباد دکن کے سابق وزیراعظم میرلائق علی' رات کی تاریکی میں برقعہ اوڑھ کر اپنی حیدر آباد دکن کی قیام گاہ سے فرار ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی' پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا بھی تھا۔ اگلے روز وہ بخیرو عافیت پاکستان پہنچ گئے۔ (حوالہ: 64)

10 مارچ۔ پیرالٰہی بخش پانچ سال کے لئے لیگ سے خارج

سابق وزیر اعلیٰ سندھ' پیر الٰہی بخش کو مسلم لیگ سے پانچ سال کے لئے نکال دیا گیا۔

13 مارچ۔ پاکستان کا تیسرا سالانہ بجٹ

وزیر خزانہ غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی میں ملک کا تیسرا بجٹ پیش کر دیا۔ یہ 10 لاکھ بچت کا بجٹ تھا۔ 1 کروڑ 90 لاکھ کی بچت ظاہر کی گئی۔ 25 مارچ کو اسمبلی نے بجٹ کی منظوری دے دی۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ--- "پاکستان کے بجٹ"___
(حوالہ: 65)

18 مارچ۔ اقلیتوں کے لئے حالات سنگین ہیں: کے بی دت

اسمبلی میں بجٹ پر بحث کے دوران مشرقی بنگال سے اپوزیشن کے ایک رہنما کے۔ بی۔ دت نے تلخ لہجے میں کہا کہ مشرقی بنگال کی صورت حال اقلیتوں کے لئے انتہائی سنگین ہے لہٰذا وزیراعظم کو چاہئے کہ اقلیتوں کے سوال پر ایک کانفرنس طلب کریں۔

20 مارچ۔ عظیم تر کراچی کا منصوبہ

صحت اور تعمیرات کے مرکزی وزیر ڈاکٹر اے۔ ایم مالک نے عظیم تر کراچی کے منصوبے کی تفصیلات واضح کرتے ہوئے بتایا کہ مجوزہ منصوبے کے تحت کراچی کے رقبے کی لمبائی 75 میل اور چوڑائی 10 میل ہو گی جس میں بندرگاہ' ہوائی اڈہ اور مرکزی سیکرٹریٹ وغیرہ شامل ہوں گے۔

21 مارچ۔ کھوڑو کی رکنیت بحال

سندھ لیجسلیٹو اسمبلی میں محمد ایوب کھوڑو کی رکنیت بحال ہو گئی۔

26 مارچ۔ جمعیت العلمائے پاکستان کی سالانہ کانفرنس

جمعیت العلمائے پاکستان کی سالانہ کانفرنس میں متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔ ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ افواج پاکستان کے عہدوں پر غیرپاکستانیوں کو مقرر نہ کیا جائے۔ ایک اور قرارداد میں مذہبی امور کی الگ وزارت کا مطالبہ کیا گیا۔ (حوالہ: 66)

27 مارچ۔ پنجاب کا بجٹ

پنجاب کے تیسرے سالانہ بجٹ کا اعلان شیخ صادق حسین مشیر مالیات نے ایک پریس کانفرنس میں کیا۔

31 مارچ۔ مشرقی بنگال کا پہلا پاکستانی گورنر

سرفیروز خان نون مشرقی بنگال کے پہلے پاکستانی گورنر مقرر کئے گئے۔ اس بارے میں وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

"1950ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ فرقہ وارانہ فسادات کے بعد مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کا انخلاء شروع ہو گیا تھا اور فی الواقع یہ خطرہ تھا کہ ہندوستانی فوجیں مشرقی پاکستان میں نہ گھس آئیں۔ نوابزادہ لیاقت علی خان نے مجھ سے پوچھا کہ ان حالات میں آپ مشرقی پاکستان کی گورنری قبول کریں گے؟ میں نے یہ عہدہ فوراً قبول کر لیا۔

"اپریل کے اوائل میں، میری بیوی اور میں اپنے دو کتوں اور نجی ملازموں کے ساتھ کمانڈر انچیف کے ڈکوٹا طیارہ میں لاہور سے سوار ہو کر ڈھاکہ پہنچے...." (حوالہ: 67)

اپریل 1950ء

3 اپریل۔ پاکستان کے بارے میں "ٹاپ سیکرٹ" رپورٹ

لیاقت علی کے واشنگٹن پہنچنے سے پہلے امریکی محکمہ خارجہ نے پاکستان کے بارے میں جو "ٹاپ سیکرٹ" رپورٹ تیار کی، وہ پاکستان کے بارے میں امریکہ کے آئندہ عزائم کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ:

"پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات میں ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کی حکومت اور عوام کو سوویت یونین سے دور کیا جائے اور امریکہ اور دوسری مغربی جمہوریتوں کی طرف مائل کیا جائے۔ جمہوری اصولوں سے وابستہ سیاسی اور معاشی طور پر صحت مند ملک کی حیثیت سے ہم اس کی مزید ترقی کے خواہاں ہیں۔ بین الاقوامی دائرے میں ہم پاکستان اور اس کے ہمسایوں کے درمیان پرامن اور تعاون کے روابط کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بین الاقوامی مقاصد میں حکومت پاکستان کی جانی بوجھی اور رضاکارانہ شرکت کے خواہش مند ہیں۔" (حوالہ: 68)

8 اپریل۔ پاک۔ بھارت مفاہمت

2 اپریل 50ء کو دہلی میں پاکستان اور ہندوستان کے وزرائے اعظم کی ملاقات ہوئی تاکہ اس صورت حال پر غور کیا جائے جو مغربی بنگال، آسام، تری پورہ اور مشرقی بنگال کے سنگین تنازعات سے پیدا ہو گئی تھی اور جس کے نتیجے میں ان علاقوں کے لوگوں نے بڑے پیمانے پر ہجرت شروع کر دی تھی۔ سرکاری اعلان کے مطابق "گفت و شنید دوستانہ اور بے تکلفانہ ماحول میں ہوئی اور 8 اپریل 50ء کو ان دونوں کے درمیان خلوص اور اشتراک عمل کے جذبے کے تحت ایک معاہدہ ہو گیا۔

10 اپریل کو ریڈیو پاکستان سے قوم سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم پاکستان نے بتایا کہ معاہدے کے دو پہلو تھے۔ پہلے کا تعلق دونوں ملکوں کی اقلیتوں کے عام مسائل سے تھا اور دوسرے کا تعلق ان خاص مسائل سے جن کا سامنا مغربی بنگال، آسام، تری پورہ اور مشرقی پاکستان کی اقلیتوں کو کرنا پڑ رہا ہے۔ پنڈت نہرو نے ہندوستانی پارلیمنٹ کو بتایا کہ اس معاہدے کی بدولت اس کشیدگی اور بے چینی میں فوراً کمی آ جائے گی جو کچھ دنوں سے دونوں ملکوں پر مسلط تھی۔ پنڈت نہرو نے کہا "پاکستان کی حکومت اور عوام کی طرح اب یہ ہمارا بھی فرض ہے کہ اپنی بات کے پکے ثابت ہوں اور اپنے تمام مسائل کا مقابلہ ہوش مندی اور نیک نیتی سے کریں اور عزم صمیم کے ساتھ اس زہرناک ماحول کو دور کریں جو ڈھائی سال سے ہم پر مسلط ہے---"

پاکستانی مجلس دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے لیاقت علی خان نے کہا کہ معاہدے میں جن بنیادی حقوق کا اعادہ کیا گیا ہے وہ مارچ 49ء میں مجلس کی منظور کردہ قرارداد مقاصد کے مطابق ہیں۔ (حوالہ: 69)

12 اپریل۔ دستور ساز اسمبلی کے نئے ارکان

مندرجہ ذیل نئے ارکان نے دستور ساز اسمبلی میں اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا۔

1- سید غلام بھیک نیرنگ
2- عبدالوحید خان
3- مشتاق احمد گورمانی
4- احمد ای ایچ جعفر
5- عبدالمنعم خان

اسی روز حکومت ہند (پانچواں ترمیمی بل) بھی پیش کیا گیا۔ 12 اپریل کو ہی وزیر قانون کا پیش کردہ وہ مسودۂ قانون بھی منظور کر لیا گیا جس کے

تحت فیڈرل کورٹ آف پاکستان ملک کی سب سے بڑی عدالت قرار پائی۔ بل کے مطابق یکم مئی 1950ء سے پریوی کونسل میں اپیلیں کرنے کا طریقہ ختم کر دیا گیا۔ (حوالہ: 70)

14 اپریل۔ دستور ساز اسمبلی میں پانچویں اور چھٹی ترمیم منظور

دستور ساز اسمبلی میں حکومت ہند ایکٹ میں پانچویں اور چھٹی ترمیم منظور کر لی گئی۔ ان ترامیم کے مطابق سندھ اور پنجاب کی صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ اسمبلی کے قواعد کی دفعہ 64 کی شق۔ 1 میں "اسمبلی کے دورانیہ" کو "ہر مالی سال" کے لفظوں میں بدل دیا گیا۔ اس روز اسمبلی میں صوفی عبدالحمید خان' چوہدری علی اکبر خان' شیخ صادق حسن اور بی۔ ایل۔ رلیا رام نے اپنی رکنیت کا حلف بھی اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔ (حوالہ: 71)

26 اپریل۔ نہرو کا دورۂ پاکستان

پاکستانی وزیراعظم کے دورۂ ہند اور پاک بھارت مفاہمت کے بعد ہندوستانی وزیراعظم پنڈت نہرو پاکستان کے دورے پر کراچی پہنچے۔ وزیراعظم لیاقت علی خان' وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان اور محترمہ فاطمہ جناح نے ہندوستانی وزیراعظم سے ملاقاتیں کیں۔

مئی 1950ء

3-26 مئی۔ لیاقت علی کا دورہ امریکہ

وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان 3 مئی 1950ء کو اپنے پہلے امریکی دورے کے سلسلے میں واشنگٹن پہنچے۔ وہ پہلے پاکستانی سربراہ تھے جنہوں نے روسی ہونے کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا اگرچہ امریکی کردار کو سراہا "کیا نظریاتی تضاد کی حامل دنیا میں نو آزاد ممالک ذہنی انتشار کا شکار اور غیر مستحکم ہو سکتے ہیں۔ ان حالات میں کیا یہ بات انتہائی تسلی بخش نہیں ہے کہ ایسے ملکوں میں کم از کم ایک ملک ایسا ہے جو کسی تذبذب کا شکار نہیں اور جو اپنی روایات اور عقیدے میں جمہوریت اور معاشی انصاف کے اٹل اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔"

پاکستان کی علاقائی اور دفاعی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے وزیراعظم نے بتایا کہ پاکستان سیاسی' نظریاتی اور دفاعی اعتبار سے بہت بڑی ذمہ داری کا حامل ہے۔ نہ صرف ہماری اپنی آزادی بلکہ عالمی امن کو برقرار رکھنے کی خاطر بھی ایشیا میں استحکام ہمارے اہم ترین ہے۔ "پاکستان کی دفاعی ضروریات کے حوالے سے ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے کہا کہ وہ اپنی "مسلح افواج کے لئے جدید ترین آلات کے حصول میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اب تک وہ اس قسم کے آلات خریدتے رہے تھے لیکن اس سے پاکستان کے وسائل پر بوجھ پڑا تھا۔ پاکستان کو کتنی بڑی فوج کی ضرورت ہے اس کا انحصار آپ کے عظیم ملک پر ہے۔ اگر آپ کا ملک ہماری علاقائی سالمیت کی ضمانت دے دے تو میں ہرگز کوئی فوج ہی نہ رکھوں گا۔"

پاکستان کی صنعتی ترقی کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ چند مخصوص صنعتوں کو چھوڑ کر انہوں نے سرمایہ کاری کا پورا شعبہ نجی مہم کے لئے کھول دیا ہے اور وہ امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے عظیم آغاز کاروں کا پرجوش خیرمقدم کریں گے۔

اپنے دورے میں انہوں نے صدر ٹرومین' وزیر جانسن اور وزیر خارجہ ایچی سن سے بھی ملاقاتیں کیں۔ جن میں انہوں نے ہتھیاروں کی فرمائش کی۔ ان کی امریکہ میں موجودگی کے دوران ہی نیوجرسی کی چھوٹی سی بندرگاہ پر بغیر کسی تشہیر کے پاکستان کے لئے اسلحہ لادا جا رہا تھا کہ اچانک دھماکوں نے نیوجرسی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سینکڑوں افراد زخمی' ہلاک اور لاپتہ ہو گئے۔ مارشل لاء اور فوج کی مدد سے شہری زندگی بحال کی گئی۔ امریکی کوسٹ گارڈ نے غلطی سے اعلان کر دیا کہ یہ فوجی ساز و سامان خصوصی اجازت کے تحت پاکستان کے لئے لادا جا رہا تھا۔ اس حادثے کے صرف ایک ہفتہ بعد محکمہ خارجہ نے محکمہ دفاع کو مشورہ دیا کہ پاکستان کو پچانوے ٹینکوں کی فروخت کے سلسلے میں مزید کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ شاید محکمہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ عوام یا کانگرس کی توجہ کچھ عرصہ کے لئے پاکستان کو مزید ہتھیاروں کی فراہمی کی طرف چلی جائے۔ کینیڈا روانہ ہونے سے قبل اپنی آخری تقریر میں وزیراعظم پاکستان نے کہا کہ "میں خیرات کا طالب نہیں ہوں۔"

ابھی وزیراعظم امریکہ میں ہی تھے کہ کوریا کی جنگ چھڑ گئی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ پاکستان کوریا میں جارحیت کے خاتمے کے لئے اقوام متحدہ کی طرف سے اٹھائے جانے والے اقدامات کی بھرپور حمایت کرے گا۔ انہوں نے اقوام متحدہ کی کمان میں کچھ پاکستانی فوج بھیجنے کا بھی اشارہ دیا۔ اس سیاسی رویئے نے امریکہ کی نظروں میں پاکستان کی قدر و قیمت بڑھا دی۔ اس کے برعکس ہندوستان نے کوریا میں جنگ کے خاتمے کے لئے اپنی امن کاروائی شروع کر کے ناجائز بیباکی کا مظاہرہ کیا جس سے امریکی بہت ناراض ہوئے۔ پاکستان یکایک اہم ہو گیا۔

(حوالے: 72' 73)

3 مئی - پبلک سیفٹی ایکٹ کے قیدی ابراہیم جلیس رہا

پبلک سیفٹی ایکٹ کے ایک نظربند اور مشہور ترقی ادیب ابراہیم جلیس رہا کر دیئے گئے۔ ادھر لاہور ہائی کورٹ نے پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کو جائز قرار دے دیا۔

3 مئی - یوسف ہارون آسٹریلیا میں سفیر بنا دیئے گئے

وزیراعلیٰ سندھ یوسف ہارون اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے بعد آسٹریلیا میں پاکستان ہائی کمشنر تعینات کر دیئے گئے۔

مزید دیکھیں' اسی جلد میں - "مرکزی اور صوبائی وزارتیں"

6 مئی - کل پاکستان انجمن مدیران نے آئین بنا لیا۔

کل پاکستان مدیران جرائد کی کانفرنس کی آئینی کمیٹی نے پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض کی زیر نگرانی اپنی تنظیم کے آئین کے مسودے کو آخری شکل دے دی۔

8 مئی - سندھ کے نئے وزیراعلی

قاضی فضل الٰہی کو سندھ کا نیا وزیراعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھا لیا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ "مرکزی اور صوبائی وزارتیں"

18 مئی - خیرپور اسمبلی کے انتخابات

ریاست خیرپور کی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ نے دس

نشستیں حاصل کر لیں۔ ایوان میں کل 14 نشستیں تھیں۔

23 مئی - کمیونسٹ پارٹی کے رہنماؤں کی رہائی

کمیونسٹ پارٹی کے دو رہنماؤں چوہدری رحمت اللہ (سی آر) اسلم اور ایرک سپرئین رہا کر دیئے گئے۔

26 مئی - زیڈ ایچ لاری پاکستان پہنچ گئے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک رہنما زیڈ ایچ (ظہیر الحسن) لاری ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔

26 مئی - پیر علی محمد راشدی کے خلاف مظاہرہ

اخبارات کے مدیران کی انجمن (پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس) کے صدر پیر علی محمد راشدی کے خلاف لاہور کے صحافیوں نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔

28 مئی - مودودی رہا کر دیئے گئے

ملتان جیل سے مولانا مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی اور میاں طفیل محمد کو رہا کر دیا گیا۔ مودودی اکتوبر 1948ء میں پنجاب سیفٹی ایکٹ کے تحت' کشمیر کے بارے میں قابل اعتراض باتیں کہنے کے الزام میں پکڑے گئے تھے۔

29 مئی - کسانوں کی گرفتاریاں

ملتان میں جاگیرداروں سے تصادم کے بعد متعدد مزارعوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

جون 1950ء

3-5 جون - مدیران کی انجمن سے میر خلیل الرحمان کا استعفیٰ

روزنامہ 'جنگ' کے میر خلیل الرحمان اور محمد عمر فاروقی نے پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر کانفرنس (پی این ای سی) سے استعفیٰ دے دیا۔ 5 جون کو مزید 9 ارکان نے تنظیم سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے ساتھ یہ مطالبہ زور پکڑ گیا کہ وہ پیر علی محمد راشدی تنظیم کی صدارت سے مستعفی ہو جائیں۔

8 جون - راشدی مستعفی

اپنے خلاف بڑھتی ہوئی بغاوت کے پیش نظر پیر علی محمد راشدی نے پی این ای سی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔

9 جون - نیشنل بنک کے پہلے صدر

سٹیٹ بنک آف پاکستان کے گورنر زاہد حسن کو نیشنل بنک کا صدر بھی مقرر کر دیا گیا۔

17 جون - ہندوستان اور پاکستان میں اغوا شدہ عورتیں

ہندوستان اور پاکستان میں مغویہ عورتوں کی بازیابی کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی۔ ساحر لدھیانوی کے لفظوں میں اگست کے فسادات میں مخالف فرقوں کی لاتعداد عورتیں اغوا کی گئی تھیں۔ سرکاری طور پر ان کی تعداد ایک لاکھ بیان کی جاتی تھی۔ لیکن حقیقت میں یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ دونوں حکومتوں نے مل کر عورتوں کا ہفتہ بھی منایا لیکن بمشکل دس ہزار عورتوں کو برآمد کیا جا سکا۔ پھر جو عورتیں واپس آئیں ان کے لئے معاشرے میں کوئی صحت افزا جگہ پیدا نہ کی جا سکی۔ منٹو نے لکھا تھا کہ ان گھائل روحوں کے لئے کسی جیل میں ایک وارڈ مخصوص کر دینے سے اور تفریح کے لئے وہاں ایک عدد ریڈیو سیٹ لگا دینے سے' یا کسی خوش پوش امیرزادی کے معائنہ سے ان کی تقدیر کی رفوگری نہیں ہو سکتی۔ (حوالے: 74)

25 جون - ہزارہ میں کسان رہنماؤں کی گرفتاری

صوبہ سرحد میں کسانوں پر حکومت' پولیس اور خوانین کے مظالم اور ہزارہ میں کسان رہنماؤں کی گرفتاری کے خلاف مظاہرے ہوئے۔

جولائی 1950ء

یکم جولائی - پاکستان کوریا کی جنگ میں غیر جانبدار رہے

سندھ کے سابق وزیراعلیٰ پیر الٰہی بخش نے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان کو کوریا کی جنگ میں غیر جانبدار رہنا چاہئے کیونکہ جنگ میں حصہ لینے سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔

4 جولائی - پاکستان کمیونسٹوں کے خلاف طاقت بھی استعمال کر سکتا ہے

امریکی دورے سے واپسی پر لندن میں وزیراعظم نے اخبارات کے نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایشیاء میں کمیونسٹوں کے مظالم کو روکنے کے لئے طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرے

گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان، کوریا کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے موقف کا حامی اور وفادار ہے۔

19 جولائی۔ پاکستان کو امریکہ جیسی عظیم مملکت بنانا چاہتے ہیں، وزیر اعظم

پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے کہا کہ وہ پاکستان کو امریکہ جیسی عظیم مملکت بنانا چاہتے ہیں۔

22 جولائی۔ پیر پگاڑا شہید کے صاحبزادوں کی پاکستان روانگی

صبغت اللہ پیر پگاڑا، جنہیں قیام پاکستان سے قبل برطانوی حکومت نے پھانسی دے دی گئی تھی اور ان کے صاحبزادوں کو لندن پہنچا دیا گیا تھا۔ حکومت انگلستان نے ان کی پاکستان واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

23 جولائی۔ جماعت اسلامی کے تین نصب العین

امیر جماعت اسلامی سید ابو الاعلیٰ مودودی نے بتایا کہ جماعت اسلامی مندرجہ ذیل تین مقاصد کے حصول کے لئے قائم کی گئی تھی۔

(1) جمہوری اصولوں پر مبنی معاشرے کی تشکیل

(2) ملک میں انتخابات کا انعقاد اور

(3) عوام کو صالح نمائندے چننے کی تلقین کرنا

25 جولائی۔ میاں عبد الباری مستعفی

مسلم لیگ پنجاب کے صدر میاں عبدالباری اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

31 جولائی۔ ایوب خان اور فوج کا پیشہ ورانہ کردار

ستمبر 50ء میں ایوب خان کو وزارت دفاع کے ایک افسر کی کال موصول ہوئی کہ انہیں پاکستانی فوج کا نیا کمانڈر انچیف چن لیا گیا ہے۔ اس سے صرف دو ماہ قبل انہوں نے فوج کے پیشہ ورانہ کردار کے حوالے سے کہا تھا:

"پاکستان جیسے یکسانیت والے ملک میں جہاں فوج کو بیرونی حملہ آوروں کے خلاف دفاع کے لئے تیار کیا گیا ہو، ایسے ملک میں اگر فوج کو نظم و نسق کی بحالی کے لئے استعمال کیا جانے لگے تو اس سے کئی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور اس استعمال کو نہ صرف بالعموم ناپسند کیا جاتا ہے بلکہ استعمال کی وجہ سے فوج کے خلاف دشمنی اور مزاحمت جنم لیتی ہے اس لئے فوج بجا طور پر یہ توقع کرتی ہے کہ شہری انتظامیہ پوری کوشش کرے گی کہ ایسی صورت حال ہی نہ پیدا ہو اور پولیس اس قابل ہونی چاہئے کہ نظم و نسق کے تمام مسائل سے وہ خود ہی نمٹ سکے۔"

ایک اور موقع پر ایوب خان نے کہا کہ "میں نے ہمیشہ اپنے لوگوں کو بتایا ہے کہ ہماری فوج کا سب سے اہم فریضہ اپنے ملک کو ایک گونہ تحفظ مہیا کرنا ہے۔ جس کے زیر سایہ ایک مستحکم جمہوری نظام تعمیر ہو سکے اور پائیدار مستقبل کی بنیاد ڈالی جا سکے۔"

اگست 1950ء

2 اگست۔ پریم ناتھ بزاز رہا

مقبوضہ کشمیر کے ایک ممتاز رہنما پریم ناتھ بزاز تین سال تک مقبوضہ کشمیر کی قید میں رہنے کے بعد رہا کر دیئے گئے۔

10 اگست۔ حمید نظامی گرفتار

مشہور صحافی اور روزنامہ "نوائے وقت" کے مدیر و مالک حمید نظامی پنجاب سیفٹی ایکٹ کی دفعہ 17 کے تحت گرفتار کر لئے گئے لیکن جلد ہی -/500 روپے کی ذاتی ضمانت پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔

12 اگست۔ خلیق الزمان، استعفیٰ دو

پاکستان مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت کے بارے میں یہ شکایات عام ہو رہی تھیں کہ پارٹی کے اندر اختلاف کرنے والوں کو برداشت نہیں کیا جاتا جس کے باعث بہت سے مخلص کارکن پارٹی چھوڑ چھوڑ کر جا رہے تھے۔ پارٹی کے درجن بھر دھڑے وجود میں آ چکے تھے اور اس کا داخلی بحران روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ پارٹی کے اندر صدر کے خلاف بغاوت بھی پھیل رہی تھی۔ 12 اگست کو کراچی کے مہاجروں کا ایک ہجوم چوہدری خلیق الزمان کی رہائش گاہ کے سامنے مظاہرے کے لئے جمع ہو گیا۔ مظاہرین کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ چوہدری صاحب پارٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیں۔ اچانک پولیس نے آ کر مکان کو گھیر لیا اور مظاہرین اور رہائش گاہ کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی ہجوم نے پولیس سے دور رہنے میں عافیت سمجھی لیکن وہ منتشر نہیں ہوا اور ایک ہی نعرہ لگاتا رہا کہ چوہدری خلیق الزمان مستعفی ہو جائیں۔ جب مظاہرین نے کسی صورت میں وہاں سے جانے کا نام نہ لیا تو لاچار چوہدری صاحب کو مستعفی ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ جس کے بعد ہجوم منتشر ہو گیا۔ بعد میں چوہدری صاحب نے الزام لگایا کہ یہ مظاہرہ مہاجروں کے بعض خود ساختہ لیڈروں نے اس لئے کروایا تھا کہ وہ چوہدری صاحب سے بے جا مراعات کے لئے سفارش کی درخواستیں کرتے رہے تھے جنہیں انہوں نے سننے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک خیال یہ ہے کہ پارٹی کے اندر یہ کشمکش

بھی چل رہی تھی کہ پارٹی اور حکومت کے عہدے پھر سے یکجا کر دیئے جائیں۔ وزیراعظم پاکستان مسلم لیگ کا سربراہ ہو اور وزیراعلیٰ صوبائی مسلم لیگ کا ۔ ایک تیسری رائے کے مطابق پارٹی میں غیر جمہوری عمل میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا اور یہ احتجاج اس کے خلاف ایک فطری اور جائز ردعمل تھا۔ بہرحال حقیقت جو بھی رہی ہو پاکستان مسلم لیگ کے صدر کا عہدہ اچانک خالی ہو گیا اور فوری طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پارٹی کا آئندہ صدر کون ہو گا۔

15 اگست۔ روزنامہ "تسنیم" کے ایڈیٹر گرفتار

جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ "تسنیم" کے ایڈیٹر انچارج مصباح الاسلام فاروقی، پنجاب سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

20 اگست۔ صوفی عبدالمجید پنجاب مسلم لیگ کے نئے صدر

پنجاب مسلم لیگ سے میاں عبدالباری کے استعفے کی منظوری کے بعد صوفی عبدالحمید کو اس کا نیا صدر چن لیا گیا۔

26 اگست۔ فاتح پنجاب کا بت ہٹا دیا گیا

پنجاب کے انگریز فاتح کرنل لارنس کا بت، جو مال روڈ لاہور پر ہائی کورٹ کے قریب نصب تھا، وہاں سے ہٹا کر شاہی قلعے پہنچا دیا گیا۔ لارنس پنجاب کا پہلا گورنر تھا۔ (حوالہ: 75)

26 اگست۔ مہاجر ٹیکس

پاکستان کے صوبوں اور مرکز میں مہاجر ٹیکس لگانے کا فیصلہ کر لیا گیا البتہ ٹیکس کی تفصیلات شائع نہ کی گئیں۔ (حوالہ: 76)

ستمبر1950ء

یکم ستمبر۔ سردار بگتی کی تقرری

ایک ممتاز بلوچ قبائلی سردار اکبر خان بگتی نے بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ کے مشیر کا عہدہ سنبھال لیا۔

6 ستمبر۔ کشمیر میں تبدیلیاں

پنڈت نہرو نے کشمیر میں فوجیں ہٹانے کے متعلق ڈاکٹر گراہم کی تجاویز مسترد کر دیں۔ کشمیری عوام کے احتجاج اور مظاہروں کے باوجود شیخ عبداللہ نے بھارت میں کشمیر کی شمولیت کا سرکاری طور پر اعلان کر دیا۔ اس کی وجہ سے کشمیر اسمبلی کے وہ نام نہاد انتخابی نتائج بیان کئے گئے جن میں عوام نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ مقبوضہ کشمیر کے نائب وزیراعظم بخشی غلام محمد نے کہا کہ اب استصواب رائے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ فیصلہ ہو گیا ہے۔ (حوالہ: 77)

8 ستمبر۔ غیر مسلموں کے تجارتی ادارے سربمہر

لاہور میں غیر مسلموں کے تجارتی ادارے سربمہر کر دیئے گئے۔

9 ستمبر۔ ممدوٹ تمام الزامات سے بری

پاکستان کے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ نواب افتخار حسین ممدوٹ کو پنجاب ہائی کورٹ کی رپورٹ کی بنیاد پر رہا کر دیا۔

15 ستمبر۔ ایوب خان ڈپٹی کمانڈر انچیف بنا دیئے گئے

پاکستان کے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نے پاکستان کے نامزد کمانڈر انچیف میجر جنرل ایوب خان کا عہدہ بڑھا کر انہیں لیفٹیننٹ جنرل اور 15 ستمبر سے انہیں ڈپٹی کمانڈر انچیف بنا دیا۔ بعد ازاں انہوں نے جنرل گریسی کی جگہ کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالا۔ (حوالہ: 78)

22 ستمبر۔ سیفٹی ایکٹ میں توسیع

پاکستان سیفٹی ایکٹ میں ایک سال کی توسیع کر دی گئی۔

23 ستمبر۔ مہاجرین کا آباد کاری کا ہفتہ

حیدر آباد سندھ میں مہاجرین کی آباد کاری کا ہفتہ منانے کا آغاز ہو گیا۔ کلکٹر ہفتہ کا افتتاح کرتے ہوئے شہریوں سے اپیل کی کہ مہاجر اور مقامی کی تمیز مٹا کر مسائل کے حل کی مشترکہ کوششیں کی جائیں۔

26 ستمبر۔ آمدنی سے زائد اخراجات

گورنر سٹیٹ بنک جناب زاہد حسین نے انکشاف کیا کہ گزشتہ دو برسوں میں پاکستان اپنی آمدنی سے نوے کروڑ روپے زیادہ خرچ کر چکا ہے۔

28 ستمبر۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے تین سب کمیٹیاں تشکیل دی تھیں۔ ستمبر50ء میں اس کی جو پہلی رپورٹ سامنے آئی اس نے یکساں اختیارات کے حامل دو ایوانوں پر مشتمل مرکزی مقننہ کی تجویز پیش کی۔ پہلے ایوان

میں تمام صوبوں کو یکساں نمائندگی دینے کی بات کی گئی تھی۔ یکساں اختیارات کے حامل دو ایوانوں کا تصور پاکستان کے کئی صوبوں' خصوصاً مشرقی بنگال کے لئے ناقابل قبول تھا۔ چنانچہ دستور ساز اسمبلی میں اس پر غور و خوض ملتوی کر دیا گیا۔ مشرقی بنگال کا ردعمل 1950ء کا سب سے اہم واقعہ تھا۔ 5 نومبر کو ڈھاکہ میں جمہوری کارکنوں کا ایک کنونشن طلب کیا گیا جس کی صدارت عطا الرحمان خان نے کی۔ اس سلسلے میں ڈھاکہ سے نکلنے والا روزنامہ "پاکستان آبزرور" کے ایڈیٹر مسٹر عبدالسلام اور اس کے مالک حمید الحق چوہدری کی کوششیں بھی قابل ذکر تھیں۔

(حوالے: 79' 80)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ - بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

اکتوبر 1950ء

3 اکتوبر۔ علامہ مشرقی گرفتار

1950ء میں منٹو پارک (یادگار پاکستان) لاہور میں اسلام لیگ کانفرنس میں علامہ مشرقی کے خطاب پر انہیں 3 اکتوبر کو پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 186 کے تحت حراست میں لے لیا گیا۔

6 اکتوبر۔ بنیادی حقوق کی رپورٹ منظور

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں بنیادی حقوق کی عبوری رپورٹ 4 اکتوبر کو پیش ہوئی جسے 6 اکتوبر کو بحث کے بعد منظور کر لیا گیا۔ یہ رپورٹ وزیراعظم لیاقت علی خان نے پیش کی تھی۔

8 اکتوبر۔ پاک' چیکو سلواکیہ سفارتی تعلقات

حکومت پاکستان اور حکومت چیکو سلواکیہ نے سفارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

8 اکتوبر۔ لیاقت علی مسلم لیگ کے صدر بھی ہو گئے

8 اکتوبر کو پاکستان مسلم لیگ کی کونسل نے اپنے آئین میں ترمیم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اب پارٹی کے حکومتی عہدیداروں پر یہ پابندی نہیں رہے گی کہ وہ مسلم لیگ میں کوئی عہدہ قبول نہیں کر سکتے۔ قائداعظم نے اپنی زندگی میں گورنر جنرل اور پارٹی کے صدر جیسے دو عہدوں میں سے صرف ایک کا انتخاب کیا تھا اور جمہوری تقاضوں کے مطابق مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہو گئے تھے۔ حکومتی اور پارٹی عہدوں کو الگ الگ رکھنے کے حق میں خود پارٹی کے اندر سے جدوجہد ہوئی تھی جس کا قائداعظم نے احترام کیا تھا۔ اب صورت حال پھر پہلے جیسی ہو گئی اور 8 اکتوبر کو ہی لیاقت علی خان' پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی چن لئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ عہدہ خوشی سے قبول نہیں کیا۔ بہرحال آگے چل کر اس کے نتائج مسلم کے حق میں اچھے نہ نکلے۔ اب پارٹی کے نئے آئین کے مطابق صوبے کے کسی بھی وزیراعلیٰ کو صوبائی پارٹی کا سربراہ بننے سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔

8 اکتوبر۔ جوگندر ناتھ منڈل ہندستان فرار

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے عارضی صدر' محنت اور قانون کے وزیر اور پاکستان اچھوتوں کے نمائندے جوگندر ناتھ منڈل اچانک فرار ہو کر کلکتہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے الزام لگایا کہ پاکستان میں ہندوؤں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ مغربی حصے سے انہیں بے دخل کیا جا چکا ہے۔ اور مشرقی بنگال میں یہ کام جلد ہی مکمل ہو جائے گا۔ چوہدری محمد علی کا کہنا تھا کہ جوگندر ناتھ منڈل کے فرار کا ہندوؤں کے تحفظ یا عدم تحفظ کے سوال سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ فرار کی اصل وجہ یہ تھی کہ وزیر موصوف نے ہندوستان کے ہائی کمیشن سے خفیہ تعلقات قائم کر لئے تھے اور انہیں جب اپنی خفیہ نگرانی کئے جانے کا پتہ چلا تو وہ بھاگ کر ہندوستان پہنچ گئے۔ (حوالہ: 81)

9 اکتوبر۔ مہاجرین کی آباد کاری کے لئے مزید ٹیکس

مہاجرین کی آباد کاری اور بحالی کے لئے حکومت پاکستان نے مزید ٹیکس لگانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں پاکستان کے نائب وزیر خزانہ ڈاکٹر محمود حسین نے اسمبلی میں پاکستان کا پہلا ضمنی بجٹ پیش کیا۔ زائد بجٹ 2 کروڑ 10 لاکھ روپے کا تھا۔ (حوالہ: 82)

10 اکتوبر۔ جریدہ 'سویرا' سے ضمانت کی طلبی

پنجاب کی حکومت نے انجمن ترقی پسند مصنفین کے ترجمان جریدہ "سویرا" سے چار قابل اعتراض مضامین کی اشاعت پر تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی۔

11 اکتوبر۔ سر گنگا رام کا بت ہٹا دیا گیا

تقسیم سے قبل کے ایک ممتاز پنجابی مخیر اور گنگا رام ہسپتال کے بانی سر گنگا رام کے مجسمہ کو عجائب گھر کے سامنے سے ہٹا لیا گیا۔

15 اکتوبر۔ روزنامہ "تسنیم" پر پابندی کے خلاف احتجاج

مدیران جرائد کی کل پاکستان تنظیم نے جماعت اسلامی کے ترجمان

اخبارات روزنامہ "تسنیم" اور "قاصد" کی اشاعت پر پابندی کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

21 اکتوبر۔ بابائے اردو نے دورہ روس کی دعوت مسترد کر دی

انجمن ترقی اردو ہندو پاکستان کے بانی بابائے اردو مولوی عبدالحق نے سوویت ادیبوں کی تنظیم کی سوویت یونین کا دورہ کرنے کی دعوت رد کر دی۔ انہوں نے کہا کہ اگر انہیں اپنا سیکرٹری ساتھ لے جانے اور سوویت یونین کی مسلم ریاستوں کا دورہ کرنے کی اجازت دی جائے تو وہ یہ دعوت منظور کر سکتے ہیں۔

25 اکتوبر۔ جناح مسلم لیگ کا قیام

پنجاب میں دولتانہ - ممدوٹ چپقلش حکومت کے ساتھ ساتھ پارٹی کے معاملات پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔ 24 جولائی 50ء کو ہونے والے پنجاب لیگ کونسل کے اجلاس میں بھی اس اختلاف اور انتشار کو دیکھا جا سکتا تھا۔ حتہ کہ معاملہ لڑائی جھگڑے اور تو تکار تک پہنچ گیا اور اجلاس ملتوی ہو جانے کے بعد دولتانہ نے اپنے گروپ کا نیا صدر چن کر میاں عبدالباری کے فیصلے منسوخ کر دیئے۔ چنانچہ پنجاب لیگ کے صدر باری کو اگلے ہی روز مستعفی ہونا پڑا۔ نواب ممدوٹ ان حالات سے دلبرداشتہ ہو کر مسلم لیگ سے نکل گئے اور جناح مسلم لیگ تشکیل دی۔

ممدوٹ کے پارٹی چھوڑنے کی وجوہات پارٹی میں جوڑ توڑ' سازشیں' حکومت کی غلط خارجہ پالیسی' شہری آزادیوں کا فقدان' مہاجرین کی آبادی کاری میں ناکامی' آئین سازی میں تاخیر' پارٹی میں جمہوری اصولوں کی پامالی اور ملک کی وزارت عظمٰی اور لیگ کی صدارت کی یکجائی وغیرہ شامل تھیں۔ نئی پارٹی نے صحیح اسلامی جمہوریت کے قیام کو پارٹی کا بنیادی نصب العین قرار دیا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ --- سیاسی جماعتیں

نومبر 1950ء

11 نومبر۔ آزاد پاکستان پارٹی کا قیام

سابق کانگریسی رہنما اور پارلیمنٹرین میاں افتخار الدین کو قیام پاکستان کے تھوڑے عرصے بعد ہی پنجاب کی وزارت بحالیات سے اختلافات کی بنیاد پر استعفٰی دینا پڑا تھا۔ جنوری 50ء میں انہیں اور سردار شوکت حیات کو مسلم لیگ سے پانچ سال کے لئے نکال دیا گیا تو وہ عارضی طور پر سیاست میں متحرک نہ رہے۔ نومبر 50ء میں انہوں نے "آزاد پاکستان پارٹی" کے نام سے ایک سیاسی جماعت تشکیل دینے کا اعلان کیا جس نے عوام کو ایک واضح سیاسی پروگرام دیا۔ یہ پروگرام' حقیقی آزادی' جمہوریت اور اقتصادی انصاف سے عبارت تھا۔ یہ جماعت زرعی اصلاحات کے نفاذ اور جاگیرداری نظام کے خاتمے پر زور دیتی تھی۔ جولائی 1957ء میں پاکستان کی دوسری ترقی پسند سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر آزاد پاکستان پارٹی نے نیشنل عوامی پارٹی کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

14 نومبر کو پارٹی کو حامی طلباء تنظیم -- آزاد پاکستان طلباء فیڈریشن کا قیام بھی عمل میں آ گیا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ - سیاسی جماعتیں۔

19 نومبر۔ مہاجرین کی آبادی کاری کے منصوبوں کا جائزہ

ناظم کراچی سید ہاشم رضا نے مقامی تاجروں کا ایک اجلاس طلب کیا تاکہ یہ پتہ چلایا جائے کہ مرکزی حکومت اور مقامی انتظامیہ نے مہاجرین کی آبادی کاری کے لئے جو منصوبے تیار کیئے ہیں۔ ان پر نجی سرمایہ کتنا لگے گا۔ (حوالہ: 83)

21 نومبر۔ حزب اختلاف کا مشترکہ محاذ

جماعت اسلامی کے مرکزی امیر مولانا ابوالاعلی مودودی کی صدارت میں حزب اختلاف کی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس جماعت کے مرکزی دفتر میں منعقد ہوا تاکہ حزب اختلاف کے مشترکہ محاذ کی تشکیل پر غور کیا جا سکے جن سیاسی جماعتوں نے اس اجلاس میں شرکت کی ان میں آزاد پاکستان پارٹی' جناح مسلم لیگ' عوامی مسلم لیگ' جمعیت اہل حدیث اور جمعیت العلمائے اسلام قابل ذکر ہیں۔

21 نومبر۔ "غریب مسلم لیگ" کا قیام

روزنامہ "نظام جدید" کے مدیر امین الدین صحرائی نے پاکستان مسلم لیگ کی کارکردگی پر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے "غریب مسلم لیگ" کے قیام کا اعلان کیا۔

30 نومبر۔ ڈاکٹر تاثیر کا انتقال ہو گیا

اردو زبان کے ممتاز ادیب اور ایم اے او کالج امرتسر کے سابق پرنسپل ڈاکٹر محمد دین تاثیر کا 48 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انہوں نے قیام پاکستان کچھ عرصہ قبل روزنامہ "پاکستان ٹائمز" میں "پاکستان زندہ باد" کے زیر عنوان مستقبل کے پاکستان کے بارے میں مضامین کا ایک سلسلہ تحریر کیا تھا جن میں پاکستان کے سیاسی نظام' مذہبی پالیسیوں' تعلیم اور

ثقافت کے منصوبوں اور معیشت کو بھی زیر بحث لایا گیا تھا۔ ڈاکٹر تاثیر قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد آزاد کشمیر کی حکومت سے بھی وابستہ رہے۔

دسمبر1950ء

یکم دسمبر۔ مہاجرین کی آباد کاری کے لئے 5 کروڑ روپے درکار ہیں

کراچی کی سڑکوں پر 33 ہزار بے خانماں مہاجرین کو آباد کرنے اور انہیں مکانات فراہم کرنے کے لئے پانچ کروڑ روپوں کی ضرورت تھی۔ اس کا اعلان مہاجرین کی بحالی کے مرکزی وزیر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کیا۔

5 دسمبر۔ باٹا شو کمپنی کے مزدوروں کی ہڑتال

باٹا شو کمپنی کے مزدور دشمن رویے سے نالاں، کمپنی کے تیرہ سو ملازمین نے ہڑتال کر دی۔

9 دسمبر۔ شہری آزادیوں کی بحالی کا مطالبہ

پاکستان کی سب سے پہلی شہری آزادیوں کی کانفرنس نے اپنے مطالبے میں ہنگامی قوانین منسوخ کرنے اور شہری آزادیوں کو بحال کرنے پر اصرار کیا۔

10 دسمبر۔ یوم انسانی حقوق

عالمی انسانی حقوق کے منشور کی تیسری سالگرہ کے موقع پر، پاکستان بھر میں انسانی حقوق کا دن منایا گیا۔ پاکستان میں شہری آزادیوں کے حصول کے لئے اپیل کی گئی۔

10 دسمبر۔ مولانا بھاشانی رہا

عوامی مسلم لیگ کے مرکزی رہنما مولانا عبدالحمید خان بھاشانی کو رہا کر دیا گیا۔

15دسمبر۔ اینگلو امریکی بلاک پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ ہے

آزاد پاکستان پارٹی کے سربراہ میاں افتخار الدین نے ایک بیان میں کہا کہ اینگلو امریکہ بلاک سے وابستگی کے سبب پاکستان کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔

24 دسمبر۔ سوشلسٹ پارٹیوں کے اجلاس کی تجویز

پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے کراچی میں مشرق وسطی کی تمام سوشلسٹ پارٹیوں اور سرمایہ دار دشمن سیاسی تنظیموں کے ایک مشترکہ اجلاس کے انعقاد کے فیصلہ کا اعلان کیا۔

26 دسمبر۔ پاکستان - ایشیا کا دل

ہارورڈ یونیورسٹی پریس نے ایک کتاب "پاکستان - ایشیا کا دل" شائع کی جس میں وزیراعظم پاکستان کے دورہ امریکہ اور کینیڈا کی تقاریر کو مرتب کیا گیا تھا۔

جنوری 1951ء

6 جنوری۔ اینگلو امریکی بلاک کی ریشہ دوانیوں کی شکایت

مشرقی بنگال مسلم لیگ کے صدر مولانا اکرم خان نے ایک بیان میں پاکستان کے سلسلے میں اینگلو۔ امریکی بلاک کی ریشہ دوانیوں کی شکایت کی۔

9 جنوری۔ نہرو' لیاقت مذاکرات ناکام

دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی لندن کانفرنس کے موقع پر مسئلہ کشمیر کے سلسلے لیاقت علی خان اور پنڈت نہرو کے درمیان ہونے والے مذاکرات ناکام ہو گئے۔

12 جنوری۔ پاکستان کا آئین

دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین نے بتایا کہ پاکستان کا آئین' بھارتی آئین کی طرز پر بنایا جائے گا۔

13 جنوری۔ ویت نامی وفد کی آمد

تین افراد پر مبنی ویت نام کے ایک خیر سگالی وفد نے پاکستان کا دورہ کیا۔

17 جنوری۔ ایوب خان کمانڈر انچیف

جنوری 1951ء میں ایوب خان نے بری افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدے کا چارج لے لیا۔ انہیں پچھلے سال 1950ء میں اس عہدے کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ "تقریباً دو سو برس بعد' ایک مسلمان فوج کو' ایک مسلمان کمانڈر انچیف ملا تھا۔" اس موقع پر انہوں نے اپنے ماتحتوں سے کہا کہ وہ سیاست سے الگ تھلگ رہیں:

"سیاست سے اپنا دامن بچا کر رکھئے۔ جب میں یہ کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ اپنے ملکی امور میں دلچسپی نہ لیں یا ان سے لاعلم رہیں بلکہ پاکستان کے ایک شہری ہونے کے ناطے آپ کو ملکی امور میں دلچسپی لینی چاہئے لیکن جس چیز سے آپ کو اپنا دامن بچانا ہے وہ ہے جماعتی سیاست میں عملی شرکت اور کسی خاص نظریے کی تشہیر' جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ ہم پاکستان کے نوکر ہیں اور اس لحاظ سے اس جماعت کے نوکر ہیں جسے عوام نے منتخب کر کے اقتدار سونپا ہے۔"

(حوالہ: 84)

18 جنوری۔ سیفٹی ایکٹ اور صحافی

مدیران جرائد کی کل پاکستان تنظیم کے صدر جناب فیض احمد فیض نے ایک بیان میں کہا کہ صحافی سیفٹی ایکٹ کا جواز پیش کرنے والی سیاسی جماعتوں سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتے۔

20 جنوری۔ مسلم لیگ سے مولانا اکرام کا استعفیٰ

مشرقی بنگال مسلم لیگ کے صدر مولانا اکرم خان اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔

22 جنوری۔ پاکستان اور سپین کے درمیان تجارتی معاہدہ

پاکستان اور سپین کے درمیان میڈرڈ میں ایک تجارتی معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت سپین کو پاکستان نے روئی' بنولہ اور کھالیں دینے کا وعدہ کیا جب کہ سپین نے پاکستان کو کیمیائی اشیاء دینے کا معاہدہ کیا۔

23 جنوری۔ پاکستان میں کوئی سیاسی مخالف پارٹی نہیں ہے: لیاقت علی

پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان نے کہا کہ پاکستان میں کوئی ایک بھی مخالف سیاسی پارٹی وجود نہیں رکھتی۔

25 جنوری۔ جناح لیاقت اور عوامی لیگ کا ادغام

حسین شہید سہروردی کی عوامی مسلم لیگ اور نواب افتخار ممدوٹ کی جناح مسلم لیگ نے ایک پارٹی میں مدغم ہونے کا اعلان کر دیا۔ نئی پارٹی کا نام جناح عوامی لیگ رکھا گیا جس کے صدر سہروردی مقرر ہوئے۔

فروری 1951ء

3 فروری۔ مہاجرین کو پنشنوں کی ادائیگی کا فیصلہ

حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا کہ مہاجرین کو پنشنیں اور پراویڈنٹ فنڈ ادا کیا جائے گا۔

4 فروری۔ جماعت اسلامی کا انتخابی منشور

جماعت اسلامی نے پنجاب کے لئے اپنے انتخابی منشور میں کہا کہ جماعت کا نظریہ حیات عالمگیر ہے۔ وہ اس نظریے کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں رائج کرنا چاہتی ہے۔

8 فروری۔ مہاجرین کی آباد کاری کے فیصلے

ناظم کراچی سید ہاشم رضا نے 30 جون 1951ء تک ایک لاکھ مہاجرین کو بسا دینے کے ایک حکومتی منصوبے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ 30 ستمبر 1950ء کے بعد آنے والے مہاجرین کراچی میں آباد نہیں کئے جائیں گے۔

9 فروری۔ پاکستان میں پہلی مردم شماری

پاکستان میں پہلی مردم شماری کا کام شروع کر دیا گیا۔ سب سے پہلے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین اور ان کے اہل خانہ نے اپنے ناموں کا اندراج کروایا۔ اس سے قبل 1941ء میں متحدہ ہندوستان میں مردم شماری ہوئی تھی جس کے اعداد و شمار کو 1947ء میں تقسیم کے موقع پر مدنظر رکھا گیا تھا۔

10 فروری۔ "نوائے وقت" سنسر کی زد میں

پنجاب کی حکومت نے روزنامہ "نوائے وقت" پر سنسرشپ عائد کر دی۔ آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما میاں محمود علی قصوری نے اس فیصلے کی فوری مذمت کی۔

12 فروری۔ چوہدری رحمت علی کا انتقال ہو گیا

سب سے پہلے "پاکستان" کے نام کو استعمال کرنے والے مسلم رہنما چوہدری رحمت علی کا لندن انتقال ہو گیا۔

مزید دیکھیں، اسی جلد کا حصہ، اہم شخصیات

19 فروری۔ آغا عبدالحمید وزیراعظم قلات مقرر ہو گئے

وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان کے پرائیویٹ سیکرٹری آغا عبدالحمید ریاست قلات کے وزیر اعظم مقرر کر دیئے گئے۔

24 فروری۔ بحری کمانڈر انچیف کی مدت ملازمت میں توسیع

پاکستان کی بحری فوج کے انگریز کمانڈر انچیف ایڈمرل جیفورڈ کی مدت ملازمت میں یکم جنوری 1951ء سے ایک سال کی مزید توسیع کر دی گئی۔

25 فروری۔ بھارت نے پاکستانی سکے کی مساوی قیمت کو قبول کر لیا

ہندوستان نے پاکستانی سکے کی بھارتی سکے کی مساوی قیمت کو قبول کر لیا۔ دونوں ملکوں کے درمیان 17 ماہ کے تجارتی تعطل کے بعد، پاک۔ بھارت کے درمیان تجارتی معاہدے کا خیر مقدم کیا گیا۔

26 فروری۔ امریکہ سفیروں کی کانفرنس اور پاکستان

پاکستان، ہندوستان، سری لنکا، افغانستان کے امریکی سفیر اور لندن، تہران، رنگون، بنکاک، سائیگان اور منیلا میں متعین امریکہ سفارتی نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت جارج، سی، میگی نے کی۔ جو چھ روز تک جاری رہی۔ پاکستان کے نقطہ نظر سے یہ کانفرنس غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی کیونکہ اس کے نتائج اور سفارشات، پاکستان کو امریکہ کی نظر میں غیر معمولی طور پر اہم بنا رہی تھیں۔ اگرچہ امریکہ بھارت کی ناراضگی اور افغانستان سے تعلقات کا بگاڑ بھی نہیں چاہتا تھا۔

کانفرنس کے نتائج اور اس کی سفارشات مندرجہ ذیل تھیں:۔

(الف) جنوبی ایشیا میں امریکہ کے سٹریٹجک مفادات

(الف) نتائج

(1) جنوبی ایشیا کے موثر ترین فوجی دفاع کے لئے مضبوط پہلوؤں کی ضرورت ہو گی۔ مغربی کی جانب ترکی، ایران اور پاکستان بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جبکہ ہند چینی مشرق کی جانب ہے۔

(2) پاکستان، اب جنوبی ایشیا یا مغربی پہلو میں کسی اور جگہ استعمال کے لئے زمینی قوتیں فراہم کر سکتا ہے۔ لہٰذا امریکہ اور برطانیہ کے لئے یہ مفید ہو گا کہ وہ پاکستان کو فوجی آلات فراہم کر کے اس کی بری افواج کو فوری طور پر ترقی دیں۔

(3) ----- اگر بھارت کی خارجہ پالیسی تبدیل نہ ہوئی تو وہ جنگ کے دوران آزاد دنیا کو فوجی تعاون فراہم نہیں کرے گا۔-------

(4) سری لنکا اور پاکستان میں کئی ایسے اڈے موجود ہیں جو جنگ کے ہی سے آزاد دنیا کی فوجی کاروائیوں میں بہت مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

(ب) سفارشات

(1) امریکہ کے فوجی حکام کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر پاکستان کے ساتھ جلد ایک سمجھوتے کے قابل قبول ہونے کا جائزہ لیں۔ جس کے تحت پاکستان کی افواج کو ساز و سامان سے لیس کیا جائے۔ انہیں مضبوط بنایا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جنگ کے آغاز میں مغربی پہلو پر پاکستان کی بری افواج امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے سپرد کر دی جائیں گی۔

(2) بھارت اگر مغربی پہلو یا کسی دوسری جگہ اپنی افواج کے استعمال کے بارے میں ایسی ذمہ داریاں قبول کرنے پر رضامندی ہو تو اسے بھی ایسے ہی سمجھوتے کی پیشکش کی جائے۔

(3) اگر مشرق وسطی کا ایک ایسا معاہدہ نشوونما پائے جس میں ایران شریک

ہو تو پاکستان کو بھی اس کی رکنیت کی پیشکش کی جائے۔۔۔۔۔۔۔ تاہم یہ عمل اس مفاہمت کی نفی نہیں کرے گا جس کی سفارش دوسری شق میں کی گئی ہے۔

(4) پاکستان یا بھارت کے ساتھ بات چیت سے پہلے، دوسری، تیسری اور چوتھی سفارش کے بارے میں برطانیہ سے صلاح مشورہ کیا جائے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا نتائج اور سفارشات میں، امریکہ نے پاکستان کے بنیادی مسائل ---- کشمیر اور پشتونستان ---- پر کسی کمنمنٹ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا۔ (حوالہ: 85)

مارچ 1951ء

2 مارچ۔ وزیر اعظم کا انتخابی دورہ

پنجاب میں مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے سلسلے میں ایک خصوصی ٹرین کے ذریعے وزیر آباد، گجرات اور جہلم کے عوام سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک غریب عوام کی مشکلات ختم نہیں ہوں گی، وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

3 مارچ۔ مرزا ابراہیم کو رہا کیا جائے: سردار شوکت علی

کیمونسٹ پارٹی کے سیکرٹری سردار شوکت علی نے ایک بیان میں مطالبہ کیا کہ مرزا ابراہیم کو رہا کیا جائے۔

4 مارچ۔ عبدالغفار خان کے بارے میں نہرو کا بیان

بمبئی کے ایک جلسے سے تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے کہا کہ انہوں نے حکومت پاکستان سے خان عبدالغفار خان کی رہائی کی دو بار اپیل کی تھی کیونکہ وہ ان کے پرانے ساتھی ہیں اور ان کا مقید رہنا، ان کے دل کا سب سے بڑا کانٹا ہے۔

8 مارچ۔ پاکستان دفاعی اخراجات میں کمی نہیں کرے گا: لیاقت علی

پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے گوجرانوالہ کے ایک انتخابی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جب تک کشمیر کو بھارت سے آزادی نہیں مل جاتی، پاکستان اپنے دفاعی اخراجات اور تیاریاں کم نہیں کرے گا۔

9 مارچ۔ راولپنڈی سازش کیس

9 مارچ کو وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے ایک ہنگامی بیان میں بتایا کہ پاکستان کے دشمنوں کی ایک سازش پکڑی گئی ہے اور اسے ناکام بنا دیا گیا ہے۔ سازش کے سرغنوں (میجر جنرل اکبر خان، بریگیڈیر ایم اے لطیف، پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض اور بیگم اکبر خان) کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ دو ماہ کے اندر اندر مزید فوجی افسروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ایک خصوصی عدالت کے تحت حیدر آباد جیل میں ملزموں پر مقدمہ چلایا گیا اور انہیں چار سے چودہ سال تک کی سزائیں دی گئیں۔ 1955ء میں تمام سزا یافتگان رہا کر دیئے گئے۔

10-30 مارچ۔ پنجاب کے انتخابات

قیام پاکستان کے بعد، پنجاب کے پہلے انتخابات 10 مارچ کو شروع ہوئے اور 30 مارچ تک جاری رہے۔ جس میں حکمران جماعت مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ یہ انتخابات بنیادی طور پر میاں ممتاز دولتانہ اور افتخار حسین ممدوٹ کے درمیان طاقت کا اظہار تھے۔ جناح مسلم لیگ کے افتخار ممدوٹ اور پوزیشن کے دیگر حلقوں نے انتخابات میں زبردست دھاندلی کا الزام لگایا اور اسے "جھرلو" الیکشن قرار دیا۔ جس میں انتظامیہ نے مبینہ طور پر کھل کر حکمران جماعت کی کامیابی کے لئے موثر اقدامات کئے تھے۔

مزید دیکھیں، اسی جلد کا حصہ، "پاکستان میں انتخابات"

17 مارچ۔ سرحد اسمبلی کی نشستوں میں اضافہ

دستور ساز اسمبلی نے ایک بل کی منظوری دی جس کے مطابق سرحد اسمبلی کی نشستیں پچاس سے بڑھا کر پچاسی کر دی گئیں۔

18 مارچ۔ انتخابات جلد کرائے جائیں۔: بھاشانی

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے صدر مولانا بھاشانی نے صوبے میں جلد از جلد انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔

19 مارچ۔ گریسی واپس چلے گئے

پاکستان کی بری فوج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی، فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد وطن واپس چلے گئے۔

21 مارچ۔ سندھ کا خسارے کا بجٹ

صوبہ سندھ کے وزیر اعلیٰ قاضی فضل اللہ نے تیس لاکھ کے خسارے کا بجٹ پیش کیا۔

22-23 مارچ۔ قاضی فضل اللہ مستعفی ہو گئے

سندھ کے وزیر اعلیٰ قاضی فضل اللہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ ایوب کھوڑو کو یا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ قاضی فضل اللہ نے کھوڑو کابینہ میں وزیر بننا منظور کر لیا۔

27 مارچ۔ یوتھ لیگ کانفرنس

مشرقی بنگال کے نوجوانوں کی یہ کانفرنس 27 مارچ 1951ء کو منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا انعقاد ڈھاکہ بار ایسوسی ایشن لائبریری میں ہونا تھا۔ اسے روکنے کے لئے حکام نے نقص امن کے خطرے کے نام پر شہر میں دفعہ 144 نافذ کر دی۔ چنانچہ نوجوانوں نے اپنی کانفرنس ڈھاکہ شہر کے اس پار بوڑھی گنگا کو عبور کر کے زنجیرا نامی گاؤں میں منعقد کی اور اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان یوتھ لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ جناب محمود علی اس کے پہلے صدر اور جناب ولی عہد جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ محمود علی کا تعلق مسلم لیگ سے تھا اور وہ سیاسی سرگرمیوں میں دو بار جیل بھی جا چکے تھے۔

27 مارچ۔ پنجاب میں دوبارہ انتخابات کرائے جائیں : سہروردی

جناح مسلم لیگ کے سربراہ حسین شہید سہروردی نے مطالبہ کیا کہ پنجاب میں دوبارہ انتخابات کرائے جائیں۔

28 مارچ۔ پنجاب کا 52-1951ء کا بجٹ

پنجاب کے گورنر سردار عبدالرب نشتر نے صوبے کا 52-1951ء کا بجٹ پیش کیا جس میں تقریباً 16 لاکھ روپے کی بچت دکھائی گئی تھی۔ آمدنی: 21 کروڑ 63 لاکھ 12 ہزار روپے اور اخراجات 21 کروڑ 47 لاکھ اور 24 ہزار روپے۔ (حوالہ: 86)

اپریل 1951ء

1-6 اپریل۔ وزیر اعظم لیاقت کا دورہ لاہور

30 مارچ کو پنجاب کے الیکشن اختتام کو پہنچے۔ یکم اپریل کو وزیر اعظم کراچی سے لاہور آئے۔ ہوائی اڈے پر اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے اس الزام کی تردید کی کہ انتخابات میں کوئی بے قاعدگی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ الزام لغو اور بے ہودہ ہے اور انتخابات نے ثابت کر دیا ہے کہ پنجاب کا دل و دماغ اور روح مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ 12 اپریل کو پنجاب سے گورنر راج کا خاتمہ کر دیا گیا۔ 3 اپریل کو وزیر اعظم کی صدارت میں لیگ اسمبلی پارٹی کا اجلاس ہوا جس میں ممتاز دولتانہ کو متفقہ طور پر قائد چن لیا گیا۔ 4 اپریل کو انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ 5 اپریل کو ان کی سات رکنی کابینہ (صوفی عبدالحمید، سردار عبدالحمید دستی، چوہدری محمد حسین چٹھہ، سردار محمد خان لغاری، شیخ فضل الٰہی پراچہ اور سید علی حسین گردیزی) نے حلف اٹھایا۔ 6 اپریل کو وزیر اعظم واپس کراچی چلے گئے۔

10 اپریل۔ حمید ہاشمی گرفتار

روزنامہ 'امروز' کے چیف سب ایڈیٹر حمید ہاشمی گرفتار کر لئے گئے۔

11 اپریل۔ سندھ اسمبلی کے انتخابات 1952ء میں ہوں گے

دستور ساز اسمبلی میں سندھ میں انتخابات کرانے کے لئے ایک ترمیمی ایکٹ کی منظوری دی گئی۔ اس کے مجت صوبے میں 1952ء میں عام انتخابات ہوں گے۔ اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں کی تعداد 107 ہو گی۔

11 اپریل۔ امرت الیکٹرک پریس کی ضبطی

11 اپریل 1951ء کو پنجاب کی نئی اور منتخب مسلم لیگی حکومت نے پنجاب سیفٹی ایکٹ کے تحت روزنامہ "نوائے وقت" کے امرت الیکٹرک پریس کو ضبط کر لیا سرکاری اعلان میں بتایا گیا کہ سیفٹی ایکٹ کے تحت 10 فروری کو "نوائے وقت" پر جو سنسر شپ عائد کی گئی تھی، اخبار نے کئی بار اس کی خلاف ورزی کی ہے۔ حقیقت میں اخبار نے 8 مارچ کو مس فاطمہ جناح کا ایک بیان شائع کیا تھا۔ 25 مارچ کو صوبے سے سنسر ہٹا لیا گیا تھا۔ اس دوران اخبار کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی گئی تھی۔ 12 اپریل کو اخبار نہ نکل سکا۔ (حوالہ: 87)

19 اپریل۔ یوم فلسطین منانے کی اپیل

جمیعت العلمائے پاکستان نے 3 مئی کو یوم فلسطین منانے کی اپیل کی۔

29 اپریل۔ قیوم خان سرحد مسلم لیگ کے صدر

صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان کو صوبائی مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

30 اپریل۔ کشمیر اقوام متحدہ کے نمائندے کا تقرر

کشمیر میں اقوام متحدہ کے نمائندے پی۔ گراہم کا تقرر کر دیا گیا۔

مئی 1951ء

7 مئی۔ طویل وقفے کے بعد پنجاب اسمبلی کا اجلاس

طویل عرصے تک گورنر راج کے نفاذ اور مارچ 51ء کے انتخابات کے بعد پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ پہلے روز تین گھنٹے کی کاروائی کے دوران 194 منتخب ارکان میں سے 188 ارکان نے اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا۔ خلیفہ عبدالحکیم کو متفقہ طور پر پنجاب اسمبلی کا سپیکر چن لیا گیا۔

11 مئی۔ کسان کمیٹی کا کارکن گرفتار

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں کسان کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری محمد شریف گرفتار کر لئے گئے۔

12 مئی۔ آزاد پاکستان پارٹی کا کنونشن

آزاد پاکستان پارٹی کا کنونشن سندھ کے شہر ٹنڈو محمد خان میں منعقد ہوا۔ میر علی احمد تالپور پارٹی کے سیکرٹری جنرل منتخب کر لئے گئے۔

13 مئی۔ مولانا حسرت موہانی کا انتقال ہو گیا

مولانا فضل الحسن حسرت کا انتقال ہو گیا۔ مولانا 1923ء میں مسلم لیگ کے صدر بھی رہ چکے تھے۔ 1925ء میں کانپور میں پہلی کیمونسٹ کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر بھی وہی تھے۔ 1936ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین میں بھی انہوں نے انتہائی فعال کردار ادا کیا۔ 1950ء میں جب وہ پاکستان آئے تو ان سے پاکستان میں مستقل قیام کی درخواست کی گئی تھی جس کے جواب میں انہوں نے کہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی ضرورت ہے اور وہ انہی کے ساتھ رہیں گے۔ ہندوستان واپسی کے ایک سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

16 مئی۔ بھارت کو راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے: ظفر اللہ

پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے سلامتی کونسل کے اجلاس سے واپسی کے بعد کہا کہ کونسل کشمیر کے مسئلے میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی اور بھارت کو راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔

28 مئی۔ ظہیر بابر گرفتار

روزنامہ ''امروز'' کے سب ایڈیٹر' جناب ظہیر بابر سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

جون 1951ء

4 جون۔ یحیٰی خان بریگیڈئیر بنا دیئے گئے

انٹر سروسز پبلک ریلشنز (آئی ایس پی آر) کے ایک پریس نوٹ کے مطابق لیفٹیننٹ اے ایم یحیٰی' کرنل عبدالحمید خان اور کرنل سرفراز خان بریگیڈئیر بنا دیئے گئے۔

7 جون۔ پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت طالب علم رہنما گرفتار

پنجاب ڈیمو کریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن (ڈی ایس ایف) کے نائب صدر پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

17 جون۔ لاہور میں مہاجر کنونشن کا انعقاد

لاہور میں معزز مہاجرین نے 24 جون کو وائی ایم سی اے ہال' لاہور میں مہاجرین کا ایک کنونشن طلب کر لیا۔ جس میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے مہاجروں سے متعلق پالیسی اور مہاجرین سے کرایہ کی وصولی کے امور پر غور کرنے کا اعلان کیا گیا۔ (حوالہ :88)

25 جون۔ برطانیہ کی عطا کردہ جاگیریں ضبط کر لی جائیں گی: دولتانہ

پنجاب کے وزیر اعلی میاں ممتاز دولتانہ نے کہا کہ انگریزوں کی عطا کردہ جاگیروں کو قائم رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے اس لئے وہ ضبط کر لی جائیں گی۔

جولائی 1951ء

5 جولائی۔ عرب لیگ کی جانب سے مسئلہ کشمیر کی حمایت

5 جولائی 1951ء کو عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل عظام پاشا نے حکومت ہند کے ایک احتجاجی خط کے جواب میں ایک مکتوب بھیجا۔

ہندوستان نے احتجاج کیا تھا کہ عرب ملکوں میں کشمیر کے مسئلے پر اکثر' اس کے خلاف غلط باتیں کہی جاتی ہیں۔ عظام پاشا نے اپنے جواب میں کہا کہ اکثر لوگ مسئلہ کشمیر سے متعلق بھارت کے رویے کو غلط اور پاکستان کے موقف کو درست سمجھتے ہیں۔ (حوالہ : 89)

7 جولائی۔ وزیر اعظم کی "دال روٹی"

وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ آئندہ وہ صرف ایسی دعوت قبول کریں گے جس میں دل روٹی سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

8 جولائی۔ دہلی میں "جنگ" کراچی کی ضبطی

دہلی کے چیف کمشنر نے روزنامہ "جنگ" کراچی کا 10 مئی کا شمارا ضبط کر لیا جس میں ہندوستان کے نقطہ نظر سے قابل اعتراض مواد شائع کیا گیا تھا۔

13 جولائی۔ مسلم لیگ سے سینکڑوں ارکان نکال دیئے گئے

پنجاب مسلم لیگ کے 474 ارکان انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی مخالفت کے سبب مسلم لیگ سے پانچ سال کے لئے نکال دیئے گئے۔

15 جولائی۔ لیاقت علی۔ بھارتی حملے کا خطرہ

15 جولائی 1951ء کو لیاقت علی خان نے کراچی میں ایک بیان میں کہا کہ بھارت کچھ دنوں سے اپنی فوجوں کو ان کے سابقہ مقامات سے منتقل کر کے بتدریج مغربی پاکستان کی سرحد کی جانب آگے بڑھاتا رہا ہے۔ پاکستان اس کی توپوں کی زد میں ہے۔ وزیر اعظم نے پاکستانی عوام سے اپیل کی کہ وہ اس خطرے کے مقابلے کے لئے تیار رہیں۔ اگر بھارت نے پاکستان پر حملے کی حماقت کی تو پاکستان کی فوج اپنا فرض ادا کرے گی۔

17 جولائی۔ لیاقت کا مکا

15 جولائی کے بیان نے عوام میں خاصا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں 'یوم دفاع' کے جلوس نکلنے لگے۔ کراچی میں ایسے ہی ایک جلوس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نے کہا کہ "امن کی خاطر ہم اپنی آزادی اور پاکستان کے وجود کو قربان نہیں کریں گے ------ میں قوم سے متحد ہو جانے کی اپیل کرتا ہوں ------ وہ وطن کے دفاع کے لئے فولادی دیوار کی طرف ڈٹ جائے ------" اپنا مکا لہراتے ہوئے انہوں نے کہا ---- "آج سے ہمارا یہی نشان ہے۔" روزنامہ 'ڈان' نے لکھا کہ "وزیر اعظم لیاقت علی خان نے پاکستانی قوم کو مکے کا نیا نشان عطا کیا ہے۔ وہ تقریباً تین منٹ تک اسی کیفیت میں رہے۔ آدھے کھڑکی سے باہر جھکے ہوئے۔ ان کے چہرے پر عزم نمایاں تھا........" (حوالہ : 90)

19 جولائی۔ مسئلہ کشمیر پر قاہرہ کی حمایت

19 جولائی کو قاہرہ ریڈیو سے نشر شدہ ایک تبصرے میں کہا گیا کہ پنڈت جواہر لال نہرو' کشمیر میں استصواب رائے کے متعلق اقوام متحدہ کے فیصلوں کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے قبل جنوری میں' کراچی میں مصری سفیر یہ اعلان کر چکے تھے کہ مصری حکومت کو کشمیر کی آزادی اور کشمیریوں کے حق خود ارادیت کا اصول اتنا ہی عزیز ہے جتنا وادی نیل کی آزادی کا مقصد۔ (حوالہ : 91)

21 جولائی۔ ملکہ وکٹوریہ کا بت ہٹا دیا گیا

چیرنگ کراس کے نزدیک مال روڈ سے ملکہ وکٹوریہ کا بت ہٹا کر لاہور کے عجائب گھر میں پہنچا دیا گیا۔ یہ مجسمہ 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خاتمے اور ہندوستان کے براہ راست برطانوی شہنشاہیت کے زیر تسلط آ جانے کے وقت نصب کیا گیا تھا۔

اگست 1951ء

12 اگست۔ صوبہ سرحد کے پہلے پاکستانی آئی جی

سردار عبدالرشید نے صوبہ سرحد کے پہلے پاکستانی انسپکٹر جنرل آف پولیس کا عہدہ سنبھال لیا۔ یہی سردار رشید بعد ازاں پہلے صوبہ سرحد اور پھر صوبہ مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ بھی بنے۔

21 اگست۔ پاک۔ بھارت جنگ کی ذمہ داری بھارت اور سلامتی کونسل پر ہو گی: لیاقت علی

پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک بیان میں کہا کہ اگر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو اس کی ذمہ داری ہندوستان اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل پر ہو گی۔

26 اگست۔ اکھنڈ بھارت کے خلاف احتجاج

پاکستان اور بھارت کو پھر سے ایک ملک بنانے کے پراپیگنڈے کے خلاف پاکستان نے ہندوستان سے زبردست احتجاج کیا۔

ستمبر 1951ء

2 ستمبر۔ پہلے چینی سفیر کی کراچی آمد

پاکستان میں چین کے پہلے سفیرہان نین لنگ کراچی پہنچ گئے۔

11 ستمبر۔ سلامتی کونسل کشمیر کا جلد فیصلہ کرائے: لیاقت علی

11 ستمبر کو وزیر اعظم لیاقت علی خان نے پاکستان میں متعین امریکی سفیر کو بتایا کہ انہیں دلی توقع تھی کہ امریکہ اور برطانیہ اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ سلامتی کونسل، کشمیر کے فیصلے کی طرف جلد قدم اٹھائے۔ ان (وزیر اعظم) پر بھاری دباؤ پڑ رہا تھا اور اس میں اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ اس بات کا حقیقی خطرہ تھا کہ پاکستان میں ان کی حیثیت کمزور ہو جائے گی۔ وہ طوفان کا مقابلہ صرف اس صورت میں کر سکتے تھے کہ اپنے عوام کو یقین دلا دیں کہ سلامتی کونسل کی طرف سے کاروائی میں تاخیر نہیں کی جائے گی۔ (حوالہ: 92)

14 ستمبر۔ امریکی سی آئی اے اور کشمیر

14 ستمبر کو امریکی سی آئی اے نے "1951ء کے دوران کشمیر کے جھگڑے کے امکانی امور" اور "بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کے امریکی دفاعی مفادات کے لئے نتائج" کے موضوع پر ایک "قومی انٹیلی جنس جائزہ" پیش کیا۔ اس میں یہ امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ پاکستان "خصوصاً 15 ستمبر سے یکم نومبر کے دوران جان بوجھ کر کشمیر میں مقامی کاروائی شروع کرے گا۔ یا اس کی سرپرستی کرے گا...... بھارت جان بوجھ کر جنگ شروع نہ کرے گا لیکن وہ جنگ کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے اور غالباً کشیدگی کو کم کرنے کی کوشش نہ کرے گا۔ رپورٹ میں آگے چل کر کہا گیا تھا:

"پاکستان کے ساتھ بھرپور جنگ کی صورت میں غالباً بھارت کو فتح ہو گی۔ بشرطیکہ پاکستان کو بڑی مقدار میں بیرونی امداد دستیاب نہ ہو جائے۔ ابتدائی طور پر شاید کسی ملک کو بھی فیصلہ کن کامیابی حاصل نہ ہو گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائی مرحلوں میں پاکستان بعض معرکے جیت جائے لیکن وقت، کے ساتھ اس کی مجموعی برتری کے سبب توازن بھارت کے حق میں چلا جائے گا۔ بھارتی بحریہ، مغربی پاکستان کی واحد بندرگاہ کراچی کی ناکہ بندی کر سکتی ہے اور اگرچہ بھارتی فضائیہ کی اپنی جارحانہ صلاحیتیں بہت کم ہیں لیکن وہ پاکستانی فضائیہ کو غیر موثر کر سکتی ہے۔"

جائزے میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی تھی کہ بھارت تصادم کو کشمیر تک محدود نہیں رکھے گا اور اسے پنجاب اور مشرقی بنگال تک پھیلا دے گا۔ علاوہ ازیں افغانستان کے ساتھ پاکستان کے مسائل بھی اس کے لئے پریشانی پیدا کر سکتے ہیں۔ جائزے میں جنگ کی صورت میں پاکستان کے مقدر کا اندازہ یوں پیش کیا گیا تھا:

"طویل جنگ کی صورت میں پاکستان یقیناً کم و بیش مشرقی پاکستان (جس میں اس کی آبادی کا 60% حصہ رہتا ہے۔) اور پنجاب کے بڑے حصوں سے محروم ہو جائے گا اور اس کا معاشی و سیاسی استحکام---- بلکہ اس کا وجود بھی------ خطرے کی زد میں آ جائے گا۔"

جائزے میں کہا گیا تھا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان وسیع پیمانے پر جنگ سے امریکہ کے دفاعی مفادات شدید کے دفاع کے مغربی منصوبوں میں پاکستان کی فوری شرکت کا امکان ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اگر جنگ کے نتیجے میں پاکستان غیر متحرک یا غیر جانبدار ہو گیا تو پھر "امکانی اہمیت کے حامل فضائی اڈوں کے وہ مقامات ہاتھ سے نکل سکتے ہیں جنہیں سوویت یونین کے کسی بھی حصے پر بمباری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔" اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ دونوں ملکوں میں داخلی زوال تیز ہو جاتا جس سے بھارتی کیمونسٹ، چین کی مدد سے حکومت پر بھی قبضہ کر سکتے تھے۔

سی آئی اے کے جائزے میں بیان کیا گیا تھا کہ لیاقت علی خان اور دوسرے لیڈر "انتہا پسند بیانات دے رہے تھے۔ جو "مایوسی کے ایک خطرناک موڈ" کی نشان دہی کرتے تھے۔ (حوالہ: 93)

22 ستمبر۔ محترمہ فاطمہ جناح کی تقریر دوبارہ نشر کی جائے

چوہدری خلیق الزمان نے مطالبہ کیا کہ محترمہ فاطمہ جناح کی تقریر ریڈیو سے دوبارہ نشر کی جائے۔ یہ تقریر انہوں نے 11 ستمبر کو قائداعظم کے تیسرے یوم وفات کے موقع پر کی تھی اور اسے کانٹ چھانٹ کر نشر کیا گیا تھا۔ اگلے روز تقریر دوبارہ نشر کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

28 ستمبر۔ گراہم کی کشمیر رپورٹ

28 ستمبر کو گراہم نے نیو یارک واپس پہنچ کر اقوام متحدہ میں امریکی مندوب ارنسٹ اے گراس کو بتایا کہ اپنی رپورٹ تیار کرنے میں انہیں دس دن لگیں گے۔ شیڈول کے مطابق سلامتی کونسل نے اپنا نیو یارک اجلاس 19 اکتوبر کو ختم کرنا تھا اور بعد ازاں پیرس میں اپنا اجلاس شروع کرنا تھا۔ گراہم نے بتایا کہ انہیں اس بات کی کوئی توقع نہیں کہ سلامتی کونسل نیو یارک اجلاس کے دوران ان کی رپورٹ پر کوئی قدم اٹھائے گی۔ اس اطلاع نے امریکی محکمہ خارجہ کو قدرے پریشان کر دیا کیونکہ امریکی نمائندے وارن آسٹن نے قبل ازیں، پاکستانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کو یقین دلایا تھا کہ گراہم کی رپورٹ پیش ہونے کے بعد سلامتی کونسل میں جلد ہی اس پر بحث شروع کی جائے گی۔ کراچی سے امریکی

سفیر نے پیغام بھجوایا کہ سلامتی کونسل میں رپورٹ پیش ہونے کے معاملے میں کسی تاخیر سے پاکستان میں بہت مخالفانہ اثرات ہوں گے۔
(حوالہ: 94)

29 ستمبر۔ انیس ہاشمی اور ممتاز حسین کو رہا کیا جائے

کراچی کی صحافیوں کی تنظیم نے کیونسٹ پارٹی کے رکن انیس ہاشمی اور اردو کے ترقی پسند نقاد جناب ممتاز حسین کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ دریں اثناء پنجاب کی حکومت نے سوشلسٹ کسان پارٹی کے رکن صدیق لودھی کی رہائی کا فیصلہ کر لیا۔

اکتوبر 1951ء

5 اکتوبر۔ رکن پنجاب اسمبلی گرفتار

چکوال سے پنجاب اسمبلی کے رکن چوہدری امیر خان سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

6 اکتوبر۔ حسین امام پاکستان آ گئے

ہندوستان کی پارلیمان کے رکن حسین امام مستقل طور پر ہجرت کر کے پاکستان منتقل ہو گئے۔

7 اکتوبر۔ صوبہ سرحد میں سہروردی کا داخلہ بند

صوبہ سرحد کی حکومت نے اپوزیشن رہنما حسین شہید سہروردی کا صوبہ سرحد میں داخلہ بند کر دیا۔

8 اکتوبر۔ امریکہ کشمیر اور اقوام متحدہ

امریکی وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ میں اپنے نمائندے کو پاک۔ بھارت تناؤ اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں امریکی سوچ سے مطلع کیا۔ اپنے مراسلے میں انہوں نے لکھا:

"ہماری سوچ دو تصورات سے مشروط ہے۔ اقوام متحدہ کی سرگرمی کی نوعیت ایسی ہونی چاہئے کہ

(الف) فریقین کے رویئے جامد اور سخت نہ ہو جائیں۔

(ب) پاکستان کو معقول حل کی کافی امید دلائی جائے تاکہ وہ مایوس ہو کر قوت کے استعمال پر نہ اتر آئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عمومی طور پر مناسب یہ ہو گا کہ سلامتی کونسل کسی فریق کو ایسے طرز عمل کی سفارش کرنے سے گریز کرے جسے کھلم کھلا اس قدر سختی سے مسترد کر دیا جائے کہ فوری اور مسلسل اتھارٹی کا امکان ہی کم ہو جائے۔ بہتر یہ ہو گا کہ اقوام متحدہ کے نمائندے کو مسلسل اتھارٹی مہیا کی جائے اور انہیں فریقین سے نمٹنے کے قابل بنایا جائے۔

"---- میرا خیال ہے کہ گراہم کے لئے دانائی کی بات یہ ہو گی کہ 15 اکتوبر سے پہلے جلد از جلد ایک رپورٹ پیش کر دیں جس میں واقعاتی پس منظر کے ساتھ ساتھ یہ ایک سفارش بھی شامل ہو کہ سلامتی کونسل ان کی ثالثی کا اختیار بحال رکھے۔ فریقین (پاکستان اور بھارت) کو سلامتی کونسل کے اجلاس کی پیرس منتقلی سے پہلے اساسی بیانات دینے کا موقع دیا جائے۔ نومبر میں برطانیہ' امریکہ اور دیگر پیش کار ایک قرارداد پیش کر سکتے ہیں جو گراہم کے ثالثی کے اختیار کو برقرار رکھے گی۔" (حوالہ: 95)

9 اکتوبر۔ لیاقت بنام امریکہ

پاکستان کے وزیراعظم شدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ کشمیر کے مسئلہ پر اقوام متحدہ کی طرف سے ثالثی کے فرائض انجام دینے والے ڈاکٹر گراہم' اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اپنی رپورٹ جلد سے جلد پیش کریں تاکہ امریکہ اس مسئلے پر پاکستان کی حمایت کرے۔ لیکن 9 اکتوبر تک گراہم کی رپورٹ پیش نہ ہونے سے انہیں کافی مایوسی ہوئی۔ اسی رات انہوں نے امریکی سفیر وارن پیش کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سفیر نے بتایا کہ امریکہ نے گراہم پر واضح کر دیا تھا کہ ...... سلامتی کونسل کا نیو یارک اجلاس ختم ہونے سے پہلے رپورٹ پیش ہو جائے اور اس پر بحث بھی ہو جائے۔

لیاقت علی خان نے کہا کہ اس موضوع پر واضح اتفاق رائے تھا۔ ظفر اللہ خان نے انہیں بتایا تھا کہ اس سلسلے میں انہیں یقین دہانیاں کرائی گئی تھیں۔ آخر انہیں کیوں پورا نہیں کیا گیا ...... کہیں نہ کہیں چالبازی ضروری ہوئی ہے۔" وہ چلائے کہ "ہم پاکستانیوں کو یقین ہے کہ جہاں کہیں امریکی مفاد ملوث ہو۔ وہاں کاروائی فوراً عمل میں آتی ہے۔" امریکی سفیر نے بتایا کہ سلامتی کونسل میں ایرانی مسئلہ پیش ہو گیا تھا۔ امریکہ اور پاکستان دونوں کو ایران کے معاملے سے دلچسپی تھی۔"

اس پر وزیراعظم نے کہا کہ وہ توقع کرتے تھے کہ 15 اکتوبر سے پہلے گراہم کی رپورٹ بحث کے قابل ہو گی۔ (حوالہ: 96)

10 اکتوبر۔ کشمیر' پاکستان اور امریکہ

10 اکتوبر کو کراچی سے امریکی سفیر وارن نے اپنی حکومت کو یہ رپورٹ بھیجی کہ پاکستانی پریس میں حکمران مسلم لیگ جماعت کے بہت سے رہنماؤں کے احتجاجی بیان شائع ہوئے ہیں۔ جن میں (پاکستانی) حکومت کی "دیکھو اور انتظار کرو والی خارجہ پالیسی" کی مذمت کی گئی ہے۔

روزنامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے کشمیر کے مسئلے پر دنیا کی توجہ حاصل کرنے کے لئے عوامی مظاہروں کا تقاضہ کیا تھا۔ کراچی میں کالجوں کے طلباء نے اجلاس منعقد کئے تھے۔ جن میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ حکومت کشمیر کے مسئلہ پر زور دار قدم اٹھائے۔ بظاہر وارن کو شبہ تھا کہ یہ سب باتیں حکومت کے ایماء پر ہو رہی تھیں۔ اگر حکومت عوامی جذبات کو ابھار رہی ہے یا اس کی اجازت ہی دے رہی ہے تو پھر "میں سمجھتا ہوں کہ وہ جنگ کے بے سوچے سمجھے خطرے کو دعوت دے رہی ہے۔" (حوالہ: 97)

10 اکتوبر۔ سوئی کے مقام پر تیل کی تلاش

بلوچستان میں سوئی کے مقام پر تیل کی تلاش میں کنوؤں کی کھدائی کا کام شروع کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ قبل تیل کے ماہرین نے اس مقام پر بڑے پیمانے پر تیل کے ذخائر کی نشاندہی کی تھی۔

10 اکتوبر۔ سیفٹی آرڈیننس میں مزید توسیع

حکومت پاکستان نے سیفٹی آرڈیننس کی مدت میں مزید توسیع کر دی۔

11 اکتوبر۔ ڈاکٹر مصدق سے چوہدری ظفراللہ کی ملاقات

وزیر خارجہ پاکستان سر ظفراللہ خان نے ایران کے وزیراعظم ڈاکٹر مصدق سے ملاقات کی۔

15 اکتوبر۔ سردار شوکت علی رہا کر دیئے گئے

کمیونسٹ پارٹی پنجاب کے سیکرٹری سردار شوکت علی رہا ہو گئے۔

15 اکتوبر۔ گراہم نے رپورٹ پیش کر دی

15 اکتوبر کو گراہم نے اقوام متحدہ کو اپنی رپورٹ پیش کر دی لیکن اس پر فوری بحث کے لئے کوئی اشارہ نہ دیا۔ اگلے دن وزیراعظم، راولپنڈی میں ایک جلسہ عام میں ایک اہم اعلان کرنے والے تھے۔

16 اکتوبر۔ وزیراعظم لیاقت علی قتل کر دیئے گئے

اس روز جب وہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو قاتل کی گولی ان کی پہلے سے منتظر تھی۔ انہوں نے ابھی مخاطب کے لفظ ادا ہی کئے تھے کہ دو بار بندوق چلی اور وزیراعظم گر پڑے۔ گولی چلانے والے سید اکبر نے سامعین کی اگلی قطار میں سے گولی چلائی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں نے (اگلی صف میں عام طور پر سفید کپڑوں میں خفیہ پولیس کے لوگ ہوتے ہیں۔) ان آوازوں کے درمیان کہ "قاتل کو زندہ پکڑ لو" اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ وزیراعظم کے سیکرٹری صدیق علی خان لکھتے ہیں:

"پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کی لاش بے گور و کفن پڑی تھی۔ زخموں سے خون رس رہا تھا۔ قیامت خیز گرمی سے لاش لحظہ بہ لحظہ بگڑ رہی تھی۔ ہوش اقتدار کے بھوکے' مرحوم وزیراعظم کی کابینہ کے دو بیوروکریٹ ارکان کرسیوں کی بندر بانٹ میں الجھے ہوئے تھے۔ غلام محمد نے وزیراعظم بننے کے لئے مشتاق احمد گورمانی کی آشیرباد حاصل کر لی تھی۔ خواجہ ناظم الدین بھاگم بھاگ نتھیا گلی سے آئے۔ انہوں نے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ وہ خود وزیراعظم کے علاوہ کسی عہدے پر رضامند ہونے کو تیار نہ ہوئے۔"

بیگم رعنا لیاقت علی خان نے ایک بیان میں بتایا کہ ان کے شوہر کو' ایک سازش کے ذریعے قتل کیا گیا۔ ان کے سیکرٹری صدیق علی خان کا بھی یہی خیال تھا۔ یہ سازش تھی یا ایک جنونی کا انفرادی فعل؟ اس سوال کا آج تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکا اور اگر یہ سازش ہی تھی تو اس کے ڈانڈے ملکی سیاست تک ہی محدود تھے یا اقوام متحدہ اور واشنگٹن تک پھیلے ہوئے تھے۔ امریکہ پریشان تھا کہ پاکستان اگر ہندوستان کے ساتھ جنگ میں الجھ گیا تو اس کے مشرق وسطی کے دفاعی مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ وہ ماسکو تک نشانہ لگانے والے پاکستانی اڈوں سے محروم ہو جائے گا۔ 28 اکتوبر کو بیگم شائستہ اکرام اللہ نے کہا کہ وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کا تعلق مشرق وسطیٰ کے وزرائے اعظم کے قتل سے ہے۔ یا پھر یہ کام بھارتی ایجنٹوں نے سرانجام دیا تھا؟ یہ امر واقعہ ہے کہ یہ سارے سوالات آج تک جواب طلب پڑے ہیں۔ ایک ایسے معمے کی طرح جس کا کوئی حل ہو تا ہی نہیں۔ (حوالہ: 98)

17- اکتوبر۔ قیادت میں تبدیلیاں

گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین وزیراعظم اور وزیر خزانہ غلام محمد پاکستان کے گورنر جنرل مقرر ہو گئے۔ 23 اکتوبر کو پاکستان کی نئی مرکزی کابینہ کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا۔

17 اکتوبر۔ سیفٹی ایکٹ کی توسیع کا شاعرانہ ردعمل

سیفٹی ایکٹ میں ایک سال کی توسیع پر روزنامہ "جنگ" کراچی میں ممتاز شاعر جناب رئیس امروہوی کا مندرجہ ذیل قطع شائع ہوا۔

قوم مایوس ہو گئی تجھ سے
اللہ اللہ یہ ذوق عجز و نیاز
اور اک سال کی ہوئی توسیع
سیفٹی ایکٹ تیری عمر دراز

23 اکتوبر۔ کونسل آف پاکستان ایڈیٹرز کی تشکیل

پاکستانی اخبارات اور جرائد کے مدیروں کی ایک نئی انجمن "کونسل آف پاکستان ایڈیٹرز" کا قیام عمل میں آیا۔

24 اکتوبر۔ لیاقت قتل کے سلسلے میں کمیشن کا قیام

حکومت نے مرحوم لیاقت علی خان کے قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں ایک کمیشن تشکیل دیا۔ جس کے چیرمین جسٹس محمد منیر مقرر کئے گئے۔ کمیشن نے 8 نومبر کو لاہور میں اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ 19 نومبر کو وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین نے انکشاف کیا کہ انہیں 392 پولیس والوں کی موجودگی میں ختم کیا گیا تھا۔

27 اکتوبر۔ برسر اقتدار پارٹی بدعنوان ہے: سہروردی

جناح عوامی مسلم لیگ کے مرکزی رہنما اور سابق وزیراعلی متحدہ بنگال جناب حسین شہید سہروردی نے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکمران پارٹی بدعنوانی اور اقربا پروری میں ملوث ہے نیز اس نے ملک کی عدلیہ کی آزادی کو بھی چھین لیا ہے۔

29 اکتوبر۔ علامہ مشرقی اور مرزا ابراہیم کی رہائی کا مطالبہ

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی اور کیمونسٹ رہنما مرزا ابراہیم کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

30۔ اکتوبر۔ سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کا بار بار التواء

18 اکتوبر کو سلامتی کونسل کے نے مسئلہ کشمیر پر بحث کو ملتوی کر دیا تھا۔ کشمیر ڈیمو کریٹک یونین کے صدر پریم ناتھ بزار نے کہا کہ عوام سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کے بار بار التواء سے اکتا گئے ہیں۔ 10 نومبر کو ڈاکٹر گراہم سے کہا گیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں مزید چھ ہفتے پاکستان اور ہندوستان سے بات چیت کریں۔

31 اکتوبر۔ احمد ندیم قاسمی کی رہائی

مشہور ترقی پسند ادیب اور شاعر احمد ندیم قاسمی کو رہا کر دیا گیا۔

نومبر 1951ء

2 نومبر۔ قائدین کے نام پر نئے شہر

تھل کے علاقے میں قائداعظم محمد علی جناح کے نام پر قائد آباد اور مولانا محمد علی جوہر کے نام پر جوہر آباد نامی دو شہروں کی بنیاد ڈالی گئی۔ نومبر 1951ء تک جوہر آباد کی دو تہائی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔

5 نومبر۔ آئی آئی چندریگر، پنجاب کے نئے گورنر

سردار عبدالرب نشتر کی جگہ آئی آئی چندریگر کو پنجاب کا نیا گورنر مقرر کیا گیا۔

9 نومبر۔ خان قیوم کی "بلا مقابلہ" کامیابی

صوبہ سرحد کے انتخابات میں وزیر اعلی سرحد خان عبدالقیوم خان کا مقابلہ کرنے والے دونوں امیدواروں کے کاغذات نامزدگی کو مسترد کر دیا گیا۔

15 نومبر۔ مسلم لیگ کے نئے صدر

اگست 50ء میں چوہدری خلیق الزماں کے مستعفی ہو جانے کے بعد وزراء پر سے لیگ کے عہدوں کی پابندی ختم کر دی گئی تھی اور وزیراعظم لیاقت علی خان پاکستان مسلم لیگ کے صدر بن گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد پاکستان مسلم لیگ کونسل کے ارکان نے متفقہ طور پر نئے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے درخواست کی کہ وہ مسلم لیگ کے صدر کا عہدہ قبول کرلیں۔ انہوں نے پاکستان مسلم لیگ کی سربراہی قبول کر لی۔

19 نومبر۔ لیاقت علی 392 پولیس والوں کی موجودگی میں قتل ہوئے

دستور ساز اسمبلی میں وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین نے ایک سوال کے جواب میں انکشاف کیا کہ لیاقت علی خان 392 پولیس والوں کی موجودگی میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں تحقیقاتی کمیشن کے سامنے سب انسپکٹر راولپنڈی نے اعتراف کیا کہ اس نے قاتل سید اکبر کو پستول کی پانچ گولیاں چلا کر موقع پر ہی ختم کر دیا تھا۔

21 نومبر۔ پاکستان کو جیٹ طیارے ملنے پر بھارتی رد عمل

برطانیہ کی طرف سے پاکستان کو جیٹ طیارے ملنے پر بھارت نے تشویش کا اظہار کیا۔ بھارتی اخباروں میں اس خبر کو نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔ سیاسی مبصرین نے خیال ظاہر کیا کہ پاکستان کو جیٹ طیاروں کی یہ ترسیل پاکستان پر چرچل کی مہربانی کے باعث ہے۔

24 نومبر۔ مہاجرین بورڈ کا مطالبہ

سندھ کراچی مہاجرین بورڈ نے سندھ کے وزیراعلی سے مطالبہ کیا کہ

الاٹ شدہ زمینوں سے مہاجر کاشتکاروں کی مبینہ بے دخلی روکنے کے لئے فوری کارروائی کی جائے۔ (حوالہ: 99)

24 نومبر۔ مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی جائے: پیر پگاڑا

پیر سکندر شاہ پیر آف پگاڑا نے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ سندھ کی صوبائی اسمبلی کے عنقریب منعقد ہونے والے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کریں۔

27 نومبر۔ پاک۔ سعودی دوستی

سعودی عرب کے دارالحکومت جدہ میں پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دوستی کے ایک معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ سعودی عرب کی طرف سے وزیر خارجہ امیر فیصل (بعد ازاں شاہ فیصل) اور پاکستان کی جانب سے سعودی عرب میں پاکستان کے سفیر عبدالستار سیٹھ نے اس معاہدے پر دستخط کئے۔

دسمبر 1951ء

5 دسمبر۔ میرواعظ یوسف نگراں حکومت کے سربراہ

ممتاز کشمیری رہنما میرواعظ یوسف کو آزاد کشمیر کی نگراں حکومت کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔

9 دسمبر۔ سرحد کے انتخابات میں دھاندلی

صوبہ سرحد کے انتخابات میں زبردست دھاندلیوں کے باعث' دوبارہ انتخابات کے انعقاد کے مطالبے کئے گئے۔ مطالبے کرنے والوں میں پاکستان مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما اور دوسرے سیاسی حلقے بھی شامل تھے۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ ---"پاکستان کے انتخابات"۔

15 دسمبر۔ پاک جرمن سفارتی تعلقات

پاکستان اور مغربی جرمنی نے آپس میں سفارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں میں جنگ کی حالت کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

20 دسمبر۔ غلامی کے نشان کا خاتمہ

نیلا گنبد لاہور کے چوک سے شاہ ایڈورڈ ہفتم کے مجسمے کو ہٹا دیا گیا۔ اس مجسمے کو بعد ازاں لاہور کے شاہی قلعے میں منتقل کر دیا گیا۔

29 دسمبر۔ سندھ اسمبلی توڑ دی گئی۔ گورنر راج

سندھ کے وزیر اعلیٰ کھوڑو کی حکومت کو توڑ کر صوبے میں دفعہ 192 (الف) نافذ کر دی گئی۔ واقعات کے مطابق دوسری بار برسر اقتدار آنے کے جلد ہی بعد سندھ میں پھر وزارتی بحران پیدا ہو گیا۔ جب صورت حال بہت زیادہ بگڑ گئی تو گورنر دین محمد نے کھوڑو سے فوری استعفےٰ کا مطالبہ کیا اور میراں محمد شاہ' میر غلام علی تالپور اور آغا غلام نبی پٹھان کو نئی وزارت تشکیل دینے کی دعوت دی۔ کھوڑو نے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اسمبلی میں اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ کشمکش بہت بڑھی تو 29 دسمبر 1951ء کو گورنر جنرل کے حکم پر گورنر نے کھوڑو حکومت کو برطرف کر دیا گورنر نے اسمبلی کو توڑتے ہوئے کہا کہ جب صوبے کے حالات نے اجازت دی' نئے انتخابات کرا دیئے جائیں گے۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ۔۔ "مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں"

جنوری 1952ء

5 جنوری۔ پاک بھارت مفاہمت اقوام متحدہ کا فرض ہے

وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان نے کہا کہ مسئلہ کشمیر سے متعلق، پاک۔ بھارت تعلقات طے کرانا اقوام متحدہ کا فرض ہے۔

10 جنوری۔ کشمیر سوویت موقف

10 جنوری 1952ء کو سلامتی کونسل میں ڈاکٹر گراہم کی دوسری رپورٹ پر بحث شروع ہوئی تو سوویت مندوب جیکب ملک نے پہلی بار کشمیر کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ سوویت مندوب کا کہنا تھا کہ " امریکہ اور برطانیہ یکے بعد دیگرے اپنے منصوبے پیش کر کے مسئلہ کشمیر کے تصفیہ میں بدستور مداخلت کر رہے ہیں۔ یہ منصوبے سامراجی نوعیت کے ہیں کیونکہ ان کی بنیاد تنازعہ کشمیر کے حقیقی تصفئے کی کوشش پر نہیں ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کشمیر کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جائے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تنازعہ کشمیر کو طول دیا جائے اور کشمیر پر اقوام متحدہ کی امداد کے بہانے امریکہ اور برطانیہ کی بالا دستی قائم کی جائے۔ ان منصوبوں کا آخری مقصد یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح امریکہ اور برطانیہ کی فوجیں کشمیر میں متعین کی جائیں اور اس طرح اس علاقے کو اینگلو امریکی نو آبادی اور فوجی اڈے کی حیثیت دے دی جائے۔ ...... کشمیر میں غیر ملکی فوجیں متعین کرنے کی تجویز امریکی خواہش کے مطابق بار بار پیش کی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سوویت یونین سے متصلہ علاقے کشمیر میں فوجی اڈے قائم کئے جائیں۔ اگست 1969ء میں صدر ٹرومین اور وزیراعظم ایٹلی نے ثالثی کی جو تجویز پیش کی تھی اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ سوویت یونین کی حکومت کی رائے یہ ہے کہ تنازعہ کشمیر صرف اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ وہاں کے عوام کو کسی بیرونی مداخلت کے بغیر کشمیر کی آئینی حیثیت کا فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے۔ اس حق کی کار فرمائی جمہوری طور پر منتخبہ دستور ساز اسمبلی کی وساطت سے ہو سکتی ہے۔" (حوالہ : 101)

24 جنوری۔ پروڈا ترمیمی ایکٹ

حکومت پاکستان کے ایک نئے آرڈیننس کے مطابق، اگر پروڈا کے تحت، اعلیٰ عہدیداروں کے خلاف درخواستیں غلط ثابت ہو جائیں تو حکومت کو اختیار ہو گا کہ وہ پروڈا ایکٹ کی دفعات کے غلط استعمال پر درخواست دہندہ کو تین سال کی سزا دے۔

فروری 1952ء

یکم فروری۔ لیاقت علی قتل کا تحقیقاتی کمیشن

بیگم رعنا لیاقت علی خان نے، اپنے مرحوم شوہر کے قتل کی تحقیقات کرنے والے کمیشن کے صدر کے نام اپنے ایک خط میں بتایا کہ انہیں اخباری اطلاعات کے علاوہ اپنے مرحوم شوہر کے سانحہ قتل کے بارے میں کسی بات کا علم نہیں ہے۔

2 فروری۔ ڈاکٹر گراہم کی نئی سرگرمیاں

مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے نمائندے ڈاکٹر گراہم نے پاکستان اور بھارت کے نمائندوں سے مذاکرات کے ذریعے اس مسئلہ کے حل کے لئے اپنی مصالحانہ کوششیں پھر سے شروع کر دیں۔

4 فروری۔ پیر پگاڑا کی دستار بندی

حروں کے مشہور پیر پگاڑا کی گدی پر ساتویں پیر سکندر علی شاہ کی دستار بندی کی رسم منعقد ہوئی۔ جس میں سندھ کے وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ اور مخدوم الملک غلام میراں نے بھی شرکت کی۔ پیر سکندر علی شاہ کے والد نے تقسیم سے قبل مشہور حر بغاوت کی قیادت کی تھی اور انہیں پھانسی دے دی گئی تھی۔

13 فروری۔ اسلامی بلاک کی تجویز

مفتی اعظم فلسطین الحاج سید امین الحسنی نے کراچی میں علماء کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے عالم اسلام کے استحکام کے لئے اسلامی ملکوں کا بلاک قائم کرنے کی تجویز پر زور دیا۔ اس کانفرنس کا افتتاح وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے کیا تھا۔

20 فروری۔ خسارے کا بجٹ

مشرقی بنگال کے وزیراعلیٰ جناب نور الامین نے صوبائی مجلس قانون ساز میں 69 لاکھ 54 ہزار روپے کے خسارے کا بجٹ پیش کیا۔

(حوالہ : 102)

21 فروری۔ بنگالی زبان کی تحریک

بنگالی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دلانے کے لئے مشرقی بنگال میں 20، 21 اور 22 فروری کو طالب علموں اور شہریوں نے ہڑتال کی۔ 21 فروری کو ان کے جلوس پر گولیاں چلا دی گئیں۔ کئی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

مزید دیکھیں۔ اسی جلد کا ایک حصہ "مشرقی بنگال کی لسانی تحریک"

23 فروری۔ مسلم لیگ غیر ملکی حکمرانوں کے نقش قدم پر: مودودی

ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی نے کہا کہ آزادی پانے کے بعد حکومت کا مزاج بدل جانا چاہئے تھا لیکن مسلم لیگ کی حکومت آج بھی غیر ملکی حکمرانوں کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ مولانا مودودی نے تحریک پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ قیام پاکستان سے قبل مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اس لئے جمع ہو گئے تھے۔ کہ وہ اپنا الگ وطن بنائیں اور اسلامی طرز کے مطابق زندگی گزاریں۔

24 فروری۔ کراچی میں اردو کے لئے تشویش

جمعیت العلمائے پاکستان اور مرکزی مہاجرین کمیٹی کی مجلس عاملہ نے کراچی میں، اپنے مشترکہ اجلاس میں، جو مولانا عبدالحامد بدایونی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مشرق بنگال میں پاکستان کی قومی زبان اردو کے خلاف ہونے والے مظاہروں اور ہنگاموں پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔

24 فروری۔ بہاولپور ریاست میں آئینی اصلاحات

49ء اور 1951ء کی ابتدائی اصلاحات کے بعد 24 فروری 1952ء کو امیر بہاولپور نے ریاست کے ایک مسودہ قانون کی منظوری دی۔ جو گورنمنٹ آف بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ 1952ء کہلایا۔ اس آئین نے امیر بہاولپور کو ریاست کا فرمانروا قرار دیا اور قانون ساز اسمبلی کے 69 ممبران کو منتخب کرنے کے لئے بالغ رائے شماری کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا۔ ریاست کے وزرا مقرر کرنے کا حق صرف فرماں روائے ریاست کے پاس تھا۔ اعلیٰ حضرت کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ جب چاہیں، مقررہ وقت پر اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیں، اسے ملتوی کر دیں یا اسمبلی توڑ دیں۔ ریاست کے فرمانروا کے بعد ریاست کا اقتدار اعلیٰ پاکستان کے گورنر جنرل کے پاس تھا اور فرمانروا گورنر جنرل کے ہر حکم کا پابند تھا۔

(حوالہ: 103)

25 فروری۔ بنگالی کو سرکاری زبان بنایا جائے: نور الامین

مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ نور الامین نے پاکستان کی مجلس دستور ساز سے سفارش کی کہ بنگالی کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ کراچی کے روزنامہ "ڈان" نے اس مطالبے کی تائید اور حمایت کی جبکہ مغربی پاکستان کے دوسرے اخباروں نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

27 فروری۔ قومی زبان کا مسئلہ بڑا نازک ہے: سہروردی

آل پاکستان جناح عوامی مسلم لیگ کے کنوینر حسین شہید سہروردی نے کہا کہ پاکستان میں قومی زبان کا مسئلہ دستور ساز کے بنگالی رکن سریش چندر نے کلکتہ میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ موجودہ تحریک میں، بنگال کے مسلمان بھی بنگالی زبان کی حمایت کر رہے ہیں۔

(حوالہ: 104)

مارچ 1952ء

2 مارچ۔ پاکستان کی پہلی مردم شماری

پاکستان کی پہلی مردم شماری، جو 1951ء میں ہوئی تھی، کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔ نتائج کے مطابق پاکستان میں ساڑھے چھ کروڑ مسلمان اور ایک کروڑ پونے ساٹھ لاکھ غیر مسلم آباد ہیں۔

5 مارچ۔ روزنامہ "آزاد" پر پابندی

حکومت پنجاب کی جانب سے روزنامہ "آزاد" پر مزید ایک سال کی بندش لگا دی گئی۔

6 مارچ۔ نیا پبلک سیفٹی آرڈیننس

ملک میں نیا پبلک سیفٹی آرڈیننس لاگو کر دیا گیا۔

10 مارچ۔ آئین سازی میں تاخیر پر مس جناح کا اظہار تشویش

محترمہ فاطمہ جناح نے لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آئین سازی میں تاخیر کے باعث ہی، پاکستان کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں۔

11 مارچ۔ سندھی کو سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ

سندھ سدھار لیگ نے مطالبہ کیا کہ سندھ کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔

11 مارچ۔ غفار خان اور اچکزئی کو رہا کیا جائے

جناح عوامی لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے صوبہ سرحد کے اجلاس میں خان عبدالغفار خان اور عبدالصمد خان اچکزئی کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا۔

سرحد اور بلوچستان کے یہ دونوں پشتون رہنما 1948ء سے مسلسل قید میں چلے آ رہے تھے۔

15 مارچ۔ پانچواں قومی بجٹ

پانچویں سالانہ قومی بجٹ کی آئندہ سال کی آمدنی ایک ارب' 74 کروڑ' 73 لاکھ اور اخراجات' ایک ارب' 66 کروڑ 89 لاکھ کا تخمینہ لگایا گیا۔ اس طرح 7 کروڑ 84 لاکھ روپے کی بچت دکھائی گئی۔

14 مارچ۔ مزید لسانی مطالبے

کراچی میں سندھ مسلم لیگ کے صدر محمد ایوب کھوڑو نے زور دے کر کہا کہ صرف اردو ہی ملک کی سرکاری زبان ہو گی۔ ادھر بلوچستان صوبائی مسلم لیگ کی ایک قرار داد میں خبردار کیا گیا کہ اگر کسی صوبے کی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا تو پھر بلوچی زبان کا مطالبہ بھی کیا جائیگا۔

20 مارچ۔ اردو اور پاکستان

جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان کی بقاء اور ترقی کا انحصار اردو پر ہے۔ دنیا میں عربی کے بعد اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں اسلامیات کا بہترین خزینہ موجود ہے۔

24 مارچ۔ گراہم کی ناکامی

ڈاکٹر گراہم کشمیر سے فوجیں ہٹانے سے متعلق ہندوستان اور پاکستان کے مابین پائے جانے والے اختلافات کو دور کرنے میں ایک بار پھر ناکام ہوگئے۔

29 مارچ۔ کمیونسٹ رہنما کو پاسپورٹ دینے سے انکار

مغربی پنجاب کی حکومت نے' اشتراکی رہنما فیروز الدین منصور کو پاسپورٹ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ دادا منصور ماسکو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے لئے جانا چاہتے تھے۔

اپریل 1952ء

5 اپریل۔ مشرقی بنگال اسمبلی کے ارکان کی تعداد میں اضافہ

ایک سرکاری بل کے ذریعے مشرقی بنگال اسمبلی کے ارکان کی تعداد 309 تک بڑھا دی گئی اور انتخابات کی بنیاد بالغ حق رائے دہی کے اصول پر رکھی گئی۔

7 اپریل۔ مہاجرین کے لئے شہری حقوق

یکم مارچ 52ء سے قبل ہجرت کرکے پاکستان آنے والے مہاجرین کو' جن کی تعداد 80 لاکھ بتائی گئی پاکستان کے شہری حقوق عطا کر دیئے گئے اور اس سلسلے میں حقوق شہریت ایکٹ میں بھی مناسب ترمیم کر دی گئی۔

10 اپریل۔ رسول پن بجلی گھر کا افتتاح

پنجاب کے وزیراعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ نے رسول کے مقام پر پن بجلی گھر کا افتتاح کرتے ہوئے' اسے پنجاب کی اقتصادی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ چالیس سال قبل روسی انقلاب کے رہنماؤں نے اپنے عوام کو روس اور بجلی کا نعرہ دیا تھا۔ یہی نعرہ اگر پنجاب اور پاکستان بھی اپنا لیں تو اس کے بڑے شاندار نتائج نکلیں گے۔

(حوالہ: 105)

12 اپریل۔ بلوچستان سٹیٹس یونین کی تشکیل

بلوچستان کی چار ریاستوں .... قلات' مکران' لس بیلہ اور خاران .... نے بلوچستان سٹیٹس یونین میں ضم ہونا منظور کر لیا خان قلات اس یونین کے صدر چنے گئے۔ یہ یونین آگے چل کر عوام کی عدم دلچسپی اور والیان ریاست کی باہمی کشمکش کے باعث زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔

23 اپریل۔ خلافت پارٹی کا قیام

مشرقی پاکستان میں خلافت پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔

28 اپریل۔ کراچی چیف کمشنر کا صوبہ

سندھ سے جدا کر کے اور وفاقی دارالحکومت بنا دیئے جانے کے بعد' کراچی کو 28 اپریل سے چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا۔ جوائنٹ سیکرٹری دفاع ابوطالب نقوی کو اس کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ اس وقت کراچی کی آبادی گیارہ لاکھ سے زائد اور رقبہ 812 مربع میل تھا۔

مئی 1952ء

8 مئی۔ تمام خلاف شریعت قوانین منسوخ کئے جائیں مودودی

مولانا مودودی نے کراچی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے

ہوئے تمام خلاف شریعت قوانین کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔

10 مئی۔ روس' امریکہ اور برطانیہ کے اثر سے آزاد رہنے کا فیصلہ

دس مسلمان ملکوں نے کراچی میں اپنے ایک اجلاس میں روس' امریکہ اور برطانیہ کے اثر سے آزاد رہنے کی تجویز منظور کی۔

15 مئی۔ پاک۔ چیکو سلواکیہ تجارتی معاہدہ

پاکستان اور چیکو سلواکیہ نے ایک تجارتی معاہدے پر دستخط کئے جس کے تحت پاکستان' چیکو سلواکیہ کو کھیلوں کا سامان اور پٹ سن برآمد کرے گا۔

16 مئی۔ صحافیوں کی طرف سے سیکیورٹی ایکٹ کی مذمت

انجمن صحافیان کراچی نے اپنے ایک ہنگامی اجلاس میں سیکورٹی ایکٹ کی مذمت کرتے ہوئے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ گورنر جنرل صحافیوں اور عوام کے احتجاج کے باوجود اس کالے قانون کی منظوری دے دی۔ بعدازاں انہوں نے اسے پریس کی آزادی پر غاصبانہ حملہ قرار دیا۔ اور 25 مئی کو اس کے خلاف یوم احتجاج منایا گیا۔

17-18 مئی۔ امن کنونشن

لاہور امن کنونشن میں کہا گیا کہ سامراجی طاقتیں امن تحریک کو اشتراکیت کا حصہ قرار دیتی ہیں حالانکہ امن کا پرچم سب سے پہلے اسلام نے بلند کیا تھا۔ کانفرنس نے پیر مانکی شریف کو کنونشن کا صدر اور پیر الٰہی بخش' میاں محمود علی قصوری اور غلام محمد خان لوند خوڑ کو نائب صدور چن لیا۔

24 مئی۔ پاک۔ مصر معاہدہ دوستی

مصر اور پاکستان کے درمیان معاہدہ دوستی پر دستخط ہو گئے۔

29 مئی۔ بہاولپور میں مسلم لیگی وزارت

ریاست بہاولپور کی مسلم لیگی وزارت تشکیل پا گئی۔ مخدوم زادہ حسن محمود وزیر اعلیٰ بنا دیئے گئے۔ اس سے پہلے وہ ریاست کے وزیر مال تھے۔

30 مئی۔ پاک بحریہ کے پہلے پاکستانی کمانڈر انچیف

کموڈرو حافظ محمد صدیق چوہدری' پاکستان بحریہ کے پہلے کمانڈر انچیف نامزد کر دیئے گئے۔ وہ فروری 53ء میں جے ڈبلیو جیفورڈ سے اپنے عہدے کا چارج لیں گے۔

جون 1952ء

8 جون۔ "ایشیاء" اور "چٹان" پر پابندی

سیفٹی ایکٹ کے تحت حکومت پنجاب نے "ایشیاء" اور "چٹان" کی اشاعت پر ایک ایک سال کے لئے پابندی عائد کر دی۔

15-16 جون۔ پاکستان نے شاہ فاروق کو مصر اور سوڈان کا بادشاہ تسلیم کر لیا

حکومت پاکستان نے مصر کے شاہ فاروق کو مصر اور سوڈان کا بادشاہ تسلیم کرتے ہوئے' پاکستان میں متعین برطانوی ہائی کمشنر کو اپنے فیصلے سے مطلع کر دیا۔ پاکستان کے سیاسی حلقوں نے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔

25 جون۔ پاک۔ برما معاہدہ دوستی

پاکستان اور برما کے درمیان دوستی کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ رنگون میں پاکستانی سفیر سلطان الدین احمد اور حکومت برما کے وزیر خارجہ نے دستخط کئے۔

27 جون۔ پاکستان اور پولینڈ کے درمیان تجارتی معاہدہ

کراچی میں پاکستان اور پولینڈ کے مابین ایک تجارتی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے میں طے پایا کہ پاکستان' پولینڈ کو خام پٹ سن چائے کھالیں اور کھیل کا سامان برآمد کرے گا۔ جبکہ پولینڈ پاکستان کو کوئلہ' کپڑا اور سیمنٹ اور نیوز پرنٹ دے گا۔

جولائی 1952ء

یکم جولائی۔ مشرقی بنگال کے انتخابات اوائل 1953ء میں ہوں گے

مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ نور الامین نے اعلان کیا کہ صوبے میں

1953ء کے اوائل میں عام انتخابات منعقد ہوں گے۔

11 جولائی۔ علامہ مشرقی کی رہائی

علامہ مشرقی رہا کر دیئے گئے۔ وہ 11 جولائی 51ء سے سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند تھے اور ان نظر بندی کی میعاد میں چھ ماہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ (حوالہ: 106)

12 جولائی۔ کشمیر کی اقتصادی تباہ حالی

کشمیر ڈیموکریٹک پارٹی کے صدر پنڈت پریم ناتھ بزازنے کہا کہ کشمیر میں ذمہ دار حکومت کی عدم موجودگی کے سبب وادی کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔

13 جولائی۔ ایرک سپرئین کی رہائی

کیمونسٹ پارٹی آف پاکستان کی قائم مقام سیکرٹری جنرل ایرک سپرئین جنہیں 4 جولائی 51ء کو کراچی سے پاکستان سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا' سنٹرل جیل لاہور سے رہا کر دیئے گئے۔

15 جولائی۔ لونڈ خوڑ پھر صوبہ بدر

جناح عوامی لیگ کے پشتون رہنما غلام محمد خان لونڈ خوڑ کو مزید ایک سال کے لئے سرحد سے صوبہ بدر کر دیا گیا۔

19 جولائی۔ نئے معاشی منصوبے

پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن نے وارسک (صوبہ سرحد) میانوالی (صوبہ پنجاب) اور کرنافلی (مشرقی بنگال) کے پن بجلی گھروں کی تعمیر کے منصوبے کی منظور دے دی۔

26 جولائی۔ پاک۔ ترکی معاہدہ دوستی

پاکستان اور ترکی کے درمیان دوستی کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

27 جولائی۔ سر ظفر اللہ کی برطرفی کا مطالبہ

لاہور میں احمدیوں کو اقلیت قرار دینے اور وزیر خارجہ (سر ظفر اللہ خان) کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

اگست 1952ء

14 اگست۔ روزنامہ "شریعت" کا ڈکلریشن منسوخ

راولپنڈی سے نکلنے والے روزنامہ "شریعت" ڈکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔

17-20 اگست۔ لیاقت علی کے قتل کی تحقیقاتی رپورٹ

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل کی رپورٹ شائع کر دی گئی جس میں قتل کے متعلق تین وجوہ پر بحث کی گئی ہے۔ اول یہ کہ کیا سید اکبر کا فعل اس کے خلل دماغی کا نتیجہ تھا یا اسے مسئلہ کشمیر کے معاملے میں وزیر اعظم کی پالیسی سے اختلاف تھا یا اس نے مذہبی تعصب کے شدید جذبات کے تحت قتل کے اس فعل کا ارتکاب کیا۔

اس رپورٹ پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے بیگم لیاقت علی خان نے کہا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے شوہر کے خلاف قتل کی سازش کی گئی تھی۔ رپورٹ کے حوالے سے ایک انکشاف یہ کیا گیا کہ اس میں سے 37 فقرے یا پیراگراف یا نام حذف کر دیئے گئے ہیں۔ مرحوم وزیر اعظم کے سب سے بڑے صاحبزادے نے امید ظاہر کی کہ حکومت اس وقت تک اپنی کوششیں جاری رکھے گی جب تک ان کے والد کے قتل کا سراغ نہیں لگا لیا جاتا۔

24 اگست۔ مرزا ابراہیم کی رہائی

مزدور رہنما مرزا ابراہیم رہا کر دیئے گئے

26 اگست۔ پاک فضائیہ کا المناک حادثہ

پاکستان کی پانچ سالہ تاریخ کا یہ تیسرا اور سب سے بڑا حادثہ تھا جس میں کئی فوجی اور سول افسر مارے گئے۔ ان میں آئی جی پولیس اعتزاز الدین بھی تھے جو لیاقت علی خان کے قتل کی تحقیقات کر رہے تھے اور جو اس تحقیقات کی فائل کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ حادثے کے بعد کسی نے بھی یہ الزام عائد نہ کیا تھا کہ یہ حادثہ صرف اس لئے کرایا گیا کہ لیاقت علی خان کے قتل کے ثبوت ضائع کر دیئے جائیں جن تک مبینہ طور پر جناب اعتزاز الدین کی رسائی ہو چکی تھی۔ البتہ بعدازاں کئی لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا۔

اس حادثے میں جو سول اور فوجی افسر ہلاک ہوئے ان کی تعداد اٹھارہ بتائی گئی اگرچہ تمام ہلاک شدگان کی تعداد کا ٹھیک اندازہ نہ لگایا جا سکا۔ حادثے کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی قائم کر دی گئی۔

ستمبر 1952ء

2 ستمبر۔ اقوام متحدہ نے مسئلہ کشمیر کے حل کی سنجیدہ کوشش نہیں کی: شیخ عبداللہ

کشمیری رہنما شیخ محمد عبداللہ نے ایک بیان میں کہا کہ اقوام متحدہ نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

3-5 ستمبر۔ سمگلنگ اور فوج

پاک فوج کے مشرقی پاکستان میں جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل موسی نے بتایا کہ مشرقی بنگال سے اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے سرحدوں تک بڑھ کر مشکوک لوگوں کو پکڑنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ صوبہ سندھ کی سرحدوں سے اسمگلنگ کو روکنے کے لئے بھی مرکزی حکومت سے فوجی امداد کی درخواست کی گئی۔

16 ستمبر۔ پاک روس تجارتی معاہدہ

کراچی میں پاکستان اور روس کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ طے پا گیا۔ معاہدے کے مطابق پاکستان روس کو 22 ہزار پٹ سن اور 13 ہزار ٹن کپاس دے گا۔ اس کے بدلے میں روس پاکستان کو ڈیڑھ لاکھ ٹن گندم دے گا۔

17 ستمبر۔ پاک امریکی معاہدہ

پاکستان اور امریکہ کے درمیان طے پانے والے ایک معاہدے کے تحت امریکہ پاکستان کو ڈیڑھ کروڑ ڈالر کا قرض دے گا۔

21 ستمبر۔ پاکستانی سفیر کی ایرانی رہنماؤں سے ملاقات

ایران میں پاکستان کے سفیر راجہ غضنفر علی خان نے ایرانی وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق، علامہ کاشانی اور ایران کے وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔

26 ستمبر۔ ڈاکٹر گراہم کی ناکامی

اقوام متحدہ کے نمائندہ برائے کشمیر ڈاکٹر گراہم نے اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

اکتوبر 1952ء

2 اکتوبر۔ ٹیلیفون فیکٹری کا افتتاح

پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد نے ہری پور ہزارہ میں پاکستان کی پہلی ٹیلی فون فیکٹری کا سنگ بنیاد رکھا۔ توقع ہے کہ اس فیکٹری سے ملکی ضروریات کو کافی حد تک پورا کر لیا جائے گا۔ جس سے بڑے پیمانے پر زرمبادلہ کی بھی بچت ہو گی۔

3 اکتوبر۔ امن عامہ اور نظر بندی کا قانون

سندھ میں امن عامہ اور نظر بندی کا قانون نافذ کر دیا گیا۔

7 اکتوبر۔ نواب ہوتی کا انتقال

سر محمد اکبر خان نواب ہوتی کا انتقال ہو گیا۔

8 اکتوبر۔ پاک جاپان تجارتی معاہدہ

پاکستان اور جاپان کے درمیان ایک تجارتی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے میں طے کیا گیا کہ پاکستان جاپان کو 50 ہزار ٹن چاول دے گا اور جاپان سے ایک لاکھ ٹن گندم وصول کرے گا۔

17 اکتوبر۔ سید غلام بھیک نیرنگ کی تدفین

مجلس دستور ساز کے رکن سید غلام نیرنگ کو لاہور میں دفن کر دیا گیا

29 اکتوبر۔ بھارتی فلموں پر پابندی

پاکستان میں بھارتی فلموں کی درآمد پر پابندی عائد کر دی گئی۔

نومبر 1952ء

2 نومبر۔ امراؤ خان میجر جنرل بن گئے

بریگیڈیر امراؤ خان، میجر جنرل بنا دیئے گئے۔

6 نومبر۔ امریکی انتخابات اور پاکستان

1952ء میں امریکی انتخابات پاکستانی سیاست پر بھی اثر انداز ہوتے دکھائی دیتے تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد اور دوسرے پاکستانی حکام کا خیال تھا کہ صدر ٹرومین کی انتظامیہ کے دوستانہ اشاروں کے باوجود ری پبلکن پارٹی کا امیدوار اور عالمی جنگ کا ہیرو آئزن ہاور پاکستان کی فوجی اور معاشی

امداد کے ضمن میں زیادہ ہمدرد ثابت ہو گا۔ آئزن ہاور نے کوریا میں جنگ کے خاتمے اور اشتراکی پیش قدمی کو روکنے کے وعدے کئے تھے۔ آئزن ہاور نے کامیابی کے بعد جان فاسٹرڈلس کو اپنا وزیر خارجہ مقرر کیا تھا۔ اس تقرر سے بھی پاکستان کو خوشی ہوئی تھی۔ ری پبلکن پارٹی کی کامیابی پر روزنامہ "ڈان" نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "سیاسی طور پر اب سے امریکہ شاید بھارت کی بات اتنی توجہ سے نہیں سنے گا" پاکستان کے نقطہ نظر سے یہ ایک خوشگوار تبدیلی تھی۔

12 نومبر۔ غذائی قلت حکومت کی نااہلی کے باعث دور نہیں ہوئی۔ شوکت حیات

آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما سردار شوکت حیات نے کہا کہ حکومت اپنی بد انتظامی اور نااہلی کے سبب غذائی قلت کو دور کرنے میں ناکام رہی ہے

15 نومبر۔ کوریا میں جنگ بندی کا مطالبہ

پاکستانی وزیر خارجہ نے کوریا میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ اس جنگ میں پاکستان مغربی طاقتوں کا ساتھ دے رہا تھا۔

19 نومبر۔ "ترجمان القرآن" سے ضمانت کی طلبی

حکومت پنجاب کی جانب سے جماعت اسلامی کے جریدہ "ترجمان القرآن" سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ اس کے پرنٹر سے پہلے ہی' اتنی ہی رقم کی ضمانت طلب کی جا چکی تھی۔

20 نومبر۔ اسلامی آئین کا مطالبہ: مودودی

جماعت اسلامی پاکستان کے امیر سید ابو الاعلیٰ مودودی نے کراچی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں غیر اسلامی آئین کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ آئین' 31 علماء کے تجویز کردہ 22 متفقہ نکات کی روشنی میں تیار کیا جائے۔ نیز سیکولر جمہوریت کا پرچار بند کیا جائے۔

21 نومبر۔ درآمدات کی حوصلہ شکنی

سرکاری اندازے سے زیادہ درآمدات کو روکنے کے لئے کھلے لائسنس (او جی ایل 14) کو منسوخ کر دیا۔ یہ قدم تجارتی توازن کو قائم رکھنے اور ادائیگیوں میں خسارے سے بچنے کے لئے اٹھایا گیا۔

22 نومبر۔ راولپنڈی سازش مقدمے کی کاروائی شائع کرنے کی اجازت دی جائے

مجلس دستور ساز میں ارکان اسمبلی نے مطالبہ کیا کہ حیدر آباد جیل میں راولپنڈی سازش کی خفیہ عدالتی کاروائی کو اخباروں میں شائع کرنے کی اجازت دی جائے۔ مشرقی بنگال سے رکن اسمبلی دھریندر ناتھ دت' میاں افتخار الدین' سردار شوکت حیات اور سریس چندر چٹوپادھیا اس مطالبے میں پیش پیش تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مقدمے کی کاروائی خفیہ نہیں ہونی چاہئے تھی۔

دسمبر 1952ء

2-22 دسمبر۔ مولانا عبدالباقی کا انتقال

مشرقی بنگال سے دستور ساز اسمبلی کے رکن مولانا عبدالباقی کا ڈھاکہ میں انتقال ہو گیا 22 دسمبر کو دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین' سریس چندر چٹوپادھیا' مولوی تمیز الدین اور میاں افتخار الدین نے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اظہار تعزیت کیا۔

2-3 دسمبر۔ نوابزادہ نصراللہ' مسلم لیگ سے نکل گئے

نوابزادہ نصر اللہ خان اور سید نور بہار شاہ کی مسلم لیگ کی رکنیت معطل کر دی گئی۔ دوسری طرف نوابزادہ نصر اللہ نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دینے کا اعلان کیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ مسلم لیگ کی حکومت نے فاضل اناج والے صوبے کو قحط کا شکار بنا دیا ہے اور حکومت رشوت خوری اور ہوس اقتدار میں مبتلا ہے۔ سید نور بہار شاہ نے بھی مسلم لیگ سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا۔

6 دسمبر۔ پاک بھارت تعلقات اور اقوام متحدہ

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے پاکستان اور بھارت سے کہا ہے کہ کشمیر میں فوجیں کم کرنے کے سوال پر براہ راست مذاکرات کریں۔

12 دسمبر۔ خدائی خدمت گار لیڈر کا انتقال

خدائی خدمت گار تحریک کے رہنما نجیب اللہ خان کا انتقال ہو گیا۔

13 دسمبر۔ پنجاب کا غذائی بحران

پنجاب کے غذائی بحران کی گونج صوبائی اسمبلی میں بھی سنائی دی۔ اسمبلی میں بحران کے ذمہ دار افراد کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

، صوبے کے وزیراعلیٰ نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ آئندہ سال صوبہ غذائی قلت کا شکار ہو سکتا ہے۔

14 دسمبر۔ دولت مشترکہ کے ساتھ تجارتی معاہدہ پر تنقید

آزاد پاکستان پارٹی نے اس موقف کا اظہار کیا کہ دولت مشترکہ کے ساتھ حالیہ تجارتی معاہدہ پاکستان کی معشیت کو مکمل طور پر برطانیہ کے زیر اثر کر دے گا۔

15 دسمبر۔ حکومت غذائی قلت پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے: عابد حسین

پنجاب میں غذائی قلت تشویشناک حد تک بڑھ گئی۔ اس پر قابو پانے کے لئے' پنجاب حکومت نے ماہرین کی ایک کمیٹی مقرر کر دی۔ سید عابد حسین نے کہا کہ حکومت کے تمام تر دعووں کے باوجود' حکومت غذائی قلت پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے۔

20 دسمبر۔ مسلم لیگ سے مزید استعفے

نوابزادہ نصر اللہ خان کے بعد' پنجاب اسمبلی کے دو اور ارکان میجر مبارک علی شاہ اور سید عابد حسین نے بھی مسلم لیگ سے استعفے دیدیئے

22 دسمبر۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

22 دسمبر کو وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے دستور ساز اسمبلی میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پیش کی۔ جس کے خاص خاص نکات مندرجہ ذیل تھے:۔

(1) **صدر مملکت** صدر مملکت مسلمان ہو گا۔ اس کا انتخاب مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں کیا جائے گا لیکن وہ مقننہ کا رکن نہیں ہو گا۔ اس کے عہدہ کی میعاد پانچ سال ہو گی اور اس میعاد کے اندر کسی بھی عدالت میں اس کے خلاف چارہ جوئی نہیں ہو سکے گی۔

(2) **پیریٹی فارمولہ** رپورٹ میں مرکز کے لئے دو ایوانی مقننہ کی سفارش کی گئی تھی۔ ایوان بالا کے لئے 120 ارکان تجویز کئے گئے تھے۔ انہیں ملک کے دونوں حصوں سے مساوی تعداد میں منتخب کیا جانا تھا جبکہ ایوان زیریں اور بالا کو چار سو ارکان پر مشتمل ہونا تھا۔ اسے بھی دونوں حصوں سے مساوی تعداد میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اسے پیریٹی فارمولا یا اصول کا نام دیا گیا جس کی مغربی پاکستان کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی۔ لاہور میں ایک اجلاس میں ایوان بالا میں اکائیوں اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کا مطالبہ کیا اور دونوں ایوانوں یکساں اختیارات دینے پر اصرار کیا گیا۔ اس تجویز کو مغربی بنگال پہلے ہی رد کر چکا تھا۔

(3) **علماء کے بورڈ** علماء کے بورڈوں کو مرکز اور صوبوں میں قانون سازی کا جائزہ لینے کا اختیار دیا گیا۔ اس سفارش پر بھی شدید تنقید ہوئی۔ تمام پارٹیوں نے ان سفارشات کو مسترد کر دیا۔ (حوالے: 107' 108)

جنوری 1953ء

5 جنوری۔ پنڈی سازش کیس کے ملزموں کو سزائیں

حیدر آباد جیل میں' ایک خصوصی عدالت نے پنڈی سازش کیس کے پندرہ ملزموں کو سزائیں سنائیں۔ واحد ملزمہ بیگم نسیم اکبر کو بری کرتے ہوئے اور میجر جنرل نذیر احمد کو تابرخواست عدالت قید اور ملازمت سے برطرف کرتے ہوئے عدالت نے باقی ملزموں کو چار سے بارہ سال تک کی سزائیں سنائیں جن میں مقدمے کے سب سے بڑے ملزم میجر جنرل اکبر کو بارہ سال قید سخت کی سزا سنائی گئی۔ ملازمت سے انہیں گرفتاری کے وقت ہی برطرف کر دیا گیا تھا۔

7-8 جنوری۔ طلباء کا یوم مطالبات اور حکومتی تشدد

ڈیمو کریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن (ڈی ایس ایف) کے زیر اہتمام طلباء نے اپنی بعض شکایات کی بناء پر 7 جنوری کو یوم مطالبات منانے کا پروگرام بنایا تھا۔ انہوں نے ایک جلوس کی شکل میں وزیر تعلیم فضل الرحمان کی رہائش گاہ کا رخ کیا۔ ان کا جلوس پر امن اور نہتا تھا۔ وہ وزیر تعلیم کے مکان کے سامنے جمع ہو کر اپنے مطالبات کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ پولیس نے انہیں منتشر کرنے کے لئے آنسو گیس استعمال کی اور بلا اشتعال لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ وزیر تعلیم سے طلبا کی ملاقات نہ ہو سکی اور وہ منتشر ہو گئے۔

8 جنوری کو پھر جلوس نکلا۔ کمشنر کراچی اے ٹی نقوی نے سختی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حکومت کا کہنا ہے کہ دوسرے روز جلوس میں غنڈہ عناصر بھی شامل ہو گئے تھے جنہوں نے متشددانہ حرکتیں کیں۔ جبکہ طلباء کا موقف یہ ہے کہ وہ صرف نعرے لگا رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اور وہ پر امن تھے۔ اس کے باوجود پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ حکام کے ذرائع کے مطابق سات طلباء ہلاک اور بیسیوں زخمی ہوئے۔ جبکہ اخبارات اور طلباء کے مطابق 20 طلباء شہید اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ اتنی بڑی ہلاکت کی وجہ یہ تھی کہ اس روز طلباء کی ہمدردی میں' عام لوگ بھی جلوس اور مظاہرے میں شامل ہو گئے تھے۔ پورے شہر

میں زبردست ہنگامہ برپا ہوا۔ وزیر داخلہ مشتاق احمد گورمانی کی کار جلا دی گئی۔ دکانیں لوٹ لی گئیں۔ پولیس نے مختلف مقامات پر گولی چلا کر جلوس کو اور مشتعل کر دیا۔ اب ہنگاموں پر قابو پانے کے لئے حکومت نے کرفیو نافذ کر دیا۔ یہ سلسلہ تیسرے دن بھی جاری رہا۔ تیرہ گھنٹے کا کرفیو لگایا گیا۔ طلباء کا مطالبہ تھا کہ وزیر تعلیم اور وزیر داخلہ مستعفی ہو جائیں۔

وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے طلباء کے ایک وفد سے ملاقات کی اور وعدہ کیا کہ ان کی تمام تکالیف دور کر دی جائیں گی۔ کرفیو کی پابندیاں 14 فروری کو ختم ہوئیں۔ وزیر اعظم کی یقین دہانی پر طلباء نے بھی ہڑتال ختم کر دی۔

11 جنوری۔ قربان علی خان بلوچستان کے چیف کمشنر مقرر ہو گئے

پنجاب کے آئی جی پولیس' قربان علی خان بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ (چیف کمشنر) مقرر کر دیئے گئے۔ انہوں نے میاں امین الدین سے اپنے عہدے کا چارج لیا۔

19 جنوری۔ قومی سلامتی کے لئے امریکہ کے پروگراموں کا از سر نو جائزہ

اپنی میعاد کے آخری روز ٹرومین انتظامیہ کے وزیر خارجہ' وزیر دفاع اور باہمی سلامتی کے ڈائریکٹر نے "قومی سلامتی کے لئے امریکہ کے پروگراموں کا از سر نو جائزہ" کے عنوان سے ایک رپورٹ قومی سلامتی کی کونسل کو پیش کی۔ دوسری باتوں کے علاوہ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ مشرق وسطی اور جنوبی ایشیاء کے علاقے میں امریکہ کو اپنے "مفادات کو زیادہ واضح کرنے" اور "زیادہ ذمہ داری اٹھانے کی واضح ضرورت موجود ہے۔ رپورٹ کے مطابق:

"مشرق وسطی کی دفاعی تنظیم کے حصول کے لئے امریکہ کو اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ ابتدائی طور پر یہ اس خطے کے بعض ملکوں کا سیاسی تعاون حاصل کرنے کا وسیلہ ہو گی۔ اس سمت میں ابتدائی جدوجہد کا رخ مصر کی طرف ہونا چاہئے۔ بعدازاں امریکہ کو مشرق وسطے اور جنوبی ایشیا کے ان ملکوں کی مدد کرنے کی زیادہ رسمی پابندی قبول کرنے چاہئے جو اپنا دفاع کرنے کے عزم کا مظاہرہ کریں اور مغرب کے ساتھ تعاون کرنے پر رضا مند ہوں۔ یونان' ترکی اور ایران کے علاوہ' امریکہ کو چاہئے کہ وہ مشرق وسطی کے بعض دوسرے ملکوں کو بھی فوجی امداد مہیا کرنے پر تیار رہے۔۔۔۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ بھارت کے ساتھ ناقابل حل مسائل پیدا کئے بغیر مشرق وسطی کے دفاع میں پاکستان کا سرگرم تعاون حاصل کرنا ممکن ہے۔ ایران کے مشرقی پہلو میں پاکستان کو مضبوط بنانے اور اس کے ساتھ شمال مغرب میں ترک قوت کی موجودگی سے ایران کی خود اعتمادی بڑھ سکتی ہے ...... پاکستان کو کافی مقدار میں فوجی امداد کی اولین اقساط جلد فراہم کر دی جانی چاہئیں۔ بشرطیکہ یہ کام ایسے طریقے سے کیا جائے جس سے بھارت کے ساتھ شدید نوعیت کے مسائل پیدا نہ ہوں۔"

رپورٹ میں پیش گوئی کی گئی تھی کہ پاکستان میں امریکہ کے ساتھ سیاسی اور فوجی تعاون پر زیادہ آمادگی پائی جائے گی۔ (حوالہ: 109)

21 جنوری۔ مفت تعلیم کا مطالبہ

آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما میاں افتخار الدین نے طلباء کے لئے مفت تعلیم کے مطالبے کو "بنیادی اصولوں کی کمیٹی" کی رپورٹ میں شامل کرنے کے سلسلے میں تحریک التواء پیش کرنا چاہی جیسے اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین نے خلاف ضابطہ قرار دے کر پیش کرنے کی اجازت نہ دی۔ (حوالہ: 110)

26 جنوری۔ پروڈا کی سزائیں

گورنر جنرل غلام محمد نے سندھ مسلم لیگ کے صدر اور سندھ کے سابق وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو اور سندھ وزارت کے ایک سابق وزیر قاضی فضل اللہ کو بالترتیب 6 اور 4 سالوں کے لئے سرکاری عہدوں اور اسمبلی کی رکنیت کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

31 جنوری۔ پاک بحریہ کے پہلے پاکستانی کمانڈر

رئیر ایڈمرل حاجی محمد صدیق نے پاک بحریہ کے پہلے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا سابق کمانڈر انچیف ایڈمرل جیفورڈ سبکدوش ہونے کے بعد واپس برطانیہ چلے گئے۔

فروری 1953ء

7 فروری۔ پاک۔ انڈونیشیا تجارتی معاہدہ

پاکستان اور انڈونیشیا کے درمیان کراچی میں ایک تجارتی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

13 فروری۔ نہری پانی روکنے سے لاکھوں ایکڑ اراضی ریگستان بن گئی

ہندوستان کی طرف سے نہری پانی روک لینے کے باعث پاکستان کی پانچ لاکھ ایکڑ قابل کاشت اراضی ریگستان میں تبدیل ہو گئی۔

16 جنوری۔ ناظم الدین کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال

وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کی لاہور آمد پر ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا۔ شہر میں ہڑتال بھی ہوئی۔

22 فروری۔ نہری پانی کا تنازعہ

برطانیہ میں پاکستانی کے ہائی کمشنر ایم اے ایچ اصفہانی نے ہندوستان کے ساتھ نہری پانی کا تنازعہ حل کرنے کے سلسلے میں غیر جانبدار ٹریبونل کے تقرر پر رضامندی ظاہر کر دی۔

26 فروری۔ تحریک ختم نبوت کا آغاز

احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے اور سر ظفر اللہ کو ان کے عہدے سے ہٹانے کے مطالبے سے جس تحریک کا آغاز ہوا۔ اس میں روز بروز شدت آتی چلی گئی۔ 26 فروری کو سیکرٹری دفاع سکندر مرزا نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو ایک خط میں مجلس عمل کے خلاف سخت اقدام اٹھانے کا مشورہ دیا اور یقین دلایا کہ فوج ان کا ہر وہ حکم بجالائے گی جسے وہ مناسب سمجھیں گے۔ وزیر اعظم نے خط پڑھ کر اسے دراز میں ڈال دیا۔

27-28 فروری۔ ایجی ٹیشن کا اعلان

احرار کی مجلس عمل کی جانب سے احمدیوں کے خلاف ایجی ٹیشن چلانے کا اعلان کر دیا گیا۔ کمیٹی کے گیارہ ارکان کو گرفتار کر لیا گیا۔ کراچی میں پہلے ہی روز سات سو اکیس افراد پکڑے گئے۔ مجلس عمل کی اپیل پر پنجاب میں ہڑتال کا فیصلہ کیا گیا۔ مجلس احرار کے اخبار "آزاد" پر پابندی لگا دی گئی۔ لاہور میں بھی 30 افراد گرفتار کر لئے گئے۔

مارچ 1953ء

1-2 مارچ۔ اینٹی قادیانی تحریک اور مارشل لاء

احمدیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹانے اور انہیں اقلیت قرار دینے کے مطالبے کی شدت مارچ 53ء میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ 2 مارچ سے ہنگامے شروع ہو گئے جن پر پولیس نے تشدد کیا۔ کرفیو کو ناکام سمجھتے ہوئے انتظامیہ نے 6 مارچ کو لاہور میں مارشل لاء لگا دیا۔ اس تحریک میں بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ 11 مارچ تک گڑبڑ پر کافی حد تک قابو پا لیا گیا۔

لیکن مارشل لاء 14 مئی سے سے پہلے ختم نہ کیا جا سکا۔

مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ۔۔ "پاکستان میں پہلا مارشل لاء"

5 مارچ۔ مارشل سٹالن کا انتقال

5 مارچ کو روسی رہنما مارشل سٹالن انتقال کر گئے۔ امریکی نقطہ نظر سے وہ بہت زیادہ خطرناک اور انتہائی شاطر دشمن تھے۔ سوویت قیادت کی اعلیٰ سطح سے سٹالن کے ہٹ جانے سے امریکی قیادت (آئزن ہاور۔ ڈلس) کو اپنے ادھورے کاموں پر توجہ دینے کا موقع ملا۔ ڈلس نے مصر اور مشرق وسطیٰ نیز جنوبی ایشیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کے دوروں کا پروگرام بنایا جہاں اس سے پہلے کوئی امریکی وزیر خارجہ نہیں گیا تھا۔

پاکستان نے مارشل سٹالن کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا اور قومی پرچم سرنگوں رکھا۔ اس کے ساتھ ہی گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے امریکی وزیر خارجہ کے استقبال کی ابھی سے تیاریاں بھی شروع کر دی گئیں۔

9 مارچ۔

گورنر جنرل غلام محمد سعودی عرب کا دورہ مکمل کر کے پاکستان واپس پہنچ گئے۔

12 مارچ۔

مجلس دستور ساز کے صدر مولوی تمیز الدین خان نے ایوان میں لاہور اور پنجاب کی صورت پر بحث کرنے کی درخواست نامنظور کر دی۔

14 مارچ۔ پاکستان کا چھٹا بجٹ

پاکستان کا 5 کروڑ، 47 لاکھ کے خسارے کا چھٹا سالانہ بجٹ پیش کر دیا گیا۔ اس بجٹ پر مایوسی کا اظہار کیا گیا۔

(حوالہ: 111)

18 مارچ۔ روزنامہ "تعمیر" پر پابندی

راولپنڈی کے روزنامہ "تعمیر" پر ایک سال کے لئے پابندی لگا دی گئی۔

19 مارچ۔ روزنامہ "تسنیم" اور "الفاروق" پر بھی بندش

مارشل لا حکام کی جانب سے روزنامہ "تسنیم" اور ہفت روزہ "الفاروق" پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

20 مارچ۔ "مغربی پاکستان" بھی بند

سیفٹی ایکٹ کے تحت روزنامہ "مغربی پاکستان" بھی خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

24 مارچ۔ دولتانہ وزارت کا خاتمہ

لاہور کے مارشل لاء کا پہلا بڑا شکار میاں ممتاز دولتانہ بنے۔ سکندر مرزا کے بقول مارشل لاء لگنے کے بعد انہوں نے "پھر ملاؤں سے پینگیں بڑھانی شروع کر دی تھیں۔" یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تحریک کا رخ مرکزی حکومت کی طرف موڑنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ خود اس کا شکار ہو گئے۔ ان کے استعفیٰ دینے کی ایک اور وجہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ تھی۔ جس نے خواجہ ناظم الدین اور میاں ممتاز دولتانہ اس کمیٹی کے خود بھی رکن تھے لیکن انہوں نے اس کے ساتھ اپنا اختلافی نوٹ بھی لکھ دیا تھا۔ ان کی جگہ مشرقی بنگال کے پنجابی گورنر ملک فیروز خان نون کو پنجاب کا وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

25 مارچ۔ سندھ قیادت میں تبدیلی

سندھ پارلیمانی بورڈ نے، ایوب کھوڑو کی جگہ قاضی فضل اللہ کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔

26 مارچ۔ مارشل لاء کی سزائیں

مارشل لاء حکام نے پنجاب اسمبلی کے رکن احمد سعید کرمانی کو 9 سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔

27 مارچ۔ میلہ چراغاں پر پابندی

مارشل لاء حکام کے ایک نئے ضابطہ کے تحت لاہور کے تاریخی "میلہ چراغاں" کے انعقاد پر پابندی لگا دی گئی۔

27 مارچ۔ ڈاکٹر گراہم کی دعا

اقوام متحدہ کے نمائندے ڈاکٹر گراہم نے 27 مارچ کو اپنی آخری رپورٹ پیش کی جس میں صرف یہ دعا کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ چالیس کروڑ باشندوں کے قائدین کو گفت و شنید کے ذریعے اس تنازعے کا پر امن تصفیہ کرنے کی توفیق عطا کرے۔

31 مارچ۔ خلیق الزمان مشرقی بنگال کے گورنر بنا دیئے گئے

ملک فیروز خان نون کی جگہ چوہدری خلیق الزمان کو مشرقی بنگال کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

اپریل 1953ء

یکم اپریل۔ احمدیوں کی گرفتاریاں اور سزائیں

احمدی فرقے کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کے بھائی اور بیٹے کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کے بیٹے کو بعد ازاں پانچ سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔

2 اپریل۔ چینی فوجیں ھنزہ میں داخل ہو گئیں

پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان نے اسمبلی میں بتایا کہ چینی کیمونسٹ فوجیں ھنزہ کے قریب پاکستانی سرحد میں داخل ہو گئی تھیں تاہم ضروری تدابیر اختیار کر لی گئیں۔

3 اپریل۔ نئے وزیر اعلیٰ پنجاب فیروز خان نون

پنجاب کے نئے وزیر اعلیٰ فیروز خان نون اور ان کی سات رکنی کابینہ نے حلف اٹھا لیا۔ وزراء میں سردار عبدالحمید دستی، سردار محمد خان لغاری، سید مظفر علی شمسی، سید علمدار حسین گیلانی، چوہدری علی اکبر اور شیخ مسعود صادق شامل تھے۔

7 اپریل۔ ظفر اللہ بنام گراہم

وزیر خارجہ پاکستان سر ظفر اللہ خان نے گراہم کی رپورٹ کو انتہائی مایوس کن قرار دیتے ہوئے الزام لگایا کہ وہ اپنے فرائض منصبی انجام دینے کی بجائے بھارت کو خوش کرتے رہے ہیں۔ وزیر خارجہ نے سلامتی کونسل پر زور دیا کہ وہ کشمیر جیسے اہم مسئلے پر فوری توجہ دے اور اس کے حل کے لئے سفارشات پیش کرے۔

8 اپریل۔ پاک۔ یمن معاہدہ دوستی

پاکستان اور یمن کے درمیان دوستی کے ایک معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

9 اپریل۔ امریکی گندم کے لئے درخواست

خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ غذائی بحران پر قابو پانے کے لئے امریکہ سے 10 لاکھ ٹن گندم کا قرضہ لینے کی درخواست کریں گے۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے باقی پانچ لاکھ ٹن گندم کینیڈا، آسٹریلیا اور کولمبو پلان کے دوسرے ملکوں سے حاصل کی جائے گی۔ اس کے اگلے ہی روز آسٹریلیا نے پاکستان کو 45 ہزار ٹن گندم کا تحفہ دینے کا اعلان کیا۔ جبکہ کولمبو منصوبے کے تحت نیوزی لینڈ نے پاکستان کو ڈھائی لاکھ پونڈ کی امداد دینے کا اعلان کیا۔

15 اپریل۔ روزنامہ "آفاق" اور ہفت روزہ "اقدام" پر پابندی

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل اعظم خان نے روزنامہ "آفاق" اور ہفت روزہ "اقدام" پر پابندی لگا دی۔

17 اپریل۔ وزیراعظم خواجہ ناظم الدین برطرف کر دیئے گئے

پاکستان کے گورنر جنرل ملک غلام محمد نے 17 اپریل کی صبح اچانک خواجہ ناظم الدین کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا۔ اس سے تھوڑا ہی عرصہ قبل وزیراعظم نے اسمبلی سے بجٹ پاس کروایا تھا۔ اور اسمبلی میں ان کو اکثریت اور مسلم لیگ میں حمایت حاصل تھی۔ تحریک ختم نبوت نے گورنر جنرل کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ اکثریت کی حمایت کے باوجود وہ وزیراعظم کو برطرف کر دے۔ وزیراعظم نے علماء سے تصادم سے بچنے کے لئے ان کے مطالبات تسلیم کرنے کی حامی بھری تھی۔ غلام محمد نے تحریک ختم نبوت کے دوران اس اقدام سے گریز کیا اور وزیراعظم کو ہٹانے کے لئے ایک ماہ تک انتظار کیا۔ خواجہ ناظم الدین کو اس بات کی مہلت دی گئی کہ وہ چند سیاسی فیصلے اپنے قلم سے کرتے جائیں۔ فیصلے یہ تھے:

(1) دولتانہ سے کہا گیا کہ وزیر اعلیٰ اور پنجاب مسلم لیگ کے صدر کے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔

(2) ان کی جگہ مشرقی بنگال کے گورنر فیروز خان نون کو پنجاب کا وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

(3) چوہدری خلیق الزمان کو مشرقی پاکستان کے گورنر کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

(4) ان فیصلوں کی کامیابی کی ضمانت کے طور پر دولتانہ سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ پنجاب اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی کے سامنے خود تجویز پیش کر کے فیروز خان نون کو پارٹی لیڈر منتخب کرائیں اور پھر ملک سے چلے جائیں۔

دولتانہ نے تمام احکامات کی تعمیل کر دی اور اپنے بچوں کو لے کر یورپ چلے گئے۔

یہ سب کچھ ہو چکا تو وزیراعظم نے سمجھا کہ اب پنجاب ان کے لئے محفوظ ہو گیا ہے۔ ادھر گورنر جنرل نے دیکھ لیا کہ پنجاب ان کے نقطۂ نظر سے بھی محفوظ ہو گیا ہے۔ چنانچہ 16 اپریل کی رات کو ضروری تیاریوں کے بعد (جن میں وزیراعظم اور ان کی کابینہ کے گھروں کے ٹیلیفون کنکشن کاٹنا بھی شامل تھا) 17 اپریل کی صبح گورنر جنرل نے خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ وزیراعظم کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ ڈسمس کئے جانے کے اس واقعہ کے بارے میں طرح

طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔ بہرحال پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق نئے وزراء کی فہرست بنا لی گئی اور امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمد علی بوگرہ کو امریکہ سے بلوا کر (انہیں ہوائی اڈے سے آدھی رات کے وقت سیدھا گورنر ہاؤس لے جایا گیا) وزیراعظم بنا دیا گیا۔

بعدازاں یہ ایک غیر جمہوری اور غیر آئینی اقدام قرار دیا گیا تھا۔ تاہم فوری طور پر بیشتر سیاستدانوں نے اس اقدام کی تائید کی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے خواجہ ناظم الدین کی برطرفی پر مسرت کا اظہار کیا۔ میاں ممتاز دولتانہ نے اسے ایک جرات مندانہ' دانشمندانہ سیاسی فیصلہ قرار دیتے ہوئے گورنر جنرل کو عوامی کا حقیقی نمائندہ ہونے پر مبارک باد دی۔ حتیٰ کہ سندھی عوامی محاذ کے رہنما شیخ عبدالمجید سندھی تک نے اس اقدام کی تائید کی۔ (حوالے 112' 113)

22 اپریل۔ گورنر کا تبادلہ

سندھ کے گورنر جنرل میاں امین الدین کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔

23 اپریل۔ سرحد کے وزیراعلیٰ بھی رخصت ہو گئے

خواجہ ناظم الدین کو برطرف کرنے کے بعد گورنر جنرل کو اندیشہ تھا کہ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ عبدالقیوم خان' اپنے صوبے میں ان نئے انتظامات کی مخالفت کریں گے۔ اس مشکل کا حل گورنر جنرل نے پہلے ہی تلاش کر لیا اور قیوم خان کو محمد علی بوگرہ کی نئی کابینہ میں شامل کر دیا۔ شیر سرحد اور مرد آہن قیوم خان گورنر جنرل کے فیصلے کے سامنے دم نہ مار سکے اور اپنا مورچہ چھوڑ کر مرکزی کابینہ میں شامل ہو گئے۔

اب سوال یہ تھا کہ سرحد کا وزیراعلیٰ کون ہو۔ نئے وزیراعلیٰ کی تقرری کے لئے خود قیوم خان کو پشاور بھیجا گیا۔ اس نے وزارت اعلیٰ کے متوقع امیدواروں کو نظرانداز کرتے ہوئے صوبہ سرحد کے آئی جی پولیس سردار عبدالرشید خان کو چن لیا۔ خود سردار عبدالرشید کے لئے یہ اطلاع غیر متوقع تھی جو انہیں پولیس گراؤنڈ میں کھیل کے دوران پہنچائی گئی۔ صوبائی کابینہ میں خان جلال الدین خان' ایم آر کیانی' میاں جعفر شاہ' ایوب اور شمس الحق شامل کئے گئے۔ شمس الحق سابق وزیراعلیٰ کا نجی ملازم' پھر منشی اور اس کے بعد پارلیمانی سیکرٹری رہ چکا تھا۔ (حوالے: 114' 115)

مئی 1953ء

4 مئی۔ کوریا کے جنگی قیدی

اقوام متحدہ نے تجویز پیش کی کہ کوریا کے جو جنگی قیدی اپنے وطن واپس جانا نہیں چاہتے انہیں پاکستان کی تحویل میں دے دیا جائے۔

14-7 مئی۔ عبدالستار خان نیازی کے لئے سزائے موت کا اعلان

مولانا عبدالستار خان نیازی' جو تحریک ختم نبوت کے ایک رہنما تھے' 23 مارچ کی صبح قصور سے گرفتار کر لئے گئے۔ اس سے پہلے ان کا پروگرام تھا کہ وہ پنجاب اسمبلی جائیں اور وہاں ختم نبوت کے سلسلے میں ارکان اسمبلی کو قائل کرنے کی کوشش کریں۔ اسمبلی کا اجلاس 9 مارچ کو ہونا تھا جو 16 مارچ تک ملتوی کر دیا گیا۔ عبدالستار نیازی کسی طرح 16 مارچ تک گرفتاری سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ اسمبلی میں انہیں گرفتار نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن مخبری ہو جانے کے باعث 16 مارچ صبح قصور سے روانہ ہوتے ہوئے انہیں گرفتار کر کے شاہی قلعے کی دس نمبر کوٹھری میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں انہیں 9 اپریل تک رکھا گیا اور تفتیش کی گئی۔ بعدازاں وہ سنٹرل جیل منتقل کر دیئے گئے جہاں ان کے اپنے بیان کے مطابق انہیں بھگت سنگھ اور بی کے دت والے مشہور بم کیس احاطے میں رکھا گیا۔ 16 اپریل کو جیل میں ہی فوجی عدالت نے ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل اور بغاوت کے جرم میں ان خلاف مقدمے کی سماعت شروع کی۔ 25 اپریل کو سماعت مکمل ہو گئی۔ خرابی صحت کی بنا پر انہیں جیل کی ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ 7 مئی کو فوجی عدالت نے فیصلہ سنایا:

"تمہیں گردن میں رسی ڈال کر موت واقع ہونے تک پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔"

اپنی پھانسی کے کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے مولانا نیازی نے اس پر تاریخ بھی درج کی۔ 7 مئی 1953ء۔ چھٹے روز (13 مئی کو) ان کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔

9 مئی۔ تحریکِ ختم نبوت کے دوران جانی اور مالی نقصان

ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ میں بتایا گیا کہ تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں' مارچ اور اپریل کے دوران پولیس کی کاروائی سے 35 افراد ہلاک اور 123 زخمی ہوئے۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ "پاکستان میں پہلا مارشل لاء"

11 مئی۔ مولانا مودودی کو بھی سزائے موت سنا دی گئی

تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں مولانا مودودی کو ایک پمفلٹ "قادیانی مسئلہ" لکھنے اور بعض دوسرے الزامات میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان کے مقدمے کی سماعت بھی جیل کے اندر فوجی عدالت نے ہی کی اور 11

مئی کو انہیں سزائے موت سنا دی۔ 13 مئی کو مولانا مودودی کی سزائے موت بھی عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔
مزید دیکھیں' "پاکستان میں پہلا مارشل لاء۔"

14 مئی۔ مولانا اختر علی کو عمر قید کی سزا

تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں فوجی عدالت نے مولانا اختر علی کو عمر قید کی سزا سنائی۔

16-14 مئی۔ مارشل لاء کا خاتمہ

لاہور سے مارشل لاء اٹھا لیا گیا۔ تحریک کے سلسلے میں گرفتار ہونے والے متعدد افراد کو رہا کر دیئے گئے۔ پنجاب اسمبلی کے رکن احمد سعید کرمانی کی باقی سزا ختم کر کے' انہیں بھی رہا کر دیا گیا۔
مزید دیکھیں' اسی جلد میں "پاکستان کا پہلا مارشل لاء۔"

19 مئی۔ حسن ناصر کی گرفتاری کے خلاف درخواست

کیمونسٹ پارٹی کراچی کے سیکرٹری حسن ناصر کی گرفتاری کے خلاف سندھ چیف کورٹ میں درخواست پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ انہیں 1951ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔ گرفتاری کے بعد انہیں لاہور کے شاہی قلعے میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں سے 1953ء میں وہ پھر کراچی جیل میں پہنچا دیئے گئے۔ انہی دنوں سندھ چیف کورٹ میں ان کی گرفتاری کے خلاف رٹ کی اجازت ملی۔ حکومت انہیں اس شرط پر رہا کرنے کے لئے تیار تھی کہ وہ کیمونسٹ پارٹی سے لاتعلقی اختیار کر لیں لیکن حسن ناصر نے مشروط رہائی سے انکار کرتے ہوئے حکومت کو لکھا:
"..... حکومت میری رہائی کے لئے اس بات کی خواہش مند ہے کہ میں پارٹی چھوڑ دوں اور سیاسی کاموں سے بے تعلقی اختیار کر لوں لیکن اس نے یہ نہیں بتایا ہے کہ میں کس لئے اور کس بنیاد پر اس کی یہ شرطیں قبول کر لوں۔ ظاہر ہے کہ میرے پاس اس کی تجاویز کو یکسر مسترد کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔......." (حوالہ: 117)

21 مئی۔ صحافی کی گرفتاری

بہاولپور سے نکلنے والے ہفت روزہ "کائنات" کے ایڈیٹر ولی اللہ احد سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

22 مئی۔ سندھ کی نئی کابینہ نے حلف اٹھالیا

پیرزادہ عبدالستار نے سندھ اسمبلی پارٹی کا لیڈر منتخب ہونے کے بعد' اپنی پانچ رکنی کابینہ (پیر علی محمد راشدی' مہر علی نواز خان' مسٹر کیہر' قاضی محمد اکبر اور قاضی عبدالمنان) سمیت حلف اٹھالیا۔

23 مئی۔ امریکی وزیر خارجہ ڈلس کا دورہ پاکستان

امریکی وزیر خارجہ جان فاسٹر ڈلس ہندوستان کا دورہ مکمل کر کے کراچی پہنچ گئے۔ انہوں نے وزیراعظم محمد علی بوگرہ' چودھری ظفراللہ اور کمانڈر انچیف ایوب خان سے ملاقاتیں کیں۔ واپسی پر خارجہ تعلقات کی سینٹ کمیٹی کے ایک بند اجلاس کو انہوں نے اپنے استقبال کے بارے میں ان لفظوں میں بتایا:
"میں ان کے (پاکستان) عوام اور ان کی فوج کی چال ڈھال پر بڑا حیران ہوا تھا۔ میرے دورے کے لئے انہوں نے جو مسلح گارڈ رکھی تھی وہ ان بہترین گارڈوں میں سے ایک تھی جو میں نے کبھی کبھی دیکھی ہیں۔ ان کے لانسرز ایسے ہے کہ کسی کو ان میں شامل ہونے کے لئے چھ فٹ دو انچ لمبا ہونا پڑتا ہے اور وہ ایسے شاندار گھوڑوں پر سوار تھے......"
ڈلس پاکستانی رہنماؤں کو اپنی پالیسیوں پر قائل کرنے کے لئے آئے تھے لیکن یہاں کے رہنما اس کے لئے پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔ جس پر امریکی وزیر خارجہ نے کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں خوش ہو کر کہا: "میرا خیال ہے کہ ہماری سوچ اور ہماری پالیسیاں آپ کے رہنماؤں سے بڑی حد تک مناسبت رکھتی ہیں۔" واشنگٹن واپسی پر ڈلس نے پاکستانیوں کی "روحانی فطرت" کی تعریف کی اور دعوی کیا کہ "اشتراکیت کے خلاف قابل اعتماد پشت پناہ" کی حیثیت سے ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ایک اور موقع پر کہا:
"میرے واضح ترین تاثرات میں سے ایک کا تعلق اس نمایاں اور پرخلوص دوستی سے ہے جو پاکستانی رہنما امریکہ کے بارے میں محسوس کرتے ہیں ...... مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی پوری قوت سے اشتراکیت کے خطرے کا مقابلہ کریں گے۔" (حوالہ: 118)

یکم۔ 3 جون۔ ملکہ الزبتھ کی رسم تاجپوشی پر تعطیل

ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی کے موقع پر پاکستان بھر میں عام تعطیل رہی۔ اخبارات کے دفاتر بھی بند رہے۔ 3 جون کو بکنگھم پیلس میں ملکہ الزبتھ نے 226 پاکستانیوں کو تاجپوشی کے تمغے تقسیم کئے۔

3 جون۔ امریکی منصوبے میں پاکستان کا کردار

امریکی وزیر خارجہ ڈلس کا کہنا تھا کہ مشرق وسطی کی دفاعی تنظیم کا پہلا تصور اب قابل عمل نہیں رہا تھا۔ اس لئے امریکہ کو نئے قسم کے نظام پر غور کرنا چاہئے جس میں ترکی اور پاکستان اہم کردار ادا کریں گے۔ امریکی وزیر خارجہ نے چھڑی کی مدد سے ایک بڑے نقشے پر مختلف فیچرز کو

اجاگر کرتے ہوئے خارجہ امور کی کمیٹی کے بند اجلاس میں اپنے استدلال کو مزید آگے بڑھایا:

"میں جس امکان سے متعلق سوچتا ہوں وہ یہ ہے کہ شمالی علاقے (اشارہ کرتے ہوئے) کے ساتھ ساتھ قوت کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ جہاں سوویت یونین کا خوف زیادہ ہے۔ وہاں ایک قوت متحرکہ موجود ہے۔ ...... وہاں آپ کو ایک مختلف ولولہ ملتا ہے۔ اور سوویت روس سے خطرے کا احساس بھی پایا جاتا ہے اور آپ کے پاس ایسی بنیاد موجود ہے جس پر تعمیر ممکن ہے۔ ترکی ...... واقعی ایک مضبوط پوائنٹ ہے ...... یہ ایک بے حد قابل اعتماد علاقہ ہے۔ جو ایک ایسے وقت پر' جو سٹر یٹجک اہمیت کا حامل ہو' بہت سی فوجی طاقت پیدا کر سکتا ہے۔ دوسرے کنارے پاکستان ہے۔ ...... جو بہت مضبوط پوائنٹ ہو سکتا ہے۔ گویا ہمارے پس دو مضبوط پوائنٹ یہاں اور یہاں ہیں ...... یہاں سے ہمیں ممالک کی شمالی قطار پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر یہاں اور یہاں آپ کے پاس دو مضبوط پوائنٹ ہیں (ترکی اور پاکستان) تو پھر اگر ایران کو مضبوط نہ بنایا جا سکے تو بھی ان پہاڑی راستوں سے گزرنا بہت دشوار ہے۔ ...... پاکستان کے ساتھ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کی فوجی امداد کا کوئی پروگرام نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بھارت کے لئے اس کے مضمرات کی بنا پر ایسا کوئی پروگرام بنانے کی جرات نہیں کرتے۔

ڈلس نے کمیٹی کو بتایا کہ پاکستان کا امریکہ کے بارے میں رویہ بہت دوستانہ ہے۔ لیکن باہمی سلامتی جائزہ کمیٹی کو ہمدردی سے لینا چاہئے۔ ...... آیئے ہم پاکستان کو کچھ تو دیں۔ ڈلس نے کہا کہ اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے تو پھر میں سوچتا ہوں کہ پاکستان کو اس سے زیادہ مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ جتنا کہ اس وقت ہم بنانے کا منصوبہ رکھتے ہیں۔ گویا ترکی اور پاکستان کے ساتھ ایک ناردرن ٹائر کو فروغ دینا چاہئے۔ اور یہ کہ پاکستان کو تھوڑی بہت امداد کی پیش کش کرنی چاہئے لیکن یہ کہ ایسی امداد کا کوئی بڑا پروگرام صرف اسی وقت شروع کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی پاک بھارت سمجھوتہ ہو جائے۔ (حوالہ: 119)

5 جون۔ بوگرہ نہرو ملاقات

پاک بھارت تنازعات حل کرنے کے سلسلے میں پاکستانی وزیراعظم محمد علی بوگرہ اور بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو کے درمیان ملاقات ہوئی۔

8 جون۔ کشمیر اور نہری پانی کے مسائل اصل رکاوٹ ہیں

پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے امریکہ پر زور دیا کہ جب تک کشمیر اور نہری پانی کے مسئلوں کو حل نہیں کیا جاتا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان باہمی سلامتی کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

15 جون۔ منیر انکوائری کمیٹی کی تشکیل

تحریک ختم نبوت اور فسادات کی تحقیقات کے لئے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس محمد منیر کی سربراہی میں دو رکنی کمیٹی قائم کر دی گئی۔ دوسرے رکن جسٹس کیانی تھے۔

21 جون۔ پولیس تشدد کی تصدیق

حضرو ضلع کیمپلپور بار ایسوسی ایشن کی تحقیقاتی کمیٹی نے وہاں ہونے والے مبینہ پولیس تشدد کی تصدیق کر دی۔

27 جون۔ 10 لاکھ ٹن امریکی گندم

10 لاکھ ٹن امریکی گندم فروری 54ء تک پاکستان پہنچ جانے کا اعلان کیا گیا۔ اس سلسلے کا پہلا جہاز کراچی پہنچ گیا۔

جولائی

4 جولائی۔ جنرل موٹرز اوورسیز کارپوریشن کا قیام

وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے کراچی میں موٹر سازی کے کارخانے جنرل موٹرز اوورسیز کارپوریشن کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ اس کارخانے کا قیام پاکستان جیسے پسماندہ ملک سے امریکہ کی دوستی کا اظہار ہے۔

5 جولائی۔ مجلس احرار خلاف قانون

پنجاب کی حکومت نے مجلس احرار اسلام کو خلاف قانون قرار دے دیا۔

14 جولائی۔ راجہ غضنفر علی کا بھارت میں تقرر

راجہ غضنفر علی خان کو دہلی میں پاکستان کا ہائی کمشنر مقرر کر دیا گیا۔

21 جولائی۔ سندھ کے نئے گورنر

حبیب ابراہیم رحمت اللہ سندھ کے نئے گورنر بنا دیئے گئے۔

21 جولائی۔ ممدوٹ' جناح عوامی لیگ سے الگ کر دیئے گئے

جناح عوامی مسلم کی مرکزی قیادت نے خان افتخار حسین ممدوٹ و جناح عوامی لیگ پنجاب کی رکنیت اور کنوینر شپ سے دو سال کے لئے

الگ کر دیا۔

24 جولائی۔ سٹیٹ بنک کے نئے گورنر

جناب عبدالقادر کو زاہد حسین کی جگہ سٹیٹ بنک کا نیا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

25-27 جولائی۔ کراچی میں نہرو۔ بوگرہ مذاکرات

25 جولائی کو پنڈت نہرو' حکومت پاکستان کی دعوت پر کراچی آئے۔ ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ بوگرہ۔ نہرو مذاکرات کے بارے میں جاری ہونے والے مشترکہ پریس نوٹ کے دوستانہ لہجے نے بہتر تعلقات کی امیدیں پیدا کیں۔ اعلان میں کہا گیا کہ کشمیر سمیت بہت سے مسائل پر بات چیت کے باعث دونوں ملکوں کے باہمی مسائل کو حل کرنے اور مشترکہ دلچسپی کے امور میں ان کے تعاون کو فروغ دینے کی خواہش تھی۔ پریس نوٹ میں یہ اشارہ بھی دیا گیا تھا کہ "اس گفتگو کو جاری رکھنے کی غرض سے مستقبل قریب میں" پاکستانی وزیراعظم کے دہلی جانے کا امکان ہے۔

کراچی میں ایک پریس کانفرنس کے دوران پنڈت نہرو نے اعلان کیا کہ وہ اپنے پرجوش استقبال سے بہت متاثر ہوئے تھے اور یہ کہ "دونوں ملکوں کے درمیان غیر معمولی دوستانہ ماحول ہمارے باہمی مسائل" پر بحث کے لئے نیک شگون ہے۔ گورنر جنرل غلام محمد نے بہت تپاک کے ساتھ گلے مل کر انہیں کراچی سے رخصت کیا۔ نئی دہلی واپس پہنچ کر پنڈت نہرو نے ایک بیان میں کہا کہ "پاکستان نے جس گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال اور میری میزبانی کی وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔" انہوں نے کہا کہ کشمیر کے مسئلے کے اطمینان بخش تصفیئے کے لئے فضا بہت سازگار اور خوشگوار ہوتی جا رہی ہے۔ ادھر بوگرہ نے ایک پوریس کانفرنس میں کہا کہ بھارت سے دوستانہ تعلقات کے لئے مسئلہ کشمیر کا حل ضروری ہے۔ (حوالے 120-121)

27 جولائی۔ کرشک سرامک پارٹی کا قیام

مولوی اے۔ کے فضل الحق نے کرشک سرامک پارٹی کی تشکیل کی۔

30 جولائی۔ بوگرہ کو اسمبلی کی خالی نشست کے لئے ٹکٹ کی منظوری

وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ کو دستور ساز اسمبلی کی خالی نشست کے لئے مسلم لیگ کا ٹکٹ جاری کر دیا گیا۔

اگست

یکم اگست۔ اسکندر مرزا کی میجر جنرل کے عہدے پر ترقی

لیفٹیننٹ کرنل اسکندر مرزا کو اعزازی طور پر میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔

یکم اگست۔ امریکی گندم کی پہلی کھیپ

امریکی گندم کی پہلی کھیپ پاکستان پہنچ گئی۔ وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے ایک بیان میں کہا کہ اس سے گندم کی قلت کافی حد تک دور ہو گئی ہے۔

2-7 اگست۔ شیخ عبداللہ آزاد اور خودمختار کشمیر چاہتے ہیں

وزیراعظم مقبوضہ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے سرینگر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ذاتی طور پر ریاست کو پاکستان یا ہندوستان میں ضم کرنے کے حق میں نہیں ہیں اور ریاست کی آزادانہ حیثیت کے حامی ہیں۔ 7 اگست کو انہوں نے کھل کر اس بات کا اظہار کیا کہ کشمیر کا بھارت سے الحاق ختم ہو سکتا ہے کیوں کہ کشمیر کا ہندوستا کے ساتھ ابتدائی الحاق مجبوری کے تحت ہوا تھا اور یہ الحاق اس لئے ہوا تھا کہ ہندوستا نے الحاق کے بغیر ہر قسم کی امداد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ 21 اگست کو عید کے موقع پر اپنے آئندہ پروگرام کا اعلان کریں گے۔

8-13 اگست۔ شیخ عبداللہ کی گرفتاری اور اس کے بعد

کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے سے متعلق پنڈت نہرو کے دل خوش کن بیان (27 جولائی) کے صرف بارہ روز بعد شیخ عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ 8 اگست کو شیخ عبداللہ اپنے سیاسی رفیق مرزا افضل بیگ کو ساتھ لے کر گلمرگ چلے گئے۔ اگلے دن 9 اگست کی صبح ان کی برطرفی کا حکم آ گیا۔ اسی روز دونوں کشمیری رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بھارتی حکومت کی اس کاروائی نے پاکستان میں زبردست ہلچل اور بے چینی پیدا کی۔ تاہم پاکستان حکام نے گفت و شنید کے سلسلے کو بند نہ کیا۔ وزیراعظم پاکستان نے پنڈت نہرو کے نام ایک تار میں کہا "ہمیں ضرور کامیاب ہونا چاہئے۔ خطرات اس قدر زیادہ ہیں کہ ہمیں ناکام نہ ہونا چاہئے۔" اس اثنا میں امریکی وزیر خارجہ ڈلس نے ایک سینٹ کمیٹی کو بتایا کہ "میں نے نہرو اور

محمد علی دونوں پر زور دیا تھا کہ (کشمیر کا) مسئلہ حل کرنے کی ایک بہت مضبوط کوشش کی جانی چاہئے۔ وہ دونوں جلد ہی بات چیت کا منصوبہ رکھتے ہیں...." پنڈت نہرو نے پاک بھارت وزرائے اعظم کی ملاقات کی تجویز مان لی۔ (حوالے 122' 123' 124)

12 اگست۔ نئے گورنر سندھ

سندھ کے نئے گورنر حبیب ابراہیم رحمت اللہ نے حلف اٹھالیا۔

20-16 اگست۔ پاک۔ بھارت مذاکرات

مسئلہ کشمیر کے بارے میں مذاکرات کی غرض سے پاکستانی وزیراعظم محمد علی بوگرہ ہندوستان روانہ ہو گئے۔ چار روزہ مذاکرات کے بعد جاری ہونے والے مشترکہ پریس اعلامیے کے مطابق دونوں رہنما' دونوں ملکوں کے باہمی مفاد کے لئے کشمیر سمیت ان مسائل کو جلد از جلد پرامن فضا میں اور تعاون کے جذبے سے حل کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ مندرجہ ذیل امور پر اتفاق رائے پایا گیا۔

(1) کشمیر میں منصفانہ اور غیرجانبدارانہ رائے شماری کرائی جائے۔

(2) رائے شماری کے ناظم کی تقرری اپریل 54ء کے آخر تک ہو جانی چاہئے۔

(3) ناظم منصفانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے لئے مناسب اور ضروری اقدامات کرے گا۔

مشترکہ اعلامیہ جاری کرنے کے بعد نئی دہلی میں ایک پرہجوم کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی بوگرا نے بتایا کہ "ایک حل اب دکھائی دینے لگا ہے۔" لیکن ابھی وہ سہل رسائی سے باہر ہے۔ جھگڑوں کو ختم کرنے کا وقت آگیا تھا۔ بڑی رکاوٹ یعنی کشمیر کا جھگڑا ختم ہو جائے تو پاکستان اور بھارت آپس میں بہترین ممکن تعلقات کو فروغ دے سکتے تھے۔ ادھر پنڈت نہرو نے بھارتی پارلیمنٹ میں کہا کہ وہ "ہر اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے تیار ہیں جس نے بدقسمتی سے دونوں ملکوں کے تعلقات کو تلخ بنا دیا تھا۔" (حوالہ : 125)

22 اگست۔ ایران میں تبدیلیاں

20 اگست 1953ء کو ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کی نئی دہلی میں کانفرنس ایک بہت ہی مثبت نوٹ کے ساتھ ختم ہوئی تھی۔ اس کے دو روز بعد شاہ ایران کامیابی کے ساتھ تہران میں داخل ہوئے اور فوراً ہی جنرل فضل اللہ زاہدی کو ملک کا نیا وزیراعظم مقرر کیا۔ ڈاکٹر مصدق کے خلاف کاروائی کے دوران زاہدی امریکی صدر سے قریبی رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ امریکہ نے شاہ کو اس کی ذلت آمیز فرار سے واپس بلا کر دوبارہ تخت بخشا تھا۔ ہنری کسنجر کے بقول اس واقعہ کے بعد شاہ "غیر مشروط اتحادی" بن گیا تھا۔ اور آخر وقت تک اس کی یہی کیفیت رہی تھی۔ 1953ء میں شاہ کا تخت امریکی اثر و رسوخ کے سبب بحال ہو سکا تھا۔ شاہ نے کبھی اس بات کو فراموش نہ کیا۔ وہ امریکہ میں سادہ لوح ایمان رکھتا تھا۔

شاہ کو ان کے تخت طاؤس پر دوبارہ بٹھانے اور تیل کو دوبارہ مغرب کے ہاتھ میں دینے کا کام۔۔۔ کرمٹ (کم) روز ولٹ کے سپرد کیا گیا جو سی آئی اے کے شعبہ مشرقی وسطیٰ کے سربراہ تھے۔ ایرانی فوج کو بھاری رشوتیں دی گئیں۔ پولیس فورس کو گھیرے میں لیا گیا۔ مصدق کے بعض زیادہ طاقتور حامیوں کو خفیہ طور پر کھسکا دیا گیا۔ ان کی گردنیں چاک کر دی گئیں اور ان کی لاشوں کو ر یلبرز پہاڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ کرائے کے مظاہرین حاصل کئے گئے۔ پھر سی آئی اے نے ایک بغاوت کا انتظام کیا اور ایک گولی چلائے بغیر مصدق کا تختہ الٹ دیا گیا۔ ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ملک کو بین الاقوامی آئل کارٹل سے نجات دلانا چاہی تھی۔ جب شاہ اور ان کی ملکہ روم سے واپس آئے تو ان کے استقبال میں جوش و خروش پیدا کرنے کی خاطر سی آئی اے نے بخشیشیں تقسیم کیں۔ سی آئی اے کے لئے یہ ایک کامیاب کاروائی تھی اور لوگ یہ یقین کرنے لگے تھے کہ نئے ڈائریکٹر (ایلین ڈلس) کے زیر نگرانی سی آئی اے نہ صرف انتخابات کو متاثر کر سکتی ہے بلکہ واقعتاً حکومت کو بھی بدل سکتی ہے۔

شاہ کی واپسی کے بعد ایران کے تیل کے وسائل تک رسائی اور سوویت اثر و رسوخ میں اضافے سے متعلق امریکہ تشویش بڑی حد تک ختم ہو گئی۔ جنرل زاہدی نے "اشتراکیوں" اور "غداروں" کا صفایا کرنے کی مہم شروع کر دی۔ قومی سلامتی کونسل کے منصوبہ بندی بورڈ کے مطابق "وسط اگست 1953ء کے واقعات کی بنا پر اب ایران کے معاملے میں امریکی مقاصد حاصل کرنے کا بہتر موقع" تھا۔ شاہ کی حیثیت پہلے سے مضبوط تھی۔ اور وہ اور اس کا وزیراعظم مشورے اور مدد کے لئے امریکہ سے رجوع کرتے تھے۔ (حوالہ : 126)

22 اگست۔ "آفاق" کا ڈکلریشن منسوخ

مولانا محمد سرور کو "آفاق" کے ڈکلریشن سے محروم کر دیا گیا۔

ستمبر

10 ستمبر۔ درآمدی پالیسی کا اعلان

حکومت پاکستان نے اپنی درآمدی تجارتی پالیسی کا اعلان کر دیا۔ پالیسی

کے مطابق کھلے عام لائسنس حسب سابق منسوخ رہیں گے۔ سوتی کپڑا صرف جاپان اور ایسے ملکوں سے منگوایا جائے گا جو ڈالر کی کرنسی کے حامل نہیں ہیں۔

28 ستمبر۔ سندھ میں ہاریوں پر حملہ

سندھ میں ایک گاؤں میں ہاریوں پر وڈیروں کے غنڈوں نے حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ایک ہاری ہلاک اور دو شدید زخمی ہوئے۔

اکتوبر 1953ء

2 اکتوبر۔ ایوب خان کا دورہ امریکہ

ستمبر 53ء کے آخر میں پاکستانی کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان اعلیٰ امریکی فوجی اور سول حکام سے بات چیت کے لئے امریکہ پہنچے۔ 2 اکتوبر کو ایوب خان نے اپنا سہ روزہ دورہ ڈلس کے ساتھ "ملنساری کی ملاقات" پر ختم کیا۔ ایوب خان کی امریکہ آمد سے قبل امریکی بحریہ کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر نے ایوب خان کا سوانحی خاکہ اور شخصیت کا جائزہ امریکی جوائنٹ چیفس آف سٹاف کے چیئرمین ایڈمرل راؤ فورڈ کو بھیجا تھا جس کے مطابق

"6 فٹ 2 انچ سے زیادہ طویل القامت اور 210 پونڈ وزن کے توانا جنرل ایوب خان پاکستان کی ملٹری سروسز کے سب سے بااثر افسر ہیں۔ فوج پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے اور وہ زیادہ اور کم' ہر دو قسم کی اہمیت کے فیصلے خود ہی کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں آفیسر کیڈر کا احترام حاصل ہے لیکن وہ انے ماتحتوں کے ساتھ سختی اور درشتی سے پیش آنے کا میلان رکھتے ہیں۔ ان کی شہرت یہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ کس شے کی جستجو کرنی چاہئے۔ اور یہ کہ وہ نتائج پر زور دیتے ہیں .... ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ امریکہ نواز ہیں .... جاہ و جلال کی بہت زیادہ ہوس اور سیاست کو اپنے فوجی کیرئیر سے مخلوط کرنے کے میلان کو ان کی کمزوریاں سمجھا جاتا ہے۔" (حوالہ: 127)

11 اکتوبر۔ پاک فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کی کانفرنس

پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کی کانفرنس' کراچی میں شروع ہو گئی۔ اس میں افتتاح دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین نے کیا۔

17 اکتوبر۔ بوگرہ مسلم لیگ کے صدر ہو گئے

وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر منتخب ہونے کے بعد پاکستان مسلم لیگ کے بھی صدر منتخب ہو گئے۔ وزیراعظم نامزد ہونے سے قبل وہ مسلم لیگ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اگلے روز پاکستان مسلم لیگ کے نائب صدر یوسف ہارون اور جنرل سیکرٹری چوہدری صلاح الدین اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ میر غلام علی تالپور اور چوہدری فضل الٰہی علی الترتیب مسلم لیگ کے نائب صدر اور جنرل سیکرٹری چن لئے گئے۔ جب کہ سردار شوکت حیات اور اسد اللہ خان نے آزاد پاکستان پارٹی سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

19 اکتوبر۔ غلام محمد غیر ملکی دورے پر

گورنر جنرل پاکستان ملک غلام محمد بہت سے ملکوں کے چھ ہفتے کے دورے پر کراچی سے روانہ ہو گئے۔ دورے کے ملکوں میں برطانیہ' فرانس' مصر' عراق' ترکی اور سعودی عرب شامل تھے۔ چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس عبدالرشید نے قائم مقام گورنر جنرل کا عہدہ سنبھال لیا۔ غلام محمد کا پہلا پڑاؤ بغداد تھا۔

28 اکتوبر۔ قیوم خان سرحد مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی

مرکز میں وزیر بننے کے بعد قیوم خان نے سرحد مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیا اور صوبائی اسمبلی کے ارکان سے اپیل کی کہ وہ نئے وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید کو صوبائی مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیں۔

31 اکتوبر۔ جماعت اسلامی اور سیاسی اقتدار

مولانا امین احسن اصلاحی نے جو تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں گرفتاری سے قبل جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ پنجاب کے حالیہ ہنگاموں کی تحقیقاتی عدالت میں اپنے بیان میں کہا کہ ان کو یقین ہے کہ اصلاح انسانیت کا کوئی منصوبہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اصلاحی تحریک سیاسی اقتدار پر قبضہ نہ کر لے۔ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے 4 نومبر کو انہوں نے یہ بھی کہا کہ قومی نظریہ پر مبنی حکومت شیطانی اور مفسدانہ ہوتی ہے۔

نومبر 1953ء

2 نومبر۔ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان اور مارشل لاء

دستور ساز اسمبلی نے پاکستان کا نام جمہوریہ اسلامیہ پاکستان رکھنے کا

فیصلہ کر لیا۔ اسی روز ایوان میں مارشل لاء انڈ منٹی بل پیش کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مارشل لاء حکام نے مارشل لاء قوانین کے تحت جو کارروائیاں کی ہیں انہیں ان سے بری الذمہ قرار دیا جائے۔ اس دوران حزب مخالف کانگریس پارٹی نے ایوان کا بائیکاٹ کیا۔ یہ بل وزیراعظم کی طرف سے اے کے بروہی نے پیش کیا تھا اور اسے گورنر جنرل کی منظوری حاصل تھی۔ اسے اسمبلی نے بھی منظور کر لیا۔

5 نومبر۔ ممدوٹ پھر مسلم لیگ میں

نواب افتخار حسین ممدوٹ، جنہوں نے مسلم لیگ سے بغاوت کر کے جناح مسلم لیگ قائم کر لی تھی پھر واپس مسلم لیگ میں آ گئے۔

12 نومبر۔ غلام محمد۔ آئزن ہاور ملاقات

غلام محمد جو کئی ملکوں کے چھ ہفتوں کے دورے پر امریکہ پہنچتے تھے نے امریکی صدر آئزن ہاور سے ملاقات کی۔ "ڈان" کراچی نے اس ملاقات کا انتہائی دلچسپ حال لکھا۔ پاکستانی اور امریکی ذرائع کے مطابق اس ملاقات میں امریکہ کو پاکستان میں اڈوں کی پیشکش کا موضوع زیر بحث نہیں آیا تھا۔ لنچ کے موقع پر پاکستان کے گورنر جنرل نے رسمی طور پر امریکی صدر کو بتایا کہ وہ نہایت انکسار سے انہیں امریکی امداد کے لئے پاکستان کی طرف سے شکریے کی علامت کے طور پر ایک سرخ سندھی سانڈ پیش کرتے ہیں۔ امریکی صدر نے بڑے شائستہ لہجے میں گورنر جنرل کو بتایا کہ انہیں مذکورہ سانڈ کی ضرورت نہیں کیوں کہ امریکہ میں کچھ عرصہ پہلے سانڈوں کی اس نسل کو متعارف کرایا جا چکا تھا۔ بعدازاں غلام محمد نے یونائیٹڈ پریس کو بتایا کہ آئزن ہاور نے امریکہ اور دوسرے ملکوں میں "مویشی پالنے کے موضوع پر ایک طویل اور بے حد عالمانہ خطبہ دیا تھا۔ انہوں نے واپسی پر لندن رکتے ہوئے کہا کہ امریکہ کو پاکستان میں فوجی اڈے دینے کی بات چیت نہیں کی گئی۔ (حوالہ: 128)

14 نومبر۔ پاک۔ مصر ثقافتی معاہدہ

14 نومبر کو پاکستان اور مصر کے درمیان ایک ثقافتی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ پاکستان وزیر مواصلات سردار بہادر خان اور مصری سفیر عبدالوہاب غظام نے معاہدے پر کراچی میں دستخط کئے۔

14 نومبر۔ بوگرہ فارمولا

وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے دستور ساز اسمبلی میں 17 اکتوبر کو جو آئینی تجاویز پیش کی گئیں اور جن کے مطابق مرکزی مقننہ کو ایوان بالا اور ایوان زیریں پر مشتمل ہونا تھا، بوگرہ فارمولا کے نام سے مشہور ہوئیں۔

ان آئینی تجاویز کی اسمبلی میں منظوری کے بعد 14 نومبر کو ایک مسودہ کمیٹی مقرر کر دی گئی جس کے ذمے آئین مرتب کرنا تھا۔ (حوالے 129-130)

مزید دیکھیں اسی جلد کا ایک نوٹ۔ بوگرہ فارمولا اور مسودہ کمیٹی

15 نومبر۔ پاک امریکہ مجوزہ فوجی معاہدہ پر نہرو کی تشویش

پاکستان اور امریکہ کے درمیان مجوزہ فوجی معاہدے پر ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت نہرو نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

22 نومبر۔ سید سلیمان ندوی کا انتقال

سید سلیمان ندوی کا کراچی میں 68 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

24 نومبر۔ اصلاحات اور بااثر زمیندار

حکومت پنجاب نے ضلع ڈیرہ غازی خان کے قبائلی علاقے میں سیاسی اور سماجی اصلاحات کا پروگرام ترک کر دیا کیوں کہ علاقے کے بااثر زمینداروں نے اس پروگرام کے خلاف زبردست مزاحمت کی تھی۔ (حوالہ: 131)

26 نومبر۔ ناظم الدین سیاست سے بھی ریٹائر

گورنر جنرل غلام محمد کے ہاتھوں برطرف ہونے کے چند ماہ بعد ہی سابق وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے سیاست سے بھی ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا۔ (حوالہ: 132)

26 نومبر۔ یوم متحدہ محاذ

مشرقی بنگال کی کمیونسٹ پارٹی نے 4 دسمبر کو یوم متحدہ محاذ منانے کا اعلان کیا۔ ادھر سندھ میں سندھ ہاری کمیٹی نے 29 نومبر کو تشدد کے خلاف دن منانے کا اعلان کیا۔

26 نومبر۔ گجراتی روزنامہ "وطن" سے ضمانت کی طلبی

جنوری 1953ء میں طلباء تحریک کو کچلنے کی شہرت کے حامل کراچی کے کمشنر اے ٹی نقوی نے گجراتی زبان کے روزنامہ "وطن" سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی۔

27 نومبر۔ پاک سعودی معاہدہ دوستی

سعودی عرب کے دارالحکومت جدہ میں پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان دوستی کے ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ سعودی عرب کی طرف سے امیر فیصل اور پاکستان کی طرف سے جدہ میں متعین پاکستانی سفیر

عبدالستار سیٹھ نے دستخط کئے۔

30 نومبر۔ مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کو شکست ہوگی

آزاد پاکستان پارٹی کے مرکزی رہنما میاں افتخار الدین نے لائلپور (فیصل آباد) میں کہا کہ مشرقی بنگال کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو یقینی شکست ہوگی۔ (حوالہ: 133)

دسمبر

2 دسمبر۔ مصر نہر سویز میں اپنے حقوق سے دستبردار نہیں ہوگا

مصری سربراہ جنرل نجیب نے پاکستان کے گورنر جنرل سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مصر نہر سویز میں اپنے حقوق سے دستبردار نہیں ہو گا۔

4 دسمبر۔ مشرقی بنگال میں متحدہ محاذ کا قیام

مشرقی بنگال عوامی مسلم لیگ کے صدر مولانا بھاشانی اور کرشک سرامک پارٹی کے سربراہ مسٹرائے کے فضل الحق نے متحدہ محاذ کے قیام کا اعلان کیا۔

10 دسمبر۔ پاک امریکی دفاعی معاہدے کی تیاریاں

نیویارک ٹائمز نے خبر شائع کی کہ امریکہ کے دفاعی منصوبے میں پاکستان کی شرکت اور فوجی معاہدے کے متعلق غیر رسمی بات چیت مکمل ہو چکی ہے۔ پریس میں اس بارے میں پاکستان سے سوویت یونین کے احتجاج کی خبریں بھی شائع ہوئیں۔ 10 دسمبر کو نیویارک ٹائمز کے واشنگٹن بیورو کے ایک سینئر نامہ نگار نے لکھا کہ واشنگٹن پر اس بات پر دباؤ بڑھ رہا ہے کہ پاکستان کے ساتھ فوجی معاہدے کے لئے فوری طور پر قدم اٹھایا جانا چاہئے۔ خواہ اس کے لئے بھارت کو ناراض ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

چند روز بعد اسی اخبار نے لکھا کہ جنوبی ایشیاء کے دفاع میں پاکستان کی حیثیت غالب ہے۔ اس قسم کے معاہدے کو سہارا ملے گا۔ مشرق وسطیٰ کا دفاع قابل عمل ہو جائے گا اور برصغیر کے تمام وسائل تک (امریکہ کو) براہ راست اور جاندار رسائی حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ مجوزہ معاہدے پر روس کے ساتھ ساتھ عوامی جمہوریہ چین نے بھی احتجاج کیا۔

18 دسمبر۔ نئی درآمدی پالیسی

حکومت نے 1954ء کی پہلی ششماہی کے لئے نئی درآمدی پالیسی کا اعلان کیا۔ اس کے تحت بعض اشیاء کو کھلے عام لائسنس میں شامل کر لیا گیا۔ غیر ملکی زر مبادلہ کا 70 فیصد مشینری خام مال اور پرزوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ (حوالہ: 134)

19 دسمبر۔ مجوزہ دفاعی معاہدہ اور سوویت یونین

2 دسمبر کو روسی حکومت نے حکومت پاکستان کے نام ایک مراسلے میں یہ سوال کیا تھا کہ کیا پاکستان واقعی امریکہ کو فوجی اڈے دینے کا خواہش مند اور امریکہ کے ساتھ مشرق وسطیٰ کے دفاعی معاہدے میں شامل ہونے کے لئے تیار ہے؟ 19 دسمبر کو مراسلے کا جواب دیتے ہوئے حکومت نے کہا کہ امریکہ کو فوجی اڈے بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور دفاعی معاہدے ہم اپنے ملکی تحفظ کے لئے کر رہے ہیں۔ مجوزہ معاہدے کے خلاف دہلی میں احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ بھارتی پارلیمنٹ میں نہرو نے مجوزہ معاہدے پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ شاید بھارت اب پاکستان سے مختلف متنازعہ امور کے لئے بات چیت کے دروازے بند کر دے۔

26 دسمبر۔ یوم تحفظ امن و آزادی

مشرقی پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی نے یکم جنوری کو یوم تحفظ امن و آزادی منانے کا اعلان کیا۔ (حوالہ: 135)

28 دسمبر۔ امریکہ اقتصادی امداد

امریکہ نے پاکستان کے لئے دو کروڑ تیس لاکھ ڈالر کی امداد کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلے میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ بتایا گیا کہ امداد کا ساتواں حصہ امریکہ مشیروں اور ماہرین کی تنخواہوں پر خرچ ہو گا۔

جنوری 1954ء

7 جنوری۔۔۔ خان عبدالغفار خان کی رہائی

خان عبدالغفار خان راولپنڈی جیل سے رہا کر دیئے گئے۔ انہیں 15 جون 1948ء کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس دوران وہ دستور ساز اسمبلی کے اجلاسوں میں بھی شرکت نہ کر سکے۔ رہائی کے فوراً بعد انہیں سرکٹ ہاؤس راولپنڈی میں دوبارہ نظربند کر دیا۔ بعد میں انہیں صرف پنجاب میں نقل و حرکت کی اجازت دی گئی۔ وہ صوبہ سرحد میں اب بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

9 جنوری۔۔۔ اچکزئی بھی رہا

خان عبدالصمد خان اچکزئی کو بھی رہا کر دیا گیا۔ وہ 48-1947ء سے محبوس چلے آ رہے تھے۔

11 جنوری۔۔۔ مشرقِ وسطیٰ کی دفاعی تنظیم اور عرب قوم پرستی

پاکستان میں مصر کے سفیر عبدالوہاب عظام نے 11 جنوری 1954ء کو قاہرہ میں ایک بیان میں بتایا کہ پاکستان نے انہیں یقین دلایا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کی دفاعی تنظیم کے کسی معاہدے پر اس وقت تک دستخط نہیں کرے گا جب تک عرب ممالک بالخصوص مصر اس معاہدے میں شرکت منظور نہ کرے۔ پاکستان کی طرف سے اس بیان کی تردید نہیں کی گئی لیکن درحقیقت پاکستان کا موقف وہ نہ تھا جو مصری سفیر نے بیان کیا۔ پاکستان مصر کو مشرق وسطیٰ کی دفاعی تنظیم (میڈو) میں لانے کا خواہش مند ضرور تھا لیکن وہ خود اپنی قومی ضروریات کے نقطۂ نظر سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مصر مانے یا نہ مانے' پاکستان کے لئے امریکہ کی دفاعی تجویز میں شرکت بہرصورت مفید ثابت ہو گی۔ پھر جب فروری 1954ء میں جنرل نجیب کو ہٹا کر کرنل جمال ناصر نے مصر کی قیادت سنبھال لی اور انہوں نے "میڈو" کے مقابلے پر متبادل تجاویز پیش کیں تو امریکہ مصر کی طرف سے مایوس ہو گیا اور 2 اپریل 1954ء کو پاکستان اور ترکی نے باہمی معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

(حوالہ: 136)

12 جنوری۔۔۔ پاکستان فوج کی ضرورتیں پورا کرنے کے قابل ہو گیا: وزیر دفاع

وزیر مملکت برائے دفاع سردار امیر اعظم خان نے راولپنڈی میں ایک بیان میں کہا کہ افواج پاکستان کو جس قدر رائفلوں کی ضرورت ہے' پاکستان اب انہیں پورا کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔

23 جنوری۔۔۔ بنگالی' دوسری سرکاری زبان

دستور ساز اسمبلی نے اردو کے ساتھ ساتھ بنگالی کو بھی پاکستان کی سرکاری زبان قرار دینے کی' کثرت رائے سے حمایت کر دی۔

25 جنوری۔۔۔ قیوم خان کے خلاف پروڈا کے تحت تحقیقات

صوبہ سرحد کے سابق وزیراعلیٰ عبدالقیوم خان کے خلاف پروڈا کے تحت تحقیقات کی درخواست دینے کا اعلان کیا گیا۔

26 جنوری۔۔۔ ہڑتال خلاف قانون

کے پی ٹی (کراچی پورٹ ٹرسٹ) کے ساڑھے تین ہزار مزدوروں کی ہڑتال کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اگلے روز ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے مسلح افواج کو طلب کر لیا گیا۔

28 جنوری۔۔۔ سبط حسن کی رہائی

مغربی پاکستان کیمونسٹ پارٹی کے رہنما سید سبط حسن رہا کر دیئے گئے۔ انہیں 1951ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔

فروری 1954ء

یکم فروری۔۔۔ پہلی پاکستانی عورت کو پھانسی

پاکستان کی سات سالہ تاریخ میں سرداراں نامی ایک عورت کو پہلی بار پھانسی کی سزا دی گئی۔ اس پر اپنی نسبتی بہن کے قتل کا الزام تھا۔

2 فروری۔۔۔ مشرقی بنگال کے انتخابات ملتوی

مشرقی بنگال میں پہلے عام انتخابات جو اس سے قبل بھی دو بار ملتوی ہو کر فروری میں منعقد ہونے والے تھے' ایک بار پھر ملتوی کر دیئے گئے۔ اعلان کے مطابق اب یہ انتخابات مارچ میں منعقد ہوں گے۔ مشرقی بنگال کے وزیراعلیٰ نورالامین نے یقین دہانی کرائی کہ انتخابات کو مزید ملتوی نہیں کیا جائے گا۔

2 فروری۔۔۔ دولتانہ مذہبی فسادات کے ذمہ دار ہیں

پنجاب میں احمدیوں کے خلاف ہنگاموں کی تحقیقات کے دوران

حکومت پنجاب کے وکیل فضل الہٰی نے کہا کہ میاں ممتاز دولتانہ کی دو رخی پالیسی ان فسادات کی ذمہ دار ہے۔

4فروری۔۔۔لاہور میں امریکی گندم کی تقسیم شروع

لاہور میں پاکستان پہنچنے والی امریکی گندم کی مفت تقسیم کا کام شروع ہو گیا۔

7 فروری۔۔۔ مقبوضہ کشمیر کا بھارت سے الحاق کا فیصلہ

مقبوضہ کشمیر میں نام نہاد انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی قانون ساز اسمبلی نے کثرت رائے سے بھارت کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کر لیا۔ بعد ازاں پنڈت نہرو نے اعلان کیا کہ مقبوضہ کشمیر اسمبلی کا فیصلہ تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

14 فروری۔۔۔ پاک۔ بھارت نہری پانی تنازعہ

پاک بھارت نہری پانی کے تنازعہ کے بارے میں عالمی بنک نے تجویز پیش کی کہ سندھ، جہلم اور چناب کا پانی' پاکستان کے حصے میں اور راوی' بیاس اور ستلج کا پانی ہندوستان کے حصے میں دیا جانا منظور کر لیا جائے۔

15 فروری۔۔۔ پاک۔ ترکی مجوزہ معاہدہ پر بحث

پاکستان کی مرکزی کابینہ نے حکومت ترکی کے تیار کردہ اس مسودے پر غور کیا جس میں ترکی اور پاکستان کے درمیان دفاعی' اقتصادی اور ثقافتی معاہدے کے بارے میں تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی معاہدہ ہے جس میں مصر نے شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

(حوالہ: 137)

19 فروری۔۔۔ پاکستان کے بارے میں امریکی طرزِ عمل

امریکہ کی قومی سلامتی کونسل نے ایک نوٹ میں اپنے اس طرز عمل کی نشاندہی کی جو امریکہ پاکستان کے بارے میں اختیار کرنے والا تھا۔ نوٹ کے مطابق:

"پاکستان کی موجودہ حکومت کی اس وقت تک مدد کی جائے جب تک وہ امریکہ کے ساتھ دوستانہ رویہ اپنائے رکھے۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ آئندہ کوئی حکومت اشتراکی غلبے کی حامل نہ ہو۔۔۔ جنوبی ایشیا میں امریکی پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے مغرب کی جانب پاکستان کے موافق رویے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اشتراکیت کے خلاف مشترکہ محاذ میں پاکستان کی زیادہ شرکت حاصل کی جائے۔۔۔ ہر اس دفاعی تنظیم میں پاکستان کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کی جائے جس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ امریکی مفادات کی تکمیل کرتی ہے۔ پاکستان اور ترکی کے درمیان ایسے ہی انتظام کے قیام کو ترجیح دی جائے۔۔۔ اس امر کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے کہ عام جنگ کی صورت میں پاکستان مغرب کے ساتھ باہمی دفاعی جدوجہد کے لئے افرادی قوت' وسائل اور سٹریٹجک سہولتیں فراہم کرے گا۔ پاکستان کے رویے اور مغرب کے ساتھ فوجی تعاون کے معاملے میں جنوبی ایشیائی ملکوں میں پاکستان کی اہم پوزیشن کے مد نظر اسے فوجی امداد اور گرانٹ دینے پر خصوصی توجہ دی جائے۔"

(حوالہ: 138)

19 فروری۔۔۔ پاک۔ ترکی معاہدہ پر اتفاق رائے

کراچی اور انقرہ سے ایک ساتھ جاری ہونے والے مشترکہ بیان کے مطابق پاکستان اور ترکی نے "سیاسی' معاشی اور ثقافتی شعبوں میں زیادہ قریبی دوستانہ تعاون کو حاصل کرنے' نیز خود اپنے اور تمام امن پسند اقوام کے مفاد میں امن اور سلامتی کو مستحکم بنانے کے طریقوں کا مطالعہ کرنے پر اتفاق کیا ہے"۔ امریکی محکمہ خارجہ نے اس اعلان کا پرجوش خیرمقدم کیا۔ وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے اسے "مسلم دنیا کو مضبوط بنانے کی طرف اولین ٹھوس بڑا قدم" قرار دیتے ہوئے اس خوش آمدید کہا۔ نئ دہلی میں پاکستانی سفارت خانے کے آرگن نے اسے "ترک پاک اتحاد" کا نام دیا۔

21 فروری۔۔۔ متحدہ محاذ کے 70 ارکان گرفتار

مشرقی بنگال مسلم لیگ کے صدر کے خلاف مظاہرہ کرنے کے الزام میں متحدہ محاذ کے ستر کارکن گرفتار کر لئے گئے۔

23 فروری۔۔۔ فضل الحق کو گورنری کی پیشکش

مشرقی بنگال میں انتخابات سے چند روز قبل مسلم لیگ کی حکومت نے متحدہ محاذ کے رہنما اے کے فضل الحق کو مشرقی بنگال کے گورنر بنانے کی پیشکش کی جسے انہوں نے مسترد کر دیا۔

24فروری۔۔۔دفاعی معاہدے میں عراق بھی شریک ہو گا

عراق کے وزیراعظم فاضل جمالی نے کہا کہ عراق فوجی امداد کے متعلق مغربی ممالک پر انحصار کرتا ہے اور وہ پاکستان اور ترکی کے مابین مجوزہ دفاعی معاہدے پر شرکت پر غور کرے گا۔

25 فروری۔۔۔ امریکی فوجی امداد کا اعلان

امریکی صدر آئزن ہاور نے 25 فروری کو اعلان کیا کہ امریکہ فوجی امداد کے لئے پاکستان کی درخواست پر مثبت ردعمل ظاہر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ اعلان مشرقی بنگال میں صوبائی انتخابات کے نازک موقع پر کیا گیا تھا۔ غلام محمد کی حکومت اور آئزن ہاور کی انتظامیہ دونوں کو توقع تھی کہ امریکہ کی فوجی اور معاشی امداد کے وعدے سے اس پریشان کن صوبے میں مسلم لیگ کے انتخابی امکانات بڑی حد تک بہتر ہو جائیں گے۔ جبکہ متحدہ محاذ نے امریکی فوجی امداد کی مخالفت کا اعلان کیا۔ اس طرح یہ انتخابات، پاکستان کے امریکہ کے فوجی اتحادی بننے کے سوال پر ایک قسم کا ریفرنڈم بن گئے۔

پاکستانی وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے اسے "تاریخی واقعہ" قرار دیتے ہوئے کہا کہ مستقبل کا مورخ، فروری 1954ء کے مہینے کو پاکستان کی تاریخ میں ایک موڑ قرار دے سکے گا۔

26 فروری --- بوگرہ پھر دہلی میں

پاکستان کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ، ہندوستانی وزیراعظم سے مذاکرات کے لئے نئی دہلی پہنچ گئے۔

26 فروری --- فسادات پر تحقیقاتی عدالت نے سماعت مکمل کر لی

چیف جسٹس منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل، پنجاب کے فسادات کی دو رکنی تحقیقاتی عدالت میں آٹھ ماہ تک جاری رہنے والی سماعت مکمل ہو گئی۔

مارچ 1954ء

3 مارچ --- امریکی امداد پاک - بھارت سمجھوتے پر اثر انداز نہیں ہو گی

پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان نے کہا کہ پاکستان کو امریکہ کی فوجی امداد ملنے سے، مسئلہ کشمیر کے حل سے متعلق پاک و ہند کے درمیان ہونے والے سمجھوتے متاثر نہیں ہوں گے۔

6 مارچ --- کراچی سندھ کو واپس کیا جائے

سندھ اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ کراچی کو دوبارہ صوبہ سندھ کا حصہ بنا دیا جائے۔

(حوالہ: 139)

8 مارچ --- مشرقی بنگال میں انتخابات

8 مارچ کو مشرقی بنگال میں انتخابات شروع ہوئے۔ مشرقی بنگال اسمبلی کی کل 309 نشستیں تھیں۔ ان کے لئے 1235 امیدوار کھڑے ہوئے۔ ان میں 1013 مسلمان اور 32 خواتین تھیں۔ باقی امیدوار ہندو، بدھ اور اچھوت تھے۔ انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ 309 حلقوں میں سے صرف 9 حلقوں میں اس کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ وزیراعلیٰ نورالامین، سپیکر اور متعدد وزراء بھی شکست سے دوچار ہوئے۔ سات سال تک حکمران جماعت رہنے والی مسلم لیگ، اب اسمبلی میں اپنا باقاعدہ گروپ بھی نہیں بنا سکتی تھی کیونکہ اسمبلی قواعد کے مطابق ایک باضابطہ گروپ کی تشکیل کے لئے کم از کم دس ارکان کی تائید و حمایت لازمی تھی۔ بعد میں ایک آزاد رکن اسمبلی فضل القادر چوہدری کے مسلم لیگ میں شامل ہو جانے سے مسلم لیگ کو اسمبلی میں اپوزیشن گروپ کی حیثیت حاصل ہو سکی۔۔۔

مزید دیکھیں اسی جلد کا حصہ --- "پاکستان میں انتخابات"

(حوالہ: 140)

9 مارچ --- پیر مانکی شریف کے مطالبات

صوبہ سرحد عوامی مسلم لیگ کے رہنما پیر مانکی شریف نے مطالبہ کیا کہ سرحد اسمبلی کو توڑ دیا جائے۔ فرنٹیر کرائمز ریگولیشن کو منسوخ کیا جائے اور خدائی خدمت گار تحریک پر سے پابندی اٹھا لی جائے۔

24-12 مارچ --- عراق کے بادشاہ کے دورۂ پاکستان

عراق کے فرمانروا شاہ فیصل اور ولی عہد شہزادہ امیر عبداللہ، پاکستان کے بارہ روزہ دورے پر کراچی پہنچ گئے۔ شاہ نے کراچی میں ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مستقبل، دونوں ملکوں کے درمیان گہرے اور پائیدار تعلقات کی گواہی دے گا۔ بعد ازاں انہوں نے کوئٹہ، لاہور اور بہاولپور کا دورہ بھی کیا اور 24 مارچ کو کراچی سے بغداد روانہ ہو گئے۔

14 مارچ --- مشرقی بنگال میں گورنر راج

ابھی مشرقی بنگال کے حتمی نتائج کا اعلان بھی نہ ہوا تھا کہ وہاں امن و امان کی صورت حال بگڑ گئی۔ 14 مارچ کو صوبائی گورنر نے دفعہ 92-الف نافذ کر کے صوبے کا نظم و نسق خود سنبھال لیا۔

15 مارچ --- ساتواں مرکزی بجٹ

حکومت نے اپنا سوتواں مرکزی بجٹ پیش کر دیا جس میں 2 کروڑ 31 لاکھ روپے کی بچت دکھائی گئی۔

17 مارچ ــــ مسلم لیگ سے خلاصی پانے پر یوم نجات

مسلم لیگ کے ظلم و تشدد سے نجات پانے کے لئے ملک بھر میں یوم نجات منانے کی اپیل کی گئی۔ انتخابات میں مسلم لیگ کی عبرتناک شکست اور متحدہ محاذ (جگتو فرنٹ) کی فیصلہ کن کامیابی پر تشکر کا اظہار کرتے ہوئے مولانا بھاشانی نے عوام پر زور دیا کہ وہ قوم کو کراچی کی حکومت کی سازشوں سے بچائیں۔ جو امریکہ کے "سامراجی جنگ بازوں" کے ہاتھوں اسے "گروی رکھنے" پر تلی ہوئی ہے۔ پورے مشرقی بنگال میں مخالف سیاسی جماعتوں نے " امریکہ اور پاکستان کے فوجی معاہدے کے خلاف یوم " منانے کے لئے جلسے جلوسوں کا اہتمام کیا۔ مشرقی بنگال کی صوبائی اسمبلی کے 162 نو منتخب ارکان نے ایک بیان پر دستخط کئے جس میں امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدہ کرنے کے لئے کراچی کے اقدام کی مذمت کی گئی تھی۔
(حوالہ: 142)

20 مارچ ــــ مسلم لیگی حکومت مستعفی نہیں ہو گی: وزیراعظم

وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مرکز کی مسلم لیگی وزارت استعفیٰ نہیں دے گی۔ صوبائی انتخابات کے باوجود دستور ساز اسمبلی بھی نہیں توڑی جائے گی۔

21-23 مارچ ــــ مشرقی بنگال میں خونیں واقعات

انتخابات کے نتائج کے بعد مشرقی بنگال میں وسیع پیمانے پر فسادات پھوٹ پڑے۔ 21 مارچ کو کھلنا میں ہڑتالی مزدوروں اور پولیس کے درمیان شدید تصادم ہوا جس میں 53 افراد زخمی ہو گئے۔ 23 مارچ کو کرنافلی ملز میں زبردست ہنگامہ ہوا جس میں 13 افراد ہلاک اور 35 زخمی ہوئے۔

22 مارچ ــــ امریکی فوجی وفد کی کراچی آمد

امریکہ کا ایک فوجی وفد، پاکستان کی دفاعی اور فوجی ضرورتوں کا جائزہ لینے کے لئے کراچی پہنچ گیا۔

اپریل 1954ء

2 اپریل ــــ مشرقی بنگال میں متحدہ محاذ کی حکومت

مولوی اے کے فضل الحق کو متحدہ محاذ کی پارلیمانی پارٹی کا لیڈر منتخب کر لیا گیا۔ منتخب ہونے کے بعد انہوں نے پہلا اعلان یہ کیا کہ مشرقی بنگال کی نئی حکومت کو کامیاب بنانے کے لئے مرکزی حکومت کا تعاون ضروری ہے۔ جب تک اس کی یقین دہانی نہ ہو گی وہ کابینہ تشکیل نہیں دیں گے۔ کیونکہ تنازعات کھڑے کرنے اور جھگڑنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ تاہم 3 اپریل کو انہوں نے اپنے تین ساتھیوں سمیت وزارت کا حلف اٹھایا۔ باقی وزراء کا ابھی تقرر ہونا تھا۔ وزیراعلیٰ کے حلف اٹھاتے ہی آدم جی جوٹ ملز میں پھر فسادات شروع ہو گئے۔ آتشیں اسلحہ کے بے محابا استعمال سے نوے آدمی ہلاک ہو گئے۔ حلف اٹھانے کے دو روز بعد سر فیروز خان نون نے متحدہ محاذ کی کامیابی کو ہندوستان کے کیمونسٹوں کی کامیابی قرار دیا تھا۔ تازہ فسادات کے بعد فوج بلا لی گئی۔ صوبائی حکومت نے الزام لگایا کہ نئی حکومت کی راہ میں مشکلات کھڑی کرنے اور اسے بدنام کرنے کے لئے دانستہ فساد کرائے گئے ہیں اور اس سازش میں کراچی کے مفادپرست سرمایہ دار اور ملز انتظامیہ شامل ہے۔ ان کا مقصد صوبے میں بنگالیوں اور بہاریوں کی آپس میں لڑانا ہے۔ بھاشانی نے بھی اسے خفیہ سازش قرار دیتے ہوئے ترقی پسند اور جمہوری قوتوں کے اتحاد پر زور دیا تاکہ موقع پرستوں کے عزائم کو ناکام بنایا جا سکے۔

دوسری طرف مرکزی حکومت نے فسادات کی ذمہ داری کیمونسٹوں پر ڈالتے ہوئے، صوبائی حکومت پر ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ مولوی فضل الحق نے کلکتہ کا دورہ کیا تو "نیویارک ٹائمز" نے ان سے یہ بیان منسوب کیا کہ مشرقی بنگال کی آزادی کا حصول ان کی وزارت کا اہم مسئلہ ہے۔ وزیراعلیٰ نے اس الزام کی تردید کی۔ جگتو فرنٹ کے ذرائع کا کہنا تھا کہ فرنٹ کے اکیس نکات میں ایسا کوئی مطالبہ سرے سے شامل ہی نہیں تھا۔ محاذ میں شامل کوئی جماعت علیحدگی پسند نہ تھی۔ واضح تردید کے باوجود وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے مولوی فضل الحق کو غدار قرار دے دیا۔

2 اپریل ــــ پاک۔ ترکی دوستانہ تعاون کا معاہدہ

2 اپریل 1954ء کو کراچی میں پاکستان نے ترکی کے ساتھ "دوستانہ تعاون کے معاہدے" پر دستخط کئے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے اسے "پیش بینی" کا قدم قرار دیتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا ترکی کے وزیر اعظم اور یونان کے وزیر خارجہ نے بھی معاہدے کو سراہا۔
مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ ــــ غیر ملکی معاہدے۔

4 اپریل ــــ پہلی فلسفہ کانگریس

لاہور میں پاکستان کی پہلی فلسفہ کانگریس شروع ہو گئی۔ چیف جسٹس

عبدالرشید نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ ہمارے فلسفے میں موجودہ جمود اور تعطل کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیادیں گہری اور مضبوط نہیں ہیں۔ ہمارا فلسفہ اور ہماری اخلاقی اقدار' مغرب کے فلسفے اور اخلاقی اقدار سے بے حد متاثرہ ہیں لیکن ہمیں اپنی راہ تلاش کرنے کے لئے مزید تحقیقات کرنا ہوں گی۔ کانگریس میں برطانیہ' امریکہ' فرانس' جرمنی اور ہندوستان کے مفکرین اور فلسفی بھی شریک ہوئے۔

10 اپریل۔۔۔۔ منیر رپورٹ حکومت کو پیش کردی گئی

پنجاب کے ہنگاموں کی تحقیقاتی عدالت نے حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ رپورٹ کے بارے میں فیصلہ کیا گیا کہ اس کے کسی حصے کی اشاعت کو نہیں روکا جائے گا۔

14-24 اپریل۔۔۔۔۔ شاہ سعود کا دورۂ پاکستان

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ سعود دس روزہ دورے پر کراچی پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ انہوں نے پشاور' لاہور اور قبائلی علاقوں کا بھی دورہ کیا۔ 23 اپریل کو پاکستان اور سعودی عرب کی حکومتوں نے کراچی اور جدہ میں اپنے دفتروں کو سفارت خانوں کا درجہ دینے کا فیصلہ کیا۔ 24 اپریل کو شاہ سعود وطن واپس روانہ ہو گئے۔

19 اپریل۔۔۔ پاک۔ ترک معاہدہ۔۔۔۔۔۔ مصری ردعمل

پاکستان اور ترکی کے مابین اشتراک اور تعاون کے معاہدے پر مصری اخباروں نے شدید نکتہ چینی لیکن مصر کے سربراہ کرنل ناصر نے محتاط لفظوں میں اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اور ترکی کا باہمی دفاعی معاہدہ یا ان ملکوں کا امریکہ کی فوجی امداد قبول کرنا' ان کا اپنا قومی مسئلہ ہے۔ مشرق وسطیٰ کے دفاع کے نقطہ نگاہ سے یہ معاہدہ ایک غیر متعلق شے ہے۔ مشرق وسطیٰ کی موثر دفاعی تنظیم وہی ہو سکتی ہے جس کی ذمہ داری عرب ممالک قبول کریں۔

(حوالہ : سید نور احمد'.... صفحات 70-469)

19 اپریل۔۔۔ اردو اور بنگالی دونوں سرکاری زبانیں ہوں گی

دستور ساز اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے 20 اپریل 1954ء کو فیصلہ کیا کہ اردو اور بنگالی دونوں پاکستان کی سرکاری زبانیں ہوں گی۔ کراچی میں اس فیصلے کے خلاف مظاہرے ہوئے اور بہت سخت احتجاج کیا گیا۔ تاہم 8 مئی کو "جمہوریہ کی زبانیں" کے زیر عنوان 8 دفعات پر مشتمل مسودہ آئین کا ایک نیا باب دستور ساز اسمبلی میں پیش ہوا جسے من و عن منظور کر لیا گیا۔ انگریزی کو مزید بیس سال تک سرکاری زبان کے طور پر نافذ العمل رکھا گیا۔

(حوالہ : ڈاکٹر صفدر محمود'.... صفحات 44-243'317)

21 اپریل۔۔۔ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ شائع ہو گئی

اینٹی قادیانی تحریک کے دوران ہونے والے ہنگاموں کی تحقیقاتی رپورٹ' جو منیر انکوائری رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی شائع کر دی گئی۔ اس میں فسادات کی ذمہ داری حکومت کے ساتھ ساتھ علماء پر بھی ڈالی گئی۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ --- "منیر انکوئری رپورٹ"---

مئی 1954ء

8 مئی۔۔۔ سندھ وزارتی بحران

گذشتہ چند روز سے سندھ میں جو وزارتی بحران پیدا ہوا تھا' 8 مئی تک اس نے شدت اختیار کر لی۔ اس روز وزیر اعلیٰ پیرزادہ عبدالستار نے وزراء کو چوبیس گھنٹے کے اندر استعفیٰ پیش کرنے کا حکم دیا۔ اگلے روز 59 ارکان اسمبلی نے مطالبہ کیا کہ وزیر اعلیٰ مستعفی ہو جائیں جبکہ وزیر اعلیٰ نے گورنر سے درخواست کی کہ وہ باغی وزراء کو برطرف کریں۔

10 مئی۔۔۔ مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کو سزا

صوبہ سرحد کے مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کو' جو امام حریت' علامہ عبدالرحیم پوپلزئی کے بھائی ہیں' ایک سال قید کی سزا سنا دی گئی۔

13 مئی۔۔۔ مشرقی بنگال حکومت کے نئے وزراء

مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق نے 10 نئے وزراء کے نام پیش کر دیئے جن میں عطاالرحمان' شیخ مجیب الرحمان' ابوالمنصور' عبدالسلام خان' ہاشم الدین' کفیل الدین احمد' یوسف علی چوہدری اور سید معظم الدین حسین شامل ہیں۔ اگلے روز انہوں نے حلف اٹھا لیا۔

14 مئی۔۔۔ دولتانہ کے خلاف پروڈا کے تحت تحقیقات

اگرچہ وزیر اعلیٰ سر فیروز خان نون نے چند روز قبل میاں ممتاز دولتانہ کے خلاف پنجاب کے فسادات کے سلسلے میں کوئی مقدمہ نہ چلانے کی یقین دہانی کرائی تھی لیکن اب پروڈا کے تحت ان کے خلاف تحقیقات کا حکم دے دیا گیا۔ الزامات کی تحقیقات کا کام وفاقی عدالت کے سپرد کیا

گیا۔

15 مئی۔۔۔ مشرقی بنگال میں فسادات کی سنگین صورت حال

نرائن گنج جوٹ ملز میں شدید فسادات پھوٹ پڑے جن کے نتیجے میں 323 افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔ اگلے روز ہلاک ہونے والوں کی تعداد بڑھ کر 363 ہو گئی۔ وزیر اعظم بوگرہ نے فسادات کو غیر ملکی شرارت قرار دیتے ہوئے کہا کہ کمیونسٹوں اور پاکستان کے دشمن عناصر نے فسادات کی تحریک کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

16 مئی۔۔۔ 59 مسلم لیگی ارکان کے استعفے

سندھ اسمبلی کے 59 ارکان نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیا۔

19 مئی۔۔۔ پاک۔ امریکی دفاعی معاہدے پر دستخط ہو گئے

مشرقی بنگال میں مظاہروں اور ہڑتالوں کا سلسلہ جاری تھا لیکن کراچی میں پاک - امریکہ فوجی معاہدے کے لئے غیر معمولی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ 19 مئی 1954ء کو وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان نے پاکستان کی طرف سے اور امریکی ناظم الامور جان -کے- ایمرسن نے امریکہ کی طرف سے اس سمجھوتے پر دستخط کر دیئے۔ باہمی دفاعی امداد کا یہ معاہدہ دراصل اس بات کے طویل اور محتاط مطالعے کا نقطۂ عروج تھا کہ امریکہ اپنے طے شدہ حریف' سوویت یونین' کے خلاف اپنے دفاعی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو کیونکر استعمال کر سکتا ہے۔ اس معاہدے پر دستخط کر کے پاکستان امریکہ کے فوجی بلاک سے وابستہ ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ سوویت یونین اور چین اسے مخالفانہ قدم سمجھیں گے۔ مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ --- "غیر ملکی معاہدے" --- (حوالہ: 143)

20 مئی۔۔۔ بلوے میں کمیونسٹ ملوث نہیں ہیں

مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ نے ایک بیان میں کہا کہ نرائن گنج کے بلوے میں کمیونسٹوں کا ہاتھ نہیں ہے۔ دو روز بعد ایک اور بیان میں انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ مشرقی بنگال کے متعلق مرکزی حکومت کو ہدایات دینے کی مجاز نہیں ہے۔

20 مئی۔۔۔ مسلح افواج میں اضافے کے اختیارات

سربراہ مملکت کو آئین میں اس بات کا اختیار دے دیا گیا کہ وہ مسلح افواج کی تعداد میں اضافہ کر سکتا ہے۔

23 مئی۔۔۔ ماسٹر خان گل کی رہائی کا مطالبہ

پیر صاحب مانکی شریف نے مطالبہ کیا کہ ماسٹر خان گل اور دوسرے سیاسی اسیروں کو فوراً رہا کیا جائے۔

24 مئی۔۔۔ پاک۔ امریکی معاہدہ ملکی سلامتی کے لئے خطرناک ہے: میاں افتخار الدین

آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما میاں افتخار الدین نے دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں وقفہ سوالات کے دوران یہ تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت طلب کی کہ 19 مئی کو کراچی میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان فوجی امداد کے جس معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں اس نے ملک کی آزادی اور خودمختاری کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

25 مئی۔۔۔ احمدیوں کے سربراہ پر قاتلانہ حملے کے مقدمے کا فیصلہ

احمدیوں کے سربراہ مرزا بشیرالدین محمود پر قاتلانہ حملے کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے عدالت نے ملزم کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی۔

30 مئی۔۔۔ مشرقی بنگال کی منتخب حکومت برطرف

مشرقی بنگال میں منتخب حکومت کو برطرف کر کے گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔ پاک۔ امریکہ فوجی معاہدے پر دستخطوں کی تقریب کے گیارہ روز بعد' 30 مئی 1954ء کو کراچی سے ایک غیر معمولی گزٹ شائع کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ گورنر جنرل غلام محمد کو یقین ہے کہ مشرقی بنگال میں سنگین صورت حال پیدا ہو گئی ہے جس نے فضل الحق کابینہ کی برطرفی اور گورنر راج کے نفاذ کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ مشرقی بنگال کو قابو میں رکھنے کے لئے کراچی سے فوراً ہی نیا گورنر بھیج دیا گیا۔ نئے گورنر اسکندر مرزا کے بارے میں وزیراعظم محمد علی نے کہا کہ اسکندر مرزا اعلیٰ سطح پر "ہمارے قابل ترین منتظمین میں سے ایک ہیں۔" وزیراعظم نے جمہوری طرز حکومت میں اپنے پختہ ایمان کا دعویٰ کیا اور فضل الحق اور "ان کے طرز فکر کے حامل دیگر افراد" پر الزام لگایا کہ "وہ مشرقی بنگال کو پاکستان سے الگ کرنے اور اسے ہمسایوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے" کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

"ہم پاکستان کو کمزور کرنے اور اس کی یکجہتی پر حملہ کرنے کی کوئی کوشش برداشت نہیں کریں گے۔ (ملک کے) جس کونے میں بھی ایسی سازش سر اٹھائے گی ہم اسے اپنی پوری قوت سے کچل دیں گے"۔

وزیراعظم نے امریکہ کے ساتھ فوجی سمجھوتے کی خوشخبری سناتے ہوئے کہا کہ یہ سمجھوتہ "امریکہ سے فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے لازمی اولین قدم ہے"۔

"نیویارک ٹائمز" نے کراچی سے ملنے والی خبروں پر ہمدردی اور تائید کے انداز میں تبصرہ کیا۔۔۔ اخبار کے مطابق مشرقی بنگال میں منتخب صوبائی حکومت کی برطرفی اور اس صوبے کی طرف فوجی اور بحری دستوں کی روانگی "بظاہر جمہوری عمل کے الٹ دکھائی دیتی ہے" لیکن فضل الحق اور حسین شہید سہروردی نے "کیمونسٹوں کے ساتھ تعاون کے آتشیں کھیل میں شرکت پر" آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ اخبار کے مطابق فضل الحق نے مشرقی بنگال کی آزادی کو مقصد بنا لیا تھا اور "اگر پاکستان کو متحد رکھنا اور مضبوط بنانا مقصود تھا تو کراچی کے لئے (اس کے سوا) اور کوئی چارہ کار نہ رہا تھا"۔۔۔ مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ۔۔۔ "مرکزی اور صوبائی وزارتیں"۔۔۔

(حوالہ: 144)

جون 1954ء

یکم جون۔۔۔ سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتاریاں

مشرقی بنگال میں بڑے پیمانے پر سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یکم جون کو کراچی میں بھی 11 افراد کو سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

4 جون۔۔۔ پاکستان میں پہلی مردم شماری کی رپورٹ شائع ہو گئی

پاکستان میں پہلی مردم شماری، جو 1951ء میں ہوئی تھی، کی رپورٹ شائع کر دی گئی۔

4 جون۔۔۔ پنجاب کا گورنر بھی تبدیل

مشرقی بنگال میں گورنر کی تبدیلی کے بعد پنجاب کا گورنر بھی تبدیل کر دیا گیا۔ میاں امین الدین کی جگہ ابراہیم رحمت کو پنجاب کا نیا گورنر مقرر کیا گیا۔ میاں امین الدین ترکی میں پاکستان کے سفیر بنا دیئے گئے۔

7 جون۔۔۔ مولانا اختر علی خان رہا کر دیئے گئے

مولانا اختر علی خان جنہیں اپریل 1953ء میں فوجی عدالت سے چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی تھی رہا کر دیئے گئے۔

7 جون۔۔۔ کامریڈ اشرف علی کی گرفتاری

امریکی فوجی امداد پر دستخط ہونے کے بعد گرفتاریوں کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں کیمونسٹ پارٹی کے کارکن اشرف علی بھی شامل تھے جو اس سے قبل بھی 1948ء سے 1952ء تک سیفٹی ایکٹ کے تحت قید رہ چکے تھے۔

8 جون۔۔۔ وزیراعظم کا دورۂ ترکی

امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدے کی مخالف مشرقی بنگال کی صوبائی حکومت کی برطرفی کے آٹھ روز بعد وزیراعظم انقرہ روانہ ہو گئے تاکہ ترک رہنماؤں کے ساتھ پاک۔ ترک معاہدے کو زیادہ موثر بنانے کے اقدامات پر تبادلہ خیال کر سکیں۔ اس گفتگو کے بعد جو اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں یہ کہا گیا تھا کہ دونوں ملکوں کے فوجی ماہرین ضروری دفاعی منصوبے کی تفصیلات طے کرنے کے لئے بات چیت شروع کریں گے۔ علاوہ ازیں بلا اشتعال خارجی جارحیت کی صورت میں تعاون کے ذرائع اور طریقوں کا مطالعہ کریں گے۔ اس اعلامئے میں یہ توقع بھی ظاہر کی گئی تھی کہ اس علاقے کے دوسرے ملک خود اپنے مفادات کی خاطر اس پاک۔ ترک معاہدے میں شرکت پر آمادگی ظاہر کریں گے۔ غلام محمد کے نام ایک پیغام میں ترک صدر جلال بایار نے انہیں "اس معاہدے کا بڑا معمار" قرار دیا۔

(حوالہ: 145)

10 جون۔۔۔ مارشل لاء کے قیدیوں کی رہائی

لاہور کے ہنگاموں کے سلسلے میں 1953ء میں گرفتار کئے جانے والے مارشل لاء کے 124 قیدیوں کی رہائی کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔

10 جون۔۔۔ بیگم لیاقت علی خان سفیر ہو گئیں

بیگم لیاقت علی خان کو ہالینڈ میں سفیر مقرر کر دیا گیا۔ وہ پاکستان کی پہلی خاتون سفیر تھیں۔

11 جون۔۔۔ ارباب عبدالغفور خان کی گرفتاری

سرحد عوامی مسلم لیگ کے رہنما ارباب عبدالغفور خان زیر دفعہ 40 فرنٹیر کرائمز ریگولیشن گرفتار کر لئے گئے۔

11 جون۔۔۔ پاک امریکی معاہدہ۔۔۔ جماعت اسلامی کا ردِّ عمل

11 جون کو انگریزی روزنامہ "پاکستان ٹائمز" اور اردو روزنامہ "امروز" میں جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کا ایک طویل

بیان شائع ہوا۔ یہ بیان پاکستان کو ملنے والی فوجی امداد کے متعلق تھا۔ بیان میں فوجی امداد کی پرزور مذمت کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ حال ہی میں دونوں ملکوں کے درمیان جو فوجی معاہدہ ہوا ہے وہ پاکستان کو امریکہ کی خام مال فراہم کرنے والی ایک نو آبادی میں تبدیل کردے گا اور اس معاہدے کی بنا پر ہماری خارجہ اور تجارتی پالیسی مکمل طور پر امریکہ کی تابع اور دست نگر بن کر رہ جائے گی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ امریکی کلچر اور طرز زندگی کا دباؤ اسلامی نظریات اور اسلامی تہذیب و معاشرت کو سخت نقصان پہنچائے گا۔

(حوالہ: 146)

13-15 جون۔۔۔ متحدہ محاذ وزارت کی برطرفی پر ردِّ عمل

آزاد پاکستان پارٹی نے ایک اعلان میں کہا کہ مغربی پاکستان کے عوام کی اکثریت' مشرقی بنگال میں متحدہ محاذ کی حکومت کی برطرفی کے خلاف ہے۔ آزاد پاکستان پارٹی کے ترجمان نے وزارت کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔ سرحد عوامی لیگ کی طرف سے بھی وزارت کی برطرفی کی مذمت کی گئی۔

17 جون۔۔۔ سوویت سفارت خانے پر پابندیاں لگائی جائیں گی

وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے ایک اعلان میں کہا کہ وہ جلد ہی سوویت سفارت خانے پر بعض پابندیاں لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

20 جون۔۔۔ اختر حسین نئے سیکرٹری دفاع

حکومت نے سابق سیکرٹری دفاع میجر جنرل اسکندر مرزا کی جگہ اختر حسین کو نیا سیکرٹری دفاع مقرر کر دیا۔

25 جون۔۔۔ جسٹس محمد منیر' چیف جسٹس آف پاکستان بن گئے

لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس' مسٹر جسٹس محمد منیر کو میاں عبدالرشید کی جگہ فیڈرل کورٹ آف پاکستان کا چیف جسٹس مقرر کر دیا گیا۔ یہ تقرری گورنر جنرل غلام محمد نے کی۔ 29 جون کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

جولائی 1954ء

2 جولائی۔۔۔ صحافیوں کو رہا کرو یا عدالتوں میں مقدمے چلاؤ

کراچی کے 40 مدیران جرائد اور کارکن صحافیوں نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار شدہ صحافیوں کی رہائی یا ان پر عدالتوں میں مقدمے چلانے کا مطالبہ کیا۔

(حوالہ: 147)

5 جولائی۔۔۔ مشرقی بنگال کمیونسٹ پارٹی پر پابندی

آدم جی جوٹ ملز اور چندر گونا پیپرز ملز کرنافلی کو زیر حفاظت علاقے قرار دے دیا گیا۔ اسی روز مشرقی بنگال کی کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگا دی گئی۔ ایسے پولیس کمیشن تشکیل دیئے گئے جو صنعتی اور دوسرے اداروں میں کام کرنے والے کمیونسٹوں کی نشاندہی کر کے انہیں ملازمت سے برطرف کروائیں۔ فیکٹری مالکان کو تنبیہ کی گئی کہ اگر انہوں نے کمیونسٹوں کو ملازمت دی یا ملازمت پر پہلے سے کام کرنے والے کمیونسٹوں کو نوکریوں سے نہ نکالا تو نتائج کی ذمہ داری خود ان پر ہوگی۔ ان کارروائیوں کا مقصد پولیس اور اس کے ایجنٹوں کی ان اشتعال انگیز کارروائیوں پر پردہ ڈالنا تھا جو آدم جی ملز میں خونریزی کے لئے کی گئی تھیں۔

6 جولائی۔۔۔ فضل الحق ڈھاکہ بار کے صدر چن لئے گئے

فضل الحق کو وزارت اعلیٰ سے غداری کے الزام میں برطرف کرنے کے بعد بھی حکومت ان پر مقدمہ چلانے کی ہمت نہ کر سکی۔ غداری کے الزامات کے باوجود فضل الحق کو ڈھاکہ بار ایسوی ایشن کا متفقہ صدر چن لیا گیا۔

12-18 جولائی۔۔۔ نہری پانی کا بحران

پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کے چار ارکان نے قائد ایوان سے اسمبلی کا فوری اجلاس طلب کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ ستلج کا پانی موڑنے کے بھارتی اقدام پر بحث کی جا سکے۔ 15 جولائی کو کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر داخلہ نے کہا کہ پاکستان دریائے ستلج کی نہروں میں پانی کی بہم رسائی کے متبادل انتظامات کرے گا۔ ادھر بھارت نے دریائے ستلج کی نہروں میں پانی کی کمی کا اعتراف کر لیا لیکن عالمی بنک کے زیر اہتمام اس بارے میں مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شرط عائد کی کہ پاکستان پہلے عالمی بنک کی تجاویز منظور کرے اس کے بعد ہی مذاکرات ہو سکتے ہیں۔

20 جولائی۔۔۔ کراچی پاکستان کا مستقل دارالحکومت رہے گا

حکومت کے ایک اعلان کے مطابق کراچی' پاکستان کا مستقل دارالحکومت رہے گا۔

21 جولائی۔۔۔ پاکستان میں امریکی محکمہ دفاع کے مشاورتی گروپ کی تقرری

امریکی محکمہ دفاع نے پاکستان میں فوجی امدادی مشاورتی گروپ کے تقرر کی منظوری دے دی۔

24-25 جولائی۔۔۔ مغربی پاکستان میں بھی کمیونسٹ پارٹی پر پابندی

حکومت پاکستان نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں میں بھی کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کمیونسٹ پارٹی کے قائم مقام سیکرٹری جنرل دادا فیروز الدین منصور' مزدور رہنما مرزا ابراہیم' سعید مرزا' احمد الطاف' بدر جالنوی' محمد افضل اور کئی دوسرے فعال کارکن اور رہنما گرفتار کر لئے گئے۔ حزب مخالف کی دیگر جمہوری پارٹیوں' جنہوں نے مسلم لیگ کی پالیسیوں کی مخالفت کی تھی' کے متعدد رہنماؤں کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ اور لاہور کے مرکزی دفتر سمیت' پارٹی کی مختلف تنظیموں کے دفاتر سربمہر کر دیئے گئے۔ 25 جولائی کو سندھ کمیونسٹ پارٹی کے ممتاز رہنما سوبھو گیا پچندانی کو بھی حیدر آباد جیل پہنچا دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ 1948ء سے 1952ء تک اسیری کی زندگی گزار چکے تھے۔

25 جولائی۔۔۔ نواب ممدوٹ سندھ کے گورنر بنا دیئے گئے

مسلم لیگ ممدوٹ گروپ کے رہنما نواب ممدوٹ کو سندھ کا گورنر بنا دیا گیا۔

26 جولائی۔۔۔ سوویت عملے کی نقل و حرکت پر پابندی

ملک کے دونوں حصوں میں کمیونسٹ پارٹی اور اس کی تمام تنظیموں پر پابندی کے بعد حکومت پاکستان نے سوویت یونین کے سفارتی عملے کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی۔ عملے کو ہدایت کی گئی کہ وہ شہر سے 35 میل کے اندر اندر محدود رہے۔ البتہ سوویت ادب پر فوری طور پر پابندی عائد نہ کی گئی۔

29 جولائی۔۔۔ پاک۔ افغان تجارت میں اضافے کا فیصلہ

حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

اگست 1954ء

4 اگست۔۔۔ پاکستان۔ اٹلی تجارتی معاہدے میں توسیع

پاکستان اور اٹلی کی حکومتوں نے باہمی رضامندی سے دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی معاہدے کی 31 دسمبر 1954ء تک توسیع کر دی۔

5 اگست۔۔۔ جسٹس منیر۔۔۔ قائم مقام گورنر جنرل

فیڈرل کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس' مسٹر جسٹس محمد منیر نے قائم مقام گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ قائم مقام چیف جسٹس کے طور پر جسٹس ابوصالح محمد دین نے حلف اٹھایا۔ چیف جسٹس منیر 12 اگست تک قائم مقام گورنر جنرل رہے۔

7-13 اگست۔۔۔ پاکستان کا قومی ترانہ شائع و نشر کر دیا گیا

پاکستان کا قومی ترانہ' جو چند روز قبل منظور کیا گیا تھا' شائع کر دیا گیا۔ 13 اگست کو یہ پہلی بار ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔ اسے ریڈیو سے متعارف کرانے کا کام بھی اس کے خالق حفیظ جالندھری نے ہی انجام دیا' ترانے کی دھن ممتاز موسیقار چھاگلہ نے ترتیب دی تھی۔

19 اگست۔۔۔ کراچی کارپوریشن کی زبان اردو قرار دے دی گئی

اردو کو کراچی میونسپل کارپوریشن کی سرکاری زبان قرار دے دیا گیا۔ اس سے قبل کارپوریشن سمیت سندھ کے تمام سرکاری دفاتر کی زبان سندھی تھی اور گزشتہ ایک صدی سے رائج چلی آ رہی تھی۔

22 اگست۔۔۔ اے ڈی اظہر کی لندن میں پاکستان ہائی کمیشن میں تعیناتی

ممتاز شاعر اور بیوروکریٹ اے۔ ڈی۔ اظہر کو لندن میں پاکستانی ہائی کمیشن کا مالی مشیر مقرر کر دیا گیا۔ اس سے قبل وہ وزارت مواصلات اور وزارت خزانہ سے وابستہ رہے تھے۔

29 اگست۔۔۔ غلام محمد لونڈ خوڑ گرفتار

خان غلام محمد خاں لونڈ خوڑ کو فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز (ایف۔ سی۔ آر)

کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

ستمبر 1954ء

2 ستمبر --- ون یونٹ کا منصوبہ ملتوی

ون یونٹ کے منصوبے کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا گیا۔

3 ستمبر --- سیٹو معاہدہ تیسری جنگ کی تیاری ہے: چین

عوامی جمہوریہ چین کے پیکنگ ریڈیو نے الزام لگایا کہ سیٹو کا مجوزہ معاہدہ (جس میں پاکستان بھی شامل ہو رہا ہے) دراصل تیسری عالمی جنگ کی تیاری ہے۔

4 ستمبر --- پاک - فلپائن معاہدہ

پاکستان اور فلپائن کی حکومتوں کے درمیان کراچی میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت پاکستان' فلپائن کو 30 ہزار ٹن چاول دے گا۔

4 ستمبر --- مغربی پاکستان زونل فیڈریشن کی تجویز

پنجاب کے وزیراعلیٰ ملک فیروز خان نون نے زونل فیڈریشن کے نام سے ون یونٹ کی ایک متبادل تجویز پیش کی' جسے' ان کے بقول' یا تو غلط طور پر سمجھا گیا یا دانستہ طور پر اس کی غلط توضیح کی گئی۔ سر فیروز خان نون لکھتے ہیں:

"1954ء اور 1955ء کے دوران مغربی پاکستان کے ادغام بابت اہم صلاح مشورے ہوئے تھے اور تجاویز بھی مرتب کی گئی تھیں۔ میں اس اتحاد کا حامی اس وقت بھی تھا اور اب (1974ء) بھی ہوں۔ لیکن اس وقت میری رائے یہ تھی کہ اس اتحاد کی اساس انتظامی کے بجائے سیاسی ہونی چاہئے۔ اگر سکرٹریٹ کا سارا کام لاہور میں مرکوز کر دیا جاتا تو اس سے انتظامیہ کو جو زبردست مشکلات در پیش ہو سکتی تھیں' ان کا تصور میرے لئے چنداں مشکل نہ تھا۔ میں اس تجویز کے حق میں تھا کہ علاقائی نوعیت کے جس قدر انتظامی اختیارات برقرار رہیں اتنا ہی اچھا ہوگا۔ صوبوں کے اتحاد کا بنیادی مقصد میرے ذہن میں یہ تھا کہ ایک گورنر کے تحت ایک ہی وزارت اور ایک ہی اسمبلی قائم ہو البتہ میں یہ نہ چاہتا تھا کہ تمام انتظامی امور ایک ہی جگہ مرکوز کر دیئے جائیں.... بہرحال ان کی تجویز کو درخور اعتنانہ سمجھا گیا۔

(حوالہ: 148)

4 ستمبر --- غلام محمد دورے سے واپس آ گئے

گورنر جنرل غلام محمد' امریکہ میں اپنے علاج اور بہت سے ملکوں کے دورے کے بعد 4 ستمبر کو کراچی واپس پہنچ گئے۔ امریکہ میں انہوں نے صدر آئزن ہاور' وزیر خارجہ ڈلس' ایلین ڈلس اور آرتھر راڈ فورڈ سے ملاقاتیں کی تھیں۔

6 ستمبر --- سیٹو' ایک اور فوجی معاہدہ

6 ستمبر کو منیلا کانفرنس شروع ہوئی تو پاکستان کے سیاسی حلقے اس امر سے تقریباً بے خبر تھے کہ ان کا ملک' برطانیہ' فرانس' امریکہ' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ' تھائی لینڈ اور فلپائن کے ساتھ ایک فوجی اتحادی نظام کا ایک مکمل رکن بننے والا ہے۔ 8 ستمبر کو پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے اس معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ انہوں نے کانفرنس میں اظہار خیال کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ "جارحیت بدی ہے" اور یہ کہ "جو کوئی امن کو پامال کرتا ہے وہ بین الاقوامی مجرم ہے چاہے اس نے کوئی بھی نقاب اوڑھ رکھا ہو۔ لہٰذا معاہدے کے تحت جارحیت کے خلاف کارروائی کو اشتراکی جارحیت تک محدود نہیں رکھنا چاہئے۔"

جنوبی مشرقی ایشیا کے اس مشترکہ دفاعی معاہدے کے تحت امریکہ نے اپنے آپ کو صرف اس حد تک پابند کیا کہ پاکستان کے خلاف اشتراکی جارحیت کی صورت میں وہ اپنے آئینی طریقہ کار کے مطابق قدم اٹھائے گا اور اگر اسے کسی ایسے "واقعہ یا صورت حال" سے خطرہ محسوس ہوا' "جو اس علاقے کے امن کے لئے خطرے کا باعث ہوسکے" تو پھر امریکہ پاکستان کے ساتھ صلاح مشورے کرے گا۔ پاکستان نے بھی خود کو انہی شرائط کا پابند بنایا تھا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا حصہ۔ غیر ملکی معاہدے۔

(حوالہ: 149)

7 ستمبر --- نکسن کا دورہ پاکستان

امریکی نائب صدر رچرڈ نکسن' پاکستان کے سہ روزہ دورے پر 7 ستمبر کو کراچی پہنچے۔ "نیویارک ٹائمز" کے کراچی کے نامہ نگار کے مطابق انہوں نے پاکستانی رہنماؤں کے ساتھ "ہتھیاروں کے مجوزہ سودے" پر بات چیت کی نائب صدر نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ امریکہ کی قومی سلامتی کی کونسل نے پاکستان کو فوجی امداد کی فراہمی کے مسئلہ پر بحث نہیں کی اور نہ ہی محکمہ خارجہ کی طرف یہ مسئلہ انہیں دیئے جانے والے صلاح مشورے میں شامل تھا۔ ریڈیو پاکستان کے ایک نشریئے میں نائب صدر نے اعلان کیا کہ "ایک مضبوط اور خودمختار پاکستان آزاد دنیا کے لئے ایک اثاثہ ہے"۔ کمانڈر انچیف ایوب خان نے نکسن سے اپنی ملاقات میں واضح کر دیا کہ ہندو' پاکستان کے دشمن ہیں تاہم وہ ہندوؤں سے زیادہ

کمیونسٹوں کے مخالف ہیں۔ انہوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ سوویت یونین "جنوبی ایشیا میں قدم جمانے کے لئے بھارت کو آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا"۔

"نیویارک ٹائمز" نے دورے کو کامیاب قرار دیتے ہوئے امریکی قارئین کو بتایا کہ پاکستانیوں نے ان کے نائب صدر کا استقبال "امریکہ زندہ باد" اور "نکسن زندہ باد" کے نعروں سے کیا تھا۔

پاکستان آنے سے قبل نکسن نے ہندوستان کا دورہ بھی کیا تھا۔ نئی دہلی میں وزیراعظم نہرو سے ان کی نوے منٹ تک گفتگو ہوئی تھی۔

(حوالہ: 150)

11 ستمبر۔۔۔ قائداعظم پاکستان کو جمہوری مملکت بنانا چاہتے تھے: فاطمہ جناح

قائداعظم کے یوم وفات پر قوم کے نام ایک پیغام میں محترمہ فاطمہ جناح نے کہا کہ قائداعظم پاکستان کو ایک جمہوری مملکت بنانا چاہتے تھے۔

15 ستمبر۔۔۔ غلام محمد لونڈ کو سات سال قید بامشقت

سرحد عوامی لیگ کے رہنما غلام محمد لونڈ خوڑ، جنہیں 29 اگست کو فرنٹیر کرائمز ریگولیشنز کے تحت گرفتار کیا گیا تھا' کو سات سال قید بامشقت اور ڈیڑھ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنا دی گئی۔

18-20 ستمبر۔۔۔ پروڈا کا خاتمہ

پروڈا کی منسوخی کا بل سب سے پہلے 1951ء میں پیش کیا گیا تھا۔ ہاشم گزدر نے اپنے اس بل کی منظوری پر خاص زور نہیں دیا تھا اور یہ 1954ء تک ایجنڈے پر ہی رہا۔ 1954ء میں گورنر جنرل کے اختیارات کو محدود کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی میں جو محاذ قائم ہوا اس نے سب سے پہلے اسی بل سے فائدہ اٹھایا۔ 17 ستمبر کو یہ بل دستور ساز اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی میں زیر بحث آیا۔ جسے منظور کر لیا گیا۔ مسلم لیگ پارٹی کی منظوری کے بعد اسے 20 ستمبر کو دستور ساز اسمبلی میں بھی منظور کر لیا گیا۔ ارکان اسمبلی کا خیال تھا کہ انہوں نے گورنر جنرل اور گورنروں کے ہاتھ 'پروڈا' کا ڈنڈا چھین لیا ہے۔

(حوالہ: 151)

20-21 ستمبر۔۔۔ گورنر جنرل کے اختیارات میں مزید کمی

پروڈا کو منسوخ کرانے کے بعد گورنر جنرل کے اختیارات پر ایک اور حملہ ہوا۔ غلام محمد اس سے قبل وزیراعظم ناظم الدین کو برطرف کر چکے تھے۔ محمد علی بوگرہ کو خدشہ تھا کہ انہیں بھی کسی روز اچانک فارغ کیا جا سکتا ہے۔ اس خطرے کی پیش بندی کے طور پر وہ چاہتے تھے کہ گورنر جنرل کے پاس وزارت کو برطرف کرنے کے اختیارات نہ رہیں۔ ان دنوں غلام محمد دارالحکومت میں نہیں تھے اسلئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعجلت تمام کارروائی ضروری سمجھی گئی۔ مسٹر ہاشم گزدر ہی نے ایک اور بل پیش کیا جس کا مقصد موجودہ آئین میں تین ترامیم شامل کرنا تھا۔

1.... گورنر جنرل ہر صورت میں کابینہ کے مشورے کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہو گا۔

2.... آئندہ کوئی ایسا شخص وزیراعظم یا وزیر مقرر نہ کیا جا سکے گا جو پہلے سے دستور ساز اسمبلی کا ممبر نہ ہو۔

3.... کابینہ کی ذمہ داری مشترکہ ہوگی یعنی کسی ایک وزیر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ' پوری کابینہ کے خلاف عدم اعتماد کے مترادف ہو گا۔

اس بل نے اٹھارہ گھنٹوں کے اندر اندر قانون سازی کے تمام مرحلے طے کر لئے۔ اور بہت سے ارکان کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ آئین میں کیا تبدیلی ہو گئی ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے۔

20 ستمبر 4 بجے سہ پہر جناب ہاشم گزدر نے اپنے ترمیمی بل کا نوٹس دستور ساز اسمبلی کے دفتر میں دیا۔

20 ستمبر 6 بجے شام اسمبلی کی رہبر سب کمیٹی (جو اسمبلی کا ایجنڈا مرتب کرتی تھی) کا اجلاس ہوا جس میں اگلے دن کے ایجنڈے کو تبدیل کر کے گزدر صاحب کے بل کو اس میں سرفہرست رکھ دیا گیا۔

20 ستمبر 9 بجے شب غیر معمولی گزٹ کی کاپیاں جس میں بل درج تھا' پریس سے طبع کروائی گئیں اور فوراً انہیں چپڑاسیوں کے ہاتھ ممبروں کے رہائشی پتوں پر بھیج دیا یا ان کے لیٹر بکسوں میں ڈال دیا گیا۔

21 ستمبر 9 بجے صبح دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ گزدر صاحب نے چند فقروں کے ساتھ اپنا پہلا بل خواندگی کے لئے پیش کیا۔ پہلی خواندگی پاس ہو گئی تو اس کی تین یا چار دفعات منظوری کے لئے پیش ہوئیں اور اس کے بعد بل کی تیسری خواندگی کی تحریک پیش کی گئی۔ یہ تمام تحریکیں رائے شماری کے بغیر زبانی ووٹ سے پاس ہو گئیں۔

21 ستمبر 9:30 بجے صبح پاس شدہ بل پر اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین نے دستخط کر دیئے اور بل گزٹ میں چھپنے کے لئے پریس بھیج دیا گیا۔ گورنر جنرل کو بے اختیار کرنے کی ترمیم آئین کا حصہ بن چکی تھی۔

سید نور احمد کے مطابق اسمبلی کے صدر کی خصوصی اجازت کے بغیر کوئی بل کم از کم تین دن کے نوٹس کے بغیر زیر بحث نہیں آ سکتا تھا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ غیر معمولی عجلت کی یہ کارروائی صدر کے علم اور ان کی اجازت سے ہوئی۔ اسمبلی کے صدر غالباً یہ سمجھتے تھے کہ گورنر جنرل نے

آئین کے الفاظ کا سہارا لے کر اپنی شخصی حکومت قائم کر لی ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک دستور ساز اسمبلی کے وقار اور اختیارات کو بحال کرنے کے لئے اپنے خصوصی اختیارات سے کام لینا اور ترمیمی بل کے لئے راستہ صاف کرنا جائز تھا۔

جب ایک وزیر نے ٹیلی فون پر گورنر جنرل کو اس ترمیم کی اطلاع دی تو کہا جاتا ہے کہ گورنر جنرل نے اس وزیر کو ٹھیٹھ پنجابی میں گالی دے کر پوچھا کہ جب اس شب خون کی تیاری ہو رہی تھی اس وقت وہ کہاں سو رہا تھا۔

(حوالہ: 152)

20 ستمبر۔۔۔ بلوچستان' ایک مخصوص علاقہ

بلوچستان ریاستی یونین کے طول و عرض سے بلوچستان میں ادغام کے خلاف جو ہمہ گیر اور شاید احتجاج ہوا' اس سے اگرچہ ریاستی یونین کو ختم کر دینے کا عمل نہ رک سکا لیکن اس کی نوعیت ضرور بدل گئی۔ کراچی میں مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ نے بلوچستان ریاستی یونین کو بلوچستان صوبہ میں مدغم کرنے کی سرکاری تجویز کی سخت مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے 20 ستمبر1954ء کو دستور ساز اسمبلی کے سامنے بلوچستان ریاستی یونین کو بلوچستان صوبہ میں مکمل طور پر مدغم کرنے کی بجائے اسے ان الفاظ میں بلوچستان کا سپیشل ایریا (مخصوص علاقہ) قرار دینے کا اعلان کیا۔

"بلوچستان کو پاکستان کے دوسرے صوبوں کی طرح گورنری صوبہ کا درجہ دیا جائے گا۔ بلوچستان کی چاروں ملحقہ ریاستیں قلات' لس بیلا' خاران اور مکران' جن پر بلوچستان ریاستی یونین مشتمل ہے' بلوچستان صوبہ کا سپیشل ایریا قرار دی جائیں گی"۔

حکومت کی اس تجویز پر دستور ساز اسمبلی میں بحث کی نوبت نہ آ سکی۔ 21 ستمبر کو اسمبلی کا اجلاس 27 اکتوبر تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ اجلاس دوبارہ شروع ہو' 24 اکتوبر کو گورنر جنرل غلام محمد نے اسمبلی توڑ دی جس کے ساتھ بلوچستان ریاستی یونین کے خصوصی علاقہ ہونے کا مسئلہ بھی وقتی طور پر ختم ہو گیا۔

(حوالہ: 153)

22 ستمبر۔ 22 اکتوبر۔۔۔ وزیراعظم بوگرہ کا دورۂ امریکہ

21 ستمبر کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہوا اور 22 ستمبر کو محمد علی بوگرہ امریکہ کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں جنرل ایوب خان' وزیر خارجہ ظفراللہ اور سیکرٹری جنرل چوہدری محمد علی ان کے ساتھ تھے۔ امریکہ میں وزیراعظم کا شاندار استقبال ہوا۔ کولمبیا یونیورسٹی نے وزیراعظم کو ان کی پہلی اور آخری اعزازی ڈگری سے نوازا۔ یونیورسٹی کے صدر کی تقریر کے جواب میں انہوں نے کہا "بدی کی طاقتیں" آج آزادی کے لئے خطرہ بن رہی ہیں۔ 22 اکتوبر تک اپنے اس دورے میں وزیراعظم نے صدر آئزن' وزیر خارجہ ڈلس اور وزیر دفاع چارلس ولسن وغیرہ سے ملاقات کی۔ ابھی وہ امریکہ میں ہی تھے کہ غلام محمد نے فیصلہ کن قدم اٹھانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

اکتوبر 1954ء

3 اکتوبر--- مصر' آزادی کشمیر کا حامی ہے

مصر کی انقلابی کونسل نے اعلان کیا کہ مصر کشمیر میں آزادانہ غیر جانبدارانہ رائے شماری کا حامی اور ہر میدان میں پاکستان کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا خواہش مند ہے۔

4 اکتوبر--- کشمیر پر قرطاس ابیض

حکومت پاکستان نے کشمیر سے متعلق' 104 صفحات پر مشتمل قرطاس ابیض شائع کیا جس میں پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کی طویل خط وکتابت بھی شامل تھی۔

4 اکتوبر--- ایوب خان اور پاکستان کے مستقبل کا خاکہ

ایوب خان امریکہ سے واپسی پر دو روز کے لئے لندن میں رکے تھے۔ وہیں ہوٹل میں انہوں نے ملک کے مستقبل کے لئے ایک خاکہ سوچا اور اسے قلم بند کرلیا۔ اس دستاویز مین صدر مملکت کو اقتدار کا اعلیٰ ترین منبع قرار دیا گیا تھا سارے منصوبے کی بنیاد موجود صوبائی وزارتوں اور مقسوں کے فوری خاتمے پر رکھی گئی تھی۔ منصوبے میں فوج کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے ایوب خان نے لکھا تھا: "سروسز کے لئے جائنٹ سٹاف کو معرض وجود میں لایا جائے جس کا سربراہ سپریم کمانڈر ہو اور جو دیگر فرائض کے علاوہ دفاعی رکن اور بلحاظ عہدہ مرکزی کابینہ کا رکن اور بالاخر صدر کے ماتحت ہو" اس دستاویز میں ون یونٹ کے نقش بھی ابھرتے دکھائی دیتے تھے۔ صرف چند روز بعد' جب ایوب خان وزیردفاع بننے والے تھے' یہ دستاویز اہمیت سے خالی نہ تھی۔

6 اکتوبر--- کشمیر' وزیراعظم پاکستان کا موقف

وزیراعظم نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران ایک بیان میں کہا کہ پاکستان مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پیش کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

7 اکتوبر--- سرظفراللہ عالمی عدالت کے جج بنادیئے گئے

8 ستمبر کو پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان نے سیٹو کے معاہدے پر دستخط کئے۔ 7 اکتوبر 54ء کو انہیں عالمی عدالت کا جج منتخب کرلیا گیا۔

9 اکتوبر--- اسمبلی توڑ کر نئے انتخابات کرائے جائیں: قصوری

آزاد پاکستان پارٹی کے رہنما میاں محمود علی قصوری نے مطالبہ کیا کہ کوجودہ غیر نمائندہ دستور ساز اسمبلی توڑ کر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نئے انتخابات کرائے جائیں۔

10 اکتوبر--- قیوم خان کا پشاور میں سیاہ جھنڈیوں سے استقبال

صوبہ سرحد کے مرد آہن' 10 اکتوبر کو جب مرکزی وزیر خوراک و زراعت کی حیثیت میں پشاور پہنچے تو ان کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال ہوا۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے صوبے کی بجلی کی آمدنی کو مرکز کے حوالے کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔

14 اکتوبر--- مسودۂ آئین منظور

مسودہ کمیٹی نے پاکستان کے مجوزہ آئین کا مسودہ منظور کرلیا۔

15 اکتوبر--- کمیونزم ہائیڈروجن بم سے زیادہ مہلک ہے: بوگرہ

پاکستان کے وزیراعظم نے اپنے امریکی دورے کے دوران' نیویارک میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کمیونزم ہائیڈروجن بم سے زیادہ مہلک چیز ہے۔

19 اکتوبر--- ایٹمی تحقیقات کے لئے فنڈ کا قیام

پاکستان میں ایٹمی تحقیقات کے لئے ایک کروڑ روپے کے فنڈ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس فنڈ سے ایٹمی توانائی کو ترقی دی جائے گی۔

21 اکتوبر--- امریکی خفیہ یادداشت

20 اکتوبر کو وزیراعظم بوگرہ کو کراچی واپس پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے ایک روز بعد 21 اکتوبر کو' ایک خفیہ یادداشت ایوب خان کے حوالے کی گئی جس میں آئندہ ساڑھے تین برسوں کے دوران پاکستان کو مہیا کی جانے والی فوجی امداد کا تفصیلی ذکر تھا۔

21 اکتوبر--- پروڈا کی منسوخی اور معافیاں

پروڈا کی منسوخی کی بنیاد یہ تھی کہ اس کے تحت دی جانے والی سابقہ سزائیں بحال رہیں گی۔ گورنر جنرل نے اپنے اختیارات سے کام لے کر فضل اللہ' ایوب کھوڑو' غلام نبی پٹھان اور حمیدالحق چوہدری کے خلاف

پروڈا کی سزائیں ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اس نے پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ کے خلاف چلنے والے مقدمے کو بھی واپس لے لیا۔ گورنر جنرل نے اپنے اعلان میں کہا کہ اگر اسمبلی اس قانون کو غلط سمجھتی ہے یا یہ سمجھتی ہے کہ اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے تو پھر سابقہ سزاؤں کو بحال رکھنا بھی غلط ہے۔ جن لوگوں کو معافی ملی وہ وزیراعظم کے خلاف گورنر جنرل کے مضبوط اور وفادار اتحادی بنے۔

21 اکتوبر۔۔۔ امریکہ زیادہ فوجی امداد دینے کا ارادہ نہیں رکھتا

یونائیٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار نے اطلاع دی کہ امریکہ پاکستان کو بہت زیادہ فوجی امداد دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ وزیراعظم بوگرہ کے لئے یہ اطلاع پریشان کن تھی کیونکہ وہ گذشتہ ایک ماہ سے امریکہ کے دورے پر تھے اور زیادہ سے زیادہ امریکی مدد لے کر واپس آنا چاہتے تھے۔

23 اکتوبر۔۔۔ بوگرہ کی وطن واپسی

وزیراعظم محمد علی بوگرہ، گورنر جنرل کی ہدایت پر امریکہ سے وطن کے لئے روانہ ہوگئے۔ لندن میں اسکندر مرزا اور کچھ دوسرے پاکستانی حکام ان کے منتظر تھے۔ لندن سے ایک خصوصی طیارے کے ذریعے وزیراعظم بوگرہ، اسکندر مرزا، ایوب خان اور اصفہانی وغیرہ کا قافلہ کراچی پہنچ گیا۔ وزیراعظم کو سیدھا گورنر جنرل ہاؤس لے جایا گیا جہاں گورنر جنرل کی سخت ڈانٹ ڈپٹ کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور 25 دسمبر کو جس آئین کے نفاذ کا انہوں نے مژدہ سنایا تھا۔ اسے بھول کر ایک نئی کابینہ بنانے پر آمادہ ہوگئے۔

24 اکتوبر۔۔۔ اسمبلی کا خاتمہ

24 اکتوبر کو گورنر جنرل نے دستور ساز اسمبلی توڑ دی اور ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ اسی روز انہوں نے وزیراعظم کو ان لوگوں کی فہرست دی جنہیں وہ کابینہ میں شامل کرانا چاہتے تھے۔ ان میں اسکندر مرزا، جنرل ایوب، اصفہانی اور چوہدری محمد علی کے نام شامل تھے۔

اس سے قبل گورنر جنرل نے مبینہ طور پر اقتدار ایوب خان اور اسکندر مرزا کو سونپنے کی الگ الگ کوشش کی تھی مگر ان دونوں کے بقول انہوں نے غلام محمد کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ تاہم "ملکی مفاد کی خاطر" انہوں نے کابینہ میں شامل ہونا منظور کر لیا۔ اسے "ذہین اور باصلاحیت لوگوں کی کابینہ" کا نام دیا گیا۔ باقی وزراء میں ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک، غیاث الدین پٹھان اور میر غلام علی تالپور شامل تھے۔ دو روز بعد ڈاکٹر خان صاحب کو بھی مرکزی کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ وزیراعظم نے نیا حلف اٹھانے کے بعد کہا کہ آئین سازی اہم ہے لیکن ملکی سلامتی اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ امریکی ہفت روزہ "ٹائم" نے اس ساری کاروائی کو نئی آمریت قرار دیا۔

مزید دیکھیں، اسی کتاب کا حصہ۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں۔ نیز میری کتاب۔ ٹوٹتی بنتی اسمبلیاں (جنگ پبلشرز لاہور) صفحات 190-184

(حوالہ: 154)

27 اکتوبر۔۔۔ مولوی تمیزالدین نے اسمبلی کا اجلاس طلب کرلیا

21 ستمبر کو اسمبلی 27 اکتوبر تک کے لئے ملتوی ہوئی تھی۔ اور غلام محمد کے اسمبلی توڑنے کے اعلان کو مسترد کرتے ہوئے مولوی تمیزالدین اور کچھ دوسرے ارکان نے اسمبلی کی عمارت میں داخل ہوئے اور پروگرام کے مطابق اجلاس شروع کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں اسمبلی کی عمارت میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ اس کے بعد صدر اسمبلی مولوی تمیزالدین نے اسمبلی کو 3 جنوری 1955ء تک ملتوی کرنے کا اعلان کیا۔

حوالے: پہلی دستور ساز اسمبلی -- 2

1..... زاہد چوہدری، جلد نمبر3، صفحہ 379
2..... مشتاق احمد، صفحات۔۔۔۔ 25، 26
3..... وینکٹے رامانی، صفحہ 67، اصل حوالہ، کراچی سے سفیر (ایلنگ) کا وزیر خارجہ (مارشل) کے نام مراسلہ۔ اس میں فوجی اتاشی (ہوسکوٹ) کی رپورٹ شامل تھی 13 مئی 1948ء
4..... امریکی جریدہ "نیوز ویک" 20 ستمبر 1948ء
5..... محمد ایوب خان، صفحہ 394
6..... ماہنامہ "آئین" لاہور، ستمبر 1991ء صفحات، 85- 86
7..... زاہد حسین انجم، "اکتوبر کے آئینے میں" صفحہ 30
8..... ایضاً، صفحہ 32
9..... وینکٹے رامانی، صفحات 80- 79، اصل حوالہ، سفیر پاکستان (ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی) بنام امریکی وزیر خارجہ (مارشل) 19 اکتوبر 1948ء
10..... ایضاً، صفحہ 70، اصل حوالہ: (وزیر خارجہ جارج مارشل) کا قائم مقام وزیر خارجہ (ایچی سن) کے نام مراسلہ، 29 اکتوبر 1948ء
11..... ذوالفقار علی بھٹو، عوام کی سیاست جلد نمبر1، صفحات 34-32
12..... زاہد حسین انجم۔ "نومبر کے آئینے میں" صفحہ 47
13..... گل خان نصیر، بلوچستان، قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ 1982ء، صفحہ 334
14..... زاہد حسین انجم "دسمبر کے آئینے میں" صفحات 10، 21، 48

15..... کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس، آفیشل رپورٹ (انگریزی) 14 دسمبر 1948ء، 14 دسمبر 1948ء، صفحات 16-1

16..... زاہد حسین انجم، صفحہ 31

17..... کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس، آفیشل رپورٹ (انگریزی) 23 دسمبر 1948ء

18..... زاہد چوہدری، جلد نمبر 3، صفحات 195-193

19..... میجر جنرل فضل مقیم خان۔ تگ و تاز جاودانہ، پاک فوج کی کہانی، لاہور، 1967ء، صفحات 132-131

20..... کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان، ڈیبیٹس (انگریزی) آفیشل رپورٹ، سوموار، 3 جنوری 1949ء، صفحات 37-19

21..... مخدوم زادہ سید حسن محمود۔ میرا سیاسی سفر، لاہور 1988ء صفحہ 38

22..... احمد سلیم، صفحات 134-133

23..... کے۔ کے۔ عزیز۔ پارٹی پالیٹکس ان پاکستان صفحہ 3

24..... زاہد حسین انجم۔ جنوری کے آئینے میں۔ صفحہ 33

25..... ایضاً صفحہ 36

26..... تقریر آنریبل مسٹر لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان، مطبوعہ حکومت پاکستان، لاہور، 20 فروری 1949ء

27..... روزنامہ "ڈان" کراچی، 20 فروری 1949ء

28..... روزنامہ "پاکستان ٹائمز" 22 فروری 1949ء

29..... "ڈان" کراچی، 22 فروری 1949ء

30..... ڈاکٹر صفدر محمود، صفحات 88-85

31..... ماہنامہ "ارتقا" مئی۔ جون 1950ء صفحہ 24

32..... بیگم شائستہ سہروردی اکرام اللہ صفحات 70-69

33..... پاکستان کا منشور آزادی، کراچی، 1949ء، صفحات 13، 23

34..... ڈاکٹر صفدر محمود، صفحات 290-288

35..... رپورٹ آف دی بیسک پر نسپلز کمیٹی، 1952ء، کراچی، صفحہ 79

36..... ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ 290

37..... "ٹاپ سیکرٹ" محکمہ خارجہ۔ دفتری یاداشت ٹی ڈبلیو سویٹ بنام۔ ریمنڈ اے ہیر۔ ایس اے او، مسئلہ ایس اے این اے سی سی صحفہ 10-360، 15 اپریل 1949ء۔ این ای اے کے فوجی مشیر کے ریکارڈ، صفحات 84-83

38..... ایم ایس وینکٹے رامانی، صفحات 94-93، اصل حوالہ : قاہرہ سے ناظم الامور کا وزیر خارجہ (ایچی سن) کے نام مراسلہ۔ 11 مئی 1949ء، ماخوذ، ایم ایس وینکٹے رامانی، صفحات 94-93

39..... گل خان نصیر، بلوچستان، قدیم اور جدید تاریخ..... صفحات 335-333

40..... وینکٹیے رامانی، صفحات 97-95، 99، اصل حوالے (1) جی ڈبلیو چوہدری۔ "بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور بڑی طاقتیں" نیویارک، 1975ء (2) "پاکستان نیوز" 11 جون 1949ء، کراچی سے ناظم الامور (ڈولل) کا وزیر خارجہ (مارشل) کے نام مراسلہ، 11 جون 1949ء (3) ناظم الامور کراچی (ڈولل) وزیر خارجہ (ایچی سن) 9 جون 1949ء

41..... ایضاً، اصل حوالے : (1) جوزف ایس سٹارتھ ویٹ بنام ڈین رسک 15 جون 1949ء۔ پاکستان کے سیکرٹری خارجہ (محمد اکرام اللہ) کے ساتھ بات چیت کی سٹارتھ ویٹ کی تیار کردہ یاداشت، 15 جون 1949ء (2) محمد اکرام اللہ اور انڈر سیکرٹری آف سٹیٹ (ویب) کے مابین، بات چیت کی یاداشت 5 جولائی 1949ء

42..... گوہر سلطانہ عظمیٰ، پیش لفظ "ہاری رپورٹ۔ کل اور آج" جنگ پبلشرز لاہور، 1990ء صفحات 24-20

43..... ہفت روزہ "لیل و نہار" 18 اگست 1957ء، صفحہ 30

44..... وینکٹے رامانی، صفحات 104-102، اصل حوالہ : لائیڈ بینکر کی طرف سے گفتگو کی یاداشت "پاکستان کے فوجی مشن سے ملاقات" 14 جولائی 1949ء

45..... ایضاً، صفحہ 109، اصل حوالہ : جی ڈبلیو چوہدری، صفحہ 12

46..... مشرقی پاکستان کی موجودہ سیاست کا پس منظر۔ ہفت روزہ "لیل و نہار" 18 اگست 1957ء صفحہ 30

47..... رامانی، صفحات 107-106، اصل حوالے : (1) اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ (میگی) کا وزیر خارجہ (ایچی سن) کے نام مراسلہ 12 ستمبر 1949ء (2) ڈین رسک کا ایک نوٹ، اس کے ساتھ سر ظفراللہ کا سوانحی خاکہ

48..... ایضاً، صفحات 106-105، اصل حوالہ : غلام محمد کے ساتھ گفتگو کی یاداشت، جسے اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ میگی نے تیار کیا 14 ستمبر 1949ء

49..... زاہد حسین انجم۔ اکتوبر کے آئینے میں، صفحہ 44

50..... وینکٹے رامانی، صفحات 129-128، اصل حوالہ : جی ڈبلیو چوہدری، صفحات 14-13

51..... "سویرا" شمارہ 7، 8، صفحات 24-10، 45-241

52..... ترقی پسند ادب، دستاویزات۔ ترقی پسند ادبی (گولڈن جوبلی) کانفرنس کراچی۔ 1986ء۔ 1936ء، کراچی، 1986ء صفحات 123-122

53..... روزنامہ "ڈان" 15 نومبر 1949ء

54..... وینکٹے رامانی، صفحہ 115، اصل حوالہ : امریکی صدر (ٹرومین) بنام وزیراعظم پاکستان (لیاقت علی خان) 23 نومبر 1949ء

55..... ایضاً، صفحہ 189ء

56..... محمد ایوب خان' صفحہ 58

57..... شیر علی خان پاٹودی۔ پاکستان اور ہندوستان میں سیاست اور سپہ گری کی روداد' لاہور 1983ء' صفحہ 136

58..... روزنامہ "ڈان" 28 دسمبر 1949ء

59..... کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان۔ ڈیبیٹس۔ 6 جنوری 1950ء آفیشل رپورٹ (انگریزی)' صفحات 33-32

60..... ایضاً۔ 18 جنوری 1950ء' صفحات 86-63

61..... زاہد حسین انجم۔ فروری کے آئینے میں' صفحہ 8

62..... ایضاً۔ صفحہ 17

63..... ایضاً۔ صفحہ 24

64..... 'مارچ کے آئینے میں' صفحہ 12

65..... "سویرا" شمارہ 8-7' صفحہ 268

66..... زاہد حسین انجم۔ مارچ کے آئینے میں' صفحہ 43

67..... فیروز خان نون' صفحہ 329

68..... وینکٹے رامانی' صفحہ 147

69..... "نئی مفاہمت کا پیش خیمہ"۔ محکمۂ ایڈورٹائزنگ' فلمز اینڈ پبلیکیشنز' حکومت پاکستان' کراچی کا کتابچہ

70..... کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان' ڈیبیٹس (انگریزی) 12 اپریل 1950ء۔ پولٹیکل رپورٹ' صفحات 63-43

71..... ایضاً' 14 اپریل 1950ء' صفحات 80-65

72..... احمد سلیم' ٹوٹتی بنتی اسمبلیاں' صفحات 209-208

73..... وینکٹے رامانی' صفحات 160-150' اصل حوالے : (1) لیاقت علی خان' پاکستان۔ ایشیا کا دل (کیمبرج' ط س '1950ء) (2) "نیو یارک ٹائمز" 5 مئی' (3) محکمہ خارجہ پالیسی سٹیٹ منٹ' 3 اپریل 1950ء

74..... "سویرا" شمارہ۔ 4' صفحات 199-194

75..... "اگست کے آئینے میں" صفحہ 39

76..... ایضاً۔

77..... "ستمبر کے آئینے میں"' صفحہ 10

78..... ایضاً' صفحہ' 22

79..... احمد سلیم' صفحہ 170

80..... ہفت روزہ "لیل و نہار" "مشرقی پاکستان کی موجودہ سیاست کا پس منظر' 18 اگست 1957ء

81..... زاہد چوہدری' جلد نمبر3' صفحہ 83

82..... "اکتوبر کے آئینے میں"' صفحہ 15

83..... "اکتوبر کے آئینے میں"' صفحہ 35

84..... احمد سلیم' صفحہ 212' اصل حوالے : روزنامہ "پاکستان ٹائمز" 23' 24 جنوری 1951ء

85..... وینکٹے رامانی' صفحات 194-192' اصل حوالہ : 6 فروری تا 6 مارچ 1951ء کو نووارا ایلیا' سری لنکا میں امریکی سفارت کاروں اور قونصلر افسران کی جنوبی ایشیائی علاقائی کانفرنس۔ طے پانے والے نتائج اور سفارشات۔

86..... زاہد حسین انجم' "مارچ کے آئینے میں" صفحہ 46

87..... زاہد چوہدری' جلد نمبر4' صفحات 320-319

88..... "جون کے آئینے میں" صفحہ 26

89..... سید نور احمد' صفحہ 391

90..... وینکٹے رامانی' صفحہ 204۔ اصل حوالے : کراچی سے سفیر (وارن) کا وزیر خارجہ (ایچی سن) کے نام یکم اگست 1951ء کا مراسلہ' ایضاً' صفحات 1804-1803; اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ (میگی) کی طرف سے وزیر خارجہ کو یاداشت' 2 اگست 1951ء' ایضاً صفحات 1807-1805; پاکستان اور بھارت کے لئے اقوام متحدہ کے نمائندے (فرینک گراہم) کے ساتھ گفتگو کی یاداشت جو اقوام متحدہ کے شعبہ سیاسی و سلامتی کے امور کے ونسنٹ بیکر نے تیار کی' 23 اکتوبر 1951ء' ایضاً صفحہ 1894

91..... سید نور احمد' صفحات 392-391

92..... وینکٹے رامانی' صفحات 215-214' اصل حولہ : کراچی سے سفیر (وارن) کا وزیر خارجہ (ایچی سن) کے نام مراسلہ۔ 11 ستمبر 1951ء

93..... ایضاً' صفحات 211-208' اصل حوالہ : سی آئی اے کی یاداشت : قومی انٹیلی جنس جائزہ۔ "1951ء کے آخر تک کشمیر کے جھگڑے کے متوقع امکانات" (این آئی ای 41) 14 ستمبر 1951ء

94..... ایضاً' صفحہ 215' اصل حوالے (1) قائم مقام امریکی وزیر خارجہ کا اقوام متحدہ میں امریکی نمائندے (وارن آسٹن) کے نام مراسلہ' یکم اکتوبر 1951ء۔ (2) اقوام متحدہ کے امور کے امریکی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ (جان ہکرسن) کا اقوام متحدہ میں قائم مقام امریکی نمائندے (ارنسٹ گراس) کے نام مراسلہ' 5 اکتوبر 1951ء

95..... ایضاً' صفحات 216-215' اصل حوالہ : امریکی وزیر خارجہ (ایچی سن) کا اقوام متحدہ میں اپنے نمائندے (آسٹن) کے نام مراسلہ۔ 8 اکتوبر 1951ء

96..... ایضاً' صفحات 217-216' اصل حوالہ : کراچی سے امریکی سفیر (وارن) کا وزیر خارجہ (ایچی سن) کے نام مراسلہ۔ 10 اکتوبر 1951ء

97..... ایضاً' صفحہ 217' 11 اکتوبر 1951ء

98..... احمد سلیم' صفحات 172-171' اصل حوالہ : صدیق علی خان۔ "بے تیغ سپاہی" کراچی' 1971ء صفحہ 498

99..... "نومبر کے آئینے میں" صفحہ 44

100..... احمد سلیم' صفحات 128-129

101..... زاہد چوہدری' جلد نمبر3' صفحہ 208

102..... زاہد حسین انجم۔ "فروری کے آئینے میں" صفحہ 28

103..... احمد سلیم' صفحہ 145

104..... زاہد حسین انجم' صفحہ 37

105..... ایضاً' "اپریل کے آئینے میں" صفحہ 17

106..... ایضاً' "جولائی کے آئینے میں" صفحہ 18

107..... فاروق قریشی' صفحات 286-288

108..... ڈاکٹر صفدر محمود' صفحہ 302

109..... وینکٹے رامانی' صفحات 267-268' اصل حوالہ: وزرائے خارجہ و دفاع اور باہمی سلامتی کے ناظم کی "قومی سلامتی کے لئے امریکہ کے پروگراموں کا از سر نو جائزہ" پر قومی سلامتی کی کونسل کو رپورٹ' 19 جنوری 1953ء

110..... کانسٹی چیونٹ اسمبلی آف پاکستان ڈیبیٹس (انگریزی) آفیشل رپورٹ' 21 جنوری 1953ء

111..... زاہد حسین انجم۔ "مارچ کے آئینے میں" صفحہ 25

112..... سید نور احمد' صفحات 409-410

113..... احمد سلیم' صفحہ 180

114..... سید نور احمد' صفحہ 411

115..... احمد سلیم' صفحہ 118

116..... مولانا عبدالستار خان نیازی۔۔ "میں"-- لاہور' 1991ء' صفحات 33-38

117..... سندھ نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن' کراچی شاخ کا کتابچہ "انقلابی شہید حسن ناصر" کراچی' 1974ء' صفحات 11-16

118..... وینکٹے زامانی' صفحات 270-271' اصل حوالہ: پریس ریلیز 313 12 جون 1953ء' محکمہ خارجہ کا بلیٹن 28 (22 جون 1953ء)

119..... ایضاً' صفحات 276-277' اصل حوالہ: عاملہ اجلاس میں ڈلس کی شہادت' 3 جون 1953ء' امریکی سینٹ' عاملہ اجلاس' صفحات 454-456

120..... ایضاً' صفحات 418-419' اصل حوالے: بھارتی حکومت کی وزارت خارجہ کے مطبوعہ "کشمیر وائٹ پیپر" میں مشترکہ اعلان کا متن (نئی دہلی 1954ء)' صفحاتۓ 1-2' کراچی پریس کانفرس' 27 جولائی 1953ء' بھارتی وزارت خارجہ کی مطبوعہ "جواہر لال نہرو۔ پریس کانفرنسیں' 1963ء صفحات 37-38

121..... سید نور احمد' صفحات 418 -19

122..... ایضاً' صفحہ 419

123..... زاہد چوہدری' جلد نمبر3' صفحہ 227

124..... وینکٹے رامانی' صفحات 279-280' اصل حوالہ: پاکستان کے وزیراعظم کی طرف سے بھارت کے وزیراعظم کو تار' 13 اگست 1953ء حکومت ہند' کشمیر وائٹ پیپر' این 23' صفحہ 6' امریکی ایوان میں ڈلس کا بیان' این 14' صفحہ 17

125..... ایضاً' صفحات 280-282' اصل حوالے: (1) وزرائے اعظم کی بات چیت پر مشترکہ پریس اعلامیہ "پاکستان ٹوڈے" (نئی دہلی) یکم ستمبر 1953ء (2) "دی ہندو" 18اگست 1953ء

126..... ایضاً' صفحات 286-287' اصل حوالے: (1) ہنری کسنجر۔ وائٹ ہاؤس کے سال' (نئی دہلی 1979ء) صفحات 1259- 1261 (2) این ایس سی 175 "ایران سے متعلق پالیسی کے بارے میں قومی سلامتی کونسل (این ایس سی) کے منصوبہ بندی بورڈ کی طرف سے' این ایس سی کے لئے ایک رپورٹ۔

127..... ایضاً' صفحات 292-293' اصل حوالہ: امریکی بحریہ کی انٹیلی جنس کے ناظم کا' جوائنٹ چیفس آف سٹاف کے چیرمین کے نام مراسلہ' 23 ستمبر 1953ء

128..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 14 نومبر 1953ء

129..... فاروق قریشی' صفحات 292-294

130..... ڈاکٹر صفدر محمود' صفحات 310-311

131..... زاہد حسین انجم' "نومبر کے آئینے میں" صفحہ 46

132..... ایضاً' صفحہ 48

133..... ایضاً' صفحہ 54

134..... ایضاً' "دسمبر کے آئینے میں" صفحہ 31

135..... ایضاً' صفحہ 43

136..... سید نور احمد' صفحات 469-470

137..... زاہد حسین انجم۔ "فروری کے آئینے میں" صفحہ 21

138..... وینکٹے رامانی' صفحہ 308' اصل حوالہ: این ایس سی 5409 "جنوبی ایشیا سے متعلق امریکی پالیسی" 19 فروری 1954ء قومی سلامتی کونسل کی دستاویزات۔

139..... زاہد حسین انجم۔ "مارچ کے آئینے میں" صفحہ 11

140..... ڈاکٹر صفدر محمود' صفحہ 240

141..... زاہد حسین انجم' صفحہ 26

142..... روزنامہ "پاکستان ٹائمز" 22 اپریل 1954ء

143..... وینکٹے رامانی' صفحات' 354'399'403

144..... ایضاً' صفحات 354-356' اصل حوالے: (1) "نیویارک ٹائمز"۔ یکم جون 1954ء (2) ایم رفیق افضل

145..... ایضاً' صفحہ 356' اصل حوالہ : "پاکستان اور ترکی کے لئے دفاعی منصوبہ" _ 'پاکستان ٹوڈے' (یکم جولائی 1954ء) صفحات 3-5

146..... ظفراللہ پوشنی' "زندگی زنداں دلی کا نام ہے" کراچی' صفحہ 334 اصل حوالے : (1) روزنامہ "پاکستان ٹائمز" (2) روزنامہ "امروز" لاہور 11 جون 1954ء

147..... زاہد حسین انجم۔ "جولائی کے آئینے میں" صفحہ 3

148..... فیروز خان نون' صفحات 358-357

149..... و-لنکٹے رامانی' صفحات 337'463'469-467' اصل حوالے : (1) امریکی فوج کے چیفس آف سٹاف کی طرف سے یاداشت "جنوب مشرقی ایشیائی معاہدہ (ایس ای اے پی) کی تشکیل کے لئے ہونے والی منیلا کانفرنس میں دفاعی معاہدوں کے لئے ٹرمز آف ریفرنس" این-ڈی' اواخر اگست 1954ء' جوائنٹ چیفس آف سٹاف کے ریکارڈز (2) روزنامہ 'ڈان' 7 ستمبر 1954ء

150..... ایضاً' صفحات 305-304' اصل حوالہ : "نیویارک ٹائمز" 9'10'14 دسمبر 1954ء

151..... سید نور احمد' صفحات 424-423

152..... ایضاً' صفحات 426-424

153..... گل خان نصیر' صفحہ 541

154..... احمد سلیم' صفحات 190-184

عبوری دور

27 اکتوبر 1954ء 28 جون 1955ء

27 اکتوبر۔۔۔ ایوب کے وزیر دفاع بننے پر امریکہ کا اظہار مسرت

روزنامہ "ڈان" کے مطابق نئی کابینہ میں وزارت دفاع کے لئے ایوب خان کے انتخاب پر امریکیوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ اخبار نے لکھا: "وزیراعظم کے دورۂ امریکہ کے دوران' ایوب خان نے گفتگو میں بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا اور امریکی فوجی حکام انہیں اس عہدے کے لئے بہترین خیال کرتے ہیں"۔

(حوالہ: 1)

31 اکتوبر۔۔۔ نئے وزیر داخلہ کا تصور جمہوریت

سابق سیکرٹری دفاع اور گورنر مشرقی بنگال اسکندر مرزا جنہیں "صلاحیتوں والی کابینہ" میں ملک کا نیا وزیر داخلہ بنایا گیا تھا' نے 31 اکتوبر کو ایک بیان جاری کیا جس سے ان کے مخصوص تصور جمہوریت کا اندازہ ہوتا تھا۔ انہوں نے کہا:

"پسماندہ ممالک کو جمہوریت سیکھنا پڑتی ہے اور جب تک وہ ایسا کریں' انہیں کنٹرول میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ناخواندہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ' سیاست دان معاملات کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ہنگامی حالات کا نفاذ اس وقت قطعی غیر جمہوری نہیں ہے کیونکہ 95%عوام نے اس کا خیر مقدم کیا ہے"۔

(حوالہ: 2)

نومبر 1954ء

3 نومبر۔۔۔ بہاولپور اسمبلی بھی توڑ دی گئی

3 نومبر 1954ء کو' 1952ء کے عارضی قانون کی دفعہ 74 کے تحت بہاولپور کی ریاستی اسمبلی بھی توڑ دی گئی اور مخدوم زادہ سید حسن محمود کی وزارت کو برطرف کر دیا گیا۔ یہ بات اہم ہے کہ مخدوم زادہ نے 24 اکتوبر کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے توڑے جانے کو سراہا تھا۔

4 نومبر۔۔۔ فقیر اپی کے خلیفہ کا اعلان

فقیر آف اپی کے خلیفہ مہر گل نے پاکستان کی مخالفت نہ کرنے کا اعلان کیا۔

7 نومبر۔۔۔ اسمبلی کی جنگ عدالتوں میں

27 اکتوبر کو اسمبلی کا اجلاس بلانے میں ناکامی کے بعد اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین نے گورنر جنرل کے فیصلے کو عدالتوں میں چیلنج کرنے کا راستہ اپنایا۔ باتھ آئی لینڈ کراچی میں ان کی سرکاری رہائش گاہ پر پولیس کا بھاری پہرہ تھا لیکن مولوی تمیز الدین گھر کے پچھلے دروازے سے خفیہ طور پر ایک رکشے میں بیٹھ کر عدالت تک پہنچ پائے۔ 7 نومبر کی صبح ایڈووکیٹ منظر عالم نے مقدمہ داخل کیا اور مولوی تمیز الدین نے راستے میں گرفتاری سے بچنے کے لئے سارا دن عدالت کی لائبریری میں چھپ کر گزارا۔

مقدمہ کی کارروائی سندھ چیف کورٹ میں ہو رہی تھی۔ اس کے دو بنیادی نکتے تھے۔

(1) گورنر جنرل کا اقدام غیر قانونی تھا۔

(2) نئے وزراء کا تقرر' جو اسمبلی کے رکن نہیں تھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (پانچویں ترمیمی ایکٹ) کی خلاف ورزی تھا۔

مولوی تمیز الدین نے 7 نومبر 1954ء کو سندھ چیف کورٹ میں جو رٹ پیٹشن دائر کی۔ اس کے بنیادی نکات مندرجہ ذیل تھے:

(1)۔ گورنر جنرل کو کسی قانون کے تحت' کوئی بھی فرمان جاری کرنے یا آئین ساز اسمبلی کو توڑنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

(2)۔ آئینی مشینری ختم نہیں ہوئی تھی اور دستور ساز اسمبلی نے کام کرنا بند نہیں کیا تھا۔

(3)۔ دستور ساز اسمبلی نے جو بھی آئینی قوانین منظور کئے۔ ان کے لئے گورنر جنرل کی منظوری کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

(4)۔ صرف اسمبلی کے ارکان وزیراعظم کی سفارش پر وزیر مقرر ہو سکتے ہیں۔

اس کے برعکس حکومت کا موقف یہ تھا:

(1)۔ دستور ساز اسمبلی کو توڑنے کا گورنر جنرل کا فرمان آئین اور قانون کے مطابق ہے۔

(2)۔ دستور ساز اسمبلی سے منظور ہونے والے تمام قوانین بشمول آئین' پر گورنر جنرل کی حتمی منظوری لازمی ہے۔

(3)۔ سندھ چیف کورٹ رٹ جاری کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

اس مقدمے کا فیصلہ بالآخر مولوی تمیز الدین کے حق میں ہوا۔

(حوالہ: 3)

8 نومبر۔۔۔ سندھ کے وزیراعلیٰ بھی برطرف

سندھ کے پنجابی گورنر افتخار ممدوٹ نے 8 نومبر 1954ء کو بدانتظامی کے تحت سندھ کے وزیراعلیٰ عبدالستار پیرزادہ کو برطرف کر کے ایوب کھوڑو کو وزیراعلیٰ کے عہدے پر فائز کر دیا۔ پیرزادہ کو دراصل سندھ اسمبلی میں ون یونٹ کے منصوبے کی تائید نہ کرنے کے جرم میں ہٹایا گیا

تھا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا حصہ --- مرکزی اور صوبائی وزارتیں --

8 نومبر --- قربان علی خان بطور گورنر سرحد

سابق آئی جی پولیس اور بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ قربان علی خان کو صوبہ سرحد کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ بلوچستان میں ان کی جگہ سردار بہادر خان گورنر جنرل کے ایجنٹ مقرر ہوئے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس وقت سرحد کے وزیراعلیٰ سردار عبدالرشید بھی ایک سابق آئی جی پولیس تھے۔

10 نومبر --- سابق خاتون مجسٹریٹ

حکومت پنجاب نے بیگم ثریا ارشاد محمد خان کو لاہور میں مجسٹریٹ مقرر کر دیا۔ پاکستان میں اس عہدے پر فائز ہونے والی وہ پہلی خاتون تھیں۔

10 نومبر --- آقائے حسین فاطمی کو گولی مار دی گئی

ڈاکٹر مصدق کی حکومت کے خاتمے کے بعد' ایران کے سابق وزیر خارجہ آقائے حسین فاطمی کو' جن کا تعلق تودہ پارٹی سے تھا اور جنہوں نے تیل کو قومی ملکیت میں لینے کے سلسلے میں کافی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ شاہ ایران کے ساتھ غداری کے الزام میں گولی سے اڑا دیا گیا۔ اس سے قبل 20 اکتوبر کو دس فوجی افسر غداری کے الزام میں گولی سے اڑا دیئے گئے جبکہ امریکہ کی مدد سے برسراقتدار آنے والی جنرل زاہدی کی حکومت ایسے اور چھ سو افسروں پر مقدمات چلانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔

12 نومبر --- جی ایم سید گرفتار کر لئے گئے

سندھ عوامی محاذ کے سربراہ جی ایم سید کو پاکستان سیفٹی ایکٹ کے تحت کراچی میں گرفتار کر لیا گیا۔ سید صاحب کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ون یونٹ کی مجوزہ سکیم کی مخالفت کر رہے تھے۔

12 نومبر --- سندھی روزنامہ "الوحید" پر پابندی

سندھی روزنامہ "الوحید" پر ایک سال کے لئے پابندی عائد کر دی گئی۔

15 نومبر --- گورنر جنرل مشرقی بنگال کے دورے پر

گورنر جنرل غلام محمد مشرقی بنگال کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ وزیر داخلہ میجر جنرل اسکندر مرزا ان کے ہمراہ تھے۔ لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر اسکندر مرزا نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ وہ مغربی پاکستان کے صوبوں کو توڑ کر ون یونٹ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی شخص اس تجویز کی مخالفت نہیں کرے گا تاہم اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ اس سے نمٹ لیں گے۔

(حوالہ: 4)

18 نومبر --- سہروردی کو کابینہ میں شرکت کی دعوت

گورنر جنرل غلام محمد نے متحدہ محاذ کے رہنما اور پاکستان جناح عوامی لیگ کے کنویز حسین شہید سہروردی کو پاکستانی کابینہ میں شرکت کی دعوت دی۔

20 نومبر --- بے دخل مزارعین کو متبادل اراضی دی جائے

آزاد پاکستان پارٹی پنجاب کے آرگنائزنگ سیکرٹری شیر محمد نے ایک بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ بے دخل کئے جانے والے مزارعین کو متبادل اراضی دے۔

22 نومبر --- ون یونٹ کی باضابطہ تجویز

وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے ریڈیو پاکستان سے اپنے نشری اعلان میں کہا کہ حکومت پاکستان' مغربی پاکستان کو ایک یونٹ بنانے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے کیونکہ صوبائیت کو ختم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ اس کے برعکس ون یونٹ کے مخالفین کا یہ دعویٰ تھا کہ ون یونٹ کے قیام سے صوبائیت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

23 نومبر --- امریکی فوجی امداد کی پہلی کھیپ

امریکی فوجی امداد کی پہلی کھیپ کراچی پہنچ گئی جس میں ٹینک اور دوسرا اسلحہ شامل تھا۔

25 نومبر --- گورمانی پنجاب کے گورنر

مشتاق احمد گورمانی کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔

25 نومبر --- سرحد اسمبلی میں ون یونٹ کی قرار داد منظور

سرحد اسمبلی میں ون یونٹ کے بارے میں قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔

26 نومبر --- مرکزی کابینہ میں اضافہ

حبیب ابراہیم رحمت اللہ کو مرکزی کابینہ میں لے لیا گیا۔

26 نومبر۔۔۔ مولوی مصاحب سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار

جماعت اسلامی کے ایک رکن مولوی محمد مصاحب سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔ انہیں حیدر آباد جیل میں رکھا گیا۔

28 نومبر۔۔۔ ون یونٹ کے مخالف جیل میں

ون یونٹ کی مخالفت کرنے والوں کی گرفتاری کا سلسلہ بڑھ گیا۔ اس سلسلے میں تازہ گرفتار شدگان میں حاجی رحمت اللہ اور عبدالحمید کے ساتھ ساتھ، سندھ ہاری کمیٹی کے رکن سید غلام مہدی بھی شامل تھے۔

29 نومبر۔۔۔ پاکستان۔ ایٹمی صلاحیت کے راستے پر

حکومت پاکستان نے ملک کے نامور سائنسدانوں کو ہدایت کی کہ وہ ایٹمی طاقت کے پر امن استعمال کے مقصد سے خام مواد کو کام میں لانے کی رپورٹ تیار کریں۔

30 نومبر۔۔۔ پنجاب نے بھی ون یونٹ کی قرارداد منظور کر لی

پنجاب اسمبلی نے ون یونٹ کی قرارداد منظور کر لی۔

دسمبر 1954ء

یکم دسمبر۔۔۔ ون یونٹ میں چھوٹے یونٹوں کی نمائندگی

وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں چھوٹے یونٹوں۔۔ سندھ، سرحد، بلوچستان اور ریاستوں وغیرہ۔۔ کو یقین دلایا کہ انہیں مجوزہ مغربی پاکستان کی مجلس قانون ساز میں 60 فیصد نمائندگی ملے گی۔

6 دسمبر۔۔۔ اخوان المسلمین کو سزائیں

جماعت اسلامی پاکستان کی طرز پر مصر میں قائم اخوان المسلمین کے سربراہ حسن الہدیبی اور چھ کارکنوں کو مصر کی انقلابی عدالت نے موت کی سزائیں سنائیں بعد میں حسن الہدیبی کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ جبکہ باقی کارکنوں کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ جماعت اسلامی پاکستان نے ان سزاؤں کے خلاف شدید احتجاج کیا۔

9 دسمبر۔۔۔ پاکستان کا نصب العین پورا نہیں ہوا: کھوڑو

سندھ کے وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو نے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان جس نصب العین کے حصول کے لئے بنایا گیا تھا اسے سات سال میں بھی حاصل نہیں کیا جا سکا۔

10 دسمبر۔۔۔ فضل الرحمان کراچی بدر

خواجہ ناظم الدین حکومت کے ایک سابق وزیر جناب فضل الرحمان کو سیفٹی ایکٹ کے تحت کراچی بدر کر کے تا حکم ثانی ڈھاکہ تک محدود رہنے کا حکم دیا گیا۔

11 دسمبر۔۔۔ سید غلام حیدر شاہ بھی گرفتار

سندھ کی سابق کابینہ کے ایک وزیر سید غلام حیدر شاہ کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے حیدر آباد جیل پہنچا دیا گیا۔ جہاں پہلے راولپنڈی سازش کیس کے قیدی 1951ء سے قید تھے۔

11 دسمبر۔۔۔ سندھ اسمبلی نے بھی ون یونٹ کی حمایت کر دی

پیرزادہ عبدالستار کی برطرفی پر بننے والے وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سندھ اسمبلی سے ون یونٹ کا بل منظور کروا لیں گے۔ انہوں نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا۔ 11 دسمبر 1954ء کو جب سندھ اسمبلی میں، سندھ کی مغربی پاکستان کے متحدہ صوبے میں شمولیت کا فیصلہ ہو رہا تھا تو حیدر آباد میں اسمبلی کی عمارت اور ملحقہ علاقے پولیس کے گھیرے میں آ چکے تھے۔ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے پیر علی محمد راشدی نے ہر اس شخص کو جیل میں ڈال دینے کی دھمکی دی جو ون یونٹ کے خلاف ووٹ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بالآخر اسمبلی نے ون یونٹ کے قیام کی تائید کر دی۔ جس کا سندھ میں شدید رد عمل ہوا اور عوام اس فیصلے کے خلاف سڑکوں پر نکل آئے۔

(حوالہ: 5)

11 دسمبر۔۔۔ امریکہ پاکستان میں ایٹمی تحقیقات کے لئے مدد دے گا

پاکستان میں ایٹمی تحقیقات کا مرکز کھولنے کی تجویز سامنے آئی تو اس

سلسلے میں ضروری سامان کی فراہمی کے لئے امریکہ نے مدد دینے کا اعلان کیا۔

18دسمبر۔۔۔ کرنل عابد حسین مرکزی کابینہ میں شامل ہوگئے

پنجاب اسمبلی کے ایک رکن کرنل عابد حسین' جن کا تعلق شاہ جیونہ' جھنگ سے ہے' بوگرہ کی ذہین افراد کی کابینہ میں شامل ہو گئے۔

19دسمبر۔۔۔ عوامی لیگ میں شمولیت

شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین نے عوامی لیگ میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔

20دسمبر۔۔۔ سہروردی بھی مرکزی کابینہ میں

عوامی لیگ کے سربراہ سہروردی اور گورنر جنرل غلام محمد کے درمیان کئی ملاقاتوں اور مذاکرات کے بعد حسین شہید سہروردی مرکزی کابینہ میں وزیر قانون کے طور پر شامل ہو گئے۔ کابینہ میں شامل ہونے کے فوراً بعد انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ وہ پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کے لئے پوری کوشش کریں گے اور انتخابات میں ضرورت سے زیادہ ایک دن بھی تاخیر نہیں کی جائے گی۔

22دسمبر۔۔۔ مولوی تمیز الدین بنام سرکار

مولوی تمیز الدین بنام سرکار مقدمے میں' سندھ چیف کورٹ میں برطانیہ کے مشہور وکیل مسٹر ڈی۔ این پرٹ پیش ہوئے۔ یہ وہی پرٹ ہیں جنہوں نے جنرل اکبر اور فیض احمد فیض کی طرف سے راولپنڈی سازش کیس سپیشل ایکٹ کے خلاف فیڈرل کورٹ میں طویل بحث کی تھی اور جج صاحبان نے فیصلہ کیا تھا کہ دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار (Sovereign) ادارہ ہے اوراس کے منظور کئے ہوئے قوانین کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اب اسی خود مختار ادارے کو گورنر جنرل کے حکم سے توڑ دیا گیا تھا اور سندھ چیف کورٹ کے سامنے مسئلے کا یہ پہلو بھی تھا کہ اسمبلی اور گورنر جنرل۔۔ دونوں میں زیادہ خود مختار کون ہے۔

(حوالہ: ظفر اللہ پوشنی..... صفحہ 374)

23دسمبر۔۔۔ غیر مالک کاشتکاروں میں اراضی تقسیم ہو گی

حکومت نے اعلان کیا کہ سندھ میں دس لاکھ ایکڑ اراضی غیر مالک کاشتکاروں میں تقسیم کی جائے گی۔

جنوری 1955ء

3 جنوری۔۔۔ بلوچستان کی ریاستوں نے ون یونٹ میں شمولیت مان لی

بلوچستان کی ریاستوں نے ون یونٹ میں شامل ہونے کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ یہ دستخط کراچی میں ہوئے۔

6 جنوری۔۔۔ پاک۔ ترکی دفاعی معاہدے کی پیش رفت

'نیو یارک ٹائمز' نے 6 جنوری کو ایک رپورٹ شائع کی کہ امریکہ تین اقوام (پاکستان' ترکی' عراق) کے معاہدے کو آگے بڑھا رہا ہے۔ اسی اخبار نے 13 فروری کو اطلاع دی کہ واشنگٹن حکام جلد ہی پاکستان اور ترکی کے مابین معاشی اور ثقافتی تعاون کے ایک معاہدے کے طے پانے کے منتظر تھے۔

(حوالہ: 6)

7 جنوری۔۔۔ ایٹمی توانائی پروگرام کی کمیٹی

حکومت پاکستان نے گیارہ سائنسدانوں اور ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جو ایٹمی توانائی پروگرام کو وضع کر سکے۔ کمیٹی میں ڈاکٹر نذیر احمد' ڈاکٹر ایس صدیقی (ڈائریکٹر سائینٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ) ڈاکٹر رضی الدین صدیقی (وائس چانسلر پشاور یونیورسٹی) اور ڈاکٹر بشیر احمد وغیرہ شامل تھے۔ ایٹمی توانائی پروگرام کے سلسلے میں حکومت پاکستان کا یہ پہلا اہم اور قابل ذکر اقدام تھا۔

(حوالہ: 7)

8 جنوری۔۔۔ شہید طلباء کی دوسری برسی

لاہور اور ملک کے دوسرے حصوں میں کراچی کے شہید طلباء کی دوسری برسی منائی گئی۔ جلسوں میں طالب علم رہنماؤں کی غیر مشروط رہائی کے مطالبے کئے گئے۔ 8 جنوری کی تحریک ڈیمو کریٹک سٹوڈنٹس فیڈریشن (ڈی ایس ایف) نے منظم کی تھی۔

11-18 جنوری۔۔۔ حیدر بخش جتوئی اور ساتھیوں کی گرفتاری

سندھ ہاری کمیٹی کے صدر حیدر بخش جتوئی کو گرفتار کر کے سکھر جیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ انہوں نے ون یونٹ کی مخالفت میں دو پمفلٹ تحریر کئے اور گورنر جنرل غلام محمد اور وزیر اعلیٰ سندھ کھوڑو کے اقدامات پر شدید نکتہ چینی کی تھی۔ حیدر بخش جتوئی کے فرزند مصطفیٰ آتش' جو اس وقت سیکنڈ ایئر کے طالب علم تھے' کو بھی گرفتار کر کے حیدر آباد جیل میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے وہ 15 جنوری کو رہا کر دیئے گئے۔ 18 جنوری کو

سندھ ہاری کمیٹی کے ایک اور رہنما کامریڈ عبدالخالق آزاد بھی گرفتار کر لئے گئے۔

(حوالہ: 8)

18 جنوری۔۔۔ سعادت حسن منٹو انتقال کر گئے

اردو کے نامور افسانہ نگار سعادت حسن منٹو انتقال کر گئے۔ ان کے افسانوں پر اگرچہ فحاشی کے الزام میں کئی بار مقدمے چلے لیکن ان کے بعض افسانوں میں گہرے سیاسی بچ نے انہیں لافانی بنا دیا ہے۔ ان میں 'نیا قانون'، '1919ء کی ایک شام'، 'ٹوبہ ٹیک سنگھ'، 'موذیل' اور 'ٹیٹوال کا کتا' جیسے افسانے شامل ہیں۔ آخری افسانہ کشمیر کی صورت حال پر ان کی گہری سیاسی بصیرت کا ترجمان ہے۔

24 جنوری۔۔۔ غلام محمد کا دورہ ہندوستان

پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد اور وزیر مواصلات ڈاکٹر خان صاحب ہندوستان کے دورے پر نئی دہلی پہنچے۔ دوسرے روز میجر جنرل اسکندر مرزا اور وزیر خارجہ چوہدری محمد علی بھی ہندوستان پہنچ گئے۔ دہلی میں گورنر جنرل اور ڈاکٹر خان صاحب کا شاندار استقبال ہوا۔ پاکستان کا اعلیٰ سطح کا یہ وفد 26 جنوری کو ہندوستان کے یوم جمہوریہ کی تقریبات میں شرکت کے لئے آیا تھا۔ یہ کسی پاکستانی سربراہ کا پہلا دورہ ہندوستان تھا۔ ہندوستان کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بھی پاکستان کے دورے کی دعوت منظور کر لی۔

(حوالہ: 9)

فروری 1955ء

9 فروری۔۔۔ اسمبلی توڑنا غیر قانونی قدم تھا: سندھ چیف کورٹ

سندھ چیف کورٹ نے گورنر جنرل کے اسمبلی توڑنے کے اعلان کے خلاف دستور ساز اسمبلی کے سپیکر کی اپیل منظور کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ گورنر جنرل کو اسمبلی توڑنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا اور ان کا یہ قدم سراسر غیر قانونی ہے۔ نیز یہ کہ ایم اے ایچ اصفہانی، جنرل ایوب خان، میجر جنرل اسکندر مرزا، میر غلام علی تالپور اور ڈاکٹر خان صاحب کے وزیر مقرر کئے جانے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔
حکومت نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کرنے کے لئے چودہ دن کی مہلت مانگ لی۔

14 فروری۔۔۔ اسمبلی توڑنا غیر قانونی قرار دیا گیا تو پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی: سہروردی

حسین شہید سہروردی نے حیدر آباد میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر فیڈرل کورٹ نے بھی گورنر جنرل کے اسمبلی توڑنے کے اقدام کو غیر قانونی قرار دے دیا تو اس سے ملک بہت بڑی مشکل میں پڑ جائے گا لیکن اگر فیڈرل کورٹ نے گورنر جنرل کے حق میں فیصلہ دیا تو اس سے کئی دوسری مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

18 فروری۔۔۔ جلال بایار کا دورہ پاکستان

ترکی کے صدر جلال بایار پاکستان کے دورے پر کراچی پہنچ گئے۔ کراچی، پشاور اور لاہور میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ 25 فروری کو پنجاب یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری دی۔ وہ 28 فروری کو اپنا دورہ مکمل کرکے وطن واپس پہنچ گئے۔

20 فروری۔۔۔ دوسری فلسفہ کانگریس کا افتتاح

پاکستان کے گورنر جنرل ملک محمد نے دوسری فلسفہ کانگریس کا افتتاح کیا۔

24 فروری۔۔۔ ترک۔ عراق معاہدے پر دستخط ہو گئے

بغداد پیکٹ کے پہلے مرحلے میں 24 فروری کو بغداد میں ترک عراق معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے کی پہلی شق میں فریقین نے اپنی سلامتی اور دفاعی ضرورتوں کے لئے تعاون کرنے کا عہد کیا۔

25 فروری۔۔۔ پاکستان کی سیاسی تبدیلیاں، امریکی جائزہ

امریکہ کی قومی سلامتی کونسل کے آپریشنز کو آرڈی نیشنگ بورڈ نے اپنی ایک رپورٹ میں پاکستان میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ اس طرح پیش کیا:
"پاکستان میں عام انتخابات کبھی نہیں ہوئے۔ مرکزی حکومت کے اقتدار کا دار و مدار چند نمایاں سیاسی شخصیات اور سول سروس پر ہے۔ اس کا اظہار 21 ستمبر سے شروع ہونے والے ان واقعات سے بھی ہوتا ہے کہ جب پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے گورنر جنرل کو کابینہ کے وزراء کا اپنی مرضی سے تقرر کرنے اور اپنی مرضی سے انہیں برخواست کرنے کے اختیار سے محروم کرنے کی کوشش کی تھی۔ امریکہ سے وزیراعظم محمد علی بوگرہ کے کراچی واپس پہنچنے پر 23 اکتوبر کو گورنر جنرل نے فوج، بعض اہم

سیاسی قائدین اور سول سروس کی حمایت کا یقین ہونے کی بنا پر دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا اور وزیراعظم کو مجبور کیا کہ وہ از سر نو کابینہ کو ترتیب دیں- اس جوڑ توڑ کے ذریعے دو با اثر افراد ایوب خان بطور وزیر دفاع (جب کہ وہ بدستور فوج کے کمانڈر انچیف بھی رہے) اور اسکندر مرزا وزیر داخلہ کی حیثیت سے کابینہ میں شامل کئے گئے- لگتا ہے کہ بوگرہ محض اس لئے وزیراعظم برقرار رہے ہیں کہ موجودہ حکمران گروہ کے بڑے رہنماؤں' گورنر جنرل' ایوب اور مرزا کو ان کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر انہوں نے "تعاون" نہ کیا تو پھر انہیں کسی وقت بھی برخواست کر دیا جائے گا-- مرکزی حکومت کے کنٹرول کو مضبوط بنانے' نیز پاکستان اور اس عمومی علاقے میں قوت کی تخلیق کے لئے ہماری فوجی امداد اہم ہے"۔

(حوالہ: 10)

مارچ 1955ء

3 مارچ--- حکومت اور سپیکر سمجھوتہ کرلیں: فیڈرل کورٹ

فیڈرل کورٹ میں' جہاں سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف حکومت پاکستان کی اپیل زیر سماعت تھی- عدالت کے چیف جسٹس نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر دو فریق کو "اپنے غلیظ کپڑے سر عام دھونے" کی بجائے آپس میں سمجھوتہ کر لینا چاہیے- انہوں نے کہا یہ مقدمہ بنیادی طور پر سیاسی نوعیت کا ہے اور اس گتھی کو سلجھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ عوام کو عام انتخابات کے ذریعے اپنے نمائندوں کے انتخاب کا موقع دیا جائے- مولوی تمیزالدین خان کے وکیل آئی آئی چندریگر نے کہا کہ وہ اس تجویز پر عمل درآمد کے لئے تیار ہیں- وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ دستور ساز اسمبلی کو ایک بار پھر یکجا ہونے کی اجازت دی جائے- اسمبلی نئے انتخابات کے لئے حلقے مقرر کرنے کے بعد اپنے آپ کو از خود توڑ ڈالے اور دو تین ماہ کے اندر ایک نئی دستور ساز اسمبلی کے ارکان منتخب ہو کر آ جائیں- سرکاری وکیل کا اعتراض تھا کہ اتنا بڑا کام دو تین ماہ کے اندر سرانجام نہیں دیا جا سکتا- اس کے لئے زیادہ مدت درکار ہو گی تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ کراچی سے بعض ذمہ دار افراد کو لاہور بلائیں گے تاکہ وہ اس معاملے میں جناب چندریگر سے گفت و شنید کر سکیں-

مذاکرات کی غرض سے مرکزی کابینہ کے تین وزراء میجر جنرل اسکندر مرزا' حسین شہید سہروردی اور چودھری محمد علی لاہور آئے لیکن بات کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکی- مولوی تمیزالدین کے وکیل جناب چندریگر نے اپنے بیان میں الزام لگایا کہ حکومت سمجھوتہ کرنا ہی نہیں چاہتی- دوسری طرف فیاض علی ایڈووکیٹ جنرل پاکستان نے بتایا کہ حکومت اور مولوی تمیزالدین کے درمیان مصالحت ناممکن ہے-

5-14 مارچ--- شاہ حسین کا دورہ پاکستان

اردن کے شاہ حسین' اپنی والدہ کے ہمراہ' نو روزہ سرکاری دورے پر کراچی پہنچے- انہوں نے اگلے روز استقبالیہ میں کہا کہ وہ پاکستان کی مشکلات سے گہری ہمدردی رکھتے ہیں- انہوں نے پشاور اور لاہور کا بھی دورہ کیا- لاہور میں شاہ حسین نے کہا کہ پاکستان پوری اسلامی دنیا کے لئے قابل فخر ہے- 14 مارچ کو شاہ اور ان کی والدہ واپس عمان روانہ ہو گئے-

5 مارچ--- گبن' آزاد پاکستان پارٹی سے مستعفی

آزاد پاکستان پارٹی کے رکن جناب گبن نے پارٹی کی بنیادی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا-

5 مارچ--- مشرقی بنگال میں پارلیمانی نظام بحال

مشرقی بنگال میں گورنر راج ختم کر کے پارلیمانی حکومت کی بحالی کا فیصلہ کر دیا گیا-

15 مارچ--- کوٹری بند کا افتتاح

گورنر جنرل غلام محمد نے 5 کروڑ' 75 لاکھ روپوں کی لاگت سے مکمل ہونے والے کوٹری بند کا افتتاح کیا-

19-21 مارچ--- کھوڑو- تالپور چپقلش

سندھ چیف کورٹ نے سندھ کی صوبائی حکومت کے نام ایک حکم امتناعی جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ کھوڑو کی تقرری غیر قانونی ہے اور میر غلام علی تالپور بدستور سندھ اسمبلی کے صدر ہیں- اس لئے میر صاحب کو اسمبلی کی صدارت کے فرائض انجام دینے سے ہرگز نہ روکا جائے- میر غلام علی تالپور نے مرکزی کابینہ سے استعفیٰ دے دیا' جسے گورنر جنرل نے منظور بھی کر لیا-

20 مارچ کو سندھ کے وزیر مال پیر علی محمد راشدی نے ایک سازش کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا کہ کچھ سیاستدانوں اور جاگیرداروں نے سندھ وزارت کے ارکان کو قتل کرنے اور سندھی' پنجابی فساد کرانے کا منصوبہ تیار کیا تھا- پیر علی محمد راشدی نے دھمکی دی کہ ان کی حکومت سازشیوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے اور امن قائم رکھنے کا عزم کر چکی ہے- حیدر آباد کے دربار ہال میں' جہاں 21 مارچ کو اسمبلی کا اجلاس ہونے والا تھا- پولیس کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور وزراء کی جان کی حفاظت کے لئے تمام تدابیر اختیار کر لی گئیں- 21 مارچ کو میر غلام علی تالپور سمیت سندھ

اسمبلی کے کئی ارکان اور دوسرے سیاسی کارکن جیلوں میں بند کئے جا چکے تھے۔

22 مارچ۔۔۔ گورنر جنرل کا اسمبلی توڑنا جائز تھا: فیڈرل کورٹ

لاہور میں فیڈرل کورٹ نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف حکومت پاکستان کی اپیل منظور کر لی۔ فیڈرل کورٹ نے ماتحت عدالت کے جاری کردہ دونوں حکم نامے واپس لے لئے۔ فیصلے کی بنیاد اس دلیل پر تھی کہ دستور ساز اسمبلی کا منظور کردہ کوئی قانون گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر ملک میں لاگو ہو ہی نہیں سکتا۔

عدالت نے دستور اسمبلی توڑنے کے قانونی یا غیر قانونی ہونے کے حوالے سے کوئی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ نئی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کی شرط کے تحت گورنر جنرل کے اقدام کو جائز قرار دے دیا۔

مزید دیکھیں۔ اس جلد میں۔۔۔ عدلیہ کا سیاسی کردار۔۔

23 مارچ۔۔۔ راولپنڈی سازش کیس کے اسیروں کی حبس بیجا کے خلاف درخواست

23 مارچ کو جنرل اکبر خان اور راولپنڈی سازش کیس کے سات دوسرے اسیروں نے پنجاب ہائی کورٹ میں حبس بیجا کے خلاف درخواستیں داخل کر دیں اور کہا کہ درخواستوں پر فیصلہ ہونے تک انہیں ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔ ان کی درخواست کی بنیاد اس دلیل پر تھی کہ "راولپنڈی سازش کا ایکٹ" جس کے تحت ان لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا' ان متعدد قوانین میں سے ایک تھا جنہیں گورنر جنرل کی منظوری حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے اس استدلال کا منطقی مفہوم یہ تھا کہ مقدمہ اور سزائیں بے بنیاد ہیں۔ اس لئے انہیں حبس بیجا سے نجات ملنی چاہیے۔ درخواست دہندگان میں جنرل اکبر کے علاوہ فیض احمد فیض' محمد خان جنجوعہ' لطیف خان' حسن خان' نیاز محمد ارباب' اسحاق محمد اور ضیاء الدین شامل تھے۔

اگلے روز ہائی کورٹ نے انہیں ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دے کر ان کی درخواست کی سماعت کے لئے 28 مارچ کی تاریخ مقرر کر دی لیکن یہ رہائی عارضی ثابت ہوئی۔ رہا شدہ تمام اسیروں کو مرکزی حکومت کے حکم سے امتناعی نظر بندی کے قانون مجریہ 1944 کے تحت دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ البتہ ان میں سے دو نیاز محمد ارباب اور جنرل اکبر فوری طور پر ہاتھ نہ آ سکے۔

(حوالہ: 11)

24 مارچ۔۔۔ جمالی اور قاضی فضل اللہ بھی گرفتار

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ قاضی فضل اللہ اور ایک رکن اسمبلی میر جعفر خان جمالی کو حیدر آباد کے قریب اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب وہ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔

24 مارچ۔۔۔ مشرقی بنگال' خسارے کا بجٹ

مشرقی بنگال اسمبلی میں 2 کروڑ 77 لاکھ روپے کے خسارے کا بجٹ پیش کیا گیا۔

27 مارچ۔۔۔ ہنگامی حالت کا اعلان

گورنر جنرل غلام محمد نے ایک آرڈیننس کے ذریعے ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کرتے ہوئے اپنے لئے مندرجہ ذیل اختیارات کا اعلان کیا:

(1)۔ پاکستان کے لئے نیا آئین بنانے کا اختیار
(2)۔ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو توڑ کر ایک صوبہ (ون یونٹ) بنانے کا اختیار
(3)۔ مشرقی بنگال کا نام تبدیل کر کے مشرقی پاکستان رکھنے کا اختیار
(4)۔ مرکزی بجٹ کی منظوری کا اختیار
(5)۔ راولپنڈی سازش کیس سپیشل ایکٹ سمیت ان تمام قوانین کی منظوری کا اختیار' جو فیڈرل کورٹ کے حالیہ فیصلے کے بعد غیر قانونی ہو کر رہ گئے تھے۔

گورنر جنرل کے اعلان کے مطابق ان اختیارات کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اعلان کیا گیا کہ اگر کسی عدالت میں پہلے سے کوئی قانونی کارروائی ہو رہی ہے تو وہ بھی ختم کر دی جائے گی۔

31 مارچ۔۔۔ خسارے کا مرکزی بجٹ

نئے مالی سال کا خسارے کا بجٹ مرکزی وزیر خزانہ نے پیش کیا۔ بتایا گیا کہ ایک کروڑ 33 لاکھ کا خسارہ نئے ٹیکسوں سے پورا کیا جائے گا۔

(حوالہ: 12)

اپریل 1955ء

1-7 اپریل۔۔۔ جلال آباد میں پاکستانی قونصل خانے پر حملہ

جلال آباد میں مشتعل ہجوم نے' جو مجوزہ ون یونٹ کے خلاف نعرے لگا رہا تھا' پاکستانی قونصل خانے پر حملہ کیا اور اس پر سیاہ پرچم لہرا دیا۔ اس سے قبل 30 مارچ کو کابل میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ کر کے توڑ پھوڑ کی گئی تھی۔ پاکستان کے وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے سفارت خانے پر حملے اور پاکستان کے قومی پرچم کی توہین پر افغانستان کی حکومت سے زبردست احتجاج کیا۔ اگلے روز حکومت افغانستان نے اس

احتجاج کو مسترد کر دیا۔ پاکستان کے وزیر داخلہ میجر جنرل اسکندر مرزا نے کہا کہ پاکستان' افغانستان کے خلاف مناسب کارروائی کرے گا۔ پاکستان کے قبائلی علاقے میں بھی اس صورت حال کے خلاف شدید رد عمل پیدا ہوا۔ ایک قبائلی لشکر تیار ہو گیا جو افغانستان پر دھاوا بولنے کے لئے تیار تھا' وزیراعظم نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ قومی پرچم کی توہین برداشت نہیں کی جائے گی۔

4 اپریل--- نئے صوبے کی قیادت

مجوزہ صوبہ مغربی پاکستان کے گورنر اور وزیراعلیٰ کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا۔ گورنر جنرل نے بالترتیب مشتاق گورمانی اور ڈاکٹر خان صاحب کے ناموں کی منظوری دے دی۔ این اے فاروقی صوبے کے چیف سیکرٹری مقرر کیئے گئے۔

6 اپریل--- شیخ مجیب اور سوبھو گیا نچندانی کی رہائی

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے سیکرٹری شیخ مجیب الرحمٰن رہا کر دیئے گئے۔ اسی روز حیدر آباد جیل سے کیمونسٹ پارٹی کے رہنما سوبھو گیا نچندانی بھی رہا کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نئے حکم کے تحت انہیں آئندہ تین ماہ کے لئے اپنے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔

9-11 اپریل--- صدر ناصر کا دورہ پاکستان

مصر کے صدر کرنل ناصر۔ حکومت پاکستان کی دعوت پر کراچی پہنچے تو ہوائی اڈے پر وزیراعظم پاکستان اور ان کی کابینہ نے مہمان کا خیر مقدم کیا۔ عرب رہنما نے پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیراعظم سے تفصیلی ملاقات کی۔ جس میں دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات اور اہم بین الاقوامی تعلقات پر بحث ہوئی۔

9 اپریل--- سجاد ظہیر' رہائی اور گرفتاری

کیمونسٹ پارٹی کے رہنما سجاد ظہیر اور راولپنڈی سازش کیس کے ایک اور سزا یافتہ سابق بریگیڈیر صادق کی حبس بیجا کی درخواست جوڈیشل کمشنر کوئٹہ کی عدالت میں پیش ہوئی۔ عدالت نے سجاد ظہیر کو دس ہزار اور صادق خان کو بیس ہزار کے زر ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا لیکن جونہی یہ دونوں افراد عدالت سے باہر نکلے۔ انہیں بلوچستان سیفٹی ایکٹ کے تحت دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔

12 اپریل--- میجر جنرل اکبر اور رفقاء کی رہائی

لاہور ہائی کورٹ نے میجر جنرل اکبر خان اور ان کے رفقاء-- محمد خان جنجوعہ' لطیف خان' نیاز محمد ارباب اور فیض احمد فیض کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ان کی حبس بیجا کے بارے میں' عدالت بعد میں فیصلہ کرے گی۔

12 اپریل--- گورنر جنرل کا آرڈیننس غیر قانونی ہے : فیڈرل کورٹ

فیڈرل کورٹ آف پاکستان نے گورنر جنرل کی جانب سے 20 مارچ 1955ء کو جاری کردہ ایمرجنسی پاورز آرڈیننس کی دفعہ نمبر2 جس کے تحت سابق دستور ساز اسمبلی کے 35 قوانین کی توثیق کی گئی تھی' غیر قانونی قرار دے دی۔ ان قوانین میں راولپنڈی سازش مقدمے کا خصوصی ایکٹ بھی شامل تھا۔

13 اپریل--- یوسف پٹیل بنام سرکار

فیڈرل کورٹ آف پاکستان نے غنڈہ ایکٹ کے تحت گرفتار کراچی کے ایک شخص یوسف پٹیل اور بعض دوسرے افراد کی اپیل منظور کرتے ہوئے حکم دیا کہ آئینی قوانین کی توثیق صرف دستور ساز اسمبلی ہی کر سکتی ہے۔ اپیل کنندگان کے خلاف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سندھ کنٹرول غنڈہ ایکٹ (گورنر کے قانون نمبر28 مجریہ 1952ء) کے تحت انہیں غنڈہ قرار دے دیا تھا۔ (نیک چلنی کی) ضمانت جمع نہ کروانے پر انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ اپیل کنندگان نے سندھ چیف کورٹ کے سامنے اپیل کی جو نامنظور کی گئی۔ اب فیڈرل کورٹ کے سامنے اپیل داخل کی گئی جس نے اپیل کو منظور کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ سب سے پہلے حکومت کو دستور ساز اسمبلی کے اختیارات استعمال کرنے کے لئے کسی نمائندہ ادارے کی ضرورت تھی۔ تاکہ ناقص آئین سازی کو فوری طور پر نیا ادارہ صحیح اور جائز بنا دیتا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد میں-- 'عدلیہ کا سیاسی کردار'۔

14 اپریل--- مہمند قبائلیوں نے ہتھیار ڈال دیئے

بالائی مہمند ایجنسی کے 94 قبائلیوں نے حکومت پاکستان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔

15-27 اپریل--- آئین ساز کنونشن

گورنر جنرل نے آئین سازی کے مقصد کے لئے کنونشن کا اجلاس 10 مئی کو منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے ارکان کی تعداد 60 (بنگال 30' پنجاب 16' سرحد 3' سندھ 4' گورنر جنرل کے نامزد ارکان 7) رکھی گئی۔ 27 اپریل کو گورنر جنرل نے ایک ترمیم کے ذریعے آئین ساز کنونشن کے

اراکان کی تعداد 60 سے بڑھا کر 80 (بنگال 40، پنجاب 21، سندھ 5، سرحد 4، نامزد ارکان 10) کر دی۔

پاکستان کے سابق چیف جسٹس میاں عبدالرشید نے اس دوران یہ تجویز پیش کی کہ حکومت فیڈرل کورٹ سے یہ رائے طلب کرے کہ کیا مجوزہ آئین ساز کنونشن قانونی طور پر آئین مرتب کرنے کا مجاز بھی ہے یا نہیں۔

15 اپریل۔۔۔ محمد حسین عطا اور ظفراللہ پوشنی۔۔ رہائی، گرفتاری

15 اپریل کو سندھ چیف کورٹ نے راولپنڈی سازش مقدمے کے دو سزا یافتگان ظفراللہ پوشنی اور محمد حسین عطا کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دیا۔ 16 اپریل کو میر رسول بخش تالپور نے ان کی ضمانت دی اور وہ رہا کر دیئے گئے۔ 17 اپریل کی صبح انہیں رسول بخش تالپور کی رہائش گاہ سے پاکستان سیکیورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے دوبارہ حیدر آباد جیل میں پہنچا دیا گیا۔ ان کے وکیل نے دوبارہ ضمانت کی درخواست دی۔لیکن چیف کورٹ میں تعطیلات ہو جانے کے باعث انہیں مزید ڈھائی ماہ جیل میں گزارنا پڑے۔

(حوالہ: 13)

19 اپریل۔۔۔ وزیراعظم پاکستان کی بندونگ کانفرنس میں شرکت

پاکستان کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے بندونگ کانفرنس میں شرکت کی اور قیام امن کے سات اصول پیش کئے۔ ایشیائی نمائندوں کی پہلی کانفرنس 1945ء میں دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ جس نے انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی کی حمایت کی تھی۔ 1955ء میں ایشیا اور افریقہ کے 29 ملکوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ سیاسی اعتبار سے آزاد ہیں۔ مغرب پر انحصار نہیں رکھتے اور قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اپنے مستقبل کا آپ فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔ پاکستان کے وزیراعظم نے بندونگ کانفرنس میں امریکہ کے ساتھ یا اس کی نگرانی میں کئے جانے والے دفاعی معاہدوں کا حوالہ دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ افریقی اور ایشیائی ملکوں کو اپنے انفرادی اور اجتماعی دفاع کے انتظامات کرنے کا پورا حق ہے۔ ترک مندوب نے پاکستانی موقف کی حمایت کرتے ہوئے نیٹو کو امن کا محافظ قرار دیا جبکہ بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو نے ان دفاعی معاہدوں کو " سامراجیوں کے ناپاک عزائم کی تکمیل کا ذریعہ " قرار دیا۔

(حوالہ: 14)

29 اپریل۔۔۔ امریکی فوجی امداد کی پہلی کھیپ پہنچ گئی

پاکستان کے لئے امریکی فوجی امداد کی پہلی کھیپ کراچی پہنچ گئی۔

مئی 1955ء

6 مئی۔۔۔ مولانا عبدالستار نیازی نااہل قرار دیئے گئے

مولانا عبدالستار نیازی کو پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی رکنیت کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

7 مئی۔۔۔ کھوڑو، راشدی کے خلاف مقدمہ خارج

سندھ کی خصوصی عدالت نے ایوب کھوڑو، پیر علی محمد راشدی اور قربان علی کے خلاف نا اہلی کا مقدمہ خارج کر دیا۔

8 مئی۔۔۔ سوڈانی وزیراعظم کا دورہ پاکستان

سوڈان کے وزیراعظم اسماعیل الازہری تین دن کے سرکاری دورے پر پاکستان پہنچے۔ کراچی کے بعد وہ لاہور بھی گئے۔

10 مئی۔۔۔ عدلیہ اور نظریۂ ضرورت

ایمرجنسی پاورز آرڈیننس کے لئے قانونی آڑ حاصل کرنے کی نیت سے گورنر جنرل نے فیڈرل کورٹ کو ایک ریفرنس پیش کیا کہ وہ اسمبلی کی برطرفی سے پیدا ہونے والی صورتحال کا جائزہ لے کر اس کے عوامل و عواقب کے متعلق اپنا مشورہ دے۔۔ فیڈرل کورٹ کا فیصلہ تھا۔

1- دستور ساز کنونشن کا نام دستور ساز اسمبلی ہو گا۔

2- ریاستوں اور قبائلی علاقوں کی نمائندگی کا انتظام دستور ساز اسمبلی سر انجام دے گی، گورنر جنرل نہیں۔

3- گورنر جنرل کو اس ادارے کے لئے کوئی ممبر نامزد کرنے کا اختیار نہیں ہو گا۔

عدالت نے ہدایت جاری کی کہ نئی دستور ساز اسمبلی ان اصولوں کی سختی سے پابندی کرے گی جن کا اطلاق پہلی اسمبلی پر ہوتا تھا۔

ان فیصلوں کے پیچھے "نظریہ ضرورت" کی روح کار فرما تھی۔ ریفرنس کیس میں چیف جسٹس نے لکھا:

ہم ایک خندق کے کنارے آ پہنچے ہیں جہاں ہمارے سامنے صرف تین راستے ہیں۔

(1)- جس راہ سے ہم یہاں تک آئے ہیں اسی پر واپس مڑ جائیں۔

(2)- خندق پر ایک قانونی پل تعمیر کر کے اسے عبور کر لیں۔

(3)- خندق میں چھلانگ لگا کر تباہی کا شکار ہو جائیں-

فیڈرل کورٹ نے غلام محمد کی کھودی ہوئی اس خندق پر جو قانونی پل تعمیر کیا وہ "قانون ضرورت" کے نام سے مشہور ہوا-

(حوالے: 15' 16' 17)

11-16 مئی--- پاک افغان تعلقات اور پختونستان

وزیر داخلہ پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا نے انتباہ کیا کہ افغانستان' پاکستان کو جنگ کے لئے مجبور نہ کرے کیونکہ پختونستان کے سوال پر کوئی مفاہمت ممکن نہیں ہے- تاہم مصالحانہ بات چیف کے لئے پاکستان نے مصر کے صدر ناصر کی ثالثی کی پیشکش قبول کر لی- اسی سلسلے میں پاکستان نے شاہ سعود کی پیشکش بھی منظور کر لی- ترکی' ایران اور عراق نے بھی مصالحت کے لئے اپنی خدمات پیش کیں- ابتدائی طور پر افغانستان کے بادشاہ نے سعودی وزیراعظم سے ملاقات کی-

13 مئی--- پاک بھارت مذاکرات

نہری پانی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے واشنگٹن میں پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات شروع ہو گئے- اگلے روز نئی دہلی میں دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم کے درمیان' کشمیر کے منصفانہ حل کے لئے بات چیت شروع ہوئی- دونوں ملکوں کے وزرائے داخلہ نے سرحدی جھڑپوں کی روک تھام' دونوں طرف کے مقامات مقدسہ کے تحفظ اور سفری سہولتوں کے بارے میں ایک سمجھوتے کو حتمی شکل دی- نہرو- بوگرہ ملاقات کسی فیصلے پر پہنچے بغیر ہی ختم ہو گئی- البتہ دونوں ملکوں کے درمیان انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم سے متعلق سمجھوتہ طے پا گیا-

21 مئی--- نون وزارت کی برطرفی

گورنر پنجاب میاں مشتاق احمد گورمانی نے پنجاب کے وزیراعلیٰ فیروز خان نون کو برطرف کر دیا کیونکہ وہ مبینہ طور پر ون یونٹ کی اسکیم کو پنجاب اسمبلی سے جوں کا توں منظور کروانے کے لئے آمادہ نہیں تھے- اپنی برطرفی کے بارے میں خود فیروز خان نون نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ "نواب گورمانی اس وقت گورنر تھے اور اسکندر مرزا مرکز میں وزیر داخلہ- انہوں نے آپس میں اور پھر گورنر جنرل غلام محمد کے ساتھ مل کر طے کیا کہ میری وزارت "مفاد عامہ کے تحت" توڑ دی جائے- یہ ایک بڑی کارآمد اصطلاح ہے کیونکہ بدقسمتی سے عوام کے مفاد کو ہمارے ملک میں اب تک مبہم اور تشریح طلب رکھا گیا ہے- سرکاری سبب یہ تھا کہ میں مغربی پاکستان کی وحدت کا مخالف تھا--" عبدالحمید دستی پنجاب کے نئے وزیراعلیٰ بنے-

(حوالہ: 18)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ-- مرکزی اور صوبائی وزارتیں-

23 مئی--- عوام کی خودمختاری بحال کی جائے: فاطمہ جناح

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے ایک بیان میں کہا کہ ملک کو انتشار سے بچانے کی واحد صورت یہ ہے کہ عوام کی خودمختاری بحال کی جائے- بڑھتے ہوئے غیر ملکی اثر و رسوخ کو خطرناک قرار دیتے ہوئے مادر ملت نے افسوس ظاہر کیا کہ جمہوریت کی جڑیں کھوکھلی کر دی گئی ہیں-

25 مئی--- پاکستان کا آئین برطانوی طرز کا ہوگا: سہروردی

پاکستان کے وزیر قانون جناب حسین شہید سہروردی نے ملک کے آئندہ آئین کو برطانوی طرز کا قرار دیا- انہوں نے بتایا کہ اس میں صرف ایک ایوان ہو گا-

28 مئی--- نئی دستور ساز اسمبلی 21 جون کو منتخب ہو جائے گی

گورنر جنرل غلام محمد نے ایک حکم جاری کیا جس کے مطابق 21 جون کو' نئی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات مکمل ہو جائیں گے- اس میں مشرقی پاکستان کے 40' پنجاب کے 21' سندھ کے 5' سرحد کے 4' سرحدی ریاستوں کا 1' قبائلی علاقوں اور بہاولپور کے 2 اور بلوچستان' بلوچستان کی ریاستی یونین' خیرپور اور کراچی سے ایک ایک نمائندہ شامل ہو گا-

29 مئی--- افغانستان سے تصفیہ ہو گیا

حکومت افغانستان نے اعلان کیا کہ وہ پاکستانی پرچم کی توہین کی آبرومندانہ تلافی کرے گی- بنیادی امور پر سمجھوتے کے پیچھے سعودی عرب کے شہزادے کی کوششیں شامل تھیں-

30 مئی--- مودودی اور نیازی رہا کر دیئے گئے

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی کو رہا کر دیا گیا- مرکزی حکومت نے مارشل لاء کے سولہ اسیروں کی قید کی سزائیں بھی معاف کر دیں-

جون 1955ء

1 جون--- مسئلہ کشمیر پر وزیراعظم بوگرہ کا انتباہ

پاکستانی وزیراعظم نے اپنی پہلی تاریخ کی ماہانہ نشری تقریر میں انتباہ کیا کہ وزیراعظم ہندوستان پنڈت نہرو سے ان کی آئندہ ملاقات میں اگر کشمیر کے مسئلے کا کوئی حل تلاش نہ کیا جا سکا تو وہ ہندوستان سے مزید بات چیت بند کر دیں گے۔

3 جون۔۔۔ مشرقی پاکستان سے گورنر راج کا خاتمہ

مشرقی پاکستان سے دفعہ 92- الف ختم کرکے پارلیمانی حکومت بحال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کرشک سرامک پارٹی کے ابو حسین سرکار نے نئی کابینہ تشکیل دی۔

4 جون۔۔۔ اسکندر مرزا کی مسلم لیگ میں شمولیت

وزیر داخلہ میجر جنرل اسکندر مرزا نے پاکستان مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

6 جون۔۔۔ گورنر مشرقی پاکستان مستعفی

مشرقی پاکستان کے گورنر خواجہ شہاب الدین نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا جسے منظور کر لیا گیا۔ ڈھاکہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس امیرالدین کو قائم مقام گورنر مقرر کر دیا گیا۔

13 جون۔۔۔ قیوم خان مسلم لیگ سے مستعفی

خان عبدالقیوم خان نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیا۔

15 جون۔۔۔ راولپنڈی سازش کیس کے اسیروں کی حتمی رہائی

15 جون 1955ء کو لاہور ہائی کورٹ نے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ سازش مقدمے کے اسیروں کو ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے اور یہ اس وقت تک آزاد رہیں گے جب تک نئی دستور ساز اسمبلی ان کے معاملات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ 7 جولائی کو سندھ چیف کورٹ کے احکام کے تحت ظفراللہ پوشنی اور محمد حسین عطا کو ایک بار پھر حیدر آباد جیل سے رہا کر دیا گیا۔

16 جون۔۔۔ پاک۔ امریکی ایٹمی تعاون

پاکستان اور امریکہ کے حکومتی نمائندوں نے واشنگٹن میں ایٹمی تعاون کے معاہدے پر دستخط کئے۔

16 جون۔۔۔ پاکستان نیشنل کانگریس نئی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لے گی

پاکستان نیشنل کانگریس، جس نے پہلی دستور ساز اسمبلی میں بھرپور شرکت کرکے پہلی اپوزیشن کا کردار ادا کیا تھا، نے دوسری دستور ساز اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔

18 جون۔۔۔ فوجی امداد پر اتفاق رائے

بری فوج کے کمانڈر انچیف اور وزیر دفاع جنرل محمد ایوب خان نے اعلان کیا کہ حکومت پاکستان اور امریکی فوجی امداد کا مشاورتی بورڈ امریکی فوجی امداد کے بارے میں تمام امور پر متفق ہو گئے ہیں اور جلد ہی یہ امداد پاکستان پہنچنا شروع ہو جائے گی۔

21 جون۔۔۔ دوسری دستور ساز اسمبلی کے انتخابات

21 جون کو دوسری دستور ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے 80 کے ایوان میں مسلم لیگ 25 نشستیں لینے میں کامیاب ہو گئی۔

(حوالہ: 19)

مزید دیکھیں، دوسری دستور ساز اسمبلی۔

23 جون۔۔۔ نہری پانی کا عبوری سمجھوتہ

پاکستان اور بھارت کے درمیان نہری پانی کے عبوری سمجھوتے پر واشنگٹن میں دستخط ہو گئے۔ یہ عارضی سمجھوتہ یکم اپریل 1955ء سے 30 ستمبر 1955ء تک نافذ العمل ہو گا۔

25 جون۔۔۔ لیاقت علی کا قتل کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھا

برطانوی سراغرساں سی۔ ڈبلیو یورین نے پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کے قتل کی وجوہات پر مبنی اپنی رپورٹ میں لکھا کہ یہ قتل کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھا۔ وہ یہ بات اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ سید اکبر نے کسی دوسرے شخص کے مشورے یا کسی کے اشتعال دلائے بغیر وزیراعظم پاکستان کو قتل کیا تھا۔ چھ ابواب پر مشتمل اس رپورٹ کو پاکستان میں قابل توجہ اہمیت نہ دی گئی۔

25 جون۔۔۔ "نوائے وطن" بلوچستان پر بندش

کوئٹہ کے ہفت روزہ "نوائے وطن" پر پابندی لگا دی گئی۔ بندش ون یونٹ کے خلاف ایک تنقیدی اداریہ لکھنے پر عمل میں آئی۔ اس کے مدیر اور ناشر غلام محمد شاہوانی کو قید با مشقت کی سزا ہوئی۔ اس سے قبل 1954ء میں بھی "یوسف عزیز مگسی" نمبر کی اشاعت پر، اس جریدے کو

بند کر دیا گیا تھا- مرحوم غلام محمد شاہوانی نے 1953ء میں "نوائے وطن" کا ڈکلریشن لیا- ابتداء میں اسے گل خان نصیر نکالتے رہے- جس میں عبداللہ جمالدین مدیر معاون تھے- 1954ء سے غلام محمد شاہوانی نے اس کی ادارت خود سنبھال لی- اسی سال "یوسف عزیز مگسی نمبر" میں ایک گمنام لڑکی کے خط' جس میں سول ہسپتال کوئٹہ کے ایک بڑے ڈاکٹر پر دست درازی کا الزام لگایا گیا تھا کہ اشاعت اور ون یونٹ کی حمایت کرنے والے ڈاکٹر خان صاحب کے بلوچستان سے انتخاب لڑنے کی مخالفت کی پاداش اس پر پابندی عائد کر دی تھی- ان دنوں مسلم لیگی زہنما اور ایوب خان کے بھائی سردار بہادر خان بلوچستان کے اے- جی- جی (ایجنٹ ٹو گورنر جنرل) تھے- جنہوں نے غلام محمد شاہوانی کو ہتھکڑیاں پہنا کر جیل بھیج دیا- قید اور جرمانے کی سزائیں دی- دوسری بار جریدے پر پابندی کے باعث مرحوم غلام محمد شاہوانی کی صحافتی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا-

(حوالہ :20)

28 جون---- نئی در آمدی پالیسی کا اعلان

حکومت نے اپنی نئی در آمدی پالیسی کا اعلان کر دیا- جس کے مطابق ڈیڑھ سو اشیاء کے لئے در آمدی لائسنس جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا-

حوالے: عبوری دور (27 اکتوبر 54ء تا 28 جون 55ء)

1..... روزنامہ 'ڈان' 27 اکتوبر 1954ء

2..... اسکندر مرزا کی کہانی- خود ان کی زبانی' ہفت روزہ 'معیار' 15-8 مئی 1976ء' صفحہ 46

3..... احمد سلیم' صفحات 193-192

4..... ظفراللہ پوشنی' صفحہ 364

5..... احمد سلیم' صفحہ 131

6..... وینکٹے رامانی' صفحات 310-309' اصل حوالہ: "نیویارک ٹائمز" 6 جنوری 1954ء' 13 فروری 1954ء

7..... زاہد حسین انجم- "جنوری کے آئینے میں" صفحہ 11

8..... ظفراللہ پوشنی' صفحات 386-385

9..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 25 جنوری 1955ء

10..... وینکٹے رامانی' صفحات 374-373' اصل حوالہ: قومی سلامتی کونسل' کارروائیوں کے ارتباط کا بورڈ "جنوبی ایشیا سے متعلق امریکی پالیسی کی پراگریس رپورٹ" 25 فروری 1955ء

11..... ظفراللہ پوشنی' صفحات 399-398

12..... زاہد حسین انجم- "مارچ کے آئینے میں" صفحہ 51

13..... ظفراللہ پوشنی' صفحات 405-404

14..... ہمایوں ادیب' پاکستان کی خارجہ پالیسی' لاہور صفحہ 228

15..... قدرت اللہ شہاب' صفحات 665-664

16..... محمد فاروق قریشی' صفحات 302-301

17..... احمد سلیم' صفحہ 195

18..... فیروز خان نون' صفحہ 359

19..... محمد فاروق قریشی' صفحات 304-302' اصل حوالے: (1) جی- ڈبلیو- چوہدری' کانسٹی چیوشنل ڈیویلپمنٹ ان پاکستان' لندن' صفحہ 93 (2) ایم رفیق افضل' صفحات 180-179

20..... نادر شاہوانی (مرتب)--- لالۂ بلوچستان' کوئٹہ' 1991ء' صفحات 16-15'30-28'42- پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی- غلام محمد شاہوانی کے نظریات

دوسری دستور ساز اسمبلی

7 جولائی 1955ء تا 6 مارچ 1956ء

جولائی 1955ء

7-14 جولائی ـــ دوسری دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس

7 جولائی کو دوسری دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ہوا جو 14 جولائی تک جاری رہا۔

مشتاق احمد گورمانی اسمبلی کے عارضی صدر منتخب ہوئے۔ 80 میں سے 70 ارکان اسمبلی نے پہلے روز اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا۔

(حوالہ : 1)

مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک نوٹ ـــ دوسری دستور ساز اسمبلی

12 جولائی ـــ عبدالغفار خان پر سے تمام پابندیاں اٹھالی گئیں

وزیر داخلہ اسکندر مرزا نے مری میں منعقد ہونے والے 12 جولائی کے اجلاس میں خان عبدالغفار خان پر سے تمام پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ریڈیو پاکستان پشاور نے اپنی پشتو نشریات روک کر یہ اعلان نشر کیا۔ غفار خان 1954ء میں رہائی کے بعد سے صوبہ سرحد میں داخلے پر پابندی کے باعث اپنے صوبے میں واپس نہیں جاسکے تھے۔

14 جولائی ـــ ون یونٹ کے حق میں قرار داد منظور

مسلم لیگ نے ون یونٹ کے حق میں قرار داد منظور کرلی۔

15-16 جولائی ـــ پاک افغان تعلقات اور ترکی

ترکی کے وزیراعظم عدنان مندریز نے پاکستان اور افغانستان کے درمیان موجود جھگڑے کو ختم کرنے اور دونوں ملکوں کی صلح کرانے کی پیشکش کی جسے پاکستان نے فوراً منظور کرلیا۔

17 جولائی ـــ خان عبدالغفار خان کا تاریخی جلوس

17 جولائی صبح آٹھ بجے خدائی خدمت گار تحریک کے ممتاز رہنما خان عبدالغفار خان (باچا خان) تقریباً سات سال کی طویل قید اور جلا وطنی کے بعد اپنے صوبے میں پہلی بار قدم رکھا۔ حضرو کے مقام سے ان کا جلوس ٹھیک آٹھ بجے صبح دریائے اٹک کے پل پر پہنچا۔ یہ جلوس لاتعداد موٹر کاروں، جیپوں، بسوں اور ویگنوں پر مشتمل تھا، باچاخان کی کار جلوس کی قیادت کر رہی تھی۔ خود باچا خان کار کی پچھلی سیٹ پر دائیں جانب اور عوامی لیگی رہنما پیر صاحب مانکی شریف بائیں طرف بیٹھے تھے۔ جونہی یہ جلوس اٹک پار کرکے صوبہ سرحد کی حدود میں داخل ہوا استقبالیہ کمیٹی کے کارکنوں اور مردان اور صوابی سے آئے ہوئے ہزاروں نے باچا خان اور پیر مانکی شریف زندہ باد کے نعرے لگائے۔ جلوس کو 21 گولوں کی سلامی دی گئی۔

خیر آباد سے نکل کر جلوس جہانگیرہ پہنچا جہاں باچا خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا: "ہمارے جسم ایک دوسرے سے ضرور دور تھے لیکن روحیں جدا نہیں تھیں۔" جلوس جہانگیرہ سے اکوڑہ خٹک روانہ ہوا۔ اٹک سے پشاور تک عوام کے ہجوم نے قدم قدم رکنے پر مجبور کیا۔ اکوڑہ خٹک کے مقام پر اجمل خٹک، پیر صاحب اکوڑہ، بادشاہ گل اور ہزاروں عقیدت مندوں نے ان کا استقبال کیا۔ اکوڑہ سے جلوس نوشہرہ پہنچا تو بازار میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ عوام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"..... انگریزوں کا دور ختم ہوا۔ اب ہم آزاد ہیں۔ اس لئے ہمیں آزادانہ طور پر سوچنا چاہئے۔" جلوس یہیں رکتا ہوا شام ساڑھے چھ بجے پشاور پہنچا۔ کننگھم پارک پہنچ کر انہوں نے عوام سے خطاب کیا۔ جس میں خدائی خدمت گار تحریک کی جدوجہد اور حکومتی تشدد کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تشدد سے نفرت پھیلتی ہے۔ "..... ہم پنجابیوں کے خلاف نہیں ہیں ان سے نفرت نہیں محبت کرتے ہیں اور محبت چاہتے ہیں میں یہاں کی تمام جماعتوں سے، خواہ وہ عوامی لیگ ہو، مسلم لیگ یا خدائی خدمت گار، یہی کہتا ہوں کہ یہ ہمارا ملک ہے۔ ہم اس میں آباد ہیں۔ اگر ملک تباہ ہوگیا تو ہم بھی تباہ ہو جائیں گے....."

(حوالہ : 2)

17 جولائی ـــ استمان گل (عوامی جماعت) کا قیام

جولائی 1955ء میں بلوچستان میں ایک نئی سیاسی تنظیم استمان گل قائم ہوئی جو دراصل قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کی جانشین ثابت ہوئی۔

(حوالہ : 3)

مزید دیکھیں: اسی جلد کے حصے میں سیاسی جماعتیں، استمان گل

18 جولائی ـــ سردار عبدالرشید برطرف

18 جولائی کو سردار عبدالرشید کی وزارت کو برطرف کر کے اے۔ جی۔ جی بلوچستان سردار بہادر خان کو صوبے کی نئی وزارت بنانے کے لئے کہا گیا۔ سردار رشید نے ون یونٹ کی مشروط حمایت کی تھی لیکن پھر انہوں نے اس منصوبے کو آگ کا کھیل قرار دے کر دستور ساز اسمبلی میں ون یونٹ کی خفیہ دستاویز کا پول کھول دیا لہٰذا ان کی وزارت توڑ دی گئی۔

(حوالہ : 4)

19 جولائی ـــ بائیں نہیں دائیں چلو

حکومت پاکستان نے یکم جنوری 1956ء سے بائیں کی بجائے دائیں

طرف چلنے کے قاعدے پر عمل در آمد کا اعلان کیا۔

20 جولائی۔۔۔ باچا خان سردریاب اور بابڑا میں

20 جولائی کو باچا خان نے اپنے پرانے ساتھیوں سے ملاقات کی غرض سے خدائی خدمت گار تحریک کے مرکز سردریاب کا دورہ کیا۔ یہاں باچا خان کے بڑے بھائی اور مغربی پاکستان کے نامزد وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب نے ان سے ملاقات کی اور انہیں ون یونٹ کے خلاف مہم چلانے سے روکنے کی ناکام کوشش کی۔ ایک صبح وہ بابڑا بھی گئے جہاں انہوں نے شہید ہونے والے خدائی خدمت گاروں کی فاتحہ پڑھی۔ یہاں ان کا بے مثال استقبال کیا گیا تھا۔

21 جولائی۔۔۔ دستور ساز اسمبلی میں سرحد کی ریاستوں کی نمائندگی

صوبہ سرحد کی ریاستوں چترال، دیر، سوات اور امب کی نمائندگی کے لئے میجر جنرل عبدالحق جہانزیب والئی سوات کو منتخب کر لیا گیا۔

23 جولائی۔۔۔ بلوچستان کے نئے چیف کمشنر

بلوچستان میں سردار بہادر خان کی جگہ میجر آر۔ کے۔ ایم کو بلوچستان کا قائم مقام اے۔ جی۔ جی۔ مقرر کر دیا گیا۔

26 جولائی۔۔۔ ون یونٹ کی حمایت کے لئے ڈاکٹر خان صاحب کی ایک اور کوشش

26 جولائی کو پشاور میں ڈاکٹر خان صاحب کی ان کوششوں کا خاتمہ ہوگیا جو وہ خان عبدالغفار خان کو ون یونٹ کے حق میں ہموار کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ وزیر داخلہ اسکندر مرزا نے الزام لگایا کہ غفار خان مضبوط اور مستحکم پاکستان کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور یہ کہ خدائی خدمت گار تحریک کو ون یونٹ کے خلاف تحریک چلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ ون یونٹ کا قیام پندرہ دن میں ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کے بغیر، عوام کو آئین نہیں دیا جا سکتا۔

29 جولائی۔۔۔ اینٹی ون یونٹ تحریک

29 جولائی کو سرحد عوامی لیگ اور خدائی خدمت گاروں کا ایک مشترکہ اجلاس مانکی شریف میں ہوا جس میں خان عبدالغفار خان اور پیر صاحب مانکی شریف کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ ون یونٹ کے نفاذ کو روکنے کے لئے جو بھی مناسب اقدام 'ضروری سمجھیں' کریں۔ سات گھنٹے کے اجلاس کے بعد چھ قرار دادیں منظور کی گئیں۔ ایک قرار داد میں کہا گیا تھا کہ "ون یونٹ کی تجویز صرف ایک انتظامی معاملہ نہیں بلکہ یہ بنیادی طور پر ایک آئینی مسئلہ ہے جس کا فیصلہ عوام سے لینا چاہئے اور اگر عوام کے ریفرنڈم کے بعد ون یونٹ نافذ کر دیا گیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔"

اگست 1955ء

یکم اگست۔۔۔ پاکستانی سکے کی قیمت میں کمی

پاکستانی سکے کی قیمت میں کمی کر دی گئی جس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کی شرح مبادلہ یکساں ہوگئی۔

4 اگست۔۔۔ حقوق نسواں کمیشن کا قیام

حکومت نے مسلمانوں کے شادی بیاہ اور طلاق وغیرہ سے متعلق قوانین پر نظرثانی کے لئے ایک کمیشن تشکیل دیا جس کے ارکان میں مولانا احتشام الحق تھانوی، عنایت الرحمان، بیگم جی احمد، بیگم جہاں آرا شاہنواز اور بیگم شمس النہار محمود شامل تھیں۔ خلیفہ شجاع الدین اس کے صدر اور خلیفہ عبدالحکیم اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

6 اگست۔۔۔ اسکندر مرزا قائم مقام گورنر جنرل

گورنر جنرل غلام محمد خرابی صحت کی بنا پر دو ماہ کی رخصت پر چلے گئے۔ وزیر داخلہ اسکندر مرزا کو قائم مقام گورنر جنرل مقرر کر دیا گیا۔ مخالف اور سنجیدہ سیاسی حلقوں کی رائے تھی کہ یہ انتقال اقتدار کا ایک خاموش عمل تھا۔ اور اسکندر مرزا اب پاکستان کے نئے حکمران تھے۔ اسکندر مرزا اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں: "4 اگست 55ء کو پوری کابینہ اجلاس کر رہی تھی۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں اجلاس سے چلا جاؤں۔ (جیسا کہ مجھے بتایا گیا) ایک کو چھوڑ کر تمام وزیروں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ مجھے قائم مقام گورنر جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا جائے۔ چوہدری محمد علی نے بقول ان کے اس لئے بھی زور دیا تھا کہ میں ہی وہ شخص تھا جس نے گذشتہ سال فوج کو پورے ملک کا اقتدار سنبھالنے سے روکا تھا۔ 7 اگست کو میں نے قائم مقام گورنر جنرل کا عہدہ سنبھال لیا۔ خیال تھا کہ میں دو ماہ تک اس عہدے پر کام کروں گا جب تک غلام محمد کی حالت بہتر ہو جائے گی لیکن ہم سب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کبھی نہیں آئیں گے۔۔۔۔"

غلام محمد کے سیکرٹری (جنہوں نے بعد میں اسی عہدے پر اسکندر مرزا اور ایوب خان کے لئے بھی کام کیا) ایسے واقعات بیان کرتے ہیں کہ

غلام محمد کو "رخصت" پر آمادہ کرنے کے لئے شہاب صاحب سے کہا گیا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا جس کے بعد چوہدری محمد علی نے کوئی اہم کردار ادا کیا اور غلام محمد اقتدار اسکندر مرزا کے حوالے کرنے پر تیار ہو گئے۔

(حوالے: 5، 6)

7-11 اگست۔۔۔ بوگرہ بھی رخصت ہو گئے

گورنر جنرل کی تبدیلی کے ساتھ ہی وزیراعظم محمد علی بوگرہ بھی اپنے عہدے سے رخصت ہو گئے اور نئے وزیراعظم کے لئے چوہدری محمد علی کے نام کا اعلان کر دیا گیا۔ گذشتہ چار برسوں میں وزیراعظم کے عہدے میں یہ چوتھی تبدیلی تھی۔ 11 اگست کو نئی کابینہ نے حلف اٹھایا۔ ڈاکٹر خان صاحب مواصلات، ریاستوں اور سرحدی علاقوں، اے۔ کے۔ فضل الحق داخلہ، حبیب ابراہیم رحمت اللہ تجارت و صنعت، سید عابد حسین تعلیم و امور کشمیر، کامنی کمارد ت قانون اور صحت عبدالطیف بسواس، خوراک زراعت، پیر علی محمد راشدی اطلاعات و نشریات، کے وزیر مقرر ہوئے۔ سردار امیر اعظم خان اور لطیف الرحمان نائب وزرائے مملکت بنائے گئے۔

8 اگست کو مندرجہ ذیل آٹھ ارکان اسمبلی، نے اپنی رکنیت کا حلف اٹھایا:

1..... سید احمد نواز شاہ گردیزی
2..... چوہدری عبداسلام
3..... مرزا ممتاز حسن قزلباش
4..... نواب میربائی خان
5..... میجر جنرل ایم اے ایچ جہانزیب خان
6..... خان بہادر حاجی ملک مہردل خان محسود
7..... ملک وارث خان ملک دین خیل آفریدی، اور
8..... ملک جہانگیر خان مداخیل وزیر

اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ نئی اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب 12 اگست کو منعقد ہوگا۔ اس تاریخ تک اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

(حوالہ: 7)

12 اگست۔۔۔ اسمبلی کے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب

نئی دستور ساز اسمبلی کی سپیکر شپ کے لئے دو امیدوار۔۔۔ محمد عبدالخالق اور عبدالوہاب خان۔۔۔ میدان میں تھے۔ انتخاب سے تھوڑی دیر پہلے عبدالخالق نے اپنی پارٹی کے رہنما حسین شہید سہروردی کی ہدایت پر اپنا نام واپس لے لیا اور عبدالوہاب خان پارلیمانی روایات کے مطابق بلا مقابلہ سپیکر منتخب ہو گئے۔ ڈپٹی سپیکر کے انتخاب کے لئے بھی دو امیدوار تھے۔ سی ای گبن اور عوامی لیگ کے اے ایچ دلدار احمد۔ انتخاب سے تھوڑی دیر پہلے اے ایچ دلدار احمد نے بھی اپنے پارٹی رہنما سہروردی کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اپنا نام واپس لے لیا اور یوں سی ای گبن بلا مقابلہ ڈپٹی سپیکر منتخب ہو گئے۔

مشرقی بنگال کے ارکان کی خواہش پر اسمبلی کا اجلاس 23 اگست تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا تاکہ معزز ارکان اپنے اپنے علاقے میں سیلاب زدہ عوام کی مدد کے لئے پہنچ سکیں۔

(حوالہ: 8)

20 اگست۔۔۔ حیدر آباد سندھ میں ون یونٹ کانفرنس

20 اگست کو حیدر آباد سندھ میں ون یونٹ کانفرنس منعقد ہوئی جس کا افتتاح گورنر پنجاب مشتاق احمد گورمانی نے کیا۔ انہوں نے مغربی پاکستان کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے قدرتی وحدت قرار دیا۔

22 اگست۔۔۔ پاکستان کا نیا دارالحکومت گڈاپ ہوگا

حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کا مستقل وفاقی دارالحکومت گڈاپ کے مقام پر تعمیر کیا جائے گا۔ کراچی سے 20 میل کے فاصلے پر واقع اس علاقے کی سطح سمندر سے اونچائی 471 فٹ ہے اور اس سے چار میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی پہاڑی بھی ہے۔

23 اگست۔۔۔ ون یونٹ کا بل اسمبلی میں پیش کر دیا گیا

دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں سردار امیر اعظم خان نے صوبہ مغربی پاکستان (ون یونٹ) کے قیام کا بل پیش کیا۔

24 اگست۔۔۔ بوگرہ امریکہ میں پھر سفیر ہو گئے

پاکستان کے سابق وزیراعظم محمد علی بوگرہ جنہیں اپریل 1953ء میں امریکہ سے بلا کر پاکستان کا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا تھا۔ پھر امریکہ میں سفیر بنا دیا گیا۔

26 اگست۔۔۔ کراچی میں فرانس کے خلاف مظاہرہ

پاکستان کے وفاقی دارالحکومت کراچی میں مراکش اور الجزائر میں فرانسیسی مظالم کے خلاف ایک زبردست مظاہرہ ہوا۔ گوجرانوالہ میں فرانسیسی سامان نذر آتش کر دیا گیا۔ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں بھی فرانسیسی پالیسی پر تنقید کی گئی۔

ستمبر 1955ء

2 ستمبر۔۔۔ پاکستان کے لئے امریکی فوجی امداد

2 ستمبر 1955ء کو امریکی جوائنٹ چیفس نے جے سی ایس 512/2009 کی منظوری دے دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بین الا قوامی سیکورٹی پلان کے تحت ممکنہ اضافے سے قطع نظر پاکستان کے امدادی پروگرام کی رقم اء 301 ملین ڈالر کی بجائے ایوب خان کے حوالے کی جانے والی یادداشت (اکتوبر1954ء) کے مطابق 171 ملین ڈالر ہی ہوگی۔

4 ستمبر۔۔۔ نہر سویز کے بارے میں پاکستانی موقف

4 ستمبر کو مصر کے صدر ناصر نے "ٹائمز آف انڈیا" کے ایڈیٹر کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: "پاکستان کا وزیر خارجہ اسی کرسی پر بیٹھا تھا جس پر آپ بیٹھے ہیں اسی جگہ بیٹھ کر اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ مصر کے نقطۂ نظر کو درست سمجھتا ہے اور وہ (برطانیہ اور فرانس کی طرف سے نہر سویز کے انتظامات کے سلسلے میں بلائی گئی چوبیس ملکوں کی کانفرنس میں) لندن جا کر اس کی حمایت کرے گا۔ اس نے یہ وعدہ کس طرح نبھایا' یہ تمام دنیا کو معلوم ہے"۔ لندن کانفرنس کی مختصر روداد یہ تھی کہ اس میں شرکت کرنے والے ملک دو گروہوں میں بٹ گئے۔ اقلیتی گروہ (جس میں بھارت نے قائد کی حیثیت اختیار کرلی) مصر کے نقطۂ نظر کی حمایت کرتا تھا۔ پاکستان اس اکثریتی گروہ میں نہ صرف شامل ہوگیا جو نہر سویز پر بین الا قوامی کنٹرول کا حامی تھا بلکہ جو قرار داد منظور ہوئی وہ پاکستان کے وزیر خارجہ نے ہی پیش کی تھی۔

(حوالہ: 9)

9 ستمبر۔۔۔ ون یونٹ کی خفیہ دستاویز پر ہنگامہ

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ون یونٹ کے بارے میں خفیہ دستاویز' جسے مبینہ طور پر ممتاز دولتانہ نے تیار کیا تھا' پڑھنے پر ہنگامہ برپا ہوگیا۔

12 ستمبر۔۔۔ پاک۔ افغان تنازعہ کا حل

کابل میں پاکستانی سفارت خانے میں پاکستانی پرچم کی توہین کی آبرو مندانہ تلافی کے طور پر افغان حکومت نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا کہ افغانستان کے وزیر خارجہ کابل کے پاکستانی سفارت خانے میں' اپنے ہاتھوں سے پاکستانی پرچم لہرائیں گے۔ اگلے روز پورے اعزاز کے ساتھ پاکستانی پرچم لہرا دیا گیا۔

12 ستمبر۔۔۔ متوازی عوامی لیگ کا قیام

سرحد عوامی لیگ کے رہنماؤں۔۔۔ غلام محمد خان لونڈ خوڑ' پیر صاحب زکوڑی اور قاضی اسلم نے اپنے عوامی لیگ سے نکالے جانے کے بعد متوازی عوامی لیگ قائم کرلی۔

16 ستمبر۔۔۔ پاکستان جمہوری راستے پر

16 ستمبر 1955ء کو وزیراعظم پاکستان چوہدری محمد علی نے پر جوش انداز میں کہا کہ "ملک کو مضبوطی سے جمہوریت کی راہ پر ڈال دیا گیا ہے اور اب کوئی طاقت جمہوریت کو تباہ نہ کر سکے گی"۔

17 ستمبر۔۔۔ ون یونٹ بل پر بحث مکمل

دستور ساز اسمبلی میں ون یونٹ بل پر بحث ختم ہوگئی۔ اب اس پر شق وار بحث شروع ہوئی۔

17-26 ستمبر۔۔۔ عبدالغفار خان کی گرفتاری اور رہائی

16 ستمبر کو ون یونٹ کے خلاف صوبہ سرحد کا دورہ مکمل کرنے کے بعد خان عبدالغفار خان نے خان عبدالصمد خان اچکزئی کی دعوت پر' بلوچستان میں ون یونٹ کے خلاف مہم چلانے کا اعلان کیا۔ بلوچستان میں ان کے داخلے پر پابندی عائد تھی جسے انہوں نے توڑنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ 17 ستمبر کو بلوچستان کی سرحد میں داخل ہوتے ہی انہیں اور ان کے دو ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان دنوں مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ ان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب تھے۔ غفار خان 26 ستمبر کو مچھ جیل سے رہا کر دیئے گئے۔

19 ستمبر۔۔۔ غلام محمد نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا

گورنر جنرل غلام محمد نے' جو دو ماہ کی رخصت پر تھے' اپنی رخصت مکمل سے ایک ماہ پہلے ہی اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تاہم وہ اپنی رخصت مکمل ہونے پر 5 اکتوبر کو سبکدوش ہوئے۔ اس اثناء میں ملکہ الزبتھ نے ان کے استعفے کو منظور کرتے ہوئے۔ اسکندر مرزا کو مستقل گورنر جنرل بنانے کی منظوری دے دی۔

20 ستمبر۔۔۔ ون یونٹ پر عوام کی رائے معلوم کی جائے: سردار عبدالرشید

دستور ساز اسمبلی میں سردار عبدالرشید نے تجویز پیش کی کہ ون یونٹ کے نفاذ سے قبل قائم مقام گورنر جنرل رائے شماری کے ذریعے عوام کی رائے معلوم کریں۔ دستور ساز اسمبلی نے اس مطالبے کو مسترد کر

دیا۔

22 ستمبر--- کراچی بدستور مرکز کے زیر انتظام

کراچی کو ون یونٹ میں شامل کرنے کے خلاف سہروردی کے مطالبے کے بعد حکومت نے فیصلہ کیا کہ کراچی بدستور مرکز کے زیر انتظام رہے گا۔

23 ستمبر--- معاہدہ بغداد پر دستخط ہو گئے

23 ستمبر کو پاکستان نے ترکی اور عراق کے معاہدے (میڈو) میں تیسرے فریق کی حیثیت سے شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ عراق کو باقی عرب ملکوں سے الگ کر کے، عرب نصب العین کو شکست دینے کا جو الزام مغربی ممالک اور ترکی پر لگا رہے تھے اب پاکستان بھی اس الزام کی زد میں آگیا۔ دراصل جب سوویت یونین نے سب کو اس بات سے خبردار کر دیا کہ وہ اس علاقے کے معاملات میں حصہ لینے کے حق کو بروئے کار لائے گا اور یہ کہ وہ اس علاقے سے سوویت یونین کو دور رکھنے کی مغربی کوششوں کو قبول نہیں کرے گا تو امریکہ، ترک۔ عراق معاہدے میں پاکستان کی شرکت پر اچانک آمادہ ہو گیا اور امریکی اشارہ ملتے ہی 23 ستمبر کو پاکستان نے اس معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ چند روز بعد 11 اکتوبر کو ایران نے بھی معاہدہ بغداد میں شرکت اختیار کر لی۔

(حوالہ: 10،11)

25 ستمبر--- معاہدہ بغداد پر مکہ ریڈیو کی حیرت

معاہدہ بغداد میں پاکستان کی شمولیت کے اعلان پر مکہ معظمہ کے ریڈیو نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

28 ستمبر--- حزب اختلاف کے راہنماؤں کی تنخواہیں

حکومت پاکستان نے پہلی بار حزب اختلاف کے رہنماؤں کو تنخواہیں اور مکانات دینے کا فیصلہ کیا۔

30 ستمبر--- اسمبلی نے ون یونٹ کا بل منظور کر لیا

ستمبر کے آخری ہفتے میں بل پر شق وار بحث اور 29 ستمبر کو بل کی دوسری خواندگی مکمل ہونے کے بعد اگلے روز دستور ساز اسمبلی نے 13 کے مقابلے 43 ووٹوں سے ون یونٹ کے بل کی منظوری دے دی۔

اکتوبر 1955ء

یکم اکتوبر--- ون یونٹ ایکٹ پر گورنر جنرل نے دستخط کر دیئے

دستور ساز اسمبلی سے منظور شدہ ون یونٹ کے قیام کے ایکٹ پر گورنر جنرل اسکندر مرزا نے دستخط کر دیئے۔

4 اکتوبر--- دفعہ 92-الف کے خاتمے کا بل

دستور ساز اسمبلی میں دفعہ 92-الف کی تنسیخ کا بل پیش کر دیا گیا۔ اس دفعہ کے تحت صوبے کا گورنر کسی بھی وقت صوبے کی وزارت کو برطرف کر سکتا تھا۔ یہ بل اگلے روز منظور کر لیا گیا۔

6 اکتوبر--- اسکندر مرزا گورنر جنرل ہو گئے

غلام محمد کی رخصت پوری ہونے پر اسکندر مرزا نے پاکستان کے چوتھے اور آخری گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھا لیا۔

7 اکتوبر--- پنڈی سازش کیس کے اسیروں کی باقی ماندہ سزائیں معاف

نئے گورنر جنرل نے، ضمانت پر رہا راولپنڈی سازش مقدمے کی اسیروں کی باقی ماندہ سزائیں معاف کر دیں۔

9 اکتوبر--- جے۔ اے۔ رحیم سفیر ہو گئے

سیکرٹری وزارت خارجہ و دولت مشترکہ جناب جے۔ اے۔ رحیم کو وفاقی جرمنی میں پاکستان کا سفیر بنا دیا گیا۔ ان کی جگہ اسکندر علی بیگ سیکرٹری خارجہ مقرر ہوئے۔

11 اکتوبر--- دفعہ 92-الف منسوخ

گورنر کے حکم سے صوبائی حکومت کی برطرفی سے متعلق دفعہ 92-الف کو دستور ساز اسمبلی نے منسوخ کر دیا۔ 11 اکتوبر کو گورنر جنرل نے تنسیخ کی توثیق کر دی۔

14 اکتوبر--- صوبہ مغربی پاکستان کا قیام

13 اور 14 اکتوبر کی درمیانی شب بارہ بجے سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان، ریاستوں اور قبائلی علاقوں کا اپنا صدیوں پرانا تشخص ختم ہو گیا۔ ان کی جگہ ایک نیا صوبہ مغربی پاکستان وجود میں آگیا۔ صوبے کے پہلے گورنر، سابق پنجاب کے گورنر مشتاق احمد گورمانی مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر خان صاحب پہلے وزیر اعلیٰ بنے۔ دیگر وزراء میں میاں ممتاز دولتانہ، ایوب کھوڑو، سردار بہادر خان، سید عابد حسین اور سردار عبدالحمید دستی شامل

17 اکتوبر۔۔۔ پاکستان کا "محافظ"

پاکستان کو امریکی فوجی امداد کے تحت، امریکہ سے سرنگیں صاف کرنے والا ایک اور جہاز مل گیا جس کا نام "محافظ" رکھا گیا۔

18 اکتوبر۔۔۔ پاک۔ افغان تعلقات پھر کشیدہ

پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات پھر کشیدہ ہوگئے اور پاکستان نے اپنا سفیر کابل سے واپس بلا لیا۔ نئے صوبے مغربی پاکستان کے قیام پر افغان حکومت کے منفی رویے پر حکومت پاکستان نے کابل حکومت سے شدید احتجاج کیا تھا جسے افغانستان نے مسترد کر دیا اس کے نتیجے میں پاکستان کو اپنا سفیر واپس بلانا پڑا۔ ادھر چند روز کے اندر اندر ڈیورنڈ لائن پر افغان قبائلیوں کی نقل و حرکت شروع ہوگئی۔

نومبر 1955ء

3 نومبر۔۔۔ گوادر پاکستان کو مل جائے گا

دولت مشترکہ کے تعلقات کے برطانوی وزیر ارل آف ہوم چھ روزہ پاکستانی دورہ مکمل کر کے وطن واپس چلے گئے۔ اپنے قیام پاکستان کے دوران انہوں نے مشرق وسطیٰ کے ساتھ ساتھ گوادر کی پاکستان کو واپسی کے معاملے پر بھی بات چیت کی۔ پاک۔ افغان تعلقات کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ڈیورنڈ لائن بین الاقوامی سرحد ہے۔

9 نومبر۔۔۔ کراچی کے لئے سوئی گیس کا افتتاح

پاکستان کے گورنر جنرل اسکندر مرزا نے کراچی کے لئے سوئی گیس پائپ لائن کا افتتاح کیا۔

20 نومبر۔۔۔ مشرقی پاکستان میں پولیس ہڑتال اور گرفتاریاں

20 نومبر کو تنخواہوں میں اضافے، مہنگائی الاؤنس پر نظرثانی اور دیگر سہولتیں مہیا کرنے کے مطالبات پر پولیس نے احتجاجاً ہڑتال کر دی۔ مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق کے نامزد کردہ وزیراعلیٰ ابو حسین سرکار نے اس ہڑتال کو کمیونسٹ سازش کا نام دے کر گن تنتری دل کے لیڈر محمود علی اور دستور ساز اسمبلی کے آزاد رکن فضل الکریم اور دیگر متعدد جماعتوں کے کارکنوں کو گرفتار کرلیا۔ جب سرکار حکومت سے گرفتار شدگان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تو جواب ملا کہ سیاسی رہنماؤں کی گرفتاری مرکزی حکومت کی ہدایت کے تحت ہوئی ہے اس لئے صوبائی حکومت انہیں رہا نہیں کر سکتی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے دونوں مذکورہ ارکان کی گرفتاری ان دنوں ہوئی جب اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔

29 نومبر۔۔۔ ارکان اسمبلی کی گرفتاری پر تحریک التواء

میاں افتخار الدین نے دستور ساز اسمبلی میں دو ارکان اسمبلی جناب محمود علی اور فضل الکریم کی گرفتاری پر تحریک التواء پیش کی جسے سپیکر نے مسترد کردیا۔ سپیکر نے دلیل دی کہ اسمبلی کے قوانین میں اس قسم کے واقعات پر تحریک التواء پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

دسمبر 1955ء

9 دسمبر۔۔۔ افغانستان اپنی معاندانہ روش ترک کرے

معاہدہ بغداد کے رکن ملکوں نے افغانستان کو متنبہ کیا کہ وہ پاکستان کے خلاف اپنی معاندانہ کارروائیاں بند کر دے۔

10 دسمبر۔۔۔ کشمیر کے بارے میں بلگانن کا بیان

روسی وزیراعظم مارشل بلگانن کی طرف سے کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دینے پر پاکستانی وزارت خارجہ نے اسے پاکستان کے لئے غیر دوستانہ رویہ قرار دیا۔

11 دسمبر۔۔۔ ایک لاکھ افراد کے لئے ایک نرس

پاکستان میں ایک لاکھ افرد کے لئے صرف ایک سند یافتہ نرس کی خدمات دستیاب تھیں۔

13 دسمبر۔۔۔ پاکستان کے بارے میں سوویت لیڈروں کے بیان پر تنقید

کشمیر کو ہندوستان کا حصہ قرار دینے پر پاکستان میں تمام سیاسی حلقوں نے سوویت لیڈر شپ پر تنقید کی۔ وزیراعظم چوہدری محمد علی نے مسلم لیگ اور متحدہ محاذ کی مخلوط پارٹی کے اجلاس میں سوویت بیانات سے پیدا ہونے والی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اعصابی جنگ کا دائرہ پاکستان تک وسیع ہو چکا ہے۔ آزاد پاکستان پارٹی کے رہنماؤں نے بھی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ سوویت رہنماؤں نے کشمیر کے مسئلے سے متعلق حقائق سے بے خبری کا مظاہرہ کیا ہے۔

13 دسمبر۔۔۔ حسن ناصر رہا کر دیئے گئے

13 دسمبر کو حسن ناصر کو رہا کرتے ہوئے حکومت نے انہیں فوری طور پر دو سال کے لئے ملک بدر کر دیا۔ وہ 1951ء سے جیل میں تھے اور حکومت انہیں کیمونسٹ پارٹی سے لا تعلقی کی شرط پر رہا کرنے کے لئے تیار تھی لیکن حسن ناصر نے یہ شرط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

14 دسمبر۔۔۔ کشمیر کا تنازعہ ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق حل ہونا چاہئے: روسی رہنما

روسی رہنماؤں مارشل بلگانن اور خروشچیف نے ایک بیان میں یہ موقف اختیار کیا کہ کشمیر کا مسئلہ ریاست کے عوام کی خواہش اور مرضی کے مطابق حل ہونا چاہئے۔

19 دسمبر۔۔۔ افغانستان' پاکستان سے براہ راست بات کرے: آئزن ہاور

امریکی صدر آئزن ہاور نے افغانستان کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان سے تعلقات کی بحالی کے لئے میجر جنرل اسکندر مرزا سے براہ راست بات چیت کرے۔

19 دسمبر۔۔۔ دستور ساز اسمبلی کی تین سرکاری زبانیں

دستور ساز اسمبلی میں اسمبلی قوانین کی کمیٹی نے سفارش پیش کی کہ اسمبلی میں تین زبانیں۔۔۔ بنگلہ' اردو اور انگریزی سرکاری زبانیں ہونی چاہئیں۔

19 دسمبر۔۔۔ پولیس کی تعریف

گورنر جنرل میجر جنرل اسکندر مرزا نے پولیس کے کردار کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ امن و امان کے محافظ کے طور پر پولیس کو مکمل وفاداری' دیانت اور ڈسپلن کی علامت ہونا چاہئے۔ انہوں نے انگریز آئی جی پولیس سر او۔ جی۔ گریس کے کردار کو سراہا جنہوں نے پاکستانی پولیس کی ایک اعلیٰ تنظیم کھڑی کر دی۔

22 دسمبر۔۔۔ امریکہ میں پاکستانی فوجی افسروں کا تربیتی منصوبہ

امریکی بحریہ کے سربراہ ایڈمرل آرتھر ریڈ فورڈ پاکستان کے دورے کے سلسلے میں کراچی پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں پاکستانی مسلح افواج کے افسروں کی تربیت کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

24 دسمبر۔۔۔ انتخابات جلد کرائے جائیں: غفار خان

خدائی خدمت گار تحریک کے رہنما خان عبدالغفار خان نے چوہدری محمد علی سے ملک جلد سے جلد انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔

30 دسمبر۔۔۔ پاک۔ بھارت مذاکرات

پاکستان کے وزیراعظم چوہدری محمد علی اور بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو نے نئی دہلی میں مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی۔

جولائی 1957ء

10 جولائی ۔۔۔ وزیراعظم کا دورۂ امریکہ

پاکستان کے وزیراعظم امریکی دورے پر سپین سے واشنگٹن پہنچ گئے۔ امریکی صدر آئزن ہاور سے بات چیت کے دورن انہوں نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں بھی بات کی۔ پاکستانی رہنما نے امریکی وزیر خارجہ ڈلس اور وزیر دفاع ولسن سے بھی ملاقاتیں کیں۔ ایوان نمائندگان سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "بلاشبہ یہ میرے ملک کے لئے اعزاز ہے کہ ہم اس عظیم مہم میں' خود کو آپ کا اتحادی سمجھ سکتے ہیں' جو آپ نے شروع کر رکھی ہے۔ یہ دنیا میں انفرادی حقوق کو قائم کرنے' امن کو قائم رکھنے اور اسے فروغ دینے کی مہم ہے"۔ انہوں نے کہا کہ اگر امریکہ اور اس کی جدوجہد نہ ہوتی تو دنیا شاید اس وقت تک برباد ہو چکی ہوتی۔ نائب صدر نکسن نے کہا: "ہمارے مہمان (سہروردی) کے ملک سے بڑھ کر امریکہ کا کوئی دوست یا اتحادی نہیں ہے۔"

(حوالے: 35-36)

11 جولائی ۔۔۔ سر آغا خان انتقال کر گئے

اسماعیلی فرقہ کے رہنما اور قائداعظم کے ایک ساتھی سر آغا خان انتقال کر گئے۔ ان کے پوتے شہزادہ کریم کو اسماعیلیوں کا روحانی پیشوا مقرر کیا گیا۔

15 جولائی ۔۔۔ مغربی پاکستان میں ری پبلیکن وزارت بحال

مغربی پاکستان میں ری پبلیکن وزارت بحال کر دی گئی۔ لیکن وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ سردار عبدالرشید کو پارلیمانی پارٹی کا قائد منتخب کیا گیا۔ انہیں دو ماہ کے اندر اندر اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینا تھا۔

24 جولائی ۔۔۔ مرزا ابراہیم گرفتار

مزدور رہنما مرزا ابراہیم گرفتار کر لئے گئے۔

26 جولائی ۔۔۔ نیشنل عوامی پارٹی کا قیام

ڈھاکہ کے جمہوری کنونشن میں نیشنل عوامی پارٹی کے نام سے نئی سیاسی جماعت وجود میں آ گئی۔ اس سے قبل 23-21 جولائی کو گن تنتری دل کا کنونشن منعقد ہوا جس نے جمہوری کنونشن میں بھرپور شرکت کا ارادہ ظاہر کیا۔

جمہوری کنونشن کا رسمی اجلاس 26 جولائی کی صبح 8 بجے ڈھاکہ میں ہوا۔ مشرقی پاکستان سے سابق عوامی لیگی کارکن مولانا بھاشانی کی قیادت میں اور گن تنتری دل کے نمائندے جناب محمود علی کی قیادت میں کنونشن میں شریک تھے جبکہ مغربی پاکستان سے عوامی لیگ کے لیڈر محمودالحق عثمانی' ارباب عبدالغفور اور محمد افضل بنگش وغیرہ شریک تھے۔ پاکستان نیشنل پارٹی کی طرف سے میاں افتخار الدین' خان عبدالغفار خان' جی ایم سید' عبدالصمد خان اچکزئی' عبدالمجید سندھی او محمود علی قصوری جیسے رہنماؤں نے شرکت کی۔ روپ محل ڈھاکہ میں پاکستان بھر سے پندرہ سو مندوبین پر مشتمل کنونشن کا آغاز ہوتے ہی عوامی لیگ نے حملہ کر کے اسے درہم برہم کرنا چاہا۔ دوپہر تک یہی سلسلہ چلتا رہا لیکن ہال کے اندر مندوبین نے پورے صبر و ضبط سے جلسے کی کارروائی جاری رکھی۔

کنونشن کا زیادہ وقت نئی پارٹی کے نام اور پارٹی کے آئین کی شق وار بحث پر صرف ہوا۔ عوامی لیگ کے حلقے لفظ "عوامی" پر مصر تھے اور گن تنتری دل اور نیشنل پارٹی کے لیڈروں کا رجحان نیشنل کی طرف تھا۔ بالاخر پارٹی کا نام نیشنل عوامی پارٹی طے پایا۔ آئین پر بھی تفصیلی بحث ہوئی۔ خارجہ پالیسی میں طے پایا کہ عالمی سیاست میں دونوں بلاکوں سے ناوابستگی کی پالیسی اختیار کی جائے۔

شام ساڑھے چار بجے پلٹن میدان ڈھاکہ میں' مولانا بھاشانی کی صدارت میں نئی پارٹی کا جلسہ شروع ہوا تو یہاں بھی عوامی لیگ کے سینکڑوں کارکن پتھروں اور لاٹھیوں سے جلسے پر ٹوٹ پڑے۔ دس منٹ تک بڑی افراتفری کا عالم رہا۔ تب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ 144 لگانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود لوگ جلسہ گاہ میں تقریریں سننے کے منتظر بیٹھے رہے۔ جب مجمع منتشر نہ ہوا تو ڈی آئی جی پولیس کی درخواست پر مولانا بھاشانی اور دوسرے رہنما وہاں سے پارٹی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اکثر لوگ ان کے پیچھے چل پڑے جس سے ایک جلوس کی شکل بن گئی۔ راستے میں پھر ان پر پتھروں اور لاٹھیوں سے حملہ ہوا۔

ڈھاکہ کنونشن ایک طرف ملک بھر کے جمہوریت پسندوں کو ایک ملک گیر پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں کامیاب ہوا تو دوسری طرف' ملکی سیاست' محلاتی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے نکل کر عوام کے روبرو ہوئی۔ کنونشن کے رہنماؤں نے دعوئ کیا کہ نیشنل عوامی پارٹی ہی وہ واحد جماعت تھی جو ملک کے دونوں بازوؤں میں عوام سے جڑی ہوئی تھی۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ۔۔۔ "سیاسی جماعتیں"۔۔۔

(حوالہ: 37)

31 جولائی ۔۔۔ سہروردی مشرق وسطیٰ کے دورے پر

وزیراعظم سہروردی اپنے امریکی دورے سے واپسی پر لندن رکے'

جہاں سے وہ اسی روز مشرق وسطیٰ کے دورے پر بیروت روانہ ہو گئے۔ عمان میں انہوں نے اعلان کیا کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا۔

اگست 1957ء

یکم اگست ۔۔۔ عام انتخابات مارچ 58ء میں نہیں ہو سکتے: الیکشن کمیشن

یکم اگست کے اخبارات میں' الیکشن کمیشن کے شائع ہونے والے بیان میں حکومت اور وزراء پر یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ وہ صورت حال سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی یہ اعلان کر رہے ہیں کہ انتخابات مارچ 58ء میں ضرور ہوں گے۔ الیکشن کمیشن نے انتخابات میں تاخیر کی ذمہ داری حکومت پر ڈالتے ہوئے کہا کہ کمیشن کی تجویز یہ تھی کہ انتخابی فہرستوں کا کام گذشتہ موسم سرما میں شروع کر دیا جائے۔ الیکٹورل رولز ایکٹ جسے فروری میں منظور ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ 30 اپریل کو منظور ہوا اور ضوابط 25 مئی کو تیار ہوئے۔ یوں فہرست سازی کا جو کام مارچ اپریل میں شروع ہو جانا چاہئے تھا' یکم اگست کو شروع ہو سکا۔ علاوہ ازیں مغربی پاکستان میں سیلابوں اور مشرقی پاکستان میں بارشوں کے باعث انتخابات کے انعقاد میں مزید تاخیر ہو سکتی ہے۔

5 اگست ۔۔۔ گورنر عبوری اسمبلی نہیں توڑ سکتا: سپریم کورٹ

پاکستان کی سب سے بڑی عدالت نے پاکستان کے سب سے بڑے آئینی مسئلے پر اپنا فیصلہ دیتے ہوئے لکھا کہ گورنر کو عبوری اسمبلی توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ آیا کسی گورنر کو اپنے صوبے کی اسمبلی کی تنسیخ کا اختیار حاصل ہے یا نہیں اور یہ سوال پوچھنے کی نوبت اس وقت آئی تھی جب مغربی پاکستان کی عبوری اسمبلی میں ری پبلیکن پارٹی کی اکثریت ڈانوا ڈول ہو گئی تھی اور وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب نے گورنر سے اسمبلی توڑنے کو کہہ دیا تھا۔ گورنر نے اسمبلی صرف معطل کی تھی اور یہ مسئلہ فیصلے کے لئے صدر کو ارسال کر دیا تھا۔ صدر نے سپریم کورٹ کو ریفرنس بھیج دیا چنانچہ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ گورنر کو موجودہ اسمبلیوں کی تنسیخ کا اختیار نہیں (جن کی حیثیت عارضی اور عبوری ہے)۔

9-13 اگست ۔۔۔ وزیر اعظم کا دورۂ مشرقی پاکستان

وزارتی بحران پر قابو پانے کے لئے' صدر مملکت میجر جنرل اسکندر مرزا' وزیر اعظم سہروردی' پانچ مرکزی وزراء اور مغربی پاکستان کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب 9 اگست کو ڈھاکہ پہنچ گئے۔ وزارتی بحران کے سلسلے میں کراچی اور ڈھاکہ کے مذاکرات میں صدر مملکت کے علاوہ ملک کی تین سیاسی جماعتوں نے شرکت کی۔ سہروردی' عوامی لیگ کی قیادت کر رہے تھے' ان کے مشیروں میں مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ عطاالرحمان خان اور عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری شیخ مجیب الرحمان خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ ری پبلیکن پارٹی کی نمائندگی ڈاکٹر خان صاحب کر رہے تھے اور ان کے مشیروں میں سید امجد علی اور میاں جعفر شاہ شامل تھے۔ اس سے پیشتر ری پبلیکن پارٹی کے دوسرے رہنما (سردار عبدالرشید اور سید عابد حسین) کراچی میں یکجا ہو کر اپنی پارٹی کا موقف طے کر چکے تھے۔ تیسری جماعت اے۔ کے۔ فضل الحق گورنر مشرقی پاکستان کی کرشک سرامک پارٹی تھی۔ فضل الحق کی طرف سے ابو حسین سرکار' حمیدالحق چوہدری' عزیزالحق اور موہن میاں پیش پیش تھے۔ اس جماعت کا جھکاؤ ری پبلیکن پارٹی کی طرف تھا لیکن وہ عوامی لیگ سے بھی بات چیت کے لئے آمادہ تھی۔

تینوں پارٹیوں کے درمیان مذاکرات کی ناکامی کی جو تفصیلات اخباروں میں شائع ہوئیں ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ مخلوط وزارت بنانے کے سلسلے میں اصولوں اور لائحہ عمل کے اختلافات ناکامی کا سبب نہ بنے۔ دراصل اصول اور لائحہ عمل کا تو سوال ہی نہ اٹھا بلکہ اختلاف کی ساری بنیاد وزارتی کرسیاں تھیں۔ کرشک سرامک پارٹی کا مطالبہ تھا کہ مشرقی پاکستان کا وزیر اعلیٰ ان کی پارٹی سے ہو اور مرکز میں بھی انہیں چند کلیدی محکمے ملیں۔ عوامی لیگ اس کے لئے رضامند نہ تھی۔ مذاکرات کے دوران ری پبلیکن لیڈروں کی برابر یہ کوشش رہی کہ ان کا اور کرشک سرامک پارٹی کا متحدہ محاذ بن جائے۔

سیاسی حلقے سمجھتے تھے کہ مولانا بھاشانی اور ان کے رفقا کے عوامی لیگ سے نکل جانے کے باعث' جناب سہروردی کے سیاسی وقار کو جو دھچکا پہنچا تھا اسکی تلافی کرشک سرامک پارٹی کی مخلوط وزارت میں شرکت سے ہو جائے گی۔ اے۔ کے فضل الحق کی پارٹی نے بالاخر وزارت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور صدر مملکت کا طیارہ 9 اگست کی صبح جن مسافروں کو لے کر تیج گاؤں کے ہوائی اڈے کے لئے اڑا تھا' مایوسی کی فضا میں 13 اگست کو کراچی واپس پہنچ گیا۔

(حوالہ : 38)

14 اگست ۔۔۔ فوری انتخابات کرائے جائیں: فاطمہ جناح

محترمہ فاطمہ جناح نے پاکستان کی دسویں سالگرہ کے موقع پر عوام کے نام ایک بیان میں کہا کہ پاکستان چند جاہ طلب افرد کی شکار گاہ بننے کے لئے قائم نہیں کیا گیا تھا..... پاکستان قائم کیا گیا تھا تاکہ سماجی انصاف'

مساوات' اخوت' اجتماعی فلاح' امن' آشتی اور مسرت کے اعلیٰ مقاصد پورے ہوں۔ کیا ہم ان مقاصد کے قریب تر ہوئے ہیں؟ نہیں' بہت دور ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں ان کی مخالف سمت میں پھینک دیا گیا ہے۔ اس افسوسناک صورت حال کے پس پردہ کون ہے؟ آپ کو اس خفیہ ہاتھ کی گرفت کرنی ہے۔

مس جناح نے کہا کہ ذاتی مفادات کے حصول کے لئے گھناؤنی سودے بازی اور پس پردہ سازش کے قابل نفرت رجحان نے عوام کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ انہیں جمہوری حقوق کے استعمال سے روکنے کے لئے مسلسل کوششیں ہوتی رہی ہیں حالانکہ عوام ہی پاکستان کے حقیقی معمار اور تمام تر اختیارات کے امانت دار ہیں۔ اب آپ کے پاس ایک آئین ہے جس کے تحت آپ کو حقوق اور آزادیاں حاصل ہیں۔ یہ آئین جمہوری اداروں کے قیام میں مددگار ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود اس بات کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ آپ کی جمہوری خواہشات اور ولولوں کے آزادانہ اظہار سے پہلے ان کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ ان حالات میں آپ ایک پل کے لئے غافل نہیں ہو سکتے۔ عوام کو غیر جمہوری رجحانات مزید برداشت نہیں کرنے چاہئیں۔ مسائل کا حل ایک ہی ہے۔ فوری انتخابات کے لئے عوام کا مطالبہ پورا کیا جائے۔

16 اگست۔۔۔ نیوز پرنٹ فیکٹری میں فساد

کھلنا کے مقام پر زیر تعمیر نیوز پرنٹ فیکٹری میں فساد ہو گیا۔

19 اگست۔۔۔ پرائمری تعلیم حکومت کی تحویل میں

حکومت مشرقی پاکستان نے پرائمری تعلیم اپنی تحویل میں لے لی۔

19 اگست۔۔۔ امین احسن اصلاحی جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے

مولانا امین احسن اصلاحی نے اختلافات کی بنا پر جماعت اسلامی سے استعفیٰ دے دیا۔

22 اگست۔۔۔ قومی اسمبلی میں ہنگامہ

سفید براق شیروانی میں ملبوس باریش بزرگ سپیکر عبدالوہاب خان نے لکڑی کا تھوڑا اپنی میز پر بجاتے ہوئے زور زور سے اعلان کیا:-

"آئی رول دی موشن آؤٹ آف آرڈر۔ آئی رول اٹ آؤٹ' آئی رول اٹ بٹ اینڈ آئی رول اٹ آؤٹ۔۔۔"

ایوان میں رایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سپیکر کے بائیں طرف بیٹھے ہوئے ممبروں نے ایک ساتھ زور سے چلا کر کہا "کون سی تحریک؟ اور اس تحریک کو آپ کس قاعدہ کے تحت خلاف قاعدہ قرار دے کر مسترد کر رہے ہیں؟"

"نئے قواعد کے تحت۔ ذرا قواعد کی کتاب کھول کر پڑھیے" سپیکر نے ان ممبروں کو جھڑک دیا اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھ جانے کو کہا۔ یہ ممبر ایک لمحہ کے لئے بیٹھے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ اور آگ بگولہ ہو کر جواب دیا۔

"ہم نئے قوانین تسلیم نہیں کرتے۔ یہ قواعد ہماری تذلیل ہیں۔۔۔ اس ایوان کی توہین ہیں"۔

"میں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ کو ان قواعد کے خلاف بطور احتجاج استعفے دے دینا چاہئے" سپیکر نے کہا۔

میاں افتخار الدین نے کہا۔۔۔ "آپ نے اس عرصہ میں اتنے ملکوں کا دورہ کیا ہے۔ کہیں آپ نے کسی پارلیمنٹ میں یہ دیکھا کہ سپیکر کرسی سنبھالتے ہی کہنا شروع کر دے میں مسترد کرتا ہوں۔ میں مسترد کرتا ہوں۔ ممبروں کو تحریک بتائے بغیر اور انہیں اس کی وضاحت کا موقع دیئے بغیر۔۔۔"

اس پر ایوان میں اس زور کا ہنگامہ برپا ہوا کہ بیس منٹ تک کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ حزب اختلاف کے ارکان ایک ساتھ نئے قواعد کے خلاف تقریریں کئے جا رہے تھے اور سپیکر کھڑے گھنٹی بجا بجا کر انہیں خاموش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔ ادھر سرکاری بنچوں پر مخلوط پارٹی کے اراکین خاموش بیٹھے بڑی دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

(حوالہ: 39)

27 اگست۔۔۔ عوامی نمائندگی اور انتخابی فہرستوں کے بل منظور

قومی اسمبلی نے 27 اگست کو عوامی نمائندگی کا بل اور انتخابی فہرستوں کا ترمیمی بل منظور کر لیا۔ ان بلوں کی منظوری کے موقع پر ایک خوشگوار تبدیلی یہ نظر آئی کہ سرکاری بنچوں کا رویہ حزب اختلاف کی طرف دوستانہ تھا۔ طرفین کے درمیان تعاون اور مفاہمت کی فضا موجود تھی۔ ان بلوں کی منظوری سے وہ پیچیدگیاں رفع ہو گئیں جو پاکستان کے پہلے عام انتخابات کے انعقاد میں حائل ہو سکتی تھیں۔ ان بلوں کی منظوری سے ملک کے دونوں حصوں میں انتخابات کا بیک وقت انعقاد ممکن ہو گیا۔ اسی طرح ملک کی ایک بڑی تعداد کو ناخواندگی کے عذر کی بنا پر انتخابات میں حصہ لینے سے روکنے کی کوشش بھی ناکام بنا دی گئی۔ مذہبی اور فرقہ وارانہ مسائل کو انتخابی موضوع بنانے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ کسی نہ کسی پہلو سے سرکاری مراعات کا سہارا لینے والوں کو قومی یا صوبائی

اسمبلیوں کے انتخابات میں حصہ لینے کا اہل نہ سمجھا گیا۔ انتخابی فہرستوں کے ترمیمی بل میں قبائلی علاقوں میں زائد نشستوں کے ذریعے ان علاقوں کو مزید نمائندگی کا مستحق سمجھا گیا۔

27 اگست۔۔۔ گورمانی گورنر کے عہدے سے مستعفی ہوگئے

میاں مشتاق احمد گورمانی مغربی پاکستان کے گورنر کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ صدر اسکندر مرزا نے ان کا استعفیٰ منظور کر لیا۔ وزارت دفاع کے سیکرٹری اختر حسین، گورمانی کی جگہ مغربی پاکستان کے مقرر کر دیئے گئے۔

ستمبر 1957ء

یکم ستمبر۔۔۔ کشمیر کے معاملے میں امریکہ غیر جانبدار رہے گا

یکم ستمبر کے اخبارات نے یہ اطلاع شائع کی کہ امریکہ کے نائب وزیر خارجہ مسٹر ولیم رونتری نے پاکستانی سفیر محمد علی بوگرہ کو مطلع کر دیا کہ امریکی حکومت، تنازعہ کشمیر کے معاملے میں بالکل غیر جانبدار رہے گی۔ جب اس اطلاع کے بارے میں وزیراعظم سہروردی سے سوال کیا گیا تو انہوں نے خبر کی صداقت پر شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ اخباروں میں شائع ہوا ہے وہ امریکی حکومت کا سرکاری بیان نہیں ہے۔ انہوں نے نہایت اعتماد سے کہا کہ امریکہ کشمیر کے معاملے میں غیر جانبدار نہیں رہے گا بلکہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کی حمایت کرے گا۔ اس کے صرف ایک روز بعد پاکستان کے وزیر خارجہ ملک فیروز خان نون نے انکشاف کیا کہ کشمیر کے سوال پر صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ روس سمیت سلامتی کونسل کے تمام ممبر ملک غیر جانبدار رہیں گے۔

2 ستمبر۔۔۔ سہروردی کے لاہور اور ڈھاکہ کے دورے

2 ستمبر کو وزیراعظم سہروردی کا طیارہ لاہور کے ہوائی اڈے پر اترا۔ وزیراعظم دوبارہ طیارے میں سوار ہوئے۔ اور دو گھنٹے تک پنجاب کے سیلاب زدہ علاقے پر پرواز کرنے کے بعد 12 بجکر 45 منٹ پر واپس ہوئے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں کھانا کھایا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں پر صوبائی وزراء اور حکام سے بات چیت کی اور پھر کراچی پرواز کر گئے جہاں ان کی اگلی منزل ڈھاکہ تھی تاکہ اسمبلی میں حکمران جماعت عوامی لیگ پارٹی کی نازک پوزیشن کو سنبھالنے کے لئے کرشک سرامک پارٹی سے مذاکرات کر سکیں۔ کرشک سرامک پارٹی کا ایک گروپ ابو حسین سرکار کی قیادت میں مذاکرات کا مخالف تھا جبکہ دوسرا گروپ اے۔ کے۔ فضل الحق کے بھانجے عزیز الحق کی سرکردگی میں وزارت میں شرکت کا حامی تھا۔

سہروردی نے میمن سنگھ، باری سال، کھلنا، کشتیا، بوگرہ، راجشاہی اور سلہٹ میں عام جلسے کئے۔ وزیراعظم نے سیلاب زدہ پنجاب کے دارالحکومت میں تین گھنٹے اور مشرقی پاکستان میں دس دن تک ٹھہرنے کا فیصلہ وزارتی بحران کے سبب کیا تھا۔

4 ستمبر۔۔۔ سیلاب کے نقصانات

ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا کہ پنجاب میں آنے والے سیلاب سے دس کروڑ روپے کا نقصان ہوا اور اس کا چار ہزار مربع میل علاقہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے متاثر ہوا تھا۔

7 ستمبر۔۔۔ گورمانی بنام سلہری

سابق گورنر مغربی پاکستان میاں مشتاق احمد گورمانی نے "ٹائمز آف کراچی" کے ایڈیٹر زیڈ اے سلہری کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دیا۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سماعت منظور کر لی۔

9 ستمبر۔۔۔ سی ای گبن نے سپیکر کے فرائض سنبھال لئے

سی ای گبن نے 9 ستمبر سے قومی اسمبلی کے سپیکر کے فرائض سنبھال لئے۔

11 ستمبر۔۔۔ عام انتخابات کی قطعی تاریخ مقرر کی جائے

خاتون پاکستان محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم کی برسی کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے عام انتخابات کی قطعی تاریخ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔

14 ستمبر۔۔۔ کرشک سرامک پارٹی کے سربراہ کا پارٹی سے اخراج

کرشک سرامک پارٹی کا عزیز الحق دھڑا، جو سہروردی وزارت کے ساتھ مفاہمت کے لئے آمادہ تھا اور شرائط طے کر رہا تھا، اسے پارٹی سے نکال دیا تھا۔ نکالے جانے والوں میں پارٹی کے سربراہ عزیز الحق، چیف وہپ میاں عبدالحافظ، یوسف علی چوہدری اور پارٹی کے جنرل سیکرٹری عبداللطیف بسواس شامل تھے۔ دوسرے دھڑے نے عوامی لیگ کے ساتھ کسی قسم کے اشتراک سے انکار کر کے ابو حسین سرکار کو اپنا نیا صدر چن لیا۔

14 ستمبر۔۔۔ تعطل کے بعد مغربی پاکستان اسمبلی کا پہلا اجلاس

کئی ماہ کے تعطل کے بعد 14 ستمبر کو مغربی پاکستان اسمبلی کا پہلا اجلاس

سپیکر فضل الٰہی چوہدری کی صدارت میں شروع ہوا۔

17 ستمبر۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں ون یونٹ کے خاتمے کی تجویز منظور

ون یونٹ ختم کر کے صوبہ مغربی پاکستان کو چار یا زائد یونٹوں میں تقسیم کرنے کے حق میں ایک قرار داد مغربی پاکستان اسمبلی میں غلام مصطفٰے خان بھرگڑی نے پیش کی جس کی تائید جی ایم سید نے کی۔ میاں محمد شفیع نے قرار داد کی مخالف کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک غیر نمائندہ اسمبلی ہے جس سے چھ کروڑ عوام کے مستقبل کا تعین کروایا جا رہا ہے۔ قرار داد کے حق اور مخالفت میں بھرپور بحث کے بعد جب رائے شماری ہوئی تو قرار داد کے حق میں 170 اور مخالفت میں چار ووٹ پڑے۔ مخالفانہ ووٹ مین محمد شفیع' رانا غلام صابر' پیرزادہ شاہنواز جمال الدین اور مسز ایس۔ پی سنگھا کے تھے۔

(حوالہ: 40)

17 ستمبر۔۔۔ بلوچ سرداروں کی یاداشت

17 ستمبر کو بلوچ قبائلی سرداروں نے خان قلات کو ایک درخواست پیش کی جس میں حکومت پاکستان سے وفاداری کا دم بھرتے ہوئے اور پاکستان کے لئے دی جانے والی قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے چند اہم معروضات شامل تھیں۔ ون یونٹ کے نظریے سے اتفاق کرتے ہوئے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا گیا کہ "یہ وحدت ہمیں اس خطرناک راہ پر لے جا رہی ہے جس کے کہ ہم اپنی صدہا سالہ قومی روایات' بلوچی دستور حیات اور مخصوص رسم و رواج کے تحت عادی نہیں ہیں اس لئے یہ ہمیں کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔" چنانچہ مطالبہ کیا گیا کہ ان مخصوص حالات اور رسم و رواج کے پیش نظر' سابق صوبہ سرحد کے قبائلی عوام کی طرح' بلوچوں کو بھی علیحدہ رکھ کر' انہیں ویسی ہی تمام مراعات دی جائیں۔

ان مطالبات کے جواب میں خان قلات نے سرداروں کو یقین دلایا کہ صدر پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا' چونکہ قبائلی امور کے پرانے ماہر ہیں اسلئے وہ ان مطالبات پر پوری ہمدردی سے غور کریں گے۔ خان نے سرداروں کو صبر و سکون سے جواب کا انتظار کرنے کی تلقین کی۔

(حوالہ: 41)

21 ستمبر۔۔۔ سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کی خفیہ نگرانی

21 ستمبر کو مغربی پاکستان اسمبلی میں حزب مخالف کے لیڈر سردار بہادر خان نے انکشاف کیا کہ مغربی پاکستان میں سی آئی ڈی 867 سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کی خفیہ نگرانی کرتی ہے۔ ان کے خطوط سنسر کرتی ہے اور ٹیلیفون پر ان کی گفتگو سنتی ہے۔ سردار بہادر خان نے کہا کہ جن لوگوں کی خط و کتابت سنسر اور ٹیلیفون ٹیپ کئے جا رہے ہیں ان میں محترمہ فاطمہ جناح' ڈاکٹر خان صاحب' میاں افتخار الدین' جی ایم سید' سابق میجر جنرل اکبر خان' سابق ایئر کموڈور جنجوعہ' شیخ حسام الدین' میاں مشتاق احمد گورمانی' خان عبدالغفار خان' خان عبدالصمد خان اچکزئی' چودھری غلام عباس' قومی اور صوبائی اسمبلی کے تمام مسلم لیگی ارکان اور خود سردار بہادر خان کے نام شامل تھے۔

اسی قسم کا الزام اب سے ایک سال پیشتر کراچی کی سی آئی ڈی پر لگایا گیا تھا اس وقت یہ انکشاف ہوا تھا کہ وزیر داخلہ یا امور داخلہ کے سیکرٹری کو اطلاع دیئے بغیر سی آئی ڈی کراچی کے 124 آدمیوں کے' جن میں وزیر اور اعلیٰ افسر بھی شامل تھے' ٹیلیفون ٹیپ کرتی اور ان کی ڈاک کھولتی تھی حکومت نے اس وقت تحقیقات کا وعدہ کیا تھا لیکن پھر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا --- تازہ معاملے میں بھی وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید نے پہلے تو اس خفیہ مراسلے سے لاعلمی ظاہر کی اور پھر وعدہ کیا کہ وہ تحقیقات کرائیں گے اور دیکھیں گے کہ اس قسم کی ناجائز کارروائی نہ کی جائے۔

(حوالے: 42'43)

23 ستمبر۔۔۔ ون یونٹ۔۔ کوئی ردوبدل نہیں ہو گا: اسکندر مرزا

مغربی پاکستان اسمبلی میں 17 ستمبر کو ون یونٹ کے خاتمے کی سفارش کے بارے میں جو قرار داد منظور ہوئی تھی اس پر سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے صدر اسکندر مرزا نے ایک بیان میں کہا کہ مغربی پاکستان اسمبلی نے صوبہ مغربی پاکستان کی ساخت میں رد و بدل کے متعلق جو سفارشی قرار داد منظور کی تھی' وہ تشویشناک ہے۔ صدر نے کہا کہ انہوں نے اس بارے میں وزیراعظم سہروردی سے مشورہ کیا ہے اور دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ مرحلے پر آئین میں کوئی رد و بدل کرنا ممکن نہیں۔ پاکستان کے سیاسی استحکام کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ نئے انتخابات جلد از جلد ہوں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب آئین اپنی موجودہ شکل میں برقرار رہے۔ وزیراعظم نے بھی اس مسئلے کا نوٹس لیتے ہوئے سردار عبدالرشید اور ڈاکٹر خان صاحب کو کراچی طلب کر لیا۔ وزیراعظم نے ایک الگ بیان میں' جو انہوں نے ریڈیو پاکستان کے لئے ریکارڈ کروایا تھا' مغربی پاکستان اسمبلی میں منظور ہونے والی اینٹی ون یونٹ قرار داد کے خلاف سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں جو 1958ء کے انتخابی پروگرام کو درہم

برہم کرے۔ "اس معاملے میں میری اور صدر کی ایک ہی رائے ہے"۔ انہوں نے کہا کہ اگر آئین میں اس قدر تبدیلی کر دی گئی تو 1958ء میں انتخابات کرانا ناممکن ہو گا بلکہ وہ 1960ء تک بھی نہیں ہو سکیں گے۔

23-25 ستمبر۔۔۔ ون یونٹ --- ردعمل کے سلسلے

ون یونٹ کے خاتمے کے سلسلے میں مغربی پاکستان اسمبلی کی قرار داد کے خلاف صدر اور وزیراعظم کے بیانات کے بعد قرار داد کے حق اور مخالفت میں بیانات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈر جی۔ ایم۔ سید نے وزیراعظم سہروردی کے بیان کو "غیر جمہوری' غیر معقول' بلا جواز اور آمرانہ" قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ خود سہروردی نے یہ تسلیم کیا تھا کہ ون یونٹ ناکام ہو گیا ہے۔

مولوی تمیز الدین خان نے ون یونٹ کے خلاف نیپ --- ری پبلیکن اتحاد پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ انتخابات کو ہر چیز پر اولیت ملنی چاہئے۔

25 ستمبر کو مرکزی کابینہ کے ایک ری پبلیکن وزیر میر غلام تالپور نے کہا کہ ون یونٹ کے سوال پر وزیراعظم کے دلائل بالکل غلط اور ناقابل قبول ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغربی پاکستان اسمبلی کی سفارش کے مطابق فوری عمل کرنے سے انتخابات میں کوئی خاص تاخیر نہ ہو گی اور اگر تاخیر ہو تب بھی ری پبلیکن پارٹی اس بارے میں قول دے چکی ہے اور اس سمجھوتے کی پابند ہے کہ ایک یونٹ کو چار خودمختار صوبوں کی ذیلی فیڈریشن میں تبدیل کرنے کے لئے فوری قدم اٹھایا جائے۔

27 ستمبر۔۔۔ انتخابی حد بندیوں کا اعلان

مغربی پاکستان کی انتخابی حد بندیوں کا اعلان کر دیا گیا۔

اکتوبر 1957ء

3 اکتوبر۔۔۔ عام انتخابات پھر ملتوی

چیف الیکشن کمشنر مسٹر ایف ایم خان نے راولپنڈی میں اعلان کیا کہ عام انتخابات اب نومبر میں منعقد ہوں گے۔

4 اکتوبر۔۔۔ ری پبلیکن وزیر کی بغاوت

25 ستمبر کو مرکزی کابینہ کے ایک ری پبلیکن وزیر میر غلام علی تالپور نے ون یونٹ کے سلسلے میں وزیراعظم کے ایک جوابی بیان میں کہا کہ وزیراعظم کے دلائل بالکل غلط اور ناقابل قبول ہیں۔ اول تو مغربی پاکستان اسمبلی کی سفارش کے مطابق فوری عمل کرنے سے انتخابات میں کوئی تاخیر نہ ہو گی اور اگر تاخیر ہو تب بھی ری پبلیکن پارٹی اس بارے میں قول دے چکی ہے اور اس سمجھوتے کی پابند ہے کہ ایک یونٹ کو چار خودمختار صوبوں کی ذیلی فیڈریشن میں تبدیل کرنے کے لئے فوری قدم اٹھایا جائے۔

8 اکتوبر۔۔۔ قلات کے معاملات

ستمبر 57ء میں بلوچستان کے قبائلی سرداروں نے خان قلات کو اپنے مطالبات کی ایک یادداشت پیش کی تھی۔ خان نے 8 اکتوبر 1957ء کو صدر اسکندر مرزا اور بلوچ سرداروں کے درمیان ملاقات کا انتظام کر دیا۔ اس ملاقات۔ میں مری بگٹی اور ڈیرہ غازی خان کے سات سرداروں سمیت کل 45 سردار شریک ہوئے۔ وفد نے اپنی مندرجہ ذیل تکالیف بیان کیں اور مطالبات پیش کئے۔

1..... بلوچ قبائل کو ان کی قدیم روایات کے مطابق زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے۔

2..... ان کے تاریخی رسوم و رواج' ان کی مرضی معلوم کئے بغیر تبدیل نہ کئے جائیں۔

3..... ان بلوچ قبائل صدیوں سے ریاست قلات اور خان اعظم کے زیر انتظامیہ رہتے چلے آرہے ہیں۔ اس انتظام کو جاری رہنے دیا جائے تاکہ خان اپنی زیر قیادت بتدریج تبدیلیاں لائیں اور وہ اس طرح پاکستان کے قابل فخر شہری بن سکیں۔

4..... بلوچ علاقوں کی ترقی کے لئے منظور کی جانے والی رقومات ان کے مشورے سے خرچ کی جائیں۔

5..... بلوچ سٹیٹس یونین کی تشکیل کے بعد حکومت پاکستان نے ترقیاتی منصوبوں پر 8 کروڑ روپیہ خرچ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ صدر ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دے کر معلوم کریں کہ یہ رقم کن منصوبوں پر خرچ ہوئی ہے۔ حقیقت میں ایک کروڑ روپیہ بھی خرچ نہیں ہوا اور باقی رقم افسروں نے خرد برد کرلی ہے۔

یہ مفروضات سننے کے بعد صدر نے وفد سے خطاب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اہم نکات پیش کئے۔

1..... ریاست قلات کی سابقہ حالت میں بحالی کے لئے اس کی قانونی پوزیشن کا جائزہ لیا جائے گا۔

2..... اس سلسلے میں ایک بین الاقوامی وکیل کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔

3..... یہ ثبوت فراہم کیا جائے کہ بلوچ عوام اپنی ریاست کی بحالی چاہتے ہیں۔

4..... قدیم رسوم و روایات سے متعلق مطالبات کا قانونی طور پر جائزہ لیا جائے گا۔

5..... خان قلات کی پاکستان کے لئے گرانقدر خدمات کے پیش نظر بلوچوں کو چاہئے کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق کام کریں اور پاکستان کی بہتری اور تعمیر کے لئے محنت کریں۔

وفد 7 سے 20 اکتوبر تک صدر کا مہمان رہا۔ صدر نے خان قلات کو ہدایت کی کہ:

1..... وہ کسی بین الاقوامی شہرت یافتہ وکیل سے رائے لیں کہ ریاست قلات کی بحالی سے ون یونٹ کی قانونی حیثیت پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا۔

2..... وہ ریاست کی بحالی کے سوال پر بلوچ عوام کے ریفرنڈم کا جائزہ لیں۔

وفد مطمئن ہو کر بلوچستان واپس آگیا۔

(حوالہ: 44)

9 اکتوبر--- محکمہ ڈاک کی ہڑتال

محکمہ ڈاک و تار کے ڈائریکٹر جنرل نے 9 اکتوبر کی صبح سے ہر قسم کی رجسٹریوں' منی آرڈروں اور پارسلوں کی بکنگ بند کر دی۔ یہ اقدام محکمہ ڈاک و تار کے ملازمین کی متوقع ہڑتال کے سبب اٹھانا پڑا۔ آل پاکستان پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف یونین نے حکومت کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے تھے جن میں تنخواہوں پر نظرثانی' گرانی الاؤنس اور ملازمت کے بیشتر حالات شامل تھے۔ حکومت کی طرف سے کسی قسم کا غور نہ ہونے پر ملازمین نے 12 ستمبر سے ہڑتال کا نوٹس دے دیا۔ حکومت نے اس نوٹس کا جواب تک نہ دیا۔ نہ مصالحتی بات چیت کے لئے کوئی قدم اٹھایا۔ حتیٰ کہ اس نے اس معاملے کو صنعتی ٹریبونل کے حوالے تک نہ کیا۔ حکومت کی اس سردمہری کے باوجود یونین کے ارکان نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس ہڑتال سے ملک کو کوئی نقصان نہ ہو' 24 ستمبر کو یہ مطالبہ کیا کہ پے کمیشن کے تقرر کا سرکاری طور پر اعلان کیا جائے تو ملازمین ہڑتال نہیں کریں گے۔ لیکن پے کمیشن کے تقرر کا اعلان کرنے کی بجائے سرکاری طور پر 9 اکتوبر کی صبح سے ہر قسم کی رجسٹریوں' منی آرڈروں اور پارسلوں کی بکنگ بند کر دی گئی۔

(حوالہ: 45)

11 اکتوبر--- سہروردی مستعفی

کئی ماہ سے چلے آنے والے وزارتی بحران کا نتیجہ اس طرح سامنے آیا کہ' 11 اکتوبر کو وزیراعظم سہروردی اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ واقعات کے مطابق 10 اکتوبر کی رات سہروردی نے صدر اسکندر مرزا کو ایک خط ارسال کیا جس میں درخواست کی گئی کہ وہ 24 اکتوبر کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کریں۔ سہروردی کے اپنے لفظوں میں "مجھے یقین تھا کہ میں اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا"_ لیکن وزیراعظم کے مشرقی پاکستانی رفقا نے ان کی خواہش کے خلاف اس خط کی نقل اخبارات میں چھپنے کے لئے بھیج دی۔ اگلی صبح صدر نے وزیراعظم کا خط کھولنے سے بھی پہلے یہ خبر پڑھ لی اور آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے سے انکار کر دیا اور وزیراعظم کو ساڑھے دس بجے تک مستعفی ہونے یا حکم عدولی کی صورت میں برطرف کر دینے کی دھمکی دی۔ سہروردی لکھتے ہیں "میں نے کچھ تو برطرفی کی ذلت سے بچنے کے لئے اور کچھ یہ بتانے کے لئے کہ پاکستان میں ایسے وزراء کی کمی نہیں جو اصولوں کے لئے عہدہ چھوڑ سکتے ہیں' استعفیٰ دے دیا۔"

وزیراعظم کے استعفے کی خبر اتنی اچانک تھی کہ عوام سناٹے میں رہ گئے۔ کراچی یونیورسٹی کے طلباء نے "ڈان" میں پورے صفحے کا ایک طنزیہ اشتہار شائع کرایا جس میں ایسے امیدواروں سے درخواستیں طلب کی گئی تھیں جو وزیراعظم پاکستان کے "عارضی ترین" عہدے کی خواہش رکھتے ہوں اور کسی نوٹس کے بغیر برطرفی کے لئے آمادہ ہوں۔

(حوالہ: 46)

13 اکتوبر--- موت ٹیکس کا خاتمہ

گزشتہ ہفتے حکومت مغربی پاکستان نے فیصلہ کیا کہ آئندہ زرعی زمینوں پر سے موت ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ موت ٹیکس متوفی افراد کی وراثت میں جانے والی جائیداد پر لگایا جاتا تھا اور اس کا نفاذ 1950ء میں ہوا تھا۔ ایک لاکھ سے کم مالیت کی جائیدادوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ حکومت کی صنعتی پالیسی کے مطابق صنعتی نوعیت کی بہت سی جائیدادیں بھی اس سے مستثنیٰ تھیں۔

17 اکتوبر--- چندریگر کو نئی وزارت تشکیل دینے کی دعوت

صدر اسکندر مرزا نے 17 اکتوبر کو آئی۔ آئی۔ چندریگر کو نئی وزارت تشکیل دینے کی پیشکش کی۔ 18 اکتوبر کو چندریگر اور ان کی کابینہ نے حلف اٹھا لیا۔ مخلوط کابینہ میں ری پبلیکن پارٹی کے 7' مسلم لیگ کے 4' کرشک سرامک پارٹی کے تین اور ایک آزاد وزیر شامل ہوئے۔

20 اکتوبر--- فیروز خان نون نے امریکہ میں حلف اٹھایا

چندریگر وزارت کے ایک رکن وزیر خارجہ فیروز خان نون نے 20 اکتوبر کو نیویارک میں اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا جسے علامتی اور واقعاتی طور پر اہم قرار دیا گیا۔

31 اکتوبر--- علامہ مشرقی گرفتار

خاکسار تحریک کے لیڈر علامہ عنایت اللہ مشرقی گرفتار کر لئے گئے۔

نومبر1957ء

2نومبر۔۔۔ ڈاکٹر خان صاحب کی "انقلابی کونسل"

اپنے آبائی گاؤں اتمان زئی میں ری پبلیکن کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب نے اعلان کیا کہ وہ بیباکانہ طور پر 'انقلابی کونسل' کی تبلیغ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر انتخابات میں تاخیر ہو تو عوام کو چاہئے کہ اپنے طور پر انقلابی کونسل بنالیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کے انقلابی تصور کا ماحصل دراصل یہ تھا کہ پاکستان میں جمہوریت کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ اس لئے ملک کے سیاسی استحکام کی خاطر انتظامیہ کی اصلاح' نظم ونسق کی بہتری اور عوام کی فلاح کے لئے مناسب یہی ہے کہ غاصب اور بد دیانت لیڈروں سے نجات حاصل کی جائے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ تمام سیاسی پارٹیاں توڑ دی جائیں۔ جمہوری ادارے معطل کر دیئے جائیں اور مملکت کے تمام سیاہ و سپید کا مالک چند دیانت دار افراد کی انقلابی کونسل کو بنا دیا جائے۔

ڈاکٹر خان صاحب نے انقلابی کونسل کی تجویز گذشتہ اگست میں بھی پیش کی تھی لیکن جب ان کے اپنے سیاسی رفقاء نے اس کے خلاف بیان جاری کئے تو پہلے انہوں نے اسے محض ایک 'ٹیبل ٹاک' قرار دیا اور بعد میں اپنی اس تجویز سے ہی مکر گئے تھے۔

(حوالہ: 47)

3نومبر۔۔۔ جمہوریت کے لئے متحد ہو جائیں: بھاشانی

نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ مولانا عبدالحمید خان بھاشانی نے پاکستان کے دونوں حصوں کے عوام سے اپیل کی کہ وہ ہر اس کوشش کو ناکام بنا دیں جو عوام کی خود مختاری کو نقصان پہنچانے یا جمہوریت کے ارتقا کو الٹی طرف پھیرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔

6نومبر۔۔۔ انتخابات نومبر58ء میں ہوں گے

وزیراعظم آئی آئی چندریگر نے اعلان کیا کہ ملک کے پہلے عام انتخابات نومبر58ء میں ہوں گے۔ اس سے قبل الیکشن کمیشن بھی نومبر 58ء میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان کر چکا تھا۔

10نومبر۔۔۔ سٹیمر کمپنیوں کے ملازموں کی ہڑتال

مشرقی پاکستان کی سٹیمر کمپنیوں کے 10 ہزار ملازمین نے ہڑتال کر دی۔

8 نومبر کو ان جہازی مزدوروں کی یونین نے جائنٹ سٹیم کمپنی کی انتظامیہ اور مزدوروں کے باہمی تنازعات کے تصفیے کے لئے عدالتی ٹربیونل مقرر کرنے کی سرکاری تجویز رد کر دی تھی۔

10نومبر۔۔۔ امریکی امداد پر زندہ رہنے کی ذہنیت ترک کی جائے: بھاشانی

نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مولانا بھاشانی نے کراچی میں کہا کہ امریکی امداد کے سہارے زندہ رہنے کی ذہنیت ترک کر دی جائے۔

15نومبر۔۔۔ نہری پانی کا مسئلہ

حکومت پاکستان نے ہندوستان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا کہ سندھ آب پاشی نظام کی نہروں میں پانی جاری رکھنے کے لئے ایک کروڑ سات لاکھ روپے ادا کئے جائیں۔

16نومبر۔۔۔ گراہم کو پھر پاک و ہند بھیجا جائے

برطانیہ' امریکہ اور تین دوسرے ممالک نے اقوام متحدہ میں اس مضمون کی ایک قرار داد پیش کی کہ ڈاکٹر گراہم کو مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنے کے لئے ایک بار پھر ہندو پاکستان بھیجا جائے۔

(حوالہ: 48)

19نومبر۔۔۔ یحیٰی خان کی ترقی

بریگیڈیئر آغا محمد یحیٰی خان اور بریگیڈیئر وصال محمد خان کو میجر جنرل بنا دیا گیا۔

(حوالہ: 49)

21نومبر۔۔۔ طریق انتخاب پر بحث نہ کی جائے: ڈاکٹر خان صاحب

ری پبلیکن پارٹی کے صدر ڈاکٹر خان صاحب نے وزیراعظم چندریگر کے نام ایک تار میں کہا کہ وہ طریق انتخاب سے متعلق نئے مسودۂ قوانین کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں پیش نہ کریں۔ چندریگر' مخلوط طریق انتخاب کی جگہ جداگانہ طریق انتخاب پر مصر تھے اور اسمبلی کے آئندہ اجلاس (منعقدہ 28 نومبر) میں اس کی منظوری حاصل کرنا چاہتے تھے جبکہ ری پبلیکن پارٹی کا مطالبہ یہ تھا کہ اس بحث کو اسمبلی میں نہ لے جایا جائے۔ اس اثناء میں صدر مملکت نے صلاح مشورے کے لئے کراچی میں اجلاس طلب کر لیا۔ جہاں 25 نومبر کو مسلم لیگ اور ری پبلیکن پارٹی کے درمیان مذاکرات شروع ہو گئے لیکن کوئی مفاہمت نہ ہو

سکی۔

23 نومبر ۔۔۔ پاکستان پر حملہ ہوا تو امریکہ مدد دے گا: ڈلس

امریکی وزیر خارجہ جان فاسٹر ڈلس نے پاکستان کو یقین دلایا کہ اگر پاکستان پر حملہ ہوا تو امریکہ اس کی فوری اور موثر امداد کرے گا۔ یہ بات پاکستانی وزیر خارجہ فیروز خان نون نے بتائی۔

24 نومبر ۔۔۔ اسکندر مرزا وطن واپس پہنچ گئے

صدر اسکندر مرزا اور بیگم ناہید اسکندر مرزا' ایک ماہ کے یورپی اور مشرق وسطیٰ کے دورے سے وطن واپس آگئے۔

24 نومبر ۔۔۔ لوگوں کی آزادی کو تباہ نہ کرو ۔۔۔ سوبولیف کے نام تار

جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی مرکزی مہاجرین کمیٹی کے کنوینر حکیم محمد حسین نے سلامتی کونسل میں سوویت نمائندے سوبولیف کے نام ایک تار میں کہا کہ وہ انسانیت کے نام پر کشمیری عوام کے حق خود اختیاری کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ دس برسوں میں پانچ لاکھ سے زائد کشمیری عوام پاکستان میں پناہ لئے ہوئے ہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کشمیر پر بھارت کی فوجی گرفت کشمیری عوام کی خواہشات کے خلاف ہے۔

24 نومبر ۔۔۔ مولوٹوف کیوں برطرف ہوئے؟

مصر کے ممتاز صحافی محمد حسین ہیکل نے اپنے اخبار 'الاہرام' میں انکشاف کیا کہ روسی وزیر خارجہ مولوٹوف کو اپنے عہدے سے اس لئے برطرف کیا گیا کہ وہ روسی سربراہ نکیتا خروشچیف کی جارحانہ خارجہ پالیسی سے اختلاف کرتے تھے۔ مولوٹوف سوویت یونین کو مشرق وسطیٰ سے دور رکھنا چاہتے تھے کیونسٹ پارٹی کے رہنما کے نزدیک یہ تباہ کن تھا۔ حسین ہیکل کے مطابق خروشچیف نے اس نقطہ نظر کی حمایت کی کہ دفاعی پالیسی غلط تھی اور دفاع کا بہترین ذریعہ آگے بڑھ کر حملہ کرنا تھا اور یہ کہ لچکدار ڈپلومیسی کی ضرورت نہ تھی

(حوالہ: 50)

24 نومبر ۔۔۔ نئی سیاسی پارٹی

پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی نے ایک نئی سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کیا۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ ۔۔۔ "سیاسی جماعتیں" ۔۔۔

28' 30 نومبر ۔۔۔ قومی اسمبلی کا اجلاس شروع اور ملتوی

قومی اسمبلی کا اجلاس پروگرام کے مطابق شروع ہو گیا لیکن طریق انتخاب پر بحث ملتوی کر دی گئی۔ 30 نومبر کو اس مسئلے پر قومی اسمبلی میں ہاتھا پائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ کوئی فیصلہ کئے بغیر اسمبلی کا اجلاس 11 دسمبر تک ملتوی کر دیا گیا۔

دسمبر 1957ء

4 دسمبر ۔۔۔ اقتصادی کمیٹی کی سفارش

اقتصادی کمیٹی نے سفارش کی کہ وزارت تجارت اور وزارت صنعت کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے انتظامی اخراجات میں کمی کی جائے۔ کمیٹی نے وزارت خارجہ میں ایک تہائی اخراجات کی کمی کی بھی سفارش کی۔

5 دسمبر ۔۔۔ مولانا حسین احمد مدنی انتقال کر گئے۔

برصغیر پاک و ہند کی سامراج دشمن تحریک آزادی کے مسلمان رہنما' جمعیت العلمائے ہند کے صدر اور مدرسۃ العلوم دیوبند کے سربراہ مولانا حسین احمد مدنی کا ہندوستان میں انتقال ہو گیا۔ انہیں علامہ اقبال کے نظریہ وطنیت اور پاکستان کے بنیادی نظریئے ۔۔۔ دو قومی نظریہ ۔۔۔ سے اختلاف تھا اسی لئے انہوں نے پاکستان آنا منظور نہ کیا۔

11 دسمبر ۔۔۔ چندریگر بھی گئے

وزیراعظم آئی آئی چندریگر' جو جداگانہ انتخابات کی حمایت کر رہے تھے' 11 دسمبر کو اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ انہیں ری پبلیکن پارٹی کی طرف سے مخلوط انتخابات کے چیلنج کا سامنا تھا اور جب تنازعہ شدت اختیار کر گیا تو ری پبلیکن پارٹی نے اسمبلی میں اپنی حمایت واپس لے لی اور انہیں بمشکل دو ماہ بعد ہی وزارت عظمیٰ سے الگ ہونا پڑا۔ صدر اسکندر مرزا نے ان کی وزارت کا استعفیٰ منظور کر کے انہیں دوبارہ وزارت تشکیل دینے کی دعوت دی لیکن طریق انتخاب کے مسئلے پر کوئی سمجھوتہ نہ کرنے کے باعث وہ اسمبلی کی اکثریت کو اپنے ساتھ نہ ملا سکے اور وزارت بنانے کی ذمہ داری سے دستبردار ہو گئے۔

13 دسمبر ۔۔۔ فیروز خان نون کو وزارت بنانے کی دعوت

چندریگر کی ناکامی کے بعد صدر نے وزیر خارجہ فیروز خان نون کو نئی

وزارت تشکیل دینے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ 16 دسمبر کو ان کی کابینہ نے حلف اٹھا لیا۔ کابینہ میں ان کے علاوہ، سید امجد علی، مظفر علی قزلباش، میر غلام علی تالپور، میاں جعفر شاہ، عبدالعلیم، امیر الدین، کے۔ کے۔ دت، حاجی مولا بخش سومرو اور اے کے داس شامل تھے۔

20 دسمبر۔۔۔ حکومت کوئی اخبار بند نہیں کر سکتی: سپریم کورٹ

سپریم کورٹ نے سیکورٹی ایکٹ کی دفعہ 12 کو آئین کے منافی قرار دیتے ہوئے فیصلہ دیا کہ اس دفعہ کے تحت حکومت کو کسی بھی سبب سے، کسی بھی اخبار کو بند کرنے کی جو اجازت ملی ہوئی تھی، آئین بننے کے بعد اب ختم ہو گئی ہے اس لئے حکومت کسی اخبار کو بند نہیں کر سکتی۔ یہ فیصلہ ماہنامہ 'مرر' پر پابندی کے فیصلے کو عدالت میں چیلنج کرنے کے نتیجہ میں جسٹس منیر نے سنایا۔ مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ۔۔۔ 'صحافت اور سیاست'۔۔۔

22 دسمبر۔۔۔ انتخابات مزید ملتوی ہو سکتے ہیں: اسکندر مرزا

صدر اسکندر مرزا نے اس بارے میں شک و شبے کا اظہار کیا کہ انتخابات اپنے پروگرام کے مطابق نومبر 58ء میں منعقد ہو سکیں گے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی بحران کے سبب الیکشن کمیشن کے کام میں کافی رکاوٹیں پڑی ہیں پھر طریق انتخاب کے بارے میں نت نئی تبدیلیوں کے باعث یہ کہنا کافی مشکل ہو گیا ہے کہ انتخابات وقت پر منعقد ہو سکیں گے۔

26 دسمبر۔۔۔ انتخابات وقت پر ہوں گے: وزیر اعظم نون

وزیر اعظم فیروز خان نے ڈھاکہ میں کہا کہ پاکستان کے پہلے عام انتخابات نومبر 1958ء میں ہی ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ صدر اسکندر مرزا انتخابات جلد سے جلد کرانے کے خواہش مند ہیں اور وہ بھی یہی چاہتے ہیں۔

28 دسمبر۔۔۔ قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا

ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا جو 30 دسمبر کو برخاست کر دیا گیا۔

29-31 دسمبر۔۔۔ اسلامی مجلس مذاکرہ کا انعقاد

صدر اسکندر مرزا نے 29 دسمبر کو پنجاب یونیورسٹی ہال میں دس روزہ بین الاقوامی مجلس مذاکرہ کا افتتاح کیا۔ انہوں نے اپنی افتتاحی تقریر کا آغاز علامہ اقبال کے اس فقرے سے کیا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلعم عہد قدیم اور عہد حاضر کے درمیان ایک واسطہ ہیں۔ انؐ کے الہام کے سرچشمے کو دیکھا جائے تو ان کا تعلق قدیم زمانے سے نظر آتا ہے لیکن اس الہام کی روح کو دیکھئے تو وہ عصر جدید سے تعلق رکھتی ہے۔"

مجلس مذاکرہ کا پہلا باقاعدہ اجلاس 31 دسمبر کو یونیورسٹی ہال میں منعقد ہوا جس کا موضوع تھا "اسلامی تہذیب سے ہماری مراد کیا ہے؟" دوسرے روز اسلام کے تصور ریاست پر مقالے پڑھے گئے۔ تیسرے روز (2 جنوری) "اسلامی معاشرے کو جدید افکار اور معاشرتی افکار کا چیلنج" زیر بحث تھا 3 جنوری کو "اسلام میں قانون سازی کا دائرہ عمل اور اس میں اجتہاد کا مقام" زیر بحث آیا۔ پانچویں روز دو الگ الگ موضوعات پر مقالے پڑھے گئے۔ صبح کے اجلاس میں "سائنس کے بارے میں اسلام کا رویہ" کے موضوع پر اور سہ پہر کے اجلاس میں "مغربی تہذیب اور تاریخ پر اسلامی اثرات" کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ چھٹے دن "اسلام کا نظام معیشت بالخصوص زرعی املاک اور زمین کے لگان" کے موضوع پر مقالے پڑھے گئے۔ ساتواں دن (7 جنوری) "دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کا رویہ اور تعلقات" کے لئے وقف تھا۔ جبکہ آخری اجلاس (8 جنوری) میں اسلام اور عالمی امن کے موضوع پر تیرہ مقالے پڑھے گئے۔

بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ کا آٹھ روزہ اجلاس تقریباً پچاس گھنٹے تک مختلف مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل پر طویل بحث و مباحثے کے بعد 8 جنوری کو ختم ہو گیا۔ پڑھے جانے والے درجنوں بصیرت افروز مقالات اور ان پر بحث کے دوران کئی ایسے مسائل سامنے آئے جن کی حیثیت متنازعہ تھی۔

(حوالہ: 51)

جولائی 1958ء

14 جولائی۔۔۔ عراق میں بغاوت

معاہدہ بغداد کے رکن ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس میں شرکت کے لئے صدر اسکندر مرزا استنبول جانے کے لئے کراچی سے ایران روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ جنرل ایوب خان بھی تھے۔ ایوب خان طہران میں ایران کے چیف آف سٹاف کے ساتھ منصوبہ بندی کے مسائل پر تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ یہ خبر پہنچی کہ بغداد میں بغاوت ہو گئی ہے اور بقول ایوب خان "ناصر نواز اور اشتراکی عناصر نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے۔ بادشاہ کے چچا پرنس عبداللہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی نعش کو بغداد کے بازاروں میں گھسیٹا گیا ہے۔ محل اور برطانوی سفارت خانے کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہے۔ عوام خوشیاں منا رہے ہیں اور ناصر کی تصویریں ہر جگہ نظر آ رہی ہیں۔"

ایوب خان' اپنی ڈائری میں مزید لکھتے ہیں : "یہ بڑی اہم اور افسوسناک خبر تھی۔ ہم لوگ غم زدہ دل کے ساتھ استنبول روانہ ہوئے جب ہم استنبول کے قریب پہنچنے والے تھے تو ہم سے کہا گیا کہ آپ انقرہ جاکر اتریں وہاں صدر ترکی اور مندریس نے ہمارا استقبال کیا۔ جلسہ سوگ کا رنگ لئے ہوئے تھا..... بارہ بجے دوپہر صدر ترکی کے محل میں جمع ہوئے۔ اتنے میں خبر آئی کہ نوری السعید کو بھی قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی نعش کو بغداد میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ افسوس یہ اس شخص کا انجام ہے' جس نے ان لوگوں کی اتنی خدمت کی..... تین اسلامی مملکتوں کے سربراہوں نے فیصلہ کیا کہ معاہدہ بغداد کے اجلاس جو لندن میں ہونے والے تھے' ملتوی کر دیئے جائیں"

عراق میں بغاوت کے دوسرے روز صدر آئزن ہاور نے امریکی بحری فوج کو لبنان میں اترنے کا حکم دیا۔ امریکی دعوے کے مطابق یہ کاروائی لبنان کے صدر جمائل شمعون کی درخواست پر کی گئی تھی۔ اس کے چوبیس گھنٹے بعد برطانوی پیراٹروپس اردن میں اترے اگرچہ "دعوت پر مداخلت کی کاروائیوں کے جواز میں کئی وضاحتیں پیش کی گئیں تاہم یہ بات بالکل واضح تھی کہ ان برطانوی امریکی اقدامات کا مقصد اس قسم کی بغاوت کے ذریعے ان دو ملکوں میں مغربی اثر و رسوخ کو تباہ ہونے سے بچانا ہے جس نے عراق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔

معاہدہ بغداد کے مسلم ملکوں کے سربراہوں نے ان اقدامات کی سرگرمی سے تعریف کی۔ وہ انقرہ میں پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ پاکستان کے اسکندر مرزا' ایران کے شاہ اور ترکی کے جلال بایار نے آئزن ہاور کو ایک مشترک پیغام ارسال کیا جس میں انہوں نے امریکی صدر کی اس کاروائی پر ممنونیت اور پسندیدگی ظاہر کی تھی جس نے "ہمیں گہرا اطمینان اور سکون عطا کیا ہے"۔ مشترکہ پیغام کے علاوہ صدر اسکندر مرزا نے انفرادی طور پر بھی' لبنان میں مداخلت پر امریکی حکومت کو مبارکباد پیش کی۔

(حوالے: 73' 74)

19 جولائی۔۔۔ عام انتخابات پھر ملتوی

انتخابات ایک بار پھر ملتوی ہوگئے۔ نومبر 58ء کی پرانی تاریخ بدل کر فروری 59ء کی نئی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ آئین بننے کے بعد سب سے پہلے انتخابات 57ء میں منعقد کرانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ لیکن اس دور کے وزیراعظم چوہدری محمد علی نے انہیں ملتوی کر دیا۔ دوسری بار انتخابات حسین شہید سہروردی نے ملتوی کئے۔ تیسری بار انتخابات کا التواء آئی آئی چندریگر کے ہاتھوں ہوا اور اب چوتھی بار انہیں وزیراعظم نون نے ملتوی کر دیا۔ آخری التواء کے حق میں یہ جواز پیش کیا گیا کہ نومبر کا مہینہ مشرقی پاکستان کے لئے سازگار نہیں اور اس التواء میں وزیراعظم کے ساتھ ساتھ سیاسی پارٹیاں بھی شامل تھیں۔ کراچی میں کل جماعتی کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ عام انتخابات 15 فروری سے پہلے ختم ہو جانے چاہئیں۔

19 جولائی۔۔۔ پاکستان شاہ حسین کو عرب یونین کا سربراہ تسلیم کرتا ہے

وزارت خارجہ کے سیکرٹری مسٹر بیگ نے اعلان کیا کہ پاکستان شاہ حسین کو' اردن اور عراق کی عرب یونین کا سربراہ تسلیم کرتا ہے۔

20 جولائی۔۔۔ پاکستان میں عراق کے شاہ کا سوگ

حکومت پاکستان نے عراق کے شاہ فیصل کے مارے جانے پر پاکستان میں تین دن تک سوگ منانے کا اعلان کیا۔ اس عرصہ میں تمام سرکاری عمارات پر قومی پرچم سرنگوں رہے۔

24 جولائی۔۔۔ مہنگائی میں اضافہ

پاکستان میں اشیاء صرف کی قیمتوں میں 25% تک اچانک اضافہ ہو گیا۔

31 جولائی۔۔۔ عراق کی نئی حکومت تسلیم

پاکستان نے عراق کی نئی انقلابی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

اگست 1958ء

یکم اگست۔۔۔ سرحدی تنازعوں کے بارے میں پانچ روزہ کانفرنس

یکم اگست کو پاکستان اور ہندوستان کے وفود نے سرحدی تنازعوں کے تصفیے کے لئے 23 اگست سے کراچی میں ایک پانچ روزہ کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اس کانفرنس کی تجویز پاکستان نے پیش کی تھی جسے ہندوستان نے قبول کر لیا۔ اسی روز یہ خبر بھی آئی کہ تین سو ہندوستانی فوجیوں نے برہمن باڑیہ سب ڈویژن (مشرقی پاکستان) کے موضع لکشمی پور پر قبضہ کر لیا۔ مغربی پاکستان میں ہندوستانی فوجوں نے 1956ء کے بین المملکتی سمجھوتے کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے حسینی والا بند کے دائیں جانب پیش قدمی کردی - یہ دونوں واقعات سرحدی تنازعوں کے تصفیے کے لئے ایک کانفرنس میں شرکت کی منظوری کے بعد پیش آئے۔

11 اگست۔۔۔ صوبائی حکومت ون یونٹ توڑ دے۔ پیرزادہ

قانون اور خزانے کے مرکزی وزیر عبدالستار پیرزادہ نے ون یونٹ پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے مغربی پاکستان کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوراً ون یونٹ توڑنے کے لئے اقدام کرے۔

14 اگست۔۔۔ ہم اپنے دوستوں کو ناراض نہیں کر سکتے: وزیراعظم

لندن میں پاکستانی ہائی کمیشن نے پاکستان کے گیارہویں یوم آزادی پر وزیراعظم پاکستان ملک فیروز خان نون نے پاکستان کی خارجہ پالیسی پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ”ہم اپنے دوستوں کو ناراض نہیں کر سکتے۔ ہم ایک جمہوری ملک ہیں اس لئے صرف مغربی ملکوں ہی سے رشتے قائم کر سکتے ہیں۔ ہم کمزور ہیں اور ہمیں دوستوں کی ضرورت ہے اور یہ کہ معاہدہ بغداد ہماری بقاء کے لئے ضروری ہے۔ اس موقع پر بعض سیاسی حلقوں نے خیال آرائی کی کہ ابھی کچھ عرصہ پیشتر ہی انہوں نے امریکہ اور مغربی ممالک کو چھوڑ کر کیمونسٹ ملکوں کو گلے لگانے کی بات کی تھی۔

17 اگست۔۔۔ تاجروں کا کنونشن

ہفت روزہ لیل و نہار (17 اگست 1958ء) کی اطلاع کے مطابق تاجروں کے ایک کل پاکستان کنونشن نے ملک کی اقتصادی حالت کا تجزیہ کرنے کے بعد اصلاح احوال کے لئے ایک یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ موجودہ صورت حال نہ صرف مقتدر سیاستدانوں اور حاکموں کی غفلت اور خود غرضی کے سبب سے پیدا ہوئی ہے بلکہ اس کی ذمہ داری تاجروں کے ایک طبقہ پر بھی ان کے خود غرضانہ رویے کے پیش نظر عائد ہوتی ہے۔ یادداشت میں مندرجہ ذیل نکات سے موجودہ حالات کے اسباب پر روشنی پڑتی تھی۔

1- زرعی اصلاحات، جو وقت کا اہم ترین مطالبہ تھیں، ملتوی رکھی گئیں۔

2- قابل کاشت قطعات بے آباد اور ویران پڑے تھے۔

3- قومی آمدنی میں انحطاط کے باوجود سرکاری مصارف (بشمول دفاعی اخراجات) برابر بڑھ رہے تھے۔

4- ابتدا دفاعی معاہدوں کا مقصد دفاعی مصارف میں کمی ظاہر کیا جاتا تھا، لیکن ان مصارف میں مسلسل اضافہ ہوا۔

5- حکومت کی صنعتی پالیسی ناقص رہی جس سے صنعتیں کمزور اور نقلی ادارے مضبوط ہوئے۔

6- ٹیکسوں کے بارے میں حکومت کی پالیسی تباہ کن رہی۔ ٹیکسوں کا بار غریب صارفین، تاجروں اور چھوٹے صنعت کاروں کی بجائے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں پر ڈالنا چاہیے تھا جن کی آمدنی قومی آمدنی کا حصہ نہیں بنتی۔

یادداشت میں حکومت کی توجہ زر مبادلہ کے نظام کی طرف بھی مبذول کرائی گئی اور کہا گیا کہ زر مبادلہ کا وافر حصہ سرکاری دوروں اور تفریحات کی نذر ہو جاتا ہے۔

تاجروں کے کنونشن نے حکومت سے (اپیل کی کہ زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں اور غلام محمد بیراج کے قطعات اور سرکاری اراضیات کاشتکاروں اور مزارعوں میں تقسیم کی جائیں۔ حکومت اپنے اخراجات میں کمی کرے۔ غیر ملکی امداد پر تکیہ کرنے کی عادت، جو تاجروں اور ارباب حکومت دونوں کے لئے مضر ہے، جلد ترک کی جائے۔ درآمدی لائسنسوں کو رشوت اور چور بازاری کا کاروبار بننے سے روکا جائے۔ زر مبادلہ کے حصول اور تحفظ کے سلسلے میں کنونشن کی تجاویز خاص طور سے توجہ طلب تھیں چنانچہ کہا گیا کہ زر مبادلہ پر سختی سے کنٹرول کیا جائے۔ برآمدی تجارت کے فروغ کی سکیم پر نگرانی رکھی جائے برآمدی تاجروں اور صنعت کاروں کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ زر مبادلہ کے اسراف سے باز رہیں اور اپنی برآمدات کے عوض تعیش کے اسباب درآمد کرنے کی بجائے صنعتی خام مال اور فالتو پرزے درآمد کریں۔

اس کنونشن کے بارے سیاسی حلقوں کا یہ کہنا تھا کہ حکومت کی تجارتی پالیسی کنونشن کی توجہ سے محروم رہی کیونکہ زر مبادلہ کی قلت کا ایک اہم سبب محدود تجارت ہے۔ سٹرلنگ اور ڈالر کے حلقوں سے آزاد ہو کر مشرقی یورپ اور ایشیا کے بعض ایسے ملکوں کی طرف تجارتی ہاتھ بڑھانے کی ضرورت تھی جو پاکستان کی زرعی پیداوار کے اچھے گاہک ثابت ہو سکتے تھے اور بدلے میں اسباب تعیش کی بجائے بھاری مشینیں دینے کو

تیار تھے۔ وہ سٹرلنگ اور ڈالر کی شرط عائد کئے بغیر پاکستانی کرنسی میں تجارت کے لئے تیار تھے۔ تاہم تاجروں کے کنونشن کی یادداشت سے اندازہ ہوتا تھا کہ سماج دشمن عناصر کے سوا' ملک کا ایک بھی شہری حکومت کی مالی' معاشی' زرعی اور تجارتی پالیسی سے مطمئن نہیں تھا۔

(حوالہ: 75)

18 اگست۔۔۔ مال کے بدلے مال

حکومت پاکستان نے دو کیمونسٹ ملکوں عوامی جمہوریہ چین اور پولینڈ سے مال کے بدلے مال کی بنیاد پر تجارتی معاہدے کئے۔

18 اگست۔۔۔ مجلس احرار پر سے پابندی ختم

پاکستان اور امریکہ کے درمیان کراچی میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت پاکستان کے بڑے ترقیاتی منصوبوں کے لئے امریکہ' پاکستان کو 17 کروڑ روپے کی مدد دے گا۔

28 اگست۔۔۔ مارشل لاء کی طرف

پاکستان کے بگڑتے ہوئے سیاسی حالات کو اعلیٰ فوجی افسر جس نظر سے دیکھ رہے تھے' اس کا اظہار ایوب خان کی ڈائری کے ایک ورق سے اس طرح ہوتا ہے:۔

"مجھے بڑی افسوسناک اطلاعات مل رہی ہیں۔ اقتصادی بد حالی کے بارے میں' بدانتظامی کے بارے میں' جو سیاسی ذحل اندازی کا نتیجہ ہے' عوام کی دل شکستگی کے بارے میں کیونکہ ان کا اعتماد صدر سمیت سب سیاسی رہنماؤں پر سے اٹھ گیا ہے۔ عوام کا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی شخص بھی مخلص نہیں نہ کسی کا کوئی سیاسی مسلک ہے اور نہ کسی میں وطن پرستی کا جزبہ ہے کہ وہ کوئی سخت اقدام کر کے ملکی برائیوں کو دور کرے اور اب تو وہ خود مجھے اور فوج کو الزام دینے لگے ہیں کہ ہم اپنے فرائض سے غفلت برت رہے ہیں اور قوم کو ان ظالموں کے پنجے سے چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے۔"

(حوالہ: 76)

28 اگست۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی کا آخری اجلاس

مغربی پاکستان اسمبلی کا چار روزہ اجلاس 25 اگست کو صبح 8 بجے شروع ہوا اور 28 اگست کو غیر معینہ مدت کے لئے برخاست ہو گیا۔ وقفہ سوالات کے بعد پہلی کاروائی یہ ہوئی کہ وزیر اعلیٰ اور قائد ایوان مظفر علی قزلباش ڈاکٹر خان صاحب مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھے۔ انہوں نے کہا' کہ خان صاحب مرحوم ایک عظیم رہنما تھے۔ اعزہ پروری و بد دیانتی سے بہت دور تھے۔ جمہوریت کے داعی عوام دوستی کا نمونہ اور سیاست میں ایک ضابطے سے اور واضح اصول کے قائل تھے۔ بات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ وزیر دفاع مسٹر کھوڑو ایوان میں داخل ہوئے چند ماہ گزرے وہ مسلم لیگ سے خفا ہوئے تو وزیر دفاع بن گئے چنانچہ اب کے وہ حزب اختلاف کے بجائے سرکاری صفوں کی جانب بڑھے تو ری پبلیکن ارکان نے ضابطے اور اصول کے مبلغ ڈاکٹر خانصاحب مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانے سے پہلے جزاک اللہ اور مرحبا کے نعروں سے مسٹر ایوب کھوڑو کا خیر مقدم کیا اور مسلم لیگی شیم شیم کرتے رہ گئے۔

ایوان میں موجود بعض ارکان کو یہ احساس تھا کہ مغربی پاکستان اسمبلی کا یہ اجلاس شاید آخری ثابت ہو' چنانچہ اس احساس کے تحت انہوں نے اچھی طرح دل کی بھڑاس نکالی۔ ایک مسلم لیگی رکن کی طرف سے گرانی پر بحث کے لئے تحریک التوا پیش ہوئی تو وزیر اعلیٰ نے کہا۔ یہ تو مسلم لیگ کی دی ہوئی لعنت ہے۔ گرانی کے مسئلہ پر ایوان میں چار دن تک نوک جھونک ہوتی رہی۔ مکمل بحث نہیں ہوئی۔ مخالفوں کے نزدیک گرانی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ری پبلکن حکمران اپنے عزیزوں اور سیاسی طفیلیوں کو اشیائے صرف کے پرمٹ اور لائسنس بانٹتے ہیں جو چور بازار میں فروخت ہوتے ہیں' نتیجہ یہ کہ ان پرمٹوں اور لائسنسوں سے جو مال درآمد ہوتا ہے وہ بازار میں مہنگا ملتا ہے' سرکاری ارکان جواب میں للکارتے تھے کہ سیاسی رشوت اور لائسنسوں کی لوٹ کی بنیاد مسلم لیگیوں نے ڈالی ہے۔ سب کیا دھرا ان کا ہے۔ ایک آدھ ارکان نے زر مبادلہ کی کمی' ناقص زرعی نظام اور ٹیکس کی غلط پالیسی کو بھی گرانی کا سبب قرار دیا۔

اجلاس میں اسمبلی کارروائی کے ضابطوں سے متعلق گورنر کے حکم پر خاصی بحث اور جوابی بحث ہوئی۔ مخالفوں کا خیال تھا کہ گورنر کی جانب سے بحث کے وقت پر پابندی عائد کرنا نہایت غیر جمہوری اقدام ہے حزب اختلاف کے قائد نے کہا کہ پچھلے تین برس میں اسمبلی کا اجلاس مشکل سے تیس چالیس دن ہوا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ یہ مدت بہت ناکافی ہے۔ اب آپ چاہتے ہیں کہ جو چار دن میسر آئے ہیں' ان میں بھی جی کھول کر بحث نہ کی جائے سرکاری ارکان نے جواب دیا کہ مخالف لوگ اجلاس کی کارروائی میں ناواجب رخنے ڈالتے ہیں اور تاخیری ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں' تو اس کا توڑ اسی طرح کرنا ہو گا۔ اس موقع پر صوبائی وزیر پیرزادہ عبدالستار اور میاں دولتانہ میں جھڑپ ہو گئی۔

پیرزادہ:۔ "اگر تم گورنر کے اختیار کم کرنا چاہتے ہو تو اس وقت خیال کیوں نہ آیا جب آئین مرتب کر رہے تھے"۔

دولتانہ:۔ "اس وقت ہمیں بالکل خیال نہیں رہا تھا کہ پیرزادہ جیسے

لوگ آئین کی تفسیر کرنے کے لئے سٹیج پر نمودار ہو جائیں گے۔ پیرزادہ اس وقت روپوش ہو گیا تھا"۔

پیرزادہ :- کس کی وجہ سے؟

دولتانہ :- میری وجہ سے نہیں۔ میرا بس چلتا تو آج بھی تم کہیں چھپے بیٹھے ہوتے۔

پیرزادہ :- اب تمہارے لئے یہ ممکن نہیں۔ خفیہ دستاویزوں کا زمانہ لد گیا۔

اجلاس میں ایک موقع پر ایک رکن نے یہ تحریک التوا پیش کی حکومت صوبے کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے میں ناکام رہی ہے۔ جناب سپیکر نے یہ تحریک مسترد کر دی۔ آپ کا ارشاد تھا کہ تحریک التوا میں اس "جگہ" کا نام نہیں لیا گیا ہے جہاں سیلاب نے تباہی مچائی۔ مخالفوں نے بڑی لے دے کی اور کہا کہ گرانی کے بارے میں جب آپ نے تحریک التوا منظور کر لی تھی تو اب کیا عذر ہے۔ آخر اس تحریک میں بھی اس "جگہ" کا نام نہیں لیا گیا تھا' جہاں گرانی نے لوٹ مچا رکھی ہے۔ اجلاس کا تیسرا دن (27 اگست) بڑا ہنگامہ خیز رہا۔ مسلم لیگی ارکان نے ملک نون کے حوالے سے وزیر اعلیٰ مسٹر قزلباش کو آڑے ہاتھوں لیا کہ ناجائز املاک کی تفتیش کرانے سے اب کیوں بدکتے ہو' جب پبلک جلسے میں اس کا وعدہ کر چکے ہو؟ سرکاری ارکان سے جب کوئی جواب نہ بن پڑا انہوں نے مخالف مقرروں پر آوازے کسنے شروع کر دئے۔ سپیکر نے بیچ بچاؤ کیا اور کہیں یہ فقرہ ان سے سرزد ہو گیا کہ یہی رویہ رہا تو جمہوریت ناکام ہو جائے گی۔ بس پھر کیا تھا' وہ شور اٹھا کہ کانوں کے پردے اڑ گئے۔ مسلم لیگی ارکان نے کہا کہ سپیکر کا یہ فقرہ نہایت اشتعال انگیز ہے انہیں یہ الفاظ واپس لینے ہوں گے لیکن سپیکر فقرے واپس نہیں لیا کرتے ایک رکن اسمبلی کو تاؤ آیا تو انہوں نے للکار کر کہا "یہ شخص (سپیکر) آئین سے غداری کر رہا ہے"۔ ارکان کی غوغا آرائی کے درمیان اس رکن نے سپیکر کو "غدار" کہنے کے بعد بھی جب انتقام کی آگ بدستور سینے میں سلگتی ہوئی محسوس کی تو تڑپ کر بولا...."اور یہ گورنر نے کرایوں پر تحدید کا بل اب تک کیوں منظور نہیں کیا"۔ ظاہر ہے کہ سپیکر کو اور حزب اقتدار کو لاجواب کرنے کے لئے اس سے بہتر سوال کیا اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ سوال بھی ہنگامے کی نذر ہو گیا۔ ایک بوڑھے رکن اسمبلی نے سپیکر سے کہا کہ اپنے احمقانہ الفاظ واپس لو سپیکر نے ان بزرگ کو تمام دن کے لئے اسمبلی سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ اور جب انہوں نے انکار کر دیا تو سارجنٹوں نے انہیں دونوں بازوؤں سے پکڑ کر ایوان سے باہر نکال دیا۔ بوڑھا سیاست دان باہر نکلتے نکلتے بھی سپیکر کو ملاحیاں سناتا گیا۔ ایک رکن نے سپیکر کے اس فیصلے پر احتجاج کیا تو انہیں بھی باہر نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ وہ صاحب بھی مچل گئے کہ باہر نہ نکلیں گے۔ سارجنٹوں نے انہیں بھی پکڑا اور جب باہر لے کر چلے تو مسلم لیگی ارکان راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے سپیکر کے حکم پر سخت احتجاج کیا۔ اور واک آوٹ کر گئے۔ ایوان کے قائد اور وزیر اعلیٰ مسٹر قزلباش نے اسی دوران میں آستینیں الٹ لی تھیں اور وہ یہ کہتے سنائی دئے کہ جناب سپیکر' آپ ذرا دیر کے لئے کارروائی موقوف کر دیں' پھر دیکھئے کہ ہم ان سب کو اٹھا کر ایوان سے باہر پھینک دیں گے" کچھ دیر بعد یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ اور تمام ارکان کے اتفاق سے ہنگامہ آرائی کی یہ روداد اسمبلی کی کارروائی سے حذف کر دی گئی۔

بلدیاتی انتخابات سے متعلق کمیشن کے قیام کا بل شدید نکتہ چینی کے درمیان منظور ہوا۔ حزب مخالف کو اعتراض تھا کہ بلدیات کے انتخابات کو ملتوی کر کے اور انتظامی کمیٹیاں قائم کر کے وزیر بلدیات سیاسی رشوت کا دروازہ کھول رہے ہیں اور وزیر بلدیات سید حسن محمود کا ارشاد تھا کہ ہمارے خلوص نیت پر شبہ نہ کرو۔ لائل پور ڈسٹرکٹ بورڈ کے انتخاب میں اسی فیصد نشستیں جیت کر ری پبلیکن پارٹی نے اپنے خلوص نیت کا پرچم لہرا دیا ہے۔ عام انتخابات ہونے دو' ری پبلیکن پارٹی 190 نشستیں نہ جیتے تو ری پبلیکن نام نہیں۔۔۔۔ اور یہ فقرہ بھی ملاحظہ ہو کہ مسلم لیگ کی نہ سالہ غلط کاریوں کا نتیجہ ایک انقلاب کی صورت میں رونما ہوا ہے اور ری پبلکن پارٹی اس انقلاب کا حصہ ہے۔

سیاسی رشوت کی ایک دلچسپ مثال ایک رکن نے خود سید حسن محمود وزیر بلدیات کی زندگی سے پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ ایک بار وزیر موصوف گوجرانوالہ کے راستے مری جا رہے تھے تو راستے میں کچھ خوشامدیوں سے اشرفیاں کا ہار ان کے گلے میں ڈالا تھا۔ وزیر صاحب اس مثال سے بالکل پریشان نہیں ہوئے بلکہ اطمینان سے بولے دراصل مری جا کر مجھے معلوم ہوا کہ میرے گلے میں جو ہار پڑا ہوا ہے اس میں اشرفیاں پروئی گئی ہیں۔ چنانچہ میں نے ہار گلے سے اتارا اور یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا کہ اسے کار خیر میں صرف کیجئے گا۔

ناقص خوراک کے مسئلہ پر جس دن بحث ہوئی اس دن یہ سرکاری اعلان بھی نافذ ہوا کہ دعوتوں پر سے پابندی ختم کی جاتی ہے۔ غذائی اجناس کے بارے میں کفایت کا حکم منسوخ قرار پاتا ہے۔ خوب دعوتیں اڑائیے غلے کی اب کوئی کمی نہیں۔ آٹے سے بھی اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وزیر خوراک نے ایوان میں اعلان کیا کہ اب آٹے میں محض 25 فی صد ناقص امریکی گندم کی ملاوٹ کی جائے گی۔ اسمبلی کا یہ آخری دن تھا۔ اس لئے یا تو ارکان کو دعوتوں سے پابندی اٹھ جانے کی اطلاع بروقت نہ مل سکی اور وہ ایوان میں احتجاج نہ کر سکے' یا اطلاع ملی اور وہ یہ سوچ کر چپ ہو رہے کہ پہلے کب دعوتوں پر پابندی تھی' جس کے اٹھ جانے پر اب احتجاج کیا جائے۔

وزیر خوراک نے ایوان میں فرمایا کہ فلور ملوں کے مالکوں کو سختی سے منع کر دیا گیا ہے کہ ناقص گندم ہرگز قبول نہ کریں۔ اسی طرح ڈپو ہولڈروں کو تنبیہہ کر دی گئی ہے کہ ناقص آٹا لینے سے انکار کر دیں۔

سرکاری اور مخالف سرکار ارکان کا اتحاد اجلاس کے آخری دن اور وہ بھی اس موقع پر نظر آیا' جب ارکان اسمبلی کے لئے حقوق و مراعات کا بل پیش کیا گیا۔ اس سشن میں اس ایک بل کے سوا دوسرے تمام ایکٹ' آرڈیننس کی صورت میں پہلے ہی سے نافذ تھے۔ اسمبلی میں محض ان کی توثیق ہونی تھی۔ صوبے کا اہم ترین مسئلہ تو ارکان کے لئے تازہ مراعات کا تھا۔ چنانچہ یہ پیش ہوا اور جھٹ منظور ہو گیا۔ بل میں ارکان اسمبلی کے لئے ایک رعایت یہ رکھی گئی تھی کہ تمام صوبے میں مفت سفر کرنے کے لئے انہیں ٹرین کے اول درجے کا "پاس" دیا جائے گا۔ ایک مسلم لیگی رکن نے یہ ترمیم پیش کی کہ ٹرین ہی میں کیوں' آخر ہم سرکاری بسوں میں مفت سفر کیوں نہیں کر سکتے؟ وزیر قانون نے کہا بجا ارشاد ہوا اور بل میں ترمیم کر کے فوراً ایک فرو گزاشت کی تلافی کر دی۔ ایک ری پبلکن رکن نے اس پر گرہ لگائی کہ تیسرے درجے کا مفت پاس ہمارے ملازموں کو بھی ملنا چاہئے جو سفر میں ہمرکاب ہوتے ہیں۔ لیکن وزیر قانون نے یہ تجویز مسترد کر دی۔

ارکان اسمبلی کو سرکاری فرائض کی انجام دہی کے دوران میں مفت طبی امداد کی رعایت دی گئی۔ ایک رکن نے کہا کہ یہ رعایت تمام سال کے لئے ہونی چاہئے (غالباً اس لئے کہ سرکاری فرائض ہم تمام سال ادا کرتے رہتے ہیں) لیکن یہ ترمیم بھی قبول نہیں ہوئی۔ واضح ہو کہ یہ مراعات ان متعدد مراعات کے علاوہ ہین جو ارکان اسمبلی کو پہلے بھی حاصل تھیں۔

اسمبلی کے چار روزہ اجلاس میں آرڈیننسوں کی توثیق کا کام بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا ان میں بارڈر پولیس فورس بل' ارکان اسمبلی کے لئے مراعات کا بل' لاہور کارپوریشن بل اور جیل خانہ جات کا ترمیمی بل بھی شامل تھا۔

(حوالہ : 77)

ستمبر 1958ء

یکم ستمبر۔۔۔ امریکی امداد پر بندش

امریکہ نے پاکستان کے بعض ترقیاتی منصوبوں کے لئے امداد روک دی۔

7 ستمبر۔۔۔ گوادر پاکستان کو مل گیا

مسقط و عمان کے سلطان نے پاکستان کا ساحلی علاقہ گوادر' پاکستان کو واپس کر دیا ہے۔

سلطان کے قبضے میں یہ علاقہ کیوں کر پہنچا' اس کی داستان بھی خاصی دلچسپ ہے۔ 1784ء تک گوادر پر خان قلات کا قبضہ تھا۔ انہیں دنوں مسقط کا ایک شہزادہ اپنے باپ سے لڑ جھگڑ کر قلات میں وارد ہوا نصیر خاں اول (خان قلات) نے شہزادے کا خیر مقدم کیا اور گذر اوقات کے لئے گوادر کا علاقہ مہمانی' الاؤنس کے طور پر شہزادہ موصوف کے تصرف میں دے دیا۔ شہزادہ سید سلطان باپ کی وفات کے بعد مسقط و عمان کا سلطان بن گیا اور گوادر کی حیثیت 'مہمانی' الاؤنس سے گذر کر باقاعدہ مقبوضہ علاقے کی صورت اختیار کر گئی۔ چنانچہ ساحل لکران کی یہ سرزمین' جو پاکستان سے جغرفیائی' تاریخی' تہذیبی اور نسلی طور پر وابستہ ہے' ڈیڑھ سو برس تک غیر ملکی حکمرانوں کے قبضے میں رہی۔

برصغیر پاک و ہند اور ساحل عرب پر تک برطانیہ کا تسلط رہا گوادر کی حیثیت کبھی کبھی معرض بحث میں نہیں آئی۔ اس لئے کہ ان دنوں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ گوادر پاکستان کا حصہ بن سکتا ہے یا مسقط کا مقبوضہ' البتہ حصول آزادی کے فوری بعد گوادر کی آزاد حیثیت اور پاکستان میں اس کی شمولیت پاکستان کی قومی خود مختاری اور آزادی کے لئے ایک مسئلہ بن گئی واقعہ یہ ہے کہ دس گیارہ برس تک سلطان مسقط و عمان کا قبضہ اور سلطان کے توسط سے برطانوی حکومت کا تسلط ایک خالصتاً پاکستانی علاقے پر قومی خود مختاری کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔

گودار کی واپسی کے لئے حکومت پاکستان نے سلطان اور برطانوی حکومت سے گفت و شنید کا آغاز 1949ء میں ہی شروع کر دیا تھا' یہ مسئلہ اختلافی اور نزاعی نہ تھا اس لئے کہ پاکستان کی آزادی کے فوری بعد گوادر کی واپسی ایک لازمی نتیجہ بن چکی تھی۔

اب مشرق وسطیٰ میں اور ساحل عرب کے برطانوی مقبوضات میں قومیت کی کامیاب تحریک کے پیش نظر سلاطین اور ان کے سرپرستوں کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا ایسے میں ظاہر ہے کہ ان کے لئے دور افتادہ مقبوضہ جات پر نگاہ رکھنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ گوادر کی واپسی اب نہ سہی' چند برس بعد سہی اور پرامن طور پر نہ سہی' خرابیوں کے بعد سہی' لازمی بن چکی تھی۔ بہر حال یہ بات خوش آئند تھی کہ فرمانروائے مسقط و عمان نے غیر سگالی اور مصالحت کے جذبات کو کشیدگی پر ترجیح دی اور پاکستان کو اس کا دیرینہ حق واپس کر دیا۔

گوادر کئی حیثیتوں سے پاکستان کے لئے نہایت اہم تھا یہ ایک ترقی یافتہ اور خوشحال ساحلی علاقہ اور بہترین بندرگاہ بننے کی صلاحیت رکھتا تھا یہاں سامان کی درآمد برآمد سے 1958ء میں کسٹم ڈیوٹی سولہ لاکھ روپے تک حاصل ہوئی تھی۔

حکومت پاکستان نے ایک پریس نوٹ میں اعتراف کیا کہ گوادر اس وقت پاکستان' ایران اور غالباً افغانستان کے لئے بھی سامان کی ناجائز درآمد کا سب سے بڑا اڈہ ہے۔

(حوالہ: 78)

10 ستمبر۔۔۔ غفار خان نیپ سے مستعفی ہو گئے

مغربی پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے صدر خان عبدالغفار خان نے پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ استعفیٰ دینے کی بنیادی وجوہ جو سامنے آئیں ان میں ایک نیپ کا عوامی لیگ سے غیر مشروط تعاون تھا۔ نیپ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی وزارت کو اور مرکز میں حسین شہید سہروردی سے بھرپور تعاون کر رہی تھی۔ استعفے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ نیپ کی ہائی کمان نے غفار خان کو ون یونٹ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ خان عبدالغفار خان کے ساتھ ساتھ جی ایم سید' عبدالمجید سندھی اور خان عبدالصمد خان اچکزئی نے بھی نیپ سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔ جی ایم سید نے ایک بیان میں بتایا کہ نیپ سے غفار خان کا استعفیٰ مغربی پاکستان میں پارٹی کا خاتمہ ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ مغربی پاکستان نیپ میں صرف میاں افتخار الدین ہی اس قابل رہ جائیں گے جو مولانا بھاشانی سے رابطہ قائم رکھ سکیں جبکہ بھاشانی اور نیپ کے مشرقی پاکستانی "نوجوان لڑکے" عوامی لیگ میں چلے جائیں گے۔

(حوالہ: 79)

10 ستمبر۔۔۔ نون۔ نہرو کامیاب مذاکرات

سرحدی تنازعات کے موضوع پر ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے درمیان دو روزہ مذاکرات 10 جون کو ختم ہوگئے۔ ملاقات کے بعد بھارتی وزیراعظم نے ایک بیان میں کہا کہ پاک۔ بھارت مذاکرات بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق گیارہ میں سے 9 سرحدی تنازعات طے کر لئے گئے۔

10 ستمبر۔۔۔ اندرونی دشمن پاکستان کے مقدر سے کھیل رہے ہیں: تمیزالدین

مشرقی پاکستان مسلم لیگ کے صدر مولوی تمیزالدین خان نے قائداعظم کی دسویں برسی کے موقع پر ایک بیان میں کہا کہ بعض اندرونی دشمن اس عظیم ریاست کے مقدر سے کھیل رہے ہیں جسے قائداعظم قوم کے پاس ایک مقدس امانت کے طور پر چھوڑ گئے تھے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آیا تھا یہ اسلامی نظریہ تھا جس نے اس کے وجود کو ممکن بنایا لیکن آج منافقوں نے اس نظریے کو چیلنج کر دیا ہے پاکستان نے ایک مضبوط معیشت کھڑی کی تھی لیکن آج اسے تباہ کر دیا گیا ہے۔

(حوالہ: 80)

14 ستمبر۔۔۔ اینٹی ون یونٹ پارلیمانی بورڈ کی تشکیل

بلیک ہاؤس روڈ پر وزیر دفاع ایوب کھوڑو کی قلعہ نما کوٹھی میں سندھ کے چوٹی کے تیرہ لیڈر جمع ہوئے جنہوں نے ون یونٹ کے خلاف ایک متحدہ محاذ کی تشکیل کی۔ سندھ کی تین سیاسی جماعتوں ری پبلیکن پارٹی ' نیشنل عوامی پارٹی اور کھوڑو مسلم لیگ کے ان لیڈروں نے کئی ہفتوں کی خفیہ ملاقاتوں اور بند کمروں میں بات چیت کے بعد اعلان کیا کہ یہ تینوں جماعتیں ون یونٹ کی تنسیخ کی مشترکہ بنیاد پر عام انتخابات میں حصہ لیں گی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے گیارہ لیڈروں پر مشتمل ایک پارلیمانی بورڈ قائم کیا جس کے کنوینر ایوب کھوڑو اور سیکرٹری پیرزادہ عبدالستار مقرر ہوئے۔ انہوں نے محاذ کا منشور تیار کرنے اور جامع انتخابی پروگرام مرتب کرنے کے لئے ایک تین رکنی سب کمیٹی بھی بنائی سندھ کی مختلف سیاسی جماعتوں کے متحدہ محاذ کے قیام سے پورے مغربی پاکستان میں حیرت اور سنسنی کی ہر دوڑ گئی۔ یہ حیرت بجا تھی کیونکہ متحدہ محاذ سندھ کے ان رہنماؤں پر مشتمل تھا جو اب تک ایک دوسرے کے جانی دشمن اور کٹر مخالف رہے تھے۔ متحدہ محاذ کے کنوینر ایوب کھوڑو اور سیکرٹری پیرزادہ عبدالستار تھے جنہیں برطرف کرا کے کھوڑو سندھ کے وزیراعلیٰ بنے تھے۔ ان کے جانی دشمن میر غلام علی تالپور بھی اس اتحاد میں شامل تھے جنہیں اسی ون یونٹ کی مخالفت کی بنا پر کھوڑو نے گرفتار کرا کے تھرپار کر کے قصبہ مٹھی میں نظر بند کرا دیا تھا۔ اس محاذ میں قاضی فضل اللہ اور آغا غلام نبی پٹھان بھی شریک تھے جن پر کھوڑو نے سندھ اسمبلی کے اس اجلاس میں بم پھینکنے کا الزام لگایا تھا جس میں ون یونٹ کی قرار داد منظور کرائی گئی تھی اس میں نیشنل عوامی پارٹی کے جی ایم سید بھی شریک تھے جنہیں کھوڑو نے ون یونٹ کی مخالفت کی پاداش میں جیل میں ڈلوا دیا تھا اور اس محاذ میں مرکزی وزیر بحالیات مولا بخش سومرو بھی شامل جن کی کھوڑو سے برسوں پرانی خاندانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ ان کے علاوہ محاذ میں پیر صاحب پگاڑو اور مخدوم طالب المولیٰ آف ہالا بھی شریک تھے۔

13 ستمبر۔۔۔ غفار خان گرفتار اور رہا

مشرقی پاکستان نیپ کے عوامی لیگ وزارت کی حمایت کرنے اور ون یونٹ کی تنسیخ کے مسئلے پر نیپ کی مرکزی قیادت سے سول نافرمانی کی

اجازت نہ ملنے پر خان عبدالغفار خان نیپ سے الگ ہو گئے تھے اور اپنی ون یونٹ مخالف سرگرمیاں تیز کر دی تھیں۔ ون یونٹ کی تنسیخ کے ساتھ ساتھ ان کا مطالبہ آئین میں ایک ایسی ترمیم کرنے کا بھی تھا جس کے ذریعے چھوٹے صوبوں کے نمائندوں کو یہ اختیار مل جاتا کہ ان کی اکثریت اگر ون یونٹ کو توڑنے کے حق میں ووٹ دے تو مرکزی حکومت اسے جامہ پہنانے کی پابند ہو۔ حکومت کے نزدیک یہ ایک سنگین مطالبہ تھا اور جب وہ 13 ستمبر کو کوئٹہ پہنچے تو انہیں اس الزام کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا کہ کوئٹہ شہر میں ان کے داخلے پر پابندی تھی اور انہوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم کو توڑا ہے۔ اگلے روز مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ نے حکم دیا کہ انہیں پشاور لے جا کر رہا کر دیا جائے کوئٹہ سے پشاور جاتے ہوئے پولیس کی نگرانی میں' لاہور ریلوے سٹیشن پر اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے حکومت پر الزام لگایا کہ وہ ون یونٹ کے مسئلے پر پنجابی اور پشتون عوام کے درمیان منافرت پھیلا رہی ہے تاکہ انتخابات کو مزید ملتوی کیا جا سکے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ نتھیا گلی کی حالیہ ملاقات میں صدر اسکندر مرزا اور وزیراعلیٰ قزلباش نے وعدہ کیا تھا کہ وہ قومی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ون یونٹ توڑ دیں گے لیکن وزیراعلیٰ نے اس بیان کی تردید کر دی ہے۔ پشاور پہنچ کر غفار خان کو رہا کر دیا گیا۔

(حوالہ : 81)

22 ستمبر۔۔۔ آئین پاکستان اور صدر اسکندر مرزا

صدر اسکندر مرزا نے جس آئین کے تحت صدر کے عہدے کا حلف اٹھایا تھا اس کے بارے میں ان کے جذبات کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے ان کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب نے بیان کیا ہے۔ شہاب کے مطابق 22 ستمبر 1958ء کو دن کے ایک بجے جب صدر اسکندر مرزا اپنے دفتر سے اٹھے تو حسب معمول میرے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر نہ رکے بلکہ مجھے باہر برآمدے میں اپنے پاس بلا بھیجا۔ ان کے ہاتھ میں پاکستان کے آئین کی ایک جلد تھی۔ انہوں نے اس کتاب کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے پوچھا تم نے اس TRASH کو پڑھا ہے؟' اس بیان کے درست ہونے کی تائید دوسرے ذرائع سے نہیں ہو سکی۔

(حوالہ : 82)

22 ستمبر۔۔۔ صدر ترکی پاکستان میں

ترکی کے صدر جلال بایار دو روزہ دورے پر کراچی پہنچ گئے۔ وہ صدر اسکندر مرزا کی دعوت پر پاکستان پہنچے جنہوں نے ہوائی اڈے پر مہمان صدر کا استقبال کیا۔ ترکی کے صدر اگلے روز تہران روانہ ہو گئے۔

22 ستمبر۔۔۔ حکمران بحران مسلط کر رہے ہیں: قیوم خان

پاکستان مسلم لیگ کے صدر خان عبدالقیوم خان نے پشاور میں ایک پرہجوم جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے نیشنل گارڈز پر پابندی لگانے کے حکومتی فیصلے کی شدید مذمت کی اور کہا کہ فیروز خان نون کی حکومت مسلم لیگ کے لئے سول نافرمانی کے علاوہ کہا کہ نیشنل گارڈز پر پابندی کا مقصد انتخابات کو ملتوی کرنا ہے جو فروری 59ء میں ہونے والے ہیں۔

22 ستمبر۔۔۔ حیدر آباد میں اینٹی ون یونٹ کنونشن

22 ستمبر کو مرکزی وزیر میر غلام علی تالپور اور دو وزراء کنونشن کی تیاریاں مکمل کرنے کے لئے حیدر آباد پہنچ گئے۔ مرکزی وزیر دفاع محمد ایوب کھوڑو اور سپلائی کے صوبائی وزیر قاضی فضل اللہ اور مرکزی وزیر بحالیات مولا بخش سومرو بھی حیدر آباد پہنچ گئے جہاں نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما عبدالمجید سندھی اور جی ایم سید پہلے ہی حیدر آباد پہنچ کر ایجنڈے کو آخری شکل دے رہے تھے۔ اس کنونشن میں شرکت کے لئے سندھ ہاری کمیٹی کے رہنما حیدر بخش جتوئی کو خصوصی طور پر دعوت دی گئی۔ یہ کنونشن اینٹی ون یونٹ پارلیمانی بورڈ کے زیر اہتمام ہوا۔

23 ستمبر۔۔۔ ڈپٹی سپیکر قتل

مشرقی پاکستان اسمبلی میں ارکان کے درمیان ہنگامے کے دوران ڈپٹی سپیکر شاہد علی انتقال ہو گیا۔

(حوالہ : 83)

تفصیل کے لئے دیکھیں' اسی کتاب کا ایک مقالہ۔۔۔ ڈپٹی سپیکر کا قتل

24 ستمبر۔۔۔ مشرقی پاکستان اسمبلی کا اجلاس ملتوی

مشرقی پاکستان اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت تک ملتوی کر دیا گیا۔ حزب مخالف کے لیڈر ابو حسین سرکار اور سات ارکان اسمبلی کی گرفتاری بھی عمل میں آئی۔

27 ستمبر۔۔۔ ری پبلیکن پارٹی کا دو روزہ کنونشن

وزیراعظم پاکستان اور ری پبلیکن پارٹی کے سربراہ سر فیروز خان نون نے ری پبلیکن پارٹی کے دو روزہ کنونشن کے افتتاحی اجلاس میں کہا کہ پاکستان میں جمہوری قدریں خطرے میں پڑ گئی ہیں۔

29 ستمبر۔۔۔ گوادر کی قیمت

ایک اطلاع کے مطابق حکومت پاکستان نے مسقط کے سلطان سے

گوادر حاصل کرنے کے لئے 40 لاکھ پونڈ سٹرلنگ قیمت ادا کی جس میں سے ایک چوتھائی رقم ڈالر کی صورت میں ادا کی گئی۔

اکتوبر

4-5 اکتوبر۔۔۔ فوجی انقلاب کی تیاری

4 اکتوبر کو ایوب خان آخری اور فیصلہ کن کارروائی کے لئے راولپنڈی سے روانہ ہوئے۔ ان کے اپنے لفظوں میں "نقارے پر چوٹ پڑ چکی تھی ..... وہ لمحہ جس کا مدت سے انتظار تھا' آخر کار آ پہنچا تھا۔ اب ذمہ داری سے جان چرانا ممکن نہ رہا تھا۔ یہ 4 اکتوبر 1956ء کا دن تھا اور جب میں اپنے ریلوے سیلون میں سوار ہوا تو میں جانتا تھا کہ اب یہ دور ختم ہونے کو ہے۔ میں کراچی جا رہا تھا جہاں ایک سیاسی سوانگ ایک لمبے عرصے سے کھیلا جا رہا تھا اور اب اس کے ختم ہونے کا وقت آ پہنچا تھا۔ اس سے چند روز پہلے صدر اسکندر مرزا نے مجھے بتایا تھا کہ صورت حال ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے اور میں نے اقدام کا فیصلہ کر کیا ہے۔ میں 5 اکتوبر کو کراچی پہنچا۔ یحییٰ' حمید اور دو ایک اور افسر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے ..... ملک کو بچانے کا یہ آخری موقع تھا"۔

(حوالہ : 84)

4 اکتوبر۔۔۔ سول نافرمانی کی دھمکی

4 اکتوبر کو پنڈ داد نخان (ضلع جہلم) میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے قیوم خان نے کہا کہ اگر مرکزی حکومت نے 15 نومبر تک انتخابات کی تاریخ کا اعلان نہ کیا تو ملک میں سول نافرمانی شروع ہو جائے گی۔ جلسے سے سردار بہادر خان' میاں ممتاز دولتانہ اور دوسرے مسلم لیگیوں نے بھی خطاب کیا مسلم لیگی رہنماؤں نے پنڈ داد نخان کے علاوہ چوا سیدن شاہ میں بھی خطاب کیا۔

6 اکتوبر۔۔۔ قلات پر پاکستانی فوج کی کارروائی

6 اکتوبر 1958ء کو صدر اسکندر مرزا کے حکم سے علی الصبح پاکستانی فوج نے خان قلات کے محل اور پوری وادی قلات کو گھیرے میں لے لیا۔ خان اور اہل قلات جب 6 اکتوبر کی صبح بیدار ہوئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے اپنے ملک پاکستان کی فوج نے انہیں دشمنوں کی طرح گھیر لیا تھا۔ حکومت پاکستان کے موقف کے مطابق خان قلات نے باغیانہ طرز عمل اختیار کیا۔ 4 گھنٹے تک اس کے آدمی فوج کے خلاف مزاحمت کرتے رہے۔ جن میں سے تین مارے گئے۔ خان قلات کو گرفتار کر کے لاہور پہنچا دیا گیا۔

(حوالے : 85'86)

6 اکتوبر۔۔۔ غیر ملکی سفارت کار مداخلت سے باز رہیں : سردار بہادر خان

مغربی پاکستان میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی لیڈر سردار بہادر خان نے پاکستان میں تعینات غیر ملکی سفارت کاروں سے اپیل کی کہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہیں۔ "اپنی سرگرمیوں کو سفارتی آداب تک محدود رکھیں" "اور ہمیں ہمارے سیاسی معاملات خود حل کرنے دیں"۔

7 اکتوبر۔۔۔ مارشل لا کا نفاذ

رات 8 بجے پاکستان میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ سیاسی جماعتوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ پارلیمنٹ اور کابینہ برطرف کر دی گئی۔ صدارتی اعلان کے مطابق ایوب خان کو مارشل لا کا ناظم اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔۔۔ اس سے چند گھنٹے قبل مرکزی کابینہ میں ردو بدل کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جسٹس یعقوب علی نے عاصمہ جیلانی کیس میں لکھا کہ اسکندر مرزا اور ایوب خان نے مل کر شب' درمیان 7 اور 8 اکتوبر 1958ء کو قوم کے قانونی نظام کو اکھاڑ پھینکا۔ انکا یہ اقدام صریح بغاوت کا جرم تھا۔ یہ کرتے وقت انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ 1956ء کا دستور' جسے وہ منسوخ کر رہے تھے' ایک ایسا عہد تھا جس کے تحت مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام نے بطور ایک قوم مل کر رہنے کا تہیہ کیا ہوا تھا..... اس کے بعد عوام جو خدائے بزرگ و برتر کے عطا کردہ اقتدار کے وارث تھے' عارضی حکومت کے نظام اور بست و کشاد سے الگ کر دیئے گئے اور اس تمام تر طاقت کا حامل ایک آمر ان پر اس طرح حکومت کر رہا تھا جیسے کوئی غیر ملکی فاتح جرنیل شکست خوردہ رعایا پر کرتا ہے۔

7 اکتوبر۔۔۔ مارشل لا کی اولین ہدایت

چیف مارشل لا ایڈ منسٹریٹر جنرل محمد ایوب خان نے حکم دیا کہ تمام اخبارات تا حکم ثانی مارشل لا کے نفاذ اور صدر کے جاری کردہ احکامات پر رائے زنی سے پرہیز کریں۔ 8 اکتوبر کو ایوب خان نے ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ ہمارا آخری مقصد یہ ہے کہ جمہوریت کو بحال کیا جائے لیکن اس قسم کی جمہوریت جسے عوام سمجھ سکیں اور جس پر عمل کر سکیں۔ وقت آنے پر آپ کی رائے آزادی کے ساتھ معلوم کی جائے لیکن ایسا کب ہو گا یہ واقعات پر منحصر ہے..... یہ وہ دور ہے جب ملک کو تعمیر کی ضرورت ہے۔

(حوالہ : 87)

9 اکتوبر۔۔۔ ایوب کھوڑو گرفتار

چور بازاری کے الزام میں سابق وزیراعلیٰ سندھ اور وزیر دفاع محمد ایوب کھوڑو کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے ایک غیر رجسٹرڈ شدہ 1958 کے ماڈل کی ایک شیورلیٹ کار شہر کے ایک بزنس مین کے ہاتھ فروخت کی ہے۔

9 اکتوبر۔۔۔ جنرل موسیٰ ڈپٹی کمانڈر انچیف

لیفٹیننٹ جنرل محمد موسیٰ چیف آف سٹاف پاکستان آرمی کو ڈپٹی کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔

9 اکتوبر۔۔۔ اشیائے صرف کی قیمتیں کم

متعدد اشیائے صرف کی قیمتیں گر گئیں ان میں سوتی کپڑا' خوردنی تیل اور صابن وغیرہ شامل تھے۔

9 اکتوبر۔۔۔ میری حاکمیت انقلاب ہے: اسکندر مرزا

صدر اسکندر مرزا نے ایک پریس کانفرنس میں کہا: "میری حاکیت انقلاب ہے۔ مجھے کسی قانون یا آئین کی تائید حاصل نہیں۔ بس میرا ضمیر ہی میری تائید ہے" گذشتہ دو ماہ کے دوران ایوب خان کے ساتھ اپنی بحثوں اور باہمی اتفاق رائے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "یہ ایک مشترکہ فیصلہ تھا جس میں پہل میں نے کی۔ اگر کوئی انقلاب لایا ہے تو وہ میں ہوں ..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ پہلے سے زیادہ خوش اور زیادہ آزاد ہوں گے"

(حوالہ: 88)

10 اکتوبر۔۔۔ ایوب/ مرزا کے خلوص پر شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں: نیویارک ٹائمز

نیویارک ٹائمز نے اگرچہ "اصولی طور پر" آئینی حکومت کی جگہ مارشل لا کے نفاذ کی رسمی مذمت کی تاہم اس نے تصویر کے روشن رخ پر توجہ مرکوز رکھنے کے حق میں دلائل دیتے ہوئے لکھا:

"ان مقاصد کو محسوس کرنا ضروری ہے جن کی خاطر یہ شدید قدم اٹھایا گیا ہے۔ پاکستان میں صدر مرزا اور فوج کے سربراہ جنرل ایوب خان نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ وہ مناسب وقت پر ایک آزاد' دیانتدار اور جمہوری حکومت قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کی خلوص پر شبہ کرنے کا کوئی سبب موجود نہیں"۔ اخبار نے "ان پڑھ" رائے دہندگان مختلف سیاسی جماعتوں کے "غیرذمہ دار عناصر" اور ملک کی بہتری کے لئے موثر طور پر کام کرنے میں "عمومی پارلیمانی عمل" کی ناکامی کا بھی حوالہ دیا۔ اخبار نے اپنے تجزیے کا خاتمہ اطمینان کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ نئی قیادت نے یقین دلایا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور پاکستان نے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں پورا کیا جائے گا۔ نیویارک ٹائمز نے لکھا: "یہ سب اچھی باتیں ہیں۔ اس وقت ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے اور مصیبت زدہ پاکستانیوں کو اپنی مسلسل دلچسپی اور خیرسگالی کا دوبارہ یقین دلانا چاہئے"۔

(حوالہ: 89)

11 اکتوبر۔۔۔ غفار خان' اچکزئی اور بھاشانی گرفتار

خان عبدالغفار خان' خان عبدالصمد خان اچکزئی اور مولانا عبدالحمید خان بھاشانی گرفتار کر لئے گئے۔ غفار خان کو ان کے بیٹے غنی خان کی رہائش گاہ سے پاکستان سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ عبدالصمد خان اچکزئی کو بھی گرفتار کر کے 14 سال قید بامشقت کی سزا دے دی گئی۔ مولانا بھاشانی کی گرفتاری کی بعد 12 اکتوبر کو حمید الحق چودھری بھی گرفتار کر لئے گئے لیکن چودھری تین دن بعد ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔

15 اکتوبر۔۔۔ مارشل لا کم سے کم مدت تک برقرار رکھا جائے گا: مرزا

صدر اسکندر مرزا نے غیرملکی نامہ نگاروں سے ایک ملاقات میں کہا کہ مارشل لا کم سے کم مدت تک برقرار رکھا جائے گا۔ مارشل لا کے خاتمے پر بارہ سے پندرہ افراد تک کی ایک قومی کونسل قائم کی جائے گی۔ اس کی بعد نیا آئین بنانے کے لئے تیس چالیس اچھے آدمی لئے جائیں گے اور آئین پر ریفرنڈم کرایا جائے گا۔

15 اکتوبر۔۔۔ عباس' خورشید اور صراف رہا

تین کشمیری رہنما چودھری غلام عباس کے ایچ خورشید اور محمد یوسف صراف رہا کر دیے گئے۔

15 اکتوبر۔۔۔ قبل از اشاعت سنسر ختم

مارشل لاء حکومت نے اخبارات پر سے قبل از اشاعت سنسر کی پابندیاں ختم کر دیں۔

17 اکتوبر۔۔۔ مارشل لاء ضرورت سے ایک منٹ بھی زائد قائم نہیں رکھا جائے گا: ایوب

سپریم کمانڈر اور مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ جنرل محمد ایوب خان نے اعلان کیا کہ مارشل لاء ضرورت سے ایک منٹ بھی زائد قائم نہیں رکھا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ مارشل لاء کا مقصد ماضی کی سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور انتظامی آلائشوں کو دور کرنا ہے۔

17 اکتوبر۔۔۔ فوجی عدالتوں کی سماعت شروع

لاہور میں فوجی عدالتوں نے مارشل لاء کی خلاف ورزی کے مقدمات کی سماعت شروع کر دی۔

17 اکتوبر۔۔۔ مولانا اختر علی خان کا انتقال

روزنامہ 'زمیندار' لاہور کے مالک اور مدیر مولانا اختر علی خان انتقال کر گئے۔

18 اکتوبر۔۔۔ مرکزی حکومت کے انتظامی ڈھانچے میں تبدیلیاں

صدر اسکندر مرزا اور مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ جنرل محمد ایوب خان نے مرکزی حکومت کے انتظامی ڈھانچے میں تبدیلیوں کا اعلان کیا۔ اس کے مطابق چار وزارتیں (پارلیمانی امور، محنت، اقتصادی امور اور ریاستوں اور سرحدی علاقوں کی وزارتیں) ختم کر کے انہیں دوسری وزارتوں میں مدغم کر دیا گیا۔

19 اکتوبر۔۔۔ ملک میں فوجی حکومت نہیں ہے: ایوب خان

ناظم مارشل لاء اور سپریم کمانڈر جنرل محمد ایوب خان نے غیر ملکی نامہ نگاروں سے ایک ملاقات میں کہا کہ ملک میں فوجی حکومت نہیں اور بیشتر فوج بیرکوں میں واپس جا چکی ہے۔

20 اکتوبر۔۔۔ مزدوروں کی جائز ضرورتیں پوری کی جائیں گی: مرزا

صدر اسکندر مرزا نے کراچی میں مزدوروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محنت کش طبقہ ملک کے معاشرتی نظام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس طبقے کی تمام جائز ضرورتوں کو پورا کیا جائے گا۔

21 اکتوبر۔۔۔ وارنٹ کے بغیر گھروں میں تلاشی کا اختیار

مغربی پاکستان کے ناظم مارشل لاء لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان نے مزید قواعد و ضوابط نافذ کئے۔ ایک قاعدے کی رو سے فوجی یا سول افسروں کو وارنٹ یا وارنٹ کے بغیر گھروں میں تلاشی لینے کا اختیار دے دیا گیا۔

22 اکتوبر۔۔۔ کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری رہے گی: ایوب

سپریم کمانڈر اور ناظم اعلیٰ مارشل لاء نے ڈھاکہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان سے کشمیر اور نہری پانی کے مسائل حل کر کے پاکستان کو خوشی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان کی مالی حالت سدھارنے کے لئے مالی و انتظامی اقدامات کئے جائیں اور ایک متوازن ترقیاتی منصوبے پر فوراً عمل کیا جائے۔

23 اکتوبر۔۔۔ گھمن گرفتار

مغربی پاکستان کے سابق وزیر عبدالغنی گھمن کو غبن اور سمگلنگ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

23 اکتوبر۔۔۔ امریکی وزیر دفاع کراچی میں

23 اکتوبر 1958ء کو امریکی وزیر دفاع نائل میک الوری چار روزہ دورے پر کراچی پہنچے۔ امریکی وزیر دفاع نے صدر اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان سے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔

24 اکتوبر۔۔۔ ایوب خان وزیراعظم مقرر کر دیئے گئے

صدر اسکندر مرزا نے جنرل ایوب کو ملک کا وزیراعظم مقرر کر دیا اور بارہ افراد کو کابینہ کا رکن نامزد کیا گیا ان میں لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان، لیفٹیننٹ کے ایم شیخ، ایف ایم خان، لیفٹیننٹ جنرل ڈبلیو اے برکی، حبیب الرحمان، ابوالقاسم خان، منظور قادر، ذوالفقار علی بھٹو، مولوی محمد ابراہیم، ایم شعیب اور حفیظ الرحمان شامل تھے۔

24 اکتوبر۔۔۔ کیا صدر کا عہدہ فالتو ہو گیا ہے؟

مشرقی پاکستان سے واپس آنے اور اسکندر مرزا کی طرف سے انہیں اور دوسرے اعلیٰ فوجی افسروں کو ہٹانے کی "مبینہ سازش" کے بعد ایوب خان نے اپنے بعض دوستوں کے اصرار پر اس نکتے پر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ کیا صدر پاکستان کا عہدہ فالتو نہیں ہو گیا؟ ایوب کے ساتھی اسکندر مرزا کو "مکمل طور پر نمک حرام" قرار دے کر ان سے چھٹکارا پانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ جس پر ایوب خان نے کہا تھا "اچھا تو پھر مجھے اس پر سوچنے کے لئے دو دن کی مہلت دیجئے"۔ اسی شام ایک رنگا رنگ

تقریب میں امریکی وزیر دفاع کو صدر کے باڈی گارڈ کا اعزازی رکن بنایا گیا۔ جو کہ پاکستانی فوج کا نہایت ہی شاندار گھوڑ سوار یونٹ تھا۔ جب صدر کے باڈی گارڈ کی قوت میں اضافہ' امریکی وزیر دفاع جیسے زبردست رکن کی شمولیت سے ہوا تو صدر اسکندر مرزا توہین اور زوال سے صرف دو روز کے فاصلے پر تھے۔۔۔ سیاسی حلقوں کے مطابق امریکی وزیر دفاع کے دورے کے لئے وقت کا انتخاب معنی خیز تھا۔

(حوالے: 90'91)

27 اکتوبر۔۔۔ ایوب خان نے وزیراعظم کے عہدے کا حلف اٹھالیا

سپریم کمانڈر جنرل محمد ایوب خان نے وزیراعظم کے عہدے کا حلف اٹھالیا۔ ان کی کابینہ نے بھی حلف اٹھایا۔ تین ارکان بروقت کراچی نہ پہنچ سکنے کے باعث حلف نہ اٹھا سکے۔

27 اکتوبر۔۔۔ فاتح انقلاب قانونی ہوتا ہے: سپریم کورٹ

سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بنچ نے اپنے ایک فیصلے میں اعلان کیا کہ ایک ایسا انقلاب جسے فتح نصیب ہو یا حکومت کی تبدیلی کی کوئی کامیاب کوشش آئین تبدیل کرنے کا بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ قانونی طریقہ ہے۔

مزید دیکھیں' اسی کتاب کا ایک حصہ۔۔۔ عدلیہ کا سیاسی کردار۔۔۔

27 اکتوبر۔۔۔ صدر اسکندر مرزا مستعفی ہوگئے

27 اکتوبر کی شب ایوب خان کے تین جرنیلوں نے صدر اسکندر مرزا سے ایک استعفے پر دستخط کروا لئے۔ بعد ازاں انہیں پہلے کوئٹہ اور پھر لندن جلاوطن کر دیا گیا۔

(حوالہ: 92)

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک نوٹ۔۔۔ اسکندر مرزا کا استعفیٰ۔

28 اکتوبر۔۔۔ امریکی وزیر دفاع کا دورہ پاکستان مکمل

امریکی وزیر دفاع اپنا چار روزہ دورۂ پاکستان مکمل کر کے کراچی سے روانہ ہو گئے۔

28 اکتوبر۔۔۔ پاکستان میں صدارتی طرز حکومت

جنرل ایوب خان نے اعلان کیا کہ پاکستان میں اب صدارتی طرز حکومت ہوگی۔

30 اکتوبر۔۔۔ "اسکندر مرزا سیاسی ابتری کے ذمہ دار تھے"

صدر مملکت جنرل محمد ایوب خان نے ایک بیان میں کہا کہ سابق صدر اسکندر مرزا کا سیاستدانوں سے گہرا ربط و ضبط تھا اور عام تاثر یہ ہے کہ وہ بھی سیاسی ابتری کے ذمہ دار تھے۔

حوالے: پہلی قومی اسمبلی (23 مارچ 56ء تا 7 اکتوبر 58ء)

1۔۔۔ روزنامہ 'ڈان' (انگریزی)' 23 مارچ 1956ء

2۔۔۔ ایضاً' 25 مارچ 1956ء

3۔۔۔ وینکٹیے رامانی' صفحات 484- 483' اصل حوالہ: روزنامہ 'ڈان' 30 مارچ 1956ء

4۔۔۔ ایضاً' صفحہ 484' اصل حوالہ: "ٹاپ سیکرٹ"' "ایم ڈی اے پی کی نوعیت اور مضمرات"' جوائنٹ چیفس آف سٹاف بریفنگ' جو 21 اپریل 1956ء کو قومی سلامتی کونسل کو پیش کی گئی۔

5۔۔۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور' (انگریزی) 24 مئی 1956ء

6۔۔۔ ویسٹ پاکستان لیجسلیٹو اسمبلی' ڈیبیٹس' 28 مئی 1956ء صفحات 509 -551

7۔۔۔ ایضاً۔ 2 جون 1956ء' صفحہ 871

8۔۔۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور (انگریزی)' 10 جون 1956ء

9۔۔۔ فارغ بخاری' صفحات 318- 293

10۔۔۔ روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور (انگریزی) 8 تا 31 جولائی 1956ء کے شمارے

11۔۔۔ ایضاً۔ 4 تا 23 جولائی' 1956ء

12۔۔۔ روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 24 جولائی 1956ء

13۔۔۔ وینکٹیے رامانی' صفحات 497' 499' اصل حوالہ: لیو نارڈ موسلے " ڈلس ایلز' ایلین اور جان فاسٹر ڈلس کی ایک سوانح عمری اور ان کا خاندانی جال" نیویارک' 1978' صفحات 402' 404

14۔۔۔ ویسٹ پاکستان لیجسلیٹو اسمبلی ڈیبیٹس۔ یکم اگست 1956ء صفحات 37 تا 41' جلد نمبر 2 نمبر 1

15۔۔۔ ایضاً' یکم 'دو' تین اور چار اگست 1956ء' جلد نمبر 2 نمبر 1' 2' 3 اور 4

16۔۔۔ روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 13 اگست 1956ء

17۔۔۔ ہفت روزہ "لیل و نہار"' 15 جون 1958' صفحہ 36

18۔۔۔ فارغ بخاری' صفحات 317- 316

19۔۔۔ سید نور احمد' صفحہ 458

20۔۔۔ فاروق قریشی' صفحہ 320' اصل حوالہ: روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 2

اکتوبر 1956ء
21..... خان عبدالصمد خان اچکزئی' عدالت عالیہ میں' لاہور' 1956ء صفحات 17-18
22..... سید نور احمد' صفحات 478- 477
23..... و -لنکٹے رامانی' صفحات 443- 441' اصل حوالہ : نیشنل سکیورٹی کونسل (این ایس سی) 5701 "جنوبی ایشیا سے متعلق امریکی پالیسی"
24..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 21 جنوری' 1957ء
25..... فارغ بخاری' صفحات 320- 318
26..... ویسٹ پاکستان لیجسلیٹو اسمبلی ڈیبیٹس- 28 جنوری 1956ء
27..... و -لنکٹے رامانی' صفحات 383- 381' اصل حوالہ : محکمہ خارجہ شعبہ برائے خفیہ تحقیق' انٹیلی جنس رپورٹ نمبر7459--- "پاکستان کے حکمران گروہ کے امکانات اور مسائل" 8 مارچ 1957--- ڈپلومیٹک ہسٹری برانچ' نیشنل آرکائیوز
28..... پراونشل اسمبلی آف ویسٹ پاکستان ڈیبیٹس' 7 مارچ 1957ء صفحات 1139- 1138
29..... ایضاً' صفحات 1174- 1140
30..... احمد سلیم' صفحہ 242
31..... زاہد حسین انجم- 'مئی کے آئینے میں' صفحات 16' 17
32..... ایضاً- 'جون کے آئینے میں' - صفحہ 18
33..... ایضاً' صفحہ 20
34..... ایضاً' صفحہ 39
35..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 12 جولائی 1957ء
36..... 'نیویارک ٹائمز' (انگریزی) 12 جولائی 1957ء
37..... ہفت روزہ لیل و نہار' 4 اگست 1957ء- صفحات 10- 9' 40- 39
38..... ایضاً- 20 اگست 1957ء' صفحہ 5
39..... ایضاً- 8 ستمبر 1957ء' صفحہ 43
40..... پراونشل اسمبلی آف ویسٹ پاکستان- 17 ستمبر 1957ء' جلد نمبر 4' صفحات 252- 213
41..... تاریخ خوانین بلوچ' صفحات 210- 206
42..... پراونشل اسمبلی آف ویسٹ پاکستان ڈیبیٹس- 21 ستمبر 1957ء جلد نمبر 4- نمبر 8' صفحات 482- 471
43..... ہفت روزہ "لیل و نہار"- 29 ستمبر 1957ء' صفحہ 5
44..... میر احمد یار خان بلوچ--- انسائیڈ بلوچستان (انگریزی) کراچی' 1975ء' صفحات 174- 168
45..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 13 اکتوبر 1957ء
46..... محمد ایچ- آر تعلق دار--- میمارز آف حسین شہید سہروردی (انگریزی) ڈھاکہ' 1987ء' صفحات 63' 119
47..... ہفت رزہ 'لیل و نہار' 10 نومبر 1957ء
48..... زاہد حسین انجم- 'نومبر کے آئینے میں' صفحہ 30
49..... ایضاً' صفحہ' 3
50..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 25 نومبر 1957ء
51..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 5' جنوری 1958ء' صفحات 13- 11' 40- 39' 12جنوری 1958ء' صفحات 18- 11' 44- 41' 26 جنوری 1958ء' صفحات 15-16
52..... ایضاً- 5 جنوری 1958ء- صفحہ 5
53..... ایضاً 12 جنوری' صفحہ 5
54..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 23 جنوری 1958ء
55..... زاہد حسین انجم- 'جنوری کے آئینے میں' صفحہ 30
56..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 27 جنوری 1958ء
57..... ایضاً- 2 فروری 1958ء
58..... ایضاً- 7 فروری 1958ء
59..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 23 فروری 1958ء
60..... سید نور احمد' صفحات 397- 396
61..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 23 مارچ 1958ء' اصل حوالہ : پراونشل اسمبلی آف ویسٹ پاکستان- 19 مارچ 1958ء- جلد نمبر5 نمبر6
62..... پراونشل اسمبلی آف ویسٹ پاکستان- ڈیبیٹس' جلد نمبر 5 نمبر 7' صفحات 409-396'
63..... سید نور احمد' صفحات 467-466
64..... روزنامہ 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' (انگریزی) لاہور' 23 مارچ 1958ء
65..... روزنامہ 'پاکستان ٹائمز' 3 اپریل 1958ء
66..... زاہد حسین انجم- 'مئی کے آئینے میں' صفحہ 17
67..... ایضاً' صفحہ 21
68..... محمد ایوب خان' صفحات 104-103
69..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 15 جون 1958ء صفحہ 5
70..... احمد سلیم' صفحات 253-252
71..... ایوب خان' صفحہ 105
72..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 29 جون 1958ء صفحہ 5
73..... محمد ایوب خان' صفحات 110-109
74..... وینکٹے رامانی' صفحات 512-511' اصل حوالے : (1) سلز برگر--- "آخری دیوہیکل" این 14' صفحات 499-498 (2) محکمہ خارجہ کا بلیٹن' 36' (4 اگست 1958ء)
75..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 17 اگست 1958ء

76..... محمد ایوب خان' صفحہ 113
77..... ہفت روزہ 'لیل و نہار' 7 ستمبر 1958ء' صفحات 40-39
78..... ایضاً' 14 ستمبر 1958ء' صفحہ 5
79..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 11 ستمبر 1958ء
80..... ایضاً
81..... فارغ بخاری۔ 'تحریک آزادی اور باچا خان' نگارشن ہاؤس' لاہور' 1991ء' صفحات 319-318
82..... قدرت اللہ شہاب' صفحہ 712
83..... سید نور احمد' صفحات 510-509
84..... محمد ایوب خان' صفحہ 117-116
85..... میر احمد یار خان' صفحہ 181
86..... روزنامہ 'ڈان' 7 اکتوبر 1958ء
87..... روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) 8 اکتوبر 1958ء
88..... ایضاً۔ 10 اکتوبر 1958ء
89..... وینکٹیے رامانی 520-519' اصل حوالہ : 'نیویارک ٹائمز' اداریہ۔۔۔ "پاکستان میں بحران" 11 اکتوبر 1958ء
90..... محمد ایوب خان' صفحات 124-122
91..... وینکٹیے رامانی' صفحات 522-521
92..... احمد سلیم' 262-261' حوالے : (1) مشتاق مرزا (مرتب) "ایوب خان۔۔ تخت نشینی سے تختہ الٹنے تک" میں یحییٰ سید کا اسکندر مرزا سے انٹرویو' کراچی' 1987ء صفحات 11-10 (2) ایضاً' اسکندر مرزا کے صاحبزادے ہمایوں مرزا کی گفتگو' صفحہ 22

دوسرا حصہ

خصوصی مقالے

انتقالِ اقتدار۔۔۔ منصوبے کی تفصیلات

13 فروری 1947ء کو وائسرائے لارڈ ویول کو برطانوی وزیراعظم کی طرف سے ایک طویل تار موصول ہوا کہ وہ (وزیراعظم) اگلے ہفتے ہندوستان کی آزادی سے متعلق ایک اعلان کرنے کی تجویز پیش کر رہے ہیں جس میں وائسرائے کی تبدیلی بھی شامل ہے اور ماؤنٹ بیٹن کو اس عہدے پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ لارڈ ویول کے لفظوں میں یہ ایک "غیر متوقع تقرر" تھا لیکن وزیراعظم کے نقطہ نظر سے ایک ہوشیار آدمی کا تقرر۔ ویول نے لکھا: "شاید ڈکی (ماؤنٹ بیٹن) وہ کچھ حاصل کر لے جو میں نہ کر سکا....."

22 مارچ کو نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان میں وارد ہو کر کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں سے مذاکرات شروع کئے۔ اس سلسلے کا آخری اہم اجلاس 2 جون کو منعقد ہوا جس میں نہرو' قائداعظم' لارڈ اسمے' پٹیل' کرپلانی' لیاقت علی خان' بلدیو سنگھ نشتر' سرایے میول اور لیفٹیننٹ کرنل آرلن کرم شریک ہوئے۔ بعد ازاں گاندھی جی کو بھی اجلاس میں شریک کر لیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے 30 صفحے کی ایک دستاویز۔۔۔ تقسیم کے انتظامی نتائج۔ اپنے حتمی منصوبے کے طور پر پیش کی۔

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے وائسرائے نے بتایا کہ شروع شروع میں تو اس نے کیبنٹ مشن پر سمجھوتے کی کوشش کی تاہم پچھلے اڑھائی ماہ میں اس پر آہستہ آہستہ یہ واضح ہو گیا ہے کہ مختلف سیاسی جماعتوں کو متبادل پلان کس حد تک منظور ہیں۔ جناح صاحب نے پورے پاکستان کا دعویٰ کیا ہے لیکن اس کی جو بات چیت پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے ساتھ ہوئی ہے۔ اس سے اسے پتہ چلا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کانگریس کے بنیادی اصولوں کے منافی ہے لیکن اب کانگریس نے یہ اصول مان لیا ہے کہ کسی بھی ایسے علاقے کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہ اصول تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ اسی اصول کا اطلاق ان علاقوں پر بھی ہو گا جو پاکستان کے پہلے پلان کا حصہ ہیں مگر جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ اس کے برعکس جناح صاحب نے واضح طور پر نشاندہی کی تھی کہ وہ صوبوں کی تقسیم کسی صورت بھی رضامند نہیں ہوں گے۔ چونکہ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے اس لئے مسٹر جناح اس صورت حال سے دو چار ہو گئے کہ ایک طرف تو کانگریس تقسیم ہند کے خلاف ہے (ہرچند کے وہ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسلم اکثریتی علاقوں کو مجبور نہ کیا جائے) اور دوسری طرف وہ خود (قائداعظم) صوبوں کی تقسیم کے تو خلاف ہیں مگر ہندوستان کی تقسیم چاہتے ہیں۔ لہٰذا' وائسرائے نے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ ایک بات کو ماننا اور دوسری کو رد کرنا ان کے لئے ناممکن ہے۔

وائسرائے نے اپنے حالیہ دورہ لندن میں کیبنٹ کمیٹی کی متعدد میٹنگوں کا ذکر کیا جن میں سکھوں' کلکتہ کی پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کے مسئلہ پر ریفرنڈم کے امکان اور بعض دوسرے مسائل پر بھی غور کیا گیا تھا۔ ایک میٹنگ میں موجود تمام لیڈروں کا اصرار تھا کہ اگر اقتدار کی منتقلی ہندوستان کی تقسیم کے ذریعے ہی ہونی ہے تو یہ کام جلد از جلد ہونا چاہئے۔ وائسرائے نے بتایا کہ پہلے مرحلے میں انتقال اقتدار' ڈومینین اسٹیٹس (DOMINION STATUS) شکل میں ہو گا' بعد ازاں ہندوستان کی حکومت یا حکومتوں کو مکمل اختیار ہو گا کہ وہ جب چاہیں' دولت مشترکہ سے اپنا ناطہ توڑ لیں.....

وائسرائے نے کہا کہ گورنر جنرل کا نام تجویز کرنے کا حق دونوں وزرائے اعظم کو ہو گا اور یہ رسم ہے کہ بادشاہ ان کے مشورے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی رسم ہے کہ جب تک بادشاہ کی منظوری نہ ہو جائے ان ناموں کو صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے۔

وائسرائے نے بتایا کہ اس نے یہ پلان اس اجلاس میں شریک سات میں سے پانچ ارکان کے ساتھ متعدد ملاقاتوں کے بعد بنایا ہے اور اس میں ان کی خواہش کے مطابق کئی تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں۔ یہ بھی اتفاق کی بات ہے' جو حیران کن بھی ہے کہ ایک جماعت کی مجوزہ ترمیم کو کئی بار دوسری جماعت نے رد نہیں کیا۔ تاہم اگر اس اعلان میں کوئی ایسی ترمیم ہو جس پر باہمی اتفاق نہ ہو تو حکومت نے اسے اختیار دیا ہے کہ وہ اس تجویز کو اعلان سے نکال دے وائسرائے نے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ اس اعلان کو امن و آشتی کے جذبے سے مان لیا جائے اور اس پر خون خرابے کے بغیر عمل کیا جائے....."

اس مرحلے پر پنڈت نہرو نے استفسار کیا کہ اس پلان کو تسلیم کرنے اور اس سے اتفاق کرنے میں کیا فرق ہے۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ اتفاق کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ تمام اصولوں پر تشفی ہو گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس منصوبہ میں دونوں اطراف کے کئی اصولوں کی پامالی ہوئی ہے لہٰذا وائسرائے مکمل اتفاق رائے کا مطالبہ نہیں کرتا وہ صرف اسے مان لینے کے لئے کہہ رہا ہے جو اس بات کی ضمانت ہو گا کہ دونوں اطراف اس پلان کو ملک کی بہتری کا پلان سمجھتی ہیں۔

سردار عبدالرب نشتر نے رائے ظاہر کی کہ اسے تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس پر عمل کرنے پر متفق ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ ہمارے حقیقی رہنما عوام ہیں اور ان سے پوچھے بغیر کسی تجویز کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ قائد کے بقول یہ درست تھا کہ دونوں اطراف سے اس پلان کے مختلف معنوں سے اتفاق نہیں کیا گیا لیکن مسلم لیگ کی طرف سے اسے باضابطہ طور پر تسلیم کرنے میں وقت لگے گا۔ چونکہ یہ کام مسلم لیگ کے آئینی ضابطوں کے مطابق کیا جائے گا اس لئے

اس کا فیصلہ صرف رہنماؤں اور مجلس عاملہ کے اکیس افراد پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مسلم لیگ میں مجلس عاملہ کے علاوہ بھی بے شمار اہم لوگ ہیں ان سے بھی مشورہ کرنا پڑے گا اور عوام کو بھی اپنا ہم خیال بنانا پڑے گا اور اس کے لئے بہت محنت کرنا ہو گی۔ میں کوئی وعدہ کئے بغیر صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے اس پلان کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ہم کوشش کریں گے کہ اس پر خون خرابے کے بغیر پرامن طور پر عمل کیا جائے۔

قائداعظم نے مزید کہا کہ وہ صرف اپنی ذاتی رائے کا اظہار ہی کر سکتے ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ پلان نیک نیتی پر مبنی ہے لیکن حتمی جواب کے لئے انہیں یہ تجاویز عوام کے پاس لے جانا ہوں گی۔ مسلم لیگ ایک جمہوری جماعت ہے اور انہیں اور پارٹی کی مجلس عاملہ کو' ان تجویزوں کے ساتھ اپنے آقاؤں کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ "اور ہمارے آقا' ہمارے عوام ہیں اور آخری فیصلہ کرنے کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔"

جب وائسرائے نے کہا کہ رہنماؤں کو کئی بار فوری طور پر فیصلے کرنا ہی پڑتے ہیں تو قائداعظم کا جواب تھا کہ اگر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے سامنے' جس کا اجلاس ہفتے کے اندر اندر ہو سکتا ہے' کوئی پہلے سے تیار فیصلہ رکھا گیا تو وہ لازماً کہیں گے کہ ان کی رائے حاصل کئے بغیر انہیں اس فیصلے کا پابند بنا دیا گیا..... "میں سمجھتا ہوں کہ میں انہیں یہ تجویز منوانے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر میں قبل از وقت ان کے اقرار کی شہادت نہیں دے سکتا۔ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا اور اس دوران ہر ممکن ایسے قدم اٹھاؤں گا جس سے لوگ پرامن رہیں اور کہیں بھی ہمارے حقیقی آقا ہیں یہ تجویز رد کروانے کے لئے نہیں لے کر جاؤں گا بلکہ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ وہ اسے تسلیم کرنے پر رضامند ہو جائیں....."

وائسرائے کا کہنا تھا کہ شاید کانگریس کو بھی یہی دشواری ہو جس پر پنڈت نہرو نے کہا کہ سردار پٹیل نے اور انہوں نے اس پلان کے ایک ایک نکتے کو باریک بینی سے پرکھ کر اسے قبول کیا ہے۔ انفرادی طور پر ان کے لئے اپنے رفقاء اور کانگریس کے صدر سے مشورہ کئے بغیر اس پلان کو تسلیم کرنا مشکل کام تھا۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے اس منصوبے پر غور کر لیا ہے اور ان کی رائے سے آج وہ کسی وقت وائسرائے کو آگاہ کر دیں گے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس اگلا قدم ہو گا۔ اس کے ممبروں کو شاید دکھ ہو کہ ان سے مشورہ کئے بغیر پلان کو تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن اندریں حالات لیڈروں کو فیصلے کرنا پڑے..... کیونکہ لیڈر حالات کے ریلے میں پھنس گئے ہیں.....

وائسرائے نے کہا کہ کل شام سات بجے وہ ریڈیو پر اعلان کریں گے..... طے ہوا کہ اگلے روز کے اجلاس میں پنڈت نہرو' قائداعظم محمد علی جناح اور سردار بلدیو سنگھ اپنی تقریروں کو (جنہیں نشر ہونا ہے) پڑھ کر سنائیں گے۔

منصوبے کی تفصیلات

وائسرائے ہاؤس کے دربار ہال میں ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم کا مکمل منصوبہ پیش کیا۔ وائسرائے کی تقریر میں منصوبے کے قابل ذکر اور خاص خاص نکات درج ذیل تھے۔

(1) ہندوستان اور پاکستان کے نام سے برصغیر کی دو حصوں میں تقسیم
(2) آبادی کے متصل علاقوں کی بنیاد پر پاکستان کی ہند سے علیحدگی
(3) شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام میں ریفرنڈم
(4) موجودہ اسمبلی کے قابل قبول نہ ہونے کی صورت میں دو دستور ساز اسمبلیوں کا قیام
(5) مسلح افواج اور اثاثہ جات کی تقسیم
(6) پنجاب اور بنگال کے لئے ایک سرحدی کمیشن کی تشکیل جو مسلمان اور غیر مسلمان آبادی کے متصل اکثریتی علاقوں کی بنیاد پر سرحدوں کی تقسیم کے علاوہ "دوسرے عوامل" کو بھی نظر میں رکھے۔
(7) اقتدار کی منتقلی کے لئے 1947ء کی کسی تاریخ کا پہلے سے تعین
(8) ہندوستانی ریاستوں کی آزادی' ان ریاستوں سے کہا گیا کہ وہ کسی ایک یا دوسری مملکت کے ساتھ الحاق کر لیں۔
(9) ہندوستان اور پاکستان کے لئے درجہ نو آبادت (DOMINION STATUS) کا اعلان

اسی شام آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ماؤنٹ بیٹن' پنڈت جواہر لال نہرو' قائداعظم محمد علی جناح اور سردار بلدیو سنگھ نے اپنے نشری بیانات دیئے۔ پنڈت نہرو نے تقریر کرتے ہوئے کہا: "میں پرمسرت جذبات کی بجائے' بجھے ہوئے دل سے ملک کو یہ دعوت دے رہا ہوں کہ اس پلان کو منظور کر لیا جائے۔ اس پلان میں ہندوستان کی تقسیم کا امکان موجود ہے۔ اس پر ہمیں کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔ یہ آزاد ہندوستان کے اس خواب کی' جو ہم کئی پشتوں سے دیکھ رہے تھے' کوئی دل خوش کن تعبیر نہیں ہے لیکن اگر بعض علاقے ہندوستان سے علیحدگی پر مصر ہوں تو کانگریس اپنے اصولوں کے مطابق ان پر جبر کس طرح کر سکتی ہے۔ بہرحال اس تقسیم کا روشن پہلو یہ ہے کہ اس طرح آزادی ہمارے قریب آ گئی ہے اور ہندوستان اندرونی وحدت کے لحاظ سے زیادہ مضبوط بن جائے گا" انہوں نے مزید کہا: "ہم سب معمولی ناچیز انسان ہیں لیکن جس مقصد کے لئے ہم نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ بہت بلند ہے اور اس کی عظمت کا سایہ کچھ ہم پر بھی پڑتا ہے۔"

قائداعظم نے کہا:

"مجھے خوشی ہے کہ آج مجھے دہلی کے اس ریڈیو کے ذریعے آپ حضرات سے براہ راست گفتگو کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی غیر سرکاری شخص کو اس طاقتور آلے کے ذریعے سیاسی مسائل پر عوام سے براہ راست خطاب کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے--- یہ آغاز اچھا ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں مجھے ایسی سہولتیں زیادہ تر حاصل ہوتی رہیں گی تاکہ آپ لوگوں تک میرے خیالات و نظریات' اخباروں کے سرد و جامد الفاظ کے بجائے زندگی کی حرارت سے بھرپور میری اپنی آواز میں براہ راست پہنچ سکیں گے"

ان زبانی الفاظ کے بعد انہوں نے پہلے سے لکھی ہوئی اپنی تقریر پڑھنا شروع کی۔ انہوں نے بتایا کہ ملک معظم کی حکومت کا وہ بیان' جس میں حکومت کے اختیارات' ہندوستان کے عوام کو منتقل کرنے کا منصوبہ شامل ہے' نشر کیا جا چکا ہے۔ ہمیں اس منصوبے پر تدبر کے ساتھ' غیر جذباتی انداز میں نہایت ٹھنڈے دل سے غور و خوض کرنا ہے..... ہم سب پر ذمہ داریاں عائد ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم متحد ہو کر اپنی تمام قوتوں کو یکجا کر لیں تاکہ اختیارات کی منتقلی کا کام پرامن اور منظم طریقے پر انجام پا سکے۔ میں ہر فرقے کے لوگوں سے' بالخصوص مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ امن و امان برقرار رکھیں۔

"یہ ظاہر ہی ہے کہ منصوبہ بعض اہم معاملات میں ہمارے نقطہ نظر کے عین مطابق نہیں ہے۔ اس لئے ہم یہ نہیں سمجھتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس منصوبے سے پوری طرح مطمئن ہیں۔ یا بعض تجاویز سے' جو اس میں بیان کی گئی ہیں۔ متفق ہی ہیں--- اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اس پر غور کریں اور دیکھیں کہ ملک معظم کی حکومت کی جانب سے جو منصوبہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا۔ آیا ہمیں اسے ایک مصالحت یا سمجھوتے کے طور پر قبول کر لینا چاہئے یا نہیں۔

"میں اس سلسلے میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے فیصلے کی پیش بندی نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا اجلاس 9 جون کو طلب کیا گیا ہے۔ کونسل ہی ہمارے دستور' ہماری سابقہ روایات اور طریق کار کے مطابق آخری فیصلہ کرنے کی مجاز ہے لیکن جہاں تک میں مجموعی طور پر اندازہ لگا سکا ہوں۔ دہلی کے مسلم لیگی حلقوں میں اس منصوبے سے جو تاثر لیا گیا ہے وہ امید افزا معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال ہمیں آخری فیصلہ کرنے سے پہلے منصوبے کی خوبیوں اور خامیوں اور تمام پہلوؤں پر پوری احتیاط کے ساتھ غور کرنا ضروری ہے۔

"جو منصوبہ ابھی نشر کیا گیا ہے اس کے پیراگراف نمبر 11 سے یہ عیاں ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبے کی موجودہ اسمبلی کے رائے دہندگان' خود اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ منصوبے کے پیراگراف نمبر 4 میں جو متبادل تجویزیں پیش کی گئی ہیں' وہ ان میں سے کسے منتخب کرتے ہیں۔ یہ استصواب رائے' گورنر جنرل کی زیرنگرانی' صوبائی حکومت کے مشورے سے کیا جائے گا۔ کیا یہ واضح ہو گیا ہے کہ صوبہ سرحد کے عوام کی متفقہ رائے اور فیصلے ہی سے یہ طے پائے گا کہ وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں--- اندریں حالات میں سرحد کی صوبائی مسلم لیگ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی پرامن سول نافرمانی کی تحریک کو' جو انہیں بدرجہ مجبوری شروع کرنا پڑی تھی۔ اب ختم کر دیں۔ میں مسلم لیگ کے تمام لیڈروں سے اور عام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہمارے عوام کو منظم کریں تاکہ وہ استصواب رائے میں ہمت اور حوصلے کے ساتھ پرامید ہو کر حصہ لیں مجھے پورا بھروسہ ہے کہ سرحد کے عوام متفقہ طور پر یک زبان و یک دل ہو کر پاکستان ہی کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں گے....."

اپنی تقریر میں وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے قائداعظم نے کہا: "اس میں کچھ شک نہیں کہ وائسرائے نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کئی مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کی کارکردگی دیکھ کر' میں ان کی انصاف پسندی اور غیر جانبداری کا قائل ہو گیا ہوں اور اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی ہر ممکن مدد کریں اور جہاں تک ہو سکے ان کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کریں"۔

اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے انہوں نے اپنی آواز یکایک اونچی کر دی اور بے اختیار "پاکستان زندہ باد" کہہ کر خاموش ہو گئے۔ یہ نعرہ بھی تقریر کے مسودے میں شامل نہیں تھا۔

(حوالے: 1' 2' 3' 4' 5)

بلوچستان کا فیصلہ
پاکستان یا ہندوستان؟

بلوچستان' پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہو یا ہندوستان کی' اس کا فیصلہ کرنے کے لئے 30 جون کی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ اور فیصلہ سرداروں کے شاہی جرگہ کو کرنا تھا۔ جرگہ کے بعض سرداروں نے طے شدہ پروگرام سے ایک دن قبل اچانک پاکستان کے حق میں فیصلہ کرنے کا اعلان کر دیا جس پر باقی سرداروں کو بھی اس فیصلہ کا ساتھ دینا پڑا---

ایک معاصر روزنامہ نے لکھا کہ بلوچستان نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بلوچستان کے شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے ارکان کا مشترکہ اجلاس یہ فیصلہ کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا کہ بلوچستان موجودہ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہو یا پاکستان کی مجوزہ دستور ساز اسمبلی میں۔ اس مشترکہ اجلاس میں کل 54 ارکان شامل ہوئے تھے۔ سب نے متفقہ طور پر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے

کے حق میں ووٹ دیئے۔ آٹھ غیر مسلم ارکان اجلاس وزیر اطلاعات سردار عبدالرب نشتر اور حکومت سندھ کے ایک وزیر محمد ایوب کھوڑو (یہ دونوں مسلم لیگی رہنما تھے) کوئٹہ پہنچے تاکہ 30 جون کے شاہی جرگہ کے اجلاس کے سلسلے میں اپنا اثر استعمال کر سکیں لیکن ان کی آمد سے قبل ہی ڈرامائی انداز میں فیصلہ ہو چکا تھا۔

ایک دوسرے نقطہ نظر کے مطابق شاہی جرگے کا فیصلہ' بلوچستان کے عوام کا نمائندہ فیصلہ نہیں تھا کیونکہ اس کے ارکان حکومت برطانیہ کے نامزد کردہ تھے اور جرگے کی سفارشات صرف اس محدود خطے سے متعلق تھیں' جو برطانوی بلوچستان کہلاتا تھا۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق' بلوچستان میں ایک ایسا ریفرنڈم' جو ایک قوم یا علاقے کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہو اسے عوامی سطح پر ہونا چاہئے تھا۔ دوسرے' اس کو صرف اس سوال تک محدود نہیں چاہئے تھا کہ آیا وہ پاکستان یا بھارت میں سے ایک کا انتخاب کر لیں جبکہ ریاست قلات کی آزاد حیثیت تھی اور ریفرنڈم میں لوگوں کو وسیع انتخاب کا موقع ملنا چاہئے تھا۔ پھر شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے ارکان کسی طور عوام الناس کے مستقبل کے فیصلہ کے آئینی اور قانونی طور پر مجاز نہیں تھے۔ شاہی جرگہ انگریزوں کا نامزد ادارہ ہونے کے علاوہ ان کا باقاعدہ تنخواہ دار اور مخصوص مقاصد کا حاصل ادارہ تھا جیسے انتظامیہ یا عدالتیں۔ اسی طرح کوئٹہ میونسپل کے ارکان کی نمائندہ حیثیت بھی مشکوک تھی۔

دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق' جس کے حق میں گل خاں نصیر اور عنایت بلوچ نے تفصیل سے بحث کی ہے' اس فیصلے میں کوئٹہ کو دوہری حیثیت دی گئی۔ کوئٹہ کے میونسپل ارکان اور کوئٹہ سے شاہی جرگہ کے ممبران--- ہر دو نے ووٹ دیئے نیز میونسپل کے غیر مسلم ارکان کو بلا جواز ووٹ سے الگ رکھا گیا۔ پہلے نقطۂ نظر کے حامل مصنفین (ڈاکٹر انعام الحق' اے بی اعوان وغیرہ) بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ رائے شماری کے لئے 30 جون کی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ 29 جون کو صرف ایجنٹ ٹو گورنر جنرل نے ماونٹ بیٹن کا اعلان پڑھ کر سنانا تھا۔ اسی لئے 29 جون کے اجلاس میں کئی ارکان شریک نہیں تھے۔ یہی نہیں مسٹر مسعود کھدر پوش اور جہانگیر شاہ (پولیٹکل ایجنٹ اور اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ) حکومت کے بااختیار ملازمین کے طور پر بھی فیصلے پر اثرانداز ہوئے۔

دوسرے نقطہ نظر والے دعویٰ کرتے ہیں کہ بلوچستان میں دستور ساز اسمبلی کے انتخاب کا خود وہاں کی مسلم لیگ نے بائیکاٹ اس بنا پر کیا تھا کہ اس انتخابی ادارہ کی کوئی آئینی حیثیت نہیں تھی۔ جب دستور ساز اسمبلی میں اس کی آئینی حیثیت مشکوک تھی تو ریفرنڈم میں بھی اس کی شمولیت مشکوک ہی ٹھہرے گی۔

(حوالے: 6' 7' 8' 9' 10)

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم

صوبہ سرحد پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہو یا بھارت کی' اس سوال پر 6 اور 17 جولائی کے دوران صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا جس کا خدائی خدمت گاروں اور صوبے کی کانگریسی حکومت نے بائیکاٹ کیا۔ ریفرنڈم کے نتائج مندرجہ ذیل تھے۔

ووٹروں کی کل تعداد	5,72,799
ووٹ جو ڈالے گئے	(%51) 2,92,118
پاکستان کے حق میں	(%50.50) 2,89,244
ہندوستان کے حق میں	2874

اس ریفرنڈم کے سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر بالغ کو رائے دہی کا حق حاصل نہیں تھا' صوبہ سرحد کی 35 لاکھ آبادی میں صرف پونے چھ لاکھ ووٹر تھے۔ یہی نہیں' صوبے سے ملحق چھ ایجنسیاں' قبائلی علاقے اور ریاستیں.... سوات' دیر' چترال اور امب اس میں شامل نہیں تھیں کل آبادی ملا کر تراسی لاکھ بنتی ہے جس میں سے تین لاکھ سے بھی کم لوگوں نے ووٹ ڈالے۔

ریفرنڈم کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ 1947ء میں ماونٹ بیٹن' صوبہ سرحد کے دورے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس صوبے کے مستقبل کا فیصلہ عوامی رائے عامہ کا از سر نو تعین کرنے کے بعد کیا جائے۔ تب ہی یہاں امن قائم ہو سکتا ہے جس کے لئے نئے انتخابات یا پھر ریفرنڈم کا راستہ اختیار کیا جائے۔ ماونٹ بیٹن نے مسلم لیگ کے مطالبہ انتخابات کو نظرانداز کرتے ہوئے ریفرنڈم کرانے کا فیصلہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات نے ہندو مسلم تضاد کو مزید شدید کر دیا تھا اور صوبہ کی رائے عامہ پاکستان میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔

دوسری طرف خدائی خدمت گاروں کا استدلال یہ تھا کہ اگر مسلم اکثریت کے دوسرے صوبوں میں پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ وہاں کی اسمبلیاں کر رہی تھیں تو یہ حق صوبہ سرحد کی اسمبلی کو کیوں نہ دیا گیا۔ خدائی خدمت گار مزید کہتے تھے کہ اگر "انگریز ریفرنڈم کا شوق پورا کرنا چاہتا ہے تو پھر حق خودارادیت کے اصولوں کے تحت اس صوبے کے لوگوں کو بھی اختیار دے کہ اگر وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ نہیں جانا چاہتے تو انہیں اپنا الگ آزاد صوبہ قائم کرنے کی اجازت ہو۔ ماونٹ بیٹن نے یہ مطالبہ نامنظور کر دیا۔ اس پر خدائی خدمت گاروں نے ریفرنڈم کو بے مقصد قرار دیتے ہوئے اس کا بائیکاٹ کر دیا اور کہا کہ جب کانگریس اور مسلم لیگ دونوں جماعتیں تقسیم پر متفق ہیں اور صوبہ

کانگریس نے اس کی توثیق کر دی ہے اور خدائی خدمت گار اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے تقسیم کے حق نے اس کی توثیق کر دی ہے اور خدائی خدمت گار اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے تقسیم کے حق میں ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ ہو تو پھر ریفرنڈم کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ سوائے اس کے کہ محاذ آرائی پیدا ہو اور فرقہ واریت کو ہوا ملے۔

دوسری طرف ریفرنڈم کے بائیکاٹ کی اس بنیاد پر مخالفت کی جاتی ہے کہ ہندوستان میں شامل ہونے' پاکستان میں شامل ہونے یا آزاد رہنے کے تینوں متبادل کانگریس کو منظور نہیں تھے اور اس نے صرف پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کو ہی اپنے لئے قابل قبول متبادل قرار دیا تھا۔ اسلئے تیسرے چوائس کی صورت میں پورا متحدہ بنگال' ایک الگ مملکت بن سکتا تھا جس کی حمایت قائداعظم بھی کر چکے تھے۔ چنانچہ کانگریس کے شدید ردعمل کے باعث انگریزوں نے تیسرا چوائس ختم کر دیا تھا۔ اسلئے بقول ماؤنٹ بیٹن' اب یہ چوائس پشتونوں کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس دلیل کے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر بنگال کے آزاد اور خود مختار صوبے کے مطالبے کو' مسلم لیگ کا ایک وزیراعلیٰ سہروردی پیش کر سکتا تھا اور قائداعظم اسے بلا تامل منظور کر سکتے تھے تو یہی اصول صوبہ سرحد کے لئے کیوں نہیں اپنایا جا سکتا تھا؟ بنگال کے مستقبل کا فیصلہ بنگال اسمبلی نے کیا (وہاں سرحد سے بھی زیادہ خونریز ہندو مسلم فسادات ہوئے تھے)۔ پنجاب کے مستقبل کا فیصلہ پنجاب اسمبلی نے کیا (وہاں ہندو مسلم کشیدگی صوبہ سرحد سے بھی زیادہ تھی) لیکن صوبہ سرحد کے مستقبل کا فیصلہ عوام کے منتخب نمائندوں کی اسمبلی میں کرنے کی بجائے' ریفرنڈم کے ذریعے کیا گیا' جو خدائی خدمت گاروں کے بقول سراسر غیر جمہوری تھا۔

دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس

مختلف صوبائی اسمبلیوں کو جن کا انتخاب 1946ء میں ہوا تھا' دستور ساز اسمبلی کے لئے نمائندے چننے کا اختیار دیا گیا۔ چنانچہ 10 اگست کو' جو افتتاحی اجلاس کا پہلا دن تھا' ارکان اسمبلی کی مجموعی صورت حال مندرجہ ذیل تھی:

مشرقی بنگال	44
مغربی پنجاب	17
سرحد	3
سندھ	4
بلوچستان	1
کل اراکین	69

ان میں مشرقی بنگال سے 13' مغربی پنجاب سے 3 اور سندھ سے ایک ہندو تھا۔ مغربی پنجاب سے دو سکھ بھی اسمبلی کے رکن تھے۔

اس اعتبار سے 10 اگست کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں اراکین کی کل تعداد 69 تھی۔ جبکہ اس روز 54 اراکین حاضر تھے۔ پہلے روز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے والے اراکین یہ تھے۔

1. قائداعظم محمد علی جناح
2. جناب لیاقت علی خان
3. جناب عبداللہ المحمود
4. خواجہ ناظم الدین
5. جناب حسین شہید سہروردی
6. جناب کرن سنکر رائے
7. جناب نورالامین
8. مولانا شبیر احمد عثمانی
9. جناب اے۔ کے۔ فضل الحق
10. جناب حمیدالحق چوہدری
11. جناب عبدالحمید
12. جناب تمیزالدین خان
13. جناب ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی
14. جناب دھریندر ناتھ دتہ
15. جناب پریم ہاری برما
16. پروفیسر راج کمار چکرورتی
17. پروفیسر اشتیاق حسین قریشی
18. مولانا محمد عبداللہ الباقی
19. خواجہ شہاب الدین
20. جناب ابو لمسعود عبدالحمید
21. جناب عزیز الدین احمد
22. جناب غیاث الدین پٹھان
23. جناب مفیزالدین احمد
24. ڈاکٹر محمود حسین
25. ڈاکٹر اے ایم مالک
26. جناب سریس چندر چٹوپادھیا
27. جناب بھوپندر کمار دت
28. جناب جسیندر چندر مجمدار
29. جناب برت چندر منڈل
30. جناب مرتضیٰ رضا چوہدری
31. جناب محمد حبیب اللہ بہار
32. جناب نور احمد

33. ابوالقاسم خان
34. جناب ڈاکٹر رائے
35. جناب یجیندر نارائن سانیال
36. جناب ہریندر کمار سور
37. جناب بھیم سین سچر
38. خان افتخار حسین خان
39. سردار عبدالرب نشتر
40. راجہ غضنفر علی خان
41. بیگم جہاں آراء شاہنواز
42. ملک محمد فیروز خان نون
43. جناب گنگا سرن
44. میاں محمد افتخار الدین
45. لالہ اوتار نارائن گجرال
46. ڈاکٹر عمر حیات ملک
47. شیخ کرامت علی
48. جناب نذیر احمد خان
49. خان سردار بہادر خان
50. جناب محمد ایوب کھوڑو
51. جناب پیرزادہ عبدالستار عبدالرحمان
52. جناب ہاشم گزدر
53. سردار بہادر نواب محمد جوگیزئی
54. جناب جوگندر ناتھ منڈل (دستور ساز اسمبلی کے عارضی صدر)

اتوار 10 اگست 1947ء کو صبح دس بجے اسمبلی چیمبر کراچی میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے تاریخی اجلاس کا آغاز' اسمبلی کے عارضی صدر کے انتخاب سے ہوا- جناب لیاقت علی خان (جو مشرقی بنگال سے' مسلمانوں کی سیٹ سے منتخب ہوئے تھے) نے عارضی صدر کے لئے جناب جوگندر ناتھ منڈل کا نام تجویز کیا- خواجہ ناظم الدین نے اس کی تائید کی- جس کے بعد منڈل' کرسی صدارت پر بیٹھ گئے اور اسمبلی کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوا- (جناب منڈل کا انتخاب اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ پاکستان میں مذہب کی بنیاد پر کسی کو کم تر یا برتر نہیں سمجھا جائے گا- حال ہی میں ایک مسیحی رکن اسمبلی نے پاکستان کی پہلی اسمبلی پر یہ اعتراض بھی کیا کہ اس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے نہیں ہوا تھا- چنانچہ ان کی خواہش پر چوالیس سال بعد کلام پاک کی تلاوت کی گئی)

عارضی صدر نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا:

"خواتین و حضرات! میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں اور اس کے آگے سر جھکاتا ہوں کہ اس نے ہمیں یہ حوصلہ عطا کیا کہ ہم یہاں جمع ہوں- ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہماری رہنمائی کرے- اس کے بعد' خواتین و حضرات! میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے اس تاریخی افتتاحی کا صدر چن کر ایک عظیم اعزاز عطا کیا- آپ مملکت پاکستان کے مختلف صوبوں سے یہاں آئے ہیں اور اس ہال میں' اس مقدس فریضہ کی انجام دہی کے لئے اس تاریخی موقع پر جمع ہوئے ہیں تاکہ پاکستان کی اس پہلی آزاد اور خود مختار مملکت کے آئین کی تدوین کا کام شروع کیا جا سکے- اس کام اور اس مقدس فریضے کی اہمیت بتانے کی مجھے چنداں ضرورت نہیں- آپ اس کی اہمیت سے' مجھ سے کہیں زیادہ آگاہ ہیں- جب میں یہ کہتا ہوں کہ آزاد اور خود مختار پاکستان اپنی مملکت کے ہر شہری کے لئے بلا تمیز' خوشحالی' مسرت اور امن کا باعث بنے گا تو آپ میں سے ہر ایک مجھ سے اتفاق کرے گا- (بالکل بجا' بالکل بجا)' (تالیاں)_ مجھے یقین ہے اور یہ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ پاکستان دنیا کی ایک طاقتور' خوشحال اور خوبصورت مملکت ثابت ہو گا (بہت خوب' بہت خوب)' (تالیاں)

"خواتین و حضرات ! قائداعظم کے لئے مسلمانان ہند کے سپاس گزاری اور نیاز مندی کے جو جذبات ہیں' میں ان تاریخی مقدس لمحات میں ان کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا- کیونکہ وہی پاکستان کے معمار اور پاکستان بنانے والی واحد شخصیت ہیں (تالیاں) مجھے پورا یقین ہے کہ قائداعظم کی لائق قیادت' ان کی سیاسی سوجھ بوجھ' ان کی انتھک محنت اور پاکستان سے ان کی والہانہ محبت' پاکستان کے عوام پر خوشحالی اور مسرتوں کے دروازے کھول دے گی- مجھے اس بات کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح عظیم ترین سیاستدان اور آج کی دنیا کے ایک عظیم ترین انسان ہیں (تالیاں)

"دوستو! مجھے آج اس امر کا اعلان کرتے ہوئے بے پناہ مسرت ہوئی ہے کہ ایک اقلیتی فرقے کے فرد کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کا صدر چن کر آپ نے ایک اچھی روایت کی بنیاد ڈالی ہے جو قیام پاکستان کے مقاصد کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے کیونکہ پاکستان تخلیق بذات خود ایک اقلیتی کیمونٹی یعنی مسلمانان ہند کے مسلسل اور جائز مطالبے کے لئے دلیرانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے- میں اس موقع پر اس صورت حال کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں کہ صرف پاکستان اور ہندوستان کے عوام ہی نہیں بلکہ تمام روئے زمین کے انسانوں کی نگاہیں پاکستان کی مجلس دستور ساز کی طرف لگی ہوئی ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کی مسلم کیمونٹی جو اپنے جائز اور منصفانہ حقوق کے تحفظ کے لئے الگ مملکت کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہے' وہ پاکستان کی اقلیتوں سے انصاف کرنے اور ان کے حقوق کے تحفظ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گی اور وہ ہمیشہ ان اقلیتوں سے فراخدلانہ رویہ اختیار کئے رکھے گی

اور یہی بات میرے لئے سب سے زیادہ باعث اطمینان ہے۔ پاکستان میں بسنے والی اقلیتوں کو اس ضمن میں پوری طرح مطمئن رہنا چاہئے جیسا کہ مسلم لیگ کے قائدین اور بالخصوص قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں یقین دلایا ہے کہ اقلیتوں سے صرف منصفانہ اور جائز برتاؤ ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ فراخدلی کا رویہ اختیار کیا جائے گا۔

"دوستو! جیسا کہ میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ ہمیں اس موقع کی اہمیت اور تقدس کا پورا پورا احساس ہے۔ ہمیں اپنے حقوق اور اختیارات کا بھی پورا پورا علم ہے لیکن ہمیں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے بھی کبھی آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں جب اقلیتیں کسی مملکت سے اپنے لئے تحفظ اور منصفانہ رویوں کی خواہش مند اور طالب ہوتی ہیں تو ان پر اس مملکت سے پوری وفاداری نبھانے کا فریضہ بھی عائد ہوتا ہے۔ میرے نزدیک جب تک کوئی اقلیت کسی مملکت کی پوری وفادار نہیں ہوتی اس وقت تک اسے اپنے حقوق کے تحفظ اور منصفانہ رویوں کے لئے بھی مملکت سے توقع کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے میں اس موقع پر یہ بات پوری طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اب اقلیتوں کو بھی اپنا رویہ بدل دینا چاہئے اور جو بھی مختلف الخیال اور عقائد کے لوگ پاکستان میں بستے ہیں ان سب کو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا چاہئے۔ عدم اعتماد' نفرت' حسد اور دشمنی کی جگہ اب محبت' پیار' اعتماد اور دوستی کی فضا کو پھلنا پھولنا چاہئے اور ہمیں ایک دوسرے سے پورا پورا تعاون کرنا چاہئے۔

"دوستو! میرے نزدیک یہ لمبی چوڑی تقریر کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس لئے میں اب اپنی تقریر اس اپیل کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آپ کو یہ بات ذہن نشیں کر لینی چاہئے کہ یہ اسمبلی پوری طرح آزاد اور خود مختار ہے اور اس کے پاس لامحدود اختیارات ہیں۔ گو اس اسمبلی کی ایک دوسری ذمہ داری بھی ہے اور وہ ہے قانون سازی کی۔ جب تک دستور ساز اسمبلی آئین تیار نہیں کر لیتی اور اس کے تحت نئی قانون ساز اسمبلی وجود میں نہیں آ جاتی' اس وقت تک اسی دستور ساز اسمبلی کو ہی یہ دوہری ذمہ داری نبھانا ہو گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ معزز اراکین' علاقوں سے یہاں آئے ہیں اور مختلف کیونسٹوں کی نمائندگی کرتے ہیں' اس مملکت کے لئے ایک آئیڈیل آئین تیار کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ میں ایک اور اپیل بھی کرنا چاہتا ہوں کہ ہم یہ کام بغیر کسی تعصب اور جانبداری کے سرانجام دیں گے۔ ہمیں صرف نیکی کی طرف دھیان رکھنا چاہئے۔ نہ کہ اس طرف کہ کسی دوسرے خطے میں کیا ہوا ہے یا کیا ہو رہا ہے۔ ہماری کوششیں' یا بہترین اور منصفانہ آئین' جو پوری دنیا کے لئے مثال ہو' کو مرتب کرنے کے لئے رہنی چاہئیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس کوشش میں کامیاب ہوں گے۔

خواتین و حضرات! میں ایک بار پھر تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں (طویل تالیاں)"

صدارتی خطبے کے بعد اراکین کی حلف برداری اور رکنیت کے رجسٹر میں دستخط کرنے کا مرحلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے مسٹر جوگندر ناتھ منڈل نے حلف اٹھایا اس کے بعد دستور ساز اسمبلی کے سیکرٹری نے اراکین اسمبلی کے باری باری نام پکارے اور ہر رکن نے سیکرٹری کے پاس جا کر حلف اٹھایا اور رکنیت کے رجسٹر پر دستخط کئے۔

حلف برداری کی تقریب کے بعد مرکزی اسمبلی کے قواعد اور سٹینڈنگ آرڈرز کو عارضی طور پر اپنائے جانے کے سلسلے میں کارروائی کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے عارضی صدر نے جناب لیاقت علی خان کو اس کارروائی کے آغاز کی دعوت دی۔

جناب لیاقت علی خان نے کہا کہ اراکین اسمبلی نے ابھی حلف نہیں اٹھایا تھا تو کچھ اراکین کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا کہ ان کو آج کے دن میں کی جانے والی کارروائی کے ایجنڈے سے مطلع کر دیا جائے۔ جناب لیاقت علی خان نے تجویز کیا کہ اسمبلی کا اجلاس صرف دن کے ابتدائی حصے میں ہو اور شام کو یہ اجلاس طلب نہ کیا جائے۔

اسلئے آج صرف ایجنڈے کے آئٹم 5,4,3, اور 6 ہی زیر غور آئیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے قواعد و ضوابط کے سلسلے میں مندرجہ ذیل قرار داد پیش کی۔

"یہ اسمبلی ان تمام قوانین' قواعد اور سٹینڈنگ آرڈرز کو درست تسلیم کرتی ہے جو اسمبلی کے چیئرمین یا صدر وقتاً" فوقتاً" اپنی صوابدید کے تحت وضع کریں گے۔ تاآنکہ دستور ساز اسمبلی خود اپنے قواعد و ضوابط اور سٹینڈنگ آرڈرز وضع نہیں کر لیتی"

"جناب عالی! یہ درست ہے کہ ہمیں خود اپنے قواعد و ضوابط وضع کرنے چاہئیں جن کے تحت یہ اسمبلی اپنا کام چلا سکے لیکن میری گزارش ہے کہ اس مقصد کے حصول کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ ہم وقتی طور پر موجودہ قواعد و ضوابط کو ہی اپنا کر کام چلائیں۔ معزز ممبران کے علم میں ہو گا کہ ایجنڈے پر یہ قرار داد موجود ہے جس میں ایک کمیٹی کے قیام کی تجویز پیش کی گئی ہے جو مرکزی اسمبلی کے لئے قواعد و ضوابط وضع کرے گی۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ قرار داد پیش کرتا ہوں۔

مسٹر دھرمیندر ناتھ دت: (مشرقی بنگال۔ جنرل) جناب عالی! پیشتر اس کے کہ ہم اس قرار داد کی منظوری دیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ اراکین کو مرکزی اسمبلی کے قواعد و ضوابط مہیا کئے جائیں جن کی توثیق کی ہم سے اس قرار داد کے تحت توقع کی جا رہی ہے کیونکہ ہمیں اس وقت تک ان قواعد و ضوابط کے متعلق کوئی علم نہیں ہے اسلئے کہ ہم کو ان قواعد و ضوابط کی کوئی بھی نقول مہیا نہیں کی گئیں۔

چیئرمین: معزز رکن دھرمیندر ناتھ دت نے جو نکتہ اٹھایا ہے اس کے

متعلق عرض ہے ہمارے پاس مرکزی اسمبلی کے قواعد و ضوابط کی معدودے چند کاپیاں ہیں اسلئے ان کو اراکین اسمبلی میں تقسیم نہیں کیا جا سکا- اراکین اسمبلی کو اس بات کا تو علم ہو گا ہی کہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے بھی مرکزی اسمبلی کے قواعد و ضوابط اور سٹینڈنگ آرڈرز کو اپنایا ہے- میرا خیال ہے کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کے ہر گروپ کے لیڈروں کو ہم ایک ایک کاپی مہیا کر دیں گے اور وقتی طور پر انہی کے ذریعہ کام چلائیں گے- مزید براں جو نکات اٹھائے گئے ہیں ان میں ایک تو معزز رکن لیاقت علی خان نے اٹھایا ہے کہ اسمبلی کا اجلاس صبح دس بجے سے' اگر ضرورت پڑے تو ایک بجے بعد دوپہر تک جاری رکھا جا سکے گا- امید ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا-

پروفیسر راج کمار چکرورتی (مشرقی بنگال- جنرل)! جناب عالی! اس قرار داد میں چیئرمین یا صدر' جو بھی فی الوقت کارروائی چلا رہے ہوں' ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مرکزی اسمبلی کے قواعد اور سٹینڈنگ آرڈرز میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی و ترمیم کر لیں- میں اس ضمن میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اراکین اسمبلی کو روزمرہ کی کارروائی کا ایجنڈہ کم از کم 48 گھنٹے پہلے مہیا ہو جانا چاہئے تاکہ وہ متوقع کارروائی میں اپنی حسب منشا ترمیم کم از کم 24 گھنٹے پہلے اسمبلی سیکرٹریٹ کو بھجوا سکیں- مجھے امید ہے کہ یہ تجویز منظور کی جائے گی اور چیئرمین کارروائی کو جلد سے جلد اختتام تک پہنچائیں گے تاکہ اراکین کو ترامیم پیش کرنے کا موقع مل سکے-

کرن شنکر رائے (مشرقی بنگال- جنرل)! جناب عالی! میں معزز اراکین' دھریندر ناتھ دت اور پروفیسر راج کمار چکرورتی کے موقف کی تائید کرتے ہوئے ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی تجاویز کو فی الحال التواء میں رکھیں- اسلئے میں جناب لیاقت علی خان کی پیش کردہ قرار داد کی تائید کرتا ہوں کہ اسے فی الفور منظور کیا جائے-

جناب لیاقت علی خان! جیسے ہی ایوان نے یہ قواعد تسلیم کر لئے تو مجھے یقین ہے کہ اس ایوان کا چیئرمین' جو کوئی بھی ہو' اس ایوان کے اراکین کو موجودہ مخصوص حالات اور وقت کی کمی کا پورا ادراک ہے اور ابھی مستقبل قریب تک ان قواعد و ضوابط پر سختی سے عمل کرنا ممکن نہ ہو گا لیکن اس کے باوجود میں اراکین ایوان کو یقین دلاتا ہوں کہ پوری کوشش کی جائے گی کہ ان کو ایجنڈے کے مطالعے کے لئے ممکنہ وقت دیا جائے-

مسٹر چیئرمین: جہاں تک ایجنڈے کے 48 گھنٹے پہلے مہیا کرنے کا مسئلہ ہے اس پر تو پوری طرح موجودہ حالات میں عمل کرنا ممکن نہیں ہو گا جیسا کہ معزز رکن مسٹر لیاقت علی خان نے واضح کیا ہے اسلئے مجھے امید ہے کہ اراکین 48 گھنٹے والی تجویز پر اصرار نہیں کریں گے لیکن روز کا ایجنڈا انہیں ایک دن پہلے مہیا کر دیا جایا کرے گا-

دھریندر ناتھ دت: جہاں تک ترامیم کا تعلق ہے امید ہے ہمیں مختصر سے نوٹس پر پیش کرنے اجازت ہو گی سو اس لحاظ سے قواعد و ضوابط میں تھوڑی سی ڈھیل دی جانی چاہئے-

مسٹر چیئرمین: یہ بالکل جائز مطالبہ ہے-

اس کے بعد قرار داد منظور کر لی گئی-

اگلے مرحلے میں جناب لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی کے موجودہ ڈھانچے کو تسلیم کرنے کی تصدیق کے لئے ایک قرار داد پیش کی- قرار داد میں کہا گیا تھا کہ "یہ اسمبلی تصدیق کرتی ہے کہ دستور ساز اسمبلی کا موجودہ دفتری ڈھانچہ درست اور جائز ہے اور چیئرمین یا صدر کو اختیار دیتی ہے کہ وہ اس میں اپنی ضرورت کے مطابق تبدیلی کر لیں"

اپنی قرار داد کی حمایت کرتے ہوئے لیاقت علی خان نے کہا: "جناب عالی! اسمبلی کے موجودہ دفتر کا موجودہ ڈھانچہ حکومت نے تشکیل دیا- میرے نزدیک یہ جائز امر ہو گا کہ اب جب نئی اسمبلی معرض وجود میں آئی ہے تو اسمبلی کا دفتر اور اس کی پوری تنظیم اسمبلی کے صدر یا چیئرمین کے ماتحت کام کرے-

یہ قرار داد بھی متفقہ طور پر منظور کر لی گئی-

اس کے بعد مجلس دستور ساز کے مستقل صدر کے انتخابی قوانین کے بارے میں سردار عبدالرب نشتر نے ایک قرار داد پیش کی- جس میں دھریندر ناتھ دت نے بعض خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ضروری تبدیلیاں تجویز کیں- صدر کے انتخابی قوانین اور طریق کار کے حوالے سے یہ قرار داد بھی منظور کر لی گئی-

10 اگست کے افتتاحی اجلاس کا آخری آئٹم اسمبلی کے لئے صدور کے ایک پینل کی نامزدگی سے متعلق تھا- لیاقت علی خان نے قرار داد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اسمبلی کے پہلے اجلاس کے بعد اسمبلی کا صدر' چیئرمینوں کے ایک پینل کے لئے' اراکین اسمبلی میں سے زیادہ سے زیادہ چار اراکین کو نامزد کرے گا جن میں سے کوئی ایک بھی (1) اسمبلی کے صدر کی غیرحاضری میں اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرے گا- (2) اسمبلی کے صدر کا عہدہ خالی ہونے پر نئے صدر کے انتخاب تک اسمبلی کی صدارت کرے گا (3) نامزد چیئرمین ذیلی پیرا (1) کے مطابق' چیئرمینوں کے نئے پینل کی نامزدگی تک صدر کے فرائض انجام دیتا رہے گا-

سردار بہادر خان (شمال مغربی سرحدی صوبہ): کیا ایک سیشن کے لئے نامزد' چیئرمینوں کا پینل اسمبلی کی پوری زندگی کے لئے نامزد رہے گا یا ہر سیشن کے لئے ایک نیا پینل نامزد کیا جائے گا

اس مرحلے پر چیئرمین نے اسمبلی کے سیکرٹری کی تعیناتی کا اعلان کیا تاکہ اسمبلی کے صدر کے لئے امیدواروں کے نام جمع کروائے جا سکیں-

اس کے بعد (سردار بہادر خان کے سوال کی وضاحت کئے بغیر) لیاقت علی خان کی مذکورہ بالا قرار داد منظور کر لی گئی۔
اسمبلی کا اجلاس 11 اگست' بروز پیر صبح دس بجے تک ملتوی کر دیا گیا۔

مجلس دستو ساز کا دوسرا دن

11 اگست مجلس دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کا دوسرا دن تھا جو صبح 10 بجے اسمبلی چیمبر میں شروع ہوا۔ مندرجہ ذیل چار مزید ارکان نے رکنیت کا حلف اٹھایا

مشرقی بنگال ــــ مسلم

1. جناب فضل الرحمان
2. جناب محمد علی

سلہٹ ــــ مسلم

3. ابوالتبین چوہدری

سلہٹ ـ جنرل

4. ڈاکٹر اکشے کمار داس

اس کے بعد عارضی صدر نے اعلان کیا کہ قائداعظم کی جانب سے مندرجہ ذیل افراد نے ان کا نام مجلس دستور ساز کی صدارت کے لئے پیش کیا اور اس کی تائید کی ہے۔

پیش کنندگان

1. جناب غیاث الدین پٹھان
2. جناب حمیدالحق چوہدری
3. جناب ابوالقاسم خان
4. جناب لیاقت علی خان
5. خواجہ ناظم الدین
6. جناب محمد ایوب کھوڑو
7. مولانا شبیر احمد عثمانی

تائید کنندگان

1. جناب عبداللہ المحمود
2. جناب حبیب اللہ بہار
3. جناب نور احمد
4. سردار عبدالرب نشتر
5. خان افتخار حسین خان
6. سردار بہادر خان
7. راجہ غضنفر علی

چونکہ قائداعظم کے مقابلے پر دستور ساز اسمبلی کی صدارت کا کوئی اور امیدوار نہیں تھا اسلئے انہیں صدر اسمبلی چن لیا گیا۔ عارضی صدر نے ان سے درخواست کی کہ وہ کرسی صدارت پر متمکن ہوں۔ قائداعظم جناب لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کی معیت میں ڈائس پر تشریف لے گئے اور صدارت کی کرسی پر بیٹھ گئے۔

اب تہنیتی تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر قائداعظم کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے مسلم لیگی ارکان' جناب لیاقت علی خان' محمد ایوب کھوڑو اور ابوالقاسم نے کہا کہ آپ نے نظریہ پاکستان پیش کیا اور اس کی تعبیر بھی دی۔ یہ آپ کی انتھک محنت اور مخلصانہ کوششیں ہی تھیں جن کے باعث ہمارا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور اب آپ کو مملکت پاکستان کا دستور مرتب کرنے والی اس پہلی دستوریہ کا اتفاق رائے سے صدر منتخب کیا گیا ہے۔ دستوریہ کے صدر کی حیثیت میں آپ کے پاس اپنے خواب کو تعبیر دینے کا موقع ہے۔ اس مجلس کے صدارتی عہدہ کے لئے آپ جیسے صاحبِ بصیرت قانون دان کا انتخاب ہماری خوش بختی ہے۔ اس مجلس کے سامنے ایک ایسا آئین مرتب کرنے کا مشکل کام ہے جس سے نہ صرف مسلمان بلکہ ملک کی اقلیتیں بھی مطمئن ہوں۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ بانی پاکستان ہونے کے ناتے' عوام کی فلاح و بہبود کے کام میں مدد دینے کے لئے یہاں موجود ہیں۔ یہ مجلس مختلف طبقات اور مفادات پر مشتمل ہو گی لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ نسل اور مذہب سے قطع نظر ہم سب کو تحفظ دے گی لہٰذا ان توقعات کے ساتھ ہم آپ کو اس مجلس کا صدر منتخب ہونے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

کانگریسی اور اقلیتی ارکان کی جانب سے مسٹر کرن شنکر رائے نے قائداعظم کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنی پارٹی اور اقلیتی عوام کی طرف سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مسٹر شنکر نے کہا کہ میں انتہائی دوستانہ انداز میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہم کانگریس والے' ہندوستان کی اس تقسیم سے زیادہ خوش نہیں ہیں۔ ہم پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے بھی خوش نہیں ہیں لیکن چونکہ ملک کی دو بڑی پارٹیوں نے یہ انتظام کر لیا ہے اسلئے ہم' اس سے پوری وفاداری کے ساتھ متفق ہیں۔ ہم پاکستان کی شہریت کو اس کے تمام حقوق و فرائض کے تناظر میں قبول کرتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ جناب قائداعظم! جیسا کہ آپ بھی سمجھتے ہیں کہ پاکستان ایک سیکولر جمہوری ریاست ہے جو اپنے شہریوں میں مذہب' نسل یا فرقے کی بنیاد پر تمیز روا نہیں رکھے گی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

آپ کو ہمارا بھرپور تعاون حاصل رہے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستانی اقلیتوں کو نہ صرف آئین میں حقوق و تحفظات دیئے جائیں گے بلکہ عملاً بھی ایسا کیا جائے گا اور یہ کہ پاکستان اپنی پسماندہ ترین آبادی (اقلیتوں) خوشحالی سے ہمکنار کئے بغیر ایک عظیم' خوشحال اور امن پسند ملک نہیں بن سکتا۔ ان توقعات کے ساتھ ہم دوبارہ آپکو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے مسلم لیگی رکن اسمبلی بیگم جہاں آرا شاہنواز نے کہا کہ یہ ملک حاصل کرنے کے لئے ہمیں بہت سی جنگیں لڑنا پڑیں اور میں آپ کو یاد دلانا چاہتی ہوں کہ ان تمام جنگوں میں ہماری خواتین کبھی پیچھے نہیں رہیں۔ درحقیقت بہت سے محاذوں پر وہ پہلی صف میں تھیں۔ اور آج تمام خواتین کی طرف سے آپ کو مخلصانہ اور پرجوش مبارک باد پیش کرتے ہوئے' میں یہ توقع رکھتی ہوں کہ آپ خواتین کو مساوی حقوق دیں گے کیونکہ ہمارے مذہب نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ مرد اور عورت کو مساوی شہری حقوق دیئے۔ ہم خواتین سمجھتی ہیں کہ ہمارے حقوق آپ کے محفوظ ہاتھوں میں ہیں۔

80 لاکھ نچلی ذاتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے' پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے صدر جوگندر ناتھ منڈل نے قائداعظم کو اسمبلی کا صدر منتخب ہونے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کی اور کہا کہ وہ پسماندہ نچلی ذاتوں اور اقلیتی حقوق کے لئے وقتاً" فوقتاً" آواز بلند کرتے رہیں گے تاکہ وہ بھی دوسرے شہریوں کے برابر آ جائیں۔

تہنیتی تقاریر کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا وہ تاریخی خطبہ پڑھا جسے وہ گذشتہ چند دنوں سے تیار کر رہے تھے اور جس میں پاکستان کے آئین کے لئے بنیادی نکات موجود تھے۔ یہ خطبہ یہاں لفظ بہ لفظ نقل کئے جانے کے قابل ہے۔

قائداعظم کا اسمبلی سے تاریخی خطاب

"جناب صدر' خواتین و حضرات! مجھے' اپنے پہلے صدر کی حیثیت سے منتخب کر کے آپ حضرات نے جو اعزاز بخشا ہے' اس کے لئے میں آپ سب کا خلوص دل سے بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ سب سے بڑا رتبہ ہے' جو یہ خود مختار اسمبلی اپنی طرف سے عطا کر سکتی ہے' میں ان رہنماؤں کا بھی ممنون کرم ہوں' جنہوں نے میری خدمات کے باب میں ستائشی کلمات کہے ہیں اور اپنی تقریر میں نجی حوالوں سے مجھے یاد فرمایا ہے میں' یہ مخلصانہ امید رکھتا ہوں کہ آپ حضرات کی امداد اور تعاون سے ہم اس دستور ساز اسمبلی کو دنیا کے لئے ایک مثال بنا کر پیش کریں گے۔ دستور ساز اسمبلی کے دو بنیادی فرائض ہوتے ہیں۔ ایک محنت طلب اور انتہائی محتاط فریضہ' پاکستان کے آئندہ آئین کی تشکیل ہے' اور دوسرا' پاکستان کی وفاقی قانون ساز اسمبلی کی حیثیت سے ایک کامل اور جامع خود مختار ادارہ کی حیثیت سے اپنے فرائض کی بجا آوری۔ پاکستان کی وفاقی قانون ساز اسمبلی کے لئے ایک عبوری آئین منظور کرنے میں ہم اپنی بہترین مساعی صرف کریں گے۔ آپ کو علم ہے کہ اس بے نظیر انقلاب پر جس کی بدولت اس برصغیر میں دو آزاد اور خود مختار ریاستوں کی تخلیق اور قیام کا منصوبہ معرض وجود میں آیا؟ نہ صرف ہم خود حیران ہیں۔ بلکہ میرے خیال میں' پوری دنیا اس پر محو حیرت ہے۔ فی الواقع اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس عظیم برصغیر میں جہاں ہر طرح کے باشندے آباد ہیں' ایک ایسا منصوبہ نافذ کیا گیا ہے۔ جو تاریخ میں بے مثل و بے نظیر ہے' اور اس بارے میں اہم تر بات یہ ہے کہ ہم نے یہ کامیابی پر امن طور پر اور ایک ارتقائی عمل کے ذریعہ جو اعلیٰ ترین کردار کا حامل ہے حاصل کی ہے۔

"اس اسمبلی میں اپنی پہلی تقریر کے موقع پر' میں فی الحال کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا' جو کامل غور و خوض کا نتیجہ ہو' لیکن چند باتیں جو اکثر ذہن میں پیدا ہوتی رہی ہیں' اس موقع پر ضرور کہوں گا۔ پہلی اور سب سے زیادہ اہم بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں' یہ ہے:-

"آپ حضرات یاد رکھیں کہ آپ ایک خود مختار قانون ساز اسمبلی کے ارکان ہیں اور آپ کو تمام اختیارات حاصل ہیں۔ لہٰذا' آپ پر یہ انتہائی اہم اور نازک ذمہ داری عائد ہوئی ہے کہ اپنے فیصلے آپ کس طرح کرتے ہیں۔ پہلا تجربہ جس کا ذکر میں یہاں کروں گا' یہ ہے: بلاشبہ' اس امر میں آپ حضرات مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہر حکومت کا اول فریضہ قانون اور نظم و ضبط کی عملداری ہے' تاکہ اس کے شہریوں کی جان' مال اور مذہبی عقائد کا پورا پورا تحفظ ہو سکے۔

دوسری بات' جو میں' محسوس کرتا ہوں' یہ ہے: سب سے بڑی لعنت' جس میں ہندوستان مبتلا ہے' رشوت اور بددیانتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دوسرے ملک اس لعنت سے پاک ہیں' لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارا حال تو بہت ہی برا ہے۔ رشوت اور بددیانتی واقعی زہر ہے۔ ہمیں پوری سختی کے ساتھ اسے ختم کرنا لازم ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ جونہی' اس اسمبلی کیلئے ممکن ہوا' آپ حضرات' اس سلسلہ میں ضروری کارروائی کریں گے۔

"چور بازاری ایک اور لعنت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ چور بازاری کرنے والوں کو اکثر پکڑا جاتا ہے۔ اور انہیں سزا دی جاتی ہے۔ بعض دفعہ عدالت سے انہیں قید کی سزا ہوتی ہے اور کبھی محض جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ جس طرح کے ابتر حالات کا ہمیں سامنا ہے' اور ہم غذائی اجناس اور زندگی کی اشیائے ضروری کی قلت سے مستقلاً" دو چار رہتے ہیں' اس میں' چور بازاری معاشرہ کے خلاف انتہائی سنگین جرم ہے اور آپ

کو' اس بھیانک جرم کا قلع قمع کرنا ہے- میرا خیال ہے کہ معاشرہ میں سب سے بڑا اور سب سے سنگین جرم اگر کوئی ہے' تو اس سے بھی بڑے جرم کا مرتکب وہ شخص ہوتا ہے' جو چور بازاری کرتا ہے- یہ چور بازاری کرنے والے' باخبر' سمجھ دار اور عام حالات میں ذمہ دار قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن جب ایسے لوگ چور بازاری کریں تو میرا خیال ہے کہ انہیں انتہائی سخت سزا دینی چاہئے- کیونکہ غذائی اجناس اور اشیائے ضروری کے کنٹرول اور ضبط کا سارا نظام ان کے ہاتھوں تہہ و بالا ہو جاتا ہے اور یہ لوگ وسیع پیمانہ پر فاقہ کشی اور احتیاج حتیٰ کہ اموات کے موجب ہوتے ہیں-

"دوسری بات جو رہ رہ کے یاد آتی ہے- یہ ہے' اور یہ بھی ایک لعنت ہے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے- بہت سی اچھی اور بری چیزوں کے ہمراہ یہ بڑی لعنت بھی ہمارے حصہ میں آئی ہے' یعنی اقرباپروری اور جانب داری کی لعنت اس لعنت کو بھی پوری سختی کے ساتھ کچل دینا چاہئے- میں اس موقع پر صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں' کہ میں ہرگز کسی طرح کی جانب داری' خویش پروری یا اپنی ذات پر براہ راست یا بالواسطہ طور پر اثر انداز ہونے کی کسی کوشش کو ہرگز برداشت نہیں کروں گا- جب بھی مجھے معلوم ہوا کہ یہ روش چل نکلی ہے یا کسی جگہ یا زیادہ موجود ہے- تو میں یقیناً اسے برداشت کرنے کا روادار نہیں ہوں گا-

"مجھے معلوم ہے کہ کچھ لوگ ہندوستان کی تقسیم سے متفق نہیں ہیں اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم سے بھی اتفاق نہیں رکھتے- اس کے خلاف بہت کچھ کہا جا چکا ہے لیکن اب کہ اسے منظور کر لیا گیا ہے' ہم سب کا فرض ہے کہ وفاداری کے ساتھ اس فیصلہ پر قائم رہیں اور جو معاہدہ حتمی طور پر ہو چکا ہے- اور جس کے ہم سب پابند ہیں اب اس معاہدہ کا احترام کریں اور اس کے مطابق عمل کریں لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے' آپ حضرات کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو عظیم انقلاب ہمارے درمیان رونما ہوا ہے- تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی' جہاں کہیں ایک فرقہ کے لوگ اکثریت میں ہوں اور دوسرے فرقہ کے لوگ اقلیت میں ہوں تو ان دونوں کے درمیان جس طرح کے احساسات پائے جاتے ہیں انہیں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے- لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ ہوا کیا اس کے برعکس ہونا' ممکن یا قابل عمل تھا- تقسیم بہرحال ہونی تھی- ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں آبادی کے ایسے حصے موجود ہیں' جو اس سے متفق نہ ہوں گے' اور جو اسے پسند نہ کرتے ہوں گے' لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھا- اور مجھے یقین ہے کہ مستقبل کی تاریخ سے اس فیصلہ کی توثیق ہو جائے گی- مزید یہ کہ وقت گذرنے کے ساتھ خود ہمارے تجربوں سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا واحد حل یہی تھا- متحدہ ہندوستان کا کوئی بھی تصور ہرگز قابل عمل نہ ہوتا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کا نتیجہ ہمارے لئے خوفناک تباہی کی صورت میں نکلتا- ممکن ہے وہ نظریہ درست ہو ممکن ہے' درست نہ ہو یہ تو بعد میں ظاہر ہو گا- بہرحال یہ بات غیر ممکن تھی کہ اس تقسیم کے دوران' ایک یا دوسری ریاست کے اندر اقلیتوں کے معاملہ کو نظرانداز کر دیا جاتا- یہ سوال تو ناگزیر تھا- اب اس کا کوئی حل نہیں ہے' سوال یہ ہے کہ پھر ہم کیا کریں؟ پاکستان کی عظیم ریاست کو اگر ہم آسودہ' خوشحال اور ثروت مند بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں عوام کی فلاح پر تمام تر توجہ مرکوز کرنی پڑے گی اور ان میں بھی عام لوگوں بالخصوص نادار آبادی کی فلاح مقدم ہے- اگر آپ نے ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر کے اور ناگواریوں کو دفن کر کے' باہم تعاون سے کام کیا تو آپ کی کامیابی یقینی ہے اگر آپ نے ماضی کی روش بدل دی اور آپ میں مل جل کر اس جذبہ کے ساتھ کام کیا کہ آپ میں سے ہر شخص خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے ہو' خواہ ماضی میں آپ کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کچھ بھی رہی ہو- اس کا رنگ' ذات' یا مسلک خواہ کچھ بھی ہو' وہ شخص اول آخر اس ریاست کا شہری ہے اور اس کے حقوق' مراعات اور فرائض برابر کے ہیں' تو یاد رکھئے کہ آپ کی ترقی کی کوئی حد و انتہا نہ ہو گی-

"میں اپنی بات اس سے زیادہ شد و مد سے نہیں کہہ سکتا- ہمیں اسی جذبہ کے ساتھ اپنا کام شروع کرنا چاہئے اور وقت گزرنے کے ساتھ' اکثریتی اور اقلیتی فرقے' ہندو فرقے اور مسلمان فرقے یہ سارے امتیاز ختم ہو جائیں گے' کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے' ان میں بھی آپ کے درمیان پٹھان' پنجابی' شیعہ' سنی اور بہت سے امتیاز اور ہندوؤں میں برہمن' وشنو' کھتری' اس کے علاوہ بنگالی اور مدراسی وغیرہ کے اختلاف موجود ہیں' دراصل آپ اگر مجھ سے پوچھیں تو میں یہ کہوں گا کہ ہندوستان کے لئے آزادی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی تھی' اور اگر یہ امتیازات نہ ہوتے تو ہم لوگ مدتوں پہلے آزاد ہو گئے ہوتے- کوئی طاقت کسی قوم کو اور وہ بھی چالیس کروڑ باشندوں کی قوم کو غلام بنا کر نہیں رکھ سکتی- کوئی فرد' آپ کو فتح نہیں کر سکتا تھا- اور اگر یہ حادثہ ہو بھی چکا تھا تو کسی بھی عرصہ کے لئے وہ اپنا تسلط برقرار نہیں رکھ سکتا تھا- بشرطیکہ تفرقہ کی یہ صورت نہ ہوتی- لہٰذا اس تجربہ سے ہمیں سبق سیکھنا چاہئے-

آپ آزاد ہیں' آپ کا ملاً آزاد ہیں' کہ اپنے مندروں میں جائیں- آپ کو پوری آزادی ہے کہ اپنی مساجد کا رخ کریں- یا پاکستان کی ریاست میں جو بھی آپ کی عبادت گاہیں ہیں- ان میں آزادی سے جائیں- آپ کا کوئی بھی مذہب' ذات یا مسلک ہو سکتا ہے- ریاست کے امور سے اس کا کوئی بھی تعلق نہیں- جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' تاریخ

سے ظاہر ہے کہ کچھ عرصہ پہلے برطانیہ میں بھی اس ملک کے حالات' ہندوستان کے موجودہ حالات سے کہیں بدتر تھے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں ایک دوسرے پر عذاب توڑتے تھے۔ حتیٰ کہ اب بھی بعض ریاستیں موجود ہیں' جہاں کسی خاص طبقہ کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔ اور اس پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں' خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنا آغاز اس دور میں نہیں کیا۔ بلکہ ہم نے ابتدائے کار اس دور سے کی ہے' جب دو فرقوں کے درمیان' کوئی تخصیص اور کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ ایک ذات یا ایک عقیدہ اور دوسری ذات یا دوسرے عقیدہ کے لوگوں میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی۔ ہم اپنے معاملات کا آغاز اس بنیادی اصول کے ساتھ کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ریاست کے شہری ہیں اور برابر کے شہری ہیں' برطانیہ کے باشندوں کو وقت گزرنے کے ساتھ' حالات کے حقائق کا مقابلہ کرنا پڑا اور برطانوی حکومت کی جانب سے جو ذمہ داریاں اور فرائض ان پر عائد ہوتے تھے۔ ان سے عہدہ برا ہونا پڑا' چنانچہ یکے بعد دیگرے' وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے گئے۔ آج آپ بجاطور پر کہہ سکتے ہیں کہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اپنا جداگانہ وجود نہیں رکھتے۔ موجود' محض یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص برطانیہ کا شہری ہے' برابر کا شہری ہے۔ اور سبھی افراد' ایک قوم کے ارکان ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس حقیقت کو ہمیں بھی بطور مثال پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد' ہندو' ہندو نہیں رہیں گے۔ اور مسلمان' مسلمان نہیں رہیں گے' میں یہ بات مذہبی معنوں میں نہیں کہہ رہا ہو' کیونکہ یہ تو ہر فرد کے نجی عقیدہ کا معاملہ ہے۔ بلکہ ریاست کے باشندے ہونے کی بنا پر سیاسی معنوں میں۔

"حضرات! میں آپ کا مزید وقت نہیں لینا چاہتا اور اس اعزاز کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں' جو آپ نے مجھے تفویض کیا ہے۔ میں ہمیشہ انصاف اور دیانت کے اصولوں سے رہنمائی حاصل کروں گا۔ اور سیاسی اصطلاح میں یہ اصول تعصب اور بدخواہی' دوسرے لفظوں میں جانب داری یا جنبہ پروری سے پاک ہوں گے۔ اور یقیناً آپ کی امداد اور تعاون سے مجھے یقین ہے کہ پاکستان دنیا کے عظیم ترین ملکوں میں سے ایک ملک بن جائے گا۔"

اپنے تاریخی خطبے کے بعد اسمبلی کے صدر نے بیرون ملک سے آئے ہوئے خیر سگالی کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔ امریکی وزیر خارجہ نے اپنے پیغام میں کہا تھا: "پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کے موقع پر' میں آپ کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوام اور حکومت کی طرف سے نیک خواہشات کا پیغام بھیج رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے کام کو کامیابی سے نمٹائیں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جو آئین آپ پاکستانی عوام اور دنیا کے سامنے پیش کریں گے وہ امن اور جمہوریت سے پاکستانی لیڈروں کی لگن کا مظہر ہو گا اور آپ کے عوام کی سماجی' معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے یہ ایک محرک منشور ہو گا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوام اور امن پسند اقوام آپ کی مباحث کو گہری دلچسپی سے دیکھ رہی ہیں۔

دستخط جارج مارشل (وزیر خارجہ)"

آسٹریلیا کی حکومت کی جانب سے مبارک باد کے پیغام میں یہ امید ظاہر کی گئی کہ "پاکستانی ریاست اپنے شہریوں کی خوشحالی اور مسرتوں کو بڑھانے اور بین الاقوامی امن اور خوشحالی کے فروغ میں ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہو گی"۔

مملکت پاکستان کے قومی پرچم کی قرار داد پیش کرنے کے لئے اسمبلی کے صدر نے جناب لیاقت علی خان کو دعوت دی۔ مستقبل قریب میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم کا اعزاز حاصل کرنے والے رکن اسمبلی جناب لیاقت علی خان نے پاکستانی ریاست کے پرچم میں استعمال ہونے والے رنگوں اور سائز کے بارے میں ایوان کو تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے قومی پرچم کی ضرورت.و اہمیت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ "دراصل پرچم کا کپڑا نہیں بلکہ اس کے مقاصد اہمیت کے حامل ہیں اور میں بلا جھجک یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ پرچم اپنے سلامی دینے والوں کی حریت' آزادی اور مساوات کا تحفظ کرے گا لہٰذا جناب صدر! یہ پرچم لوگوں کی آزادی کا نشان ہو گا۔

"جناب عالی! میرے خیال میں پاکستان میں کسی طبقے یا فرد کو خصوصی حقوق اور رعایات حاصل نہیں ہوں گی۔ یہ ایک ایسی ریاست ہو گی جس میں تمام شہریوں کو بغیر کسی امتیاز کے حقوق اور مواقع میسر ہوں گے اور تمام افراد پر مساوی ذمہ داریاں ہوں گی لہٰذا' جناب عالی! یہ پرچم کے رنگ یا کپڑا نہیں بلکہ اس کے مقاصد ہیں جو اہمیت رکھتے ہیں اور میں اس مجلس کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ مقاصد حاصل کئے جائیں گے۔"

کانگریس کی طرف سے مسٹر بھیم سین سچر نے پرچم کو تمام طبقات کے لئے قابل قبول بنانے کے سلسلے میں ترمیم پیش کرنے کی اجازت چاہی اور کہا کہ "ہم جناب لیاقت علی خان کے اس اعلان پر خوشی محسوس کرتے ہیں کہ پرچم کسی مذہبی نشان کا علمبردار نہیں بلکہ ریاست کے تمام باشندوں' مسلمانوں' ہندوؤں' سکھوں اور دیگر اقلیتوں کی مساوات کا علمبردار ہے لیکن جناب عالی! میرا خیال ہے کہ وہ تمام اقلیتیں' جو پرچم سے نسبت محسوس نہیں کرتیں' پرچم کو ان کے لئے قابل قبول بنانے کی خاطر' ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس کی مناسب تجاویز پر عمل کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے قبل پرچم کے بارے میں اقلیتوں کی رائے نہیں لی گئی چونکہ پاکستان کسی فتح کے نتیجے میں نہیں بلکہ دو پارٹیوں کی باہمی رضامندی سے' علاقے کی فلاح و بہبود کے لئے قائم ہوا ہے لہٰذا پاکستانی اقلیتوں کو

یہ محسوس نہیں ہونا چاہئے کہ یہاں پر ایک اکثریتی فرقہ حاوی ہے"

ترمیم کی حمایت کرتے ہوئے جناب دھریندر ناتھ دت نے کہا کہ پاکستان پرچم، مسلم لیگ کے جھنڈے سے مماثلت رکھتا ہے اور مسلم لیگ، صرف مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ جبکہ پاکستان مختلف مذہبی طبقوں کا گہوارہ ہے۔ ارکان میں سے کسی نے اعتراض اٹھایا کہ کانگریسی پرچم کے بارے میں کیا خیال ہے تو مسٹر دت نے کہا کہ کانگریسی پرچم کسی فرقے کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ اس کے تین رنگ ہندوستانی قوم کی خصوصیات کا اظہار ہیں جبکہ مسلم لیگی پرچم ایک فرقے کی نمائندگی کرتا ہے اور جیسا کہ تحریک کے پیش کنندہ جناب لیاقت علی نے کہا کہ یہ پرچم کسی مذہبی فکر کا نہیں بلکہ سیکولر فکر کا نمائندہ ہو گا۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اس پرچم کے بارے میں اقلیتوں کو اپنی رائے پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جائے جس کی مناسب تجاویز پر عمل کیا جائے اور اگر یہ تجاویز تسلیم نہ کی گئیں تو ہم موجودہ پرچم کو تسلیم کریں گے اور اسے سلامی دیں گے۔

جناب لیاقت علی خان نے کانگریسی ارکان کے شکوک دور کرتے ہوئے کہا کہ یہ کوئی مذہبی پرچم نہیں ہے کیونکہ ہمارے پیغمبرؐ کے زمانے میں اس رنگ اور قسم کا پرچم نہیں تھا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پرچم کے سلسلے میں اقلیتوں کو تجاویز پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اقلیتوں کو ساتھ لے کر چلنا نہیں چاہتے بلکہ درحقیقت وقت کی کمی کے باعث پرچم کے بارے میں مسلم ارکان سے بھی رائے نہیں لی گئی۔ اسلئے معزز ارکان کانگریس کو شکوک کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔

چنانچہ پرچم کی لئے تحریک پیش کی گئی اور اسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔

بعد ازاں طریق کار کے قوانین کے بارے میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دینے کی قرارداد پیش کی گئی۔

11 اگست کے ایجنڈے پر آخری آئٹم ارکان اسمبلی کے الاؤنسوں کے عارضی تعین کے بارے میں تھا جس میں کہا گیا تھا کہ یہ تعین صدر اسمبلی کریں گے۔ تحریک منظور کر لی گئی اور اس کے ساتھ ہی اسمبلی کا اجلاس 12 اگست، صبح 10 بجے تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

12 اگست ---- دستور ساز اسمبلی کا تیسرا دن

حسب معمول صبح 10 بجے اسمبلی چیمبر کراچی میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔

سب سے پہلے لیاقت علی خان نے پاکستان کے شہریوں اور اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے بارے میں اسمبلی کو مشاورت کے لئے مندرجہ ذیل ارکان اسمبلی پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی تحریک پیش کی۔

1. جناب سردار عبدالرب نشتر
2. جناب محمود حسین
3. جناب بھیم سین سچر
4. جناب محمد ایوب کھوڑو
5. شیخ کرامت علی
6. پروفیسر راج کمار چکرورتی
7. جناب غضنفر علی خان
8. جناب پریم ہری برما
9. جناب فضل الرحمان
10. محترمہ بیگم شاہنواز
11. جناب برت چندر منڈل
12. جناب اشتیاق حسین قریشی
13. جناب ابوالقاسم خان
14. جناب جوگندر ناتھ منڈل اور
15. محرک جناب لیاقت علی خان

اس کمیٹی کا مقصد پوری اسمبلی کی نمائندگی کے طور پر، موضوع کے بارے میں تفصیلی مباحث کرنا اور تجاویز پیش کرنا شامل تھا۔ دستور ساز اسمبلی کے صدر کو، کمیٹی کے لئے سات مزید ارکان نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا۔ تاکہ دستور سازی میں ان اقلیتوں اور طبقات کو بھی نمائندگی دی جا سکے جو اسمبلی میں نمائندگی نہیں رکھتے۔ تحریک کو منظور کر لیا گیا۔

محمد علی جناح کو قائداعظم کا خطاب دینے کی تجویز پر بحث

مسلم لیگی ارکان کی طرف سے جناب لیاقت علی خان نے اسمبلی میں تجویز پیش کی کہ "گورنر جنرل پاکستان" محمد علی جناح کو، 15 اگست 1947ء سے تمام سرکاری احکام، دستاویزات اور مراسلت میں قائداعظم محمد علی جناح، گورنر جنرل پاکستان کہہ کر پکارا جائے کیونکہ وہ نہ صرف اس ملک کے بلکہ پوری دنیا کے ایک عظیم رہنما ہیں۔ "قائداعظم" کے لفظی معنی عظیم رہنما کے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ آج کسی بھی شخص کے ذہن میں آپ کے عظیم رہنما ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہو۔ علاوہ ازیں ہم سمجھتے ہیں کہ لازمی طور پر کوئی ایسا واضح خطاب ہونا چاہئے۔ جس سے سربراہ پاکستان کو پکارا جائے اور جس کا تمام سرکاری مراسلت، قوانین اور خطوط وغیرہ میں حوالہ دیا جائے۔ یہی اس قرار داد کا مقصد ہے۔

کانگریسی ارکان نے قرار داد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان چونکہ ایک سوشلسٹ طرز کی ریاست ہو گی اور سوشلسٹ ریاستوں میں خطابات، استعمال نہیں کئے جاتے۔ علاوہ ازیں، چونکہ متحدہ ہندوستان میں بھی کسی فرد کو خطاب سے نوازنے کی مخالفت کی گئی ہے اس لئے ایوان کو محمد علی جناح کے سلسلے میں ایسی قرار داد سے باز رہنا چاہئے۔ قرار داد کی مخالفت میں بھوپندر کمار دت، سریس چندر چٹوپادھیا، دھریندر ناتھ دت اور پجندر نارائن سانیال نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

جوگندر ناتھ منڈل اور مسلم لیگی ارکان نے کہا کہ کانگریس والے مسٹر گاندھی کو مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو کو پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر سی آر داس کو دیش بندھو چترنجن داس کہہ کر کیوں پکارتے ہیں۔ ہم بھی قائداعظم سے جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اس لئے ہم سرکاری طور پر یہ قرار داد منظور کروانا چاہتے ہیں جناب محمد علی نے کہا کہ ہم چونکہ نو آبادیاتی دور کے خطاب "عزت مآب" (ہزایکسی لینسی) کو ترک کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم گورنر جنرل پاکستان کے لئے "قائداعظم" کا خطاب استعمال کرنے کے خواہاں ہیں۔

کانگریسی نمائندے بھیم سین سچر نے نکتہ اٹھایا کہ یہ خطاب پاکستان کے تمام گورنر جنرلوں کے لئے استعمال کیا جائے گا، تو لیاقت علی خان نے جواب دیا کہ مستقبل کے بارے میں کون جانتا ہے اور ممکن ہے مستقبل میں گورنر جنرل کا عہدہ ہی نہ ہو۔ سوشلسٹ ملکوں میں خطابات کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ سٹالن کو "عظیم جنرل" کا خطاب دیا گیا تھا۔

میاں افتخار الدین نے کہا کہ میں قرار داد کی حمایت کرتا ہوں لیکن صرف جمہوری اصولوں کی بنا پر۔ کیونکہ میں آپ کو "جناب عزت مآب" کہہ کر نہیں پکار سکتا۔ ہمیں " جناب عزت مآب " کی اصطلاح ترک کرنے کے لئے کوئی اور اصطلاح اپنانا ہو گی۔ اس لئے کہ ہم سامراجی دور کے خطابات سے نفرت کرتے ہیں۔ چونکہ " عزت مآب " کا متبادل " قائداعظم" ہی پیش ہوا ہے اس لئے میں صرف جمہوری اصولوں کی بنیاد پر اس کی حمایت کرتا ہوں۔

اپوزیشن کے اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے جناب لیاقت علی خان نے کہا کہ "قائداعظم" کے خطاب کی مخالفت اور اس پر کئے جانے والے اعتراضات سن کر حیرت ہوئی ہے اور یہ کہ اپوزیشن غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کا شکار ہے۔

بحث کے بعد محمد علی جناح صدر دستور ساز اسمبلی اور نامزد گورنر جنرل پاکستان کو "قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان" کے طور پر

پکارنے کی تحریک منظور کر لی گئی۔
اجلاس کے اختتام سے قبل صدر مجلس نے چیئرمینوں کا مندرجہ ذیل پینل نامزد کیا۔
جناب تمیزالدین خان
جناب عمر حیات ملک
سردار بہادر خان اور
جناب کرن سنکر رائے
صدر نے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ان کی غیر حاضری اور درخواست پر دستور ساز اسمبلی کی صدارت کرنے کا مجاز ہو گا۔
اسمبلی کی کارروائی، 14 اگست بروز جمعرات، صبح پونے نو بجے تک ملتوی کر دی گئی۔

14 اگست، ماؤنٹ بیٹن کی کراچی آمد

ہندوستان کے نامزد گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن، 14 اگست کو پاکستان کی آزادی کی تقریبات میں شرکت کی غرض سے 13 اگست کو دہلی سے کراچی پہنچ گئے۔ عزت مآب گورنر جنرل ہندوستان (لارڈ لوئس ماؤنٹ بیٹن آف برما) صدر اسمبلی (قائداعظم محمد علی جناح) کی معیت میں اسمبلی چیمبر پہنچے۔ قائداعظم نے 9 بجکر 10 منٹ پر اپنی نشست سنبھالی۔ اجلاس کا آغاز ماؤنٹ بیٹن کی تقریر سے ہوا۔

پاکستان اسمبلی میں ملک معظم کا پیغام اور ماؤنٹ بیٹن کی تقریر

ملک معظم کے پیغام کا وہ مکمل متن درج ذیل ہے جو پاکستان اسمبلی میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پڑھ کر سنایا۔
"میں اس عظیم موقع پر جب نئی مملکت پاکستان برطانوی دولت مشترکہ میں اپنا مقام حاصل کرنے والی ہے، نئی تمناؤں کے ساتھ دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میثاق و عہد نامہ کے ذریعے اپنی آزادی حاصل کر کے آپ نے ساری دنیا میں آزادی پسند لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہر طبقہ کی ترجمانی کر رہا ہوں، جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ آپ کے جمہوری اصولوں کو برقرار رکھنے میں ہر ممکن امداد دینے سے گریز نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سیاسی تدبر اور جذبہ تعاون جس نے اس تاریخی ارتقاء کی طرف رہنمائی کی ہے جس کی تقریب آپ منا رہے ہیں، آپ کے مستقبل کی مسرت اور خوشحالی کے ضامن ہوں گے۔ آپ کے رہنماؤں پر آپ کے مستقبل کی بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ خداوند عالم آپ کو آپ کے آئندہ کاموں اور ارادوں میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری طرف سے آپ ہمیشہ ہر ممکن امداد و تعاون کا یقین رکھیں کہ میں انسانیت کے نصب العین کی ترقی میں آپ کی مسلسل جدوجہد کا مطالعہ کر رہا ہوں"
ہز ایکسی لینسی لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان کی قانون ساز اسمبلی سے جو خطاب کیا، اس کا متن درج ذیل ہے۔
"جناب صدر اور اراکین مجلس قانون ساز پاکستان!
میں آج آپ سے آپ کے وائسرائے کی حیثیت سے خطاب کر رہا ہوں۔ کل نئی مملکت پاکستان کی عنان حکومت آپ کے ہاتھوں میں ہو گی اور میں آپ کے پڑوسی مملکت ہندوستان کا آئینی سربراہ ہوں گا۔ دونوں مملکتوں کے رہنماؤں نے مجھے مشترکہ دفاعی کونسل کا خود مختار چیئرمین ہونے کی دعوت دی ہے۔ یہ ایک اعزاز ہے جس پر پورا اترنے کی میں کوشش کروں گا۔ کل دو نئی خود مختار مملکتیں دولت مشترکہ میں شامل ہوں گی۔ یہ دونوں نئی اقوام نہیں ہیں بلکہ پرانی اور قابل فخر تہذیبوں کی وارث ہیں۔ یہ بالکل آزاد مملکتیں ہیں جن کے رہنما وہ سیاسی مدبر ہیں جو تمام دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں اور جن کی تمام دنیا عزت کرتی ہے۔
ان کے شاعروں، فلسفہ دانوں، سائنس دانوں اور جنگ آزماؤں نے انسانیت کی خدمت میں بہت قابل قدر کام کیا ہے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ یہ مملکتیں ناپختہ یا کمزور نہیں ہیں بلکہ دنیا کے امن اور خوشحالی کی ذمہ داری کو پورا کرنے میں اپنا بڑا کردار ادا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔
پاکستان کی تخلیق تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ پس وہ لوگ جو اس تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ سازی میں معاون ہو رہے ہیں، ابھی اس قابل نہیں ہیں (اگر ہم چاہیں بھی) کہ اس واقعہ کا اخلاقی استنباط کر سکیں یا پیچھے مڑ کر ماضی کے اس تسلسل کا جائزہ لیں جو اس اہم واقعہ پر منتج ہوا۔
تاریخ کبھی برفانی تودہ کی طرح بے حد سست رفتاری کے ساتھ حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کبھی تیز رو چشمہ کی طرح آگے بڑھتی ہے۔ ابھی ابھی دنیا کے اسی حصہ میں ہماری متحدہ کوششوں نے برف پگھلائی ہے اور بہاؤ میں کچھ رکاوٹوں کو دور کر کے پوری رفتار سے آگے بڑھا دیا ہے۔ اب پیچھے مڑ کے دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ صرف آگے دیکھنے کا وقت آ پہنچا ہے۔
میں ان بڑے آدمیوں یعنی آپ کے رہنماؤں کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے انتقال اقتدار کیلئے ایک پرامن حل تلاش کرنے میں تعاون کیا ہے۔
یہاں میں مسٹر جناح کو خراج تحسین پیش کرنا چاہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے گہرے ذاتی روابط اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے باہمد رد اعتماد اور مفاہمت مستقبل میں اچھے تعلقات کے لئے نیک شگون ہیں۔ میں انہیں آپ کے گورنر جنرل کی حیثیت سے خوش

آمدید کہتا ہوں- میری پر خلوص اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں-

اخلاقی جرأت' انسانی عظمت کا سب سے بڑا معیار ہے- ان لوگوں نے حقیقتاً بڑے پیمانے پر اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے' جنہوں نے پرامن حل اور سمجھوتے کی اہم ضرورت کو اپنی ان امنگوں' خواہشات اور مطالبات سے مقدم رکھا جن پر ان کا پختہ عقیدہ تھا اور جنہیں وہ عزیز رکھتے تھے-

میں دوسرے لوگوں کی مدد کو بھی تسلیم کرنا چاہتا ہوں' ان لوگوں کی' جنہوں نے مذاکرات کے دوران مشورہ دیا اور دست تعاون دراز کیا- ان لوگوں کی' جنہوں نے انتہائی مشکل حالات میں ملک کے نظم و نسق کو سنبھالے رکھا اور ان لوگوں کی جنہوں نے برصغیر کے بے شمار مسائل کو حل کرنے میں دن رات محنت کی- یہ سب کچھ سخت جدوجہد اور بڑی کاوشوں کے بعد حاصل ہوا ہے- کاش میں کہہ سکتا کہ یہ سب اشک فشانی اور خون خرابے کے بغیر حاصل ہوا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں بڑے بھیانک جرائم سرزد ہوئے ہیں- یہاں اس امر کا اظہار جائز ہو گا کہ اگر عوام کی اکثریت اپنے رہنماؤں کی جدوجہد میں معاون نہ ہوتی یا اس اپیل پر کان نہ دھرتی جو مسٹر جناح اور مہاتما گاندھی نے متفقہ طور پر کی تھی اور جسے مستقبل کی حکومتوں نے پارٹیشن کونسل کے بیان کے ذریعے بار بار دہرایا تھا' تو اس سے کہیں زیادہ خوفناک واقعات رونما ہو سکتے تھے-

کیا میں آپ کو اس بیان کے کلمات کی یاد دہانی کراؤں؟ دونوں حکومتوں نے اعلان کیا کہ "ان کی حکومت عزم کئے ہوئے ہے کہ تمام شہروں کے جائز حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جائے گا- اس میں کسی مذہب' فرقے یا جنس کی تفریق نہیں ہو گی- تمام لوگ اپنے شہری حقوق حاصل کرنے میں یکساں سمجھے جائیں گے اور دونوں مملکتیں اپنے اپنے علاقوں میں بسنے والے لوگوں کو ان کے حق آزادی کا یقین دلائیں گی- مثلاً انہیں گفتار کی آزادی ہو گی' انہیں انجمن بنانے کی آزادی ہو گی' انہیں اپنے طرز پر عبادت کرنے کی آزادی ہو گی اور یہ کہ ان کی زبان اور ثقافت کا تحفظ کیا جائے گا- دونوں حکومتیں اس بات کا بھی ذمہ لیتی ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ جو پندرہ اگست سے پہلے ان کے سیاسی حریف تھے کوئی تفریقی برتاؤ نہیں ہو گا- " ان الفاظ کی پاسداری کا مطلب یہ ہو گا کہ انسانی آبادی کے پانچویں حصہ کو پروانہ آزادی مل گیا ہے-

کچھ دن ہوئے میں لاہور گیا تھا ان رپورٹوں کے مطابق جو مجھے ملی تھیں مجھے خدشہ تھا کہ مجھے بے پناہ تباہی کے منظر دیکھنے کو ملے گا- آپ میں سے وہ لوگ جو لاہور نہیں گئے ہیں' یہ سن کر سکون کا سانس لیں گے کہ تباہی اس سے کہیں کم تھی جتنا میں خیال کر رہا تھا- سارے میونسپل علاقے میں فی ہزار اٹھارہ مکانات سے زیادہ نہ ہونگے جو اس تباہی سے متاثر ہوئے ہوں- یہ کہنے سے میری مراد اس پاگل پن پر پردہ ڈالنا یا اس جرم کی نوعیت کو کم کرنا نہیں ہے جس نے بے اندازہ نقصان پہنچایا ہے بلکہ میں ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے لاہور کو مکمل تباہی سے بچا لیا تو پولیس اور آگ بجھانے والے عملے کو' فوجیوں اور سول انتظامیہ کو اور ان تمام شہریوں کو بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہو کر' تخریب کاری کا مقابلہ کر کے شہر کو برباد ہونے سے محفوظ رکھا اور ان کی بھی تعریف کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے جائے حادثہ پر ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے مظلوم انسانوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرنے میں پوری پوری مدد کی- میری خواہش ہے کہ آپ بھی ان سب کو خراج تحسین پیش کریں- خدمت خلق کا نصب العین جس نے ان خواتین و حضرات میں کام کرنے کی تحریک پیدا کی' تعاون اور مفاہمت کا وہ جذبہ جس نے آپ کے رہنماؤں میں ایک نئی روح پھونکی' یہی وہ سیاسی اور تمدنی خوبیاں ہیں جو کسی قوم کو عظیم بناتی ہیں اور اسے عظمت کے مرتبہ پر برقرار رکھتی ہیں- میری دعا ہے کہ آپ ان خوبیوں پر ہمیشہ عمل کرتے رہیں- اب وقت آ پہنچا ہے کہ میں سلطنت انگلشیہ کی طرف سے' اپنے ملک کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے آپ کو خدا حافظ کہوں- میں اپنی اہلیہ کی طرف سے بھی آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں جو پاکستانی خواتین کو ہمیشہ یاد رکھیں گی اور ان کے لئے دعاگو رہیں گی- وہ دوست جدا ہو رہے ہیں جنہوں نے آپس میں اختلافات رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی عزت اور تعظیم کرنا سیکھا ہے- یہ مستقل جدائی نہیں ہے اور میں یہ سوچ کر خوش ہوں کہ یہ ان کی رفاقت اور دوستی کا خاتمہ بھی نہیں ہے- میرے بہت سے ہم وطن کئی نسلوں سے یہاں پیدا ہوئے' یہیں زندگی گزاری اور بہت سے یہیں مرے بھی ہوں گے- کچھ یہاں تجارتی اغراض و مقاصد سے رہ جائیں گے' کچھ سرکاری ملازمت اختیار کر لیں گے اور کچھ فوج میں شامل ہو جائیں گے اور یہ سب بات میں اپنی عزت افزائی سمجھتے ہیں کہ انہیں آپ کی خدمت کرنے کی دعوت دی گئی ہے-

برطانوی اور ہندوستانی باشندوں کی صدیوں کی رفاقت کے دوران برطانوی باشندے' طرز زندگی' رسم و رواج' گفتگو اور خیالات' ہندوستان کی معاشرت' طور طریق اور زبان سے بہت حد تک غیر محسوس طریقہ پر متاثر ہوئے ہیں-

کیا میں آپ کو یاد دلاؤں کہ تقریباً چار سو سال پہلے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو پروانہ تجارت ملا تو آپ کا عظیم شہنشاہ اکبر یہاں تخت پر متمکن تھا- اس کے دور حکومت میں اتنی سیاسی اور مذہبی رواداری تھی کہ جو نہ اس سے پہلے اور نہ کبھی اس کے بعد دیکھی گئی- میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک ایسی مثال تھی جس سے ہمارے عوام اور

انتظامیہ کی کئی نسلیں متاثر ہوتی رہی ہیں۔ اکبر اعظم کی روایات پر برطانوی اور ہندوستانی باشندوں نے ہمیشہ استقامت کے ساتھ عمل نہیں کیا لیکن میں اس دنیا کی خاطر دعا کرتا ہوں کہ ہم آنے والے برسوں میں اس عظیم بادشاہ کے سکھائے ہوئے اصولوں پر سختی سے عمل پیرا ہوں۔ خدا کرے پاکستان ہمیشہ خوشحالی کی راہ پر گامزن رہے اور اس کے باشندے تندرست اور خوش و خرم رہیں۔ اس کی حدود میں علم اور امن کی روشنی پھیلے اور یہ ملک اپنے پڑوسیوں اور دنیا کی تمام اقوام کے ساتھ دوستی کو برقرار رکھے"

قائداعظمؒ کی جوابی تقریر

"یور ایکسی لینسی

میں اپنی اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی جانب سے ملک معظم کے مشفقانہ پیغام کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

"مجھے علم ہے کہ ہمارے سامنے بڑی ذمہ داریاں ہیں جن سے ہمیں عہدہ برآ ہونا ہے اور قدرتی امر ہے کہ میں انہی جذبات و احساسات کا اعادہ کروں گا جس کا اظہار ملک معظم نے کیا ہے۔ ہم ان کے تعاون اور ہمدردی کی یقین دہانی کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں اور میں توقع کرتا ہوں کہ آپ برائے مہربانی ہماری طرف سے ان کے لئے بہ حیثیت تاجدار سلطنت برطانیہ اور پوری برطانوی قوم کے لئے ہماری دوستی اور خیر سگالی کے جذبات ملک معظم تک پہنچا دیں گے۔" مسٹر جناح نے مزید کہا۔ "یور ایکسی لینسی' میں پاکستان کے مستقبل کے لئے آپ کے جذبہ خیر سگالی اور آپ کی نیک تمناؤں کے اظہار کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ ہماری مسلسل کوشش یہ ہو گی کہ ہم پاکستان میں بسنے والے تمام فرقوں اور گروہوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں اور مجھے امید ہے کہ ہر شخص میں خدمتِ خلق کے اعلیٰ نصب العین کو ابھارا جا سکتا ہے اور پھر وہ تعاون کے جذبہ سے سرشار ہوں گے اور وہ ان سیاسی اور تمدنی خوبیوں کو اجاگر کریں گے جو کسی قوم کو عظیم بناتی ہیں۔

میں ایک مرتبہ پھر آپ کی مہربانی اور نیک خواہشات کے لئے آپ کا اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہاں! ہم یقیناً دوستوں کی طرح جدا ہو رہے ہیں اور میں پورے خلوص کے ساتھ متوقع ہوں کہ ہم دوست رہیں گے۔ میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ ہم اس جذبہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس کے تحت ان لوگوں نے جو فی الحال سرکاری محکموں یا فوج میں ملازم ہیں اور دوسرے لوگوں نے بے دریغ اپنی خوشی اور رضامندی سے پاکستان کی خدمت کرنے کے لئے خود کو عاریتاً رضا کارانہ طور پر پیش کر دیا ہے۔ ہم انہیں پاکستان کے ملازم ہونے کی حیثیت سے خوش رکھیں گے اور ان کے ساتھ مساوی برتاؤ کیا جائے گا۔

وہ خیر سگالی اور رواداری کا اظہار اکبر اعظم نے غیر مسلموں سے کیا' کوئی حال کی بات نہیں ہے۔ اس کی ابتداء پندرہ صدی پہلے ہوئی جب ہمارے پیغمبرؐ نے صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملاً یہودیوں اور عیسائیوں پر فتح پانے کے بعد ان سے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے ان کے دین اور عقیدوں کے بارے میں انتہائی رواداری' لحاظ اور احترام کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کی ساری تاریخ' جہاں بھی انہوں نے حکومت کی شرافت اور انسان دوستی کے ان عظیم اصولوں سے بھری پڑی ہے جن پر ہمیں عمل پیرا ہونا چاہئے۔ آخر میں' میں پاکستان کے لئے آپ کی نیک خواہشات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ ہم اپنے ہمسایہ ملکوں اور دنیا کی تمام اقوام کے ساتھ جذبہ دوستی و خیر سگالی کے اظہار میں تامل نہیں کریں گے۔

قائداعظم کی تقریر کے ساتھ مجلس دستور ساز کا یہ اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔

(حوالے: 11' 12' 13' 14' 15' 16)

قلات کا اعلان آزادی

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ 4 اگست کی میٹنگ میں طے پا جانے والے معاہدے کی روشنی میں خان قلات میر احمد یار خان نے' 15 اگست کو قلات کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ یہ جمعہ کا روز تھا' اس دن جامعہ مسجد قلات میں خان معظم کے نام کا اسلامی خطبہ پڑھا گیا اور صحن میں ہی آزاد قلات کا پرچم لہرایا گیا۔ ریاست قلات کا پہلا پرچم سرخ اور سبز رنگ کا مستطیل تھا جس میں سبز رنگ اوپر اور سرخ نچلے حصے میں تھا اور درمیان میں چاند تارے کا نشان تھا۔ آزاد قلات کے پرچم میں رنگ تو وہی رہنے دیئے لیکن پرچم کی بناوٹ تکونی کر دی گئی اور اس میں چاند تارے پر کلمہ طیبہ کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔

نماز جمعہ کے بعد' یوم آزادی کی مناسبت سے اپنے عوام سے خطاب کرتے ہوئے خان قلات نے کہا: "اگرچہ میں ملک کی روایات اور قوم کے جذبات سے بے خبر نہیں رہا ہوں لیکن ایک بیرونی اقتدار کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے' میں آپ لوگوں کے سامنے اپنے جذبات کا کماحقہ اظہار نہیں کر سکا۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے آج ہمارا ملک آزاد ہے اور میں آزادی سے اپنے نظریات آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں...."

اپنی تقریر میں میر احمد یار خان نے دوسروں کی غلامی سے نجات پانے' قرآنی آئین کو نافذ کرنے اور بلوچ قوم کو متحد کر کے ایک مرکز پر لانے کی اپنی پرانی آرزوؤں کا ذکر کرتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کی پہلی آرزو پوری ہو گئی۔ اب باقی دو کے لئے کام کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے ہمیں سخت مرحلوں سے گزرنا پڑے

گا۔ اپنی غیر مسلم رعایا کے بارے میں انہوں نے اسے جانی' مالی' مذہبی' اور تمدنی تحفظ کا یقین دلایا۔

اپنے لئے بادشاہ کا خطاب اختیار کرنے کی تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے' خان قلات نے کہا کہ بادشاہت ان کے لئے وجہ افتخار نہیں بلکہ وہ اسلام اور بلوچ قوم کا خادم ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ تقریر کے بعد آزاد قلات کا پرچم لہرایا گیا۔ توپ خانہ نے پرچم کو سلامی دی۔

پاکستان سے الگ ایک خود مختار قلات کے اعلان آزادی کا کیا جواز تھا؟ اس بارے میں خان قلات نے تفصیلی وضاحتیں کی ہیں۔ خان کا 1937ء سے موقف یہ تھا اور اس موقف کو منوانے کے لئے خان نے قائداعظم کی قانونی رہنمائی اور مدد بھی حاصل کئے رکھی تھی کہ "نیپال کی طرح' قلات بھی ایک خصوصی حیثیت کا حامل ہے۔ باقی ریاستوں کو انگریزوں نے فتح کیا تھا۔ لیکن ریاست قلات ایک آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔ جس کے تعلقات حکومت برطانیہ کے ساتھ بذریعہ چند معاہدات اور بالخصوص 1876ء کے معاہدے پر استوار ہیں۔ دوسرے' قلات ہندوستانی ریاست نہیں ہے اور ہندوستان کے مراسم صرف برطانوی حکومت کے تعلقات کی بنا پر رسمی تھے۔ جب برطانوی حکومت کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے گا تو قلات کا حکومت برطانیہ کے ساتھ معاہدہ بھی ختم ہو جائے گا اور قلات کی معاہدے سے پہلے والی آزادی کی حیثیت مکمل طور پر بحال ہو جائے گی۔"

قائداعظم کے مشورے پر جناب آئی آئی چندریگر' سر سلطان احمد سردار بی کے مینن اور سر والٹن مانکٹن سے اپنا کیس تیار کروا کر خان قلات نے قائداعظم کو پیش کیا تھا۔ جنھوں نے اس میں مناسب تبدیلیاں کر کے' مذکورہ بالا موقف پر مبنی یادداشت کو کابینہ مشن اور وائسرائے ہند کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

3 جون 1947ء کے اعلان آزادی کے نتیجے میں' قائداعظم نے ریاستوں کے بارے میں اپنی واضح پالیسی میں کہا تھا کہ آئینی اور قانونی طور پر ہندوستانی ریاستیں برطانوی اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوتے ہی از خود آزاد اور خود مختار ریاستیں تصور ہوں گیں اور انہیں اپنی پسند کا راہ عمل اختیار کرنے کی آزادی ہو گی۔ انہیں آزادی ہو گی کہ وہ پاکستان یا ہندوستان میں شامل ہو جائیں یا پھر آزاد رہیں۔

قائداعظم کے اس واضح موقف کا اظہار 4 اگست 1947ء کی اس میٹنگ میں بھی ہوا' جس میں خود ان کے علاوہ' لارڈ ماؤنٹ بیٹن' خان قلات' ماؤنٹ بیٹن کے قانونی مشیر لارڈ اسمے' نواب زادہ خان لیاقت علی خان' وزیراعظم قلات اور قلات کے قانونی مشیر سر سلطان احمد نے بھی شرکت کی۔ اس اہم کانفرنس کے نتیجے کے طور پر جو معاہدہ ہوا اور جس کا اعلان 11 اگست 1947ء کو کیا گیا۔ حسب ذیل تھا۔

1_ حکومت پاکستان قلات کی حیثیت کو ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر جس کے معاہداتی تعلقات' برطانوی حکومت سے ہیں اور جس کا منصب و مرتبہ' ہندوستان کی ریاستوں سے مختلف ہے' تسلیم کرتی ہے۔

2- اس امر کے لئے قانونی رائے حاصل کی جائے گی۔ آیا وہ معاہدے اور اجارات جو برطانوی حکومت اور قلات سٹیٹ کے درمیان ہیں۔ حکومت پاکستان کو ورثے میں مل سکتے ہیں یا نہیں۔

3_ اس قانونی رائے کے حصول کے بعد پاکستان اور خان قلات کے نمائندوں کے درمیان مزید گفت و شنید ہو گی۔

4_ دریں اثنا پاکستان اور قلات کے درمیان ایک ساکن معاہدہ (Stand Still Agrement) کر لیا جائے گا۔

5_ پاکستان اور قلات کے درمیان خارجہ امور اور مواصلات کے بارے میں فیصلہ کن گفت و شنید قریبی تاریخوں میں کراچی میں کی جائے گی۔

گویا اس طرح 4 اگست 1947ء کو ہی مستقبل میں قائم ہونے والی حکومت پاکستان اور ریاست قلات کے مابین ایک عارضی معاہدہ طے پا گیا جو آئندہ ہونے والے کسی مستقل معاہدے تک قائم رہنا تھا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ معاہدہ اس وقت ہوا جب خود پاکستان کے قیام میں ابھی دس روز باقی تھے۔ خان قلات اور دوسرے بلوچی رہنماؤں کے اس موقف سے اور اس عرصے میں خود قائداعظم محمد علی جناح کے رویے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ 15 اگست 1947ء کا ریاست قلات کا اعلانِ آزادی نہ تو پاکستان سے غداری کے مترادف تھا نہ ہی اسے بغاوت قرار دیا جا سکتا تھا۔

(حوالے: 18,17)

ریڈ کلف ایوارڈ

3 جون کے منصوبے کے تحت پنجاب اور بنگال کی تقسیم روبہ عمل آنی تھی یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ ان دونوں صوبوں کے کون سے علاقے پاکستان میں شامل کئے جائیں' اور کون سے ہندوستان میں' لندن کے ایک سرکردہ وکیل ریڈ کلف کی سربراہی میں ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا گیا۔ ریڈ کلف کو اصولی طور پر 15 اگست 1947ء تک اپنا فیصلہ سنا دینا چاہئے تھا۔ لیکن حد بندی کمیشن کا اعلان 16 اگست 1947ء کو ہوا جب ریڈ کلف کراچی سے جا چکے تھے۔ ریڈ کلف کے حد بندی کے فیصلے کو پاکستان کے نقطہ نظر سے انتہائی ناجائز اور غیر منصفانہ قرار دیا گیا ہے۔ اس بے انصافی کی تہہ میں پاکستان کیلئے ماؤنٹ بیٹن کے تعصب کو بھی دخل تھا۔ کیونکہ ماؤنٹ بیٹن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان ہی نے ریڈ کلف کو اپنے ابتدائی فیصلے میں ترمیم پر آمادہ کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ریڈ کلف کا ایوارڈ بنگال اور پنجاب دونوں صوبوں

میں پاکستان کے ساتھ صریح بے انصافی پر مبنی تھا۔ مشرقی پاکستان کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ تقسیم کے وقت مرشد آباد' مالدہ' ندیا' دیناج پور اور جیسور کے خاصے بڑے حصے ہندوستان کے حوالے کر دیئے گئے حالانکہ ان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس حقیقت کا اعتراف لارڈ اسمے نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں بھی کیا ہے۔ جہاں تک پنجاب کا سوال ہے صوبے کی سات تحصیلوں اور ایک ریاست کو زبردستی مغربی پنجاب سے الگ کر کے مشرقی پنجاب کے حوالے کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ تمام تحصیلیں حد بندی کمیشن کی تجویز کردہ مغربی پنجاب سے الحاق کی دونوں شرائط پوری کرتی تھیں یعنی ان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور سرحدی طور پر مغربی پنجاب سے متصل بھی تھیں۔

تحصیلوں کے نام یہ ہیں:

(i) فیروز پور

(ii) زیرہ

(iii) نکودر

(iv) جالندھر

(v) اجنالہ

(vi) بٹالہ

(vii) گورداس پور

(viii) ریاست کپور تھلہ

ریاست کپور تھلہ جالندھر سے اس طرح متصل تھی کہ جیسے اس کا ایک حصہ ہو۔ تقسیم برصغیر 1941ء کی مردم شماری کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ اس پہلو سے بھی دیکھا جائے۔ تو ان آٹھوں علاقوں میں مسلمان واضح اکثریت میں تھے۔ ان میں سے کوئی بھی علاقہ مغربی پنجاب سے الگ نہ تھا بلکہ کٹھلیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملا ہوا تھا۔ یہ حقیقت آج بھی 1947ء سے قبل کے متحدہ پنجاب کا کوئی نقشہ سامنے رکھ لینے سے واضح ہو سکتی ہے۔

پاکستان کے ایک سابق وزیراعظم سر فیروز خان نون کے بقول "غیر رسمی تقریر کی رو سے پٹھان کوٹ کا علاقہ پاکستان میں آتا تھا۔ اس طرح کشمیر میں ہندوستانی فوج کے داخلے کا راستہ مسدود ہو جاتا تھا۔ لیکن ان دنوں یہ افواہ گشت کر رہی تھی کہ حد بندی کا فیصلہ لاہور میں کیا جا چکا ہے۔ اور ابتدائی حد بندی کی توثیق بھی ہو چکی تھی۔ کمیشن کے ایک جج نے مجھے بتایا کہ ان کے اجلاس میں اس فیصلے کا فی الواقع اعلان کر دیا گیا تھا لیکن سر سیرل ریڈ کلف جب دہلی پہنچے تو انہوں نے اس فیصلے میں ترمیم کر دی اور پٹھان کوٹ ہندوستان کے حوالے کر دیا۔ اس طرح انہوں نے ہندوستان کو وہ راستہ مہیا کر دیا۔ جس سے ہو کر ہندوستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہوئیں اور مسلمانوں کے اس اکثریتی علاقے پر قابض ہو گئیں۔

پٹھان کوٹ کی دوسری اہمیت یہ تھی کہ یہاں دریائے راوی سے نکلنے والی نہروں کا ہیڈ ورکس تھا' لہٰذا اس تحصیل کو ہندوستان میں شامل کرنے کیلئے بٹالہ اور گورداسپور کی مسلم اکثریتی تحصیلوں کو بھی اس کے ساتھ نتھی کرنا ضروری تھا۔ دوسری صورت میں اگر پٹھان کوٹ ہندوستان میں شامل ہوتا اور بٹالہ اور گورداسپور پاکستان کو دے دیئے جاتے تو امرتسر اور پٹھان کوٹ کے درمیان سڑک اور ریل وغیرہ کے مواصلاتی نظام کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ گویا ریاست جموں و کشمیر تک ہندوستان کی رسائی کی خاطر بٹالہ اور گورداسپور کی مسلم اکثریت کی تحصیلوں کی ہندوستان میں شمولیت ضروری تھی۔ جبکہ ان دونوں تحصیلوں کی پاکستان میں شمولیت کی صورت میں تحصیل پٹھان کوٹ کا پاکستان میں شامل ہونا ضروری تھا تاکہ نہری نظام کی یک جہتی برقرار رکھی جا سکتی مگر اس طرح ہندوستان اور کشمیر کے ساتھ الحاق کی گنجائش پیدا کرنے کیلئے ضلع گورداسپور کی ان تینوں تحصیلوں کو ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔

اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ریڈ کلف کے آنے سے بھی پہلے سرحدوں کے تعین کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ یہ فیصلہ جولائی یا اگست کے دوران دہلی میں نہیں ہوا تھا' بلکہ شملہ میں 10 مئی 1947ء کی رات کو ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے درمیان اس خفیہ سمجھوتے کی رو سے '' کانگریس نے ملک کی تقسیم اور تقسیم کے بعد' برطانوی دولت مشترکہ میں رہنا ان شرائط پر منظور کیا تھا کہ اول تقسیم ملک کی تکمیل اور انتقال اختیارات دو مہینوں کے اندر اندر کیا جائے۔ دوم صوبہ بنگال کی تقسیم ہو تو کلکتہ ہندوستان میں شامل کیا جائے اور سوئم پنجاب کو تقسیم کر کے گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں ہندوستان میں شامل کی جائیں تاکہ ریاست کشمیر کا ہندوستان سے الحاق کا جواز پیدا کیا جا سکے۔ اسی طرح فیروز پور اور زیرہ کی مسلم اکثریتی تحصیلیں بھی ہندوستان کے حوالے کر دی گئیں۔ اس اجمال کی تفصیل کے مطابق لارڈ اسمے کے دفتر میں شائع شدہ ایوارڈ کا جو نقشہ لگا ہوا تھا۔ اس میں زیرہ اور فیروز پور کی تحصیلوں کو پاکستان میں شامل کیا گیا تھا۔ لیکن ان تحصیلوں کو ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو ضلع فیروز پور کے مسلم اکثریت والے علاقے اور فیروز پور کی ہیڈ ورکس سے محروم کرنے کا فیصلہ ماؤنٹ بیٹن نے کیا تھا۔ ریڈ کلف ایوارڈ میں یہ دونوں تحصیلیں پاکستان کا ہی حصہ قرار پائی تھیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے آٹھ اگست 1947ء کو ایوارڈ کی مکمل رپورٹ مل جانے کے بعد اس میں رد و بدل کیا۔

(حوالے: 21,20,19)

ہندو مسلم فسادات

قیام پاکستان کے نتیجے میں سرحد کے دونوں طرف قتل و غارت گری

کا جو بازار گرم کیا گیا تھا۔ اس کی ایک جھلک پنجاب میں مقیم "ٹائمز" کے نمائندہ خصوصی کی رپورٹ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جس میں پنجاب میں قتل عام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سکھوں کے مسلح جتھوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی قتل و غارت گری اور شہری انتظامیہ کی مکمل ناکامی کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا تھا۔ اس رپورٹ کو ہم من و عن نقل کرتے ہیں۔

" 25 اگست 1947ء :- یاد دہانی کے طور پر بتاتا چلوں کہ یہ فرقہ ورانہ جنگ یکطرفہ نہیں ہے کل، سکھ مہاجرین سے بھری ہوئی ایک ریل گاڑی پر، جو مغربی پنجاب سے آ رہی تھی، فیروز پور کے مشرق میں مسلمانوں کے ایک ہجوم نے حملہ کیا۔ یہ گاڑی جب منزل پر پہنچی تو پچیس لاشوں اور سو سے زائد ایسے مسافروں پر مشتمل تھی جنہیں مختلف نوعیت اور درجوں کے، چھریوں کے مہلک زخم آئے تھے۔ ایک ڈبے میں تین چھوٹی بچیاں موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھیں۔

"جب منگل کی رات کو مغربی فیروز پور میں سکھوں نے پنجاب میل ٹرین پٹڑی سے اتار دی اور اس پر حملہ کیا تو اس موقع پر دو برطانوی مسافروں نے بڑی بہادری اور کامیابی سے اس حملے کے دفاع کا انتظام کیا۔ یہ برطانوی تھے، مسٹر ہیرنگٹن ہوز، جو پنجاب کی ریاستوں کے ایجنٹ کے سیکرٹری تھے اور میجر راب جو انڈین پولیٹیکل سروس کے سابق ملازم تھے اور اپنی اہلیہ اور صاحبزادی کے ہمراہ کشمیر جا رہے تھے۔ میل ٹرین کو لدھیانہ سے جنوب کی طرف راستہ بدلنے پر مجبور کیا گیا اور فیروز پور کے مشرق میں لائن پر رکاوٹیں کھڑی کر کے اسے روک دیا گیا۔ تمام سکھ مسافروں کو پہلے ہی کسی اسٹیشن پر خبردار کر دیا گیا تھا اور وہ ریل گاڑی سے اتر گئے تھے۔ جب گاڑی روک دی گئی تو اسے مسلح سکھوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میجر نے یہ بات محسوس کی کہ ان کی نقل و حرکت تربیت یافتہ فوجیوں کی مانند تھی اور بارہ بارہ افراد پر مشتمل ہر گروہ کو نیلی وردی میں ملبوس ایک ایک سکھ کنٹرول کر رہا تھا۔ ان لوگوں کو برطانوی مسافروں نے، ان چند لوگوں نے جن کے پاس اسلحہ تھا اور ٹرین کے مسلح محافظوں نے جن میں دو مسلمان سپاہی، دو ہندو اور ایک سکھ شامل تھے، فائرنگ کر کے پیچھے ہٹا دیا۔

"چونکہ رات ہو رہی تھی اور گاڑی لمبی لمبی گھاس کے درمیان اس طرح کھڑی تھی کہ اس گھاس کو کسی وقت بھی آگ لگائی جا سکتی تھی اس لئے میجر اور مسٹر ہوز نے فیصلہ کیا کہ عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ رات، لائنوں پر پار ویران و سنسان اسٹیشن پر گزاری جائے۔ تقریباً ڈیڑھ سو مسافر جن میں سب مسلمان تھے اسٹیشن پر چلے گئے اور ان کی اکثریت چھت پر چڑھ گئی۔ سکھ سپاہی نے حملہ آور ہونے والے مجمع میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس اقدام نے رات بھر کے لئے سکھوں کو دور رہنے پر مجبور کر دیا۔ رات کو فوج کا ایک گشتی دستہ پہنچ گیا اور اس نے اپنے کچھ افراد کو بے یار و مددگار مسافروں کے پاس حفاظت کے خیال سے چھوڑ دیا۔ مسٹر ہوز پانی کی تلاش میں نکلے تو انہیں اسٹیشن کے عملے میں سے چار مسلمان ملازمین کی لاشیں نظر آئیں جنہیں قتل کر دیا گیا۔ صبح ٹرین میں واپسی پر انہوں نے دیکھا کہ گاڑی کو خوب جی بھر کر لوٹا گیا تھا قتل کر دیئے گئے تھے۔ اگرچہ ریلوے لائن میں اسٹیشن کے مغرب کی طرف سے خلل اندازی کی گئی تھی، وہ لوگ بغیر کسی دشواری یا حادثے کے فیروز پور پہنچ گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دو انگریزوں کی موجودگی سے مسافروں سے بھری ہوئی یہ پوری گاڑی قتل و غارت سے بچ گئی کیونکہ متعدد مقامات پر ایسے واقعات پیش آ چکے تھے۔

جتھوں کی سرگرمیاں

"ان واقعات کے بارے میں کئی تجربہ کار افسروں کا یہ تبصرہ ہے کہ جنگ کے دوران ہم نے جو کچھ دیکھا، موجودہ حالات ان سے کئی ہزار گنا زیادہ ہولناک ہیں۔ پنجاب کے دونوں حصوں میں ہونے والے اس قتل عام کے بارے میں نہ صرف برطانوی بلکہ ہندوستانی افسروں کا بھی یہی خیال ہے۔ سکھ فساد کے راستے پر چل رہے ہیں۔ وہ مشرقی پنجاب کو مسلمانوں سے خالی کر رہے ہیں۔ سینکڑوں افراد روزانہ قتل کئے جاتے ہیں۔ ہزاروں مغرب کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے گاؤں اور گھر جلائے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اپنے پاگل پن میں وہ خود اپنے گھر بھی جلا ڈالتے ہیں۔ تشدد کی ان وارداتوں کو سکھوں کی اعلیٰ ترین قیادت نے منظم کیا ہے اور ان پر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے۔ وہ پہلے ایک علاقے پر حملہ کرتے ہیں اور پھر اپنے منصوبے کے مطابق باقی علاقوں کو نشانہ بناتے ہیں کچھ بڑے شہروں مثلاً امرتسر اور جالندھر میں اب سناٹا سکون ہے کیونکہ وہاں اب کوئی مسلمان باقی نہیں بچا، جالندھر شہر کے دو گھنٹے کا فضائی جائزے کے دوران میں نے پچاس دیہاتوں کو شعلوں میں گھرا ہوا دیکھا۔

"سکھ جتھے اور مسلح ہجوم پچاس سے سو کی تعداد میں، حملوں کا سلسلہ شروع کرنے سے قبل عام طور پر گردواروں میں جمع ہوتے ہیں جو ان کی عبادت گاہیں ہیں۔ بہت سے جتھے سکھ ریاستوں کو عبور کر کے آتے ہیں۔ ایک مخصوص سکھ جتھے کے ہتھیاروں میں ایک یا دو باوردی ہتھیار، فوجی اور گھر میں بنائے ہوئے گرینیڈ، نیزے، کلہاڑے اور کرپانیں شامل ہوتی ہیں۔ کرپان، سکھوں کی ایک خاص تلوار ہے جسے ایک خاص مذہبی حیثیت بھی حاصل ہے۔ مسلمان عام طور پر صرف لکڑی کے ڈنڈوں یا لاٹھیوں سے مسلح ہوتے ہیں۔ جب انہیں دھمکایا جاتا ہے یا حملے کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ اپنی چھتوں پر جمع ہو جاتے ہیں اور ہمسایہ مسلمان آبادیوں

سے مدد حاصل کرنے کے لئے زور زور سے ڈھول اور گھنٹے بجاتے ہیں اور حملہ آوروں پر پتھر پھینکنے کی تیاری کرنے لگتے ہیں۔ سکھ بڑے سائنٹفک انداز میں حملہ کرتے ہیں۔ ان کا حملہ تین مرحلوں میں ہوتا ہے۔ پہلے مرحلے میں بارودی ہتھیاروں سے مسلح جماعت فائر کرتی ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چھتوں پر چڑھے ہوئے مسلمان گھبرا کر نیچے اتر آئیں۔ دوسرے مرحلے میں دوسری جماعت دیواروں کے اوپر سے گرینیڈ پھینکتی ہے۔ ان حملوں کے نتیجے میں پھیلنے والی افراتفری کے دوران تیسری جماعت کرپانوں اور بلموں سے حملہ آور ہو جاتی ہے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ سب سے آخری گروہ جو نسبتاً عمر رسیدہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور جن میں اکثر سفید لمبی داڑھیوں والے فوج کے پنشن یافتہ ملازم ہوتے ہیں، مشعلیں لئے ہوئے آتا ہے یہ لوگ آتش زنی کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، باہر کھڑے ہوئے گھڑ سواروں کی کرپانوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

"برطانوی افسروں نے ایسے جتھوں کو دیکھا ہے جن میں عورتیں اور بچے بھی بلم اور بھالے لئے ہوئے شامل ہوتے ہیں۔ ان جتھوں نے دہشت ناک مظالم ڈھائے ہیں۔ انسانی جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ ایک گاؤں میں، پچاس لاشوں میں سے تیس عورتوں کی تھیں۔ وائسرائے کے ایک کیپٹنڈ افسر نے چار ایسے بچوں کو دیکھا جنہیں آگ میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ جتھے عموماً سابق فوجیوں کی سربراہی میں ہوتے ہیں جن کی اس علاقے میں بہتات ہے، لیکن اس کے باوجود یہ بزدل لوگ ہیں۔ ایک پوری طرح مسلح جتھا جس نے پندرہ مسلمان دیہاتوں پر مشتمل ایک مضبوط حفاظتی مرکز کو جلا دیا تھا اور کم از کم پانچ سو آدمیوں کو تہہ تیغ کیا تھا، آخر کار ایک چھوٹے سے مسلمان گاؤں کے سامنے چھ جانوں کے نقصان کے ساتھ بے بس ہو کر رکنے پر مجبور ہو گیا۔ ان گاؤں والوں کے پاس صرف ایک رائفل اور ایک پستول تھی لیکن ان کی رہنمائی رائل انڈین آرمی سروس کور کے ایک کیپٹن نے بڑی بے خوفی سے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ دو برطانوی افسروں نے بڑی کامیابی سے ایک ہجوم کو منتشر کر دیا جو ایک ریل گاڑی پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ ریل گاڑی بڑی مہارت سے راستہ سے ہٹا کر کنارے لگائی گئی تھی۔ میرے آسٹر ہوائی جہاز کے نوجوان ہندوستانی پائلٹ نے روشنی کی شعاعیں ڈال کر کئی جتھوں کو منتشر کیا۔ (افسوس کہ یہ محض ایک عارضی انتظام تھا)

"سرحدی فوج کی تین بٹالینوں میں ایک چوتھی بٹالین کا اضافہ کمک کے طور پر حال میں کیا گیا ہے۔ ان کے ذمے تین بڑے اضلاع ہیں اور انہیں ایک ناممکن کام کا سامنا ہے۔ جب تک وہ ایک رپورٹ سے ملنے والی اطلاع کے مطابق عمل کریں، جتھا وہاں سے کسی اور طرف نکل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سکھ اور ہندو دستوں نے سکھ جتھوں پر فائر کرنے سے انکار کر دیا ہے یا وہ جان بوجھ کر نشانہ خطا کر دیتے ہیں۔ مسلم پولیس 15 اگست سے پہلے غیر مسلح کر دی گئی اور سکھ پولیس نے لوگوں کو خوب لوٹا اور قتل کیا۔ کئی اہم انگریزوں کی حالیہ برخاستگی کی وجہ سے شہری انتظامیہ بے حد کمزور ہو گئی ہے اور اب ہندوستانی افسروں کو بڑے پیمانے پر تبدیلی سے انتظامیہ کی مکمل تباہی و ناکامی پر قابو پا لیا گیا ہے۔ وہ افسران جن کی ہمدردیاں جتھوں کے ساتھ نہیں ہیں، سکھوں کی دھمکیوں کا نشانہ بن رہے ہیں اور انہیں اپنی جانوں کا خطرہ ہے۔ جالندھر میں سول انتظامیہ نے پہلے مسلمان پولیس والوں کو غیر مسلح کیا اور پھر فوجی حکام کو منع کیا کہ وہ مسلمان فوجیوں کو اندرون شہر کی حدود میں تعینات نہ کریں۔ وہ دستے یعنی سکھ، ڈوگرہ اور جاٹ جو وہاں تعینات کئے جانے تھے انہوں نے گزشتہ بدھ کے قتل عام اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی لوٹ مار اور آتش زنی کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

"مہاجرین کی آمد کا ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو رہا ہے جس سے نبٹنا سول حکام کے قابو سے بالکل باہر ہے۔ فوج نے اس مسئلے کا مقابلہ بڑی بہادری سے کیا ہے۔ یہاں تک کہ میس کے اردلی اور بیرے حفاظتی فرائض کے لئے باہر نکل آئے ہیں۔ مہاجرین برابر آ رہے ہیں۔ جالندھر کے ایک مہاجر کیمپ میں، جو فوج نے شروع کیا تھا لیکن اب سول حکام کے زیر نگرانی ہے آٹھ ہزار یا اس سے بھی کچھ زیادہ افراد کی اکثریت نے پانچ دن میں صرف ایک بار کھانا کھایا۔ فوج شہر کے بہت سے علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے اور اسے جتھوں کو توڑنے میں کچھ تھوڑی بہت کامیابی بھی ہوئی ہے۔ وہ جن لوگوں کو گرفتار کرتی ہے، سول حکام عام طور پر تقریباً فوراً ہی انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن فوج مہاجرین کے لئے جمع ہونے کے بہت سے محفوظ مراکز قائم کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے۔

"سکھ آپ کو بتائیں گے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے اس سلوک کے خلاف جو انہوں نے مارچ میں راولپنڈی میں سکھوں کے ساتھ روا رکھا تھا، ایک انتقامی کارروائی ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ سلوک، بہار میں ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کا رد عمل تھا۔ اسی طرح نوآکھالی اور کلکتہ میں ہونے والے واقعات بھی انتقامی کارروائی کا سبب بنے۔ اسی طرح جواباً دونوں طرف سے انتقامی کارروائی ہوتی رہی اور تشدد، تشدد کو جنم دیتا رہا۔

(حوالہ: 22)

حکومت آزاد کشمیر کا قیام

اگست 1947ء میں ہی کشمیر میں آزادی کیلئے مسلح جدوجہد کا آغاز ہو

گیا تھا خصوصاً پونچھ میں مجاہدین نے بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ مظفر آباد کی آزادی اور قبائلی مجاہدین کو ساتھ لے کر حریت پسندوں کی بارہ مولا تک فاتحانہ پیش قدمی کے بعد 24 اکتوبر 1947ء کو سردار ابراہیم کی سربراہی میں ایک عبوری انقلابی حکومت قائم کر دی گئی۔ جس کا مقصد ڈوگرہ مظالم کا خاتمہ اور دونوں مملکتوں میں سے کسی ایک سے ساتھ الحاق کے فیصلے پر پہنچنا تھا۔ اعلان آزادی میں کہا گیا تھا کہ "یہ ہنگامی حکومت جیسے ریاست جموں و کشمیر کے عوام نے کچھ ہفتہ قبل ناقابل برداشت مظالم کے خاتمے اور ہر طبقے یا آبادی کو حکومت خود اختیاری کا حق دلانے کیلئے کشمیر کے بیشتر حصے پر اپنا اقتدار قائم کر لیا ہے توقع کرتی ہے کہ ڈوگرہ حکومت کے بقیہ علاقے کو آزاد کرا لیا جائے گا۔ ان حالات کے پیش نظر مسٹر ابراہیم بار ایٹ لاء جو پونچھ کے باشندے ہیں کی عارضی سربراہی میں اس کی تشکیل نو کر کے اس کا صدر مقام پلندری، ضلع پونچھ میں قائم کیا گیا ہے"

"یہ حکومت ریاست جموں و کشمیر میں ڈوگرہ خاندان سے نجات حاصل کرنے کیلئے عوام کے متحدہ عزم کی مظہر ہے جس کے بوجھ تلے عوام ایک طویل عرصے سے دبے چلے آ رہے ہیں"

"تحریک آزادی جو موجودہ عارضی حکومت کی صورت میں متشکل ہوئی ہے۔ اس کی طویل تاریخ ہے۔ جس کا آغاز 1929ء سے ہوا ہے۔ ہزاروں کشمیریوں نے جن میں ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں اس تحریک میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ مہاراجہ اس کے اہل کاروں اور فوجیوں نے عوام پر مظالم ڈھائے مگر آزادی اور حکومت خود اختیاری کیلئے ان کی خواہشات میں اضافہ ہوتا چلا گیا.... تاہم عوام کا متحدہ عزم ریاست میں حکمران کو فوجوں کے مسلسل تشدد پر غالب آ گیا ہے۔ وہ اور اس کے نام نہاد وزیراعظم کشمیر سے فرار ہو گئے ہیں اور شائد جموں سے بھی بھاگ جائیں"

"یہ ہنگامی حکومت جس نے ریاست جموں و کشمیر کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔ فرقہ وارانہ قومیت کی نہیں، اس کی عارضی کابینہ میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہوں گے۔ جو عوام کی خدمت کرے گی۔ اور امن و امان قائم کرنے کا عارضی مقصد حاصل کرے گی۔ اور عوام کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنی آزادی رائے کیلئے ایک نمائندہ مقننہ اور نمائندہ حکومت قائم کریں۔

"یہ حکومت اپنے دل میں ہمسایہ ملکوں کیلئے انتہائی دوستانہ اور خیرسگالی کے جذبات رکھتی ہے۔ اور توقع کرتی ہے، کہ یہ دونوں مملکتیں جموں و کشمیر کے عوام کی سیاسی آزادی کے پیدائشی حق حاصل کرنے کی کوششوں میں ان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کریں گی۔ ہنگامی حکومت سیاسی تشخص اور سالمیت کا پورا پورا تحفظ کرے گی"

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس سے بیس روز قبل چار اکتوبر 1947ء کو آزاد کشمیر کی عارضی حکومت کا اعلان ہوا تھا۔ اعلان کے مطابق نئی حکومت نے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکمرانی کے تمام اختیارات سلب کر لئے اسے عہد نامہ امرتسر (1846ء) کے تحت حاصل شدہ حقوق سے محروم کر دیا اور تمام قوانین منسوخ کر دیئے۔

(حوالہ: 23)

آپریشن کرزن

دوسری جنگ عظیم سے تقریباً 20 سال قبل وزیرستان برطانوی نقطہ نظر سے، ایک پر آشوب اور مضطرب علاقہ تھا۔ قبائل کو ایک معقول ضابطہ عمل کے تحت لانے کے لئے علاقے کو لگ بھگ 30 ہزار سپاہیوں کی محافظ فوج کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ یہ لشکر "وزیرستان ایریا کمانڈ" کہلاتا تھا اور اس کا صدر مقام ڈیرہ اسمٰعیل خان تھا۔ اکتوبر 1947ء میں حکومت پاکستان نے پیشہ ور فوجیوں کو وزیرستان سے واپس بلانے کا فیصلہ کیا۔ برطانوی افسروں کے لئے وزیرستان کی فوجی زندگی، عالی حوصلگی کی علامت، ہونے کی کشش رکھتی تھی۔ رڈیارڈ کپلنگ کی کہانیوں نے اسے مزید پر افسوں اور رومانوی بنا دیا تھا۔ چنانچہ برطانوی افسر، انخلاء کے عمل سے فطری طور پر گریزاں تھے۔ انہوں نے پاکستانی حکام کو خبردار کیا کہ انخلاء سے علاقہ بے قابو ہو کر مصیبت کا باعث بنے گا۔ لیکن قائداعظم اپنے ارادے پر سختی سے قائم رہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر فوجی طاقت کی مدد سے ان کی وفاداری قائم رکھنی ہے تو اس سے بہتر ہے وہ وفادار نہ رہیں۔

اکتوبر 1947ء میں "کرزن" کو تنبیہی احکامات جاری کر دیئے گئے۔ 6 نومبر کو ریذیڈنٹ نے قبائلی جرگے میں اس فیصلے کا اعلان کیا۔

اس وقت علاقے کی فوجی پوزیشن درج ذیل تھی۔

(الف) ہیڈ کوارٹرز وزیرستان ایریا

ڈیرہ اسمٰعیل خان

(ب) رزمک بریگیڈ گروپس

(1) کمانڈر	بریگیڈیئر سٹیڈ
(2) بریگیڈ میجر	میجر طور گل
(3) رسالے	
ہیڈ کوارٹرز 21 پہاڑی رجمنٹ	رزمک
بیٹری 21 پہاڑی رجمنٹ	رزمک
فیلڈ کمپنی	رزمک
سگنل کمپنی	رزمک
3/14 پنجاب	رزمک

4/16 پنجاب	رزمک
2/10 بلوچ	رزمک
5/12 فرنٹیر فورس رجمنٹ	رزمک
(ج) بنوں بریگیڈ گروپ	
(1) کمانڈر	بریگیڈیئر حیاء الدین
(2) بریگیڈ میجر	میجر محمد حیات
(3) رسالے	
سکواڈرن 6 لانسرز	بنوں
سکواڈرن 19 لانسرز	میر علی
بیٹری 21 پہاڑی رجمنٹ	بنوں
انجینئر فیلڈ پارک	بنوں
سگنل کمپنی	بنوں
1/8 پنجاب	میر علی
4/15 پنجاب	بنوں
2/12 فرنٹیر فورس رجمنٹ	بنوں
(د) وانا بریگیڈ گروپ	
(1) کمانڈر	بریگیڈیئر بوتھ
(2) بریگیڈ میجر	میجر محمود جان
(3) رسالے	
گائیڈ کیولری	وانا
بیٹری 21 پہاڑی رجمنٹ	وانا
سگنل کمپنی	وانا
(ر) گردئی بریگیڈ گروپ	
(1) کمانڈر	بریگیڈیئر ایوب خان
(2) بریگیڈ میجر	میجر میر افضل
(3) رسالے	
بیٹری 21 پہاڑی رجمنٹ	گردئی
سگنل کمپنی	گردئی
4/8 پنجاب	دام دل
2/16 پنجاب دام دل	
1/13 فرنٹیر فورس رائفلز	گردئی

آپریشن کرزن ماقبل جنگ کے سرحدی آپریشنوں کی طرح روبر عمل لایا گیا- انخلاء کے تمام مرحلے 31 دسمبر تک پورے کر لئے گئے- اس موقع پر کئی دلچسپ واقعات پیش آئے- بہرحال وزیرستان اور اس کے ماتحت فوجی ہیڈ کوارٹرز توڑ دئے گئے اور سپاہیوں کو دوسرے علاقوں میں' مختلف یونٹوں میں بھیج دیا گیا-

(حوالہ 24)

قلات اسمبلی کا اجلاس

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے- ماؤنٹ بیٹن اور حکومت پاکستان کے ساتھ ایک باہمی معاہدے کے نتیجے میں خان قلات پندرہ اگست کو قلات کی آزادی کا اعلان کر چکے تھے- اعلان آزادی کے ساتھ ہی خان نے دیوان خاص اور دیوان عام پر مشتمل ریاستوں اسمبلیوں کے انتخابات کا بھی اعلان کیا- دیوان عام میں 52 اراکین جداگانہ بنیادوں پر چنے گئے- 31 اراکین مختلف ریاستی علاقوں سے اور 21 اراکین میں سے 5 علماء' 5 ہندو تاجر' 5 مسلمان تاجر ایک ہندو- اور 5 نامزد ارکان شامل تھے- دیوان خاص میں 36 نشستیں رکھی گئی تھیں جو موروثی بنیادوں پر سرداروں کیلئے مخصوص تھیں- دیوان عام کیلئے ممبروں کا انتخاب صرف مالیہ دینے والے علاقوں کے معتبرین کے ووٹوں سے ہونا قرار پایا- معتبر سے مراد کسی علاقہ یا گاؤں کا سرکردہ آدمی مثلاً ارباب' نمبردار' ٹکری' مقدم وغیرہ سے تھی- یہ تاریخ میں قلات اسمبلی کے پہلے انتخابات تھے- قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی پر ریاست میں پابندی تھی- لیکن اس کے نامزد کردہ نمائندوں نے انفرادی طور پر ان انتخابات میں شرکت کی اور 52 میں سے 39 نشستوں پر کامیابی حاصل کر لی-

12 دسمبر 1947ء کو ڈھاڈر میں دیوان عام کا پہلا اجلاس ہوا- جس میں میر غوث بخش بزنجو کو اسمبلی کا لیڈر چن لیا گیا- 14 دسمبر کو اس اجلاس نے پاکستان کے ساتھ ریاست قلات کے الحاق پر بحث کی اور بعد ازاں اپنی قرار داد میں کہا کہ

"پاکستان کے ساتھ معاہدہ کے ذریعے اس طرح کے تعلقات قائم کئے جائیں جس طرح دو آزاد حکومتیں ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ رنگ میں کرتی ہیں- الحاق کی صورت میں نہیں"

خان قلات' وزیراعظم قلات اور وزیرخارجہ قلات کی مباحث کے بعد غوث بخش بزنجو نے پاکستان کے ساتھ الحاق کی مخالفت کرتے ہوئے کہا- کہ پاکستان سے الحاق کا مسئلہ اگرچہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت نازک ہے- لیکن یہ ہماری پریشانیوں میں اضافے کا باعث نہیں بن سکتا-..... جس طرح ایران اور افغانستان کی جدا تہذیب اور قومیت ہے اسی طرح بلوچوں کی بھی اپنی جداگانہ تہذیب تمدن اور قومیت ہے- بے شک ہم مسلمان ہیں- لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ہم اپنی آزادی چھوڑ کر دوسروں میں جذب ہو جائیں- اگر ایک مسلمان حکومت ہونے کی حیثیت سے قلات کا پاکستان میں شامل ہونا ضروری ہے- تو پھر افغانستان اور ایران کی اسلامی حکومتوں کو بھی پاکستان میں مدغم ہونا چاہئے- ..... ہم پاکستان کے ساتھ باعزت دوستی کرنے کیلئے

تیار ہیں- لیکن ذلت کے ساتھ پاکستان میں شامل ہونے کیلئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں ہیں-..... ہم سے کہا جاتا ہے کہ بلوچ قوم اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتی کیونکہ یہ ایٹم بم کا زمانہ ہے کیا افغانستان اور ایران خود پاکستان اس معیار پر اپنی حفاظت کر سکتے ہیں- آج امریکہ یا روس اگر چاہیں تو ایسی تمام سلطنتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتی ہیں پس اگر ہم اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتے تو بے شمار دوسری سلطنتیں بھی ایسی ہیں- جو خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتیں-

اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے میر غوث بخش بیزنجو نے فیصلہ کن انداز میں کہا کہ اگر پاکستان ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ہم سے دوستانہ معاہدہ کرنا چاہے تو ہم اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے اور اگر پاکستان اس پر رضامند نہیں ہوتا- تو یقیناً یہ پاکستان کی طرف سے ایک غیر جمہوری طریقہ ہو گا- جو ہمارے لئے کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا- اور اگر ہم کو اس غیر جمہوری طریقے سے مجبور کیا گیا- تو بلوچ قوم کا بچہ بچہ اپنی آزادی بچانے کیلئے اپنی جان پیش کر دے گا-

گل خان نصیر کے علاوہ دیگر ارکان اسمبلی' مولانا محمد عمر دیو بندی مولانا عرض محمد دیو بندی' ملک فیض خان یوسف زئی' مرزا خدا بخش مولانا نور محمد اور میر کسر خان نے اپنی تقریروں میں پاکستان کے ساتھ الحاق کی مخالفت کی- اس کے کچھ عرصے بعد ڈھاڈر میں ہی دیوان خاص کا اجلاس ہوا اس اجلاس نے بھی اپنی قرار داد میں کہا کہ پاکستان کے ساتھ الحاق سے بلوچ قوم کی جداگانہ ہستی ختم ہو جانے کا خطرہ ہے- لہٰذا اسے قبول نہیں کیا جا سکتا- یہ فیصلے جلد ہی حکومت پاکستان کو پہنچا دیئے گئے-

(حوالہ :25)

قلات کا الحاق

14-27 فروری---- قلات کا قضیہ

12 فروری 1948ء کو قائداعظم سبی دربار کے موقع پر سبی آئے تو خان قلات نے وہاں ان سے ملاقات کی- قائداعظم نے انہیں پھر مشورہ دیا کہ وہ قلات کا پاکستان کے ساتھ الحاق منظور کر لیں- خان قلات نے قائد سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ قلات کے لئے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا ضروری ہے لیکن اس وقت قلات کے سردار اور عوام اس کے حق میں نہیں ہیں- قلات پاکستان کے ساتھ الحاق ضرور کرے گا مگر اس معاملہ میں جلدی نہ کی جائے اور انہیں مہلت دی جائے کہ اپنے ملک و قوم کے دستور اور رسم و رواج کے پیش نظر اور موجودہ حالات کے مطابق اس کی تکمیل کریں- قائداعظم نے اس موقع پر خان قلات سے کہا : ''مجھے آپ کی وفاداری اور دوستی پر فخر ہے اور اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں قلات کی کوئی خدمت کروں-''

خان قلات اب پاکستان کے ساتھ الحاق کے لئے متفق تھے اور دیوان عام اور دیوان خاص سے اس کی توثیق چاہتے تھے- ڈھاڈر کے مقام پر 25 فروری کو دیوان عام کے دوسرے اجلاس نے ایک بار پھر قلات کی آزاد اور خود مختار حیثیت کے حق میں متفقہ فیصلہ دیا- 27 فروری کو دیوان خاص کے دوسرے اجلاس نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ دیوان عام کا فیصلہ فوری طور پر کیا گیا اور نامکمل ہے لہٰذا دیوان خاص کی طرف سے حکومت پاکستان سے کہہ دیا جائے کہ اس دیوان کو اہم ترین مسئلہ پر غور کرنے کے لئے تین ماہ کی مہلت دی جائے-

خان قلات نے اپنے بھائی شہزادہ عبدالکریم کی سربراہی میں دونوں ایوانوں کے ارکان پر مشتمل ایک پندرہ رکنی وفد کو کراچی بھیجنا چاہا کہ وہ قائداعظم اور دوسرے حکام کو دونوں ایوانوں کے فیصلے سے مطلع کرے- حکومت پاکستان کی طرف سے جواب دیا گیا کہ وہ اس وفد کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار نہیں- بعد ازاں قائداعظم نے خان اعظم کو اطلاع بھجوائی کہ انہوں نے قلات کے مسئلے پر خان کے ساتھ اپنی ذاتی حیثیت میں گفت و شنید ختم کر کے اس معاملے کو وزارت خارجہ و ریاستی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے-

17- مارچ---- خاران' لسبیلہ اور مکران کا الحاق

ابھی قلات کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا قضیہ ختم نہیں ہوا تھا کہ 17 مارچ کی رات کو حکومت پاکستان نے خاران' لسبیلہ اور مکران کے پاکستان کے ساتھ قلات سے جداگانہ الحاق کو منظور کر لیا- ان تینوں ریاستوں کے بارے میں دو متضاد نقطہ ہائے نظر موجود ہیں- ایک نقطہ نظر کے مطابق لسبیلہ اور خاران حکومت قلات کے دو سرداری یا قبائلی علاقے تھے جن کو انگریزی حکومت نے خان کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے قلات سے جدا کر کے براہ راست پولٹیکل ایجنٹ قلات کی ماتحتی میں دے دیا تھا- لیکن اس کے باوجود رسمی طور پر انہیں قلات کے حصے اور ماتحت خیال کیا جاتا تھا- علاوہ ازیں 3 جون 47ء کے اعلان آزادی کے موقع پر حکومت برطانیہ نے رسمی طور پر لسبیلہ اور خاران کا کنٹرول واپس حکومت قلات کے سپرد کر دیا تھا اور ان علاقوں کے سرداروں کو اس فیصلہ کی تحریری طور پر اطلاع بھی دے دی گئی تھی' جس پر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا- اور مکران تو اعلان کے آخری دن تک قلات کا ایک علاقہ تھا جہاں خان قلات کے بھائی شہزادہ میر عبدالکریم اس وقت گورنر مقرر تھے-

اس نقطہ نظر کے حامی بلوچ عناصر تینوں ریاستوں کے الحاق کو قلات کے خلاف حکومت پاکستان کا غیر آئینی اقدام قرار دیتے ہیں-

اس کے برعکس دوسرا نقطہ نظر حکومت پاکستان کا ہے جس میں ان ریاستوں کی پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر کے انہوں درحقیقت قلات سے الگ اور آزاد قرار دیا۔ اور اعلان کیا کہ الحاق کے معاہدے پر والئی خاران نواب حبیب اللہ' والئی لسبیلہ جام میر غلام قادر خان اور والئی مکران نواب میر بھائی خان نے دستخط کئے ہیں۔ اس الحاق کے خلاف خان قلات نے قائداعظم سے بذریعہ تار زبردست احتجاج کیا تھا کہ آپ نے میری ماتحت ریاستوں کا پاکستان سے الحاق منظور کر کے غیر آئینی اقدام کیا ہے۔ قائداعظم نے انہیں جواب دیا کہ میں نے اس اقدام سے قبل برطانوی حکومت سے یہ اطلاع حاصل کر لی تھی جنہوں نے الحاق کی پیش کش کی' اپنی اپنی ریاست کے حکمران تھے اور آپ کبھی ان کے سربراہ نہ تھے۔ اس کی شہادت ان معاہدوں سے ملتی ہے جو آپ کے اور ان کے درمیان بحیثیت والئی ریاست ہوتے رہے ہیں۔

اس نئی صورتحال سے قلات کے الحاق کا مسئلہ پیچیدہ لیکن فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گیا۔

27 مارچ۔۔۔ قلات کا الحاق

خاران' لسبیلہ اور مکران کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے بعد قلات کے حوالے سے واقعات کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ دیوان عام کے ارکان خان قلات پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ دیوان عام کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جائے۔ لیکن 27 مارچ کو آدھی رات کے وقت خان قلات نے اچانک' پاکستان کے ساتھ قلات کے غیر مشروط الحاق کا اعلان کر دیا۔ اپنے اعلان کی وجوہات بیان کرتے ہوئے خان قلات نے لکھا:

"27 مارچ کی رات کو آل انڈیا ریڈیو سے مسٹر حسنین' سیکرٹری محکمہ ریاستی حکومت ہند کا ایک پریس کانفرنس میں دیا ہوا بیان نشر ہوا۔ جس میں مسٹر حسنین نے یہ اظہار کیا کہ دو ماہ پیشتر ریاست قلات نے انڈین یونین سے درخواست کی تھی کہ ہندوستان کے ساتھ اس کا الحاق منظور کر لیا جائے اور یہ کہ انڈین یونین نے قلات کی اس درخواست کو نامنظور کر دیا تھا کیونکہ قلات ہندوستان سے کوئی جغرافیائی ناتا یا تعلق نہیں رکھتا۔ یہ ایک سفید جھوٹ تھا جس کا مقصد ایک طرف قلات اور پاکستان کے باہمی تعلقات کو خراب کرنا اور الحاق کے سوال میں گڑ بڑ پیدا کرنا تھا تاکہ پاکستان جلد بازی میں قلات کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام کر بیٹھے جس سے ہندوستان کو حیدر آباد میں کسی قسم کے اقدام کے لئے وجہ جواز ہاتھ آ جائے اور اس اقدام سے ہندوستان کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں جو وہ پہلے ہی سے جونا گڑھ اور کشمیر میں کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان کا ایسا اقدام ہندوستان کے کیس کو یو این او کے سامنے اور بھی مضبوط کر دے گا۔ دوسری طرف پاکستان کا جارحانہ اقدام' جو وہ قلات کے خلاف کرے گا' آخر کار پاکستان سے متعلق ہمسایہ اسلامی ریاستوں میں بے اعتمادی اور شک پیدا کر دے گا۔

"ان تباہ کن نتائج کے پیش نظر' جو میری خاموشی سے پیدا ہو سکتے تھے' میں نے قلات اور پاکستان کی بہتری اسی میں دیکھی کہ اپنے آدمیوں (دیوان عام' دیوان خاص کے ارکان) سے مشورہ کئے بغیر فی الفور الحاق کر لوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت میں نے گورنر جنرل ہند کو مسٹر مینن کے آل انڈیا ریڈیو والے (نشریہ) بیان کے متعلق احتجاجی بیان بھیجا اور ان سے فوری تردید کی درخواست کی۔ بصورت دیگر مسٹر مینن کے بیان کی حمایت میں وہ خط و کتابت' جو حکومت قلات کی طرف سے' ان کی حکومت کو موصول ہوئی ہو' پریس کے حوالے کر دینے کی خواہش ظاہر کی۔ میرے اس احتجاج پر جواہر لال نہرو وزیراعظم ہندوستان کو مسٹر مینن کے بیان کی انڈین اسمبلی میں تردید کرنا پڑی لارڈ ماونٹ بیٹن نے مجھے ایک تار بھیجا جس میں وزیراعظم ہند کے اسمبلی والے بیان کا حوالہ دے کر مینن کی غلط بیانی پر اظہار افسوس کیا تھا....." 30 مارچ کو خان نے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے۔

کراچی اور بلوچستان میں پاکستان دوست حلقوں میں خان قلات کے اس اقدام کو سراہا گیا۔ مبارک باد دینے والوں میں نواب محمد خان جوگیزئی' میر جعفر خان جمالی' قاضی محمد عیسیٰ اور نواب رئیسانی وغیرہ شامل تھے' کوئٹہ کے اخبار "پاسبان" نے لکھا:

"خان قلات کے شمول پاکستان کے فیصلے سے پورے پاکستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے کا کہنا ہے کہ خان قلات کے اس فیصلے سے پاکستان کے عوام کے دل میں خاں صاحب کی عزت اور وقعت بڑھ گئی ہے"۔

نواب محمد خان جوگیزئی نے ایک بیان میں کہا کہ انہیں اس فیصلے سے خوشی ہوئی ہے لیکن یہ اعلان ان کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ قلات پاکستان میں شامل ہو گا کیونکہ خان قلات پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے 1946ء میں ان سے کہا تھا کہ وہ دونوں پاکستان کے لئے جئیں گے اور پاکستان کے لئے مریں گے۔ "میر جعفر خان جمالی اور قاضی عیسیٰ نے بھی اپنے بیان میں کہا کہ ایک طرف خان قلات سے ان کی پرانی دوستی تھی دوسری طرف انہیں اپنی حکومت اور اپنی پارٹی کا پاس تھا۔ اس لئے ان کے لئے اس سے زیادہ خوشی کی خبر اور کیا ہو سکتی تھی ____"

ایک طرف خوشی اور مبارک بادوں کا یہ سلسلہ تھا دوسری طرف قلات میں اس فیصلے کے خلاف ردعمل دیکھنے میں آیا۔ اعلان الحاق کے فوراً بعد' حکومت پاکستان کی طرف سے خان کو یہ ہدایت موصول ہوئی کہ وہ قلات نیشنل پارٹی کے رہنماؤں کی گرفتاری اور ناپسندیدہ ملکی افسروں کی

ملازمتوں سے فوری سبکدوشی کا اقدام کریں۔ الحاق کے مخالف ارکان اسمبلی میر غوث بخش بزنجو' میر گل خان نصیر' مولانا محمد عمر عرض محمد گرفتار کر لئے گئے۔ متعدد وزراء اور سرکاری افسر ملازمتوں سے برطرف کردیئے گئے اور قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کو خلاف قانون قرار دے کر اس کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

(حوالے: 26'27'28'29'30'31'32'33'34)

شہزادہ عبدالکریم کی بغاوت

جب حکومت پاکستان نے خاران' لس بیلہ اور مکران کا پاکستان کے ساتھ الحاق منظور کیا اس وقت خان قلات کے چھوٹے بھائی شہزادہ عبدالکریم مکران کے گورنر تھے۔ اسے انہوں نے بلوچ آن اور وقار کے خلاف تصور کیا۔ پھر جب قلات کے الحاق کا بھی اعلان ہوا تو وہ مکران سے قلات آ گئے۔ اور پھر یہاں سے 16 مئی کی رات کو سرحد پار کر کے افغانستان میں داخل ہو گئے اور سرلٹھ پر کاریز نظر محمد خان کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ جب یہ خبر پھیلی تو قلات کے باشندوں میں کھلبلی مچ گئی اور مختصر عرصے میں 5 ہزار کا لشکر اکٹھا ہو گیا۔ افغانستان کی حکومت سے انہیں ہدایت ملی کہ افغانستان کی حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ پاکستان کے علاقے سے آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے وہ قندھار یا کابل آ جائیں اور ایک پناہ گزین شہزادے کی عزت و احترام کے ساتھ رہیں۔

شاید وہ کابل چلے جاتے لیکن ان کے بعض معتبر ساتھیوں' جن میں رسالدار میجر میر بیگ محمد پیش پیش تھا۔ اور جس کے پولٹیکل ایجنٹ قلات سے خفیہ تعلقات قائم تھے' نے انہیں بہلا پھسلا کر واپس قلات آنے پر رضامند کر لیا۔ چنانچہ سرلٹھ کا کیمپ توڑ کر انہوں نے ایک مختصر لشکر کے ساتھ قلات کا رخ کیا۔ قلات کی حدود میں ان کے داخلے کی اطلاع پا کر پولٹیکل ایجنٹ نے ان کی گرفتاری کے لئے کوئٹہ سے فوج طلب کر لی۔

ایک رات مند حاجی اور دوسری رات شیخڑی میں کیمپ کرنے کے بعد وہ ہربوئی کے پہاڑ پر پہنچے جہاں مسٹر ڈی - وائی - فل وزیر اعظم قلات ان سے ملنے آئے۔ شہزادہ کے لشکریوں نے جب ایک شخص کو قلات سٹیٹ فورس کے سپاہیوں کے ساتھ اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو پہچان نہ سکے اور گولیاں چلا دیں۔ بعد ازاں اطلاع پا کر گولیاں چلانی بند کر دیں اور وزیراعظم قلات کو شہزادہ کے پاس لے آئے اس اثناء میں گولیاں چلنے اور وزیراعظم کی گرفتاری کی غلط اطلاع ملی اور پاکستانی فوجی دستے اور شہزادہ کے لشکریوں میں پہلی جھڑپ ہوئی۔

وزیر اعظم قلات نے شہزادہ عبدالکریم کو یقین دلایا کہ ان کے تمام مطالبات مان لئے گئے ہیں اس لئے اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو ان سے اور ان کے ساتھیوں سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ شہزادہ عبدالکریم سمجھوتے کے لیے تیار ہو گئے اور طے پایا کہ پولٹیکل ایجنٹ قلات کے رو برو جو ہربوئی کے بنگلہ پر موجود تھے' سمجھوتہ پر دستخط کر دیئے جائیں گے۔

شہزادہ عبدالکریم نے اپنا تمام لشکر منتشر کر دیا اور وزیراعظم قلات کی روانگی کے بعد خود بھی ہربوئی کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب وہ ہربوئی بنگلے کے قریب پہنچے تو وزیراعظم قلات اور خان بہادر شیر زمان خان پولٹیکل ایجنٹ قلات انہیں ایک فوجی دستے کے ساتھ ملے۔ وزیراعظم نے شہزادہ عبدالکریم کو افسوس کے ساتھ بتایا کہ پولٹیکل ایجنٹ ان کے طے شدہ فیصلے سے متفق نہیں۔ اب شہزادہ اور ان کے ساتھی فوج کے گھیرے میں تھے۔ پولٹیکل ایجنٹ نے شہزادہ سے اپنے لشکریوں سے ہتھیار رکھوا دینے کو کہا چنانچہ شہزادہ کریم اور ان کے دوسو ساتھی پاکستانی فوج کے پہرے میں قلات لائے گئے جہاں سے انہیں اسی رات فوج کی کڑی نگرانی میں کوئٹہ اور مچ کے جیل خانوں میں پہنچا دیا گیا۔

اس اثناء میں جھالاوان کے باشندوں نے میر گوہر زرکزئی کی قیادت میں جمع ہو کر شہزادہ کریم کی مدد کے لئے پہنچنا چاہا۔ ابھی وہ ہربوئی کے راستے میں ہی تھے کہ انہیں شہزادہ کریم کے بلا مقابلہ ہتھیار ڈالنے اور گرفتار ہونے کی خبر مل گئی۔ میر گوہر نے واپس پلٹ کر اپنا لشکر منتشر کر دیا اور خود کو حکومت قلات کے حوالے کر دیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کے صرف دو دن بعد قلات کے وزیر اعظم مسٹر ڈی۔ وائی۔ فل کو فوری نوٹس پر نہ صرف وزارت عظمٰی سے بر طرف کر دیا گیا بلکہ انہیں جلد از جلد بلوچستان سے نکل جانے کی بھی ہدایت کر دی گئی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس کارروائی کے دنوں میں قائداعظم بلوچستان میں بستر مرگ پر پڑے تھے۔

مندرجہ بالا واقعات گل خان نصیر کی کتاب "تاریخ بلوچستان" سے لئے گئے ہیں۔ سروسز کلب راولپنڈی کی مطبوعہ تصنیف _____ "دی پاکستان آرمی 1949ء-1947ء" ان واقعات کو قدرے مختلف انداز میں بیان کرتی ہے:

"1948ء کے موسم بہار میں خان قلات کے بھائی شہزادہ عبدالکریم' آزاد بلوچ ریاست کے قیام میں مدد لینے کی خاطر افغانستان گئے۔ وہ افغان حکومت سے اس منصوبے کے سلسلے میں معمولی سی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ عین اسی اثناء میں نوروز خان کے داماد میر زرک زئی نے بغاوت کر دی۔ میر گوہر آزاد مکرانی ریاست قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں یہ افواہیں بھی پھیلیں کہ شہزادہ کریم اور میر گوہر باہمی اشتراک سے کام کر رہے ہیں۔

"9 جولائی 1948ء کو قلات کے وزیراعظم مسٹر فل کو اطلاع ملی کہ مند حاجی میں شہزادہ کریم کی آمد متوقع ہے۔ 10 جولائی کو تصدیق ہو گئی کہ شہزادہ کریم پچھلی رات مند حاجی پہنچ چکا ہے۔ 11 جولائی کو مسٹر فل نے شہزادہ کریم کو اسکالکو کے مقام پر ملاقات کا پیغام بھیجا۔ کریم نے پیغام کو نظر انداز کر دیا اور ملنے نہ آیا۔

"ریاست قلات کی فوجوں کے (انگریز) کمانڈر بریگیڈیر پروائس (PERVICE) نے کریم کے محاصرے میں مدد کے لئے ژوب ملیشیا کا کچھ حصہ بھیجنے کے لئے کہا۔ بالآخر 7/10 بلوچ (رجمنٹ) آپریشن کے لئے تعینات کر دی گئی۔ 12 جولائی کو صبح ساڑھے دس بجے لیفٹیننٹ کرنل

گلزار (7/10 بلوچ) اور قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ خان بہادر شیر خان' مسٹر فل سے ملاقات کرنے ہربوئی گئے۔ یہ اطلاع موصول ہوئی کہ کریم 200 ساتھیوں کے ہمراہ بیل جھل میں مقیم ہے۔

"کیپٹن عبدالوحید کی قیادت میں 7/10 بلوچ کی دو کمپنیوں کو اسکالکو کی طرف بڑھنے کا حکم ملا۔ لیفٹیننٹ کرنل گلزار نے اسکالکو میں کمان سنبھال لی۔ ایک کمپنی کو بیل جھل کی ناکہ بندی کے لئے بھیج دیا گیا۔

"شام سوا سات بجے قلات فورس کے ایک سپاہی نے اطلاع دی کہ اس کی پلاٹون پر قریبی پہاڑیوں سے فائرنگ کی گئی ہے۔ گلزار نے فورا ریزرو کمپنی کو وہ پہاڑیاں صاف کرانے کا حکم دیا۔ رات گئے تک یہ کام مکمل کر لیا گیا۔

"اگلی صبح آٹھ بجے مسٹر فل نے' گھوڑے پر سوار ایک سفید پرچم تھامے 7/10 بلوچ پوزیشنوں کا جائزہ لیا۔

9 بجے شہزادہ کریم نے ہتھیار ڈال دیئے۔"

(حوالے: 35'36)

قائداعظم کا دورہ سرحد اور خدائی خدمت گار تحریک

قائداعظم نے مارچ میں مشرقی پاکستان کے تفصیلی دورے کے بعد اپریل میں صوبہ سرحد کا دس روزہ طویل دورہ کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے سرحدی چوکی طورخم تک یہ دورہ کئی اعتبار سے کامیاب رہا۔ پشاور' رسالپور' بنوں اور دوسرے شہروں میں لوگوں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ مسلح افواج کے دستے بھی فخر کے جذبات سے معمور تھے۔ اسلامیہ کالج کے طلباء نے انتہائی جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا۔ پشاور شہر اور صدر میں ان کی زبردست پذیرائی ہوئی۔ مختصر نوٹس کے باوجود بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی لوگوں کا جوش و خروش اپنے عروج پر تھا۔ ڈان نے لکھا کہ قائداعظم کا دورہ سرحد' بے آب و گیاہ سرزمین کے مختلف اور متضاد خیالات رکھنے والے طبقوں کے درمیان مکمل تعاون کے لئے بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ خوشی اور جوش کے علاوہ اس دورے کے دوران ہر لحہ صوبہ سرحد اور اس کے عوام کی ترقی و خوشحالی کے لئے اہم ترین فیصلے کئے گئے۔ اپنی تقاریر اور ذاتی ملاقاتوں کے دوران قائداعظم نے مسلسل کوشش کی کہ نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پورے پاکستان میں اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کی جائے۔ صوبہ سرحد کی تاریخ میں مختلف قبیلوں کے سردار کبھی اس طرح اکٹھے ہو کر نہیں بیٹھے جس طرح وہ قائداعظم کے بلائے ہوئے جرگے میں شریک ہوئے۔ قائداعظم نے مسلمانوں میں اتحاد کی مہم کو کننگھم پارک کے عظیم الشان جلسے میں آخری شکل دی جب انہوں نے ملک کے اندر لاتعداد سیاسی جماعتوں کے قیام پر زبردست حملہ کیا انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ صرف مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔

قائداعظم کے دورہ سرحد کے حوالے سے ایک اور نقطہ نظر بھی موجود ہے جس سے تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے۔ 6 ستمبر 1956ء کو خدائی خدمت گار رہنما عبدالغفار خان نے' جن کے تحت تعزیرات پاکستان کی دفعات 123- الف' 124- الف اور 153- الف کے تحت مقدمہ چل رہا تھا' مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں اپنا مفصل تحریری بیان داخل کیا جس میں قائداعظم کے دورہ سرحد کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔ ہم بیان کے متعلقہ حصے یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ قاری معاملے کے اس رخ پر بھی غور کر سکے۔

"1948ء میں' جب میں پاکستان پارلیمنٹ کے اجلاس میں پہلی بار شریک ہوا تو میں نے اعلان کیا کہ جو کچھ ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے۔ پاکستان ہم سب کا مشترکہ ملک ہے اگر برسر اقتدار طبقہ اس ملک کی خدمت کا خواہش مند ہے تو ہم ہر مطلوبہ طریق پر اس کے ساتھ تعاون کریں گے .... میری تقریر کے دوران نوابزادہ لیاقت علی خان نے مجھ سے پوچھا کہ پٹھانستان سے میرا مطلب کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ پٹھانستان نہیں بلکہ پختونستان ہے اور یہ صرف ایک نام ہے۔ انہوں پھر دریافت کیا کہ یہ نام کس قسم کا ہے اس پر میں نے کہا کہ جس طرح پنجاب' بنگال' سندھ اور بلوچستان پاکستان کے صوبوں کے نام ہیں' یہ بھی پاکستان کے ڈھانچے کے اندر ایک نام ہے .... جب بھی پنجاب کا نام لیا جاتا ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں پنجابی بستے ہیں۔ اسی طرح بنگال' سندھ اور بلوچستان سے ان علاقوں کا تصور ذہن میں آ جاتا ہے جہاں علی الترتیب بنگالی' سندھی اور بلوچ آباد ہیں ہم بھی صرف اسی طرح کا ایک نام پاکستان کے ان علاقوں کے لئے چاہتے ہیں جہاں پشتون رہتے ہیں....

"اس کے بعد مجھے قائداعظم نے ملاقات کی دعوت دی .... میں نے ان سے کہا "آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری تحریک معاشرتی اصطلاح کی تحریک ہے لیکن انگریزوں کی بدعنوانیوں کے باعث یہ ایک سیاسی تحریک بن گئی ہے۔ اب جبکہ ملک آزاد ہو چکا ہے' میری رائے یہ ہے کہ ہماری قوم میں اس وقت تک صحیح سیاسی شعور پیدا نہیں ہو سکتا جب تک وہ سماجی اعتبار سے پسماندہ ہے۔ پسماندہ عوام میں جمہوریت نہیں پنپ سکتی" قائداعظم بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا کہ وہ مجھے ہر قسم کی مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ہو چکا تھا۔

"کراچی سے روانہ ہوتے وقت قائداعظم نے مجھے بتایا کہ وہ صوبہ سرحد کے آئندہ دورے میں سرخپوش لیڈروں سے ملاقات کریں گے۔ .... جب میں اپنے صوبے میں پہنچا تو میں نے یہ تمام چیزیں اپنے رفقائے

کار کے سامنے پیش کیں اور ان سب نے میری تائید کی۔ ہم نے اپنے مرکزی ہیڈ کوارٹر میں قائداعظم کے استقبال اور ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ طے پایا کہ ان سے' ان کے اعلیٰ عہدے کے شایان شان سلوک کیا جائے۔ میرے صوبہ سرحد پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد وزارتی کرسیوں کے پرستاروں اور انگریزوں کو اس حقیقت کا علم ہو گیا اور ان میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ انہیں خطرہ تھا کہ اگر قائداعظم اس سمجھوتے پر قائم رہے' جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے تو پھر ان کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ اس زمانے میں' میرے صوبے کی تمام کلیدی اسامیوں پر انگریز قابض تھے۔ میں نے اپنی پارلیمنٹ میں مطالبہ کیا کہ پاکستان میں گورنروں اور مختلف محکموں کے سربراہوں کے اعلیٰ عہدے انگریزوں کو نہ دیئے جائیں۔ اس بات سے مرحوم لیاقت علی بھی تھوڑا بہت ناراض ہوئے لیکن اس سے میرے صوبے میں انگریزوں کو بہت زیادہ تشویش لاحق ہوئی۔....

"اسی دوران سر اے۔ ڈی۔ ایف ڈنڈاس نے صوبہ سرحد کے گورنر کی حیثیت سے سر جارج کننگھم کی جگہ لے لی تھی جب انہیں قائداعظم سے میرے سمجھوتے کا علم ہوا تو انہوں نے خاص طور پر اپنے ایک پیغام بر کو بذریعہ طیارہ کراچی بھیجا اور قائداعظم پر زور دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی خدائی خدمت گاروں کی میزبانی قبول نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح ان کی ساکھ بڑھ جائے گی۔

"چنانچہ جب قائداعظم صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو ہمیں ان سے ملاقات کا کوئی موقع نہ دیا گیا۔ مسلم لیگیوں نے آپس میں سازش کر لی اور ان میں سے جو بھی قائداعظم سے ملا اس نے انہیں یہی بتایا کہ ہم انتہائی خطرناک لوگ ہیں اور ہم نے انہیں اپنے مرکزی ہیڈ کوارٹر میں لے جا کر قتل کرنے کی سازش کر رکھی ہے گورنر بھی (مسلم لیگیوں کے ساتھ) اس سازش میں شریک ہو گیا۔ ان لوگوں کی چال کامیاب رہی اور قائداعظم نے ہماری دعوت قبول نہیں کی۔ ہمیں ایک خط کے ذریعے مطلع کر دیا گیا کہ قائداعظم نے کسی غیر سرکاری تقریب میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے حالانکہ در حقیقت انہوں نے کئی غیر سرکاری تقاریب کے لئے دعوت قبول کی۔ اور ان میں شریک ہوئے لیکن ہماری دعوت قبول کرنے سے انکار کے باوجود وہ گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں خدائی خدمت گار لیڈروں سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔

"اس پر ہم سب نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ میں تمام خدمت گاروں کی جانب سے قائد اعظم سے ملاقات کروں۔ چنانچہ میں ان سے ملا اور ہم دو گھنٹے تک بات چیت کرتے رہے۔ میں نے گفتگو کے دوران محسوس کیا کہ ان کے ساتھیوں نے ان کے ذہن کو مسموم کر رکھا ہے۔ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر میں مسلمان ہوں تو میری تمام قوت ان کی اپنی قوت ہے اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے میں ان کی تمام قوت کو اپنے لئے طاقت کا سرچشمہ تصور کرتا ہوں۔ اس پر انہوں نے مجھ سے مسلم لیگ میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں اور آیا وہ مجھے کام کرتے دیکھنا چاہتے ہیں یا اس بات کے خواہش مند ہیں کہ میں بھی مسلم لیگ کی طرح بے روح ہو جاؤں؟ مسلم لیگی لیڈروں کی اکثریت "خانوں" اور "اربابوں" پر مشتمل ہے اور انہوں نے قوم کی کبھی کوئی خدمت نہیں کی۔ یہ لوگ ہمیشہ انگریزوں کے چاپلوس اور حلیف رہے ہیں۔ قائداعظم نے اپنی بات پر اصرار کیا تو میں نے ان سے کہا کہ ان کے گرد و پیش جو لوگ جمع ہیں وہ اتنے خود غرض ہیں کہ جہاں کہیں بھی ان کا اپنا مفاد وابستہ ہوتا ہے وہ ان (قائداعظم) کے حکم کی بھی پروا نہیں کرتے حالانکہ وہ ان کے لیڈر ہی نہیں گورنر جنرل بھی ہیں۔

"قائداعظم نے مجھ سے اس کا ثبوت طلب کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہندو یہاں کروڑوں روپے کی جائیدادیں چھوڑ گئے تھے۔ یہ جائیدادیں مسلم لیگیوں نے لوٹ لی ہیں۔ یہ جائیدادیں پاکستان کی ملکیت ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لیڈر ایک پائی بھی حکومت کے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔ میں نے قائداعظم کو دعوت دی کہ وہ مجھے کسی ایک اہم لیڈر کا نام بتائیں جس نے لوٹ میں حصہ نہ لیا ہو۔

"قائداعظم کے مزید اصرار پر میں اس بات پر رضامند ہو گیا کہ تمام امور اپنے دوستوں کے سامنے پیش کروں گا۔ اس کے بعد میری پارٹی نے اپنے اجلاس میں ایک قرار داد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ ہم جمہوریت پسند ہیں اور ہم نے آزادی اور جمہوریت کے لئے جدوجہد کی ہے۔ ہم کسی اور پارٹی کی ہدایت پر اپنی پارٹی توڑنے کے لئے رضامند نہیں ہو سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ صوبہ سرحد سے روانگی کے وقت' قائداعظم نے خان عبدالقیوم خان اور سر اے۔ ڈی۔ ایف۔ ڈنڈاس کو صورت حال سے عہدہ برا ہونے اور ہماری تحریک کو کچلنے کے لئے مکمل اختیارات دے دیئے تھے"

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قائداعظم کے دورہ سرحد پر تبصرہ کرتے ہوئے' ایک اردو روز نامے نے بھی خان عبدالغفار خان کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کا مشورہ دیا تھا۔

(حوالے: 37'38'39'40'41)

کراچی کی سندھ سے علیحدگی

جنوری 1948ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد کراچی کے اردو پریس میں' کراچی کو سندھ سے علیحدہ کر کے' وفاقی کنٹرول میں دینے کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اس مطالبے کو سندھی حلقوں میں رد کر دیا گیا۔ 2 فروری کو سندھ اسمبلی نے مندرجہ ذیل قرار داد منظور کی:

"یہ اسمبلی اپنی ناراضگی اور تشویش ریکارڈ پر لاتی ہے ..... اور منظور کرتی ہے .... کہ .... اس قسم کا اقدام 1940ء کی قرار داد پاکستان کی مجرمانہ مخالفت ہوگا' جو پاکستان کو ترتیب دینے والی خود مختار اکائیوں کی حاکمیت اعلیٰ اور علاقائی سالمیت پر زور دیتی ہے۔"

"مئی میں کراچی کی علیٰحدگی کی قرار داد پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں پیش کر دی گئی۔ اسمبلی کے سندھی رکن جناب ہاشم گزدر نے اس کے خلاف تقریر کرتے ہوئے سندھ اسمبلی کی قرار داد پڑھ کر سنائی انہوں نے سندھ مسلم لیگ کی اتفاق رائے سے منظور کردہ قرار داد بھی پڑھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ سندھ صوبائی مسلم لیگ کی یہ کونسل اپنی حیرت اور تشویش کو ریکارڈ پر لاتی ہے ..... اور اپنا مقدس فرض جانتی ہے کہ احتجاج کرے ..... اولاً یہ کہ صوبے کو اس کے اعصابی مرکز سے محروم کر دینے کی کوشش صوبے کی زندگی اور افزائش کا گلا گھونٹ دی گی' دوسرے صوبے کے عوام کے اعتماد کو زبردست پہنچائے گی۔ تیسرے' اس قسم کا اقدام تشویشناک نتائج کا حامل ہو گا کیونکہ یہ سندھی عوام کی طرف سے مہمان نوازی اور اسلامی بھائی چارے کے جذبے کا ایک بھونڈا جواب ہو گا۔ چوتھے' پاکستانی مسلمانوں میں یکجہتی کے ابھرتے ہوئے جذبے کے لئے ایک تشویشناک خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

پنجاب مسلم لیگ کے ملک فیروز خان نون نے کراچی کو سندھ سے علیٰحدہ کرنے کی حمایت میں تقریر کی اور کہا: "یہ اسمبلی ایک مقتدر اسمبلی ہے اور جو چاہے منظور کر سکتی ہے۔ جو یہ اسمبلی منظور کرتی ہے وہی اس ملک کا قانون ہو گا۔ وہ نہیں ___ جو ماضی کی کسی ایک سیاسی میٹنگ میں منظور کیا گیا تھا اور جناب عالی! چاہے ان دنوں ہم نے قرار داد (پاکستان) منظور بھی کر لی تھی تو کیا ہم اس کے قیدی ہیں؟ نہیں۔ ہر اگلی سیاسی تجسیم (Body) چند سال قبل منظور کی گئی قرار دادوں سے مختلف نئ قرار دادیں ترتیب دینے میں آزاد ہے۔ مجھے حاجی صاحب (الحاج محمد ہاشم گزدر) کو سیاسی معاملات کے متعلق ایک عاقلانہ کہاوت یاد دلانے دیجئے کہ سیاست میں استقامت اس جانور کا شیوہ ہے جس کے کان بہت لمبے ہوتے ہیں اور مجھے کہنا ہے کہ اگر ہم اپنے ماضی میں' چلئے پانچ سال کی ہی (قرار دادوں) سے رہنمائی حاصل کریں گے تو ہمیں بہت مصیبت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا....."

ہاشم گزدر نے آخر میں معزز ایوان سے استدعا کرتے ہوئے کہا:

"جناب عالی! اگر آپ جمہوریت کو ڈھکوسلا بنانا نہیں چاہتے۔ اگر آپ مطلق آمریت کی طرف بڑھنا نہیں چاہ رہے تو آپ کو سندھ کے عوام کے جذبات کی لازمی طور پر قدر کرنی چاہیے۔ اگر آپ ظالم حکمران بنا چاہتے ہیں اور عوام کی خواہشات کی تصدیق کئے بغیر کہ وہ اسے پسند بھی کرتے ہیں یا نہیں' لوگوں پر ہر چیز تھوپنا چاہتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ 'یہ میرا حکم ہے۔ اس کی لازمی تعمیل کرنا ہو گی' تو خدا ہماری مدد فرمائے....." بہرحال دستور ساز اسمبلی نے 23 جولائی کے روز' کراچی کو وفاق کا حصہ بنانے کی قرار داد منظور کر لی۔

ایک جدوجہد ایوان کے اندر ہو رہی تھی اور ایک باہر سڑکوں پر۔ اور اس میں معزول وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو پیش پیش تھے۔ "یوم کراچی منانے" اور راست اقدام کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو جناب ہاشم گزدر نے تجویز پیش کی کہ راست اقدام سے پہلے بلوچستان جا کر قائداعظم سے بات کی جائے۔ چنانچہ ہاشم گزدر' آغا غلام نبی پٹھان اور حاجی علی محمد سمیت سندھی لیڈروں کا ایک پانچ رکنی وفد زیارت جاکر قائداعظم سے ملا۔ وفد نے ڈھائی گھنٹے تک کراچی کو وفاقی دارالحکومت قرار دینے کے خلاف دلائل دیئے۔ ان کے جواب میں قائد کا موقف یہ تھا کہ یہ اقدام خود سندھ کے مفاد میں ہے۔ انہوں نے خیال ظاہر کیا کہ اگر واقعات کا تجزیہ صحیح انداز میں کیا جائے اور سندھی لیڈر پرچھائیوں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے حقیقت پسندی سے کام لیں اور ابھی سے' حکومت پاکستان سے پورا پورا معاوضہ حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں تو بہت مناسب ہو گا۔ لہٰذا ان (قائداعظم) کا آخری مشورہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت کی تجویز کو مان لیا جائے جسے دستور ساز اسمبلی نے بھی منظور کر لیا ہے' دستور ساز اسمبلی پاکستان کا سب سے بڑا' عظیم المرتبت اور بااختیار ادارہ ہے۔ عوام کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اعتراضات محض چند فتنہ پرداز خود غرض لوگوں کے پیدا کردہ تھے اور یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین کرا دی جائے کہ وہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور اسے ہاتھوں سے نہ جانے دیں۔ مالی اعتبار سے دارالحکومت کی تعمیر میں لاکھوں نہیں' کروڑوں روپیہ صرف ہو گا اور صوبائی حکومت کے پاس نہ تو اتنا روپیہ ہے اور نہ تو اتنا روپیہ ہے اور نہ کراچی کا نظم و نسق برقرار رکھنے کے لئے مناسب عملہ۔ لہٰذا اس مسئلے کو حل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت اسے اپنے ہاتھ میں لے لے اور نظم و نسق برقرار رکھنے' حکومت چلانے اور قانون بنانے کے تمام اختیارات اسے حاصل ہوں۔ انہیں امید ہے کہ حکومت سندھ' سندھی رہنما اور سندھی عوام اس مسئلے پر غیر معصبانہ انداز میں غور کریں گے۔ صحیح حالات کو بخوبی سمجھیں گے۔ روڑے اٹکانے کی بجائے حکومت پاکستان سے تعاون کریں گے اور پاکستان کے سب سے زیادہ بااختیار ادارے مجلس دستور ساز کے فیصلے کو نظر انداز کر کے بد نظمی کا ثبوت نہ دیں گے۔

وفد کے ارکان قائداعظم کے دلائل سے کافی حد تک متفق نظر آتے تھے اس لئے محمد ایوب کھوڑو کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود سندھ اسمبلی پارلیمانی پارٹی نے پانچ کے مقابلے میں اٹھائیس ووٹوں سے دستور ساز اسمبلی کے فیصلے کی تائید کر دی۔

(حوالے: 45'44'43'42)

بابڑہ فائرنگ

چارسدہ کے مقام بڑانگ کے پاس دور تک پھیلے ہوئے قبرستان میں

وہ عورتیں' مرد اور بچے دفن ہیں جو بابڑہ فائرنگ کے دوران قیوم خان کی گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ 8 جولائی کو صوبہ سرحد کی حکومت نے ایک آرڈیننس کے تحت "امن اور سلامتی کے لئے خطرناک تنظیموں" پر پابندی لگانے کے غیر معمولی اختیارات حاصل کر لئے۔ اس آرڈیننس کا نشانہ خدائی خدمت گار بننے والے تھے۔

12 اگست کو چارسدہ کے ایک گاؤں بابڑہ کے میدان میں جمع پرامن عوام پر پولیس نے گولی چلا دی (جیسے 1919ء میں امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں چلائی گئی تھی)۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پندرہ لوگ مارے گئے اور پچاس زخمی ہوئے۔ لیکن بعد میں ملنے والی رپورٹوں سے پتہ چلا کہ اس فائرنگ کے نتیجے میں سینکڑوں لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ ایک عینی شاہد نے قرآن شریف کا حلف اٹھاتے ہوئے بتایا کہ مرنے والوں کی تعداد دو ہزار تھی۔

واقعات کے مطابق لوگ مسجد اور مسجد کے باہر نماز کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پولیس نے مسجد کے باہر جمع ہونے والے ہجوم کو منتشر ہونے کے لئے کہا۔ پولیس نے بغیر وارننگ کے گولی چلا دی۔ جس سے کم از کم ڈیڑھ سو لوگ ہلاک اور چار سو زخمی ہو گئے۔ ایک مرحلے پر مسجد میں موجود چالیس عورتیں اپنے سر اور گردنوں کو قرآن کے پاروں سے ڈھانپے باہر نکلیں تو پولیس نے ان پر بھی گولی چلا دی۔ پولیس کی گولیوں نے قرآن شریف کے ان پاروں کو بھی چھلنی کر دیا جنہیں تھامے ہوئے وہ بچ نکلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ فائرنگ کے بعد پولیس نے گاؤں میں لوٹ مار مچائی اور لوگوں کے پاس ایک چارپائی تک نہ رہنے دی۔ لوٹ مار کے دوران' پولیس نے اندھا دھند فائرنگ جاری رکھی جس سے کئی بچے ہلاک ہو گئے۔ دیہاتی' جو بھاگ بھاگ کر کھیتوں اور کھائیوں وغیرہ میں چھپ گئے تھے انہیں بھی معاف نہ کیا گیا۔

اس سانحہ کے بارے میں پریس مکمل طور پر خاموش رہا اور اسے حقائق بیان کرنے سے روک دیا گیا۔

غفار خان کے لفظوں میں "ہماری گرفتاری کے ڈیڑھ ماہ بعد' خدائی خدمت گار نماز جمعہ کے لئے جمع ہوئے۔ وہ ایک بزرگ کی قیادت میں' ایک ترتیب میں' مسجد میں آ رہے تھے۔ عورتیں سروں پر قرآن اٹھائے ہوئے تھیں۔ عبدالقیوم نے مسلح دستے مسجد میں تعینات کر رکھے تھے۔ جب اجتماع آگے بڑھا' مشین گن سے گولیاں چلنے لگیں تو گولیوں کی بارش سے قرآن شریف کی دھجیاں اڑ گئیں۔ ..... نمازیوں پر یہ کہہ کر گولیاں چلائی گئیں کہ ان ہندوؤں کو نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ جس مسجد میں وہ نماز پڑھ رہے تھے اسے 'ہندو مسجد' کہا گیا۔ انہیں برہنہ کر کے گندے جوہڑوں میں پھینکا گیا۔ چہرے کے ایک طرف سے داڑھی اور مونچھ صاف کر کے گدھے پر بٹھایا اور اس حالت میں گاؤں میں پھرایا گیا۔ عورتوں کے ساتھ غیر انسانی اور ناقابل بیان سلوک کیا گیا۔ جلد ہی ڈاکٹر خان صاحب اور غنی (غفار خان کا بڑا بیٹا) بھی گرفتار ہو گئے۔"

قتل عام کے بعد خدائی خدمت گاروں کا شکار کی طرح پیچھا کیا گیا۔ چوک یادگار پشاور میں تقریر کرتے ہوئے قیوم خان نے کہا: گربہ کشتن روز اول' کے مصداق' میں نے بابڑہ میں خدائی خدمت گاروں کو وہ سبق دیا ہے جسے وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ یہ انگریزوں کی حکومت نہیں۔ یہ مسلم لیگ کی حکومت ہے اور اس کا نام عبدالقیوم ہے۔ خدائی خدمت گار اس ملک کے غدار ہیں اور میں یہاں سے ان کا نام و نشان تک مٹا دوں گا"۔

کچھ عینی شہادتوں کے مطابق اس فائرنگ پر اٹھنے والے اخراجات (11,395 روپئے) چارسدہ اور بابڑہ کے لوگوں سے وصول کئے گئے۔ ہر گھر سے 25 روپئے سے 500 روپئے تک جرمانہ لیا گیا۔ جو لوگ جرمانہ ادا نہ کر سکے ان کے بچوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ مشہور پشتو شاعر عبدالمالک فدا کی ہمشیرہ اس فائرنگ میں جاں بحق ہو گئی تھیں عبدالمالک سے اس لئے =/200 روپئے جرمانہ وصول کیا گیا کہ اس کی بہن پر زیادہ گولیاں صرف ہوئی تھیں۔

(حوالے: 45'47'46)

قائداعظم / لیاقت علی تضادات

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں وزیراعظم لیاقت علی خان کو قائداعظم کا قریبی ساتھی' غیر متنازعہ نائب اور سیاسی جانشین سمجھا جاتا ہے لیکن بعض لکھنے والوں نے ہماری قومی تاریخ کی ان دونوں شخصیات کے مبینہ تضادات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اس معاملے کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ قائداعظم کی سب سے قریبی رفیق کار اور ہمشیرہ مس فاطمہ جناح نے خود اس بارے میں واضح اشارے دیئے ہیں اور اپنی تصنیف "میرا بھائی" میں قائداعظم کی زندگی کے آخری دنوں کا ایک ایسا واقعہ قلمبند کیا ہے جو ان تضادات کا ایک واضح ثبوت ہے۔ جولائی کے اختتام پر جب لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی قائداعظم کو دیکھنے اچانک بغیر کسی پیشگی اطلاع کے زیارت آئے تو ان کی آمد اپنے میزبانوں کے لئے خوشگوار ثابت نہیں ہوئی تھی۔ فاطمہ جناح لکھتی ہیں:

"وزیراعظم نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے پوچھا کہ قائداعظم کی صحت کے متعلق اس کی تشخیص کیا ہے تو ڈاکٹر نے کہا کہ اسے مس فاطمہ جناح نے یہاں بلایا ہے اس لئے وہ اپنے مریض کے متعلق کوئی بات صرف انہی کو بتا سکتا ہے۔

'لیکن وزیراعظم کی حیثیت میں' میں یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں۔'

'جی ہاں بیشک- لیکن میں اپنے مریض کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا'-

"میں قائداعظم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جب مجھے معلوم ہوا کہ وزیراعظم اور سیکرٹری جنرل ان سے ملنا چاہتے ہیں- میں نے اس کی اطلاع ان کو دی- وہ مسکرائے اور بولے 'فطی' تم جانتی ہو وہ یہاں کیوں آیا ہے- ..... وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ میری بیماری کتنی شدید ہے- میں کتنا عرصہ اور زندہ رہ سکتا ہوں'- چند منٹ بعد انہوں نے مجھ سے کہا 'نیچے جاؤ' وزیراعظم سے کہو- میں اس سے ابھی ملوں گا"_

'جن' (جناح) بہت دیر ہو چکی ہے- وہ کل صبح آپ سے مل لیں گے'-

'نہیں_ اسے ابھی آنے دو- وہ خود آ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے'-

"لیاقت نے نصف گھنٹہ تک علیحدگی میں قائداعظم سے ملاقات کی- جونہی لیاقت علی نیچے آیا تو میں اوپر اپنے بھائی کے پاس گئی- وہ بری طرح تھکے ہوئے تھے اور ان کا چہرہ اترا ہوا تھا- انہوں نے مجھ سے پھل کا جوس مانگا اور پھر انہوں نے چوہدری محمد علی کو اندر بلا لیا- وہ پندرہ منٹ تک ان کے پاس رہا- پھر جب دوبارہ وہ اکیلے ہوئے تو میں اندر ان کے پاس گئی- میں نے پوچھا کہ وہ جوس یا کافی پینا پسند کریں گے- انہوں نے کوئی جواب نہ دیا- ان کا ذہن کسی گہری سوچ میں گم تھا- اتنے میں ڈنر کا وقت ہو گیا- انہوں نے مجھ سے کہا 'بہتر ہے کہ تم نیچے چلی جاؤ ____ اور ان کے ساتھ ____ کھانا کھاؤ'

'نہیں' میں نے زور دے کر کہا 'میں آپ کے پاس ہی بیٹھوں گی اور یہیں پر کھانا کھا لوں گی'-

'نہیں_ یہ مناسب نہیں ہے ____ وہ ____ یہاں ہمارے مہمان ہیں ____ جاؤ ____ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ'

"کھانا کی میز پر میں نے وزیراعظم کو بہت خوشگوار موڈ میں دیکھا- وہ لطیفے سنا رہا تھا اور ہنسی مذاق کر رہا تھا- جب کہ میں قائداعظم کی صحت کی طرف سے خوف کے مارے کانپ رہی تھی- جو اوپر کی منزل میں تنہا بستر علالت پر پڑے ہوئے تھے کھانے کے دوران چوہدری محمد علی بھی چپ چاپ کسی سوچ میں گم رہا- کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی میں اوپر کی منزل پر چلی گئی- جب میں کمرے میں داخل ہوئی تو قائداعظم مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے 'فطی ___ تمہیں ہمت سے کام لینا چاہئے' میں نے اپنے آنسوؤں کو چھپانے کی بڑی کوشش کی جو میری آنکھوں میں امڈ آئے تھے"

(حوالے: 49)

کشمیر میں جنگ بندی

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان نے 13 اگست 48ء کو جنگ بندی کی ایک قرار داد تیار کی- لیکن کمیشن کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان معاملات بہت ہی پیچیدہ ہیں- ستمبر 48ء میں جینوا پہنچ کر کمیشن کے ارکان نے اپنی ناکامی کی رپورٹ لکھی اور اکتوبر 48ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں شرکت کے لئے پیرس آ گئے- یہاں انہوں نے پاک بھارت مندوبین سے دوبارہ مذاکرات شروع کر دیئے اور دسمبر کے اختتام تک ایک قرار داد مرتب کر لی- جس میں یقین دلایا گیا تھا کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ آزادانہ اور غیر جانب دارانہ اسعصواب رائے سے ہی ہو گا- انہوں نے ایک ناظم مقرر کرنے کی سفارش کی جسے اسعصواب کرانے کے ضروری اختیارات حاصل ہوں گے- طے پایا کہ جنگ اور عارضی معاہدہ امن کے بعد کمیشن اور ناظم حکومت ہندوستان اور آزاد پارٹیز (حکومت آزاد کشمیر) سے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کریں گے کہ ریاست میں ہندوستانی فوجوں اور آزاد فوجوں کی تعداد کتنی رہے گی- یہ قرار داد جو دراصل 13 اگست 48ء کی قرار داد کی بدلی ہوئی شکل تھی- دونوں حکومتوں نے منظور کر لی- اس کے نتیجے میں یکم جنوری کو جنگ بند ہو گئی-

جنگ بندی کے خلاف پاکستان میں بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص شدید ردعمل ہوا- اہل پنجاب سمجھتے تھے کہ اگر جنگ جاری رہتی تو کشمیر آزاد ہو سکتا تھا- میجر جنرل فضل مقیم کے مطابق 14 ستمبر 48ء کی سہ پہر کو بیری پتن کے پل پر پاکستانی فوج کی گولہ باری سے دشمن کو شدید نقصان پہنچا تھا- اس کے گولہ باری کے ذخیرے میں آگ لگ گئی تھی- اور راشن پٹرول اور کپڑے کے ذخیروں کو بھی نقصان پہنچا تھا- اسی طرح کالی دھر سے پتن کی طرف بڑھنے کے دوران پاکستان فرنٹیر فورس رائیفلز والوں نے ہندوستان سے نئی آئی ہوئی ایک بٹالین کو زبردست نقصان پہنچایا تھا- ہندوستانی فوج گھٹنے ٹیک رہی تھی اور اس نے جنگ بندی کا مطالبہ کر دیا تھا- لیکن پاکستانی فوج اس وقت ششدر رہ گئی جب انہیں کشمیر میں نمایاں کامیابیوں کے دوران حکومت پاکستان کے جنگ بندی منظور کرنے کی اطلاع ملی- اس طرح یکم جنوری 49ء کی رات کے بارہ بجے کشمیر کی جنگ بند ہو گئی اور اقوام متحدہ نے کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا-

(حوالے: 51'50)

سیاستدانوں کی نااہلی کے قوانین

ہمارے ہاں بدعنوانیوں اور احتساب کے عمل نے سیاسی دشمنی کے بیج سے جنم لیا ہے- اگرچہ ہمای سیاسی تاریخ میں بدعنوان حکومتوں اور سیاستدانوں کی کمی نہیں رہی- لیکن ان کے خلاف ہر کارروائی انہیں

سیاسی عمل سے نکال باہر کرنے کے مقصد سے کی گئی۔ حکومتی بدعنوانی ہمارے ہاں ایک نو آبادیاتی ورثہ ہے۔ اب اہم 1947ء سے سیاستدانوں کی نااہلی کے قوانین کا جائزہ لیتے ہیں۔

اس قسم کا پہلا قانون گورنر جنرل پاکستان کا آرڈر تھا۔ جو 1947ء میں جاری کیا گیا۔ جسے "پاکستان کی صوبائی اسمبلیوں کی رکنیت سے نااہلی کا آرڈر 1947ء" کہا جاتا ہے۔ مضمون کا موضوع اور عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

(i) کوئی فرد جو ہندوستان کی مرکزی یا صوبائی اسمبلی یا کسی لوکل باڈی کا رکن ہو' پاکستان کی کسی صوبائی اسمبلی کا رکن نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی رکنیت حاصل کرنے کے عمل میں شریک ہو سکتا ہے' جب تک وہ ہندوستان میں اپنی نشست سے مستعفی نہ ہو جائے۔

(ii) اگر پاکستان کی کسی صوبائی اسمبلی کے رکن کو انڈیا کی اسمبلی یا لوکل باڈی کا رکن منتخب کر لیا جائے۔ تو پاکستان کی اسمبلی میں اس کی نشست اس وقت تک خود بخود ختم ہو جائے گی جب تک کہ وہ ہندوستان کی اسمبلی کے لئے منتخب ہونے کے ایک ماہ کے اندر یا 25 دسمبر 1947ء تک وہاں سے مستعفی نہ ہو جائے۔ دوسری صورت میں وہ پاکستان کی اسمبلی میں کام کرنے کے لئے نااہل قرار دے دیا جائے گا۔

وضاحت: لوکل باڈی سے مراد' کارپوریشن' میونسپل کمیٹی' نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی' ضلعی بورڈ' کنٹونمنٹ بورڈ' یا لوکل سیلف گورنمنٹ کا کوئی بھی دوسرا ادارہ ہے۔

محمد علی جناح

گورنر جنرل

پروڈا

جنوری 1949ء میں قانون ساز اسمبلی نے پبلک اور نمائندہ عہدوں پر (نااہلیت کا قانون) پروڈا منظور کیا۔ اس قانون کے تحت ایسے افراد کو گورنر جنرل کے حکم کے تحت دس سال تک کسی پبلک عہدہ کے لئے نااہل قرار دیا جا سکتا تھا۔ جو بحیثیت مرکزی یا صوبائی وزیر' نائب وزیر' پارلیمانی سیکرٹری یا مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے رکن کی حیثیت میں بداعمالی کے مجرم قرار دیئے جائیں۔ بداعمالی میں رشوت ستانی' بدعنوانی' اقربا پروری' دانستہ بدانتظامی اور اسی قسم کے دوسرے جرائم شامل تھے۔ اس قانون کے تحت مقدمات کی سماعت کرنے والے ٹریبونل کو ہائی کورٹ کے دو یا اس سے زائد ججوں پر مشتمل ہونا تھا۔ اور گورنر جنرل کا فیصلہ کابینہ کے مشورے پر مبنی ہونے کی بجائے اس کی اپنی صوابدید پر منحصر تھا۔ پروڈا کا پورا نام پبلک اینڈ ریپریز نیٹو آفسز (ڈس کوالیفکیشن) ایکٹ تھا۔ اسے 6 جنوری 1949ء کو وزیراعظم لیاقت علی خان نے پارلیمنٹ سے منظور کروایا۔ اس قانون کو 14 اگست 1947ء سے نافذ العمل قرار دیا گیا۔

قانون کے تحت عدالت کا کام صرف تحقیقات تک محدود تھا۔ ان تحقیقات کے بعد گورنر جنرل یا گورنروں کو اختیار حاصل تھا کہ جسے چاہیں سزا دیں یا معاف کر دیں۔ اس کے لئے تحقیقات کی پابندی لازمی نہیں تھی۔ سزا ملنے کی صورت میں اس کے خلاف اپیل نہیں کی جا سکتی تھی۔

یہ قانون سادہ شکل میں محض ایک الزام تراشی تھا۔ مگر کیتھ کیلارڈ نے اسے روبہ عمل لانے کو انتہائی خلاف معمول عمل قرار دیا۔ اس قانون کے تحت کوئی بھی پانچ اشخاص' پانچ ہزار روپے کی رقم سے کسی بھی وزیر یا سابق وزیر کو انتہائی پریشان کن صورتحال سے دو چار کر سکتے تھے۔ اور کیلارڈ کا یہ بھی کہنا ہے۔ کہ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ سندھ کی حکومتوں میں ایک وزیر کے سوا صوبائی کابینہ کے تمام وزراء پروڈا کی لپیٹ میں آئے۔

فیلڈ مین کا خیال ہے کہ پروڈا کی بنیادیں سیاست میں تھیں اسے ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا حتیٰ کہ مقبول حکومتوں کے سربراہ بھی ہر وقت پروڈا کے تحت نااہل قرار دینے کے خوف سے دو چار رہتے تھے۔

1948ء میں اس قانون کے تحت ایوب کھوڑو کی وزارت کو بدعنوانیوں اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات کے تحت برطرف کیا گیا تھا۔ تین سال بعد انہیں دوسری بار سندھ کا وزیراعلیٰ مقرر کیا گیا۔ لیکن چند ماہ بعد مرکزی حکومت کی طرف سے وہ پھر برطرف کر دیئے گئے۔ اور پروڈا کے تحت ان کے خلاف کارروائی کی گئی۔ لیکن 1954ء میں انہوں نے جب مرکزی حکومت کی بالادستی قبول کر لی۔ تو گورنر جنرل نے پروڈا کے تحت ان پر عائد پابندی ختم کر دی۔ اور وہ تیسری بار سندھ کے وزیراعلیٰ مقرر ہوئے۔

ایوب کھوڑو کے علاوہ پیر الٰہی بخش' حمید الحق چوہدری' اور افتخار ممدوٹ کے مقدمات قابل ذکر ہیں جو پروڈا کی زد میں آئے۔

پروڈا کے تحت ایوب کھوڑو کا مقدمہ

ایوب کھوڑو سندھ کے پہلے وزیراعلیٰ تھے۔ اپریل میں انہیں حکومت سے برطرف کر دیا گیا۔ لیکن ان کا سیاسی اثر و رسوخ برقرار رہا۔ پروڈا پاس ہونے کے بعد سب سے پہلے ایوب کھوڑو اس کی زد میں آئے۔ اور ان پر مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ اس مقدمے میں شریف الدین پیرزادہ ایوب کھوڑو کے وکیل تھے جبکہ وفاقی حکومت کے وکیل منظور قادر تھے۔ شریف الدین پیرزادہ نے اس مقدمہ میں بے شمار قانونی نکات اٹھائے۔ جس میں انہوں نے نااہلی کے قانون مجریہ 1949ء کی قانونی

حیثیت کو بھی چیلنج کیا۔ اور نااہل قرار دینے کے اقدامات کو غیر قانونی قرار دینے کے لئے عدالت سے استدعا کی۔ عدالت نے کہا کہ گورنر جنرل نے نااہلی کے قانون کے تحت حکم نامہ کا جو نوٹیفکیشن جاری کیا ہے وہ درست ہے اور قانون نااہلی میں کوئی سقم موجود نہیں۔ اور یہ قانون کسی لحاظ سے بھی کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عدالت نے شہادتوں اور واقعات کی روشنی میں قانونی حقائق کی جانچ کرنے کے بعد اسمبلی کی رکنیت کے سوال پر گورنر جنرل کے حکم نامہ کو کالعدم قرار دے دیا اور ایوب کھوڑو کی رکنیت بحال ہو گئی۔

ایوب کھوڑو پہلی بار تو بچ گئے کیونکہ جس خصوصی ٹریبونل نے پروڈا کے تحت ان کے خلاف الزامات کی سماعت کی تھی۔ اس کی قانونی حیثیت ہی چیلنج ہو گئی۔ اور چیف کورٹ سندھ کے فیصلے کے مطابق کھوڑو کے خلاف تمام کارروائی کالعدم قرار دے دی گئی۔ لیکن جلد ہی وہ دوبارہ گرفت میں آئے۔ اس وقت وہ دوسری بار سندھ کے وزیراعلیٰ بن چکے تھے۔ جب ایک بار پھر پروڈا ہی کے تحت ان کے خلاف بدعنوانی' رشوت ستانی' اقربا پروری' اور انتظامیہ میں بے جا مداخلت کے الزامات لگے۔ ان کے پھر خصوصی ٹریبونل میں مقدمہ چلا۔ ابتدائی تحقیقات میں کھوڑو کے خلاف پروڈا کے تحت دوسری درخواست میں شامل الزامات کو بظاہر درست قرار دیا گیا۔ قاضی فضل اللہ کے خلاف پانچ الزامات عائد کئے گئے تھے۔ ان میں سے چار بظاہر درست قرار دیئے گئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پہلی بار نااہل قرار دیئے جانے اور چیف کورٹ سندھ کے حکم سے بحال ہونے کے بعد ایوب کھوڑو نے اسی پروڈا کو دوسرے سیاستدانوں کے خلاف استعمال کیا۔ جس کا وہ خود شکار ہو چکے تھے۔ بہرحال دوسری بار کے مقدمے میں تحقیقات مکمل ہونے پر کھوڑو اور قاضی فضل اللہ پر بھی بدعنوانی کے الزامات ثابت ہو گئے۔ گورنر جنرل نے انہیں علی الترتیب چار سال اور چھ سال کے لئے کسی عوامی عہدہ پر فائز ہونے کے نااہل قرار دے دیا لیکن کھوڑو نااہلی کی مدت پوری کرتے ہی تیسری بار سندھ کے وزیراعلیٰ بن گئے۔

ممدوٹ پر پروڈا کے تحت مقدمہ

کھوڑو کے علاوہ دوسرا اہم مقدمہ پنجاب کے وزیراعلیٰ افتخار حسین ممدوٹ کے خلاف چلایا گیا۔ 24 جنوری 1949ء کو ممدوٹ حکومت کو برطرف کر دیا گیا۔ اور صوبے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء دفعہ 92 الف کے تحت گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔

اب ممدوٹ کے خلاف پروڈا کے قانون کے تحت بدعنوانیوں کے متعدد الزامات لگا کر خصوصی تحقیقاتی ٹریبونل قائم ہوا۔ جو جسٹس کارنیلیس' جسٹس محمد منیر پر مشتمل تھا۔ نواب ممدوٹ کے خلاف گیارہ الزامات عائد کئے گئے تھے۔ جولائی 1949ء میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ نواب ممدوٹ نے اپنی وکالت کے لئے حسین شہید سہروردی کی خدمات حاصل کیں۔ سہروردی نے عدالت میں یہ الزام عائد کیا کہ ممدوٹ کے خلاف دراصل سیاسی قتل کا مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ کیونکہ وہ ممتاز دولتانہ کے حصول اقتدار کے راستے میں حائل ہیں۔ سہروردی نے کہا کہ چونکہ ممتاز دولتانہ اسمبلی میں اکثریت کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکے لہٰذا ممدوٹ کی سیاسی زندگی ختم کرنے کے لئے ان پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔

ممدوٹ کے خلاف پروڈا کے تحت یہ مقدمہ کئی ماہ تک چلتا رہا۔ جس کے دوران ہائی کورٹ عملی طور پر اینٹی لیاقت پروپیگنڈہ کے لئے ایک موثر پلیٹ فارم بن گئی۔ ہائی کورٹ میں اور اس سے باہر اس پروپیگنڈہ کا خلاصہ یہ تھا کہ وزیراعظم لیاقت علی خان کشمیر میں جنگ آزادی کے مخالف تھے۔ وہ پنجاب کی بہترین متروکہ جائدادیں یو۔ پی کے بااثر مہاجرین خاندانوں کو الاٹ کرنے کے متمنی تھے۔ وزیراعظم لیاقت علی نے پنجاب میں ان یونینسٹ جاگیرداروں اور اعلیٰ افسروں سے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ جنہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی۔ اور جو قائداعظم کے معتوب و مغضوب تھے۔ اور صوبہ کا انسپکٹر پولیس خان قربان علی وزیراعظم لیاقت کی شہ پر صوبہ کی جماعتی سیاست میں عملی طور پر حصہ لیتا تھا۔ اور اس طرح وہ پنجاب میں وزارتی بحران پیدا کرنے کا موجب بنا تھا یہ پراپیگنڈہ سراسر بے بنیاد نہ تھا۔ اس لئے صوبہ کی رائے عامہ اس سے بہت متاثر ہو چکی تھی۔ اور جب 9 ستمبر 1950ء کو ممدوٹ کو بدعنوانیوں کے سارے الزامات سے بری قرار دے دیا گیا۔ تو اس دوران کچھ شہروں میں وزیراعظم لیاقت علی خان کے خلاف سیاسی فضا نہایت غیر موافق ہو چکی تھی۔

پروڈا کے تحت دیگر مقدمات

سندھ میں کھوڑو کے بعد اپریل 48ء میں پیر الٰہی بخش وزیراعلیٰ بنائے گئے تھے۔ لیکن چھ ماہ کے اندر وہ مشکلات میں گھر گئے۔ اکتوبر 1948ء کے اواخر میں کراچی کے پانچ روز ناموں کے ایڈیٹروں نے ان کے خلاف ایک ساتھ ایک فرد جرم شائع کی۔ جس کا عنوان تھا "پیر الٰہی بخش کو برطرف ہونا چاہیے" _ ان کے خلاف رشوت ستانی اور اقربا پروری کے الزامات تھے۔ گورنر جنرل' وزیراعظم اور گورنر سندھ نے یہ فیصلہ کیا کہ گورنر کو ان الزامات کی تحقیقات کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ پیر الٰہی بخش کے خلاف سندھ انتخابی ٹریبونل میں بھی ایک مقدمہ زیر سماعت تھا۔ جو ان کے نااہل قرار دیئے جانے پر منتج ہوا۔ لیکن چیف کورٹ سندھ نے محمد ایوب کھوڑو کی مثال پر پیر الٰہی بخش کی رکنیت

اسمبلی بحال کر دی تھی۔

کیسہ کیلارڈ کے مطابق پروڈا کا قانون پانچ سال تک برقرار رہا۔ 1954ء میں اس کے خاتمے تک سندھ، پنجاب، اور مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کے خلاف کل پانچ ریفرنس خصوصی ججوں کو پیش کئے گئے تھے۔ ان میں ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ، آغا غلام نبی پٹھان سندھ سے اور حمید الحق چوہدری مشرقی پاکستان سے نااہل قرار دیے گئے۔ ایک اور ریفرنس میں سندھ کے میر غلام علی تالپور پر الزامات ثابت ہو گئے تھے۔ لیکن انہیں سزا نہ دی گئی۔ پنجاب میں ممدوٹ اور دولتانہ کے ریفرنس فیصلہ کن نہ ہو پائے۔

حسین عسکری کے مطابق اس قانون کی پانچ سالہ زندگی میں ٹریبونل کو سات مقدمے سماعت کے لئے پیش کئے گئے۔ ان میں سے چار (ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ، غلام علی تالپور اور حمید الحق چوہدری) کو نااہل قرار دے دیا گیا۔ پنجاب کے افتخار حسین ممدوٹ پر الزامات ثابت نہ ہو سکے۔ غلام علی تالپور پر الزام ثابت ہو گئے مگر انہیں سزا نہ دی گئی۔ اور میاں ممتاز دولتانہ کا مقدمہ زیر سماعت تھا کہ نااہلیوں کے قانون کو آئین ساز اسمبلی نے ختم کر دیا۔

پروڈا کے سلسلے میں اہم ہے کہ عدالت کی تحقیقات کے باوجود کسی سیاستدان کو سزا دینے یا نہ دینے کا اختیار گورنر یا گورنر جنرل کے پاس تھا۔ اس سلسلے میں ایسی مثالیں بھی ہیں کہ صوبے نے مرکز سے کسی معاملے میں اختلاف کیا۔ اور صوبے کے وزیر یا وزیراعلیٰ کو پروڈا کا سامنا کرنا پڑا۔ کھوڑو اور ممدوٹ کے مقدمات اس سلسلے کی واضح مثالیں ہیں۔ خود حمیدالحق چوہدری کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ سکے کی قیمت کم نہ کرنے اور ٹیکسوں پر بعض اختلافات کے باعث مشرقی پاکستان کے وزیر حمیدالحق صوبائی وزارت سے مستعفی ہو گئے۔ اس کے چند روز بعد ان کے خلاف پروڈا کے تحت تحقیقات کا حکم دے دیا گیا۔

پروڈا کے تحت اقدامات صرف صوبائی سطح تک ہی محدود نہ رہے۔ بلکہ ایک مرکزی وزیر عبدالستار پیرزادہ بھی اس کی زد میں آئے۔ جب سندھ میں وزراتی جھگڑا شدید ہوا اور وزیراعلیٰ کھوڑو کی اپنے تین وزراء غلام علی تالپور، غلام نبی پٹھان اور قاضی فضل اللہ سے ٹھن گئی۔ تو مرکزی وزیر عبدالستار پیرزادہ نے تینوں وزراء کی حمایت کی۔ تنازعہ بڑھا تو ایوب کھوڑو کے علاوہ عبدالستار پیرزادہ کے خلاف بھی پروڈا کے تحت مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ سندھ کے تجربے کے بعد پروڈا کے قانون میں ایک ترمیم ہوئی کہ جھوٹی درخواستیں یا گواہیاں دینے والوں کو بھی سزائیں دی جائیں۔

پروڈا کا خاتمہ

پروڈا کے نفاذ کے دو سال بعد 1951ء میں کراچی سے تعلق رکھنے والے آئین ساز اسمبلی کے رکن ہاشم گزدر نے پروڈا کو منسوخ کرانے کے لئے اسمبلی میں ایک بل پیش کیا تھا۔ لیکن اکثریت ان کے بل کی تائید کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ گزدر صاحب نے بھی اس کی منسوخی کے لئے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے بل کو ایجنڈے پر موجود رہنے دیا۔ 1954ء میں وزیراعظم محمد علی بوگرا نے جب گورنر جنرل کے اختیارات کو محدود کرنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ تب بھی یہ بل ایجنڈے پر موجود تھا۔ اس بل کا مفہوم یہ تھا کہ پروڈا کی منسوخی گذشتہ دور کے لئے بھی موثر ہونی چاہیے۔ یعنی کھوڑو وغیرہ کے خلاف جو کارروائی ہو چکی تھی۔ اسے کالعدم اور دولتانہ کے خلاف زیر سماعت مقدمہ ختم کیا جائے۔ پیرزادہ عبدالستار اور فیروز خان نون اس کے حق میں نہ تھے۔ کافی بحث و مباحثے کے بعد اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ پروڈا کی منسوخی کا اطلاق زمانہ آئندہ پر ہو گا۔

17 ستمبر 1954ء کو بل پر بحث شروع ہوئی تھی۔ 18 ستمبر کو مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے بل کی منظوری دے دی۔ اور 20 ستمبر کو اسمبلی نے اسے پاس کر دیا۔ لیکن جن لوگوں کو سزا یافتہ قرار دیا جا چکا تھا۔ یا جن کے سر پر ابھی پروڈا کی تلوار لٹک رہی تھی۔ انہیں معافی یا بریت نہ مل سکی۔

یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ منسوخی کے بل ایک ترمیم جسے ایک ہندو ممبر نے پیش کیا تھا۔ اور جو پروڈا کے تحت دی گئی سابقہ سزاؤں کو منسوخ کرنے کے بارے میں تھی۔ 9 کے مقابلے میں 26 ووٹوں سے مسترد ہو گئی۔

پروڈا وزیراعظم اور گورنر جنرل کی اختیارات کی جنگ کی وجہ ختم ہوا تھا۔ چنانچہ گورنر جنرل نے اپنے حامیوں کی تعداد بڑھانے کے لئے ان لوگوں کو معافی دے دی (کھوڑو، فضل اللہ، حمیدالحق چوہدری) جنہیں زمانہ گذشتہ میں پروڈا کے تحت نااہلی کی سزا ملی تھی یا اب ان کے خلاف پروڈا کا مقدمہ زیر سماعت تھا۔ گورنر جنرل نے اپنے اعلان میں کہا کہ اگر اسمبلی اس قانون کو غلط سمجھتی ہے یا اس کا یہ خیال ہے کہ اس قانون کا غلط استعمال ہوتا رہا ہے۔ تو پھر سابقہ سزاؤں کو بحال رکھنا بھی غلط ہے۔

(حوالہ: 52)

ہاری رپورٹ

قیام پاکستان سے قبل سندھ کے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لئے قائداعظم نے آٹھ نکاتی پروگرام تیار کیا تھا کہ سندھ کی مسلم لیگی وزارت اس سلسلے میں عملی اقدامات کرے۔ مارچ 1946ء میں سندھ اسمبلی نے ایک ہاری تحقیقاتی کمیٹی قائم کی جس کے چیئرمین حکومت کے اعزازی مشیر زراعت اور سندھ کے ایک زمیندار سر راجر تھامس تھے۔ باقی اراکین میں نواب شاہ کے کلکٹر ایم مسعود، پبلک سروس کمیشن کے ممبر

صدیقی اور بعد میں شامل کئے جانے والے لاڑکانہ کے ایک بڑے زمیندار اور اعلیٰ عہدیدار مسٹر کیہر بھی تھے۔

قیام پاکستان کے بعد کمیٹی کی رپورٹ تیار ہوئی تو ایم مسعود نے اپنا اختلافی نوٹ لکھا جسے حکومت نے ایک پریس نوٹ کے ذریعے ضبط کر کے اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔ اس پر ملک بھر میں احتجاج ہوا اور اخباروں نے اداریے لکھے۔

روزنامہ "پاکستان ٹائمز" کے مطابق "کمیٹی کے تیسرے رکن مسٹر مسعود کا اختلافی نوٹ اسلامی تاریخ اور روایات سے مملو ہے۔ سندھ کے زراعتی حالات کے مطالعے اور مغربی ممالک میں اصلاحات کے تجزیے کے بعد اس میں زمین کو مکمل طور پر قومیانے کی سفارش کی گئی ہے۔ ہاری تحقیقاتی کمیٹی پر جو وقت اور دولت صرف کی گئی اگر اس کا کوئی جواز ہے تو یہ اقلیتی (اختلافی) رپورٹ ہے۔ "ڈان" نے لکھا:

"حکومت سندھ نے ایک رکن کا اختلافی نوٹ روک لیا ہے۔ بیشتر لوگ.... اس سے یہ تاثر لیں گے کہ اختلافی نوٹ میں ایسا مواد تھا جسے سندھ کی وزارت عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔ پنجاب اور سندھ کے اردو اور سندھی اخبارات نے بھی اختلافی نوٹ کی اشاعت پر زور دیا۔ جب یہ مطالبہ ایک عوامی تحریک میں بدل گیا تو مولانا عبدالحامد بدایونی نے ایک پمفلٹ جاری کیا جس میں مسعود کے اختلافی نوٹ کے خلاف فتویٰ صادر کیا گیا تھا۔ اس فتویٰ پر 16 دوسرے مفتیان دین کے دستخط بھی تھے"

بہرحال عوامی مظاہرے رنگ لائے اور 20 جون 1949ء کو حکومت سندھ نے اختلافی نوٹ پر سے پابندی ختم کر دی۔

(حوالہ: 53)

راولپنڈی سازش مقدمہ

پنجاب میں مارچ 1951ء کے انتخابات سے ایک روز قبل حکومت کے خلاف ایک سازش کا انکشاف ہوا۔ جس میں پاکستانی فوج کے چیف آف سٹاف میجر جنرل اکبر خان اور بری و ہوائی فوج کے متعدد افسروں کے علاوہ بیگم نسیم اکبر اور ممتاز شاعر اور پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض اس سازش میں شریک بتائے گئے۔ سرکاری بیان کے مطابق اس سازش میں مغربی پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل سجاد ظہیر بھی ملوث تھے۔ 9 مارچ کو وزیراعظم لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ اگر سازشی اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتے تو "ہمارے قومی وجود کی بنیادوں پر ضرب لگتی اور پاکستان کے استحکام کو دھکا پہنچتا"_ پہلے ہی روز گرفتار ہونے والوں میں اکبر خان، بیگم نسیم اکبر خان، بریگیڈیئر لطیف اور فیض احمد فیض شامل تھے۔ اپریل کے آخر میں سجاد ظہیر کو گرفتار کر لیا گیا۔ 15 مئی کو مزید پانچ فوجی افسر دھر لئے گئے۔ پھر مزید کچھ اور لوگوں کی باری آئی مفرور محمد حسین عطا کو مشرقی پاکستان جاتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ میجر اسحاق، سیالکوٹ سے گرفتار ہوئے۔ کچھ اور فوجی افسر بھی پکڑے گئے۔ کل سترہ ملزم تھے جن میں سے دو افسر کرنل صدیقی راجہ اور میجر یوسف سیٹھی سلطانی گواہ بن گئے۔

مقدمہ چلانے کے لئے دستور ساز اسمبلی نے جو ایکٹ پاس کیا اس کی رو سے مقدمے کی کارروائی حیدر آباد جیل میں ہوئی اور عدالت کی تمام کارروائی کو خفیہ رکھا گیا۔ 15 جون 1951ء کو مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ استغاثے کی طرف سے تین سو سات گواہوں کی فہرست پیش کی گئی تھی ان میں سے کئی گواہوں کے نام بعد میں واپس لے لئے گئے تھے پھر بھی دو سو سے زائد افراد نے خصوصی عدالت میں گواہی دی۔ 7 مارچ 1952ء کو استغاثہ کے گواہوں کے بیانات ختم ہوئے۔ 10 مارچ سے 15 مارچ تک ملزموں نے عدالت کے بعض سوالوں کے جواب دیئے اور اپنے اپنے بیان پیش کئے۔ انہوں نے صفائی کے وکیل پیش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سرکاری وکیل جناب اے۔ کے بروہی نے 30 مارچ 1952ء کو استغاثہ کی جانب سے بحث کا آغاز کیا۔ یہ بحث 29 مئی تک جاری رہی۔ 2 جون سے ملزموں کے وکیلوں نے بروہی کے دلائل کا جواب دینا شروع کیا اور یہ سلسلہ جناب سہروردی (جو ایک ملزم کی طرف سے وکیل تھے) کی طویل تقریروں کی بدولت یکم نومبر تک جاری رہا۔ نومبر اور دسمبر کا مہینہ ججوں نے اپنا فیصلہ مرتب کرنے میں صرف کیا۔ 5 جنوری 1953ء کو خصوصی عدالت نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

فیصلے کے مطابق سنائی جانے والی مختلف سزائیں حسب ذیل تھیں:

(1) سابق میجر جنرل اکبر خان	بارہ برس قید سخت
(2) ایئر کموڈور محمد خان جنجوعہ	7 برس قید بامشقت اور 500 روپے جرمانہ یا عدم ادائیگی کی صورت میں ایک برس قید بامشقت نیز ملازمت سے برطرفی
(3) بریگیڈیئر محمد صدیق خان	ایضاً
(4) سابق بریگیڈیئر لطیف خان	5 برس قید بامشقت اور 500 روپے جرمانہ یا اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید ایک برس قید بامشقت
(5) لیفٹیننٹ کرنل ضیاء الدین	5 برس قید بامشقت اور 250 روپے جرمانہ یا عدم ادائیگی کی صورت میں مزید 6 مہینے قید بامشقت نیز ملازمت سے برطرفی

(6) لیفٹیننٹ کرنل نیاز محمد ارباب	ایضاً
(7) فیض احمد فیض	4 برس قید بامشقت اور 500 روپے جرمانہ یا اسکی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید ایک سال قید بامشقت
(8) سید سجاد ظہیر	ایضاً
(9) محمد حسین عطا	ایضاً
(10) میجر حسن خان	4 برس قید بامشقت اور 250 روپے جرمانہ یا اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں مزید 6 مہینے قید بامشقت نیز ملازمت سے برطرفی
(11) میجر اسحاق محمد	ایضاً
(12) کیپٹن خضر حیات	ایضاً
(13) کیپٹن ظفراللہ پوشنی	ایضاً
(14) میجر جنرل نذیر احمد	قید تا برخواست عدالت اور ملازمت سے برطرفی
(15) بیگم نسیم اکبر خان	بری

قتل سمیت سنگین جرائم کی دفعات کے تحت دی جانے والی ان سزاؤں کی میعاد پوری ہونے والی تھی جب پہلے اپریل 1955ء اور پھر جون 1955ء میں راولپنڈی سازش کیس کے اسیروں کو مختلف جیلوں سے رہا کر دیا گیا۔

یہ مقدمہ کیا تھا' الزامات کی تفصیل کیا ہے اور مقدمے کے دوران استغاثے اور صفائی کی طرف سے ہونے والی بحث کس حقیقت کی طرف لے جاتی ہے اس بارے میں ابھی تک پراسرار خاموشی کے سوا کچھ سامنے نہیں آیا۔ ملزموں کو جو چارج شیٹ جاری کی گئی تھی' وہ اور دوسری تمام دستاویزات سماعت کے دوران ہی واپس لے لی گئی تھیں۔ ملزموں سے مقدمے کی تمام تفصیل کو صیغہ راز میں رکھنے کی پہلے سے یقین دہانی کرا لی گئی تھی اس لئے 1955ء میں رہائی کے بعد سے اب تک کسی "سازشی" نے بھی مقدمے کی کارروائی کی تفصیلات بیان نہیں کیں۔ بس کہیں کہیں ہلکے پھلکے اشارے کر دیئے ہیں۔ سابق کیپٹن ظفراللہ پوشنی نے اپنی چار سو سے زائد صفحوں کی کتاب میں فرد جرم اور مقدمے کی روداد کے حوالے سے صرف یہی لکھا ہے کہ مقدمہ ختم ہونے کے فوراً بعد تمام متعلقہ کاغذات اور دستاویزات ان سے واپس لے لی گئی تھیں تاہم ان الزامات کا لب لباب یہ تھا کہ ان پندرہ ملزمین نے مختلف مواقع پر مل جل کر حکومت کا تختہ الٹنے کی اسکیمیں بنائیں اور کابینہ کے فاضل ارکان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔ نیز یہ کہ ان کی سازشوں میں دو افراد اور بھی شریک تھے۔ ایک لیفٹیننٹ کرنل صدیق راجہ اور دوسرے میجر یوسف سیٹھی۔ انہیں حکومت نے معافی کا وعدہ دے کر سلطانی گواہ بنا لیا تھا۔ ملزموں پر ضابطہ فوجداری اور تعزیرات پاکستان کی مندرجہ ذیل دفعات عائد کی گئی تھیں۔

121' 121-اے' 120/124ب' 365/302 اور 120/342 ب

ان دفعات کے علاوہ ان پر آرمی ایکٹ کی دفعہ 27 بھی عائد کی گئی تھی اور صاف طور پر یہ بھی جتا دیا گیا تھا کہ ان جرائم کے علاوہ مقدمے کی کارروائی کے دوران اگر کوئی جرم بھی ثابت ہو گیا تو ملزموں کو اس کے تحت بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

سازش کے دوران ایک اور شریک میجر حسن خان کے مطابق "فرد جرم کے اندر قتل' شاہ برطانیہ کو سلطنت کے ایک حصے (پاکستان) سے محروم کرنے اور دوسرے حصے (بھارت) پر حملہ آور ہونے اور ملک معظم کے اغوا کی منصوبہ بندی کا ذکر تھا۔ ایک الزام یہ بھی تھا کہ ہم (آئی جی پولیس) قربان علی خان کو قتل کرنا چاہتے تھے"۔

جہاں تک سازش کے الزام کی حقیقت کا تعلق ہے' بریگیڈیئر صدیق کے مطابق "راولپنڈی سازش کیس عدل و انصاف کے منہ پر ایک طمانچہ تھا" میجر حسن کی رائے میں "یہ محض الزامات تھے اور گورنمنٹ پراسیکیوٹر کی فکری کاوشوں کا نتیجہ"_ عطا' فیض اور سجاد ظہیر اس بارے میں بالکل خاموش رہے ہیں۔

سازش کے سرغنہ سابق میجر جنرل اکبر خان نے مقدمے کے پس منظر اور سازش کی حقیقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کشمیر میں جنگ بندی (یکم جنوری 1949ء) کے بعد انہوں نے دوبار جنگ بندی کے فیصلے پر تنقید کی۔ اپنے پہلے مقالے میں انہوں نے کہا کہ فائر بندی کے معاہدے میں ایسی کوئی تحریر شامل نہیں کی گئی جو ہندوستان کو رائے شماری کرانے کی پابند کر سکے اور اب اس میں تاخیر ہندوستان کے حق میں جا رہی ہے پاکستان کے حق میں نہیں۔ یہ مقالہ انہوں نے وزیراعظم پاکستان کو بھیجا تھا اور ان سے مل کر بالمشافہ گفتگو بھی کی تھی۔ سال بھر بعد انہوں نے ایک اور مقالہ لکھا جس میں انہوں نے مشورہ دیا کہ چونکہ ہم اقوام متحدہ کے مبصروں کی موجودگی میں فائر بندی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے اسلئے ہمارے سامنے یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی مدد کریں تاکہ وہ بھارتی استبداد کے خلاف اپنی جنگ لڑ سکیں۔ اس مقالے پر بھی کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

دسمبر 1950ء میں اکبر خان کو ترقی دے کر میجر جنرل کا عہدہ دے کر جی ایچ کیو میں چیف آف جنرل سٹاف بنا دیا گیا۔ بہرحال کشمیر کے بارے میں وہ اپنے خیالات ظاہر کر چکے تھے اور حکومت سے اختلاف کے باوجود انہیں ترقی دی گئی تھی۔ 23 فروری 1951ء کے روز وہ میٹنگ ہوئی جسے بعد "راولپنڈی سازش" کا نام دیا گیا۔ جنرل اکبر خان لکھتے ہیں: "اس

میٹنگ نے سات گھنٹوں کی بحث و تمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ مجوزہ کارروائی پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ میری تجویز یہ تھی کہ کشمیر میں کارروائی شروع کرنے سے پہلے پاکستان میں ایسی حکومت لائی جائے جو ہماری کارروائی کی پشت پناہی کرے۔ گورنر جنرل کے لئے مجوزہ اعلان جو میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ "پنڈی سازش کیس کے کاغذات میں ابھی تک موجود ہے۔ اس اعلان کے چیدہ چیدہ نکات یہ تھے کہ پرانی حکومت کو برطرف کر دیا جائے۔ نگران سول حکومت بنائی جائے۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات کے لئے تاریخ مقرر کی جائے۔ آئین بنانے کے لئے آئین ساز اسمبلی بنائی جائے انتخابات میں غیر جانبداری قائم رکھنے کے لئے فوج کی غیر جانبدار مشینری استعمال کی جائے اور تمام جرنیلوں کی ایک مشاورتی ملٹری کونسل بنائی جائے۔"

گرفتار شدگان میں سے ایک اور سابق فوجی افسر اسحاق محمد نے 30 نومبر 1972ء کو بہاولپور بار روم میں وکلاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "حکومت نے جو کیس تیار کیا تھا اس میں ذرہ بھر صداقت نہیں تھی بلکہ بات صرف یہ تھی کہ اس وقت کے انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے جب کشمیر میں جنگ بندی کا حکم دیا تو اس وقت پاکستان کی افواج پیش قدمی کر رہی تھیں۔ سابق میجر جنرل اکبر خان نے اعلیٰ فوجی افسروں کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں اس فیصلے کے خلاف ردعمل کا اظہار کرنا مقصود تھا تاکہ حکومت ایسے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ فوجی افسروں نے اتفاق نہ کیا۔ حکومت کو اس کا علم ہو گیا۔ حکومت نے ان فوجی افسروں کو ترقی دے دی اور میجر جنرل اکبر خان کو چیف آف جنرل سٹاف بنا دیا۔ اس حیثیت سے انہوں نے اپنے گھر میں ایک اجلاس طلب کیا۔ اس میں مسئلہ کشمیر زیر بحث آیا لیکن کوئی بات طے نہ ہو سکی اور حکومت کو اس کا علم ہو گیا۔ میں اس اجلاس میں شریک نہ تھا۔ اس وقت پنجاب میں انتخابات ہو رہے تھے۔ انتخابات سے ایک روز قبل گرفتاریوں اور تحقیقات کا آغاز ہوا۔ مجھے اس کیس میں گواہ بنانے کی کوشش کی گئی میرے احتجاج پر حکومت نے مجھے بھی سازش میں ملوث کر دیا۔"

سازش کیس کے ملزموں کے برعکس وزیراعظم لیاقت علی خان' کمانڈر انچیف ایوب خان اور سیکرٹری دفاع میجر جنرل اسکندر مرزا اس پوزیشن میں تھے کہ سازش کا انکشاف کریں اور اس کے خلاف ثبوت لائیں۔ اسکندر مرزا اور ایوب خان نے وزیراعظم سے سفارش کی کہ سازشیوں کے خلاف فوری کارروائی کی جائے۔ نیویارک ٹائمز نے یہ رپورٹ شائع کی کہ اکبر خان پاکستان فوج کے کمانڈر انچیف بننے کا خواب دیکھ رہے تھے اور اس عہدے کے لئے ایوب خان کی نامزدگی سے انہیں سخت مایوسی ہوئی تھی۔

جنرل ایوب نے جلد ہی یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ ان کے پاس اس بات کا ثبوت موجود تھا کہ گرفتار شدہ فوجی افسر کمیونسٹوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے لیکن نہ اس وقت اور نہ ہی بعد میں پاکستانی حکام فوجی افسروں اور ان کے کمیونسٹ ساتھیوں کے بارے میں کوئی شہادت پیش کر سکے۔ "سازش" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایوب نے لکھا: "ہم نے افسروں کے ماضی کے کوائف کا جائزہ لیا اور شرارتیوں سے نجات حاصل کر لی.... مجھے معلوم تھا کہ کینسر سے نجات پا لی گئی ہے۔"

امریکی محکمہ خارجہ کے پالیسی بیانات میں اس سازش کا مختصر سا ذکر ملتا ہے۔ یہ ذکر سوویت یونین' چین اور چیکو سلواکیہ کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تبادلوں' لیاقت علی خان کو سوویت دعوت کے احیاء' پولینڈ اور چیکوسلواکیہ کے ساتھ تجارتی معاہدوں اور ہنگری کے تجارتی وفد کے دورے کے تناظر میں کیا گیا تھا۔ یکم جولائی 1951ء کے پالیسی بیان --- 'خارجہ تعلقات 1951ء' --- میں کہا گیا تھا کہ "اگرچہ ان واقعات نے سوویت یونین اور پاکستان کے مابین تعلقات کے لئے کچھ احساسات پیدا کئے تھے لیکن یہ رجحان مارچ 1951ء میں تیزی سے الٹ گیا کیونکہ پاکستانی کمیونسٹ موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے اور اشتراکی نمونے پر فوجی آمریت قائم کرنے کی ایک ناکام سازش میں ملوث ہوئے تھے۔ اب لگتا ہے کہ ان (لیاقت علی خان) کا دورہ ماسکو غیرمعینہ طور پر ملتوی ہو گیا ہے۔"

محکمہ خارجہ کی یہ دستاویز اس بات کا بھی اشارہ دیتی تھی کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان "پاکستان میں اشتراکیت کے فروغ کو روکنے" کے لئے تعاون کا ایک پروگرام موجود تھا۔ اگر اس مقصد کی طرف 'پیش رفت' میں 'اسلامی عقائد' کام نہ دے سکیں تو پھر امریکی دانش پاکستان کے لئے راہ روشن کرے گی چنانچہ دستاویز میں کہا گیا تھا:

"(پاکستان کی) مرکزی حکومت اشتراکیت اور پاکستان کمیونسٹ پارٹی کے خطرات سے آگاہ ہے۔ اور بسا اوقات اس نے اشتراکی رہنماؤں پر گہری نگرانی رکھی ہے اور ان کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے سخت طریقے اختیار کئے ہیں۔-- مرکزی اور صوبائی دونوں حکومتوں نے پاکستان میں اشتراکیت کے فروغ کو روکنے کی خاطر جوابی پراپیگنڈہ پروگرام تیار کرنے میں مغربی جمہوریتوں کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا ہے جس کے خلاف اسلامی عقائد شاید اس قدر مضبوط فصیل ثابت نہ ہوں جس قدر ہم نے سمجھے ہوں"

(حوالے: 54' 55' 56' 57' 58' 59)

مشرقی بنگال کی لسانی تحریک

25 جنوری 1952ء کو' پاکستان کے اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے ڈھاکہ کے ایک اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کے منصوبے کی بنیاد پر اعلان کیا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف

اردو ہو گی۔ اس اعلان کے خلاف ایک "آل پارٹی لینگوئج آف ایکشن کمیٹی" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کمیٹی میں زیادہ تر عوامی لیگ' یوتھ لیگ اور طالب علموں کے نمائندے شامل تھے۔ کمیٹی کے اعلان پر 30 جنوری کو ڈھاکہ میں ہڑتال کی۔ اسی روز طلباء کی جانب سے 20' 21 اور 22 فروری کو بنگلہ زبان کے حقوق منوانے کے لئے طالب علموں اور شہریوں کی مکمل ہڑتال کا نعرہ دیا گیا۔ 21 فروری کو پولیس کی گولیوں سے جبار' برکت رفیق' سلام اور شفیق الرحمان مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے اور پھر بڑے پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ پہلے دن شمس الحق' طحہ اور ولی عہد گرفتار ہوئے۔ 24 تاریخ کو مولانا بھاشانی گرفتار کر لئے گئے اور 27 تاریخ کو پورے صوبے میں گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

مشرقی بنگال میں لسانی تحریک' بنگالی عوام کی قوم پرستی اور خود مختاری کے احساس کا پہلا کھلا اظہار تھا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد بنگالی زبان کے مسئلے پر تندو تیز بحث و مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ پڑھے لکھے اور دور اندیش بنگالیوں کے نزدیک اردو بطور واحد سرکاری زبان ان کے لئے قابل قبول نہیں تھی اور ان کی تشویش نے 1948ء کے شروع سے ہی احتجاجی شکل اختیار کرنا شروع کر دی تھی۔ پاکستان کے قیام کے کچھ عرصہ پہلے سے' موجودہ تحریک کے وقت تک' سرکاری زبان کے سوال پر سرکاری تجویز اور جو متبادل تجویزیں پیش کی گئیں ان کا مختصر خاکہ یوں ہے۔

1- پاکستان کی قومی زبان اور صوبوں کے درمیان رابطے کی زبان صرف اردو ہو گی۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح اور حکومت کا منصوبہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی قائداعظم نے وضاحت سے کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کی ریاستی زبان بنگالی ہونی چاہئے یا کوئی اور' اس کا فیصلہ صوبے کے منتخب نمائندے کریں گے۔ مشرقی بنگال کے عوام نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا اور اس کے نتیجے میں شدید اظہار نے متحرک تحریک کا رول دھار لیا۔

2- پاکستان کی زبان بنگالی ہونی چاہئے۔ اگرچہ اس تجویز کو انتہاپسندی قرار دیتے ہوئے عوام نے اس کی زیادہ پذیرائی نہیں کی تاہم اردو کا جادو توڑنے کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی جانب عوام کو گامزن کرنے میں اس تجویز کی کامیابی پنہاں ہے۔ یہ تجویز عبدالحق اور دوسرے بنگالی ادیبوں نے پیش کی تھی۔

3- پاکستان میں سرکاری زبان کے طور پر بنگالی' اردو' انگریزی اور عربی کو ایک ساتھ جاری رہنا چاہئے۔ بیک وقت اٹھارہ زبانوں کے ماہر استاد ڈاکٹر شہید اللہ اس تجویز کے بانی تھے۔ اس تجویز کو اس بنیاد پر پذیرائی نہ مل سکی کہ اس سے بنگالی کا مطالبہ کمزور ہوا اگرچہ اس سے اردو کا یک طرفہ دعویٰ بھی کمزور پڑ گیا۔

4- مرکزی حکومت اور صوبوں کے درمیان رابطے کی زبان اردو ہونی چاہئے تاہم مشرقی بنگال میں تعلیم اور ابلاغ کا ذریعہ بنگالی ہو گی۔ اس فارمولے میں سرکاری تجویز کے ساتھ ہم آہنگی تلاش کی جا سکتی ہے لیکن اردو بطور واحد سرکاری زبان کے منصوبے کی نفی' اس میں بھی موجود ہے۔

5- مغربی پاکستان میں سرکاری زبان اردو ہونی چاہئے اور مشرقی پاکستان میں بنگالی۔ پاکستان کے دونوں حصوں کے لئے علیحدہ زبان کی تجویز اس میں موجود ہے۔ مگر مرکزی حکومت کے لئے کوئی واضح پالیسی بیان نہیں کی گئی۔

6- اردو اور بنگالی دونوں کو سرکاری زبان کا درجہ ملنا چاہئے۔ مشرقی بنگال میں ذریعہ تعلیم بنگالی ہو گی۔ بنگالی بولنے والے صرف مرکزی حکومت کی ملازمتوں کے لئے اردو سیکھیں گے۔ اسی طرح مغربی پاکستان والے ضرورت پڑنے پر بنگالی سیکھیں گے۔ یہ تجویز عوام اور دانشوروں کی اکثریت میں مقبول ہوئی۔ عملی تحریک کا سلوگن بھی یہی تھا۔ اسی مطالبے کی بنیاد پر ڈھاکہ میں شہید مینار ابھرا اور بالآخر بنگالی زبان کو بھی اردو کے ساتھ ساتھ قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

پاکستان دستور ساز نے مارچ 49ء کے ریزولیوشن کی رو سے (B.P.C) بنیادی اصولوں کی کمیٹی بنائی- یہ کمیٹی مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل ہے-

(1) جناب تمیزالدین خان	(2) جناب خواجہ ناظم الدین
(3) جناب سریش چندر چٹوپادھیا	(4) جناب فضل الرحمٰن
(5) جناب عبدالستار پیرزادہ	(6) جناب عبدالرشید
(7) جناب میاں افتخار الدین	(8) اشتیاق حسین قریشی
(9) جناب پریم ہری برما	(10) جناب محمد حنیف
(11) جناب عبدالقیوم	(12) جناب جعفر شاہ
(13) جناب شوکت علی ملک	(14) جناب غیاث الدین پٹھان
(15) جناب خواجہ شہاب الدین	(16) جناب محمود حسین
(17) جناب سید خلیل الرحمٰن	(18) جناب کامنی کمار دتہ
(19) جناب محمد اکرم خاں	(20) جناب ممتاز دولتانہ
(21) جناب ایس علی حسین گردیزی	(22) جناب جے- اے- شاہنواز
(23) جناب نورالامین	

اس کمیٹی کے سپرد یہ کام تھا وہ ان اصولوں کی سفارش کرے جن پر پاکستان کا آئندہ دستور بنایا جائے گا- یہ اصول کافی بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد سفارشات کی صورت میں دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں-

کمیٹی کے کام میں سہولت کی غرض سے ایک رہبر کمیٹی (Steering Commattee) اس کے دائرہ عمل' فرائض اور طریقہ کار پر رپورٹ دینے کے لئے مقرر کی گئی- اور رہبر کمیٹی کی رپورٹ پر تین ذیلی کمیٹیاں جن کے سپرد علیحدہ علیحدہ (Subjects) ہیں- خاص کمیٹی کو اپنی سفارشات پیش کرنے کے لئے مقرر کی گئیں-

1- ذیلی کمیٹی برائے وفاقی و صوبائی و سائز و تقسیم اختیارات
2- ذیلی کمیٹی برائے (Franchise) حق رائے دہندگی
3- ذیلی کمیٹی برائے عدلیہ

تعلیمات اسلامیہ کے بورڈ مقرر کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا جو قرار داد مقاصد سے متعلق مسائل اور ایسے معاملات جو بنیادی اصولوں کی کمیٹی یا دوسری کمیٹی وقتاً فوقتاً پیش کرے غور کرے گا-

ذیلی کمیٹی برائے وفاقی و سائز و تقسیم اختیارات نے اپنی رپورٹ 11 جولائی 50ء کو پیش کی-

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے 5'9'10 اور 11 اگست 50ء کی منعقدہ نشستوں میں اس پر غور کیا- بنیادی اصولوں کی عارضی رپورٹ (Interim Report) دستور ساز اسمبلی کو 28 ستمبر 50ء کو پیش کی گئی- دستور ساز اسمبلی کے 21 نومبر 50ء کے رزولیوشن کے مطابق عوام سے مشورہ طلب کرنے کے لئے (Interim Report) شائع کی گئی- رزولیوشن مندرجہ ذیل ہے-

"ان لوگوں کی سہولت کے مدنظر جو دستور کے بنیادی اصولوں سے متعلق اپنی تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں' دستور ساز اسمبلی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس سیشن میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی (Interim Report) پر سردست غور نہ کیا جائے تاکہ مزید ٹھوس اور قطعی تجاویز پر بھی غور کیا جا سکے-

یہ تجاویز دستور ساز اسمبلی کے دفتر میں 31 جنوری 51ء تک آنی ہیں-

یہ تجاویز چونکہ کثیر تعداد میں موصول ہو رہی ہیں اس لئے ان پر غور کرنے کے لئے بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے ایک ذیلی کمیٹی مقرر کی"۔
(13 اپریل 51ء)

اس ذیلی کمیٹی نے ان تجاویز پر غور و خوض کے بعد 8 جولائی 52ء کو اپنی رپورٹ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کو پیش کی- پہلی اگست سے 9 اگست 52ء تک منعقدہ نشستوں میں یہ رپورٹ کمیٹی کے زیر غور رہی-

ذیلی کمیٹی برائے عدلیہ نے اپنی رپورٹ 24 اپریل 52ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے رو برو پیش کی- کمیٹی نے 12 مئی سے 16 مئی 52ء اور دوبارہ کیم اگست سے 9 اگست 52ء کی مختلف نشستوں میں اس پر غور کیا-

19 مئی 52ء کو ذیلی کمیٹی برائے حق رائے دہندگی نے اپنی رپورٹ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کو پیش کی جس نے کیم اگست سے 9 اگست 52ء تک منعقد نشستوں میں اس پر غور کیا-

پاکستان میں پہلا مارشل لاء

جس روز گورنر جنرل غلام محمد کی سربراہی میں ایک تین رکنی وفد سعودی عرب روانہ ہوا لاہور میں راست اقدام کے سلسلے میں صورت حال مزید بگڑ گئی- فوج کو تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا- شہر میں دفعہ 144 کے نفاذ کے باوجود احمدیوں کے خلاف ایک بہت بڑا جلوس نکلا جس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا- بہت سے لوگ زخمی ہو گئے- مولانا اختر علی خان اور دو سو رضا کاروں کو گرفتار کر لیا گیا- جلد ہی یہ سلسلہ لاہور کے دوسرے شہروں تک بھی پھیل گیا- 3 مارچ کو سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے گولی چلا دی' جس سے ایک شخص ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے- 4 مارچ کو' لاہور میں ایک ہفتہ کے لئے رات کا کرفیو لگا دیا گیا- اینٹی قادیانی تحریک میں حصہ لینے والوں نے ڈی ایس پی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا- مشتعل ہجوم پر پولیس

نے پھر فائرنگ کر دی جس سے ایک شخص ہلاک اور ایک زخمی ہو گیا۔ سیالکوٹ میں بھی کرفیو نافذ کر کے شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

5 مارچ کو حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ سول انتظامیہ معطل ہو کر رہ گئی۔ ساڑھے چودہ گھنٹے کا کرفیو لگا دیا گیا۔ مشتعل ہجوم نے 8 اومنی بسوں، ایک پولیس ٹرک اور دو ڈاک خانوں کو آگ لگا دی۔ ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس کو بارہ مرتبہ گولی چلانا پڑی۔ درجنوں لوگ ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

لاہور پنجاب کے گورنر چندریگر اور وزیراعلیٰ دولتانہ نے کراچی وزیراعظم کو فون کیا۔ دولتانہ نے کہا "سر ہمارا کنٹرول بالکل ختم ہو گیا ہے۔ یا تو آپ مجلس عمل سے فوری طور پر بات کریں یا پھر پورا لاہور جل اٹھے گا" سیکرٹری دفاع اسکندر مرزا بھی وہیں موجود تھے۔ وہ ملٹری انٹیلی جنس کے دفتر گئے اور ایک خصوصی ٹیلیفون لائن کے ذریعے میجر جنرل اعظم خان سے کہا:

"اعظم! ایسا لگتا ہے کہ شہری انتظامیہ کا لاہور سے کنٹرول اٹھ گیا ہے۔ تمہیں فوری طور پر کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ مارشل لاء کا اعلان کر دو۔ مزید احکامات کا انتظار مت کرو۔ کارروائی کرو اور تمام چیزیں ختم کر دو"

اس کے بعد اسکندر مرزا واپس وزیراعظم ہاؤس آئے اور بتایا کہ انہوں نے مارشل لاء کے احکامات دے دیئے ہیں۔ لاہور ڈویژن کو مزید کمک بھیجنے کے احکامات بھی دے دیئے ہیں۔

جنرل اعظم کا مارشل لاء کیا تھا اور کیسا تھا۔ اس کی تصویر کشی خود اسکندر مرزا نے ان لفظوں میں کی ہے:

"میجر جنرل اعظم خان نے بڑی ہوشیاری سے کام کیا۔ صرف چند گھنٹوں میں کنٹرول بحال ہو گیا۔ بڑے بڑے ملاؤں کو حراست میں لے لیا گیا۔ بہرطور اس کے بعد بھی گڑ بڑ ہوئی اور اعظم خان نے مجھے ٹیلیگرام بھیجنے شروع کئے۔ ان کی ایک نقل وزیراعظم کو بھی بھیجی جاتی تھی۔ ان میں اطلاع دی جاتی تھی کہ آج اتنی تعداد میں ملاؤں کو گولی مار دی گئی۔ اس پر وزیراعظم کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ انہوں نے مجھے طلب کیا اور گلو گیر لہجے میں کہا، کرنل! میں سو نہیں سکتا'۔ میں نے کہا 'وہ کیوں جناب'

'فوج ان اللہ والے لوگوں کو قتل کر رہی ہے میں سو نہیں سکتا' میں نے کہا 'بہت بہتر! میں اس سلسلے میں کچھ بندوبست کرنے کی کوشش کرتا ہوں'۔ میں نے اعظم خان کو فون کیا۔ 'بیوقوف! تمہیں اگر ان ملاؤں کو مارنا ہی ہے تو اس کی تشہیر کیوں کرتے ہو'۔ اس نے کہا "سر! پھر میں انہیں کیا کہہ کر یاد کروں' میں نے جواب دیا 'کہو، کہ اتنے شرپسند مارے گئے۔ اس کے بعد اس نے یہ فارمولا استعمال کیا جس سے سوائے مولویوں کے ہر شخص خوش تھا اور اس طرح ہم کاروبار مملکت چلا رہے تھے"۔

مارشل لاء کا اعلان ہوا تو لاہور کو چھ سیکٹروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر سیکٹر کا انتظام ایک ایڈمنسٹریٹر کے سپرد تھا۔ سیکٹر ایف کے ایڈمنسٹریٹر بریگیڈیر (بعد ازاں میجر جنرل فضل مقیم خان کے مطابق مارشل لاء کے دشوار ترین دور میں پرانے لاہور میں جو شہر کا سب سے خطرناک علاقہ تھا امن و امان بحال کرنے کے لئے صرف ایک بٹالین متعین کی گئی تھی۔ بعض دوسرے بریگیڈز کا دائرہ کار لائل پور موجودہ فیصل آباد) اور منٹگمری (ساہیوال) تک پھیلا ہوا تھا۔ فوج کے گشتی دستوں کے ذریعے فوراً ہی سارے علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور لاہور آنے والوں اور وہاں سے جانے والوں کی جانچ پڑتال سے آمدورفت کو محدود کر دیا گیا۔ تاروں' ٹیلیفونوں اور اخبارات پر سنسر عائد کر دیا گیا۔

فضل مقیم کے ہی مطابق "تحریک کے لیڈر مسجد وزیر خان اور داتا گنج بخش کے مشہور اور مقدس احاطے میں جمع تھے۔ ان دونوں مقامات پر شورش پسندوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا فوج کے لئے خاصا پریشان کن مسئلہ تھا۔ سپاہیوں نے دونوں مقامات کا محاصرہ کر لیا اور بجلی اور پانی کا سلسلہ منقطع کر کے لیڈروں کے باہر آنے اور اپنے آپ کو فوج کے سپرد کرنے کا انتظار کرنے لگے۔ 10 مارچ کو لیڈر باہر آ گئے....."

11 مارچ تک گڑ بڑ پر کافی حد تک قابو پایا جا چکا تھا۔ لیکن مارشل لاء 14 مئی تک جاری رہا۔ مارشل لاء کے دو گہرے اثرات ہوئے (1) اس مختصر دور میں فوج نے سول انتظامیہ کے فرائض کی بجا آوری کا تجربہ حاصل کیا (2) عوام کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہو گیا جب حالات ہر طرح سے بے قابو ہو جائیں تو صرف فوج ہی امن و امان کی صورت حال اور ایک موثر حکومت کو بحال کر سکتی ہے۔

(حوالے: 60'61'62)

منیر انکوائری رپورٹ

تحریک ختم نبوت کے ہنگاموں کی تحقیقات پر مبنی منیر تحقیقاتی رپورٹ مندرجہ ذیل چھ حصوں پر مشتمل تھی۔

حصہ اول: تقسیم ملک سے لاہور کنونشن تک

حصہ دوم: لاہور کنونشن سے کراچی اور پنجاب میں علماء کی گرفتاری تک

حصہ سوم: فسادات

حصہ چہارم: وہ کوائف جن کا نتیجہ مارشل لاء کے اعلان کی صورت میں نکلا

حصہ پنجم: فسادات کی ذمہ داری

حصہ ششم: سول حکام نے صورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں وہ کافی تھیں یا ناکافی؟

رپورٹ کے آخری حصے کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے عدالت نے لکھا

کہ ہر شخص اس پر متفق تھا کہ احراری ایک مخالف حکومت گروہ ہے۔ یہ لوگ قیام پاکستان کے مخالف تھے اور یہ کہ انھیں خلاف قانون قرار دینے کی بار بار سفارش کی گئی تھی۔ مزید براں عدالت کا یہ احساس بھی تھا کہ احراریوں سے خاندان کے افراد جیسا سلوک کیا گیا لیکن احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔ جہاں تک احرار یا مجلس عمل کے مطالبات کا سوال تھا رپورٹ میں کہا گیا کہ عدالت کے خیال میں انھیں بغیر کسی مذہبی احتیاط کے 'امن عامہ کو خطرے میں ڈالے بغیر اور حیات عامہ کو خطرے میں ڈالے بغیر مسترد کیا جا سکتا تھا۔

رپورٹ میں الزام لگایا گیا کہ اخبارات نے یقیناً ڈائریکٹر تعلقات عامہ کی حوصلہ افزائی سے شورش کی آگ کو ہوا دی ...... مسٹر دولتانہ اس امر سے ہرگز بے خبر نہ ہو سکتے تھے کہ اخبارات کیا کر رہے ہیں۔ اردو کے چار اخباروں کو ان کے ہزاروں پرچوں کے عوض بڑی بڑی رقمیں دی گئیں ...... دو لاکھ روپے کی رقم جو اسمبلی نے ناخواندہ بالغوں کی تعلیم کے لئے منظور کی تھی' مسٹر دولتانہ کے احکامات کے تحت ان چار اخباروں کی خریداری کے لئے منتقل کر لی گئی۔

مرکزی اور صوبائی حکومت پر ذمہ داری عائد کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا کہ مجلس عمل کے چیلنج کو دونوں میں سے کسی حکومت نے بھی سنجیدگی سے قابل توجہ نہ سمجھا۔ خواجہ ناظم الدین آخری لمحے تک اسی امید میں رہے کہ غیب سے کوئی اچھا سامان ہو جائے گا اور صوبائی حکومت مطمئن رہی کہ شورش کا آغاز کراچی میں ہو گا۔

رپورٹ ختم کرتے ہوئے عدالت کے صدر چیف جسٹس محمد منیر اور رکن جسٹس ایم آر کیانی نے قدرے تلخ لہجے میں کہا: "اگر احرار کے مسئلے کو سیاسی مصلحتوں سے الگ ہو کر محض قانون و انتظام کا مسئلہ قرار دیا جاتا تو صرف ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے تدارک کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ وہ طاقت جسے انسانی ضمیر کہتے ہیں' ہمیں یہ سوال کرنے کی ترغیب دیتی ہے کہ آیا ہمارے سیاسی ارتقاء کے موجودہ مرحلے پر 'قانون و انتظام کا مسئلہ' اس جمہوری ہم بستر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جسے وزارتی حکومت کہتے ہیں اور جس کے سینے پر ہر وقت سیاسی کابوس سوار رہتا ہے۔ لیکن اگر جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ قانون و انتظام کو سیاسی اغراض کے ماتحت کر دیا جائے تو اللہ تعالے ہی علیم و خبیر ہے کہ کیا ہو گا اور یہاں ہم اپنی رپورٹ ختم کرتے ہیں"

(حوالہ: 63)

بوگرہ فارمولا

7 اکتوبر کو وزیر اعظم محمد علی بوگرہ نے اسمبلی میں جو نئی آئینی تجاویز پیش کیں' وہ "بوگرا فارمولا" کی نام سے مشہور ہوئیں' جن کے مطابق

مرکزی مقننہ کو ایوان بالا اور ایوان زیریں پر مشتمل ہونا تھا۔ دونوں ایوانوں کیلئے بالترتیب 50 اور 300 نشستیں اس طرح رکھی گئیں۔

گروپ/ اکائی	ایوان بالا	ایوان زیریں	میزان
ا۔ مشرقی پاکستان	10	165	175
ب۔ پنجاب	10	75	85
ج۔ سندھ و خیرپور	10	20	30
د۔ سرحد' سرحدی ریاستیں و قبائلی علاقے	10	24	34
ر۔ بلوچستان' بلوچستان کی ریاستیں' بہاولپور اور کراچی	10	16	26
	50	300	350

دونوں ایوانوں کے یکساں اختیارات رکھے گئے تھے۔ کابینہ دونوں کے سامنے جوابدہ تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ صدر کے انتخاب اور عدم اعتماد کی تحریک پر فیصلہ کے لئے دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس ہو گا۔ فیصلے سادہ اکثریت سے ہوں گے۔ بشرطیکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے 30 % اراکین ہر صوبے سے اجلاس میں حاضر ہوں۔ اختلاف رائے کی صورت میں بھی اس اصول پر عمل ہو گا۔ اگر اختلافات دور نہ ہو سکیں تو صدر کو اسمبلی ختم کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ لیکن بعد میں اس دفعہ میں ترمیم کر دی گئی۔ اب تک پیش کی جانے والی تجاویز میں یہ سبتاً بہتر فارمولا تھا۔ اس اعتبار سے کہ اس میں ایوان بالا میں اکائیوں کے اعتبار سے برابر نمائندگی کا اصول پیش کیا گیا تھا اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دے کر مشرقی بنگال کی شکایت دور کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ تاہم اس فارمولے میں بھی پیرٹی کی اصول کو نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔ اس فارمولا میں اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی سرکاری زبان قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ اس میں قرآن و سنت کے منافی قوانین کا فیصلہ علماء بورڈ کی بجائے سپریم کورٹ کو کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

بوگرا فارمولا کے خلاف پنجاب سے اس بنا پر آواز بلند ہوئی کہ "یہ تو ناظم الدین فارمولا سے بھی بدتر ہے" جبکہ مشرقی بنگال کی تمام سیاسی پارٹیوں نے' ماسوائے مسلم لیگ کے' اسے مسترد کر دیا۔ تیرہ روز تک دستور ساز اسمبلی میں اس پر بحث اور منظوری کے بعد 14 نومبر 1953ء کو ان آئینی تجاویز کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے آپ مسودہ کمیٹی قائم کر دی گئی۔ اس سلسلہ میں برطانیہ سے ایک ممتاز آئینی ماہر سر آیور جیننگز کی خدمات بھی حاصل کر لی گئیں لیکن مسودہ آئین مرتب کرنے کی رفتار بڑی سست رہی۔ اس کی کئی وجوہات تھیں لیکن ایک اہم وجہ 1954ء کے اوائل میں مشرق بنگال میں ہونے والے انتخابات بھی تھے جنھوں نے صورت حال کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

(حوالے: 64'65)

دوسری دستور ساز اسمبلی

انتخابات اور افتتاحی اجلاس

انتخابات

21 جون کو دوسری دستور ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ انتخابی نتائج کے مطابق مسلم لیگ نے 25' متحدہ محاذ نے 16' عوامی لیگ نے 12 (بعد ازاں یہ تعداد 13 ہو گئی) نون گروپ نے 3' پاکستان نیشنل کانگریس نے 4' شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن نے 2' یونائیٹڈ پروگریسو پارٹی نے 2' ایک کمیونسٹ' اور پانچ دیگر ارکان منتخب ہوئے۔ باقی نشستوں کا انتخاب مغربی پاکستان کے قبائلی اور ریاستی علاقوں ہونا تھا۔ ریاست بہاولپور سے 2' بلوچستان کی ریاستوں کی یونین سے 1' قبائلی علاقوں سے 3' ریاست خیرپور سے 1' اور صوبہ سرحد کی ریاستوں سے 1 رکن منتخب ہونا تھا۔

نئی اسمبلی خواجہ ناظم الدین اور مولانا محمد اکرم جیسے پرانے مسلم لیگیوں سے خالی تھی۔ جبکہ سردار عبدالرب نشتر اور خان عبدالقیوم خان کو پارٹی نے ٹکٹ ہی نہ دیا جس پر احتجاج کرتے ہوئے قیوم خان نے مسلم لیگ اور اس کے ذیلی اداروں سے مستعفی ہو کر اعلان کیا کہ مسلم لیگ مر چکی ہے اور کبھی زندہ نہیں ہو سکتی (سردار عبدالرب نشتر کے انتقال پر 1958ء میں وہ اسی مسلم لیگ کے صدر بن گئے)۔ یہ اسمبلی بھی پہلی اسمبلی کی طرح براہ راست بالغ رائے دہی کے ذریعے وجود میں نہیں آئی تھی بلکہ اس کا انتخاب بھی صوبائی اسمبلیوں نے کیا تھا جن کی اپنی جمہوری حیثیت متنازعہ تھی اور جن کے بارے میں بڑی شدت سے یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ زبردست دھاندلی کے ذریعے منتخب کی گئی ہیں۔

80 کے بعد ایوان میں مسلم لیگ کو 25 نشستیں ملیں۔ مشرقی پاکستان سے اسے صرف ایک نشست مل سکی۔ آخری کابینہ کے 14 وزراء میں سے 7 نے یا تو انتخابات میں حصہ ہی نہ لیا (مثلاً ایوب خان) اور یا پھر شکست کھا گئے۔

افتتاحی اجلاس

7 جولائی 1955ء کو 11 بجے صبح دوسری آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس مری کلب' مری میں منعقد ہوا۔ مشتاق احمد گورمانی۔ اسمبلی کے عارضی صدر مقرر ہوئے۔ عارضی صدر کے تقرر کے بعد 70 ارکان اسمبلی نے حلف اٹھایا۔۔۔۔ جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1. محمد علی (بوگرہ)
2. عبدالعلیم
3. عبدالکریم
4. عبداللطیف بسواس
5. عبدالوہاب خان
6. عبدالرحمان خان
7. مولانا عبدالرشید
8. عبدالستار
9. ابوالمنصور احمد
10. عادل الدین احمد
11. اے۔ ایچ۔ دلدار احمد
12. اے۔ کے۔ فضل الحق
13. عطاالرحمان خان
14. مولانا حافظ اطہر علوی
15. فرید احمد
16. فضل الرحمان
17. حمید الحق چوہدری
18. حسین شہید سہروردی
19. لطف الرحمان خان
20. محفوظ الحق
21. محمود علی
22. محمد نورالحق چوہدری
23. مسلم علی ملا
24. محمد عبدالخالق
25. مظفر احمد
26. نورالرحمان
27. سردار فضل کریم
28. شیخ مجیب الرحمان
29. سید مصباح الدین حسین
30. یوسف علی چوہدری
31. ظہیرالدین
32. اکشے کمار داس
33. بسنت کمار داس
34. بھوپندر کمار دت
35. کمسیور برمن
36. گرچندر بالا
37. کامنی کمار دت
38. پیٹرپال گومیز

39. رس راج منڈل
40. سلیندر کمار سین
41. ملک فیروز خان نون
42. میاں ممتاز محمد خان دولتانہ
43. سید عابد حسین شاہ
44. چوہدری محمد حسین چٹھہ
45. سردار امیر اعظم خان
46. صوفی عبدالحمید خان
47. چوہدری عزیز دین
48. میجر جنرل اسکندر مرزا
49. محمد علی
50. سید علمدار حسین شاہ گیلانی
51. مظفر علی خان قزلباش
52. سید محی الدین لال بادشاہ
53. سردار عبدالحمید خان دستی
54. خان افتخار حسین خان ممدوٹ
55. میاں عبدالباری
56. میر بلخ شیر مزاری
57. ملک امیر محمد خان
58. چوہدری عبدالغنی گھمن
59. میاں افتخار الدین
60. سی۔ ای۔ گبن
61. میاں جعفر شاہ
62. ایم۔ آر۔ کیانی
63. خان محمد جلال الدین خان
64. ایم۔ اے کھوڑو
65. پیر علی محمد راشدی
66. غلام علی خان تالپور
67. حاجی مولا بخش سومرو
68. سرومل کرپل داس
69. ڈاکٹر خان صاحب
70. یوسف۔ اے۔ ہارون

ممبران کی حلف برداری کے بعد عارضی صدر اور دیگر ارکان نے ایوان سے خطاب کیا۔ 9 جولائی کے اجلاس میں صدر اسمبلی نے گورنر جنرل کا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں رسول پاکؐ کی یہ حدیث بیان کی گئی تھی کہ تم میں سے ہر ایک قوم کا نگران ہے اور وہ اس کے لئے ذمہ دار ہو گا۔ اسی روز ریاستوں اور قبائلی علاقوں کا بل بھی پاس کیا گیا۔

11 جولائی کو تیسری نشست میں گورنر جنرل نے بل کی توثیق کی۔ 13 جولائی کو دستور ساز اسمبلی کے دو بل بھی پیش ہوئے اور بحث کے بعد منظور کر لئے گئے۔ مری ہال، مری میں ہی 14 جولائی کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں اسمبلی کے عارضی صدر کو ان کے عمدہ طریقے سے اجلاس کو چلانے پر خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اجلاس 8 اگست 1955ء تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔۔۔۔

(حوالے: 66، 67، 68، 69)

مغربی پاکستان اسمبلی کی تشکیل

مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات

20 دسمبر 1955ء کو وزیر اعظم پاکستان چوہدری محمد علی نے اعلان کیا تھا کہ مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات 19 جنوری کو ہوں گے۔ پروگرام کے مطابق، یہ انتخابات مغربی پاکستان کے قیام کے ایکٹ مجریہ 1955ء کے تحت منعقد ہوئے۔ ہر ضلعے کے صدر مقام میں پولنگ کا انتظام کیا گیا تھا۔ سیٹیوں کی کل تعداد 310 تھی جن میں سے 10، 10 نشستیں عورتوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے لئے وقف تھیں۔ انتخابی کالج ---- سندھ، پنجاب، سرحد، خیر پور اور بہاولپور کی سابق اسمبلیاں تھیں۔ جن ریاستوں میں قانون ساز اسمبلیوں کا وجود نہیں تھا ان کے حکمرانوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے نمائندہ نامزد کر دیں اور قبائلی نمائندے مغربی پاکستان اسمبلی کے ارکان نے چننے تھے۔ اس انتخابی معرکے میں سیاسی جماعتوں کی بجائے مختلف گروپ ایک دوسرے کے مد مقابل تھے جیسے پنجاب میں افتخار حسین ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ، فیروز خان نون اور مشتاق گورمانی کے گروپ سندھ میں ایوب کھوڑو اور میر غلام علی تالپور کے گروپ اور سرحد میں سردار بہادر خان، ڈاکٹر خان صاحب، خان قیوم خان، پیر صاحب مانکی شریف، سردار عبدالرشید اور میاں جعفر شاہ کے گروپ۔

انتخابات میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے گروپوں کو واضح اکثریت حاصل ہوئی تاہم وہ تمام گروپ خود آپس میں مختلف اختلافات کا شکار تھے۔ اسی لئے 310 کے ایوان میں صرف 57 ارکان کی حمایت حاصل کر پانے والے نگران وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب بدستور وزیر اعلیٰ رہے۔ ایسا اس لئے بھی ممکن ہو سکا کہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر منعقد نہیں ہوئے تھے۔

ان انتخابات کی نمائندہ حیثیت بھی محل نظر تھی۔ جن سابق قانون ساز اسمبلیوں سے ارکان منتخب کئے گئے تھے، وہ خود وسیع دھاندلیوں کے الزامات کے ساتھ وجود میں آئی تھیں خصوصاً پنجاب اور سرحد اسمبلیوں

کے 1951ء کے انتخابات کے بعد جھرلو کی اصطلاح بہت عام ہوئی تھی۔

حلف برداری

منتخب ارکان جنہوں نے مغربی پاکستان قانون ساز اسمبلی میں حلف اٹھایا یہ تھے:

1) ڈاکٹر خان صاحب (وزیر اعلیٰ)
2) سردار عبدالحمید خان دستی
3) قاضی فضل اللہ
4) مخدوم زادہ سید حسن محمود
5) سید جمیل حسین رضوی
6) حاجی نجم الدین لغاری
7) چوہدری عبدالغنی گھمن
8) مہر محمد صادق
9) خان نور محمد خان (قبائلی علاقہ جات)
10) ملک عباس خان سیٹھ (ضلع جہلم)
11) ملک عبدالعزیز (ضلع سیالکوٹ)
12) عبدالغفار خان (میونسپل کارپوریشن، کراچی)
13) چوہدری عبدالغنی ہرل (ضلع شیخوپورہ)
14) خان عبدالغنی خان خٹک (ضلع مردان)
15) چوہدری عبدالغنی (ضلع بہاولپور)
16) قاضی عبدالحلیم (مالاکنڈ ایجنسی)
17) صوفی عبدالحمید خان (ضلع شیخوپورہ)
18) عبدالحمید جتوئی (ضلع دادو)
19) خان عبدالجبار خان دادو خیل (مہمند ایجنسی)
20) عبدالحمید (ضلع لائلپور اب فیصل آباد)
21) عبدالخالق کاکڑ (کوئٹہ، پشین، جس میں میونسپل اور کنٹونمنٹ بورڈ کے حصے شامل نہیں ہیں)
22) خان سعداللہ خان امازئی (قبائلی علاقہ متصل ہزارہ۔ مردان کے اضلاع)
23) میاں عبداللطیف (ضلع شیخوپورہ)
24) ملک عبداللطیف خان (خیبر ایجنسی)
25) عبدالمجید خان جتوئی (ضلع دادو)
26) میر عبدالقیوم (ضلع لائلپور اب فیصل آباد)
27) چوہدری عبدالرحیم (ضلع سیالکوٹ 3)
28) عبدالرحمان محمد قریشی (میونسپل کارپوریشن۔ کراچی)
29) الحاج میاں عبدالوحید (ضلع لائلپور اب فیصل آباد)
30) سید عبداللہ جان (ضلع پشاور)
31) امیر عبداللہ خان (ضلع میانوالی)
32) حاجی عبداللہ خان (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)
33) خان عبداللہ خان (ضلع مردان)
34) راؤ عبدالرحمان خان (ضلع ملتان)
35) عبدالستار پیرزادہ (ضلع سکھر)
36) سردار احمد علی (ضلع لاہور)
37) احمد سعید کرمانی (ضلع لاہور)
38) ایدن سنگھ ناگ جی سوڈھو (ضلع تھرپارکر)
39) بیگم عائشہ عبدالعزیز ارائیں (ضلع سکھر)
40) میر علی بخش خان تالپور (ضلع تھرپارکر)
41) حاجی میر علی احمد خان تالپور (ضلع حیدر آباد)
42) میر علی بلاول خان ڈومبکی (بالائی سندھ، سرحدی ضلع)
43) علی گوہر شاہ محمد کھوڑو (ضلع لاڑکانہ)
44) سید علی حسین شاہ گردیزی (ضلع ملتان)
45) میر علی مردان خان تالپور (ضلع خیرپور)
46) میر علی نواز خان تالپور (ضلع حیدر آباد)
47) میر بندے علی خان تالپور (ضلع حیدر آباد)
48) چوہدری علی شیر خان (ضلع شیخوپورہ)
49) جی۔ الانہ (کراچی میونسپل کارپوریشن)
50) اللہ بچائیو خان حاجی فتح علی خان تالپور (ضلع تھرپارکر)
51) اللہ بخش خان عباسی (ضلع رحیم یار خان)
52) اللہ ڈنو محمد حسن سیال (ضلع خیرپور)
53) قاضی اللہ ڈوایا (ضلع رحیم یار خان)
54) ملک اللہ یار خان (ضلع کیمبلپور)
55) الطاف محی الدین قادری (ضلع سیالکوٹ)
56) الحاج نوابزادہ جان امیر علی خان (ضلع سانگھڑ)
57) صوبیدار راجہ امیر علی خان (ضلع راولپنڈی)
58) میاں امیر الدین (ضلع لاہور)
59) سید امیر حسین شاہ (ضلع گجرات)
60) ملک امیر محمد خان (ضلع میانوالی)
61) خان امیر سلطان خان (ضلع مردان)
62) حاجی عطااللہ خان (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)
63) سردار عطااللہ خان مینگل (ضلع قلات)---
64) چوہدری عزیز دین (ضلع لائلپور)
65) ملک باگہ علی (کراچی کنٹونمنٹ بورڈ)

66) خان سردار بہادر خان (ہزارہ اور مردان سے متصل قبائلی علاقہ جات)
67) سردار بہادر خان دریشک (ضلع ڈیرہ غازی خان)
68) میاں سلطان بہادر (ضلع بہاولپور)
69) نوابزادہ میربلوچ خان نوشیروانی (ضلع خاران)
70) ملک برخوردار (ضلع بہاولپور)
71) چوہدری بشیراحمد چیمہ (ضلع بہاولنگر)
72) سردار باز خان جوگیزئی ضلع لورالائی)
73) رانا چندر سنگھ سوڈھو راجپوت (ضلع تھرپارکر)
74) دھرمداس موتومل (ضلع سکھر)
75) دوست محمد علی حسن بکٹرو (ضلع لاڑکانہ)
76) میاں دوست محمد خان (گجرات)
77) پیر الٰہی بخش نواز علی شاہ (ضلع دادو)
78) چوہدری فیض احمد (ضلع سرگودھا)
79) میاں فیض احمد (ضلع سیالکوٹ)
80) خان فقیرا خان جدون (ضلع ہزارہ)
81) چوہدری فرزند علی (ضلع بہاولپور
82) ملک فتح محمد خان ٹوانہ (ضلع سرگودھا)
83) فتح محمد لالیکا (ضلع بہاولپور)
84) ملک فتح شیر لنگڑیال (ضلع منٹگمری اب ساہیوال)
85) چوہدری فضل الٰہی (ضلع گجرات)
86) شیخ فضل الٰہی پراچہ (ضلع سرگودھا)
87) شیخ فضل الرحمان (ضلع بہاولپور)
88) ملک گجو خان (ہزارہ اور مردان سے متصل قبائل علاقے)
89) میجر سردار غوث رئیسانی (قلات)
90) حاجی غلام علی حاجی عبداللہ میمن (ضلع حیدر آباد)
91) میرغلام علی خان میر آجی بندے ہالی خان تالپور (ضلع ٹھٹہ)
92) غلام حیدر (ضلع جھنگ)
93) حاجی غلام حسین عرف حاجی جان محمد خان قادر خان مری بلوچ (ضلع سانگھڑ)
94) حاجی خواجہ غلام مرتضٰی (ضلع ڈیرہ غازی خان)
95) سید غلام مرتضٰی شاہ [جی ایم سید] (ضلع دادو)
96) غلام مصطفٰی غلام محمد خان بھرگڑی (ضلع تھرپارکر)
97) سید غلام مصطفٰی شاہ خالد گیلانی (راولپنڈی)
98) غلام نبی در محمد خان پٹھان (ضلع سکھر)
99) جام میرغلام قادر خان (ضلع لس بیلہ)
100) سید غلام رسول شاہ پیر جہاں شاہ (ضلع حیدر آباد)
101) چوہدری غلام رسول تارڑ (ضلع گجرات)
102) رانا غلام صابر خان (ضلع منٹگمری اب ساہیوال)
103) خواجہ حافظ غلام شاہ (ضلع جھنگ)
104) میاں گل اورنگ زیب (ضلع سوات)
105) رانا گل محمد نون عرف عبدالعزیز نون (ضلع ملتان)
106) چوہدری گل نواز خان (ضلع گجرات)
107) گل جی' رتن جی منگھواڑ (ضلع تھرپارکر)
108) خان حبیب اللہ خان (ضلع مالاکنڈ)
109) فخر کشمیر سردار حبیب اللہ توری خیل وزیر (شمالی وزیرستان ایجنسی اور ضلع بنوں کا قبائل علاقہ)
110) شیخ ہدایت علی (ضلع سیالکوٹ)
111) حاجی سید شاہ قادری گیلانی (ضلع منٹگمری موجودہ ساہیوال)
112) مخدوم حمیدالدین (ضلع رحیم یار خان)
113) مرزا حمیداللہ بیگ (ضلع لاہور)
114) حامد حسین محمد حسین فاروقی (ضلع سکھر)
115) سید حسن علی شاہ (ضلع منٹگمری موجودہ ساہیوال)
116) پیر حاجی حسن بخش (ضلع حیدر آباد)
117) سید حسن بخش حاجی پیر شاہ (ضلع نواب شاہ)
118) حاجی امام علی (ضلع نواب شاہ)
119) چوہدری عنایت اللہ (ضلع لاہور)
120) اسماعیل برہانی (کراچی میونسپل کارپوریشن)
121) جعفر علی شاہ (چترال)
122) بیگم جہاں آرا شاہنواز (ضلع لاہور)
123) میجر جنرل جمالدار (ضلع کوہاٹ)
124) جوشوا فضل الدین (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)
125) قادر بخش الٰہی بخش (ضلع لاڑکانہ)
126) خان کامران خان (ضلع سوات)
127) حافظ کریم بخش (ضلع مظفر گڑھ)
128) سردار خیر بخش خان مری تمندار (ضلع سبی کے علاقے)
129) خیر شاہ سید امام علی شاہ (ضلع نواب شاہ)
130) خان سردار محمد خان بزدار (ضلع سکھر)
131) خان خواجہ محمد خان (ضلع ہزارہ)
132) راجہ خیر مہدی خان (ضلع جہلم)
133) خان خدا داد خان (ضلع ہزارہ)
134) بیگم خدیجہ جی اے خان (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)
135) چوہدری سی- ایل سندر داس (ضلع لاہور)

136) الحاج حکیم میں خورشید احمد قریشی (ضلع سرگودھا)
137) شیخ خورشید احمد میاں یعقوب (ضلع حیدر آباد)
138) لال چند سیرو مل (ضلع سانگھڑ)
139) راجہ لال خان (ضلع راولپنڈی)
140) مادھوجی دھرس بھائی (کراچی میونسپل کارپوریشن)
141) پیر سید محبوب الٰہی شاہ عرف محبوب (ضلع سکھر)
142) شیخ محبوب الٰہی (ضلع لائلپور موجودہ فیصل آباد)
143) خان محبوب علی خان (ضلع قلات)
144) محمود اے۔ ہارون (کراچی میونسپل کارپوریشن)
145) میر محمد خان کچکی (ضلع مکران)
146) سید محبوب شاہ (ضلع ہزارہ)
147) میاں منظور حسن (ضلع گوجرانولہ)
148) خان مشعل خان (ضلع بنوں)
149) مشعل خان جلال خیل باہلوزئی (ڈیرہ اسماعیل خان کے قبائلی علاقے)
150) شیخ مسعود صادق (ضلع راولپنڈی)
151) حاجی سید مہر علی شاہ نواز علی شاہ (ضلع ٹھٹہ)
152) چوہدری مہتاب خان (ضلع لاہور)
153) میر اعظم خان توری خیل (ضلع بنوں کے قبائلی علاقے)
154) خان مہابت علی خان (ضلع کوہاٹ)
155) مخدوم محسن شاہ (ضلع رحیم یار خان)
156) سید محی الدین لعل بادشاہ (ضلع کیمبلپور)
157) مولوی خانزادہ محمد عبدالحق (ضلع پشاور)
158) چوہدری محمد عبداللہ جٹ (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)
159) خان محمد آفرین خان (ضلع سوات)
160) خان محمد افضل باجوا (ضلع بہاولپور)
161) خان محمد افضل خان (ضلع میانوالی)
162) چوہدری محمد احسن (ضلع گجرات)
163) ملک محمد اکبر (ضلع گوجرانوالہ)
164) خان محمد اکبر خان (ضلع بنوں)
165) حاجی محمد علی (ضلع شیخوپورہ)
166) نوابزادہ محمد علی خان آفریدی (خیبر ایجنسی)
167) چوہدری محمد آفتاب حسین (ضلع جہلم)
168) خان محمد امین شمن خیل مقصود خان (ڈیرہ اسماعیل خان)
169) خان محمد اشرف خان (ضلع پشاور)
170) خان محمد اشرف عالم خان (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)
171) محمد اسلم خان آف تربیلا خان (ضلع ہزارہ)
172) خان محمد اسلم (ضلع ہزارہ)
173) خان محمد اسلم خان (ضلع کوہاٹ)
174) سالار محمد اسلم خان (ضلع پشاور)
175) خان محمد ایوب خان (ہزارہ اور مردان)
176) محمد ایوب خان (ضلع رحیم یار خان)
177) الحاج محمد ایوب کھوڑو (ضلع سانگھڑ)
178) میر محمد بخش خان میر حاجی عبداللہ خان (ضلع تھرپارکر)
179) محمد بخش لکھویرا (ضلع بہاولپور)
180) خان محمد فرید خان (ضلع ہزارہ)
181) میاں محمد غلام جیلانی گورمانی (ضلع مظفرگڑھ)
182) حافظ محمد حبیب اللہ (میونسپل کارپوریشن کراچی)
183) چوہدری محمد حنیف (ضلع ملتان)
184) الحاج محمد ہاشم گزدر (کراچی میونسپل کارپوریشن)
185) چوہدری محمد حسین چٹھہ (ضلع شیخوپورہ)
186) سردار محمد حسین (ضلع لاہور)
187) رائے محمد اقبال احمد (ضلع منٹگمری موجودہ ساہیوال)
188) مولوی محمد اسلام الدین (ضلع ملتان)
189) سردار محمد جعفر خان گل محمد بلیدی (بالائی سندھ کا سرحدی ضلع)
190) میاں محمد خدا یار خان مانیکا (ضلع منٹگمری موجودہ ساہیوال)
191) سردار محمد خان لغاری (ضلع منٹگمری)
192) مہر محمد محسن لالی (ضلع جھنگ)
193) خان محمد نزیف خان (ضلع بنوں)
194) سجادہ نشین محمد قاسم (ضلع کوہاٹ)
195) حاجی محمد سعید اخونزادہ (ضلع کوہاٹ)
196) الحاج نوابزادہ سجاد علی خان رکن الضحیٰ شمشیر جنگ (ضلع گوجرانوالہ)
197) نوابزادہ محمد سعید قریشی (ضلع سرگودھا)
198) شیخ محمد سعید (ضلع جھنگ)
199) خواجہ محمد صفدر (سیالکوٹ)
200) ملک محمد سرفراز حسین خان (ضلع کیمبلپور)
201) میاں محمد شفیع (ضلع منٹگمری موجودہ ساہیوال)
202) محمد شمس خان (ضلع پشاور)
203) خان محمد عمر خان (ضلع پشاور)
204) محمد یار چشتی (ضلع بہاولنگر)
205) محمد یار خان (ضلع ملتان)
206) چوہدری محمد یوسف (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)
207) محمد یوسف خیر محمد چانڈیو (ضلع ٹھٹہ)

208) خان محمد یوسف خان (ضلع مردان)
209) خان محمد یوسف خان قاسم خیل ترکزئی خان (مہمند ایجنسی)
210) سردار محمد ظفراللہ (ضلع لاہور)
211) مولانا محمد ذاکر (ضلع جھنگ)
212) بیگم ممتاز جمال (ضلع پشاور)
213) میاں ممتاز خان دولتانہ (ضلع ملتان)
214) قاضی مرید احمد (ضلع سرگودھا)
215) موسیٰ خان اللہ بخش خان بگھیو (ضلع لاڑکانہ)
216) چوہدری مشتاق احمد خان (ضلع لائلپور حال فیصل آباد)
217) میاں مشتاق احمد (ضلع لاہور)
218) کیپٹن ملک مظفر خان (ضلع میانوالی)
219) مظفر خان (ضلع کیمبلپور)
220) خواجہ مظفرالحق (کراچی میونسپل کارپوریشن)
221) نبی بخش خان کھوسو (ضلع سبی)
222) ملک نبی بخش (ضلع رحیم یار خان)
223) نجم الدین ولی بھائی (کراچی میونسپل کارپوریشن)
224) چوہدری نصیر احمد ملہی (ضلع سیالکوٹ)
225) نصیر احمد شیخ (ضلع سیالکوٹ)
226) چوہدری نصراللہ (ضلع لاہور)
227) سردار نصراللہ خان جتوئی (ضلع مظفر گڑھ)
228) نواب نصراللہ خان (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)
229) حاجی نصراللہ خان توای حمزہ خیل (کرم ایجنسی)
230) سید نوبہار شاہ (ضلع ملتان)
231) رائے نوبہار شاہ (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)
232) سید نذر حسین شاہ (ضلع مظفر گڑھ)
233) ارباب نور محمد خان (ضلع پشاور)
234) خان نور محمد خان آف کلیکہ (مالاکنڈ ایجنسی)
235) سردار محمد خان، شیر محمد خان بجارانی (بالائی سندھ کا سرحدی ضلع)
236) ملک نور محمد (ضلع منٹگمری موجودہ ساہیوال)
237) سید نور محمد شاہ مراد علی شاہ (ضلع نوابشاہ)
238) خان پیر محمد خان (ضلع مردان)
239) کیپٹن قریش خان (ہزارہ اور مردان سے متصل قبائلی علاقے)
240) کیپٹن قطب خان (ضلع ملتان)
241) نواب قطب الدین خان (ڈیرہ اسماعیل خان)
242) سردار رحیم بخش خان (ضلع ملتان)
243) حاجی ریحان الدین صدیقی (ضلع ملتان)
244) علامہ رحمت اللہ ارشد (ضلع بہاولپور)
245) خان نوازش علی خان سیال (ضلع جھنگ)
246) سلطان راجہ رکن زمان خان (ضلع ہزارہ)
247) خان رستم خان (ہزارہ اور مردان سے متصل قبائلی علاقے)
248) خان سعد اللہ خان امازئی (ہزارہ اور مردان سے متصل قبائلی علاقے)
249) چوہدری سعی محمد (ضلع گجرات)
250) خان صفی اللہ خان (ضلع پشاور)
251) ڈاکٹر سیدالدین صالح (ضلع حیدر آباد)
252) ڈاکٹر سیف اللہ خان محبوب علی خان مگسی (ضلع لاڑکانہ)
253) خان سخی جان خان (ضلع بنوں)
254) چوہدری صلاح الدین (ضلع گوجرانوالہ)
255) چوہدری صالح محمد (ضلع سرگودھا)
256) خان صالح محمد خان مندوخیل (ضلع ژوب)
257) پیر ثنااللہ بودلہ (ضلع ملتان)
258) سردار محمد خان (ضلع بہاولپور)
259) بیگم سروری عرفان اللہ (کراچی میونسپل کارپوریشن)
260) ایس ایم سید (کراچی میونسپل کارپوریشن)
261) خان شاد محمد خان (ضلع ہزارہ)
262) شفقت حسین شاہ عطا حسین شاہ مولوی (ضلع سکھر)
263) پیرزادہ شاہ نواز جمال الدین (ضلع نوابشاہ)
264) سید شاہنواز (ضلع منٹگمری)
265) ارباب شیر افضل خان (ضلع پشاور)
266) کیپٹن شیر جنگ خان (ضلع راولپنڈی)
267) شیر محمد سروانہ (ضلع جھنگ)
268) حاجی شیر محمد (بہاولنگر)
269) خان شیرین خان (ضلع مردان)
270) سکندر خان جمالی (ضلع دادو)
271) سید سکندر شاہ (سوات)
272) مسز ایس۔ پی سنگھا (سیالکوٹ)
273) سھارو خان فیض محمد خان (خیرپور میرز)
274) سیٹھ سہیل خان ملے زئی (میونسپل اور کنٹونمنٹ کے علاقے چھوڑ کر کوئٹہ۔ پشین)
275) چوہدری سلطان خان (ضلع کیمبلپور)
276) چوہدری سلطان احمد (ضلع بہاولپور)
277) چوہدری سلطان علی (ضلع لائل پور موجودہ فیصل آباد)

278) بیگم طاہرہ اعجاز حسین آغا (ضلع حیدر آباد)
279) تیومل نھورومل (ضلع حیدر آباد)
280) ملک عمردین خان (ضلع کوہاٹ)
281) سید ظفرعلی شاہ محمد علی شاہ (ضلع نواب شاہ)
282) نواب زاہد علی خان لیاقت علی خان (ضلع حیدر آباد)
283) پیر ظہور حسین شاہ (ضلع ملتان)
284) زین نورانی (کراچی میونسپل کارپوریشن)
285) بیگم زری سرفراز (ضلع مردان)
286) بیگم زینت فدا حسن (ضلع راولپنڈی)
287) بیگم زبیدہ احسان الحق (ضلع بہاولپور)
288) خان ولی محمد خان (ضلع ہزارہ)
289) خان وطن بادشاہ خان (ضلع کوہاٹ)
290) شیخ ظفر حسین (ضلع گوجرانوالہ)
291) خان قربان علی
292) سردار بلخ شیر مزاری

مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس

مغربی پاکستان قانون ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس 19 مئی 1956ء کو اسمبلی چیمبر لاہور میں، صبح آٹھ بجے شروع ہوا- گورنر مغربی پاکستان نے ممتاز حسن قزلباش کو اسمبلی کا عارضی سپیکر مقرر کیا تھا- پہلے ہی روز، جب ارکان اپنی رکنیت کا حلف اٹھا رہے تھے، منٹگمری (ساہیوال) سے رکن اسمبلی میاں شفیع نے ایک نقطہ اعتراض پر عارضی صدر کے انتخاب کو غیر آئینی قرار دے کر چیلنج کر دیا- جی الانہ نے اس کی تائید کی لیکن عارضی سپیکر نے اسے مسترد کر دیا- میاں محمد شفیع نے ایک اور نقطہ اعتراض اٹھانا چاہا لیکن صدر نے اس کی بھی اجازت نہ دی-

20 مئی کو مستقل سپیکر کا انتخاب ہوا- سپیکر کے انتخاب سے دونوں پارٹیوں کے اکثریتی ہونے کے دعووں کا امتحان تھا- سپیکر کے لئے دو امیدوار فضل الٰہی چوہدری اور میر غلام علی خان تالپور آمنے سامنے تھے- فضل الٰہی چوہدری حزب اقتدار کے امیدوار تھے جبکہ تالپور حزب اختلاف کی نمائندگی کر رہے تھے- دونوں طرف 148، 148 ووٹ پڑے چنانچہ عارضی سپیکر نے اپنا فیصلہ کن ووٹ فضل الٰہی چوہدری کے حق میں استعمال کر کے، ایک ووٹ کی اکثریت سے ان کے سپیکر منتخب ہونے کا اعلان کر دیا-

ایوب خان کی مدت ملازمت میں توسیع

اسکندر مرزا کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب کے بیان کے مطابق، 9 جون کو وہ اپنے دفتر میں بیٹھے کام کر رہے تھے- صدر اسکندر ان کے دفتر کی کھڑکی کے پاس آئے اور پوچھا "کوئی ضروری کام باقی تو نہیں ہے؟"- شہاب نے نفی میں جواب دیا تو وہ خدا حافظ کہہ کر ایوان صدارت میں اپنے رہائشی حصے کی طرف روانہ ہو گئے- تھوڑی دور چل کر وہ اچانک رکے اور مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے دوبارہ ان کے کمرے میں واپس آ گئے اور فوراً بولے "میں ایک ضروری بات تو بھول ہی گیا" یہ کہہ کر انہوں نے شہاب کی میز سے پریذیڈنٹ ہاؤس کی سٹیشنری کا ایک ورق اٹھایا اور وہیں کھڑے کھڑے وزیراعظم فیروز خان نون کے نام ایک دو سطری نوٹ لکھا کہ ہماری باہمی متفقہ رائے کے مطابق بری افواج کے کمانڈر انچیف کے طور پر جنرل محمد ایوب خان کی ملازمت میں دو سال کی توسیع کے احکامات فوراً جاری کر دیئے جائیں- اس پر انہوں نے (Most Immediate) کا لیبل اپنے ہاتھ سے پن کیا اور اپنے سیکرٹری کو حکم دیا کہ وہ خود جا کر یہ نوٹ پرائم منسٹر کو دے آئیں اور ان کے عملے کے حوالے نہ کریں-

9 جون کو وزیراعظم فیروز خان نون کی طرف سے کمانڈر انچیف پاک آرمی کے نام مندرجہ ذیل تار بھیجا گیا-

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ نے مزید دو برس تک ہماری افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدے پر رہنا منظور کر لیا ہے (وقفہ) آپ ابھی بہت کم عمر ہیں- آپ کی عمر ابھی صرف اکیاون سال ہے- لیکن تجربے اور قابلیت میں نہایت پختہ کار (وقفہ) پاکستان موجودہ حالت میں آپ کی خدمات سے محرومی کا نقصان کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ پہلے کی طرح ملک کا دفاع آپ کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا (ختم)"

کمانڈر انچیف کا جواب:

"میں اپنی ملازمت کی توسیع پر آپ کے تعریفی اور حوصلہ افزاء پیغام کا شکر گزار ہوں (وقفہ) ذاتی طور پر مجھے سبکدوشی پر بھی ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی اس عظیم الشان فوج کی خدمت کا مزید موقع ملنے پر ہوئی ہے جس کی تعمیر میری عمر بھر کی تمنا رہی ہے (وقفہ) بہرحال میں نے اکتیس برس تک اس کا نمک کھایا ہے اور میں نے جو کچھ حاصل کیا، اس کی بدولت اور وہ اسی کی ملکیت ہے (وقفہ)۔ آپ مطمئن رہیں- میری بہترین خدمات فوج اور اس کے ذریعے ملک کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی (ختم)"

(حوالے: 70، 71)

امریکی امداد ____ ایک خفیہ رپورٹ

1958ء کے وسط میں پاکستان کے وزیر خزانہ سید امجد علی نے

پاکستان کو ملنے والی امریکی امداد کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ مکمل کر کے کابینہ کے حوالے کر دی۔ یہ ایک خفیہ دستاویز تھی جسے 'ڈان' نے اپنی 20 اگست 58ء کی اشاعت میں شائع کر دیا۔ اس رپورٹ میں امریکی امداد کی طرف تنقیدی رویہ اپنایا گیا تھا اور ان نقصانات کی نشاندہی کی گئی تھی جو امریکی امداد کے باعث پاکستان کو پہنچے۔ اس کے ساتھ ساتھ چند ایسے اقدامات بھی تجویز کئے گئے تھے جس سے صورت حال کو بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ رپورٹ میں اس امر کو چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی کہ ہماری سیاسی خرابیوں اور ابتری کی بنیادیں اسی امریکی امداد میں موجود ہیں ____

خفیہ رپورٹ کے مطابق امریکہ کی طرف سے پاکستان کے لئے ساز و سامان کی خریداری اور ٹرانسپورٹ پر جو پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اس سے امداد کی افادیت بہت زیادہ گھٹ جاتی ہے۔ عام طور سے یہ اجازت ہوتی ہے کہ پاکستان دنیا کے جس ملک سے بھی چاہے ارزاں اور بہتر مال خریدے لیکن عملاً تمام خریداری کے لئے اسے امریکی دفتر برائے خریداری سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ امداد کی حد میں سامان کی خریداری کے بعد یہ شرط عائد ہوتی ہے کہ 50 % سامان امریکی جہاز راں کمپنیاں پاکستان پہنچائیں گی۔ خریداری کے لئے بھی کبھی کبھی امریکی فرموں سے معاملہ کرنا لازمی ہوتا ہے اور وہ دوسرے ملکوں کے معاملے میں گراں تر سامان پاکستان کے ہاتھ فروخت کرتی ہیں۔ امدادی رقوم کی فراہمی کے طریق کار اور ان کے صرفے پر سال کے سال جو شرائط عائد ہوتی ہیں ان سے ایک طرف امدادی رقمیں ضائع ہوتی ہیں دوسری طرف غیر یقینی فضا ہر وقت قائم رہتی ہے۔ امریکی امداد کے مناسب استعمال میں بڑی رکاوٹ اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ سرکاری افسروں کا تمام وقت حصول امداد کے لئے تفصیلات مرتب کرنے میں ضائع ہو جاتا ہے۔ امریکی ادارہ تعاون کی طرف سے بھی بعض اوقات یہ شرط عائد ہوتی ہے کہ سامان امریکہ سے خریدا جائے حالانکہ یہ سامان عالمی منڈی کو دیکھتے ہوئے خاصا مہنگا ہوتا ہے اس طرح جو امداد پاکستان کو ملتی ہے اس کا بڑا حصہ واپس چلا جاتا ہے۔

غیر ملکی ماہرین کے بارے میں رپورٹ میں لکھا ہے کہ ناتجربہ کار فنی ماہروں کی وجہ سے بسا اوقات امدادی منصوبوں پر مناسب طرح کام نہیں ہو پاتا۔ اکثر ملکی اور غیر ملکی ٹیکنیکل عملے میں تعاون ناپید ہوتا ہے۔ ایک امریکی ٹیکنیکل آدمی پر ایک سال کے دوران قیام میں 25 ہزار ڈالر صرف ہوتا ہے۔

اقتصادی قرضوں کے بارے میں رپورٹ میں سفارش کی گئی کہ پاکستان چونکہ بھاری قرضوں کی واپسی کی سکت نہیں رکھتا اس لئے اول تو امداد کے مقابلے میں قرضے کم سے کم لئے جائیں دوسرے ان کے استعمال کے بارے میں پاکستان کو زیادہ آزادی ملنی چاہئے۔ رپورٹ میں اس امر کی شکایت کی گئی کہ پاکستان کو امداد کے عوض، بعض ملکوں سے تجارتی تعلقات رکھنے یا نہ رکھنے کا پابند کر دیا ہے۔ اس طرح بعض منڈیوں سے ایک خاص نرخ پر سامان خریدنے کی شرط عائد کی گئی ہے امریکہ سے جن منصوبوں کی منظوری وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے، جون 57ء تک اس کا محض 40 % حصہ پاکستان کو ملا تھا۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ امریکی حکومت نے کسی گفت و شنید کے بغیر بعض منصوبوں کی منظوری دے دی اور بعض منصوبے جب امداد کے لئے پیش کئے گئے تو انہیں اس طرح بدل دیا کہ پاکستان کے لئے ان پر کام کرنا مشکل ہو گیا نتیجہ یہ کہ جہاں امداد لازمی تھی وہاں نہیں ملی اور جہاں ملی وہاں ضائع ہوئی۔

رپورٹ میں دیگر سفارشات کے علاوہ دو اہم تجویزیں پیش کی گئیں۔ اول یہ کہ غیر ملکی امداد کو زیادہ سے زیادہ ایک خاص مدت تک قبول کرنا چاہئے۔ دوئم یہ کہ پاکستان اپنی داخلہ پالیسی تبدیل کرے اور ملکی وسائل سے جس قدر زیادہ ممکن ہو استفادہ کرے۔

امریکی امداد ____ ایک نظر میں

- ○ پاکستان کو اب تک چار سو کروڑ روپے کی امریکی امداد منظور ہوئی ہے۔
- ○ سال رواں (58-1957ء) میں 15 کروڑ 29 لاکھ ڈالر کی امداد منظور ہوئی تھی، لیکن اس وقت تک محض ایک چوتھائی رقم وصول ہوئی ہے۔
- ○ امریکی امداد میں سے 5 کروڑ 10 لاکھ روپیہ پاکستان میں مقیم امریکی ماہروں پر صرف ہو جاتا ہے۔
- ○ ہر امریکی ماہر پر ماہانہ 12 ہزار روپے صرف ہوتے ہیں ____
- ○ امریکی ادارہ امداد کے ڈائرکٹر مسٹر جیمز کلن کی اطلاع کے مطابق صرف اس ادارے کے تحت 340 امریکی پاکستان میں مقیم ہیں۔
- ○ دوسرے منصوبوں سے وابستہ امریکی ماہروں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔
- ○ امریکی امداد کے تحت ملنے والے سامان کا 30 فیصد ضائع ہو جاتا ہے۔ غذائی امداد اکثر کراچی پہنچتے پہنچتے استعمال کے قابل نہیں رہتی۔
- ○ پاکستان کو دوسرے ملکوں کے مقابلے میں امریکہ سے سامان 40 فیصد مہنگا ملتا ہے۔

(ڈان ___ 20 اگست)

ڈپٹی سپیکر کا قتل

مشرقی پاکستان اسمبلی کا ایک مختصر اجلاس 21 ستمبر کو منعقد ہوا جو 23 ستمبر تک ملتوی ہو گیا۔ عوامی لیگ وزارت اسمبلی کے سپیکر عبدالحکیم کو اپنا

سیاسی مخالف اور کرشک سرامک پارٹی کا جانبدار سمجھتی تھی لہٰذا عوامی لیگ کی جانب سے سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد کا نوٹس دیا گیا تھا۔ پہلے ہی دن سپیکر نے اس قرار داد کو بے ضابطہ قرار دے دیا۔ عوامی لیگ کے ممبروں نے اس آئینی بحث کو اپنے طریق پر ختم کرنے کی کوشش کی اور گالیاں دیتے ہوئے سپیکر کی طرف بڑھے۔ حزب اختلاف نے مزاحمت کی اور جھگڑا بڑھ گیا جس میں سپیکر زخمی ہو گئے۔ عوامی لیگ کے ممبران نے حزب اختلاف کے ارکان کو مار پیٹ کر بھگا دیا۔ سپیکر اسمبلی کے اجلاس کی برخاستگی کا اعلان کر کے (جسے کسی نے سنا' کسی نے نہ سنا) اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ اس اثناء میں عوامی لیگ کے حامی ڈپٹی سپیکر شاہد علی نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد صفر کے مقابلے میں 157 ووٹوں سے منظور ہو گئی ہے۔ اسمبلی کا ایوان اس وقت میدان کار زار بنا ہوا تھا۔ سپیکر کی کرسی ایوان میں اوندھے منہ پڑی تھی اور ڈپٹی سپیکر وزیراعلیٰ کے ڈیسک پر کھڑے قرار داد عدم اعتماد کی منظوری کا اعلان کر رہے تھے۔

اب سوال یہ تھا کہ آئینی پوزیشن کیا تھی؟ کیا سپیکر کے خلاف واقعی عدم اعتماد کی قرار داد منظور ہو گئی تھی یا سپیکر کا یہ دعویٰ درست تھا کہ ہلڑ بازی کے بعد انہوں نے اسمبلی کا اجلاس برخاست کر دیا تھا جس کے بعد اجلاس کی کوئی کاروائی نہ ہو سکتی تھی۔ حزب مخالف سپیکر کی تائید کر رہی تھی اور حکمران پارٹی ڈپٹی سپیکر کی۔ اور سوال یہ تھا کہ کیا اسمبلی کا آئندہ اجلاس سپیکر کی صدارت میں ہو سکتا تھا؟ صوبے میں گورنر راج کا خطرہ پیدا ہوا تو وزیراعلیٰ عطاالرحمان اور حزب اختلاف کے لیڈر ابو حسین سرکار نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا کہ

(1) سپیکر کے بحران کو اسمبلی کے اجلاس کے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے۔

(2) فی الحال سپیکر اور ڈپٹی سپیکر اسمبلی کے اجلاسوں میں نہ آئیں۔

(3) ان کی غیر حاضری میں پینل آف چیئرمین کے سب سے سینئر ممبر اجلاس کی صدارت کریں۔

(4) بجٹ کو غیر اختلافی مسئلہ قرار دے کر پاس کر دیا جائے اور پھر عزیزالحق کی صدارت میں ہی سیشن کی باقی ماندہ کاروائی مکمل کی جائے۔

(5) سپیکر عبدالحکیم کے عہدے کے متعلق بحران کو ختم کرنے کے لئے مذاکرات جاری رکھے جائیں۔

چنانچہ 21 ستمبر کو اسمبلی کا اجلاس عزیزالحق کی صدارت میں ہوا۔ 10 منٹ میں بجٹ پاس ہو گیا اور اجلاس 23 ستمبر کے لئے ملتوی ہو گیا۔ بجٹ پاس ہونے کے بعد عوامی لیگ نے سمجھوتے کا کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا۔ ایک طرف انہوں نے لاء اینڈ آرڈر کے نام پر شناختی کارڈوں کے بغیر اسمبلی کی عمارت میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ دوسری طرف پاس جاری کرنے کا اختیار سپیکر کے عملے کی بجائے اپنے ماتحت پولیس افسروں کو دے دیا۔ تیسری طرف پولیس کے انتظامات سخت کرنے کے بعد انہوں نے ڈپٹی سپیکر شاہد علی کو اشارہ دے دیا کہ وہ اجلاس کی صدارت کے لئے پہنچ جائیں۔ سپیکر عبدالحکیم کے کانوں میں اس بات کی بھنک پڑی تو انہوں نے بھی اجلاس میں شریک ہونے کی کوشش کی لیکن پولیس نے انہیں روک دیا۔ ایوان کے اندر شاہد علی نے کرسی صدارت سنبھالنا چاہی تو ہنگامہ ہو گیا۔ کسی نے ایک سخت چیز اٹھا کر ڈپٹی سپیکر پر پھینکی جو ان کے سر پر لگی۔ وہ لہولہان ہو گئے۔ اس مرحلے پر پولیس ایوان میں داخل ہو گئی۔ شاہد علی کو ہوش میں نہ لایا جا سکا اور دو روز کی بے ہوشی کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

(حوالہ: 72)

اسکندر مرزا کا اعلان مارشل لاء

صدر مملکت کا ہنگامی فرمان

اعلامیہ جو 7 اکتوبر سنہ 1958ء کو صدر پاکستان نے جاری کیا

نمبر ایف 81/ پریز/ 58 '25 اکتوبر سنہ 1958ء' گزٹ مورخہ 31 اکتوبر سنہ 1958ء حسب ذیل اعلان جو صدر نے 7 اکتوبر 1958ء کی رات کو ساڑھے دس بجے جاری کیا' عام اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے:۔

پچھلے دو سال سے میں گہری تشویش کے ساتھ مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اقتدار کے لئے بے تحاشا رسہ کشی جاری ہے' بدعنوانیاں ہیں' سادہ' نیک و محب وطن اور محنتی عوام سے بے شرمی کے ساتھ ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے' شائستگی کا فقدان ہے اور اسلام کو سیاسی مقاصد کا آلہ کار بنایا جا رہا ہے۔ فقط چند قابل قدر لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں' لیکن ایسے لوگ چونکہ اقلیت میں ہیں اس لئے وہ ملک کے معاملات میں اثر انداز نہیں ہو سکے۔

ان مذموم حرکتوں کا نتیجہ پست ترین درجے کی آمریت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اہل ہوس اور اہل غرض' عوام کو نقصان پہنچا کر ناجائز فائدہ حاصل کرتے رہے اور اپنی بدکرداریوں کی بدولت اور زیادہ دولت مند ہوتے گئے۔

میری مسلسل کوششوں کے باوجود غذائی مسئلے کو حل کرنے کی کوئی حقیقی کوشش نہیں کی گئی۔ خوراک ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی ہے' حالانکہ ہمارے ملک کو در حقیقت خوراک میں خود کفیل ہونا چاہئے تھا۔ زراعت اور انتظام اراضی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ نظام حکومت کے تحت کوئی سیاسی جماعت خوراک کی پیداوار بڑھانے کے لئے کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کے قابل نہ ہو گی۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان میں سمگلر بڑے منظم

طریقے سے غلے، ادویات اور دوسری ضروریات زندگی سرحد پار پہنچا رہے ہیں، اس بنا پر جو قلت پیدا ہوئی ہے اور قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے وہ عام لوگوں کی مصیبت کا باعث بن گیا ہے۔ غلے کی در آمد کی وجہ سے گزشتہ چند برس سے ہماری بیرونی زر مبادلہ کی کمائی پر مستقل اور شدید بار پڑ رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت نہایت ضروری ترقیاتی منصوبوں میں تخفیف کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔

ہمارے کچھ سیاست دان چند دنوں سے خونی انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض ہنگامہ پسند بیرونی ملکوں میں جا کر براہ راست ان سے اتحاد عمل کی پیشکش کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے، جسے کھلی بغاوت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

چند روز پہلے مشرقی پاکستان اسمبلی میں جو شرمناک مناظر دیکھنے میں آئے، ان سے سب آگاہ ہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس قسم کی باتیں غیر منقسم بنگال میں اکثر ہوتی رہی ہیں۔ یہ بات درست ہو یا نہ ہو، لیکن بہر صورت یہ کوئی مہذب طریق عمل نہیں ہے۔ اسپیکر کو زدوکوب کرنا، ڈپٹی اسپیکر کو قتل کرنا اور قومی پرچم کی توہین کرنا ملک کے وقار کو بڑھانے کی صورتیں نہیں ہیں۔

سیاسی جماعتوں کی ذہنیت اتنی پست ہو گئی ہے کہ مجھے اس بات کا کوئی بھروسا نہیں رہا کہ انتخابات ملک کے موجودہ داخلی انتشار کو سدھار سکتے ہیں یا ان کے ذریعے ایک ایسی مضبوط اور مستحکم حکومت بنائی جا سکتی ہے، جو ان بے شمار پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے جو ہمیں درپیش ہیں۔ آسمان سے نئے لوگ اتر کر نہ آئیں گے۔ وہی گروہ جس نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے، انتخابات کو محض اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرے گا۔ بلکہ یہ لوگ بڑے انتقامی جذبے کے ساتھ دوبارہ برسر اقتدار آئیں گے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انتخاب ذاتی، علاقائی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر لڑا جائے گا۔ جب وہ انتخاب میں کامیاب ہو کر آئیں گے تو انہیں طریقوں کو استعمال کریں گے جنہوں نے جمہوریت کو ایک ڈھونگ، ایک المناک تماشا بنا کر رکھ دیا ہے، اور جو دراصل ہر طرف پھیلی ہوئی حرماں زدگی کا باعث ہیں۔ بدلتی ہوئی وفاداریوں اور کرسیوں کے لئے مچی ہوئی افراتفری کے پیش نظر مجھے اس امر کا یقین ہے کہ انتظامیہ خواہ کتنی بھی کوشش کرے انتخابات آزادانہ اور منصفانہ نہ ہوں گے۔ انتخابات ہماری مشکلات کو حل نہ کریں گے، اس کے برعکس زیادہ بددلی اور مشکلات پیدا کریں گے جو آخر ہمیں ایک خونریز انقلاب کی جانب لے جائیں گی۔ حال ہی میں کراچی کارپوریشن کے انتخابات ہوئے تھے۔ پورے حلقے سے صرف بیس فی صد ووٹ ڈالے گئے اور ان میں سے تقریباً پچاس فی صدی ووٹ جعلی تھے۔

ہم ایک یونٹ توڑنے اور پرائیویٹ رضاکار تنظیموں کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں سول نافرمانی کی دھمکیاں سن رہے ہیں۔ ان انتشار پسند رجحانات سے ان لوگوں کی حب الوطنی کی قلعی کھل جاتی ہے اور ظاہر ہو جاتی ہے کہ سیاست باز اور حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اپنے اپنے تنگ دلانہ مقاصد کے حصول کے لئے کس حد تک بڑھ سکتے ہیں۔

ہماری خارجہ پالیسی پر غیرذمہ دارانہ اور بلا سوچے سمجھے نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ حب الوطنی کے نظریئے سے نہیں بلکہ محض ذاتی اغراض کے لئے اور وہی لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں جو خود اس پالیسی کے ذمہ دار تھے۔ ہم تمام قوموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، لیکن سیاسی موقع پسند روس، متحدہ عرب جمہوریہ اور عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب کرنے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھارت کے خلاف بیشک وہ جنگ کے نعرے بلند کرتے ہیں، مگر یہ جانتے ہوئے کہ خود کہیں میدان جنگ کے آس پاس نہ ہوں گے۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی سیاسی جماعتیں خارجہ پالیسی کے ساتھ اس طرح کا مذاق نہیں کرتیں جیسے کہ پاکستان میں کیا جاتا رہا۔ اس خلجان کو دور کرنے کے لئے میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ ہم اس خارجہ پالیسی پر عمل کریں گے جس کا ہمارا قومی مفاد اور جغرافیائی محل وقوع مطالبہ کرتا ہے۔ ہم اپنے تمام بین الاقوامی معاہدات پر کار بند رہیں گے جو بلاشبہ ہم نے پاکستان کی سلامتی کی خاطر کئے ہیں، وعلیٰ ہذا القیاس ایک امن پسند قوم کی حیثیت سے ہم اس آفات زدہ دنیا سے جنگ کا خطرہ دور کرنے کے لئے اپنے مقدور بھر کوشش کرتے رہیں گے۔

گذشتہ تین برس سے میں جمہوری طریقوں سے دستور پر عمل در آمد کرانے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے یکے بعد دیگرے کئی مخلوط حکومتوں کے قیام کے لئے کوشش کی، اس توقع میں کہ شاید نظم و نسق میں استواری پیدا ہو سکے اور ملک کی حکومت اس طرح چلے کہ عوام کو فائدہ پہنچے۔ مجھے رسوا کرنے والوں نے بدنیتی سے ہمیشہ ان تبدیلیوں کو محلاتی سازشوں کا نام دیا۔ سارا الزام صدر کے سر تھوپنا ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ کسی خوش طبع نے چند روز ہوئے کہا: "اگر ملک میں بارش زیادہ ہو جائے تو یہ صدر کا قصور ہے اور اگر نہ ہو تو بھی صدر کا قصور ہے۔" اگر معاملہ صرف میرا ہی ہوتا تو میں ان ملامتوں کو برابر نظر انداز کئے جاتا اور ان کی مطلق پروا نہ کرتا، لیکن ان غداروں اور ملک دشمن عناصر کا مقصد صدر مملکت پر حملہ کر کے پاکستان اور حکومت کا وقار گرانا تھا۔ وہ بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ اور اگر اس صورت حال کو برقرار رہنے دیا جائے تو وہ اپنے اصل مقصد میں بالآخر کامیاب ہو جائیں گے۔

داخلی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عوام کی اکثریت کا اعتبار موجودہ طرز حکومت پر سے بالکل اٹھ گیا ہے اور وہ روز بروز اس کی بابت زیادہ ناامید ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کو جس طرح

جبر و استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کی بنا پر ان میں خطرناک حد تک تلخی پیدا ہو گئی ہے۔ سیاسی رہنماؤں نے ان کی خدمت کا حق ادا نہیں کیا' عوام نے ان پر جو اعتماد کیا تھا وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کر سکے۔

آئین جو اتنی دشواریوں کے بعد 23 مارچ سنہ 1956ء کو نافذ کیا گیا تھا ناقابل عمل ہے۔ اس میں مصالحتیں ہی مصالحتیں ملتی ہیں جو بڑی خطرناک ہیں اور اگر اس کی خرابیوں کو دور نہ کیا گیا تو جلد ہی داخلی طور پر پاکستان کی جمعیت بکھر کر رہ جائیگی۔ ان حالات کو درست کرنے کی غرض سے پرامن انقلاب کے ذریعے ملک کو ہوشمندی کی طرف لے جانے کی ضرورت ہے' اس کے بعد میرا ارادہ یہ ہے کہ بعض محب وطن افراد کو جمع کروں تاکہ وہ سیاسی شعبے میں ہمارے مسائل کا جائزہ لے کر ایک ایسا موزوں آئین مرتب کریں جو مسلم عوام کے مزاج کے مطابق ہو۔ جب یہ تیار ہو جائے گا تو اسے مناسب وقت پر عوام سے استصواب رائے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ آئین ایک مقدس چیز ہے۔ لیکن آئین اور ہر دوسری چیز سے زیادہ مقدس ملک اور اس کے عوام کی خوش حالی اور بہبود ہے۔ سربراہ مملکت کی حیثیت سے خدا اور عوام کے روبرو میرا اولین فریضہ پاکستان کی سالمیت ہے۔ اسے غداروں اور سیاسی زمانہ سازوں کی بیدردی سے سخت خطرہ لاحق ہے' جن کی خود غرضی' ہوس اقتدار اور غیر محب وطن رویئے کو روکنا موجودہ نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومت سے ممکن نہیں۔ نہ میں ملک کو تباہ کرنے کی کوششوں کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا گوارا کر سکتا ہوں۔ میں بڑے گہرے تفکر اور اضطراب کے بعد اس افسوسناک نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر میں نے پاکستان کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے ایسے اقدام نہ کئے جو موجودہ حالات میں ناگزیر ہیں' تو میں اپنے فرض سے کوتاہی کروں گا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ:۔

(الف) 23 مارچ سنہ 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا جائے۔

(ب) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو فوری طور پر برطرف کیا جائے۔

(ج) قومی پارلیمینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے۔

(د) تمام سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیا جائے۔

(و) جب تک متبادل انتظامات نہ ہوں پاکستان میں مارشل لاء نافذ رہے گا۔

میں جنرل محمد ایوب خاں' کمانڈر انچیف پاکستان آرمی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کرتا ہوں اور پاکستان کی تمام افواج کو ان کی کمان میں دیتا ہوں۔

پاکستان کی بہادر افواج سے مجھے یہ کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت سے میرا ان سے گہرا ربط رہا ہے' جس کے باعث میں ان کی وفاداری اور جذبہ حب الوطنی کا معترف اور مداح ہوں۔ میں ان پر بڑا بار ڈال رہا ہوں۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے لیکن افواج کے افسرو اور جوانو! تمہاری ہی خدمت پر اس بات کا دارومدار ہے کہ پاکستان بحیثیت ایک آزاد قوم کے برقرار رہے اور آزاد دنیا کے اس علاقے میں ایک مضبوط قلعے کی حیثیت سے قائم رہے۔ بلا خوف و خطر اور بلا رو رعایت اپنا فرض ادا کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

پاکستانی عوام سے میں ایک بھائی اور ہم وطن کی حیثیت سے مخاطب ہوں۔ موجودہ اقدام بڑے افسوس کے ساتھ کیا جا رہا ہے' لیکن یہ مجھے ملک کے مفاد اور عوام کی خاطر کرنا پڑا' ایسے عوام جن سے بہتر انسانوں کا تصور محال ہے۔ محب وطن اور قانون پسند لوگوں سے میں یہ کہوں گا کہ آپ آئندہ زیادہ آزاد اور خوش حال ہوں گے۔ سیاسی موقع پرستوں' سمگلروں' چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے برا وقت ہو گا اور ان کی سرگرمیوں کو سختی سے دبا دیا جائیگا۔ جہاں تک غداروں کا تعلق ہے' بہتر ہو گا کہ موقع پائیں تو ملک سے بھاگ جائیں۔

پاکستان میں انتخابات

1947-58

صوبائی انتخابات

(1) پنجاب میں انتخابات----- 1951ء

صوبائی اسمبلیوں کے سب سے پہلے انتخاب پنجاب میں منعقد ہوئے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے کیلئے آٹھ سو سے زائد امیدواروں نے درخواستیں دیں۔ جبکہ پنجاب اسمبلی کی کل نشستیں 197 تھیں۔ جن امیدواروں کو مسلم لیگ کا ٹکٹ نہ مل سکا انہوں نے نواب ممدوٹ کی نئی جماعت جناح مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا۔ عبدالمجیب خان لکھتے ہیں کہ پاکستان کی تاریخ میں سیاسی وفاداریاں تبدیل کرنے کا آغاز بھی پنجاب کے انہی صوبائی انتخابات سے ہوا۔ جن میں اصل مقابلہ دولتانہ اور نواب ممدوٹ کے درمیان تھا۔

وزیراعظم پنجاب میں مسلم لیگ کی زبردست امداد اور اعانت کی۔ انہوں نے پنجاب کے دورے کے دوران جلسوں میں عوام کو روٹی، کپڑا، مکان اور تعلیم کی جملہ ضروریات پوری کرنے کا یقین دلایا۔

وزیراعظم لیاقت علی کے برعکس مادر ملت فاطمہ جناح کا ذکر ممدوٹ کی جناح عوامی لیگ کے حامیوں میں آتا رہا۔ جبکہ وزیراعظم کے ساتھ ساتھ گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر اور ڈپٹی کمشنر لاہور نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لئے پوری سرکاری مشینری سرگرم عمل رکھی۔

انتخابات سے ایک روز قبل وزیراعظم نے پنڈی سازش کیس کا انکشاف کیا۔ اور فوجی افسروں کی بڑی تعداد کے علاوہ "پاکستان ٹائمز" کے ایڈیٹر فیض احمد فیض اور مغربی پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹری جنرل سید سجاد ظہیر کو گرفتار کر لیا گیا۔

پولنگ 10 مارچ کو شروع ہوئی اور 20 مارچ تک جاری رہی۔ 30 مارچ کو نتائج سے پتہ چلا کہ مسلم لیگ بھاری اکثریت سے جیت گئی ہے۔ سرکاری اعلان کے مطابق نتائج مندرجہ ذیل تھے۔

مسلم لیگ	:	140
جناح عوامی مسلم لیگ	:	32
آزاد پاکستان پارٹی	:	1
جماعت اسلامی	:	1
آزاد	:	17
اقلیتیں	:	5

دو تین روز بعد نتائج کی صورت حال مسلم لیگ کے مزید حق میں ہو گئی۔ اب اس کے کامیاب امیدواروں کی تعداد 143 اور اس میں مزید شامل ہونے والے دس کامیاب ارکان کے بعد تعداد 153 ہو گئی۔ ان میں سے دو ارکان ایسے تھے جو جناح عوامی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر جیتے تھے وہ سرکاری مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

پولنگ شروع ہونے کے جلد بعد اپوزیشن نے انتخابی دھاندلیوں کی شکایات کیں۔ راول پنڈی میں مسلم لیگ کے سوا باقی تمام سیاسی پارٹیوں نے دھاندلی کے خلاف بطور احتجاج 12 مارچ کو ہی انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔

زاہد چوہدری اور حسن جعفر زیدی نے لکھا ہے کہ 18 مارچ کو شیخوپورہ میں مقامی حکام کی طرف سے انتخابی قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کی گئی۔ گورنر پنجاب کے سابق مشیر ملک محمد انور نے بطور احتجاج انتخاب کا بائیکاٹ کر دیا۔

20 مارچ کا جناح عوامی لیگ کے کونیز حسین شہید سہروردی نے ایک پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا کہ "پنجاب میں جو انتخابات ہوئے ہیں۔ انہیں کالعدم قرار دے کر، صحیح حالات کے تحت صوبے میں از سر نو انتخابات کرائے جائیں..... انہوں نے کہا کہ ان انتخابات سے تو دفعہ 92_ الف (گورنر راج) کا نفاذ یا کسی نامزد اسمبلی کا قیام ہی بہتر ہوتا ..... دیہاتی علاقوں میں ووٹروں پر زبردست دباؤ ڈالا گیا۔ اور بددیانتی کی انتہا ہو گئی ..... ہر قسم کا ظلم اور مکاری روبہ کار لائی گئی ..... میں ابھی ابھی لائل پور سے آیا ہوں۔ ایک سٹیشن پر ایک محلّہ کا پولنگ شروع تھا۔ مسلم لیگی امیدوار مل مزدوروں کو لے آئے۔ حالانکہ وہ اس محلّہ کے باشندے نہ تھے۔ کارخانے کے مالکوں نے حصول خوشنودی کے لئے کارخانہ بند کر دیا۔ مزدوروں کو مسلم لیگ کے ٹرک پر لایا گیا۔ ان کی خاطر مدارت کے علاوہ انہیں جعلی ووٹ کے لئے روپیہ فی کس دیا گیا۔ پریزائیڈنگ افسر، پولنگ افسر، غرضیکہ جس شخص سے بھی ملا ہوں۔ اس نے اعتراف کیا کہ ووٹر بالکل بوگس تھے...... ضلع سیالکوٹ میں ایک حلقہ میں مسلم لیگی امیدوار کو انتخاب سے ایک رات قبل ہی پرچیاں دے دی گئی ..... جناح عوامی لیگ کے دفتر میں 80 حلقوں سے پولیس اور دیگر سرکاری اہل کاروں کے تشدد کی سنگین شکایات موصول ہوئی ہیں ....."

دھاندلی کا ایک بڑا سکینڈل 30 مارچ کو لاہور میں ہوا۔ جب ریٹرننگ افیسر سعید جعفری نے ایک ایسے مقامی حلقے کے ووٹوں کی سرکاری گنتی کی جہاں سے مزدور رہنما مرزا ابراہیم کو پہلی سرکاری گنتی کے تحت کامیاب قرار دیا جا رہا تھا۔ نتائج یوں تھے:

مرزا محمد ابراہیم	:	8083
ملک محمد اسلم	:	7769
احمد سعید کرمانی	:	7759

دوسری گنتی میں سعید جعفری جو ریٹرننگ افسر اور لاہور کے ڈپٹی کمشنر بھی تھے۔ مرزا ابراہیم کے 1170' ملک محمد اسلم کے 627 جبکہ احمد سعید کرمانی کے صرف 23 ووٹ ناجائز قرار دیئے۔ مرزا ابراہیم کے ووٹ اس بناء پر ناجائز قرار دیئے گئے کہ بہت سے بیلٹ پیپرز پر "داغ دھبے" تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا ابراہیم کو انتخابات سے قبل گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اور وہ پولنگ کے دوران بھی جیل میں تھے۔

اب غیر لیگی امیدواروں نے دوبارہ جانچ پڑتال کا مطالبہ کیا۔ اس جانچ پڑتال کے نتیجے میں مرزا ابراہیم کے 946' ملک اسلم کے 449 اور احمد سعید کرمانی کے 424 ووٹ ناجائز قرار دیئے گئے۔ اس طرح مرزا ابراہیم سے 214 اور ملک اسلم سے 13 ووٹوں کی اکثریت سے مسلم لیگی امیدوار احمد سعید کرمانی کو کامیاب قرار دے دیا گیا۔۔۔ ان دھاندلیوں کے سلسلے میں اپوزیشن کا یہ بھی کہنا تھا کہ سعید جعفری کے ساتھ ساتھ آئی جی پولیس قربان علی چوہان بھی برابر کے شریک تھے۔

وزیراعظم لیاقت علی خان جب اگلے روز لاہور پہنچے تو انہوں نے دھاندلیوں کے الزامات اور شکایات کو "لغو اور بیہودہ" قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

ان انتخابات پر تبصرہ کرتے ہوئے روز نامہ "نوائے وقت" نے لکھا کہ "لاہور میں مسلم لیگی امیدواروں نے اسمبلی تک پہنچنے کے لئے جس دھاندلی اور سینہ زوری سے کام لیا ہے۔ اس نے یونینسٹوں ہی کو مات نہیں کر دیا۔ نازی پارٹی کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ لیگی امیدواروں نے جو ہتھکنڈے استعمال کئے وہ ایسے شرمناک ہیں کہ نازی بھی زندہ ہوتی تو شرما جاتے ...... اگر لاہور میں مسلم لیگ کی یہ کرتوتیں ہیں۔ تو دیہاتی پنجاب میں اس نے کیا قیامت نہ ڈھائی ہو گی ...... ہمیں افسوس ہے کہ مسلم لیگ نے انتخاب جیتنے کی خاطر جمہوریت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ 197 اصحاب کی ایک فہرست مرتب کر کے انہیں اسمبلی کا ممبر نامزد کر دیا جاتا۔ اگر ووٹروں کی رائے کا احترام منظور نہیں تھا۔ تو انتخاب کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔ ڈھونگ کا لفظ اس انتخاب کے بارے میں بڑا نرم لفظ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لغت میں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں جو عوام کے ساتھ اس عظیم فراڈ کا مفہوم ادا کر سکے"

شاید حقیقت بیان کرنے کی اس خطا کے بدلے میں ہی "نوائے وقت" کو دولتانہ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے صرف تین دن بعد بند کر دیا۔

(2) بہاولپور میں انتخابات (1952ء)

پنجاب کے بعد ریاست بہاولپور میں 28 اپریل 1952ء کو انتخابات منعقد ہوئے۔ ان انتخابات میں دلچسپ حقائق سامنے آئے۔ کل 40 نشستوں کے لئے انتخابات ہونے تھے۔ مسلم لیگ کی طرف سے کاغذات نامزدگی جمع کروانے والے 48 امیدواروں میں 13 جبکہ مخالفین کے 38 میں سے 10 امیدواروں کے کاغذات مسترد کر دیئے گئے۔

لیکن اصل کھیل کاغذات نامزدگی جمع ہونے کے بعد شروع ہوا۔ جب مسلم لیگ کے 37 امیدواروں کو بلا مقابلہ کامیاب قرار دے دیا گیا۔ اور مقابلہ صرف تین سیٹوں پر رہ گیا۔ یہ اس قدر واضح دھاندلی تھی کہ مرکزی حکومت نے ساری انتخابی کارروائی کو کالعدم قرار دے کر از سر نو انتخابات منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔

ریاست بہاولپور کے اس وقت کے وزیراعلیٰ مخدوم زادہ حسن محمود کے بقول "اپوزیشن کے 3 امیدواروں نے اپنے کاغذات واپس لے لئے' 19 اپنے انتخاب سے رضاکارانہ دست بردار ہو گئے۔ ایک کو کامیاب قرار دیا گیا۔ دو آزاد امیدواروں کو کامیاب قرار دیا گیا۔ جب کہ 37 آزاد امیدوار خود انتخاب سے دست بردار ہو گئے تھے......"

مخدوم زادہ کی طرف سے حقیقت چھپانے کی اس کوشش کے باوجود سچ یہ ہے۔ کہ امیر بہاولپور کو الیکشن کی دھاندلی کی وجہ سے انتخابات کو کالعدم قرار دے کر نیا انتخاب کروانا پڑا۔

دوبارہ انتخاب جو اگست 1952ء میں ہوئے۔ اس میں بھی مسلم لیگ کے 6 امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ ان انتخابات میں مرکزی حکومت کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ مشتاق احمد گورمانی نے مسلم لیگ کے مخالفین کو پاکستان کے مخالفین قرار دیا۔ اس انتخاب میں مخالفین کو 14 سیٹیں ملیں۔ جن میں سے زیادہ وہ نشستیں تھیں جن پر قبل ازیں مسلم لیگی امیدوار بلا مقابلہ کامیاب قرار دیئے گئے تھے۔

(3) سرحد میں انتخابات (1951ء)

جون 1951ء میں سرحد اسمبلی کو توڑ کر صوبہ سرحد کے پہلے عام انتخابات کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ اسمبلی توڑے جانے کے بعد قیوم خان نگران وزیراعلیٰ کے طور پر بدستور سرحد حکومت کے سربراہ رہے۔ حالانکہ عبدالقیوم خان کی صوبہ میں مقبولیت کا گراف یہ تھا کہ صوبہ سرحد سے دستور ساز اسمبلی کا رکن منتخب نہ ہونے کے باعث انہیں بنگال کے کوٹے سے رکن بنایا گیا تھا۔ قیوم خان خدائی خدمتگاروں کا توڑ کرنے کے اپنے سیاسی حلیفوں ______ یوسف خٹک' پیر آف مانکی شریف اور غلام محمد لوند خوڑ وغیرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ان رہنماؤں کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے تھے۔ غلام محمد لوند خوڑ کو صوبہ بدر کر دیا گیا۔ پیر زکوڑی شریف کو تین سال کے لئے جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ پابندی کے باوجود انہوں نے کوہاٹ میں جلسہ عام منعقد کیا ہے۔ قیوم خان مسلم لیگ میں اپنے ممکنہ حریفوں کو چن چن کر باہر نکال

رہے تھے۔ فارغ بخاری اپنی کتاب "باچا خان" میں رقمطراز ہیں کہ نکالے جانے والوں میں فدا محمد خان' اللہ بخش یوسفی' اقبال شاہ' سلطان محمد خان' ڈاکٹر عبدالرحیم' ارباب محمد آصف' ابراہیم خان جھگڑا' میر آفتاب اور دمساز خان جیسے لوگ شامل تھے۔ رحیم بخش غزنوی پر ایک من گھڑت مقدمہ کھڑا کیا گیا۔ ان کے اخبار روز نامہ "سرحد" کو بند کر کے دفتر کے تمام سامان کو ضبط کر لیا گیا۔

قیوم خان کے سب سے بڑے حریف یوسف خٹک اور ابراہیم جھگڑا تھے۔ جھگڑا پاکستان مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ کے رکن اور ایک اہم لیگی رہنما تھے۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات سے قبل جب سرحد مسلم لیگ کے عہدیداروں کے انتخاب کا مرحلہ درپیش ہوا تو صوبائی صدارت کے لئے ابراہیم جھگڑا نے قیوم خان کے مقابل انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ وزیراعظم لیاقت علی پشاور پہنچے۔ تاکہ ابراہیم جھگڑا کو صدارتی امیدوار کے مقابلے سے دست بردار کرا سکیں۔ لیکن جھگڑا نے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وزیراعظم نے مکمل طور پر قیوم خان کی حمایت کی اور ان کی کامیابی کے لئے اپنے سارے وسائل استعمال کئے۔ یوں قیوم خان نے سرحد مسلم لیگ کی صدارت جیت لی۔ اب عام انتخاب کا مرحلہ تھا۔ قیوم خان نے' ابراہیم جھگڑا' یوسف خٹک اور ان کے حامیوں کی انتخابی ٹکٹوں کی درخواستیں اس بنیاد پر مسترد کروا دیں۔ کہ یہ انتخابات میں جیتنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جھگڑا اور خٹک گروپ نے اس فیصلے کے خلاف مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ سے رجوع کیا۔ اور اپنے چھ حامیوں سمیت انتخابی ٹکٹ حاصل کر لئے۔ قیوم خان نے مرکزی بورڈ کی طرف سے اس اقدام کے بعد ان چھ نشستوں پر جھگڑا گروپ کے نامزد امیدواروں کے خلاف اپنے آزاد امیدوار کھڑے کر دیئے۔

16 اکتوبر 1951ء ---- کو لیاقت علی خان راولپنڈی میں قتل کر دیئے گئے ---- بہرحال انتخابات کا پروگرام ملتوی نہ کیا گیا۔

سرحد اسمبلی کی کل 85 نشستوں پر انتخابات ہونے تھے۔ مسلم لیگ کے امیدواروں کی تعداد 78 اور جناح عوامی مسلم لیگ کے امیدواروں کی 47۔ کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کے دوران جناح عوامی مسلم لیگ کے 21 امیدواروں کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے گئے۔ اس طرح مسلم لیگ کے متعدد امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے۔ خان قیوم خان دھاندلی کر کے کامیاب ہو پائے۔ کیونکہ ان کے مخالف امیدوار کے کاغذات نامزدگی صرف تکنیکی بنیاد پر مسترد کر دیئے گئے تھے ---- جبکہ یوسف خٹک کے بقول ان کے مخالف امیدواروں کو اغوا کر لیا گیا تھا۔

انتخابات کے دوران سرحد کی انتظامیہ کو قیوم خان کی حمایت میں استعمال کیا گیا۔ سہروردی' پیر آف مانکی شریف' پیر ذوکری شریف' اور غلام محمد لوند خوڑ کی انتخابی مہم میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ پیر صاحب مانکی شریف کے جنوبی ضلعوں میں داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ متعدد مسلم لیگی رہنماؤں کو حراست میں لے لیا گیا۔ انتخابات کے بعد خود خان قیوم نے اس بات کو تسلیم کیا تھا۔ کہ انتخابی مہم کے دوران انہوں نے تقریباً ساٹھ سیاسی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اگرچہ ان کے دعوے کے مطابق ان سب کا تعلق خدائی خدمت گاروں سے تھا۔

انتخابات میں ووٹروں کو ڈرانے دھمکانے کے علاوہ مخالفین کے بکس توڑ کر ووٹوں کی پرچیاں مسلم لیگی امیدواروں کے بکسوں میں ڈالی گئیں۔ ووٹروں کو اغوا کیا گیا ---- ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ انہیں خریدنے کی کوشش کی گئی۔ غرض ہر ممکن طریقے سے مخالفین کو شکست سے دوچار کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

مسلم لیگ نے 85 میں سے 68 سیٹوں پر کامیابی حاصل کی۔ جناح عوامی مسلم لیگ صرف چار نشستیں جیت سکی۔ وہ تمام آزاد امیدوار بھی کامیاب ہو گئے جنہیں قیوم خان نے مرکز کے نامزد کردہ مسلم لیگی امیدواروں کے مقابل کھڑا کیا تھا۔

(4) سندھ میں انتخاب (1953ء)

قیام پاکستان کے بعد پنجاب اور سرحد کی طرح سندھ بھی وزارتی جھگڑے کی زد میں رہا تھا۔ صرف پہلے ڈیڑھ سال میں تین وزرائے اعلیٰ ---- محمد ایوب کھوڑو' پیرالٰہی بخش اور یوسف ہارون آئے اور گئے۔ ان کے بعد قاضی فضل اللہ اور بعدازاں ایوب کھوڑو نے ایک بار پھر وزارت عظمیٰ سنبھالی تاآنکہ 29 دسمبر 1951ء کو سندھ میں گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔ اس طرح سندھ میں انتخابات ملتوی ہوتے ہوتے 1953ء تک جا پہنچے۔

اس اثنا میں مسلم لیگ کے ساتھ ساتھ پیرالٰہی بخش کی سندھ مسلم لیگ اور جی ایم سید کی "سندھ عوامی محاذ" جیسی سیاسی جماعتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ پہلی جماعت کردار کے اعتبار سے مسلم لیگ کی ہی بدلی ہوئی شکل تھی جبکہ سندھ عوامی محاذ کے نعرے قوم پرستی اور جمہوری اصلاحات کی ملی جلی شکل تھے ---- دونوں جماعتوں کے مطالبات میں فوری انتخابات کا انعقاد شامل تھا۔

1953ء میں انتخابات کا اعلان ہوا۔ تو سندھ لیگ اور سندھ عوامی محاذ' دونوں کے سامنے مسلم لیگ کو شکست دینے کا مشترکہ مقصد تھا۔ چنانچہ دسمبر 1952ء میں سندھ لیگ' سندھ عوامی محاذ' سندھ ہاری کمیٹی' سندھ لیبر پارٹی اور ڈی ایس ایف وغیرہ پر مشتمل ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا گیا ---- جنوری 53ء میں میونسپل انتخابات سے قبل مختلف سیاسی قوتوں کی طاقت کا امتحان تھے ---- ان میں مسلم لیگ کے مقابل متحدہ محاذ کے امیدوار اور آزاد زیادہ تعداد میں کامیاب ہوئے۔

اب پارلیمانی انتخابات کا مرحلہ درپیش تھا۔ انتخابات سے عین قبل قوم پرست جمہوریت پسندوں پر مشتمل متحدہ محاذ کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں ڈرا دھمکا کر انتخاب سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا گیا۔ ہاریوں کو دھمکیاں دی گئیں کہ اگر انہوں نے متحدہ محاذ کے امیدواروں کو ووٹ دیئے تو انہیں زمینوں سے بے دخل کر دیا جائے گا۔

بالآخر مئی 1953ء میں دو مرحلوں میں پولنگ شروع ہوئی۔۔۔۔۔

پہلے مرحلے میں بالائی سندھ میں 4 مئی کو اور دوسرے مرحلے میں وسطی سندھ میں 10 اور 11 مئی کو ووٹ ڈالے گئے۔ ووٹنگ کے دونوں مرحلوں کے دوران وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں۔ ووٹنگ کے دوران حیدر آباد میں 250 کے قریب جعلی ووٹروں کو گرفتار کیا گیا۔ پولنگ سٹیشنوں کے قریب ہاتھا پائی کے کئے واقعات ہوئے۔ 16 مئی کو "پاکستان ٹائمز" نے اطلاع دی کہ آزادانہ اور منصفانہ اظہار رائے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

پہلے مرحلے کے نتائج کے مطابق مسلم لیگ بھاری اکثریت سے جیتی۔ اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

	کل نشستیں	مسلم لیگ	سندھ مسلم لیگ
سکھر:	18	15	1
دادو:	9	3	1
جیکب آباد:	7	6	-
لاڑکانہ:	11	10	1

پاکستان ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق جی ایم سید کا عوامی محاذ صرف دادو کے حلقے میں کامیابی حاصل کر سکا۔ جہاں سے پیرالٰہی بخش، جی ایم سید، محمد شاہ اور اے خان منتخب ہوئے سیہون کے انتخابی حلقے میں جی ایم سید کے مقابل کوئی امیدوار نہ تھا۔ بالائی سندھ میں ووٹنگ کے نتائج نے وسطی سندھ کے حلقوں میں سیاسی جذبات کو مزید بھڑکایا۔ سندھ عوام محاذ کے 25 امیدواروں میں سے صرف تین کامیابی حاصل کر سکے۔ اور یوں عوامی محاذ کو 110 کے ایوان میں کل سات نشستیں ملیں۔ سندھ عوامی محاذ اور سندھ ہاری کمیٹی کے مشترکہ امیدواروں میں عبدالمجید سندھی، قادر بخش قاضی، ولی محمد لغاری اور اللہ بچائیو جوروار کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ پاکستان مسلم لیگ کے امیدوار بھاری تعداد میں جیت کر سندھ کی قانون ساز اسمبلی میں پہنچ گئے۔

ان انتخابات میں بھی دھاندلیوں کی کافی شکایات ہوئیں۔ پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والی اطلاعات کے مطابق کم از کم 13 مسلم لیگی ارکان جعل سازی اور دھاندلیوں کے باعث کامیاب ہو سکے۔ سندھ ہریجن پنچائیت اور آل پاکستان ہندو فیڈریشن کے لیڈروں نے بھی متعدد انتخابی دھاندلیوں اور بے قاعدگیوں کے خلاف احتجاج کیا۔ انہوں نے نشاندھی کی کہ کم از کم دس حلقوں میں رشوت اور پولنگ میں مداخلت کے ذریعے انتظامیہ اور حکومت کے حمایت یافتہ امیدوار کامیاب ہوئے۔

کراچی میونسپل کارپوریشن کے انتخابات میں بھی جہاں مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ اس سے بھی زیادہ دھاندلیاں ہوئیں۔ ووٹنگ کے اختتام کے بعد صرف پہلے ہفتے میں 24 شکائتیں درج کروائی گئیں۔ جن میں 5 کو درست تسلیم کرتے ہوئے دوبارہ انتخابات کرانے کا حکم دیا گیا۔۔۔۔۔۔

(5) مشرقی پاکستان میں انتخابات (1954ء)

قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان مین مسلم لیگ کی حکومت تھی۔ لیکن جلد ہی مسلم لیگ عوامی حمایت سے محروم ہو گئی۔ 1950ء میں ڈسٹرکٹ کونسل کے انتخابات میں مسلم لیگ 50 فی صد نشستوں سے محروم ہو گئی۔ مشرقی پاکستان اسمبلی میں تیس سے زائد ارکان اسمبلی کی خالی نشستیں ضمنی انتخابات کی منتظر تھیں لیکن انتخاب کو مسلسل ملتوی کیا جا رہا تھا۔ 1946ء کے انتخاب کی معیاد 1951ء میں پوری ہو گئی تھی۔ اور صوبہ سرحد، پنجاب میں 1951ء جبکہ سندھ میں 1953ء میں انتخابات ہو چکے تھے۔ لیکن مشرقی پاکستان میں یہ مرحلہ 1954ء میں آیا۔ حزب مخالف جو تیزی سے ایک بڑی سیاسی قوت بن چکی تھی۔ حکومت کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھی۔

جب انتخابات کا اعلان ہوا تو مسلم لیگ کی مخالف کئی سیاسی جماعتوں نے ایک متحدہ محاذ بنا کر انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس محاذ کے قیام میں جو جگتو فرنٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ سہروردی کی عوامی لیگ، فضل الحق کی کرشک سرامک پارٹی، محمود علی کی گن تنتری دل، اور نظام اسلام پارٹی نے کلیدی کردار ادا کیا۔ محاذ کے اکیس نکاتی پروگرام میں، مکمل صوبائی خود مختاری، عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی، انتقامی نظربندی کے قوانین کا خاتمہ، سیاسی قیدیوں اور طلباء کی رہائی، بنیادی حقوق کے تحفظ، بحری فوج کے ہیڈ کوارٹرز کی کراچی سے مشرقی پاکستان منتقلی، مشرقی پاکستان میں اسلحہ فیکٹری کے قیام، بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دینے، پرائمری تک مادری زبان میں لازمی اور مفت تعلیم دینے، صوبہ کی صنعتی ترقی کے لئے جامع منصوبہ بندی اور بنیادی نوعیت کے کئی دوسرے مطالبات شامل تھے۔

انتخابات 16 فروری 1954ء کو ہونے والے تھے۔ جب انہیں اچانک ملتوی کر کے 10 مارچ کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ انتخابات سے چند روز قبل جگتو فرنٹ کے 12 سو سرگرم سیاسی کارکنوں کو پکڑ کر بند کر دیا گیا۔ مرکزی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا تاکہ یہ اراکین مسلم لیگ کے حق میں رائے عامہ ہموار کر سکیں۔

لیکن جب انتخابات ہوئے۔ تو نتائج حکومت کے لئے دھچکہ

تھے۔ وزیراعلیٰ نورالامین اور ان کی کابینہ کا ایک بھی رکن صوبائی اسمبلی کے لئے منتخب نہ ہو سکا۔

وزیراعلیٰ کو ایک طالب علم عبدالخالق نے ہزاروں ووٹوں سے شکست دی اور مسلم لیگ 309 نشستوں میں سے 9 پر کامیابی حاصل کر سکی۔ جو کہ پارلیمانی پارٹی کی اہلیت سے بھی ایک نشست کم تھی۔

(6) مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات (1956ء)

14 اکتوبر 1955ء کو مغربی پاکستان کا نیا صوبہ وجود میں آیا۔ جس میں ون یونٹ سکیم کے تحت مغربی حصے کے چاروں صوبوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا۔ 20 دسمبر 1955ء کو وزیراعظم چودھری محمد علی نے اعلان کیا کہ مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات 19 جنوری 1956ء کو ہوں گے۔ پولنگ صوبے بھر کے ضلعی مراکز میں ہو گی۔ ویسٹ پاکستان ایکٹ 1955ء کے تحت پنجاب، سندھ، سرحد، خیرپور اور بہاولپور کے سابق اراکین اسمبلی کو انتخابی کالج قرار دیا گیا۔

ریاست بہاولپور کی اسمبلی کو 1954ء میں ہی توڑ دیا گیا تھا۔ لیکن مغربی پاکستان اسمبلی کے بالواسطہ انتخابات کے لئے ریاستی اسمبلی کے سابق اراکین کو بھی ووٹ دینے کے لئے کہا گیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب جنہیں 1948ء میں پاکستان دشمن قرار دیا گیا تھا۔ مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات کے بعد انہیں صوبہ کا وزیراعلیٰ بنا دیا گیا۔ حالانکہ وہ مسلم لیگی بھی نہ تھے۔ جبکہ منتخب ہونے والی اسمبلی میں مسلم لیگ کی اکثریت تھی۔ مسلم لیگ کی اس اکثریت کا توڑ کرنے کے لئے ڈاکٹر خان صاحب نے ری پبلیکن پارٹی قائم کر لی۔ جس میں اسمبلی کے لیگی ارکان کی بڑی تعداد شامل ہو گئی۔ جب اسمبلی میں اعتماد کا ووٹ لینے کے لئے ووٹنگ ہوئی تو مسلم لیگ اور ری پبلیکن کے اراکین برابر برابر تھے۔ لیکن سپیکر نے اپنا ووٹ ری پبلیکن کے حق میں کاسٹ کر دیا۔

مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں

پہلی دستور ساز اسمبلی

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں بیٹھنے والے کون تھے۔ انہیں کن خطوں کے عوام نے منتخب کیا تھا۔ اور کب کیا تھا؟ "قیام پاکستان کے وقت جو حضرات 1946ء کے عام انتخابات کی بدولت ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ وہی پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے بھی رکن قرار پائے۔ اسی طرح صوبائی اسمبلیوں کے لئے منتخب شدہ ارکان پاکستانی صوبوں کی نئی اسمبلیوں کے رکن بن گئے" اسمبلی صرف 9 سیاسی جماعتوں مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندوں پر مشتمل تھی۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ تھی۔ اور کانگریس کو ہندوؤں کی نمائندہ تنظیم خیال کیا جاتا تھا۔ خان عبدالغفار خان مولوی ابوالقاسم، فضل الحق مسلم لیگ میں شامل نہ تھے۔ ابتداء میں مسلم لیگ کے کل 49 ارکان تھے۔ 1950ء میں میاں افتخار الدین اور مسلم لیگ سے خارج ہونے والے دوسرے ارکان نے آزاد پاکستان پارٹی بنائی۔

پہلے روز کی مزید تفصیلات کے مطابق پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے اراکین کی تعداد 69 تھی۔ لیکن اجلاس میں صرف 50 ارکان شریک ہوئے۔ بنگال کے ممبروں کی اکثریت اجلاس میں شرکت نہ کر سکی۔ دو خاتون اراکین بیگم شاہنواز اور شائستہ اکرام اللہ میں سے صرف بیگم شاہنواز نے اجلاس میں شرکت کی تھی۔

اسمبلی میں مسلم لیگ کے کل 62 اراکین تھے۔ پاکستان نیشنل کانگریس کے دس، آزاد پاکستان پارٹی کے 3 جبکہ ایک آزاد رکن تھا۔

اسمبلی نے اگلے دن قائداعظم کو متفقہ طور پر پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا صدر چن لیا۔ قائداعظم تمام اختیارات کا مرکز تھے۔ 1949ء تک آئین سازی یا قانون سازی کے سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر کام نہ ہوا۔ اس اثناء میں اسمبلی کے اراکین کی تعداد 69 سے بڑھ کر 79 ہو چکی تھی۔ جس میں بنگال کے 44، پنجاب کے 22، سندھ کے 5، سرحد کے 3، گورنر جنرل کا صوبے بلوچستان کا ایک، بلوچستانی ریاستوں کا ایک، سرحد کی ریاستوں کا ایک، ریاست بہاولپور کا ایک اور ریاست خیرپور کا ایک نمائندہ شامل تھا۔ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے مارچ 1949ء میں قرار داد مقاصد مرتب کر لی۔

اسی سال صوبوں میں نافذ امتناعی نظربندی کے قوانین کو مرکز میں بھی لاگو کر دیا گیا۔ پاکستان پبلک سیفٹی آرڈیننس کی اسمبلی میں شدید مخالفت ہوئی۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والے اراکین اسمبلی نے موقف اختیار کیا کہ عوام صوبوں سے ان قوانین کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ کیونکہ ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ آزادی کے بعد یہ قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے لیکن اس کی بجائے جبر کے دائرے کو صوبائی سطح سے مرکز تک پھیلا دیا گیا۔ بیگم جہاں آراء شاہنواز، ملک فیروز خان نون، نواب افتخار حسین ممدوٹ، ڈاکٹر عمر حیات ملک، میاں ممتاز دولتانہ، میاں افتخار الدین، سردار شوکت حیات اور شیخ کرامت علی جیسے پنجابی رہنماؤں نے پبلک سیفٹی آرڈیننس کے خلاف قرار داد پر دستخط کئے۔ لیکن جب بل ایوان میں منظوری کے لئے پیش ہوا۔ میاں افتخار الدین کے علاوہ کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ انہیں اور سردار شوکت حیات کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ حکومت کے ان طریقوں نے مسلم لیگ حکومت کے جائز ہونے کے تاثر میں کمی کی۔ اور آہستہ آہستہ عوام کی آواز بھی اسمبلی میں

پہنچنے لگی- پاکستان میں اپوزیشن کی بنیاد 1949ء کے اواخر یا 1950ء کے شروع سہروردی نے رکھی- لیاقت علی خان نے انہیں اسمبلی کی رکنیت سے محروم کر دیا- ان کا خیال تھا کہ پاکستان کو ابھی اپوزیشن کی ضرورت نہیں-

اسمبلی نے سوائے قرار داد مقاصد پاس کرنے کے آئین سازی کا کوئی کام ابھی نہیں کیا تھا- البتہ اس کے ساتھ ہی بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم کر دی گئی- جسے آئین کی بنیاد بننے والے اصولوں کے بارے میں رپورٹ تیار کرنا تھی- حکمرانوں کی طرف سے صوبوں کے قومی تشخص سے مسلسل انکار کے باعث آئین سازی کا کام مشکل بھی تھا اور پیچیدہ بھی- بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے تین سب کمیٹیاں تشکیل دیں-

لیاقت علی خان کے قتل کے بعد بھی آئین سازی کا عمل ست رہا- مرکزی' آئین ساز اسمبلی' مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے مقابلے میں اسی طرح کمتر درجے کی حامل رہی' جس طرح وہ مرحوم لیاقت علی کے دور میں بنا دی گئی تھی- لیاقت علی خان بھی آئین سازی طرف سے انتہائی غفلت برتی- "یہ بات فی الواقع حیرت انگیز اور ناقابل فہم ہے کہ وہ (لیاقت علی) کم و بیش سوا چار سال تک ملک کے وزیراعظم رہے- لیکن آئین کی بنیاد رکھنے میں ناکام رہے- یوں لگتا ہے کہ جیسے آئین سازی میں ان کی کوشش نیم دلانہ تھی اور جب بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ کو ناکافی قرار دیا گیا تو انہوں نے مزید کوئی کوشش ہی ضروری نہ سمجھی ....."(31)

بہرحال یہ کام دسمبر 1952ء میں خواجہ ناظم الدین کے زمانے میں مکمل ہوا- اب جو رپورٹ پیش ہوئی- اس میں تجویز کیا گیا تھا کہ صدر مملکت مسلمان ہو گا- اس کا انتخاب مرکزی مقننہ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں کیا جائے گا لیکن وہ مقننہ کا رکن نہیں ہو گا- اس کے عہدے کی معیاد پانچ سال ہو گی- اور اس معیاد کی اندر کسی بھی عدالت میں اس کے خلاف کوئی چارہ جوئی نہیں کی جا سکے گی- مرکزی مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی- ایک اکائیوں کا ایوان اور دوسرا عوام کا ایوان- اول الذکر 120 ارکان مشتمل ہو گا اور انہیں ملک کے ہر دو حصوں سے مساوی تعداد میں منتخب کیا جائے گا- موخرالذکر ایوان کے ارکان کی تعداد 400 ہو گی اور انہیں بھی ملک کے ہر دو حصوں سے مساوی تعداد میں منتخب کیا جائے گا- ہر دو ایوانوں کی معیاد پانچ سال ہو گی- اس رپورٹ کے مطابق دارالعوام ہی اصل اختیارات کا سرچشمہ تھا- مالیاتی بل صرف ایوان زیریں میں پیش کیے جانے تھے اور وزارت بھی ایوان زیریں کے سامنے جوابدہ ہونی تھی- دونوں ایوانوں میں اختلاف کی صورت میں دونوں کا مشترکہ اجلاس بلایا جائے گا- جس میں فیصلے اکثریت سے ہوں گے- آئین میں ترمیم مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کی منظوری سے کی جائے گی .... انتخابات عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے- (32)

22 دسمبر 1952ء کو اس رپورٹ کے سامنے آتے ہی طوفان برپا ہو گیا- مشرقی بنگال نے اسے ایک بار پھر رد کر دیا-

ناظم الدین کی برطرفی کے بعد نئے وزیراعظم بوگرہ کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ اسے برطرفی سے بچنے کے لئے غیر معمولی اقدامات کرنے ہوں گے- انہوں نے گورنر جنرل کے اختیار کو کم کرنے کی درپردہ کوششیں شروع کر دیں- اس خیال کی تائید کے لئے انہیں مرکزی آئین ساز اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیزالدین سمیت کچھ لوگوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی- لیکن ملک میں یہ احساس بھی عام ہو گیا تھا کہ مرکزی اسمبلی عوام کی نمائندہ نہیں رہی- دراصل اس اسمبلی نے ابھی تک نہ تو آئین تیار کیا تھا اور نہ ہی عوام کے حق میں کوئی قابل ذکر قانون سازی کی تھی-

مشرقی پاکستان کے انتخابات نے صورت حال کو بالکل بدل دیا- جگتو فرنٹ کی حکومت بن گئی تھی- اور اس نے مطالبہ کر دیا کہ مرکزی آئین ساز اسمبلی کم از کم مشرقی بنگال کی حد تک اپنی نمائندہ حیثیت کھو چکی ہے- لہٰذا اسے توڑ کر انتخابات کرائے جائیں اور نئی اسمبلی وجود میں لائی جائے-

دوسری طرف وزیراعظم اور ان کے ساتھیوں فضل الرحمٰن' ہاشم گزدر اور عبدالستار پیرزادہ میں مشورے بڑھنے لگے کہ اگر انہوں نے احتیاط نہ کی تو ان کا حشر بھی ناظم الدین جیسا ہو گا- اس سے بچنے کا ہی طریقہ تھا کہ موجودہ آئین میں ترمیم کر کے گورنر جنرل کے اختیارات کو کم کر دیا جائے-

ستمبر 1954ء کے وسط تک آئین ساز اسمبلی میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پر بحث مکمل ہو گئی اور وزیراعظم بوگرہ نے یہ اعلان کیا کہ اب اسمبلی کے فیصلوں کی روشنی میں نئے آئین کا مسودہ بہت جلد تیار کر لیا جائے گا اور امید ظاہر کی کہ نیا آئین 25 دسمبر تک اسمبلی کی منظوری کے تمام مرحلے طے کر لے گا لیکن اسی اثناء میں آئین ساز اسمبلی میں مسٹر فضل الرحمٰن گورنر جنرل غلام محمد کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر چکے تھے- ان کے ساتھ اور بھی بہت سے ممبران تھے- ان افراد نے سب سے پہلے گورنر جنرل کے پروڈا (P.R.O.D.A) کا قانون استعمال کرنے کا حق ختم کیا- جو سیاستدانوں کو نااہل قرار دینے کے لئے لیاقت علی خان نے 1949ء میں نافذ کیا تھا- ہاشم گزدر نے اسے ختم کرنے کے لئے 1951ء سے آئین ساز اسمبلی میں ایک بل پیش کر رکھا تھا- 1954ء تک یہ بل ایجنڈے پر رہا- 18 ستمبر 1954ء کو مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے پروڈا کو ختم کرنے کے بل کی منظوری دے دی- اور 20 ستمبر کو قانون ساز اسمبلی نے بل پاس کر کے گورنر جنرل اور صوبائی

گورنروں کے ان اختیارات کو ختم کر دیا۔ جن کے ذریعے وہ سیاستدانوں کو نااہل قرار دے سکتے تھے۔

اس بل کے محرکین نے جلد بعد ہی ایک اور بل پیش کیا۔ جس کا مقصد موجودہ آئین میں تین ترامیم شامل کرنا تھا۔

(1) گورنر جنرل ہر صورت میں کابینہ کے مشورے مطابق عمل کرنے کا پابند ہو گا۔

(2) آئندہ کوئی ایسا شخص وزیراعظم یا وزیراعظم پر مقرر نہ کیا جا سکے گا۔ جو پہلے ہی دستور ساز اسمبلی کا ممبر نہ ہو۔

(3) کابینہ کی ذمہ داری مشترکہ ہو گی۔ یعنی کسی ایک وزیر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پوری کابینہ کے خلاف عدم اعتماد کے مترادف ہو گا۔

اس بل نے اٹھارہ گھنٹوں میں قانون سازی کے تمام مرحلے طے کر لیے۔ اور بہت سے ممبروں کو یہ پتہ بھی نہ چلا کہ آئین میں کیا تبدیلی ہو گئی ہے۔ اور اس کی اہمیت کیا ہے۔

اس بل پر کارروائی جس برق رفتاری سے کی گئی۔ وہ ذیل کے اوقات نامہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

20 ستمبر 4 بجے سہ پہر مسٹر ہاشم گزدر نے اپنے ترمیمی بل کا نوٹس دستوریہ کے دفتر میں دیا۔

20 ستمبر 6 بجے شام' دستوریہ کی رہبر کمیٹی کا (جو دستور کا ایجنڈا مرتب کرتی ہے) اجلاس ہوا۔ جس میں اگلے دن کے ایجنڈے کو تبدیل کر کے گزدر صاحب کے بل کو اس میں سرفہرست رکھ دیا گیا۔

20 ستمبر 9 بجے شب' غیر معمولی گزٹ کی کاپیاں جس میں بل درج تھا۔ پریس سے طبع کروائی گئیں۔ اور فوراً مطبوعہ کاپیاں چپڑاسیوں کے ہاتھ ممبروں کے رہائشی پتوں پر بھیج دی گئیں۔ یا ان کے لیٹر بکسوں میں ڈال دی گئیں۔

21 ستمبر 9 بجے صبح دستوریہ کا اجلاس شروع ہوا۔ گزدر صاحب نے چند فقروں کے ساتھ اپنا بل پہلی خواندگی کے لئے پیش کیا۔ پہلی خواندگی پاس ہو گئی۔ تو اس کی تین یا چار دفعات برائے منظوری پیش ہوئیں۔ اور اس کے بعد بل کی تیسری خواندگی کی تحریک پیش کی گئی۔ یہ تمام تحریکیں رائے شماری کے بغیر زبانی ووٹ سے پاس ہو گئیں۔ 21 ستمبر' ساڑھے 9 بجے صبح کو پاس شدہ بل پر دستوریہ کے صدر مولوی تمیزالدین خاں کے دستخط ہو گئے۔ اور منظور شدہ بل گزٹ میں چھپنے کے لئے پریس کو بھیج دیا گیا۔

دستوریہ کے صدر کی خاص اجازت کے بغیر کوئی بل کم از کم تین دن کے نوٹس کے بغیر زیر بحث نہ آ سکتا تھا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ غیر معمولی عجلت کی یہ کارروائی صدر کے علم اور ان کی اجازت سے ہوئی۔ صدر چونکہ اسمبلی کے محافظ تھے۔ اور اسمبلی اور گورنر جنرل کے درمیان رسہ کشی کی صورت میں ان کے لئے صحیح راستہ یہی تھا کہ وہ اسمبلی کی حفاظت کریں۔

اس قانون کے پاسے کے اگلے دن محمد علی بوگرہ امریکہ کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ گورنر جنرل نے اسمبلی سے اس طرح اپنے اختیارات ختم ہونے کے بعد پروڈا کے سزا یافتہ سیاستدانوں کی نااہلی کی سزائیں معاف کر کے انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ "29 ستمبر کو ایوب کھوڑو نے پروڈا کے اپنے خلاف نااہلی کے فیصلے کے خاتمے کے لئے درخواست دی۔ 20 اکتوبر کو کھوڑو کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے گورنر جنرل نے نااہلی کے کئی اور احکامات بھی منسوخ کر دیئے۔ ان میں قاضی فضل اللہ' حمیدالحق چودھری اور غلام نبی پٹھان شامل ہیں۔ دولتانہ کے خلاف پروڈا کا مقدمہ واپس لے لیا گیا"۔

محمد علی بوگرہ کو امریکہ سے واپس بلایا گیا۔ اور 24 اکتوبر کو گورنر جنرل نے ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔ آئین ساز اسمبلی توڑ دی گئی۔ کابینہ کو برطرف کر دیا گیا۔ گورنر جنرل نے اپنے اعلان میں کہا کہ آئینی مشینری ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ اور اسمبلی نے عوام کا اعتماد کھو دیا تھا۔ جلد سے جلد نئے انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ اس وقت تک کے لئے وزیراعظم بوگرہ کو ملک میں ایک مضبوط اور مستحکم وزارت کی از سرنو تشکیل کے لئے کہا گیا۔ نئی کابینہ میں تین اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ جنرل سکندر مرزا کو وزیر داخلہ بنا دیا گیا۔ پرانے کانگریسی ڈاکٹر خان صاحب کو بھی کابینہ میں شامل کیا گیا۔ مسلح افواج کے کمانڈر انچیف محمد ایوب خان کو وزیر دفاع بنا دیا گیا۔

برطرف شدہ اسمبلی کے صدر مولوی تمیزالدین نے گورنر جنرل کے اس فیصلے کے خلاف عدالت میں رٹ دائر کر دی۔ سندھ چیف کورٹ کے فل بنچ نے اپنے متفقہ فیصلے میں آئین ساز اسمبلی کو توڑنے کی گورنر جنرل کی کارروائی کو غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دے دیا۔ اور نئی کابینہ میں اسمبلی کے غیر ممبر وزراء کو کام کرنے سے روک دیا۔ مولوی تمیزالدین کو آئین ساز اسمبلی کے صدر کے طور پر بحال کر دیا۔ اور اس حیثیت میں ان کے فرائض میں رکاوٹ ڈالنے کی مخالفت کر دی۔

حکومت پاکستان نے سندھ کورٹ کے فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل کر دی۔ جس نے نئی آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کی شرط کے تحت گورنر جنرل کے اقدام کو جائز قرار دے دیا۔

دوسری دستور ساز اسمبلی

عدالتی فیصلے کے مطابق گورنر جنرل غلام محمد کو دوسری آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخابات کروانے پڑے۔ لیکن یہ انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نہیں ہوئے۔ جن کے انعقاد کا عدالت نے حکم دیا تھا۔ بلکہ نئی

آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخابی ادارہ صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں پر مشتمل تھا۔ ہر صوبائی اسمبلی کو اپنے اپنے کوٹے کے مطابق آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

پنجاب اور بنگال دونوں کی اسمبلیوں میں دو دو دھڑے تھے۔ مشرقی بنگال اسمبلی میں متحدہ محاذ کے دونوں دھڑے ---- عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی ---- اس بات پر متفق ہو گئے۔ کہ مشرقی بنگال کی طرف سے کسی ایسے امیدوار کی حمایت نہ کی جائے۔ جو اس صوبے کا باشندہ نہ ہو۔ پنجاب اسمبلی کے دو دھڑوں میں ایک وزیراعلیٰ فیروز خان کے ساتھ تھا۔ اور دوسرا دولتانہ کے ساتھ تھا۔ نون اپنا سارا زور اپنے دھڑے کے آدمیوں کو آئین ساز اسمبلی میں بھیجنے کے لئے لگا رہے تھے۔ اور دولتانہ اپنے دھڑے کے لئے کوشاں تھے۔ ووٹنگ کے مروجہ قواعد کی رو سے ہر دھڑا اپنی عددی قوت کے بل قوت پر نمائندگی حاصل کر سکتا تھا۔ اسی دوران گورنر پنجاب مشتاق احمد گورمانی نے فیروز خان نون کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زونل فیڈریشن کی تجویز ان کے خاتمے کا سبب بن گئی۔ سندھ اور سرحد میں صورت حال پرسکون رہی۔ حتمی نتائج کے مطابق صورتحال مندرجہ ذیل تھی۔

پارٹی	مغربی پاکستان	مشرقی بنگال	کل تعداد
مسلم لیگ	24	1	25
متحدہ محاذ		16	16
عوامی لیگ		12	12
(بعد میں یہ تعداد ہو گئی)			
مسلم لیگ (آزاد)		1	1
نون گروپ	3		3
کیمونسٹ		1	1
نیشنل کانگریس		4	4
اچھوت		3	3
آزاد	3		3
(یونائیٹڈ پروگریسو پارلیمنٹری پارٹی)		2	2
دوسرے	2		2
کل	32	40	72

مغربی پاکستان سے باقی آٹھ اراکین (2) ریاست بہاولپور' ایک ریاست خیرپور' ایک بلوچستان ریاستی یونین سے' ایک سرحدی ریاستوں سے اور تین قبائلی علاقوں سے) بعد میں منتخب کئے جانے تھے۔ (1) باب 8)

نئی دستور ساز اسمبلی کے لئے مسلم لیگی ممبروں کی سب سے بڑی کھیپ پنجاب اسمبلی نے ہی مہیا کی۔ مشرقی پاکستان سے منتخب شدہ بیشتر ممبر کرشک سرامک پارٹی اور عوامی لیگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ پارٹی اب بھی ایوان میں سب سے بڑی پارٹی تھی۔ لیکن پہلے کی طرح قطعی اکثریت نہ رکھتی تھی۔ بلکہ وزارت سازی کیلئے کسی دوسری پارٹی کو ساتھ ملانے کی محتاج تھی۔ نئی اسمبلی کا پہلا سیشن مری میں 7 جولائی 1955ء کو شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی پارٹیوں میں آئندہ مخلوط وزارت بنانے کے لئے جوڑ توڑ شروع ہو گئی۔ اسی دوران گورنر جنرل غلام خرابی صحت کی بناء پر مستعفی ہو گئے۔ اور ان کی جگہ سکندر مرزا گورنر جنرل بنے۔ اور چوہدری محمد علی کو وزیراعظم نامزد کر دیا گیا۔

مغربی پاکستان کو ایک صوبہ بنانے کا قانون جو ون یونٹ بل کے نام سے تیار ہو چکا تھا۔ 30 ستمبر کو نئی اسمبلی نے اس کی منظوری دے دی۔ اس کے حق میں 43 اور مخالفت میں 13 ووٹ پڑے۔ چھوٹے صوبوں نے ون یونٹ کی مخالفت کی۔ عبدالغفار خان' عبدالصمد اچکزئی' اور جی ایم سید اس کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ڈاکٹر خاں صاحب کو نئے مغربی صوبے کا وزیراعلیٰ اور مشتاق احمد گورمانی کو گورنر بنا دیا گیا۔

ون یونٹ بل کی منظوری کے بعد آئین کا مرحلہ درپیش ہوا۔ وزیراعظم نے آئین کے مسودے کو اسمبلی کی سب کمیٹی کے سپرد کرنے کی بجائے پہلے برسر اقتدار مخلوط حکومت سے اس کی منظوری لی۔ یہ مرحلہ دسمبر 55ء کے اختتام تک سر ہو گیا۔ 9 جنوری کو اسے آئین ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ اور 29 فروری کو اس کی حتمی منظوری لے لی گئی۔ لیکن آئینی بل کی منظوری کے عمل میں صرف برسر اقتدار مخلوط حکومت (مسلم لیگ اور کرشک سرامک پارٹی) کے ممبر شریک تھے۔ عوامی لیگ' کانگریس پارٹی اور مخالف بنچوں پر بیٹھنے والے گروپ کے بعد دیگرے واک آؤٹ کر گئے تھے۔ مسٹر سہروردی کا موقف تھا کہ برسر اقتدار پارٹی نے کئی اختلافی دفعات اپنی اکثریت کے بل پر حزب مخالف کے نقطہ نگاہ کی پروا کیے بغیر پاس کرا لی ہیں۔ جب بل کی تیسری خواندگی کا موقع آیا۔ تو انہوں نے مطالبہ کیا۔ کہ مزید بحث ملتوی کر کے تمام پارٹیوں کی ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے۔ اور اس کے فیصلوں کے مطابق بل میں ترمیم کی جائے۔ یہ مطالبہ نہ مانا گیا۔ لہٰذا جب پورے بل کو منظور یا نامنظور کرنے کا مرحلہ آیا۔ تو پہلے مسٹر سہروردی اور ان کی پارٹی نے واک آؤٹ کیا۔ اس کے بعد دوسرے مخالف گروپ بھی ایوان سے اٹھ کر چلے۔ 29 فروری کو منظور ہونے والے آئین کی توثیق گورنر جنرل اسکندر مرزا نے 2 مارچ 56ء کو کر دی۔ نئے آئین کے مطابق 5 مارچ 1956ء کو سکندر مرزا کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر چن لیا گیا۔

پہلی قومی اسمبلی

29 فروری 1956ء کو میاں افتخار الدین نے 56ء کے آئین کو

جاگیرداروں اور بیورو کریسی کی سازش قرار دیا۔ انہوں نے پہلے آئین کی تاریخ پر بات کرتے ہوئے اسمبلی میں کہا کہ "آئین سازی میں تاخیر مسلم لیگ کی برسر اقتدار پارٹی کی وجہ سے ہوئی نہ کہ حزب مخالف کی وجہ سے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اتنی تاخیر کے بعد بھی یہی آئین پیش کرنا تھا تو یہ کام پہلے بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ آئین خواجہ ناظم الدین کے مجوزہ دستور سے بہت ملتا جلتا ہے۔ سوائے ایک فرق کے کہ نیا آئین زمیندار طبقے کے حق ملکیت کی پشت پناہی کی گئی ہے۔"

انہوں نے پاکستان کی وفاقی طرز پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ میں تو اس خیال کا حامی ہوں کہ مغربی پاکستان میں لسانی بنیاد پر ایک وفاق یا ذیلی وفاق قائم کر دیا جائے۔ اور مغربی و مشرقی پاکستان کا ایک کنفڈریشن ہے۔ جس کے پاس محدود اختیارات ہوں اور دونوں صوبوں کو مساوی حیثیت حاصل ہو کیونکہ اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کا دوسرا کوئی طریقہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بنگال کو ایوان میں اکثریت نہ دے کر پاکستان کے ایک حصے سے دھوکہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسمبلی میں مساوات کا اصول اس شرط کے ساتھ طے پایا تھا کہ مرکز کے پاس محدود اختیارات ہوں۔ جبکہ اب وفاق کے نام پر وحدانی طرز حکومت اختیار کیا گیا ہے اور بنگال کو چوٹ دی گئی ہے۔ بنگال سے جس قسم کی خود مختاری کا وعدہ کیا گیا تھا وہ خود مختاری نہیں دی جا رہی ہے۔ انہوں نے مسلم لیگی اراکین پر تنقید کی کہ یہی وہ لوگ ہیں جو جنگ آزادی کے دوران شہنشاہت اور سیفٹی ایکٹ کو ہم معنی سمجھتے لیکن جب 1950ء میں سیفٹی ایکٹ منظور کیا گیا تو یہ بھی خاموش رہے۔ انہی لوگوں نے یونٹ کی مخالفت نہ کر کے جمہوریت کو نقصان پہنچایا۔ نہ ہی انہوں نے دستور مکمل کرنے اور براہ راست انتخابات کرانے کی آواز اٹھائی۔ اور جب ان کے اپنے اعتماد یافتہ وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا گیا تو انہوں نے اپنے وزیراعظم کے حق میں آواز تک نہ نکالی۔ ان لوگوں نے دستور ساز اسمبلی توڑنے پر اور آمریت قائم کرنے پر صاحبان اقتدار کو مبارک باد دی اور احتجاج نہیں کیا ہمارے لئے یہ لوگ کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

انہوں نے کہا کہ موجودہ ایوان کے نصف سے زائد ارکان نے پاس ہونے والے دستور کے خلاف رائے دی ہے اور یہ ایک اہم نکتہ ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس ایوان میں بہت سے ایسے اراکین بھی ہیں جو منتخب ہو کر نہیں آئے۔ مثلاً قبائلی علاقے سے تعلق رکھنے والے اراکین' بہاولپور کے ممبر منتخب نہیں ہوئے بلکہ نامزد کئے گئے ہیں اگر اس طرح حساب کریں تو پتہ چل جائے گا کہ مغربی پاکستان کے ایک تہائی ممبر منتخبہ نہیں ہیں۔ اور اس طرح مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے بیس مسلم لیگی اراکین نوکر شاہی سے مل کر قوم کے سر پر دستور تھوپ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہی صحیح ہیں۔

چودہری محمد علی اس سے بڑا اور کون سا گناہ کر سکتے ہیں۔

ستمبر 1956ء میں چوہدری محمد علی کو مستعفی ہونا پڑا۔ اب عوامی لیگ کے حسین شہد سہروردی نے ری پبلیکن پارٹی اور عوامی لیگ کے اشتراک سے اپنی وزارت تشکیل دی۔ سہروردی کے عہد میں طریق انتخاب کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مشرقی پاکستان نے مخلوط اور مغربی پاکستان نے جداگانہ طرز انتخابات کے حق میں رائے دی۔ مرکزی حکومت دونوں صوبوں کی مرضی کے مطابق یعنی مشرقی بنگال میں مخلوط اور مغربی پاکستان میں جداگانہ طریق انتخاب کا بل مرکزی اسمبلی میں پیش کیا۔ جو 19 کے مقابلے میں 48 ووٹوں سے منظور ہو گیا۔

سہروردی جون 1957ء میں امریکہ اور لندن کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ وہ واپس آئے تو ان کے اور ری پبلیکن پارٹی کے درمیان اختلافات ہو گئے جو اسمبلی میں ان کی اتحادی پارٹی تھی۔ صدر سکندر مرزا نے سہروردی اور ری پبلیکن پارٹی کو اکٹھا بٹھایا۔ سہروردی نے کہا کہ اسمبلی میں ووٹنگ کرائی جائے اگر اکثریت ان کے ساتھ نہ ہوئی تو وہ مستعفی ہو جائیں گے لیکن سکندر مرزا نے انہیں یہ موقع نہ دیا۔ مجبوراً سہروردی کو مستعفی ہونا پڑا۔

18 اکتوبر کو چندریگر وزیراعظم بن گئے۔ وہ طریق انتخاب کے مسئلے کا شکار ہو گئے وہ چاہتے تھے کہ اسمبلی میں جداگانہ طریق انتخاب کے حق میں ترمیمی بل پیش کریں۔ جب ری پبلیکن پارٹی نے اس کی مخالفت کی۔ مجبوراً چندریگر بھی مستعفی ہو گئے۔

دسمبر 1957ء میں ملک فیروز خان نون وزیراعظم بن گئے۔ فیروز خان نون کی اتحادی پارٹیوں کی اسمبلی میں قطعی اکثریت بھی نہ تھے۔ چندریگر کے دور میں مشرقی بنگال میں سمگلنگ روکنے کے لئے فوج کو اختیارات دینے کی خاطر ایک آرڈیننس جاری کر گئے تھے۔ فیروز خان نون نے یہ اختیارات فوج سے واپس لینے کی کوشش کی اور آرڈیننس کی خطوط جو بل فوج کو اختیارات دینے کے لئے اسمبلی کے ایجنڈے پر موجود تھا۔ نون نے 8 جنوری 1958ء کو یہ بل واپس لے لیا اور اس کی جگہ پرانے بحری کسٹمز ایکٹ میں چند ترامیم کر کے اسے جاری کر دیا۔ جس کے مطابق فوج کا یہ تھا کہ وہ سول حکام کی منشا کے مطابق ان کا ہاتھ بٹاتی رہے۔

مرکزی اور صوبائی وزارتیں

مرکزی وزارتیں

مسلم لیگی وزارتیں

(1) وزیراعظم لیاقت علی خان کی وزارت

لیاقت علی خان 15 اگست 1947ء کو پاکستان کے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے۔ ان کی وزارت میں سردار عبدالرب نشتر' راجہ غضنفر علی خان مسٹر اسماعیل ابراہیم چندریگر اور مسٹر جوگندر ناتھ منڈل شامل تھے۔ 10 جنوری 1948ء کو محمد ظفراللہ خان وزیر خارجہ بنائے گئے۔ مسٹر غلام محمد مرکزی وزیر خزانہ بنائے گئے۔ میاں مشتاق احمد گورمانی کو امور کشمیر کا وزیر بنایا گیا۔ بعد میں وزارت میں توسیع کے ذریعے' ڈاکٹر نذیر احمد' اے۔ ایم۔ ملک' خواجہ شہاب الدین وغیرہ کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ڈاکٹر محمود حسین اور اشتیاق حسین قریشی نائب وزیر بنائے گئے۔

(2) خواجہ ناظم الدین کی وزارت

اس زمانے میں بعض وزیروں کے ہٹائے جانے کی خبریں گرم تھیں کہ راولپنڈی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے' لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا۔ جس کے بعد خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل سے ہٹ کر وزیراعظم بن گئے اور مسٹر غلام محمد گورنر جنرل خواجہ صاحب نے 23 اکتوبر کو نئی وزارت بنائی۔ جس میں سردار بہادر خان' غیاث الدین پٹھان' چوہدری محمد علی اور مسٹر عزیزالدین کو بھی شامل کر لیا گیا۔

خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو تقریباً دو برس ہوئے تھے کہ مغربی پاکستان میں تحریکِ ختمِ نبوت شروع ہو گئی لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور دولتانہ وزارت ختم کر دی گئی۔ 7 اپریل 1953ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے یکایک نااہلی کے الزام میں خواجہ صاحب کی وزارت کو برطرف کر دیا۔

(3) محمد علی بوگرا وزارت

گورنر جنرل غلام محمد نے 7 اپریل 1953ء کو خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے بعد' امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمد علی بوگرا کو بلا کر وزیراعظم مقرر کر دیا۔ محمد علی بوگرا کی حکومت کو تقریباً ڈیڑھ سال بعد شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ جب گورنر جنرل اور وزیراعظم کی پارٹیوں میں طاقت کیلئے زور آزمائی ہونے لگی۔ نتیجہ کے طور پر 24 اکتوبر 1954ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑ دی۔

(4) محمد علی بوگرا کی نئی وزارت

اکتوبر 1954ء کو دستورساز اسمبلی توڑنے کے بعد غلام محمد نے دوبارہ محمد علی بوگرا کو وزارت بنانے کو کہا۔ نئی وزارت میں میجر جنرل اسکندر مرزا' جنرل ایوب خان (کمانڈر انچیف) وغیرہ کو شامل کیا گیا۔

17 اگست 1955ء کو مسٹر محمد علی بوگرا نے استعفیٰ دے دیا۔ کیونکہ مسلم لیگ پارٹی نے متحدہ محاذ سے مخلوط وزارت کے پیش نظر محمد علی بوگرا کی جگہ چوہدری محمد علی کو لیڈر چن لیا تھا۔

اسی عرصے میں حکومت نے مغربی پاکستان کا ایک یونٹ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب ایک آئین ساز اسمبلی کا وجود ضروری تھا جو متاثرہ قوانین کی توثیق کرے۔ چنانچہ اپریل 1955ء میں مری میں دستوری کونشن طلب کیا گیا۔ اس کے بعد جولائی 1955ء میں نئی دستور یہ کا اجلاس منعقد ہوا۔

(5) چوہدری محمد علی کی وزارت

چوہدری محمد علی نے ملک کی پہلی مخلوط وزارت 12 اگست 1955ء کو بنائی۔ جس میں مشرقی بنگال سے متحدہ محاذ کے نمائندے اور مغربی پاکستان سے مسلم لیگی نمائندے شامل کئے گئے۔ مسٹر سہروردی آخر وقت تک یہی سوچتے رہے۔ کہ انہیں وزیراعظم بنایا جائے گا مگر انہیں وزارت میں بھی شامل نہ کیا گیا۔

اس درمیان پورے مغربی پاکستان کا ایک صوبہ بنادیا گیا۔ اس صوبے کی وزارت کیلئے مسلم لیگ اور ڈاکٹر خان صاحب کے حامیوں میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور ڈاکٹر خان صاحب نے اپریل 1956ء میں راتوں رات ایک نئی پارٹی بنالی۔ جس کا نام ری پبلیکن پارٹی تھا۔ مغربی پاکستان اسمبلی کے بہت سے مسلم لیگی لیڈر اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اور مسلم لیگ پاکستان میں پہلی بار طاقت سے محروم ہو گئی۔ اس پارٹی کا اثر مرکزی وزارت پر بھی پڑا۔ کیونکہ مرکزی پارلیمنٹ میں اب اکثریت انہی ری پبلیکن ارکان کی تھی۔ لہٰذا چوہدری محمد علی کی وزارت ڈگمگانے لگی۔ انہی دنوں مشرقی پاکستان میں متحدہ محاذ کی وزارت بھنور میں پھنس گئی۔ چودھری محمد علی کیلئے مستعفی ہونے کے سوا چارہ نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے 8 ستمبر کو وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔

(6) سہروردی کی وزارت

10 ستمبر 1956 کو صدر پاکستان نے عوامی لیگ کے لیڈر مسٹر حسین شہید سہروردی کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ مسٹر سہروردی نے 12 ستمبر 1956 کو حلف اٹھایا۔ انہوں نے برسراقتدار آنے کے بعد اپنی پارٹی کو اہمیت نہ دی نتیجے کے طور پر مولانا بھاشانی نے عوامی لیگ کے بڑے حصے

کو ساتھ لے کر' میاں افتخار الدین کی پاکستان نیشنل پارٹی سے مل کر عوامی نیشنل پارٹی بنا لی- اس سے اسمبلی میں سہروردی کی پوزیشن کمزور ہو گئی- اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے- سہروردی کی اتحادی جماعت ری پبلیکن نے ون یونٹ توڑنے کا مطالبہ کیا- دوسری صورت میں حکومت سے الگ ہونے کی دھمکی دی- سہروردی نے میاں ممتاز دولتانہ کی طرف سے ایسی صورت میں مسلم لیگ کی حمایت کی یقین دہانی مل جانے کے بعد ون یونٹ توڑنے کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا- ری پبلیکن صدر سکندر مرزا سے ملے اور کہا کہ ہم سہروردی کی حمایت سے دست کش ہونا چاہتے ہیں- سکندر مرزا نے دونوں کو اکٹھے بیٹھا کر بات چیت کی- سہروردی نے مطالبہ ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ری پبلیکن میرا ساتھ چھوڑتے ہیں تو صدر اسمبلی کا اجلاس بلائیں- اگر اسمبلی کی اکثریت میرا ساتھ نہ دے- تو میں مستعفی ہو جاؤں گا- لیکن سکندر مرزا نے سہروردی کو ایسا موقع نہ دیا- اور مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا- دوسری صورت میں برطرف کرنے کی دھمکی دی- سہروردی مجبوراً مستعفی ہو گئے-

(7) چندریگر وزارت

چندریگر وزارت نے 8 اکتوبر 1957 کو عہدے کا حلف اٹھایا- لیکن اگلے روز ہی وزیراعظم اور ان کے ساتھیوں میں اختلاف رونما ہو گیا- وزیراعظم اپنی پارٹی مسلم لیگ کے مطالبے پر ملک میں جداگانہ انتخاب کا طریق رائج کرنا چاہتے تھے- جب کہ حکومت کی اتحادی جماعت ری پبلیکن اس مسئلے پر پس و پیش کر رہی تھی- دوسری طرف کرشک سرامک پارٹی اور عوامی لیگ جداگانہ انتخاب کی شدید مخالفت کر رہی تھیں-

مسٹر چندریگر نے جداگانہ طریق انتخاب نافذ کرنے کیلئے ترمیمی بل کا مسودہ تیار کرنے کا حکم دیا- اور انتخاب کی تیاری کا جو کام سابقہ اصول کی بناء پر ہو رہا تھا- اسے روک دینے کا حکم دیا- ترمیمی بل کا مسودہ 2 نومبر کو کابینہ میں پیش ہوا تو حکومتی رکن جماعت ری پبلیکن نے کہا کہ ہم نے ابھی تک اپنا موقف قائم نہیں کیا- اور اس سلسلے میں جائزہ لینے کیلئے ہم وفد مشرقی پاکستان بھیج رہے ہیں- کیونکہ وہاں ہی اقلیتوں کی زیادہ تعداد تھی جو نئے قانون سے متاثر ہوتیں- ری پبلیکن پارٹی نے اپنے وفد کی رپورٹ کی بناء پر جداگانہ طریق انتخاب کی حمایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا- اور وزیراعظم کو اس صورتحال سے آگاہ کر دیا- مسٹر چندریگر نے اس صورتحال کی بناء پر اکثریت برقرار نہ رہنے کی وجہ سے 11 دسمبر 1957 کو استعفیٰ دے دیا- وہ دو ماہ سے بھی کم عرصہ برسراقتدار رہے- سکندر مرزا نے ان کا استعفیٰ منظور کر کے دوبارہ چندریگر کو دعوت دی کہ اگر وہ کوئی گٹھ جوڑ کر سکیں- تو نئی وزارت بنا لیں- چندریگر نے یہ دعوت قبول کر لی- لیکن ایک دو دن بعد یہ رپورٹ پیش کر دی کہ میں اسمبلی کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب نہیں ہو سکا- ان حالات میں ری پبلیکن پارٹی کے لیڈر ملک فیروز خان نون کو نئی وزارت مرتب کرنے کا موقع ملا-

(8) فیروز خان نون کی وزارت

جب فیروز خان نون نے وزارت سنبھالی تو ملک کے سیاسی حالات کی ابتری انتہا کو پہنچ چکی تھی- اقتدار کی مسلسل باہمی کش مکش اور جوڑ توڑ کی وجہ سے اقتصادی اور معاشی پہلوؤں پر بھی توجہ نہ دی گئی- جس کی بناء پر ملک کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی تیزی سے تباہی کے راستے پر جا رہی تھی-

حکومت کی حصہ دار پارٹیوں کو پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل نہ تھی اور حزب مخالف کی جماعت عوامی لیگ کے لیڈر سہروردی نے نون وزارت کو حمایت کا یقین دلا کر اپنے رحم و کرم کا محتاج بنا لیا تھا-

8 اکتوبر 1958ء میں فوج نے فیروز خان نون کی وزارت کو برطرف کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا- برطرف ہونے والی حکومت پر بدعنوانی' بدانتظامی' اور ملک کو معاشی تباہی میں دھکیلنے کے الزامات لگائے گئے-

(9) ایوب وزارت

27 اکتوبر کی صبح صدر اسکندر مرزا نے جنرل ایوب خان کو وزیراعظم کے عہدے پر مقرر کرتے ہوئے وفاقی کابینہ کا اعلان کیا- اسی رات ایوب خان نے اسکندر مرزا سے ان کا استعفیٰ لے لیا اور اگلے روز کم و بیش اسی کابینہ کے ساتھ صدارتی طرز حکومت کا اعلان کر دیا- یوں ایوب وزارت صرف ایک دن رہی اور ایوب خان بحیثیت فوجی وزیراعظم کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہ دے سکے-

صوبائی وزارتیں

پنجاب کی وزارتیں

(1) ممدوٹ کی وزارت

12 اگست 1947 یعنی قیام پاکستان سے تین دن قبل انگریز گورنر نے پنجاب مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر نواب افتخار حسین خان ممدوٹ کو وزارت سازی کی دعوت دی' چنانچہ چار وزیروں کی کابینہ بنائی گئی- نواب ممدوٹ' میاں ممتاز دولتانہ' شیخ کرامت علی اور سردار شوکت حیات خاں پر مشتمل

ایک وزارت بنی' کچھ دن بعد میاں افتخارالدین بھی اس وزارت میں شامل کئے گئے۔ لیکن انہوں نے دو مہینے کے اندر استعفیٰ دے دیا۔ ابھی اس وزارت کو ایک سال بھی نہ گز را تھا کہ ممدوٹ' دولتانہ رسہ کشی شروع ہو گئی۔ اور اپریل 1948ء میں میاں ممتاز خاں دولتانہ اور سردار شوکت حیات نون نے وزارت سے علیحدگی اختیار کر لی' ان کی جگہ سردار عبدالحمید خاں دستی اور مبارک علی شاہ کو وزیر بنایا گیا۔

پنجاب مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے اندرونی جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر انگریز گورنر مسٹر مودی نے پہلے تو دسمبر 1948ء میں اسمبلی برخاست کر دی۔ اور 24 جنوری 1949ء کو ممدوٹ وزارت کو بھی یہ کہہ کر برطرف کر دیا کہ بدعنوانی اور بدانتظامی بڑھ رہی ہے۔

(2) دولتانہ وزارت

ممدوٹ وزارت کی برطرفی کے بعد سوا سال کے گورنر راج کے بعد 10 مارچ 1951ء کو صوبائی انتخابات کروائے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ پہلا صوبائی انتخاب تھا۔

مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر' میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے 4 اپریل 1951ء کو اپنی وزارت تشکیل دی۔ جس میں صوفی عبدالحمید' سردار محمد خاں لغاری' سردار دستی' شیخ فضل الٰہی سید علی حسین گردیزی اور چوہدری محمد حسین چٹھہ بھی شامل تھے۔

مارچ 1953ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کیلئے تحریکِ ختمِ نبوت پھیلی تو میاں ممتاز دولتانہ پر اس تحریک کو ہوا دینے کا الزام لگایا گیا اور وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے 22 مارچ کو لاہور آ کر انہیں وزارت کا استعفیٰ پیش کرنے پر آمادہ کیا۔ دولتانہ صاحب نے 23 مارچ کو ملک فیروز خان نون کا نام مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے پیش کیا۔ جسے منظور کر لیا۔

(3) نون وزارت

میاں ممتاز دولتانہ کے استعفیٰ کے بعد ملک فیروز خاں نون نے مشرقی بنگال کی گورنری سے سبکدوش ہو کر 28 مارچ کو نئی وزارت تشکیل دی۔

جب ون یونٹ بنانے کا مسئلہ اٹھا تو ملک فیروز خان نون اس کے حق میں نہ تھے۔ اس مسئلہ پر نون اور دولتانہ گروپ میں اختلافات بہت بڑھ گئے۔ ساتھ ہی مرکز ملک نون کے طرز عمل سے مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ گورنر گورمانی نے بلا کوئی وجہ بتائے ہوئے' 21 مئی 1955ء کو نون وزارت کو برطرف کر دیا۔

(4) دستی وزارت

گورنر گورمانی نے نون وزارت کی برطرفی کے بعد عبدالحمید دستی کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ اس وزارت کو 14 اکتوبر 1955ء تک کام کرنے کا موقع ملا جبکہ مغربی پاکستان کا ایک یونٹ بنا دیا گیا۔ اور مغربی پاکستان کی تمام صوبائی وزارتیں ختم کر دی گئیں۔

سندھ کی وزارتیں

(1) غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت

قیام پاکستان سے قبل سر غلام حسین ہدایت اللہ سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے۔ اس لئے 15 اگست 1947ء کو انہی کی وزارت نے حلف اٹھایا۔ لیکن 23 اگست کو سر غلام حسین ہدایت اللہ کو سندھ کا گورنر بنا دیا گیا۔

(2) کھوڑو وزارت

مسٹر غلام حسین کے بعد مسٹر ایوب کھوڑو پارٹی لیڈر چنے گئے۔ کھوڑو صاحب کی وزارت آٹھ مہینے گزارنے نہ پائی تھی کہ کھوڑو پر چوری کا مال رکھنے کا مقدمہ چلا' دو سال کی سزا ہوئی۔ تو گورنر نے انہیں دو سال تک عہدوں سے بھی محروم کر دیا اور ان کی وزارت ختم کر دی گئی۔

(3) الٰہی بخش وزارت

مسٹر کھوڑو کے وزارت اعلیٰ سے ہٹ جانے پر مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے پیر الٰہی بخش کو پارٹی لیڈر چنا اور مئی 1948ء میں ان کی کابینہ بن گئی۔ یہ بھی آٹھ مہینے کام کر پائی تھی کہ قاضی محمد اکبر کے انتخاب کے خلاف مسٹر جی۔ ایم۔ سید کی عذر داری کا فیصلہ عدالت نے 4 فروری 1949ء کو سنایا۔ جس میں پیر الٰہی بخش کے خلاف بھی انتخابی بدعنوانیاں ثابت ہو گئی تھیں اور اس لئے انہیں چھ سال کیلئے اسمبلی کی ممبری و امیدواری سے محروم ہونا پڑا۔ اس فیصلہ کے پیش نظر ان کی وزارت مستعفی ہو گئی اور گورنر نے کچھ دن اسی وزارت کے دو وزیروں سے کام چلایا۔

(4) یوسف ہارون وزارت

18 فروری 1949ء کو گورنر کی دعوت پر مسٹر یوسف عبداللہ ہارون نے وزارت سازی قبول کی اور میراں محمد شاہ' میر غلام علی تالپور' نور احمد شاہ اور قاضی فضل اللہ پر مشتمل کابینہ تشکیل دی۔ 7 نومبر کو مسٹر یوسف ہارون نے ایک اور کابینہ بنائی۔ جس کے ارکان غلام علی تالپور' میراں محمد شاہ کے علاوہ دو نئے وزیر رحیم بخش سومرو اور حاجی مولا بخش سومرو تھے۔ یہ نئی کابینہ بھی اندرونی کش مکش سے بچائی نہ جا سکی۔ تو کچھ عرصہ بعد

یوسف ہارون سفارتی عہدہ قبول کر کے وزارت سے علیحدہ ہو گئے۔

(5) فضل اللہ وزارت

یوسف ہارون کے بعد نئی کابینہ کی تشکیل مسلم لیگ پارٹی نے قاضی فضل اللہ کے سپرد کی۔ اور انہوں نے ایک دو وزیروں کے رد و بدل سے اپنی وزارت بنائی۔

اس وزارت کے دور ہی میں مسٹر ایوب کھوڑو کی اپیل کا فیصلہ ہو گیا۔ دو سال کی سزا منسوخ قرار پائی۔ تو گورنر کا حکم بھی عدالت میں زیر بحث لایا گیا۔ اور بالآخر چیف کورٹ سندھ نے 20 مارچ 1951ء کو کھوڑو کو صوبائی اور دستور ساز اسمبلیوں کی رکنیت پر بحال کر دیا۔

(6) کھوڑو وزارت

عدالت سے نیک چلنی کا سرٹیفکیٹ پاتے ہی کھوڑو صاحب نے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کی لیڈری حاصل کر لی اور چند دن کے اندر انہیں وزارت بنانے کا موقع دے دیا گیا۔ نئی وزارت میں قاضی فضل اللہ بھی شریک کر لئے گئے تھے۔ لیکن اب وزارت اعلیٰ کے امیدواروں میں کش مکش کا نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے کھوڑو صاحب کی نئی وزارت آٹھ مہینے بھی نہیں گزارنے پائی تھی کہ 19 دسمبر 1951ء کو گورنر نے انہیں اور ان کے ساتھ قاضی فضل اللہ (ہوم منسٹر) کو استعفیٰ دے دینے کیلئے کہا اور 24 گھنٹے میں تعمیل نہ ہونے پر بد دیانتی اور بد عنوانی کے الزامات میں مقدمہ چلائے جانے کی دھمکی بھی دے دی۔ ان کے ساتھ میراں محمد شاہ اس حکم سے ایک دن پہلے وزارت سے الگ ہو چکے تھے۔ کھوڑو صاحب نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے غلام علی تالپور کو نیا پارٹی لیڈر چنا اور گورنر کو مطلع کیا کہ تالپور مستحکم وزارت بنا سکتے ہیں۔ کھوڑو صاحب اور ان کے دس حامی اس جلسہ سے واک آوٹ کر گئے تھے۔ سندھ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے اس سے ایک دن قبل تالپور کو دو سال کیلئے مسلم لیگ سے نکال دیا۔ اور کھوڑو صاحب پر اعتماد ظاہر کر دیا تھا۔

لیکن گورنر نے مسٹر کھوڑو کی وزارت توڑ کر گورنر راج نافذ کر دیا۔

(7) پیرزادہ وزارت

سندھ میں گورنر راج تقریباً سترہ مہینے قائم رہا۔ پنجاب و سرحد کے تمام انتخابات ختم ہو گئے۔ تو سندھ میں بھی انتخابات کی مانگ زور پکڑ گئی اور بالآخر 1953ء میں یہاں انتخابات کرائے گئے۔ کھوڑو صاحب اس وقت صوبائی مسلم لیگ پر قابض تھے مگر مرکزی لیگ انہیں "عاق" کر چکی تھی۔ اس لئے انتخابات میں مرکزی منظور شدہ امیدواروں کا مقابلہ ان کی صوبائی لیگ نے کیا اور ہار گئی۔

انتخابات کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے 77، سندھ لیگ نے 8، عوامی محاذ نے 7 اور آزاد ممبروں نے 13 نشستیں جیتی تھیں۔ اس لیے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر غلام علی تالپور کو وزارت بنانی چاہئے تھی۔ مگر گورنر جنرل 22 مارچ 1953ء کو ان کے خلاف پروڈا کے تحت تحقیقات کا حکم دے چکے تھے۔ اس لئے تالپور صاحب نے پیرزادہ عبدالستار کو اپنی جگہ وزارت بنانے کیلئے نامزد کر دیا۔ اور پہلی پیرزادہ وزارت 22 مئی 1953ء کو بنائی گئی۔ 21 مارچ 1953ء کو اس وزارت سے ایک وزیر نے استعفیٰ دے دیا۔ اسمبلی کا اجلاس بھی ملتوی کرنا پڑا۔ تب جا کر پیرزادہ وزارت عدم اعتماد کے خطرہ سے محفوظ ہوئی۔

14 اپریل کو تالپور صاحب کے متعلق پروڈا تحقیقات رپورٹ پر گورنر جنرل نے فیصلہ سنایا اور جو دو الزامات صحیح نکلے تھے۔ ان سے معافی دے دی۔ پھر بھی کش مکش ہوتی رہی، تو 24 جون 1954ء کو اس میں چھ وزیر اور بڑھائے گئے۔

24 اکتوبر 1954ء کو دستور ساز اسمبلی توڑنے سے چار دن قبل گورنر جنرل غلام محمد نے مسٹر کھوڑو، مسٹر دولتانہ غلام نبی پٹھان، قاضی فضل اللہ، اور حمید الحق چوہدری کے خلاف پروڈا کے تحت عائد پابندیاں ختم کر دی تھیں۔ گورنر نے پیرزادہ وزارت کو بد نظمی اور بد عنوانی کے الزامات میں 8 نومبر 54ء برخاست کر دیا۔ واضح رہے کہ پیرزادہ وزارت کے ایک وزیر ون یونٹ کے خلاف تھے۔

(8) کھوڑو وزارت

چونکہ کھوڑو پر سے پروڈا کے تحت الزامات ختم ہو چکے تھے۔ لہٰذا گورنر نے کھوڑو صاحب کو نئی وزارت بنانے کی دعوت دی۔ مسٹر کھوڑو نے اسی روز اپنی وزارت بنا لی یعنی 8 نومبر 1954ء کو ہی۔

اس وزارت نے زرعی اصلاحات کے نام پر کچھ ایسے اقدام کئے۔ کہ میر غلام تالپور نے جو مرکزی وزیر بن چکے تھے۔ لیکن سندھ اسمبلی کے سپیکر بھی تھے۔ مرکزی عہدہ چھوڑ کر صوبائی سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ ادھر پیر الٰہی بخش نے کھوڑو صاحب کے خلاف پروڈا احکامات کی تنسیخ نا جائز ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر کر رکھا تھا۔ جس کے تحت 10 مارچ کو عدالت نے دعویٰ صحیح قرار دیا۔ اور کھوڑو صاحب کو جواب دہی کیلئے دس دن کی مدت دی۔ ان حالات میں مارچ ہی میں شروع ہونے والے بجٹ سیشن میں ہنگامہ آرائی یقینی نظر آ رہی تھی کہ یکایک 19 مارچ 1955ء کو وزیر داخلہ پیر علی محمد راشدی نے میر تالپور اور بعض دوسرے اشخاص کے خلاف وزیروں کو قتل کرنے کی سازش کا سنسنی خیز الزام لگایا۔ اور فوراً میر تالپور، قاضی فضل اللہ، الٰہی بخش امام بخش

تالپور اور میر جعفر خاں جمالی ممبران اسمبلی گرفتار کر لئے گئے۔ 21 مارچ کو حیدر آباد (سندھ) میں اسمبلی کا اجلاس اس فضا میں ہوا۔ تالپور صاحب سپیکری سے ہٹا دیئے گئے۔ اور بجٹ چند منٹ کی کاروائی کے بعد پاس کر دیا گیا۔

سازش کے مقدمات اگرچہ بعد میں واپس لے لئے گئے۔ لیکن اس ہنگامہ آرائی کے بعد بھی کھوڑو وزارت برقرار رہی۔ اور 14 اکتوبر 1955ء کو مغربی پاکستان کا ایک صوبہ بننے تک کام کرتی رہی۔

سرحد کی وزارتیں

(1) ڈاکٹر خاں صاحب کی وزارت

قیام پاکستان سے قبل صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خاں صاحب نے مارچ 1946ء میں کانگریس وزارت بنائی تھی۔ یہ وزارت 22 اگست 1947ء تک قائم رہی۔ 22 اگست کو انگریز گورنر کیننگھم نے ڈاکٹر خاں صاحب کی وزارت کو پاکستانی جھنڈے کو سلامی دینے سے احتراز کرنے کے الزام میں برخاست کر دیا اور مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر خان عبدالقیوم خاں کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔

(2) عبدالقیوم خاں کی وزارت

23 اگست 1947ء کو عبدالقیوم خاں نے مسلم لیگی وزارت بنائی۔ اس وقت اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کی اکثریت نہیں تھی۔ عبدالقیوم نے وزارت سنبھالتے ہی اسمبلی کے کئی ممبروں کو غداری اور بغاوت کے الزام میں نظر بند کر دیا اور کافی عرصہ کے بعد جب اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا تو عبدالقیوم وزارت حاضر اجلاس ممبروں کی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور چار سال کام کرتی رہی۔

(3) انتخابات اور نئی وزارت

سرحد میں 26 نومبر سے 12 دسمبر 1951ء تک صوبائی عام انتخابات کرائے گئے ___ مگر عام طور سے مشہور رہے کہ یہ انتخاب محض رسمی اور دکھاوے کی چیز تھے۔ عبدالقیوم نے مخالف جماعتوں کو آزادی سے الیکشن لڑنے کا موقع ہی نہ دیا۔ الیکشن کے بعد عبدالقیوم خاں پھر مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر چنے گئے اور انہوں نے نے 17 دسمبر 1951ء کو نئی کابینہ بنائی جس میں میاں جعفر شاہ، خاں جلال الدین خاں، مسٹر ایم۔ اے کیانی اور خان ایوب خان شامل تھے۔

(4) عبدالرشید وزارت

17 اپریل 1953ء کو خواجہ ناظم الدین کی مرکزی حکومت کے برخاست ہونے پر مسٹر محمد علی بوگرا نے خاں عبدالقیوم خاں کو کو مرکزی وزیر بنا لیا۔ سرحد مسلم لیگ پارٹی نے عبدالقیوم کو اپنا جانشین چننے کا اختیار دیا۔ انہوں نے 23 اپریل 1953ء کو انسپکٹر جنرل پولیس سردار عبدالرشید خاں کو اس منصب سے نوازا' چنانچہ سردار رشید نے 23 اپریل کو اپنی کابینہ بنائی۔ جس میں قیوم وزارت کے ارکان شامل رہے۔

سردار عبدالرشید کی وزارت اپریل 1953ء سے جولائی 1955ء تک قائم رہی۔ لیکن اربابِ اقتدار کی نظر میں مغربی پاکستانی وحدت کے سلسلے میں سردار رشید کا رویہ مشکوک تھا۔ چنانچہ 18 جولائی کو یکایک گورنر نے ان کی وزارت کو برخاست کر کے سردار بہادر خاں کو وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ جن کی کابینہ 14 اکتوبر کو مغربی پاکستان ایک صوبہ بننے تک کام کرتی رہی۔

مغربی پاکستان صوبہ کی وزارت (ون یونٹ)

(1) پہلی وزارت (ڈاکٹر صاحب)

14 اکتوبر 1955ء کو مغربی پاکستان کو ایک یونٹ میں بدل دیا گیا۔ ڈاکٹر خاں صاحب کو مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ اور مشتاق احمد گورمانی کو گورنر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد آئینی مسودہ مجلس آئین ساز میں پیش کر کے 29 فروری کو منظور کرا لیا گیا۔ گورنر جنرل نے اس آئین کی توثیق کر دی۔

اس دوران میں مغربی پاکستان کی صوبائی وزارت کیلئے مسلم لیگ اور ڈاکٹر خان صاحب کے حامیوں میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے راتوں رات نئی جماعت ری پبلیکن پارٹی قائم کر لی۔ اور مسلم لیگ کے بہت سے ممبر اس نئی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اس طرح مسلم لیگ مشرقی پاکستان کے بعد مغربی پاکستان میں بھی پہلی بار اقتدار سے محروم ہو گئی۔

مشرقی پاکستان کی وزارتیں

مشرقی پاکستان میں سب سے پہلے خواجہ ناظم الدین نے مسلم لیگ کی طرف سے وزارت کا حلف اٹھایا۔ وہ قائداعظم کی وفات تک اس عہدے پر رہے۔ قائداعظم کے انتقال کے بعد خواجہ ناظم نے ملک کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اور مشرقی پاکستان میں نورالامین ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ اس وقت تک مشرقی پاکستان اسمبلی کی معیاد پوری ہو چکی تھی۔ اور نئے انتخابات کی ضرورت تھی لیکن مسلم لیگ کی روز بروز کم ہوتی ہوئی مقبولیت نے حکمران جماعت کو یہ دھڑکا لگا دیا تھا کہ کہیں وہ انتخابات

ہار نہ جائیں- یہ انتخابات وقت پر نہ ہو سکے اور ملتوی کر دیئے گئے- التواء کی معیاد میں ہر مرتبہ اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ مختلف وجوہ کی بناء پر اسمبلی میں خالی ہونے والی نشستوں کے لئے ضمنی انتخابات کرانے کا حوصلہ بھی نہ کیا جا سکا- نورالامین کی وزارت عوام کے لئے کوئی قابل قدر کارنامے سرانجام نہیں دے رہی تھی- انتخابات میں تاخیری حربوں' اقتصادی بدحالی اور قدرتی آفات سے بھرپور انداز میں نہ نمٹنے کے باعث حکومت انتہائی غیر مقبول ہوتی چلی گئی- اس سارے عرصے میں سیاسی جوڑ توڑ بھی اپنے عروج پر رہا- عوام کی صورتحال کے پیش نظر اپوزیشن نے صف بندی شروع کر دی اور ایک متحدہ محاذ تشکیل دے کر مسلم لیگ کو اقتدار سے باہر نکالنے کا سامان شروع کر دیا- اس متحدہ محاذ یا جگتو فرنٹ نے انتخابات میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی- وزیراعلیٰ نورالامین ایک طالب علم کے ہاتھوں شکست کھا گیا- اور مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کی اہلیت سے بھی ایک نشست کم حاصل کر پائی-

جگتو فرنٹ کے حکومت بنانے کے تھوڑے ہی عرصے بعد صوبے میں صنعتی مزدوروں کے ہنگامے شروع ہو گئے- مرکزی حکومت نے ان ہنگاموں کو بنیاد بنا کر ایک حکم کے ذریعے صوبائی اسمبلی ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ صوبائی حکومت فسادات سے نپٹنے میں ناکام رہی- فضل الحق حکومت کو غدار قرار دے کر برطرف کر دیا گیا- اس طرح جگتو فرنٹ کی حکومت دو ماہ سے بھی کم عرصہ برسر اقتدار رہی- مرکزی حکومت نے صوبے میں گورنر راج نافذ کر دیا-

اسکندر مرزا کو مشرقی پاکستان کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تاکہ حالات کو کنٹرول کرے- جس نے ایک ہفتے میں سینکڑوں گرفتاریاں کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ حکومت عوامی تحریک کو مکمل طور پر کچلنے کا ارادہ رکھتی ہے-

1954ء کے بعد کی وزارتیں

(1) ابو حسین سرکار وزارت

جون 1955ء میں جب مشرقی پاکستان میں گورنر راج (جو 1954ء کے انتخابات اور فسادات کے بعد نافذ کر دیا گیا تھا) ختم کیا گیا تو (مسٹر محمد علی بوگرہ کی سفارش پر) وزارت سازی کا موقع کرشک سرامک پارٹی کو دیا گیا تھا- اقلیتی فرقہ کے نمائندوں (جن کے ہاتھوں میں طاقت کا توازن تھا) اسی پارٹی کے ساتھ تعاون کرنا منظور کر لیا- چنانچہ کرشک سرامک پارٹی کے طرف سے ابو حسین سرکار نے جو وزارت مرتب کی- اس میں بسنت کمار داس اور اقلیتی فرقے کے دو اور نمائندے شامل تھے- جنوری اور فروری 1956ء میں جب چوہدری محمد علی نیا آئین پاس کرا رہے تھے- اور دستور ساز اسمبلی میں اقلیتی فرقے کے نمائندے آئین کی بعض تجاویز کے خلاف لڑ رہے تھے- تو مسٹر بی- کے- داس (مشرقی پاکستان اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر) نے مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ پر سیاسی دباؤ ڈالنا شروع کیا- کہ آئین میں ان کی منشاء کے مطابق تبدیلیاں کرائی جائیں- ورنہ وہ صوبائی حکومت سے الگ ہو جائیں گے- یہ وقت ایسا تھا کہ بجٹ پاس کرانے کے لئے اسمبلی کا اجلاس بلانا ضروری تھا- اور اگر بی- کے- داس اور ان کا گروپ وزارت کا ساتھ نہ دیتے تو وزارت کو اسمبلی میں شکست کے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا تھا- مسٹر ابو حسین سرکار نے کراچی پہنچ کر چوہدری محمد علی سے کہا کہ اگر اقلیتی نمائندوں کو مطمئن نہ کیا گیا تو میری وزارت یقینی طور پر شکست کھا جائے گی-

چوہدری محمد علی اقلیتی نمائندوں کے نقطہ نگاہ کے مطابق آئین میں ترمیم کرنے پر تیار نہ ہوئے- لیکن انہوں نے سرکار وزارت کو بچانے کے لئے دوسرے جتن کئے- اور عارضی آئین میں ایک ترمیم کے ذریعے صوبائی بجٹ کی میعاد 31 مارچ کی بجائے 31 مئی تک بڑھا دی- یعنی اس بات کا انتظام کر دیا کہ مسٹر سرکار اگر چاہیں تو اسمبلی کا بجٹ سیشن ابھی دو مہینے تک نہ بلائیں- اور فی الحال اسمبلی کا سامنا نہ کریں- پھر مارچ کے شروع میں انہوں نے کرشک سرامک پارٹی کے لیڈر فضل الحق کو مرکزی کابینہ سے اٹھا کر مشرقی پاکستان کا گورنر بنا دیا- اس خیال سے کہ ان کی گورنری ابو حسین سرکار وزارت کو سہارا دے سکے گی- گورنر اور وزیراعلیٰ نے کانگریس پارٹی کو منانے اور اس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بات چیت کی- دوسری طرف عوامی لیگ نے بھی کانگریس پارٹی کے ساتھ سمجھوتے کی بات چیت شروع کر دی- مئی تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور بجٹ پاس کرانے کے لئے اسمبلی کا اجلاس بلانے کا وقت آ گیا-

گورنر اور وزیراعلیٰ اور اسمبلی کے سپیکر نے مل کر ایک عجیب تدبیر نکالی اور اسمبلی کا اجلاس 22 مئی کو طلب کیا گیا- ایجنڈا یہ تجویز کیا گیا کہ بجٹ پیش کرنے کے بعد تین دن کا وقفہ ہو گا تاکہ ممبر بجٹ کا مطالعہ کر سکیں پھر دو دن بجٹ پر عام بحث کے لئے رکھے گئے- اور صرف تین دن پورا بجٹ پاس کرنے کے لئے- 31 مئی تک بجٹ پاس کرنا ضروری تھا-

طے شدہ منصوبے کے مطابق اس ایجنڈے پر اعتراض کیا گیا- کہ بجٹ پر بحث کے لئے وقت قطعاً ناکافی ہے- جو اسمبلی کی حق تلفی کے مترادف ہے- سپیکر نے اعتراض درست تسلیم کرتے ہوئے ابو حسین سرکار کو بجٹ پیش کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا- اور اسمبلی کا سیشن غیر معینہ تاریخ کے لئے ملتوی کر دیا- اب چونکہ بجٹ پاس کرانا ضروری تھا- لہٰذا اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ عارضی طور پر آئین کو دفعہ 92- الف کے تحت معطل کر کے گورنر اپنے حکم سے بجٹ پاس کر دے- یہ ڈرامہ اس خوبصورتی سے کھیلا گیا کہ بجٹ بھی پاس ہو گیا- اور سرکار

وزارت فوری طور پر اسمبلی کا سامنا کرنے سے بھی بچ گئی۔
یکم جون 1956ء کو دفعہ 92- ایف کا حکم واپس لے کر وزارت بحال کر دی گئی۔ عوامی لیگ نے اسمبلی کا اجلاس نہ بلانے پر احتجاج کیا۔ دوسری طرف کانگریس پارٹی نے اپنا اجلاس بلا کر فیصلہ کیا کہ سرکار وزارت سے علیحدگی اختیار کر کے عوامی لیگ سے سودا کر لیا جائے۔ اس اجلاس سے اگلی صبح کانگریس پارٹی نے سرکار وزارت کو آخری اور قطعی جواب دے دیا۔
لیکن گورنر جنرل نے سرکار سے مل کر ایک اور کام کیا۔ 13 اگست 1956ء کے لئے اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا گیا۔ اجلاس کا وقت سہ پہر چار بجے تھا۔ اجلاس سے چند گھنٹے قبل گورنر نے اسمبلی کا سیشن ملتوی کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ عوامی لیگ نے اس حکم کے خلاف احتجاج کیا اور گورنر کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ آخر مرکزی حکومت نے ہدایت جاری کی کہ اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے۔ مسٹر سرکار نے چودہ مہینے اسمبلی کا سامنا کئے بغیر گزار دیئے تھے۔ اب ان کے پاس اجلاس بلانے کے سوا چارہ نہ تھا چنانچہ انہوں نے اسمبلی میں شکست کھانے سے قبل ہی استعفیٰ دے دیا۔ ان کی جگہ عوامی لیگ کے لیڈر مسٹر عطاالرحمٰن نے وزارت مرتب کی۔

وزارتوں کا کھیل

مارچ 1958ء میں مشرقی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کا بجٹ سیشن ہو رہا تھا برسر اقتدار عوامی لیگ کے کچھ ارکان ناراض تھے۔ اور اسمبلی میں طاقت کا توازن نیشنل عوامی پارٹی کے ہاتھ میں تھا۔ وزیراعلیٰ عطاالرحمٰن نے اسمبلی کا سامنا کرنے سے بچنے کے لئے گورنر کو مشورہ دیا کہ اسمبلی کا اجلاس برخاست کر دیا جائے۔ گورنر فضل الحق نے اس صورتحال کو مفید خیال کرتے ہوئے اپنی پارٹی کرشک سرامک کو برسراقتدار لانے کا سوچا اور اجلاس برخاست کرنے کا مشورہ رد کرتے ہوئے عطاالرحمٰن وزارت کو بجٹ پاس نہ کرا سکنے پر شکست خوردہ ہونے کا جواز بناتے ہوئے اس وزارت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ عطاالرحمٰن نے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔ گورنر نے وزیراعلیٰ کو برطرف کر دیا۔ اور اپنی پارٹی کے ابو حسین سرکار کو وزیراعلیٰ مقرر کر دیا۔
عطاالرحمٰن نے اپنے لیڈر سہروردی کے ذریعے مرکزی حکومت پر دباؤ ڈلوا کر مشرقی پاکستان کے گورنر کو برطرف کروا دیا۔ نئے گورنر نے پرانے گورنر فضل الحق کے احکامات منسوخ کرتے ہوئے ابو حسین سرکار وزارت (بغیر کسی الزام کے) کو برطرف کر دیا جو اس سے قبل حلف اٹھا چکی تھی۔ نئے گورنر نے پھر سے عطاالرحمٰن کو وزیراعلیٰ مقرر کر دیا۔
3 اپریل کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ لیکن عوامی لیگ نے اسمبلی میں شکست کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے گورنر کے احکامات سے اسمبلی کا اجلاس برخاست کروا لیا۔ اپوزیشن نے اس پر احتجاج کیا اور اس صورتحال پر صدر سے ملاقات کر کے مدد طلب کی۔ صدر نے اپوزیشن کی حوصلہ افزائی کی۔
12 جون 1958ء کو گورنر کے حکم سے اجلاس بلایا گیا۔ اجلاس میں اپوزیشن نے بجٹ کے ایک مطالبے پر رائے شماری کا مطالبہ کیا۔ رائے شماری ہوئی تو عوامی لیگ کی وزارت 126 کے مقابلے میں 138 ووٹوں سے شکست کھا گئی کیونکہ عوامی لیگ کی اتحادی جماعت نیشنل عوامی پارٹی اس رائے شماری میں وزارت کے ساتھ نہ تھی بلکہ غیر جانبدار تھی۔ شکست کے بعد عوامی لیگ کے لیڈر عطاالرحمٰن نے گورنر کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور کرشک سرامک پارٹی کے لیڈر ابو حسین سرکار نے گورنر کی دعوت پر 20 جون 1958ء کو وزارت کا حلف اٹھایا۔ لیکن یہ وزارت عارضی ثابت ہوئی۔ عوامی لیگ' نیشنل پارٹی کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور سرکار وزارت حلف اٹھانے کے صرف تین دن بعد عدم اعتماد کی تحریک پر شکست کھا گئی۔ اس رائے شماری میں سرکاری پارٹی کے 142 اور مخالفین کے 156 ووٹ نکلے۔ اس شکست کے بعد ابو حسین مستعفی ہو گئے۔ مرکزی حکومت نے عوامی لیگ وزارت کی خواہشات اور التجا کے باوجود صوبے میں دو مہینے کے لئے گورنر راج نافذ کر دیا۔
گورنر راج کے خاتمے پر 20 ستمبر کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ عوامی لیگ وزارت اسمبلی کے سپیکر کو اپنا مخالف خیال کرتی تھی۔ لہٰذا اس نے سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد کا نوٹس دیا۔ سپیکر نے اسے بے ضابطہ قرار دے دیا اور اسمبلی میں بجٹ پاس کرنے کے سلسلہ میں بحران پیدا ہو گیا۔ حکومت اور اپوزیشن نے سپیکر کے تنازعے کو ایک طرف رکھتے ہوئے مشترکہ رضامندی سے ایک معاہدے کے تحت بجٹ پاس کر لیا۔ بجٹ پاس ہونے کے بعد حکومت معاہدے سے منحرف ہو گئی۔ حکومت نے سپیکر سے نجات حاصل کرنے کے لئے خصوصی قوانین پاس کئے اور اسمبلی کے باہر پولیس متعین کر دی۔ جو حفاظتی اقدامات کے پیش نظر کسی رکن کو اسمبلی میں داخلے سے روک سکتی تھی۔
اس سب کے بعد حکومت نے 23 ستمبر کو سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کے لئے اجلاس طلب کر لیا۔ سپیکر عبدالحلیم کو اسمبلی میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور حکومتی حمایت یافتہ ڈپٹی سپیکر شاہد علی نے کرسی صدارت سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس مسئلہ پر حکومت اور اپوزیشن میں ہنگامہ آرائی ہو گئی۔ اپوزیشن ڈپٹی سپیکر کی طرف سے کرسی صدارت سنبھالنے کی مخالف تھی۔ ہنگامہ آرائی میں ایک دوسرے پر کرسیاں وغیرہ چلائی گئیں۔ اسی دوران ڈپٹی شاہد علی کو کوئی سخت چوٹ لگ گئی۔ جس سے وہ بے ہوش ہو گئے اور بے ہوشی کی

حالت میں ہی انتقال کر گئے۔ اس سب کے جلد بعد ملک میں مارشل لاء
نافذ کر دیا گیا۔

مقامی حکومتیں (بلدیاتی ادارے)

مقامی حکومتیں پنچائتوں سے شروع ہوئیں۔ لیکن ان پنچائتوں کا طریق کار منظم نہیں تھا۔ اسے منظم کرنے کے لئے حکومتی کانفرنسیں بھی ہوئیں اور ایک افسر کو بکار خاص بھارت میں پنچائتوں کی نئی تنظیم کا مطالعہ کرنے کی غرض سے بھی بھیجا گیا۔ لیکن نظام میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔ 1939ء کا پنچائیت ایکٹ برقرار رہا۔ 1958ء تک مغربی پاکستان کے دیہات کے چھ فیصد حصے میں پنچائتیں تھی۔ 5/6 حصہ میں یہ نظام روشناس نہ کرایا گیا۔ جس حصے میں پنچائتی نظام قائم تھا۔ وہاں بھی بعض دیہاتوں کی پنچائتیں محض کاغذوں پر تھیں۔ اس کی ایک وجہ عملہ کی کمی بھی تھی۔ ایک ضلع میں صرف ایک پنچائیت افسر اور ایک اسسٹنٹ پنچائیت افسر تھا۔ جبکہ ضلع میں اوسطاً" ایک ہزار گاؤں تھے۔ اس طرح ان دو افراد کے لئے تمام دیہاتوں کو نظم ونسق سنبھالنا مشکل تھا۔ پھر افسر کو دوروں کے سلسلے میں الاؤنس بھی بہت کم ملتا تھا۔ عملہ کے اختیارات کی کمی بھی پنچائتوں کے حق میں سدلاہ تھی۔ ان کے اختیارات رابطہ کلرکوں سے زیادہ نہیں تھے۔

پنچائتوں کے پاس بھی جو انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات تھے وہ بھی محض خانہ پری کی حد تک تھے۔ مثلاً پنچائیت ٹیکس وصول کرنا چاہتی تھی اور اگر گاؤں میں دھڑے بندی کی وجہ سے بعض آدمی ٹیکس دینے سے انکار کر دیتے تو پنچائیت بے بس تھی' وہ زیادہ سے زیادہ پنچائیت افسر کو لکھ سکتی تھی۔ پنچائیت افسر متعلقہ مجسٹریٹ سے کہے گا اور وہ ٹیکس وصول کرنے کے اختیار رکھنے والے افسر کو لکھے گا۔ عام طور پر یہ افسر تحصیل دار ہوتا تھا۔ دس سالوں میں بہت موقعوں پر یہ افسران پنچائتوں کے بقیہ ٹیکس وصول کرانے میں کامیاب ہو سکے۔

ایک مسئلہ پنچائیت کے اختیارات کے استعمال کا تھا۔ بہت قدیم بستیوں میں شاملات کا وجود ہی نہ تھا۔ جہاں کہیں تھا۔ وہاں بعض لوگ اس کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ پنچائیت نے صحت و صفائی کے سلسلے میں بھی اپنے اختیارات کم ہی استعمال کئے۔ اور اگر ایسا کیا تو اس کے پاس ان احکام کی تعمیل کرانے کے اختیار نہ تھے۔

میونسپل کمیٹیاں

پنچائتوں سے بڑا ادارہ میونسپل کمیٹیاں' نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹیاں' سمال ٹاؤن کمیٹیاں وغیرہ تھیں۔ یہ ادارے بھی عوامی سرگرمی کا شکار تھے۔ بعض اداروں میں لمبے عرصے تک انتخابات ہی نہ ہوئے اور اکثر ادارے معطل رہے ان اداروں کے ٹیکس بڑھتے رہے۔ اور اختیارات کم ہوتے رہے۔ ٹیکسوں میں اضافے سے اخراجات بھی بڑھے' اس لئے ان اداروں کی مالی حالت اطمینان بخش نہ تھی۔ ایڈمنسٹریٹروں کے تقرر سے اداروں کی کارکردگی مزید زوال پذیر ہوئی۔ یہ ادارے عام طور پر باہمی مناقشت کا شکار رہے۔

ڈسٹرکٹ بورڈ

1958ء میں صوبہ مغربی پاکستان میں کل اڑتالیس اضلاع میں ڈسٹرکٹ بورڈ قائم تھے۔ لیکن ان میں سے صرف چھ بورڈ کام کر رہے تھے۔ باقی سب معطل تھے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ ہر ضلعے میں مقامی حکومت کا سب سے بڑا اور بااختیار ادارہ ہوتا ہے۔ اور ان میں سے چالیس کے قریب معطل تھے۔ جبکہ اس طرح مقامی حکومت کا کام بھی دفتری حکومت (نوکر شاہی) کے ذریعے ہی چلایا جا رہا تھا۔ دس سال گزرنے کے باوجود بھی ان اداروں کے سلسلے میں نو آبادیاتی قوانین تبدیل نہ کئے گئے۔

امپرومنٹ ٹرسٹ اور کارپوریشنیں

آزادی سے قبل لاہور میں امپرومنٹ ٹرسٹ قائم کیا گیا تھا۔ تاکہ شہر کی حالت کو سنوارا جائے۔ لیکن اس ٹرسٹ نے زیادہ تر تجارتی نوعیت کا کام کیا۔

1958ء تک صوبے میں دو کارپوریشنیں تھیں۔ کراچی اور لاہور کارپوریشن۔ کراچی کارپوریشن تو جلد ہی معطل کر دی گئی تھی۔ جبکہ 1950ء کے آخری سالوں میں مارشل لاء سے کچھ عرصہ قبل لاہور کارپوریشن بھی معطل رہی۔ لاہور کارپوریشن کے تعطل کی وجہ اس کے ایڈمنسٹریٹر اور مشاورتی کمیٹی کی باہمی کش مکش تھی۔ کارپوریشنوں کے قوانین بھی تبدیل نہ کئے گئے تھے۔

دس سالہ جائزہ

دس سال میں مقامی حکومتوں میں حق رائے دہی بالغاں کا اصول تسلیم کیا گیا۔ مقامی اداروں میں خواتین کو حق نمائندگی دیا گیا۔ مقامی اداروں کی آمدن سات کروڑ سے بڑھ کر بیس کروڑ ہو گئی۔ لوکل گورنمنٹ سیمینار منعقد ہوا۔ ریاست بہاولپور میں لوکل گورنمنٹ کے قوانین نافذ کئے گئے۔

لیکن دوسری طرف پہلا پنج سالہ منصوبہ جو 1957ء میں نافذ ہوا لیکن اس میں مقامی حکومتوں کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بہت سے علاقوں ~~میں مقامی~~ حکومتوں کے اداروں کا وجود ہی نہ تھا۔ اکثر و بیشتر ادارے معطل رہے۔ اس طرح مقامی حکومتوں کے ادارے موثر کردار ادا نہ کر سکے۔

پاکستان میں دستوری ارتقاء

پاکستان میں دستور سازی کا عمل غیر معمولی تاخیر کا شکار ہوا۔ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں دستور سازی کے سلسلے میں مقننہ میں کوئی کام نہ ہوا۔ اور جب ڈیڑھ سال بعد قرار داد مقاصد کے پاس ہونے سے یہ عمل شروع بھی ہوا۔ تو آئین بننے میں 9 سال کا عرصہ لگا۔ اور اس عرصہ میں چار وزرائے اعظم اور پانچ وزارتیں تبدیل ہوئیں۔ جبکہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی ملک کو آئین دینے میں ناکام رہی اور یہ مرحلہ دوسری اسمبلی کے ہاتھوں انجام پایا۔

درپیش مسائل

دستور سازی میں تاخیر کی وجہ بالا دست طبقات کی حصول اقتدار کے سلسلے میں اسمبلیوں کے اندر اور باہر کش مکش کے علاوہ وہ سنجیدہ اور مشکل مسائل بھی تھے۔ جن پر مختلف طبقات میں وسیع اختلافات پائے جاتے تھے اور جن کو حل کئے بغیر نئے آئین کی بنیاد کھڑی کرنا دشوار تھا۔ ان مسائل میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) دستور کی نوعیت کا مسئلہ

سب سے پہلا اور اہم مسئلہ جو قانون سازوں کو درپیش تھا وہ یہ کہ دستور کی نوعیت کیا ہو گی۔ کیا وہ ایک سیکولر جمہوری دستور ہو جس میں تمام افراد کو قطع نظر ان کے مذہبی نظریات کے مساوی شہری تسلیم کیا گیا ہو۔ یا کہ ایک نظریاتی اسلامی دستور ہو۔ جس میں ریاست سرکاری طور پر اسلام کی نشوونما اور نفاذ کیلئے کام کرے۔ اس سلسلے میں ایک اختلاف تو مسلمان عوام کے مختلف طبقات میں تھا۔ کٹر مذہبی علماء تھیوکریسی طرز کی مملکت چاہتے تھے۔ جبکہ پڑھا لکھا طبقہ جدید جمہوری تصورات کے مطابق دستور کا اسلامی کردار متعین کرنے کا حامی تھا۔

جبکہ اسمبلی میں اپوزیشن کانگریس پارٹی اور چند دوسرے اراکین مثلاً میاں افتخار الدین وغیرہ مذہب اور اور سیاست کو الگ الگ شعبے قرار دیتے تھے۔ اور ان کے خیال میں مذہب کو سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ مذہب کے سیاست میں ملوث ہونے کی بناء پر ریاست میں مخصوص مذہبی اکثریت کے برعکس دوسرے مذہبی طبقات سے امتیازی سلوک کرتی ہے۔

(2) اقلیتوں کا مسئلہ

یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلے سے ہی جڑا ہوا تھا۔ یعنی اگر پاکستان دستوری طور پر ایک مذہبی اسلامی ریاست قرار پاتا تو اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ کھڑا ہوتا۔ جب ملک کو دستوری طور اسلامی جمہوریہ قرار دینے کی بحث شروع ہوئی۔ تو اسمبلی اپوزیشن پارٹی۔ کانگریس اور آزاد خیال مسلمان رہنماؤں نے اس صورتحال کو اقلیتوں کے حقوق کے منافی قرار دیا۔

اگرچہ قائداعظم دستور ساز اسمبلی میں اپنی پہلی تقریر میں واضح کر چکے تھے۔ کہ "چاہے آپ کسی مذہب' ذات یا طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ریاست کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم قوموں' طبقات اور ذاتوں سے بالاتر ہو کر اپنا کام شروع کر رہے ہیں۔ ہم اس بنیادی اصول سے شروع کر رہے ہیں کہ ہم سب ریاست کے مساوی شہری ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ مذہبی حوالے سے نہیں کیونکہ یہ ہر ایک کا انفرادی مسئلہ ہے بلکہ سیاسی حوالے سے"

لیکن قائداعظم کی وفات کے بعد ملک کو اسلامی جمہوری قرار دینے کی بحث چل نکلی۔ اقلیتی نمائندوں نے اس بحث کو اقلیتوں کے حقوق کے لئے خطرناک قرار دیا اور قائداعظم کی اس تقریر کے حوالے سے ملک کو سیکولر جمہوری بنیادوں پر چلانے کا مطالبہ کیا۔

(3) مخلوط یا جداگانہ انتخابات

ایک اہم مسئلہ دستور ساز اسمبلی کو یہ بھی درپیش تھا کہ طرز انتخاب جداگانہ ہو یا مخلوط۔ مشرقی پاکستان اور اقلیتوں کے سیاسی نمائندے مخلوط طرز انتخابات کے حق میں تھے۔ جب کہ مغربی پاکستان اور مسلم لیگ کے نمائندے جداگانہ طرز انتخاب چاہتے تھے۔ یہ بحث دستور سازی کے تمام عرصے میں اہمیت کی حامل رہی۔ اور اختلافات جاری رہے۔ جنہیں آخر کار دوسری دستور ساز اسمبلی نے آئین بننے کے بعد عارضی طور پر حل کیا۔

(4) صوبائی خود مختاری کا مسئلہ

قیام پاکستان کے بعد مشرقی بنگالیوں نے محسوس کیا کہ انہیں ملک کی انتظامی' معاشی' سیاسی فیصلہ سازی میں مناسب حصہ نہیں ملا۔ چنانچہ جب ملکی دستور کو وفاقی طرز پر استوار کرنے کی بحث چلی۔ تو ساتھ ہی صوبوں اور مرکز کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا سوال بھی پیدا ہوا۔ مشرقی پاکستانی اپنے تجربات کی بناء پر وسیع صوبائی خود مختاری کے حامی تھے۔ جبکہ مغربی پاکستان اور پنجاب کے نمائندے مضبوط مرکز کے حامی تھے۔ مشرقی پاکستانی خیال کرتے تھے کہ چونکہ مشرقی پاکستان کے مسئلے بالکل مختلف ہیں اس لئے انہیں حل کرنے کی خاطر صوبے کو وسیع خود مختاری ملنی چاہئے۔

(5) زبان کا مسئلہ

پاکستانی' اپنی ثقافت' زبانوں اور نسل کے لحاظ سے مختلف نوع کا

حائل تھا۔ سب سے بڑا فرق جو تھا وہ مشرقی پاکستان اور مغربی حصے کا تھا۔ مشرقی پاکستان جو مغربی حصے سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔ اپنی زبان' ثقافت' معیشت' وغیرہ کے حوالے سے بالکل مختلف تھا۔ مشرقی پاکستان اپنے علاقے کے حساب سے ملک کا ساتوں حصہ تھا۔ جبکہ اس کی آبادی مغربی حصے سے زیادہ تھی۔ اس پورے حصے میں صرف ایک زبان بنگالی بولی جاتی تھی۔ اور اس کی ثقافت یک رنگ تھی۔ دوسری طرف مغربی حصے میں کئی قسم کی ثقافت تھی اور کئی زبانیں بولی جاتیں تھیں۔ مثلاً پنجابی' سندھی' بلوچی' پشتون' سرائیکی وغیرہ جبکہ مغربی حصے میں رابطہ کی زبان اردو تھی۔ دفتری زبان دونوں حصوں میں انگریزی تھی۔

مشرقی بنگال اپنی اکثریت کی بناء پر چاہتا تھا کہ بنگالی کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ جبکہ مغربی پاکستان اور حکمران طبقات صرف اردو کو سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے۔ دستوری سازی کی مشکلات میں سے یہ ایک بڑا مسئلہ تھا۔

(6) مساوی نمائندگی کا مسئلہ

مشرقی بنگال اپنی آبادی کی بناء پر وفاقی مقننہ میں نمائندگی چاہتا تھا۔ جبکہ دوسری طرف مغربی پاکستان اور حکمران ایوان بالا میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دینے کے حامی تھے۔ اس طرح پیش کی گئی کئی تجاویز کے مطابق مشرقی بنگال کی نمائندگی دونوں ایوانوں میں مجموعی طور پر کم ہو جاتی تھی۔ جب کہ وہ چاہتے تھے کہ اگر زیادہ نہیں تو مشرقی بنگال کی نمائندگی مغربی حصے کے مساوی ہونا چاہئے۔ یہ تقریباً سب سے اہم مسئلہ تھا جو آئین سازوں کو درپیش رہا۔

دستوری تجاویز اور دستور سازی

(1) قرارداد مقاصد

دستور سازی کے سلسلے میں پاکستان میں سب سے پہلا اہم قدم جو اٹھایا گیا۔ وہ قرار داد مقاصد کی مارچ 1949ء میں منظوری تھی۔ اس مسودے میں ملک کی آئندہ آئینی سمت کا تعین کر دیا گیا۔ اس قرار داد میں کہا گیا کہ پاکستان کے آئندہ دستور کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہو گی اور یہ کہ آخری طاقت اللہ تعالیٰ کا پاس ہے۔ جو اس نے پاکستان کی حکومت کو عطا کی ہے جو اللہ کی طرف سے عائد پابندیوں میں رہتے ہوئے عوام کی مرضی سے استعمال کی جائے گی اور یہ کہ عوام کو اپنی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق گزارنے کیلئے سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

اس مسودے کے پاس ہونے پر اقلیتوں اور پارلیمنٹ میں اپوزیشن پارٹی کانگریس نے عدم تحفظ کا اظہار کیا اور کہا کہ اس طرح اقلیتوں سے امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے اور انہیں دوسرے درجے کے شہری بنا دیا گیا ہے کیونکہ اس قانون کے تحت اقلیتی طبقے کے لوگ ملک کے اعلیٰ سیاسی و انتظامی فیصلہ ساز عہدوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جس کی وجہ ان کا مسلمان نہ ہونا ہے۔ کانگریس پارٹی کے لیڈر ایس سی چٹوپادیہ نے کہا کہ قرار داد میں مذہبی تعصب بروئے کار لایا گیا ہے۔

دوسری طرف کٹر مذہبی علماء نے قرار داد پر اس سلسلے میں اعتراض کیا کہ اس میں اقلیتوں کے حقوق پر اس قدر خصوصی زور کیوں دیا گیا اور یہ کہ مغربی تصورات جمہوریت' اقلیتوں وغیرہ کو کیوں اہمیت دی جا رہی ہے۔

(2) بنیادی اصولوں کی کمیٹی

جب مارچ 1949ء میں مقننہ نے قرار داد مقاصد پاس کی تو اس کے ساتھ ہی اسمبلی کی ایک کمیٹی ترتیب دی گئی۔ جو 24 ممبروں پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کا مقصد آئین کے سلسلے میں بنیادی اصول مرتب کرنا تھا۔

(i) کمیٹی کی پہلی رپورٹ

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے 1950ء میں اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ میں کمیٹی وفاقی طرز حکومت کی منظوری دی۔ اس رپورٹ کے مطابق وفاقی مقننہ دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ ایوان بالا میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی اور ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی۔ دونوں ایوانوں کے اختیارات مساوی تھے اور وفاقی کابینہ دونوں ایوانوں کو جوابدہ تھی۔

مشرقی پاکستان نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ کیونکہ ان کے خیال میں ایوان بالا کو ایوان زیریں کے مساوی طاقت دے کر ایوان زیریں میں مشرقی پاکستان کی برتر حیثیت کو غیر موثر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کیونکہ ایوان بالا میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی حاصل تھی اور دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کی صورت میں مشرقی پاکستان کی طاقت کم آدھے سے بھی کم ہو جاتی تھی۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں اس کے خلاف احتجاج ہوا اور مظاہرے کئے گئے۔ لہٰذا دستور ساز اسمبلی نے کمیٹی کی رپورٹ پر غور و خوض کو ملتوی کر دیا۔ 21 نومبر 1950ء کو لیاقت علی خان نے اسمبلی میں اس کا اعلان کیا۔

(ii) کمیٹی کی دوسری رپورٹ

رائے عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے دستور ساز اسمبلی نے کمیٹی کی پہلی رپورٹ کو مسترد کر دیا اور جنوری 1951ء سے دستور کے سلسلے میں عوام

سے تجاویز طلب کر لیں۔ ان تجاویز کی بناء پر کمیٹی نے اپنی دوسری رپورٹ 22 دسمبر 1952ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کر دی۔

اس رپورٹ میں وفاقی طرز حکومت کی حمایت کی گئی تھی اور وفاقی مقننہ پہلے کی طرح دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ ایوان بالا کی کل نشستیں 120 تھیں جن میں سے 60 مشرقی پاکستان کے اور 60 مغربی پاکستان کی تمام اکائیوں کیلئے ایوان زیریں کی کل تعداد تھی۔ جس میں سے 200 مشرقی پاکستان سے منتخب ہوتے اور 200 مغربی حصے سے۔ تمام اختیارات ایوان زیریں کے پاس تھے۔ اسطرح دوسری رپورٹ میں مشرقی اور مغربی حصے کو مساوی نمائندگی دے دی گئی۔

لیکن یہ رپورٹ بھی تنقید سے سبز نہ رہ سکی۔ اس مرتبہ رپورٹ کے خلاف ردعمل پنجاب میں ہوا۔ تنقید کرنے والوں نے کہا کہ ایوان بالا میں اکیلے صوبے مشرقی پاکستان کو باقی تمام صوبوں کے برابر نمائندگی دے کر وفاقی طرز حکومت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ کیونکہ وفاقی طرز میں ایوان بالا میں تمام اکائیوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔ تنقید کرنیوالوں نے یہ بھی کہا کہ اس طرح مستقل طور پر ایک صوبے کو فوقیت دے دی گئی ہے۔ رپورٹ کے مخالفین نے دونوں ایوانوں کیلئے مساوی اختیارات کا بھی مطالبہ کیا۔

اس مخالفت نے ایک بار پھر دستور ساز اسمبلی کو کمیٹی کی رپورٹ پر غور و خوض ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔

بوگرا فارمولا

1953ء میں جب محمد علی بوگرا وزیراعظم بنے۔ تو انہوں نے آئینی بحران کا حل تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اور نمائندگی کا مسئلہ حل کر کے 7 اکتوبر کو انہوں نے جو نیا فارمولا پیش کیا۔ جسے بوگرا فارمولا کہا گیا۔ جسے دستور ساز اسمبلی نے منظور کر لیا۔

اس فارمولا کے مطابق وفاقی مقننہ کے دو ایوان تھے۔ ایوان بالا کی کل تعداد 50 تھی۔ ملک کی کل پانچ اکائیاں تسلیم کی گئیں۔

1- مشرقی بنگال 2- پنجاب 3- سرحد' سرحدی ریاستیں' قبائلی علاقے 4- سندھ اور خیرپور' 5- بلوچستان' بلوچ ریاستیں' وفاقی دارالحکومت اور بہاولپور۔

پانچوں اکائیوں کو ایوان بالا میں 10' 10 نشستیں حاصل تھیں۔ ایوان زیریں کی کل نشستیں 300 تھیں۔ 165 مشرقی بنگال کی۔ جبکہ 135 مغربی حصے کی تمام اکائیوں کے لئے۔

دونوں ایوانوں کو مساوی اختیارات حاصل تھے۔ اور نشستیں بھی اس طرح تقسیم کی گئی تھیں کہ دونوں حصوں کو دونوں ایوانوں میں ملا کر مساوی نمائندگی حاصل تھی۔ اس طرح ایک اہم مسئلہ حل ہو گیا۔ اس فارمولا پر بھی تھوڑا بہت اعتراض ہوا۔

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے دو اور اہم مسائل کا حل پیش کیا۔ ایک مسئلہ صوبوں کی خود مختاری کا تھا۔ جبکہ دوسرا زبان کا مسئلہ تھا۔

مشرقی پاکستانی سمجھتے تھے کہ انہیں مرکزی اقتدار میں موزوں نمائندگی نہیں دی جا رہی۔ لہٰذا وہ مکمل صوبائی خود مختاری چاہتے تھے۔ خاص طور پر 1954ء میں یونائیٹڈ فرنٹ نے انتخاب جیتا تو یہ مطالبہ زور پکڑا۔ دوسری طرف دستور ساز اسمبلی' مرکزی حکومت اور مغربی پاکستان کے کئی علاقے مضبوط مرکز کے حامی تھے۔

آخر کار دستور ساز اسمبلی نے اس مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ اس نے اختیارات کی تین فہرستیں بنائیں۔ ایک مرکزی' ایک صوبائی اور ایک مشترکہ اختیارات کی فہرست' مرکز کی فہرست میں 66 امور جب کہ صوبائی فہرست 48 امور پر شامل تھی۔ باقی چند امور مشترکہ فہرست میں تھے۔

دوسرا اہم مسئلہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستانی چاہتے تھے کہ بنگالی کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ دستور سازوں نے اس مسئلے پر مئی 1954ء میں ایک فارمولا پیش کیا۔ جس میں اردو اور بنگالی کو ملک کی سرکاری زبانیں تسلیم کر لیا گیا۔ جب کہ عرصہ بیس سال تک جب تک یہ دونوں زبانیں مکمل طور پر نافذ نہیں ہو جائیں انگریزی دفتری زبان ہو گی۔

5- ون یونٹ سکیم

پہلی دستور ساز اسمبلی ملک کو آئین مہیا کئے بغیر ختم ہو گئی۔ دوسری دستور ساز اسمبلی نے جو سب سے پہلا اہم کام کیا وہ مغربی پاکستان کی تمام اکائیوں کی ایک وحدت میں منسلکی تھی۔ جسے ون یونٹ یا وحدت مغربی پاکستان کہا جاتا ہے۔ نئے صوبے کا نام مغربی پاکستان رکھا گیا۔ اس عمل کے محرکین نے کہا کہ اس طرح وفاقی حکومت کا کام آسان ہو گیا ہے۔ اور صوبائیت کے رجحانات کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔

بہرحال اسمبلی کا یہ عمل متنازعہ تھا۔ اور اس پر سنجیدہ اعتراضات ہوئے۔ کیونکہ اس منصوبہ کا حقیقی اظہار انتظامی احکام کے تحت کیا گیا۔ یعنی گورنر جنرل کے آرڈر وغیرہ۔ پھر مارچ 1955ء میں گورنر جنرل نے مغربی پاکستان کو وحدت بنانے کے لئے ایک ایمرجنسی آرڈیننس کے ذریعے اختیار حاصل کر لئے۔ اور نئے صوبے کا وزیراعلیٰ بھی نامزد کر دیا۔ جو کہ ایک غیرپارلیمانی طرز تھی۔

اس سارے مسئلے سے وسیع اختلاف نے جنم لیا۔

6- آئین 1956ء

1955ء میں وحدت مغربی پاکستان کے قیام کے بعد تیزی سے آئین

کی تیاری کا کام شروع ہو گیا- اور چار ماہ کی محنت کے بعد 8 جنوری 1956ء کو آئین کا مسودہ اسمبلی میں پیش کر دیا گیا- مسودے کے 13 حصے اور 245 آرٹیکل تھے- قرار داد مقاصد آئین کے افتتاحیے میں شامل تھی-

اسمبلی میں آئین مسودے میں 670 ترامیم کے بل پیش کئے گئے- جن میں سے زیادہ تر اپوزیشن پارٹی عوامی لیگ نے پیش کئے- 245 میں سے 179 آرٹیکل آسانی سے پاس ہو گئے- جبکہ 66 کو متنازعہ قرار دیا گیا- جبکہ ان 66 میں 50 شقیں اس وقت پاس کی گئیں- جس وقت اپوزیشن اجلاس کا بائیکاٹ کر کے جا چکی تھی- اس موضوع کے شروع میں بیان کئے گئے اہم آئینی مسائل میں سے انتخاب کا مسئلہ ایسا تھا- جس کا آئین میں کوئی حل پیش نہیں کیا گیا تھا- کہ وہ جداگانہ ہوں گے یا مخلوط-

آئین کی اہم خصوصیات درج ذیل تھیں-

1- اسلامی نوعیت

آئین ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا- اور اسلامی اصولوں کو ریاست کی پالیسی سازی کی بنیاد اور رہنماء اصول قرار دیا گیا- اور کہا گیا کہ ریاست ایسے اقدامات کرے گی- جس سے پاکستان کے مسلمان اپنی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق گزار سکیں- اسلامی اصولوں کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا- وغیرہ-

2- وفاقی ڈھانچہ

اگرچہ آئین کا ڈھانچہ وفاقی قرار دیا گیا- لیکن وفاقی دساتیر کے برعکس اس آئین میں مضبوط مرکز پر زور دیا گیا- وفاقیہ کے دو صوبے تھے- جن دونوں کی حیثیت مساوی تھی-

3- پارلیمانی نظام

آئین کے ذریعے پارلیمانی نظام اختیار کیا گیا- ملک کا آئینی سربراہ صدر اور انتظامی سربراہ وزیراعظم اور اس کی کابینہ تھی- صدر وزیراعظم اور اس کی کابینہ کی سفارشات کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند تھا- اور وزیراعظم کابینہ کے اراکین کے لئے لازم تھا کہ وہ قومی اسمبلی کے ممبر ہوں- کابینہ قومی اسمبلی کو جوابدہ تھی-

لیکن اس آئین میں بھی یہ بات پارلیمانی طرز حکومت کے منافی تھی کہ صدر اپنی صوابدید پر مرکزی یا صوبائی اسمبلیاں اور کابینہ توڑ سکتا تھا- اور 6 ماہ کے لئے صدر راج نافذ کر سکتا تھا-

4- تقسیم اختیارات

اس آئین میں مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لئے تین فہرستیں بنائی گئیں- مرکزی فہرست، صوبائی فہرست اور مشترکہ امور کی فہرست- مرکزی فہرست میں کل 30 امور شامل تھے- اہم امور میں خارجہ، دفاع، کرنسی، شہریت، تجارت، مالیات، مواصلات، قومی ملکیتی صنعتیں، معدنیات، شامل تھے-

صوبائی فہرست میں 94 امور شامل تھے- جن میں امن و امان، صحت، تعلیم، صفائی، ترقیاتی امور اور مقامی مفادات سے متعلقہ امور ریلوے-

مشترکہ امور کی فہرست میں 19 امور شامل تھے- جن پر دونوں حکومتیں قانون سازی کر سکتی تھیں- اختلاف کی صورت میں مرکزی اسمبلی کی قانون سازی کو صوبائی اسمبلی پر فوقیت ہوتی-

5- مرکزی مقننہ

مرکزی مقننہ ایک ایوان پر مشتمل تھی- جس کے 300 اراکین ہوتے- دونوں صوبوں کو مقننہ میں مساوی نمائندگی حاصل تھی- اسمبلی کے اراکین عام انتخاب کے ذریعے منتخب ہوتا تھے-

6- مالی تعلقات

نئے آئین کے تحت بھی مالی تعلقات کے سلسلے میں 1935ء کے ایکٹ کی طرح مرکزی حکومت کو صوبوں پر فوقیت حاصل رہی- اس طرح صوبے مناسب مالی ذرائع سے محروم رہے- مالی آمدنی کے اہم ذرائع مرکزی حکومت کے تابع تھے- صوبوں کے لئے آمدنی کا اہم ذریعہ زرعی معیشت تھی-

البتہ صوبوں اور مرکز کے درمیان اہم مالی معاملات کو طے کرنے کے لئے قومی مالیاتی کمیشن قائم کرنے کا اعلان کیا گیا- جسے صدر پانچ سال کے لئے تشکیل دیتا-

7- انتظامی معاملات

انتظامی معاملات کے سلسلے میں 1935ء کے ایکٹ کی صورتحال تقریبا برقرار رہی اور مرکز کو اس سلسلے میں اجارہ داری رہی- یہ مرکزی حکومت کی دستوری ذمہ داری تھی کہ وہ صوبوں کو بیرونی جارحیت اور اندرونی گڑ بڑ سے بچائے- اگر امن و امان صوبائی مسئلہ تھا لیکن ملک میں مجموعی طور پر امن و امان اور سلامتی کی حفاظت مرکزی حکومت کے ذمہ تھی- صوبائی حکومتیں ملک کے اعلیٰ قانون کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں- مرکزی حکومت مواصلات، ریلوے، امن اور معاشی صورتحال کو خطرے- مشترکہ امور کی فہرست پر مرکزی اسمبلی کی قانون سازی کے نفاذ کے سلسلے میں

ہدایات دے سکتی تھی۔

8- ایمرجنسی کی دفعات

آئین کی وفاقی اور پارلیمانی طرز کو متاثر کرنے والی صورتحال ایمرجنسی دفعات و اختیارات تھے۔ آئین کے آرٹیکل 191 کے تحت اگر صدر کو اس بات کا اطمینان ہو جائے۔ کہ پاکستان میں ایسی صورتحال پیدا ہو گئی۔ جو ملک کی سلامتی' معیشت کے لئے خطرہ ہے یا بیرونی جارحیت کی صورت میں یا اندرونی گڑ بڑ کی حالت میں صورتحال صوبائی حکومت کے کنٹرول سے باہر ہے۔ تو وہ ہنگامی حالت کا اعلان کر کے حکومت کو معطل کر سکتا تھا۔ اور صدر راج کا نفاذ کر کے صورتحال خود اپنے کنٹرول میں یا صوبائی گورنر کے کنٹرول میں دے سکتا تھا۔

صدر مرکز میں بھی ہنگامی صورتحال کا اعلان کر کے اسمبلی کو معطل کر سکتا تھا۔ اس طرح وہ بغیر اسمبلی کی معاونت کے حکمرانی کر سکتا تھا۔

آرٹیکل 51 کے مطابق سال میں اسمبلی کے دو اجلاس ہونا لازم تھے۔ جبکہ 50 کی ذیلی شق 1 کے مطابق ایک اجلاس ڈھاکہ میں ہونا لازم تھا۔ ہنگامی حالت کی صورت میں صدر اس ذیلی شق کو نظر انداز کر سکتا تھا۔ یہ ہنگامی اختیارات پارلیمانی طرز حکومت کے منافی تھے۔

9- بنیادی حقوق

بنیادی حقوق کے سلسلے میں ایک دستاویز آئین میں شامل تھی۔ اور عدالتوں کو حقوق کے نفاذ کا حق حاصل تھا۔

10- زبان

اردو اور بنگالی کو ملک کی سرکاری زبانیں قرار دیا گیا۔ البتہ انگریزی مزید 25 برس تک زبان کے طور پر برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

11- صدر اور کابینہ

صدر اپنے خصوصی اختیارات کے علاوہ کابینہ کی رائے کا پابند تھا۔ کابینہ کے سلسلے میں صدر کو ایک اہم ترین اختیار حاصل تھا۔ یعنی اسمبلی کا وہ فرد جسے صدر کے خیال میں اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا۔ اسے صدر ملک کا وزیراعظم نامزد کرے گا۔ ایسی صورت میں جب پارلیمنٹ میں کسی بھی پارٹی کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو۔ صدر کا یہ اختیار اہم حیثیت کا حامل تھا۔

اس کے علاوہ وزیراعظم کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ صدر کو کابینہ کے فیصلوں' قانون سازی کے سلسلے میں تجاویز اور صدر آرٹیکل 42 کے سلسلے میں جو معلومات طلب کرے گا وہ بھی۔ یہ آرٹیکل اگرچہ پارلیمانی نظام کے تحفظ میں مددگار تھی۔ لیکن اگر صدر کابینہ کی تجاویز کو ماننے سے انکار کر دے۔ تو اس کا کوئی حل نہ تھا۔

صدر کو ایک اور اختیار حاصل تھا۔ کہ وزیراعظم صدر کی خوشنودی تک اپنے عہدے پر برقرار رہے گا۔ اور جب صدر کو اطمینان ہو جائے کہ وزیراعظم کو اسمبلی کا اعتماد حاصل نہیں رہا تو وہ اسے برطرف کر سکتا تھا۔

12- صوبوں میں پارلیمانی نظام

صوبوں میں بھی پارلیمانی نظام قائم کیا گیا۔ صوبوں کی مقننہ ایک ایک ایوان پر ہی مشتمل تھی۔ یہاں پر گورنر' وزیراعلیٰ اور صوبائی اسمبلی کے تعلقات بھی مرکز میں صدر وزیراعظم اور قومی اسمبلی کے تعلقات کی طرز پر استوار تھے۔ گورنر صدر کی طرح مخصوص حالات میں صوبائی کابینہ کو برخاست کر سکتا تھا۔

13- عدلیہ

وفاقی دساتیر کی طرح آزاد عدلیہ قائم کی گئی۔ تاکہ عوام کو حقیقی انصاف مہیا ہو سکے۔ عدلیہ کا آئین میں تفصیلی ذکر کیا گیا۔ اور اسے تحفظات دیئے گئے۔ سپریم کورٹ ملک کی اعلیٰ عدالت تھی۔ جو تمام صوبائی عدالتوں یعنی ہائی کورٹس پر فوقیت رکھتی تھی۔

سپریم کورٹ کو وفاقی اور کسی ایک یا دونوں صوبائی حکومتوں کے باہمی جھگڑے کو نمٹانے' اور صوبائی حکومتوں کے باہمی جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کا اختیار تھا۔ اسے دستوری حقوق کی وضاحت اور دستور کی تشریح کا حق بھی حاصل تھا۔ اس طرح عدلیہ دستور کی محافظ قرار پائی۔

حوالے

1- ہفت روزہ "لیل و نہار" 24 مارچ 1957ء لاہور۔

2- ماہنامہ "معلومات" خصوصی شمارہ "آئین کیا ہے؟" اگست 1972ء لاہور۔

3- G.W. Choudhury "Constitutional Development In Pakistan" Longman Group Ltd, 1969. London and Harlow.

اقتصادی جائزہ

اقتصادی مسائل

تقسیم کے وقت ملک کی اقتصادی حالت کمزور تھی۔ چند صنعتی

ادارے تھے۔ جو ہندو مالکوں اور منتظمین کے ترک وطن کے باعث معطل تھے۔ زراعت اور تجارت کا میدان بھی اس صورتحال کا شکار تھا۔ یہی صورت بنکنگ کی تھی۔ ان وجوہ کی بناء پر درآمد و برآمد کا انحصار ہندوستان پر تھا۔ منتظمین کی کمی کی وجہ سے ایک خلاء تھا۔

حکومت کو کوئی ستر لاکھ مہاجرین کی آباد کاری کے علاوہ انتظامی خلاء پر کرنا تھا۔ بنکاری اور زراعت کے نظم کو از سرنو مستحکم بنیادوں پر مدون کرنا اور توسیع دینا تھا۔ نقل و حمل کے نظام میں ہم آہنگی پیدا کرنی تھی۔ داخلی اور خارجی تجارت کے الجھاؤ کو ختم کر کے استوار کرنا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر ایک منصوبہ کے تحت صنعتی ترقی کے لئے کام کرنا تھا۔

صنعتی ترقی کے سلسلے میں حکومت نے جو اقدامات کئے ان کا ذکر اسی کتاب میں "صنعتی ترقی اور پنجسالہ منصوبے" کے عنوان سے آ چکا ہے۔

پہلے دس سالوں میں ملک کے تین اہم معاشی مسائل تھے۔ جو توازن ادائیگی کی مشکلات، خوراک کی قلت اور افراط زر تھے۔ یہ تینوں مسائل ایک دوسرے سے منسلک تھے۔

توازن ادائیگی میں خسارہ کی وجہ سے حکومت کو عام استعمال کی اشیاء کی درآمد کم کرنا پڑتی۔ اور خارجہ زر مبادلہ حاصل کرنے کے لئے برآمدی مقدار میں اضافہ کرنا پڑتا تاکہ ترقیاتی پروگراموں کے لئے رقم حاصل ہو سکے۔ ان حالات سے ملک میں عام استعمال کی اشیاء کی قلت پیدا ہوتی۔ غذا کی قلت کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا۔ خوراک کی درآمد سے ترقیاتی منصوبوں کے لئے خارجہ زر مبادلہ کی آمدنی کم ہو جاتی۔ جس سے افراط زر میں اضافہ ہوتا۔

توازن ادائیگی کا مسئلہ

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے تو کوریا کی جنگ کے دوران میں پاکستان کی بیرونی تجارت بڑھنے کی وجہ سے توازن ادائیگی موافق رہا۔ اور 1951ء تک صورتحال بہتر رہی 1951ء کے آخر میں جب کپاس اور پٹ سن کی مانگ میں کمی ہوئی۔ تو غیر موافق حالات پیدا ہو گئے۔1952ء میں حکومت اشیائے صرف کی درآمد پر پابندی عائد کرنے پر مجبور ہو گئی۔ نومبر 1951ء میں کھلے عام لائسنسوں کا اجراء بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد ادائیگیوں کے توازن کی صورتحال بدتر ہونے لگی۔ تجارت کی شرائط مخالف ہونے کے باعث ہماری آمدنی کم ہو گئی اور کولمبو منصوبہ کے تحت ترقیاتی پروگراموں کے نفاذ کے لئے مشینوں کی درآمد کے باعث غیر ملکی زر مبادلہ کا خرچ بڑھ گیا۔ ادھر سیلابوں سے غذائی صورتحال خراب ہوئی۔ اور اجناس درآمد کرنے کے لئے زر مبادلہ کے خرچ میں اضافہ کرنا پڑا۔ ان مشکلات کی بناء پر حکومت کو 21 جولائی 1955ء کو روپے کی قیمت کم کرنا پڑی۔

اس سے صورتحال کچھ سنبھلی اور 1955ء کے لئے ادائیگیوں کا توازن 28 کروڑ 60 لاکھ روپے سے زائد رہا۔ لیکن 1956ء میں پھر کمی ہو گئی۔ جو 1957ء میں بڑھ کر 26 کروڑ 60 لاکھ روپے تک جا پہنچی۔ اس کمی کی بڑی وجہ اجناس کی درآمد تھی۔

غذائی قلت

غذائی قلت کا بھی ملک کو مسلسل سامنا رہا۔ اس دوران ملک کی آبادی میں ہر سال دس لاکھ کا اضافہ ہو رہا تھا۔ جس سے قلت شدید ہو گئی۔ سال 49-1948ء میں مجموعی پیداوار ایک کروڑ 44 لاکھ 8 ہزار ٹن تھی۔ اور سب سے کم پیداوار 53-1952ء میں ہوئی۔ جبکہ کل پیداوار ایک کروڑ 18 لاکھ 53 ہزار ٹن تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس عرصہ میں پیداوار میں اٹھارہ فی صد کمی ہوئی۔ جبکہ اس عرصہ میں ملک کی آبادی سات کروڑ 36 لاکھ سے بڑھ کر سات کروڑ 90 لاکھ تک ہو گئی۔ پھر 57-1956ء میں جا کر پیداوار میں 49-1948ء کے مقابلے میں ایک لاکھ ٹن کا اضافہ ہوا۔ اور اس دوران آباد میں ایک کروڑ کا اضافہ ہو گیا۔ جس سے غذائی قلت انتہا کو پہنچ گئی۔ چنانچہ سال 1957ء تک پچھلے پانچ سال میں تقریباً ایک ارب چالیس کروڑ روپے کا غلہ درآمد کیا گیا۔ اس میں سے نصف رقم غیر ممالک سے عطیہ کے طور پر ملی تھی۔ اس امر کے باوجود کہ 85 فی صد زیر کاشت رقبہ پر غلہ کی کاشت ہوتی تھی۔ غذائی قلت ختم نہیں ہوئی۔ اس قلت کو پانی کی کمی، سیلابوں، سیم اور تھور، زمین کی مستقل الاٹمنٹ میں تاخیر، ذخیرہ اندوزی، اور ناجائز برآمد نے مزید خراب کیا۔

6- صنعتی پیداوار

آزادی کے برسوں میں صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ 1950ء میں اگر یہ پیداوار 100 کے برابر رکھی جائے۔ تو 1956ء میں یہ 359 بنتی ہے۔ یعنی 259 فیصد اضافہ ہوا۔ کارخانوں کی صنعت کو شامل کر کے یہ مناح 282 فیصد تک پہنچ جاتا تھا۔ 1957ء میں پیداوار بڑھی۔ مگر شرح پیداوار گذشتہ سالوں کے مقابلے میں کم رہی۔

نجی سرمایہ کاری زیادہ تر دوسرے درجے کی صنعتوں مثلاً کاٹن، وولن ٹیکسٹائل ملز، آرٹ، سلک، پٹ سن، خوردنی تیل، بسکٹ، صابن، پلاسٹک کے سامان اور ادویات وغیرہ کے سلسلے میں ہوئی۔

1955ء میں صنعتی پیداوار میں 1954ء کے مقابلے میں 28 فی صد اضافہ ہوا۔ 1956ء میں 1955ء کے مقابلے میں 15 فیصد اضافہ ہوا۔ اور 1957ء میں پچھلے سال کے مقابلے میں 8 فی صد اضافہ ہوا۔

یہ کمی زر مبادلہ کی قلت کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ نئی مشینری اور

صنعتی خام مال کی در آمد کے ذرائع بہت محدود ہو گئے۔

افراط زر کا مسئلہ

افراط زر اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب اشیاء اور محنت کی قوت خرید ایسی اشیاء کی پیداوار کی شرح سے بڑھ جاتی ہے۔ جب حکومت سٹیٹ بنک سے قرض لیتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اتنا روپیہ بھی ملک میں پھیل گیا ہے۔ اور افراط زر پیدا ہوتی ہے۔ اس سے قیمتوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ روپیہ کی سپلائی کی شرح اشیاء کی سپلائی کی شرح سے بڑھ جاتی ہے۔ پاکستان میں روپیہ کی مجموعی سپلائی جو جنوری 1949ء میں 272 کروڑ تھی۔ وہ ایک سال بعد 322 کروڑ تک پہنچ گئی۔ اس طرح 4 سال میں 50 کروڑ کا اضافہ ہوا۔ آئندہ 4 سال میں یہ اضافہ 524 کروڑ تک پہنچ گیا۔ جس کی سالانہ شرح اوسط 40'4 کروڑ بنی۔ اس کا اثر اخراجات زندگی میں اضافے کی صورت میں ہوا۔

زرمبادلہ کا مسئلہ

سٹیٹ بنک نے 30 جون 1957ء کو ختم ہونے والے مالی سال کی رپورٹ شائع کی۔ جس کے مطابق زیر تبصرہ مالی سال میں زرمبادلہ کا خسارہ 26'6 کروڑ کی حد تک پہنچ گیا۔ یہ خسارہ 53-1952ء کے بعد سب سے زیادہ تھا۔ جبکہ 1956ء میں 35'86 کروڑ کی بچت ہوئی تھی۔ اس خسارے کی بنیادی وجہ متذکرہ سال تقریبا 80 کروڑ روپیہ مالیت کی اجناس خوردنی کی در آمد بتائی گئی۔

اس کے برعکس کپاس اور پٹ سن کی برآمد کم رہی اس سال نجی کھاتے میں صرف 86.95 کروڑ روپے کی در آمدات ہوئیں۔ باقی تمام زرمبادلہ سرکاری کھاتے میں خرچ ہوا۔ جبکہ دوسرے ممالک میں زیادہ تر در آمد نجی کھاتے میں ہوتی تھیں۔ اور سرکاری طور پر بیرونی ادائیگیوں کی رقم کم ہوتی تھی۔

اس صورتحال کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوا۔

پاکستان میں غیر ملکی سرمایہ

وزیر خزانہ نے 1957ء میں بتایا کہ 1953ء سے جولائی 1957ء تک کے عرصہ میں پاکستانی صنعتوں میں 17 کروڑ 57 لاکھ چالیس ہزار روپے کی مالیت کا غیر ملکی سرمایہ لگانے کی اجازت دی گئی۔ سب سے بڑا سرمایہ کار برطانیہ تھا۔ جس نے کل سولہ کروڑ دولاکھ 88 ہزار روپے پاکستانی صنعتوں میں لگائے۔ دوسرے درجے پر جرمنی تھا۔ جس نے تقریبا 7 لاکھ روپے لگائے۔ تقریبا 3 لاکھ لگا کر امریکہ تیسرے نمبر پر تھا۔ یہ سارا سرمایہ مغربی پاکستان میں لگا۔ جبکہ اس عرصہ میں مشرقی پاکستان میں 12 لاکھ 74 ہزار روپے کا غیر ملکی سرمایہ لگانے کی اجازت دی گئی۔

جس میں 9 لاکھ 40 ہزار بھارت نے فراہم کئے برطانیہ کی زیادہ تر سرمایہ کاری تقسیم کے قبل کی تھی۔

اس سلسلے میں حکومت نے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو اگرچہ بڑی مراعات دیں۔ امریکی سرمایہ کاروں کو ایک معاہدے کے ذریعے دوہرے ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ جبکہ امریکی سینٹ کی مالیاتی کمیٹی نے اس معاہدہ کی توثیق کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح حکومت اپنی تمام کارروائیوں اور نقصانات اٹھانے کے باوجود غیر ملکی سرمایہ کاروں کو متوجہ کرنے میں ناکام رہی۔

صنعتی ترقی اور پنجسالہ منصوبے

پاکستان کی زیادہ تر صنعتی، زرعی، معاشی و اقتصادی ترقی پنجسالہ منصوبوں سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن پنجسالہ منصوبوں کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ پنجسالہ مصوبوں سے قبل کے دور میں حکومت کی طرف سے ملک کی معیشت کو ترقی اور بڑھاوا دینے کیلئے جو پالیسیاں اختیار کی گئیں۔ ان کا جائزہ لیا جائے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

1 - اس سلسلے میں حکومت کا سب سے پہلا قدم دسمبر 1947ء میں قائداعظم کی ہدایت و نگرانی میں ایک صنعتی کانفرنس کا اجلاس تھا۔ جس نے صنعتی ترقی کے اہم اصول طے کئے۔

2- اپریل 1948ء میں حکومت نے اپنی صنعتی پالیسی کا اعلان کیا۔

3- 1949ء میں سائنسی اور صنعتی ریسرچ کا ایک محکمہ قائم کیا گیا۔

4- کولمبو پلان- 1951ء میں دولت مشترکہ آٹھ آزاد ممالک نے معاشی ترقی کیلئے ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرتے ہوئے۔ کولمبو میں ایک منصوبہ تیار کیا۔ جسے کولمبو پلان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پاکستان ان آٹھ ممالک میں شامل تھا۔

پاکستان نے اس منصوبے کی مدت 57-1951ء میں ملک کے اندر مجموعی طور پر 2600 ملین روپے کے ترقیاتی اخراجات کا تخمینہ تجویز کیا۔ منصوبے کی رو سے 1700 ملین روپے پر مشتمل حصے کیلئے اندرونی ذرائع کو بروئے کار لانا تھا۔ جبکہ 900 ملین روپے غیر ملکی امداد سے حاصل کرنا تھے۔ بعد میں بین الاقوامی سطح پر قیمتوں میں اضافہ ہونے کی وجہ سے اس منصوبے کا کل حجم 2600 ملین سے بڑھ کر 5640 ملین ہو گیا۔

پاکستان میں معاشی منصوبہ بندی کیلئے یہ ایک ابتدائی تجربہ تھا۔ لہٰذا اس کی تیاری میں جس فنی مہارت کی ضرورت تھی۔ وہ دستیاب نہ ہو سکی۔ جس کی وجہ سے نہ تو بنیادی ذرائع کیلئے صحیح تخمینے تیار ہو سکے۔ اور نہ ہی منصوبے پر عمل در آمد کرنے والی مشینری کوئی موثر کردار ادا کر سکی۔ یوں یہ منصوبہ اپنے مطلوبہ مقاصد مکمل طور پر حاصل نہ کر سکا۔

بہر حال اس منصوبے کے تحت جزوی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن (PIDC) نے اس منصوبے کی مدت کے دوران 19 صنعتی منصوبے پائیہ تکمیل تک پہنچائے۔ مزید برآں بجلی کی پیداوار 110,000 k.w سالانہ سے بڑھ کر 280,000 سالانہ ہو گئی۔ اسی طرح سیمنٹ کی پیداوار تین لاکھ بیس ہزار ٹن سالانہ سے بڑھ کر پونے سات لاکھ ٹن سالانہ تک جا پہنچی۔

5- 1952ء میں کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ قائم کی گئی۔

1952ء ہی میں پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی گئی۔

پہلا پنج سالہ منصوبہ

حکومت نے 60-1955ء کی مدت کیلئے منصوبہ بندی بورڈ کو پہلا پنج سالہ منصوبہ تشکیل دینے کی ہدایت کی۔ 1956ء کے وسط میں اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کی۔ جسے 1957ء کے شروع میں قومی اقتصادی کونسل نے منظور کیا۔ اور اس طرح یہ منصوبہ اپنے مجوزہ آغاز سے دو سال بعد یعنی اپریل 1957ء میں میدان عمل میں آیا۔

شروع میں اس منصوبے کیلئے 11500 ملین روپے رکھے گئے۔ لیکن بعد میں کم کر کے 10800 ملین روپے کر دیئے گئے۔ اس رقم کا 6600 ملین مقامی ذرائع یعنی سرکاری اور نجی بچتوں سے اور 4200 ملین غیر ملکی امداد سے حاصل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اس رقم کا 7500 ملین روپے پر مشتمل حصہ سرکاری شعبہ کے زیر انتظام ترقیاتی کاموں پر خرچ ہوگا۔ اور 3300 ملین روپے نجی شعبہ کے تحت خرچ ہوں گے۔

کل ترقیاتی اخراجات میں سے ایک تہائی یعنی 3300 ملین روپے صرف صنعتی شعبہ کیلئے مختص کئے گئے۔ جس میں سے 1600 ملین سرکاری شعبے اور 1400 ملین نجی شعبہ میں چلنے والی صنعتوں کے لئے مخصوص کئے گئے۔

2110 ملین روپے کی رقم ذرائع نقل و حمل و مواصلات پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب کہ پانی اور بجلی کے ذرائع پر 2700 ملین روپے خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ نجی شعبے میں معدنیات کیلئے 350 ملین روپے کی رقم خرچ کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔

مذکورہ بالا اقدامات کے ذریعے ملک کی صنعتی پیداوار کو 60-1955ء کے دوران 60 فی صد تک بڑھانے کا پروگرام بنایا گیا۔ برآمدات میں 15 فی صد فی کس آمدنی میں 7 فیصد اور قومی پیداوار میں 15 فی صد اضافے کا پروگرام بھی بنایا گیا۔ نیز برسر روزگار افراد کی تعداد کو تین لاکھ نوے ہزار سے بڑھا کر 6 لاکھ پچیس ہزار تک بلند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

صنعت کے شعبہ میں مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل لائحہ عمل تیار کیا گیا۔

(i)- ایسی صنعتوں کو ترجیح دینا جن سے قومی آمدنی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔

(ii)- ایسی صنعتوں میں سرمایہ کاری کو ترجیح دینا جو برآمدی اشیاء پیدا کرتی ہوں۔ یا درآمدی اشیاء کے نعم البدل تیار کرتی ہوں۔ تاکہ برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی سے ملک کی ادائیگیوں کا توازن درست ہو سکے۔

(iii)- ملک میں صنعتی ترقی سے روزگار کی سطح کو بلند کرنا۔ اور اس مقصد کے لئے ایسی صنعتوں کا انتخاب کرنا۔ جو نہ تو مکمل طور پر جاذب سرمایہ "Capital intensive" ہوں۔ اور نہ ہی مکمل طور پر جاذب محنت "Labour intensive" ہوں۔

(iv)- صنعتی انتظامی تربیت اور تحقیق کو بطور اہم مطالعاتی مضمون اور پیشے کے آگے بڑھانا' اس مقصد کیلئے یونیورسٹی کی سطح پر طلباء کو صنعتی انتظامی تربیت کا مضمون پڑھانا۔ اور موجودہ صنعتی انتظامیہ کو مختلف پروگراموں کے ذریعے جدید صنعتی انتظامی طریقہ کار سے آگاہ کرنا۔

(v) - پیداواری استعداد اور کوالٹی کو بہتر بنانے کیلئے مقابلہ کے رجحان کو فروغ دینا۔ آجروں کے کاروباری گٹھ جوڑ کی حوصلہ شکنی کیلئے کم قیمت اور معیاری درآمدات کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(vi)- صنعتی پیداوار بڑھانے کیلئے فنی سرمایہ کاری کے ساتھ ساتھ موجودہ پلانٹوں کی استداد میں اضافہ کرنا۔

(vii)- کل 3000 ملین روپے کی سرمایہ کاری میں سے 2700 ملین روپے نئے پلانٹوں پر اور 300 ملین موجودہ پلانٹوں کی تجدید پر خرچ کرنا۔ اور نئی سرمایہ کاری کو چند بڑے شہروں تک محدود ہونے سے روکنا۔

(viii)- 3000 ملین کی اسی مجوزہ سرمایہ کاری میں سے 1600 ملین اشیاء سرمایہ کی پیداوار اور 1400 ملین روپے اشیاء صرف پیدا کرنے والی صنعتوں پر خرچ کرنا۔

(ix)- سرکاری شعبہ کے تحت سرمایہ کاری کیلئے ایسی صنعتوں کا انتخاب کرنا۔ جن میں نجی شعبہ تیکنیکی مہارت اور سرمائے کی کمی کی وجہ سے سرمایہ کاری نہ کر سکتا ہو۔

(x)- نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کیلئے مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں کے ذریعے ہونے والی سرمایہ کاری کے منافع پر ٹیکس میں چھوٹ اور ذاتی سرمایہ کاری پر ٹیکس کی معافی۔ علاوہ ازیں 1949ء میں قائم شدہ پاکستان صنعتی مالیاتی کارپوریشن "PIFCO" کے ساتھ ساتھ صنعتکاروں کو قرضہ فراہم کرنے کے لئے ایک نئے ادارے "پاکستان صنعتی قرضہ اور سرمایہ کاری کی کارپوریشن" "PIFCO" کا قیام۔

(xi)- حکومت اور نجی شعبہ کیلئے صنعتی منصوبہ بندی اور مشاورت کے

سلسلے میں سرکاری محکمے 'صنعتی منصوبہ بندی اور ترقیاتی تنظیم' کو سرگرم عمل کرنا۔

اس منصوبے کے بڑے بڑے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

ا۔ قومی آمدنی کو بڑھانا اور لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنا۔

ب۔ ادائیگی توازن کو ہموار کرنا۔

ج۔ ذرائع روزگار کو بڑھانا۔

د۔ معاشرتی خدمات بہم پہنچانا۔

س۔ معاشی ترقی کی رفتار بڑھانا۔

ماہرین کے مطابق پاکستان کا پہلا پنج سالہ منصوبہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر ناکام رہا۔

1- درآمدات و برآمدات کی قیمتوں میں نامناسب رجحانات۔

2- ناموافق موسمی حالات۔

3- نجی اور سرکاری طور پر انتظامی اور صرف کے اخراجات میں اضافہ۔

4- اندرونی و بیرونی وسائل کا نااہلی سے استعمال۔

پاکستان کے بجٹ

پہلا بجٹ

پاکستان کا پہلا بجٹ جو 49-1948ء کیلئے تھا۔ وزیر خزانہ غلام محمد نے 28 فروری 1948ء کو پیش کیا۔ اس بجٹ پر نظر ڈالتے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس وقت حکومت کے ذرائع آمدنی بہت محدود تھے۔

اس بجٹ میں مجموعی آمدنی کا تخمینہ 79.57 کروڑ روپے اور اخراجات کا تخمینہ 89.68 کروڑ روپے تھا۔ گویا بجٹ میں 10.11 کروڑ روپے کا خسارہ دکھایا گیا تھا۔ اس خسارے کو پورا کرنے کیلئے جو نئے ٹیکس لگائے گئے یا مروجہ ٹیکسوں میں اضافہ کیا گیا۔ ان سے 10.16 کروڑ روپے کی آمدنی متوقع تھی۔ اس طرح تمام اخراجات پورے کرنے کے بعد بھی حکومت کے پاس 5 لاکھ روپے بچ جاتے۔

بجٹ کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ریلوے اور پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کے محکموں کی متوقع آمدنی (36.89 کروڑ روپے) سب سے زیادہ تھی۔ لیکن ان محکموں کے اخراجات کا تخمینہ 37.15 کروڑ تھا۔ گویا اس مد میں 66 لاکھ روپے کا خسارہ دکھایا گیا۔ اخراجات کی مد میں دوسرا بڑا حصہ (37.11 کروڑ روپے) مسلح افواج کیلئے مختص کیا گیا۔ جبکہ "دیگر اخراجات" کے خانے میں 15.42 کروڑ روپے کی رقم دکھائی گئی تھی۔

وزیر خزانہ نے اپنی تقریر میں واضح طور پر اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ تخمینے غیر معمولی حالات میں لگائے گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت نے معیشت کے فروغ کیلئے درمیانی راہ (Mixed Economy) اختیار کی ہے۔ اس لئے بعض اہم صنعتیں قومی ملکیت میں رہیں گی۔ اور باقی پرائیویٹ سیکٹر کے پاس رہیں گی۔ انہوں نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کے قیام کا مجوزہ منصوبہ بھی پیش کیا۔ جس کے تحت اس کا آغاز 3 کروڑ روپے کے ادا شدہ سرمائے سے ہونا تھا۔ اس کے ساتھ ہی طے یہ پایا تھا کہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں 51 فی صد حصص حکومت کے ہوں گے اور 49 فی صد حصص پرائیویٹ سیکٹر کیلئے جاری کئے جائیں گے۔ وزیر خزانہ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ عالمی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک برائے تعمیر و ترقی میں پاکستان کی رکنیت کیلئے بہت جلد درخواست پیش کر دی جائے گی۔

معمول کے دوسرے اخراجات کے علاوہ اخراجات کی مد میں صوبائی حکومتوں کیلئے قرضے کے طور 10 کروڑ روپے مختص کئے گئے تھے۔ جن میں 1.5 کروڑ روپے مہاجرین کی آباد کاری کیلئے اور اس کے علاوہ "مہاجرین کی آباد کاری کی کارپوریشن" کیلئے بھی علیحدہ سے ایک کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی تھی۔ قبائلی علاقوں کی مجموعی ترقی کے شعبے میں 10 لاکھ روپے اور کاٹج انڈسٹری کے شعبے میں 5 لاکھ روپے کا خسارہ دکھایا گیا تھا۔ اقبال اکیڈمی کے قیام کیلئے بھی ایک لاکھ روپے کی منظوری دی گئی تھی۔

علاوہ ازیں پاکستان میں رہنے والے اچھوتوں کی تعلیمی اور اقتصادی بہتری کیلئے خاص طور پر پانچ لاکھ روپے مختص کئے گئے تھے۔

بجٹ میں صنعتی ترقی کے فروغ کیلئے انڈسٹریز فنانس کارپوریشن اور انسٹی ٹیوٹ آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کے قیام کا منصوبہ پیش کیا گیا۔ مزید براں ان صنعتی اداروں کو جو بجلی سے چلنے والی مشینیں استعمال کرتے تھے اور جن کے ملازمین کی تعداد پچاس سے زائد نہیں تھی۔ ہر قسم کے بلاواسطہ ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ بشرطیکہ ان کی آمدنی میں اصل سرمائے کے پانچ فی صد حصے سے زیادہ اضافہ نہ ہوا ہو' اس کے علاوہ پہلی بار نصب کی جانے والی مشینری پر عائد ٹیکس میں 20 فیصد اور نئی عمارتوں پر 15 فیصد ابتدائی خصوصی تخفیف کا فیصلہ بھی مذکورہ پالیسی میں شامل تھا۔

اس بجٹ کا قابل غور پہلو یہ ہے کہ 10.11 کروڑ روپے کا خسارہ پورا کرنے کیلئے جن اشیاء پر عائد ٹیکسوں کی شرح میں اضافہ کیا گیا۔ ان میں سے بیشتر روزمرہ زندگی کا حصہ تھیں۔ جن کی قیمتوں میں اضافہ کا اثر براہ راست متوسط اور غریب عوام پر پڑتا تھا۔ چنانچہ مٹی کے تیل' پٹرول' شکر' تمباکو' جوتوں' سگریٹ' نمک' پوسٹ کارڈ اور چھالیہ پر ٹیکسوں کی شرح میں اضافے کا خیر مقدم نہیں کیا گیا۔

وزیر خزانہ نے بجٹ کے سلسلے میں پاکستان کے مسائل وغیرہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے انتظامی ضروریات کے تحت انڈین انکم ٹیکس ایکٹ 1922ء ایکسائز پروفٹس ٹیکس ایکٹ 1940ء اور بزنس پروفٹس ٹیکس ایکٹ 1947ء میں بعض ترامیم پیش کیں۔ جنہیں ایوان نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔

جب یکم مارچ 1948ء کو اسمبلی کے بجٹ سیشن میں عام بجٹ کا آغاز ہوا تو مختلف اراکین نے جن میں حزب اختلاف کے علاوہ حزب اقتدار کے نمائندے بھی شامل تھے۔ بجٹ کے مختلف پہلوؤں پر شدید اعتراضات کئے۔ اس اسمبلی میں قائد حزب اقتدار لیاقت علی خان اور قائد حزب اختلاف ایس۔ سی پی چٹوپا دھیائے تھے۔ جبکہ اسپیکر کے فرائض مولوی تمیز الدین خان انجام دے رہے تھے۔

پہلے اجلاس میں کل 42 ارکان شریک ہوئے جن میں حزب اختلاف کے 9 اراکین بھی شامل تھے۔ ہر رکن کو تقریر کیلئے پندرہ منٹ دیئے گئے۔ بحث کا آغاز کانگریس پارٹی کے سیکرٹری پروفیسر راج کمار چکرورتی نے کیا۔ جن کا تعلق مشرقی بنگال سے تھا۔ انہوں نے تمباکو' نمک' پوسٹ کارڈ اور چھالیہ پر عائد ٹیکسوں میں اضافے کو غیر منصفانہ قرار دیا اور کہا کہ اس اضافے کے نتائج غریب عوام کو بھگتنے پڑیں گے انہوں نے کہا کہ مشرقی بنگال دنیا کا 70 فیصد پٹ سن پیدا کرتا ہے لیکن وہاں جوٹ ملیں قائم کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں اٹھایا گیا۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے

محکمہ ریلوے میں رشوت ستانی اور بدعنوانیوں کا ذکر بھی کیا۔

ملک فیروز خاں نون نے حکومت کی کاٹن پالیسی پر شدید الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے روئی' بنولے' اور اسپیئرپارٹس سے کنٹرول ہٹانے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ان ٹیکسوں سے مغربی پاکستان کے کاشتکاروں کا بوجھ بڑھ جائے گا۔

مشرقی بنگال کے عبدالمتین چودھری نے وزیر دفاع کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے توقع کا اظہار کیا کہ مشرقی بنگال کے جوانوں کو بھی مسلح افواج میں کمیشن حاصل کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ انہوں نے چٹاگانگ کی بندرگاہ کو ترقی دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ مشرقی بنگال میں پیدا ہونیوالی پٹ سن کا صرف 1/10 حصہ اس بندرگاہ کے ذریعے برآمد کیا جارہا ہے۔

محمد ہاشم گزدر نے کہا کہ یہ سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کا بجٹ ہے۔ انہوں نے کراچی کو دارالحکومت بنانے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس سے سندھ کی حق تلفی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ "صوبائی یونٹوں کے اختیارات میں مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔"

مشرقی بنگال کے عزیزالدین احمد نے کہا کہ بجٹ میں مشرقی بنگال کو نظرانداز کیا گیا ہے۔ انہوں نے ٹیکسوں پر تنقید کرتے ہوئے کہ حقہ' تمباکو' پٹ سن کے کاشت کاروں کی واحد عیاشی ہے۔ مشرقی بنگال کے کسانوں کو کفن تک کیلئے کپڑا میسر نہیں اس کے باوجود ان پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھایا جا رہا ہے۔ عزیز الدین احمد نے سینٹرل سیلز ٹیکس کو صوبائی خود مختاری کے منافی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر چھالیہ اور نمک پر سے ٹیکس نہ ہٹایا گیا تو بنگال کو متحد کرنے کی تحریک مضبوط ہو جائے گی۔ مشرقی بنگال پاکستان سے دور ہو جائے گا۔

مشرقی بنگال ہی کے رکن عبدالحامد نے تعلیمی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ حکومت مشرقی بنگال سے لاتعلقی کا رویہ اختیار کر رہی ہے۔ بی۔ کے دتہ نے مسلح افواج کے لئے مختص کردہ رقم کو غیر متناسب قرار دیتے ہوئے اس رجحان کی مذمت کی کہ صوبے کے مفاد میں کی جانیوالی ہربات کو "صوبائیت" کا شاخسانہ قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے مشرقی بنگال میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے سلسلے میں مناسب اقدام کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور مجموعی طور پر بجٹ میں صحت و طب کے شعبے پر زیادہ رقم صرف کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

مولوی ابراہیم خان نے مشرقی بنگال میں کاغذ اور پٹ سن کے کارخانے قائم کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے مٹی کے تیل پر عائد ٹیکس میں اضافے پر شدید نکتہ چینی کی اور یہ مطالبہ کیا کہ مسلح افواج میں بنگالیوں کا حصہ ہونا چاہئے۔

حزب اختلاف کے علاوہ حزب اقتدار کے بعض اراکین جن میں خواجہ ناظم الدین' اشتیاق حسین قریشی' اور ایم۔ اے ملک بھی شامل تھے۔ ان کی تائید کی۔ جہاں تک مسلح افواج کے مجوزہ اخراجات کا تعلق ہے۔ اس کے حق میں مشرقی بنگال کے صرف ایک رکن عبداللہ محمود نے تقریر کی اور دفاع کو اولین ضرورت قرار دیتے ہوئے اس رقم میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ وزیر محنت جوگندر ناتھ منڈل نے شکوہ کیا کہ پندرہ پارلیمانی سیکرٹریوں میں ایک بھی ہندو نہیں ہے۔ انہوں نے وزارت اقلیتی امور قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ پروفیسر چکرورتی نے سوال اٹھایا کہ کیا یہ درست ہے کہ پاکستان کے قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اگر درست ہے تو اس کے کیا مضمرات ہیں؟ وزیراعظم لیاقت علی خان نے جواب دیا۔ مجھے نہیں معلوم آپ نے یہ بات کہاں سے سنی ہے۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئین ساز اسمبلی جب بھی آئین وضع کرے گی۔ اس میں اقلیتوں کو پورا تحفظ حاصل ہو گا۔

ڈاکٹر ایم حسین نے بجٹ کو قدامت پسندانہ اور تاجروں کے مفادات کا ترجمان قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس میں صوبوں کی مالیاتی خود مختاری کو غصب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہاشم گزدر کے علاوہ وزیراعلیٰ سندھ ایوب کھوڑو نے بھی کراچی کو وفاقی دارالحکومت بنائے جانے کے فیصلے پر تنقید کی اور کہا کہ کراچی کی تعمیر پر سندھ کا پیسہ خرچ ہو رہا ہے۔ انہوں نے اپنے لیگی ساتھی ممتاز دولتانہ سے پوچھا کہ اگر لاہور' مغربی پنجاب سے نکل جائے تو آپ کا کیا ردعمل ہو گا؟ ممتاز دولتانہ نے مسکراتے ہوئے کہا "ہم خیرمقدم کریں گے"۔

28 فروری سے 13 مارچ تک مختلف اجلاسوں کے دوران بجٹ اور ملک کو درپیش اقتصادی مسائل پر گرماگرم بحث جاری رہی۔ مجموعی طور پر مسلم لیگ کے اراکین نے بجٹ کا خیرمقدم کیا اور معترضین کے رد میں دلائل پیش کئے۔ تاہم مختلف سرکاری محکموں کی ناقص کارکردگی اور بدعنوانیوں کے بارے میں مجموعی طور حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے اراکین کی آراء میں زیادہ اختلاف نہیں تھا۔

آخری اجلاس میں اراکین کے درمیان زور دار بحثیں ہوئیں۔ عبدالغفار خان (باچا خان) اور سہروردی نے اپنی تقریروں میں ہندوستان سے اچھے تعلقات پر زور دیتے ہوئے۔ اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ خان عبدالغفار خاں نے پٹھانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے۔ یہ کہا کہ پٹھانوں کے ساتھ بہت ناانصافی ہوتی رہی ہے۔ اور انہیں غلط رنگ میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے صوبے کا نام بھی ان کے تشخص سے جداگانہ ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی سیاست پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں اب مسلم لیگ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے پیرو بھی ہیں۔

سہروردی نے غفار خان کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کا لفظ

غیر منقسم ہندوستان کی حد تک تو ٹھیک تھا۔ لیکن اب اسے جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ اب اسے پاکستان لیگ یا اس جیسا کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں یہاں انڈین یونین کے شہری کی حیثیت سے بول رہا ہوں۔ اور اگر میں یہاں پاکستان میں رکن اسمبلی کی حیثیت سے شریک ہوں۔ تو اس میں کوئی آئینی پابندی نہیں ہے۔ انہوں نے ہندوستان سے اچھے تعلقات پر زور دیتے ہوئے۔ فرقہ پرستی پر تنقید کی۔ اور اقلیتوں کو آئینی تحفظ دینے کا مطالبہ کیا۔ اور سوال اٹھایا کہ اگر پاکستان میں فرقہ وارانہ فضا نہیں ہے تو آخر ہندو سندھ چھوڑ کر کیوں بھاگ رہے ہیں؟۔

ان دونوں قائدین کے جواب میں لیاقت علی خان نے حکومت کے موقف پر روشنی ڈالی۔ ان تینوں تقریروں کے دوران مسلسل نوک جھونک ہوتی رہی۔ لیاقت علی نے کہا کہ پاکستان میں مذہب کی بنیاد پر کسی سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔ انہوں نے غفار خاں کو "احساس کمتری کا مریض" قرار دیتے ہوئے کہا کہ اگر اسمبلی صوبہ سرحد کیلئے کوئی اور نام (مثلاً پٹھانستان) وغیرہ منظور کرتی ہے۔ تو اس پر کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔ انہوں نے مسلم لیگ کا نام برقرار رکھنے کی حمایت میں دلیل پیش کی کہ عوام اس نام سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ قائداعظم نے سہروردی کے اس موقف کو مضحکہ خیز قرار دیا کہ وہ بیک وقت دو مملکتوں کے وفادار ہیں ان کی تقریر کے دوران سہروردی نے متعدد بار اعتراضات اٹھائے اور کہا کہ ان کے الفاظ کو غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس بجٹ میں 10 کروڑ سولہ لاکھ کے جو نئے ٹیکس لگائے گئے۔ ان میں چینی پر ڈیوٹی میں 20 فی صد اضافہ۔ چمڑے کی چیزوں اور تمباکو کے محصول میں 30 فی صد اضافہ شامل ہے۔ مٹی کے تیل پر محصول 3 آنہ فی گیلن کی بجائے 4 آنے فی گیلن کر دیا گیا۔ حقے کے تمباکو پر محصول میں سو فی صد اور بیٹری کے تمباکو پر محصول میں 9 آنے سے 12 آنے فی پونڈ کا اضافہ ہوا۔ پان پر 2 آنے فی پونڈ کا محصول عائد ہوا۔ پوسٹ کارڈ کی قیمت 2 پیسے سے 3 پیسے کر دی گئی۔

1949-58ء --- ٹیکس ہی ٹیکس

اس بجٹ میں تین کروڑ ایک لاکھ روپے کے مزید ٹیکس عائد کئے گئے۔ اس میں تمباکو کی درآمدی شرح میں سوا سولہ فی صد کا اضافہ' ڈیڑھ روپیہ فی گز سے زائد قیمت کے کپڑے کی درآمد پر پندرہ سے بیس فی صد اضافہ' بیٹری کی درآمدی قیمت پر دس فی صد' سستے سگرٹوں پر پندرہ فی صد' پاکستان سیمنٹ کی برآمد پر پانچ روپیہ فی ٹن کا محصول' تازہ مچھلی کی برآمد پر پانچ روپیہ فی من' خشک مچھلی پر آٹھ روپیہ فی ہنڈرڈ ویٹ اور بانس کی برآمدی قیمت پر دس فی صد محصول شامل ہیں۔

بجٹ 1950-51ء

اس بجٹ میں دو کروڑ کے نئے ٹیکس لگائے گئے۔ ایک لاکھ سے 20 لاکھ روپے تک کی جائیداد پر چھ سے تیس فی صد ٹیکس لگایا گیا۔ چائے پر درآمدی محصول 6 آنے سے 8 آنے فی پونڈ تک بڑھا۔ چھالیہ پر 5 آنے کی بجائے 6 آنے فی پونڈ' کنفکشنری پر 60 فی صد کی بجائے 75 فی صد' کیک' بسکٹ' اچار' چٹنی' مربے اور جام پر 20 فی صد سے بڑھا کر 45 فی صد ٹیکس' مشروبات پر 3 آنے فی گیلن' سگریٹ پر 7.50 فیصد' سائیکلوں کے محصول میں گیارہ اور کیمیائی اشیاء پر 30 سے 37 فی صد تک محصول کا اضافہ ہوا۔ ریشمی سوت' اور دھاگے محصول میں دس فی صد' اور اونی کپڑے کے محصول میں پندرہ فی صد کا اضافہ کیا گیا۔

10 لاکھ روپے کی بچت کے اس بجٹ کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

تخمینہ آمدنی	ایک ارب 13 کروڑ' 64 لاکھ روپے
تخمینہ اخراجات	ایک ارب' 15 کروڑ' 54 لاکھ روپے
خسارہ	ایک کروڑ 90 لاکھ روپے
پرانے ٹیکسوں میں اضافہ اور نئے ٹیکس	2 کروڑ روپیہ
بچت	10 لاکھ روپیہ

سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ڈائریکٹر حاتم اے علوی نے "السٹر یٹڈ ویکلی آف پاکستان" میں اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ "یہ نہ غریبوں کا بجٹ ہے نہ امیروں کا بلکہ یہ دراصل فوجی بجٹ ہے" مضمون نگار نے ثابت کیا کہ پچھلے سال حکومت نے فوج کے لئے جو رقم منظور کی تھی' اس سے زائد خرچ کیا اور اس سال کے ریونیو (سات کروڑ) سے فوج پر 5 کروڑ روپے زائد خرچ ہوں گے۔[4] مضمون نگار نے لکھا: اب تک ہم فخر کرتے تھے کہ پاکستان دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت یا دنیا کی پانچویں سب سے بڑی مملکت ہے۔ اب ایک تیسری بات پر بھی فخر کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں آمدنی کے اعتبار سے فوجی اخراجات کا تناسب دنیا بھر کے تمام ملکوں سے زائد ہے۔ برطانیہ اور امریکہ بھی دفاع پر اس تناسب سے خرچ نہیں کرتے۔

ضمنی بجٹ 1950ء

اس سال کے ضمنی بجٹ میں تمام ٹیکسوں کو کو برقرار رکھا گیا۔ اس کے علاوہ سگریٹ کی درآمدی ڈیوٹی ریلوے اور ملک کی آبی شاہراہوں پر چلنے والے جہازوں کے کرایہ میں اضافہ تفریحی ٹیکس میں اضافہ' رسیدی ٹکٹ کی قیمت میں اضافہ وغیرہ شامل ہیں۔

بجٹ 1951-52ء

1950ء میں عائد کردہ ٹیکس برقرار رہے۔

بجٹ 53-1952ء

تمام سابقہ ٹیکسوں کی شرح بدستور قائم رہی لیکن اس کے ساتھ ہی بعض اشیاء پر عائد کردہ ٹیکسوں میں رعایت کر دی گئی۔

بجٹ 54-1953ء

اس بجٹ میں 5 کروڑ 88 لاکھ روپے کے مزید ٹیکس عائد ہوئے۔ کپڑے پر محصول 5 فی صد سے بڑھا کر 12 فی صد در آمدی کھانڈ کا محصول 30 سے 32 روپے فی ہنڈرڈ ویٹ مقامی کھانڈ پر محصول 2 روپے سے 7 روپے فی ہنڈرڈ ویٹ سگریٹ پر 25 فی صد ٹیکس' در آمدی سگریٹوں پر دس پائی فی پیکٹ (دس سگریٹ) موٹر پٹرول پر 2 روپے فی گیلن محصول بڑھا۔

بجٹ 55-1954ء

اس بجٹ میں کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا گیا۔ ٹیکسوں میں 2 کروڑ 21 لاکھ روپے کی رعایت دی گئی۔ پٹرول در آمدی اور آبکاری محصول 2 روپے فی گیلن سے کر کے ڈیڑھ روپیہ فی گیلن کر دیا گیا۔ دوکانوں اور اشتہاروں پر مہاجر ٹیکس ختم کر دیا گیا۔

بجٹ 56-1955ء

اس بجٹ میں چائے کی بر آمد پر محصول لگایا گیا۔ سگریٹ اور مصنوعی ریشمی دھاگے پر آبکاری محصول بڑھا دیا گیا۔

بجٹ 57-1956ء

اس بجٹ میں تمام سابقہ ٹیکس برقرار رہے۔ ان کے علاوہ در آمدی ادویات اور موٹے کپڑے پر محصول بڑھا دیا گیا۔

بجٹ 58-1957ء

اس میں بھی تمام سابقہ ٹیکس برقرار رہے۔ تمباکو پر در آمدی ڈیوٹی اور پٹرول کے در آمدی اور آبکاری محصول میں اضافہ ہوا۔

بجٹ 59-1958ء

اس سال کے بجٹ میں کراچی میں سینما اور تفریحی ٹیکس کی شرح پچاس سے 75 فی صد تک بڑھا دی گئی۔ مصنوعی سلکی سوت' دھاگے اور کپڑے پر 35 اور 60 فی صد کی بجائے شرح محصول سو فی صد کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ ہوزری کے اونی سامان کے در آمدی محصول کی شرح 35 سے بڑھا کر 50 فی صد کر دی گئی۔ چینی اور پروسیلن کے برتنوں پر ڈیوٹی بڑھا کر 90 فی صد اور گلاس برتنوں پر 75 فی صد کر دی گئی۔ گھڑیوں کی در آمد پر 70 فی صد کی بجائے 100 فی صد در آمدی محصول لگایا گیا۔ بجلی کے پنکھوں پر 5 روپے فی پنکھا۔ گرم کپڑے پر 8 آنہ فی مربع گز' باریک کپڑے پر تین آنہ فی مربع گز' پردے اور بستر کی چادروں وغیرہ پر 2 آنے فی مربع گز رے آن اور مصنوعی ریشمی کپڑے پر ڈیڑھ آنہ فی مربع گز سے چار آنہ گز تک اور سگریٹوں پر 27/11 فی ہزار سے لے کر 8/12 فی ہزار تک آبکاری محصول عائد کئے گئے۔

اس بجٹ کی تقریر میں وزیر خزانہ نے ابتداء میں قوم کو تین خوش خبریاں سنائی۔ (1) ہماری زرعی پیداوار میں 14 فی صدی اضافہ ہوا ہے۔ (2) ہماری صنعتی پیداوار آٹھ فی صدی بڑھی ہے۔ (3) ہر پاکستانی باشندے کی ماہانہ آمدنی 19 روپے 12 آنے سے بڑھ کر 20 روپے 12 آنے ہو گئی ہے۔ مگر وزیر مال نے کہا کہ یہ ترقی معاشی بدحالیوں کے تین عناصر بھی ساتھ لائی ہے اور یہ کہ زرعی پیداوار میں اضافے سے اشیاء خوراک کی قیمتیں کم نہیں ہوئیں۔ نہ اناج کی فراہمی کا کوٹہ پورا ہوا۔ نہ ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ رکی اور حکومت کو 1958ء میں مجبوراً 110 کروڑ کا اناج در آمد کرنا پڑا۔ دوئم زرمبادلہ کی کمائی تشویش ناک حد تک گھٹ گئی۔ اور اس وقت ادائیگی کا توازن بقدر ساڑھے پچیس کروڑ روپیہ ہمارے خلاف ہے۔ کیونکہ بیرون ملک ہمارے اخراجات بڑھے ہیں اور ہماری بر آمدی تجارت گھٹی ہے۔ (1948ء کی فقط تین چوتھائی رہ گئی ہے) تیسری دشواری یہ ہے کہ ہمیں اپنا ترقیاتی پروگرام چلانا ہے۔ خواہ اس کی وجہ سے وقتی طور پر قوم کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ وزیر خزانہ نے اعتراف کیا کہ یہ "سرکاری مصارف افراطِ زر کا سب سے بڑا سبب ہیں"

وزیر خزانہ نے غیر ملکی امداد کی تصریح کرتے ہوئے بتایا کہ گذشتہ سال ہمیں امریکہ' کینیڈا' اور فورڈ فاؤنڈیشن سے 18 کروڑ 69 لاکھ ڈالر اور آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے ساڑھے پچاس لاکھ پونڈ موصول ہوئے۔ ان کے علاوہ ہمیں عالمی بنک نے 11 کروڑ 1/2 24 لاکھ ڈالر کے آٹھ قرضے دیئے ہیں لیکن یہ کہ "ہم اپنی معیشت کو خود اپنی مساعی سے ہی پائیدار اور مستحکم بنا سکتے ہیں" وزیر خزانہ نے بتایا کہ گذشتہ سال ریلوے سے ہمیں 9 کروڑ ساٹھ لاکھ کا نفع ہوا ہے۔ اور ڈاک و تار سے 2 کروڑ 8 لاکھ کا۔ چنانچہ انہوں نے کلاس سوئم اور چہارم کے ریلوے' تار ڈاک اور دفاع کے غیر فوجی ملازمین کو ڈیڑھ کروڑ روپے جاری کئے ہیں۔ گیارہ کروڑ 40 لاکھ کے نئے محصولات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا ان کا بوجھ خوش اور دولت مند طبقوں پر پڑے گا اور عوام اس سے محفوظ رہیں

گے۔

لیکن دوسری طرف اس بجٹ میں پنج سالہ منصوبے سے 59-1958ء کے منظور شدہ 200 کروڑ کی رقم میں سے صرف 135 کروڑ خرچ کئے گئے بڑے زمینداروں کی زرعی آمدنی کو ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔

بجٹ میں وزیر خزانہ نے نہ تو اناج کی پیداوار بڑھانے' ذخیرہ اندوزی اور بلیک اور سمگلنگ کو روکنے اور نہ ہی افراط زر کو کنٹرول کرنے کی پالیسی بتائی۔ حالانکہ بقول ان کے ان چیزوں کی شدید ضرورت تھی۔

پاکستان کے بجٹ

بجٹ 49-1948ء

مجموعی آمدنی

اصل ذرائع آمدنی	31.20
ریلوے اور پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف	36.89
دوسرے ذرائع	11.48

مجموعی اخراجات

مسلح افواج	37.11
ریلوے اور پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف	37.15
دوسرے اخراجات	15.42
خسارہ	10.11
نئے ٹیکسوں سے آمدنی	10.16
فاضل رقم	پانچ 5 لاکھ روپے

پاکستان کا "روپوش" اقتصادی نظام

پاکستان کے پہلے گیارہ سالوں میں روپوش نظام تجارت یعنی جو قانون سے بالا تھا۔ اس میں چور بازاری' خارجہ تجارت' بینک کاری' صنعتی پیداوار' اور سرکاری نظم و نسق کے شعبے شامل تھے۔ پیداوار کا بہت بڑا حصہ غیر قانونی طور پر بیرونی ممالک میں فروخت ہوتا تھا اور ملکی منڈی میں ایسی اشیاء پائی جاتی تھیں جن کا سرکاری درآمدات میں ذکر نہیں تھا۔ جب اس دوران بعض حلقوں میں سو روپے کے نوٹوں کو غیر قانونی قرار دینے کی تجویز پیش کی گئی تو اس امر کا اندازہ لگایا گیا کہ ان رقوم کی ملکیت کیا ہوگی جو بینکوں سے باہر کاروباری طبقے کے پاس ہیں اور پوشیدہ طور سے جمع کی گئی ہیں تو اندازہ یہ تھا کہ صرف کراچی میں ان رقوم کی ملکیت کوئی دو ارب تھی یہ پوشیدہ سرمایہ جو قانونی طور پر استعمال نہیں ہو سکتا تھا عام طور پر سمگلنگ یا غیر قانونی شرح سود پر قرضے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس سرمائے کے اجتماع کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ٹیکس افسر سے ساز باز کر کے آمدنی کم دکھائی جائے۔ دوسرا ذریعہ ناجائز برآمد و درآمد اور تیسرا ذریعہ زرمبادلہ کا ناجائز کاروبار تھا۔

غیر قانونی بینکاری کا کام زوروں پر تھا۔ صورتحال یہ تھی کہ خود روپیہ کا مالک اس آدمی کو سود ادا کرتا۔ جو اس کے روپے کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا۔

اس طرح حکومت کو خود ملک کی صنعتی پیداوار کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ کیونکہ ٹیکسوں سے بچنے کے لئے عام طور پر پیداوار اور اس کی تجارت کم دکھائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں خفیہ کھاتے بنانے کے علاوہ بیرونی خریداروں سے رابطہ کا طریقہ استعمال کیا جاتا تھا اور برآمد سے حاصل ہونے والے زر مبادلہ کو بیرونی ممالک میں جمع کروا دیا جاتا تھا۔

زرعی پیداوار کے سلسلے میں کسان مشکلات کا شکار تھے۔ کیونکہ حکومت نے اپنی مقرر کنٹرول قیمتوں پر کسانوں سے اناج کی خریداری شروع کی اور اناج کی قیمتوں میں اضافہ نہ ہوا۔ کسان گراں قیمتوں پر کپڑا' دوائیں' اور دیگر ضروریات زندگی خریدتا۔ جبکہ کم قیمت پر اناج فروخت کرتا۔ نتیجتاً اناج کی ناجائز برآمد ہوئی اور اناج کے مالکوں نے اسے حکومت کے ہاتھ فروخت کرنے کی بجائے مغربی بنگال اور بہار کے قحط زدہ علاقوں میں بھیجنا شروع کر دیا تاکہ زیادہ منافع حاصل ہو۔ پنجاب اور سندھ کی سرحدوں سے گندم کی بڑے پیمانے پر سمگلنگ ہوئی۔ اس طرح ملک میں جب اناج کی کمی ہوئی تو حکومت نے امریکی اور دیگر غیر ملکی اناج مہنگے داموں حاصل کر کے اسے راشن ڈپوؤں پر تقسیم کیا اور کوئی 28 کروڑ کا مالی نقصان اٹھایا۔

کوریا جنگ کے بعد ملکی تجارت سرد بازاری کا شکار ہو گئی۔ مغربی ممالک نے سوتی کپڑے کی بجائے مصنوعی دھاگوں سے کپڑا تیار کرنا شروع کر دیا۔ جس سے کپاس کی برآمد کم ہونے لگی اور اسی طرح دوسری تجارتی فصلوں کی برآمد سے تاجروں کو نقصان ہونے لگا۔ انہوں نے ناجائز برآمد سے اس خسارے کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ جب قانونی تجارت برآمد میں سرد بازاری ہوئی تو حکومت نے 1952ء میں او۔ جی۔ ایل ختم کر دیا۔ اس کے بعد درآمدات خصوصاً اشیائے صرف کی درآمد بھی کم ہونے لگی۔ اور سمگلنگ بڑھی۔ سمگلنگ کے ذریعے درآمد ہونے والے مال کی قیمتوں کی ادائیگی کے جو طریقے اختیار کئے گئے وہ یہ تھے۔

مغربی ممالک' ہانگ کانگ اور جاپان کی تجارتی فرموں سے ساز باز کر

کے برآمد ہونے والے مال کی قیمتوں کا غلط اندراج تاکہ حاصل ہونے والے سرمائے کا ایک حصہ برآمد کرنے والے تاجر کے نام غیر ملکی بنکوں میں جمع ہو سکے۔ اس میں بیرونی تجارتی فرموں کا بھی حصہ ہوتا۔ پھر اس زر مبادلہ سے اسمگلنگ کے ذریعے درآمد کئے ہوئے مال کی قیمتوں کی ادائیگی کی جاتی۔ پاکستان سے عام طور پر سونے' چاندی اور اناج کی ناجائز برآمد کی جاتی جس کے لئے گوادر کی بندرگاہ استعمال ہوتی۔ ہندوستان سے بھی بڑے پیمانے پر ناجائز تجارت ہوتی جس کا مرکز کلکتہ تھا۔

اس سلسلے میں بیرونی ممالک میں پاکستانی سفارت خانے بھی ملوث ہوتے۔ ان کے ذریعے زر مبادلہ کی چوری کی جاتی۔ پاکستانی تاجر کم قیمت پر مغربی ممالک کو مال فروخت کرنے اور وہاں سے چوری کا مال منگوانے کے لئے پاکستان میں مقیم بعض سفیروں کو استعمال کرتے۔ یہ سفیر اپنے نام سے مال درآمد کرتے اور مقامی تاجروں کو بیچتے۔

ہمارے ملک میں ٹیکسوں کا نظام نو آبادیاتی ورثہ ہے جو کہ صنعتی اور تجارتی ترقیوں کے حسب حال نہیں بنایا گیا۔ اس طرح ایشیا کے تمام ملکوں میں سب سے زیادہ ٹیکس پاکستان میں اور اس کے بعد برما میں تھا۔ پاکستان میں اس وقت مغربی یورپ کے ملکوں سے بھی زیادہ ٹیکس تھا۔ اگر کسی کی آمدنی 3 لاکھ 33 ہزار 333 روپیہ سالانہ ہوتی تو اس کا کتنا فی صد حصہ مختلف ممالک میں قانون کے تحت سرکاری خزانے کو ادا کرنا پڑتا۔ اس کی تفصیل ذیل کے جدول سے واضح ہے:

ممالک	انکم ٹیکس کا فی صد تناسب آمدنی سے
پاکستان	75 فی صد
برما	75 فی صد
بھارت	69 فی صد
لنکا	72 فی صد
جاپان	61 فی صد
فلپائن	40 فی صد
امریکہ	44 فی صد
مغربی جرمنی	53 فی صد
فرانس	40 فی صد
بلجیم	43 فی صد
کینیڈا	44 فی صد

گویا جن ملکوں میں نجی سرمائے کی کوئی کمی نہیں۔ وہاں ٹیکس کم اور جہاں ہماری طرح نجی سرمائے کی پہلے ہی کمی ہے وہاں ٹیکس زیادہ۔ اس حساب سے ظاہر ہوا کہ پاکستان میں اگر کسی نے ایک روپیہ کمایا ہے تو قانون کی رو سے اسے چاہئے کہ وہ 12 آنے حکومت کے حوالے کر دے۔ ظاہر ہے یہ صورتحال نجی سرمایہ کاری کیلئے حوصلہ افزاء نہیں تھی۔ نتیجتاً ٹیکس کی ادائیگی سے بچنے کیلئے افسروں سے ساز باز اور غیر قانونی تجارت نے فروغ پایا۔

اور یہ سارا روپوش سرمایہ سمگلنگ میں استعمال ہوتا۔ ایک اندازے کے مطابق اگر اس روپوش سرمائے کو قانونی حیثیت دے دی جاتی تو ملک میں سرمایہ کاری کی رفتار دس گنا تیز ہو جاتی۔

یہی روپوش سرمایہ' روپوش بینک کاری کی بنیاد بنا اور لوگوں نے سرمایہ سیلف ڈیپازٹ میں نقدی وزیورات وغیرہ کی شکل میں رکھنا شروع کر دیا۔

اس طرح ملک میں افراط زر پیدا ہوئی۔ جس سے عام استعمال کی چیزوں کی قیمتیں بڑھیں۔ ایک طرف چور بازاری سے باہر قانونی مال کی قلت تھی اور دوسری طرف چند لوگوں کے پاس کروڑوں روپے تھے۔ جن کی قانونی سرمایہ کاری نہیں ہو سکتی تھی۔ اس طرح روپے والے حلقوں کی قوت خرید زیادہ تھی جبکہ عوام کی کم۔ اس سے دو منڈیاں بن گئیں۔ ایک ظاہر اور دوسری روپوش۔ اول الذکر میں کاروبار کم تھا۔ اس لئے کہ سرمایہ نہیں تھا جبکہ موخرالذکر میں زیادہ اس لئے کہ سرمایہ وافر تھا۔

زرعی اصلاحات

ملک میں سابقہ نو آبادیاتی جاگیروں اور زمینداریوں کو ختم کرنے کیلئے مختلف اقدامات کئے گئے۔ قطع نظر ان کی کامیابی یا ناکامی یا ان کے نافذ کرنے کی نیت کے اعداد و شمار ذیل ہیں۔

پنجاب

یہاں پر اس سلسلے میں دو آرڈیننس پنجاب مزارعہ ترمیمی آرڈیننس 1950ء اور حقوق مزارعت کی حفاظت کا آرڈیننس 1950ء - 1952ء میں ان آرڈیننسوں کو قانون ساز اسمبلی پنجاب سے پاس کروا کر ایکٹ کا درجہ دے دیا گیا۔ اول الذکر آرڈیننس کی رو سے موروثی مزارعین کی مختلف صورتوں میں مقبوضہ موروثی ارضیات کے جزیا کل پر حقوق ملکیت دے دیئے گئے۔ "جہاں مزارعہ صرف نقدی لگان ادا کرتا تھا۔ وہاں سے باادائیگی 20 گنا لگان سالم اراضی حقوق ملکیت دے گئے۔ اور جہاں لگان بشکل بٹائی ادا کرتا تھا۔ تو بٹائی کے تناسب سے مالک و مزارعہ بطور مالک قابض تصور ہوئے۔ اور جہاں مزارعہ کوئی لگان ادا نہ کرتا تھا وہاں کسی رقم کی ادائیگی کے بغیر مالک تصور ہو گیا۔ موروثی مزارعین کو اسی ایکٹ سے قبل ہی بے دخل کے خلاف قانونی تحفظ حاصل تھا۔ پنجاب میں اس وقت

موروثی مزارعین کل مزارعین کا 7 فیصد تھی۔ اس ایکٹ کے تحت زمینداروں کیلئے دو مربع نہری یا چار مربع غیر نہری مخصوص کر کے بقیہ اراضی مزارعین میں تقسیم کر دیں۔ اس مقصد کیلئے 6 ماہ کی مدت دی گئی۔

صوبہ سندھ

سندھ میں ٹیننسی ایکٹ کے نفاذ سے یہ دعوی کیا گیا کہ مزارعین کو ان کی مقبوضہ اراضی پر مستقل حقوق دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس میں شرط یہ تھی کہ مزارع کم از کم چار ایکڑ کا مخصوص رقبہ قطعہ اراضی 3 سالہ متواتر کاشت کرتا چلا آ رہا ہو۔ اس قانون کی زد سے بچنے کیلئے زمیندار عملہ مال سے ساز باز کرکے مزارعہ کا کاشت میں تسلسل توڑنے کیلئے کاغذات مال میں اس کی کاشت کی بے دخلی کا اندراج کروا لیتا تھا۔ اور پھر ان تین سالوں کی مدت کے دوران بے دخلی کے خلاف کوئی موثر تحفظ نہ تھا۔ ان خامیوں نے قانون کو بے اثر کر دیا۔ سر ملکم ڈارلنگ نے اپنی کتاب مطبوعہ 1954ء میں ان اصلاحات کے بے سود ہونے کا ذکر کیا۔ اسی طرح سندھ کیلئے جاگیروں کی ضبطی کا قانون بھی 1954ء میں منظور کیا گیا۔ لیکن اس پر 1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ تک عمل نہ ہو سکا۔

صوبہ سرحد

اس صوبہ میں بھی پنجاب کی طرز پر موروثی مزارع کو حقوق ملکیت دینے کیلئے این ڈبلیو ایف پی ٹیننسی ایکٹ 1950ء نافذ کیا گیا۔ جس سے مزارعین میں سے تقریباً 7 فیصد کو فائدہ پہنچا۔ البتہ صوبہ میں بڑے زمینداروں کو محدود کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی۔

مشرقی پاکستان

زرعی اصلاحات کے سلسلے میں مشرقی پاکستان میں مشرقی پاکستان ایکٹ برائے حصول اراضی و مزارعین مجریہ 1950ء کے ذریعہ درمیانی لگان وصول کرنے والوں کا طبقہ ختم کر دیا گیا اور حد ملکیت 100 سٹینڈرڈ بیگھہ "مغربی پاکستان میں رائج پیمائش کے لحاظ سے 133 ایکڑ" فی کنبہ یا دس سٹینڈرڈ بیگھہ فی فرد مقرر کر دی گئی۔ باقی اراضی واپس لے کر مزارعین میں مستقل طور پر تقسیم کر دی گئی۔ اس کے نتیجہ کے طور پر مشرقی پاکستان میں جاگیرداری مکمل طور پر ختم ہو گئی اور درمیانی لگان وصول کرنے والا طبقہ بھی ختم ہو گیا۔ وہاں پر غیر حاضر زمیندار(Absent Landlord) کا طریقہ ختم کر دیا گیا۔

سرحدی علاقے

اس علاقے میں بارڈر ایریا الاٹمنٹ سکیم 49-1948ء کے تحت علاقے کے کاشتکار کی اقتصادی بحالی اور سرحدوں کے دفاع کو مضبوط کرنے کی غرض سے نافذ کی گئی تھی۔ سکیم کی رو سے الاٹی کنبے کے ہر بالغ نوجوان فرد پر لازم تھا کہ وہ فوجی تربیت حاصل کرے۔ اس مقصد کیلئے سرحد کے ساتھ ساتھ کی اراضی مذکورہ سکیم کے تحت مستحق کاشتکاروں کو الاٹ کی گئی۔

زرعی اصلاحات کے سلسلے میں 1957ء وزیر اعظم سہروردی نے بھی اعلان کیا کہ وہ اس سلسلے میں جامع منصوبہ تیار کر رہے ہیں کیوں کہ پاکستان میں ان اصلاحات کا نفاذ ایک شدید اور فوری ضرورت کی ـ ـت رکھتا ہے۔

صحافت اور سیاست

صحافتی قوانین

تقسیم سے ملک کی صورتحال میں صرف یہ تبدیلی آئی تھی کہ بیرونی حکمرانوں کی جگہ ملکی افراد حکمران بن گئے۔ اس کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔ وہی نو آبادیاتی فوج اور بیوروکریسی اور وہی سرمایہ دار اور جاگیردار طبقات ملک کے حکمران تھے۔ لہٰذا نئے ملک میں شہری آزادیوں اور انسانی حقوق کے بارے میں صورتحال زیادہ بہتر نہ ہو سکی۔ لہٰذا پریس بھی پاکستان میں آزاد نہ ہو سکا۔ اگرچہ قائداعظم پریس کی آزادیوں کے حق میں تھے۔ اور انہوں نے نو آبادیاتی حکمرانوں کی طرف سے پریس پر پابندیوں کے خلاف احتجاج کرکے یہ سوچ واضح کر دی تھی مثلاً 1992 میں بمبئے کرانیکل کے ایڈیٹر کی گرفتاری اور بنگالی کریمنل لاء امنڈمنٹ آرڈیننس کے خلاف احتجاج کیا۔ اور کہا کہ افراد کی آزادی کسی بھی دستور کے نزدیک سب سے پیاری ہوتی ہے۔ اور اسے ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ قیام پاکستان کے بعد جب مرکزی کابینہ کے اجلاس میں پبلک سیفٹی ایکٹ آرڈیننس کا مسودہ رکھا گیا۔ تو قائداعظم نے ڈرافٹ تیار کرنیوالوں کو جھاڑ پلائی۔ لیکن قائداعظم کی جلد وفات کے باعث یہ کام درست نہ ہو سکا۔ اور آنیوالے حکمرانوں نے نو آبادیاتی قوانین برقرار رکھے۔ بلکہ کئی نئے قوانین بھی بنائے۔ ورثے میں ملنے والے اہم قانون ذیل ہیں۔

1_ پریس اینڈ ایمرجنسی پاورز ایکٹ

یہ قانون انگریزوں نے دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں جاری کیا تھا۔ اس کے تحت حکومت اخبارات سے زرضمانت طلب کر سکتی تھی۔

2_ پاکستان سکیورٹی ایکٹ

اس کے تحت اخبارات کو ایک معینہ مدت کیلئے بند کرایا جا سکتا تھا۔ جو حکومت کے خیال میں ایسے مضامین یا خبریں شائع کر رہے ہوں۔ جن سے ملکی سلامتی اور دفاع خطرے میں پڑتا ہو۔ اس قانون کے تحت اخبارات پر سنسر بھی بٹھایا جا سکتا تھا۔ اور اخبارات کو معلومات کے ذرائع بتانے پر بھی مجبور کیا جا سکتا تھا۔

3_ امن عامہ کا آرڈیننس (ایم پی او)

اس کی رو سے امن عامہ کو خطرے میں ڈالنے کے الزام میں صوبائی حکومت کسی اخبار کو ایک سال کیلئے بند کر سکتی تھی۔

ان قوانین کے علاوہ آزادی کے جلد بعد پبلک سیفٹی ایکٹ کا اضافہ کیا گیا۔ 1949 میں مغربی پنجاب سیفٹی ایکٹ پاس کیا گیا۔ جس کی دوسرے صوبوں میں بھی پیروی کی گئی۔ 1955ء میں برطانوی ورثے کا قانون افیشل سروسز سیکرٹ ایکٹ 1923ء دوبارہ نافذ کر دیا گیا۔

ان قوانین کی آزادی صحافت پر اثرات کا جائزہ انٹرنیشنل پریس انسٹی ٹیوٹ نے ان الفاظ میں لیا۔

"حکومت واحد منصف ہے کہ کیا پاکستان کے دفاع اور سلامتی کیلئے خطرناک ہے اور دوسری طاقتوں سے اس کے تعلقات کے خلاف ہے۔ حکومت قانون کی خلاف ورزی کرنیوالے اخبار کو بند کرنے کے احکام جاری کر سکتی ہے اور اس کا دفتر سر بمہر کر سکتی ہے یہ اشاعت کی معطلی اور سنسر شپ بھی عائد کر سکتی ہے۔ وہ ایڈیٹر سے اپنے ذرائع کو بھی کہہ سکتی ہے۔ ملزم کو اپیل کا حق نہیں"

ان قوانین کے علاوہ حکومت کے پاس پریس کی آزادی کو دبانے کا سب سے اہم ہتھکنڈہ یہ بھی تھا کہ وہ اخبارات کو سرکاری اشتہارات دینا بند کر کے انہیں مالی طور پر ختم کر دیتی تھی۔ ملک کی واحد نیوز ایجنسی جو خبریں حاصل کرنے اور تقسیم کرنے کیلئے مکمل سہولتیں رکھتی تھی۔ یہ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے سابق مینیجر لاہور ملک تاج الدین کی ملکیت تھی۔ اس نے ستمبر 1949 میں کام شروع کیا۔ لیکن اس ایجنسی کی زندگی کا دارومدار بھی حکومت کی طرف سے مالی مدد پر تھی۔ اور یہ صرف حکومتی خبروں کا پراپیگنڈہ کرنیوالی ایجنسی بن کر رہ گئی۔ اب ہم پریس پر مختلف پابندیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

(ب) پریس پر پابندیاں

1- قیام پاکستان کے بعد جب صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت برطرف کی گئی تو سرخ پوش رہنما غفار خان اور ان کے حامیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ غفار خان کے جریدے "پختون" کو جو 1939 سے شائع ہو رہا تھا۔ وزیر اعلیٰ خان قیوم کے قلم سے بند کر دیا گیا یہ آزادی صحافت پر نئے ملک میں پہلی بندش تھی۔

2- 1948ء میں پنجاب کی حکومت نے تین ادبی رسائل "سویرا"، "نقوش" اور "ادب لطیف" کو بند کر دیا گیا۔ "نقوش" کو اس لئے کہ اس نے سعادت حسن منٹو کا افسانہ "کھول دو" شائع کیا تھا۔ "سویرا" کو اس لئے کہ اس نے شیخ محمد عبداللہ کا ایک خط چھاپا تھا۔ جب چھ ماہ بعد "سویرا" دوبارہ مارکیٹ میں آیا تو اس کے ایڈیٹر ظہیر کاشمیری کو سیفٹی ایکٹ کے تحت چھ ماہ کیلئے حوالات بھیج دیا گیا۔

3- 1948ء میں کوئٹہ سے نکلنے والے ہفت روزہ "خورشید" اور "الاسلام" اپنے ایڈیٹر فضل احمد کی گرفتاری کے بعد بند ہو گئے_ گرفتاری کے وقت غازی صاحب بلوچستان لیبر فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری تھے۔

4- 1948ء میں بلوچ صحافی ملک محمد رمضان کا رسالہ "الحق" اس لئے بند ہو گیا کہ وہ دو ہزار کی ضمانت جمع کرانے سے قاصر رہے۔

5- 1948ء میں فیض احمد فیض کے وارنٹ گرفتاری "امروز" میں ایک خبر چھاپنے کے الزام میں جاری کئے گئے۔ لیکن ساعت کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔

6- 1948ء میں میر حسن نظامی کا ہفت روزہ "بولان" اور ان کا چھاپہ خانہ ضبط کر لیا گیا۔ یہ رسالہ حکومت پر نکتہ چینی کرتا تھا۔

9- 1949ء میں حکومت سندھ نے صوبے کی حدود میں روزنامہ "ڈان" کی تقسیم و فروخت ممنوع قرار دے دی۔

10- 1949ء میں پشاور کے روزنامہ "سرحد" کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔ اور اس کے مدیر رحیم بخش غزنوی کو گرفتار کر لیا گیا۔ "سرحد" صوبے کا پہلا اردو اخبار تھا۔

11- 1949 میں "الجمعیت" کے مدیر سید سلطان شاہ گیلانی کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن ان کو رہا کرنے کے بعد رسالے کی ضمانت ضبط کر لی گئی۔

12- 1949ء میں سرحد حکومت نے عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار "انقلاب" پر سرحد میں پابندی عائد کر دی۔ کچھ عرصہ بعد پنجاب حکومت نے بھی پہلے اخبار کے سرکاری اشتہار بند کئے اور بعد میں نیوز پرنٹ کا کوٹہ بھی بند کر دیا۔ اس طرح بائیس سال کے بعد "انقلاب" بند ہو گیا۔

13- مارچ 1949ء میں کراچی کے ہفت روزہ "نیو اورینٹ" کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔ پولیس نے دفتر کی تلاشی لے کر رسالے کی تمام کاپیاں ضبط کر لیں۔

14- 1949ء میں وقار انبالوی کا روزنامہ "سفینہ" حکومت پنجاب نے بند کر دیا۔ "سفینہ" میں پنجاب کے انگریز گورنر فرانس مودی کے بارے میں خبر

شائع ہوئی تھی۔ جس بنا پر پابندی لگی۔
15- لاہور کے ماہنامہ "جاوید" کو سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹھنڈا گوشت" چھاپنے کے جرم میں بند کر دیا گیا۔ ناشر اور مصنف کو قید اور جرمانے کی سزائیں سنائی گئیں۔
16- 1949ء میں کشمیر کے مسئلے پر ایک رپورٹ چھاپنے کی پاداش میں "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کو چھ ماہ کیلئے بند کر دیا گیا۔
17- 1950ء میں کوئٹہ کے "استقلال" کے مدیر عبدالصمد خاں درانی کو پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے ساتھ ہی "استقلال" بھی بند ہو گیا۔ جو جنوری 1930ء سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا تھا۔
18- 1951ء میں مخدوم زادہ حسن محمود وزیر اعلیٰ بہاولپور نے ہفت روزہ جریدوں "ستلج" اور "انصاف" کے ڈیکلیریشن منسوخ کر دیئے۔
19- 9 فروری 1951ء کو حکومت پنجاب نے انتخاب سے ایک ماہ قبل روزنامہ "نوائے وقت" پر پری سنسر شپ عائد کر دی۔ جس کے تحت تمام مواد کے چھپنے سے قبل افسران سے منظوری حاصل کرنا لازم تھا۔
20- 1952ء میں پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت ڈھاکہ کے بڑے انگریزی اخبار "پاکستان آبزرور" کا پریس سر بمہر کر دیا گیا۔ مدیر، ناشر طابع تینوں گرفتار کر لئے گئے
21- 9 جون 1952ء کو پنجاب حکومت نے شورش کاشمیری کے ہفت روزہ "چٹان" اور ظہور الحسن ڈار کے ہفت روزہ "ایشیا" کی اشاعت ایک سال کیلئے بند کر دی۔
22- دسمبر 1952ء کو "ایوننگ ٹائمز" نے حکومت وقت پر تنقید کی۔ تو اس کے ایڈیٹر زیڈ۔ اے سلہری، ناشر و طابع اور کارٹون ساز این ایم کپائی کو گرفتار کر لیا گیا۔
23- 1952ء ہی میں لاہور کا ہفت روزہ "اسٹار" بند کر دیا گیا۔ کیونکہ رسالے نے شاہ عراق کے دورہ پاکستان کے موقع پر افواج پاکستان پر تنقیدی اشارے کیئے تھے۔
24- 1952ء میں کراچی کے روزنامے "الوحید" سے تین تین ہزار روپے کی دو ضمانتیں طلب کی گئیں _ کیونکہ اس نے حکومت سندھ کے خلاف نفرت پھیلانے والی تحریریں شائع کی تھیں۔
25- 1952ء میں ہی "ترجمان القرآن" اور پندرہ روزہ "کوثر" کے ناشر و طابع سے تین ہزار کی ضمانت طلب کی گئی۔ جو کہ ضبط کر لی گئی۔ "کوثر" کی بھی ضمانت ضبط کر لی گئی۔ اور مزید ضمانت جمع کرانے کے لئے کہا گیا۔
26-1954ء میں روزنامہ "ہلال پاکستان" کے محمد سلیم کو ایک ہزار روپیہ زر ضمانت جمع کرانے کے لئے کہا گیا۔ کیونکہ اس نے بوگرا حکومت پر تنقید کی تھی۔
27- 1953ء میں "ڈان" نے لیاقت علی کے قتل کی تحقیقاتی رپورٹیں شائع کرنے کا مطالبہ کیا تو "ڈان" اور اس کی ہمنوائی کرنے والے اخبارات "اسٹار"، "پاکستان اکانومسٹ"، "لاہور" اور "وریائٹی" کے سرکاری اشتہار بند کر دیئے گئے۔ سرکاری دفتروں کیلئے ان کی خریداری بند کر دی گئی۔ سرکاری تقریبات میں ان کے نمائندوں کا داخلہ بند کر دیا گیا۔
28- 1953ء محمد شعبانی کا ہفت روزہ "نوائے وقت" اس بنا پر بند کر دیا گیا کہ مدیر نے اخبار میں شائع شدہ ایک خط کا ذریعہ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔
29- جولائی 1954ء میں "نوائے مسلم" کو مسلم لیگی وزارت نے بند کر دیا۔ یہ بغداد الجدید سے نکلتا تھا۔
30- 1953ء میں کراچی کا "مسلمان" اس لئے بند کر دیا گیا کہ اس نے وزیراعظم محمد علی کی اپنی سیکرٹری سے شادی کی خبر چھاپی تھی۔ (جو صحیح خبر تھی)
31- "ہلال پاکستان" کے ناشر محمد سلیم سے ایک ہزار روپیہ زرضمانت طلب کی گئی۔
32- فروری 1939ء "پیغام" کراچی کی اشاعت روک دی گئی۔ اور 139 اخبارات سے ضمانت طلب کی گئی۔
33- 1957ء میں عبدالصمد اچکزئی کو سکیورٹی ایکٹ کے تحت اخبار کا ڈیکلریشن دینے سے انکار کر دیا گیا۔ انہوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عدالت نے حکومت کے انکار کو غیر قانونی قرار دیا۔ لیکن حکومت نے پھر بھی ڈیکلریشن نہیں دیا۔
34- نومبر 1957ء میں حکومت نے بیگم زیب النساء کا رسالہ "مرر" کراچی سکیورٹی آف سٹاف پاکستان کے تحت چھ ماہ کیلئے بند کر دیا۔ رسالے نے حکومت پر تنقید کی تھی۔ عدالت نے حکومت کے فیصلے کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیا۔
35- اپریل 1958ء کو حکومت نے "مارننگ نیوز" کراچی سے تین ہزار روپے ضمانت طلب کر لی۔

(ج) پریس اور اس کا زاویہ نگاہ

1- "ڈان" کراچی حکومتی نقطہ نگاہ حامی خیال کیا جاتا تھا۔ اور اس کے ایڈیٹر الطاف حسین کو "بادشاہ گر" کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کا کابیناؤں کی تشکیل میں عمل دخل خیال کیا جاتا تھا۔ معاشی و سماجی معاملات میں یہ اخبار قدامت پسند رجحان کا مالک تھا۔
2- "ٹائمز آف کراچی" کو صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کا حامی اخبار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ قدامت پسند دستور کا حامی تھا۔ اردو کو قومی زبان

بنانے کے حق میں تھا۔ اسے "پنجابی" اخبار خیال کیا جاتا تھا۔ کیمونسٹوں کا سخت مخالف تھا۔ زیڈ۔ اے۔ سلہری اس کا ایڈیٹر تھا۔

3- 1947ء میں قائم ہونے والا "پاکستان ٹائمز" حکومتی پالیسیوں کا مخالف ترقی پسند اخبار خیال کیا جاتا تھا۔ جسے عام طور پر کیمونسٹوں کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ فیض احمد فیض ایڈیٹر تھے۔ آزاد پاکستان پارٹی اور خدائی خدمت گاروں کا حامی اخبار تھا۔

4- لاہور کا "سول اینڈ ملٹری گزٹ" مسلم لیگ کا حامی تھا۔ میاں دولتانہ کی وزارت اعلیٰ کا مخالف تھا۔

5- کراچی کا "سندھ آبزرور" مسلم لیگ کا حامی خیال کیا جاتا تھا۔ جو پیر علی محمد راشدی کی ملکیت تھا۔

6- 1954ء میں شروع ہونے والا "پاکستان سٹینڈرڈ" مسلم لیگ کا ترجمان تھا۔

7- سرحد کا "خیبر میل" حکومت اور مسلم لیگ کا حامی خیال کیا جاتا تھا۔ 1950ء میں روزنامہ بنا۔ پہلے ہفت روزہ تھا۔

8- 1942ء میں کلکتہ سے شروع ہونے والا ڈھاکہ کا اخبار "مارننگ نیوز" مسلم لیگ کا حامی تھا۔ عبدالرحمٰن صدیقی ایڈیٹر تھے۔ یہ بنگالی مطالبات کے حق میں نہیں تھا۔ بعد میں یہ کراچی سے بھی شائع ہونے لگا۔

9- 1948ء میں حمید الحق چوہدری نے "پاکستان ابزرور" شروع کیا۔ جو اپنے قیام کے وقت مسلم لیگ کا حامی تھا۔ بعد میں صوبائی خودمختاری کا حامی ہو گیا۔ پھر کرشک سرامک پارٹی کا حمایتی بن گیا۔

10- اردو کا اہم اخبار "امروز" جو میاں افتخار الدین کی ملکیت تھا۔ ترقی پسند حکومت مخالف اور کیمونسٹوں کا ترجمان خیال کیا جاتا تھا۔

11- "نوائے وقت" شروع میں مسلم لیگ کا حامی تھا۔ 1953ء میں یہ اپوزیشن کا ترجمان بن گیا۔ گورمانی کی طرف نرم زاویہ رکھتا ہے۔

12- "آفاق" مسلم لیگ کا حامی اور دولتانہ کا ترجمان خیال کیا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ حکومت پنجاب کے کنٹرول میں رہا۔ 1953ء میں مارشل لاء نے پابندی لگا دی۔

13- "احسان" بھی مسلم لیگ کا ترجمان تھا۔ دولتانہ کی سرپرستی میں تھا۔

14- "زمیندار" اور "شہباز" بھی مسلم لیگ کے حامی تھے۔

15- "تسنیم" جماعت اسلامی کا ترجمان تھا۔

16- "الجمعیت السرحد" مذہبی رہنماؤں کا ترجمان تھا۔

17- "انجم" اور "جنگ" کراچی کے اہم اخبار تھے۔ دونوں حکومت کے حامی تھے۔ اور اردو کے نفاذ کے حق میں تھے۔

18- راولپنڈی کا "کوہستان" مخلوط انتخاب کے مخالف تھا۔ اور اس طرح بالواسطہ طور پر مسلم لیگ کا حامی تھا۔

19- 1957ء میں عوامی لیگ نے اپنا ترجمان "عوام" کراچی سے شروع کیا۔

20- بنگال کا سب سے قدیم اخبار "آزاد" تھا۔ جو مولانا محمد اکرم نے شروع کیا تھا۔ مسلم لیگ کا حامی اخبار تھا۔

21- 1950ء میں مسلم لیگ نے تین اخبار "سنگ باد" "زندگی" اور "انصاف" شروع کئے۔

22- عوامی لیگ نے اپنا آرگن "اتفاق" شروع کیا 1954ء میں اس پر پابندی لگا دی گئی۔

23- سہروردی کا حامی "اتحاد" تھا۔

24- کیمونسٹوں کا ترجمان رسالہ "Now Hilal" تھا۔

25- مذہبی رہنماؤں کا نمائندہ "نظام اسلام" تھا۔

26- مشرقی پاکستان کا "پاسبان" مسلم لیگ کا حامی تھا۔

27- "ناتم الدین" اور "دھمکیتو" نیشنل عوامی پارٹی کے آرگن تھے۔

ان کے علاوہ چند مزید اخبار و رسالے "وطن" "ایوننگ سٹار" "السٹریٹڈ ویکلی آف پاکستان" "لیل و نہار" "قندیل" وغیرہ تھے۔

اعداد و شمار

صوبے اور زبان کے لحاظ سے اخبارات

1955ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صوبوں اور زبانوں کے اعتبار سے اخبارات کی تعداد ذیل تھی۔

	زبان	روزنامے	پندرہ روزہ	ہفت روزہ	(Fortnight
کراچی	انگریزی	5	1	13	10
	اردو	8	1	36	7
	گجراتی	3	1	2	-
	سندھی	2	-	2	-
	بنگالی	-	-	1	-
کل		18	3	54	17
پنجاب	انگریزی	3	-	3	5
	اردو	33	6	89	12
کل		36	6	92	17
سرحد	انگریزی	1	-	-	1
	اردو	5	1	21	1
	پشتو	-	-	-	7
کل		6	1	21	9
بلوچستان کی ریاستیں		انگریزی	-	-	-1
	اردو	1	6	21	7

کل		1	6	22	7
سندھ	اردو	3	-	8	-
	سندھی	2	-	46	-
کل		5	-	54	-
مشرقی پاکستان	انگریزی	2	2	2	17
	اردو	4	-	2	1
	بنگالی	7	1	53	6
کل		13	3	62	8
کل مجموعہ		79	19	305	58

اہم اخبارات کی تعداد اشاعت

ڈان (انگریزی، کراچی)	38,097
پاکستان ٹائمز (انگریزی، لاہور)	34,828
مارننگ نیوز (انگریزی، ڈھاکہ)	15,516
پاکستان آبزرور (انگریزی، ڈھاکہ)	10,486
جنگ (اردو، کراچی)	35,377
انجام (اردو، لاہور)	25,000
نوائے وقت (اردو، لاہور)	18,870
امروز (اردو، لاہور)	28,824
آزاد (بنگالی، ڈھاکہ)	20,157

زبانوں کے لحاظ سے تعداد اشاعت (1956ء)

انگریزی	20,000	22,000
اردو	22,000	25,000
بنگالی	15,000	20,000
سندھی	3,000	4,000
گجراتی	3,000	4,000

انہی زبانوں میں مشترکہ تعداد اشاعت درج ذیل تھی

انگریزی	1,56,000
اردو	2,98,000
بنگالی	1,59,000
گجراتی	22,000
سندھی	16,000

مشہور مقدمات

ٹائمز آف پاکستان کیس

3 ستمبر 1957ء کو ٹائمز آف پاکستان نے مغربی پاکستان کے گورنر مشتاق احمد گورمانی کا ایک خط چھاپا۔ جو انہوں نے انڈیا کے سردار پٹیل کو لکھا تھا۔ یہ خط مشتاق احمد گورمانی نے اگست 1947ء میں ریاست بہاولپور کے وزیراعظم کی حیثیت میں لکھا تھا۔ جس میں انہوں نے ریاست کے ہندوستان سے الحاق کی بات کی تھی اور کہا تھا کہ اس سلسلے میں تمام رکاوٹیں دور کر دی گئی ہیں۔

مشتاق احمد گورمانی نے اخبار کے ایڈیٹرانچیف زیڈ۔ اے۔ سلہری اور ریذیڈنٹ ایڈیٹر عمر قریشی کے خلاف ہائی کورٹ میں ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اخبار کے دعوے کے ثبوت میں عدالت میں گواہ بھی پیش ہوئے۔ لیکن عدالت نے اپنے فیصلے میں سلہری اور قریشی کو مجرم گردانتے ہوئے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 500 کے تحت انہیں جرمانے کے علاوہ دو سال قید کی سزا سنائی۔ ایک گواہ حکیم سیف علی پر جھوٹی گواہی کا مقدمہ چلایا۔ ہائی کورٹ نے اس فیصلے میں وزیراعظم فیروز خان نون کے خلاف بھی ایسے خیالات کا اظہار کیا جن کی گواہی کے مسئلے میں ضرورت تھی۔ وزیراعظم نے ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں مقدمہ کر دیا۔ سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کی طرف سے وزیراعظم کے خلاف دیئے پیراگرافوں کو خارج کر دیا۔ اور باقی فیصلہ بحال رکھا۔

”مرر“ کیس

حکومت نے 1957ء میں بیگم زیب النساء کے ماہنامہ ”مرر“ پر سیکورٹی ایکٹ آف پاکستان 1952ء کے سیکشن 12 کی ذیلی شق 1 کے تحت 6 ماہ کے لئے پابندی عائد کر دی۔ پابندی کے حکم نامے میں یہ وجہ بتائی گئی تھی کہ میگزین نے اپنے نومبر 1957ء کے شمارے میں ایک مضمون شائع کیا جس میں صدر اسکندر مرزا کے خلاف ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے گئے تھے اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش کی گئی تھی۔

بیگم زیب النساء نے اس حکم کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ جسٹس منیر کی سربراہی میں عدالتی بنچ نے مقدمے کی سماعت کی اور پاکستان کے آئین کی دفعہ 8 میں بیان کی گئی اظہار رائے کی آزادی کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ حکومت کی بیان کی گئی وجوہات آئین کے آرٹیکل 8 میں اظہار رائے پر بیان کی گئی پابندیوں کی ذیل میں نہیں آتیں۔ لہٰذا حکومت کا یہ حکم نامہ آئینی آزادی اظہار رائے کے خلاف ہے۔ اور حکومت نے یہ حکم جاری کر کے اظہار رائے کی آزادی کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔ اس بناء پر عدالت نے حکومت کے احکام کو غیرقانونی اور غیر آئینی قرار دیتے ہوئے حکومت کو مدعی کے عدالتی اخراجات ادا کرنے کا حکم دیا۔

فوج کا سیاسی کردار

پاکستان کو بیوروکریسی کی طرح نو آبادیاتی ورثے سے فوج بھی مضبوط ادارے کی صورت میں ملی' یہ ادارہ برطانوی حکمرانوں کی خاطر اندرونی طور پر آزادی کی جدوجہد کو کچلنے اور بیرونی طور پر مملکت برطانیہ کی طرف سے جنگوں میں اہم خدمات انجام دے چکا تھا۔ آزادی کے بعد یہ ادارہ نئے ملک میں پہلے سے بھی مضبوط ہوا جس کی کئی وجوہات تھیں۔ سب سے پہلی وجہ تو نئی ریاست کی سالمیت اور تحفظ کا مسئلہ تھا۔ قائم ہونیوالی دونوں نئی ریاستیں بھارت اور پاکستان ایک دوسرے کو معاندانہ نظر سے دیکھتی تھیں۔ دونوں کے درمیان تقسیم کے وقت بہت سے جھگڑے تھے۔ جن میں کشمیر کا مسئلہ' جوناگڑھ' حیدر آباد کا مسئلہ' نہری پانی کا جھگڑا اہم تھے۔ اس بنا پر نئے ملک پاکستان کی حکومتوں نے فوج کی مضبوطی پر خصوصی زور دیا۔ نئی ریاست کی فوجی ترقی کے لئے ترجیحات کا اندازہ ریاست کے بجٹوں میں فوج کیلئے مختص کردہ تخمینوں سے لگایا جا سکتا ہے جو ذیل ہیں۔

سال	دفاعی اخراجات (ملین روپوں میں)	کل حکومتی اخراجات
1947-48ء	236.0	65.16
1948-49ء	461.5	71.32
1949-50ء	625.4	73.06
1950-51ء	649.9	51.32
1951-52ء	792.4	54.96
1952-53ء	725.7	56.68
1953-54ء	633.2	58.7
1954-55ء	640.5	57.5
1955-56ء	917.7	64.0
1956-57ء	800.9	60.1
1957-58ء	854.2	56.1
1958-59ء	996.6	50.9

اس مضبوط ادارے کے مقابلے میں نئی ریاست کی سیاسی روایات اور نمائندہ ادارے کوئی تاریخی پس منظر نہیں رکھتے تھے۔ انگریزوں کے دور میں ہندوستان میں کبھی بھی جدید جمہوریت کے نمائندہ ادارے موجود نہ رہے تھے۔ پھر نئے ملک میں مختلف مسائل اور وجوہات کی بنا پر جو سیاسی روایات پروان چڑھیں ان سے نئے قائم ہونیوالے نمائندہ ادارے مضبوط نہ ہو سکے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1947ء سے 1958ء تک نئے ملک میں 7 حکومتیں بدلیں۔ اور دو مرتبہ اسمبلیاں برخاست ہوئیں۔ جبکہ صوبوں میں بھی صورتحال اس سے مختلف نہ تھی۔ اکثر اوقات صوبوں میں گورنر راج نافذ کئے گئے اور منتخب حکومتوں کو برطرف کیا گیا۔

نمائندہ اداروں کی اس کمزوری کے ساتھ ہی سول حکومت ملکی مسائل اور امن و امان سے نپٹنے کے لئے کوئی مضبوط سول ادارہ نہیں رکھتی تھی۔ دوسری طرف ملک کے مسائل ایسے تھے جن سے نپٹنے کیلئے وسیع افرادی قوت اور جدید ٹیکنالوجی اور وسائل کی ضرورت تھی۔ مثلاً سمگلنگ' سیلاب' مہاجرین کی بحالی' قحط' عوامی احتجاج' وغیرہ ان مسائل کو حل کرنے کیلئے سول حکومتوں نے متعدد مرتبہ فوج سے مدد حاصل کی۔ چونکہ فوج کے پاس ہی ان مسئلوں سے نپٹنے کیلئے وسائل موجود تھے۔ 1951-52ء میں سرحد' سندھ بہاولپور اور خیرپور میں ٹڈی دل کے خاتمے کے لئے فوج کو استعمال کیا گیا۔

1948-50ء میں دریائے سندھ کے سیلاب کی تباہ کاریوں کو روکنے کیلئے فوج کو استعمال کیا گیا۔

آزادی کے بعد سے مشرقی پاکستان سے بھارت کو پٹ سن کی سمگلنگ ہو رہی تھی اور ہر سال اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ حکومت نے سمگلنگ کو روکنے کا کام فوج کے سپرد کیا۔ 1952ء میں یہ عمل شروع کیا گیا۔ اس مقصد کیلئے ایک آرڈیننس کے تحت فوج کو اختیارات دیئے گئے۔ کہ وہ شبہ پر لوگوں کو گرفتار کر سکیں۔ حراست میں لے سکیں یا پابند کر سکیں۔ انہیں ممنوعہ اشیاء کی برآمد کو روکنے کا اختیار بھی دیا گیا۔ فوجی افسران اختیارات و فرائض کی بجا آوری کیلئے طاقت استعمال کر سکتے تھے۔ فوج کے جوانوں کے خلاف شکایات کی سماعت کیپٹنڈ افسروں کو دی گئیں اس طرح تلاشیوں اور گرفتاریوں اور شکایات کی سماعت کے تحت فوج کو عدالتی اختیارات حاصل تھے۔

سمگلروں کے استحصال کیلئے فوج کی کارروائیوں کو ملک میں سراہا گیا۔ 1953ء میں یہ "آپریشن جوٹ" ختم کر دیا گیا۔ 1956ء میں فوج کو مشرقی پاکستان میں قحط اور غذائی کی صورتحال سے نپٹنے کیلئے استعمال کیا گیا۔ جسے "مہم سروس فرسٹ" کا نام دیا گیا۔ اس مہم میں فوج کے ذمہ سرکاری ذخیروں کی نگرانی' اناج اکٹھا کرنا' اناج کی نقل و حمل' اور اس کی تقسیم' کے علاوہ اشیائے خورد و نوش کے نجی کاروبار میں باقاعدگی رکھنا' اور غذائی قوانین کو نافذ کرنا شامل تھا' اس مہم میں بوقت ضرورت فوجیوں کو ایڈیشنل مجسٹریٹ (فوڈ) اور سب ڈویژنل آفیسر(فوڈ) بھی مقرر کیا جاتا۔ یعنی اس طرح انہیں عدالتی اختیار حاصل تھے۔ اس مہم کو عوام اور اخبارات نے سراہا۔ ایک ماہ بعد فوج کو واپس بلا لیا گیا۔

1957-58ء میں ایک دفعہ پھر فوج کو مشرقی پاکستان میں سمگلنگ روکنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے فوج کو استعمال کرنے

کے سلسلے میں دسمبر 1957ء میں ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں وزیراعظم' وزیر دفاع' مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ' کمانڈر انچیف آرمی اور جی۔ او۔ سی مشرقی پاکستان نے شرکت کی۔ اس موقع پر سول نمائندوں وزیراعظم اور وزیراعلیٰ نے سمگلنگ کے سلسلے میں سول حکومت کی بے بسی کا ذکر کیا۔ اور کہا کہ فوج ہی اس صوبے کو بچا سکتی ہے۔ 18 دسمبر 57ء کو فوج نے "کلوز ڈور" کے نام سے مہم شروع کر دی۔ اس مہم کے سلسلے میں فوج کو وسیع اختیارات دیئے گئے۔ کیونکہ فوج کے سربراہ جنرل ایوب چاہتے تھے کہ اس کام میں حکومت مداخلت نہ کرے۔ فوج کے ان وسیع اختیارات کے خلاف اراکین اسمبلی نے احتجاج کیا۔ اور خیال تھا کہ اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ان اختیارات کو کم کر دیا جائے گا۔ کمانڈر انچیف نے سول حکومت کو اس کام سے باز رکھنے کے لئے صدر مملکت کو مداخلت کیلئے کہا۔ لیکن سول حکومت نے اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں فوج کے اختیارات کا آرڈیننس منسوخ کر دیا۔

ان سماجی کاموں کے علاوہ حکومتوں نے فوج کو ملک کے سیاسی مسائل حل کرنے اور مختلف طبقات کی جدو جہد سے نپٹنے کے لئے بھی استعمال کیا۔ مثلاً 1948ء میں حکومت نے فوج بھیج کر ریاست قلات پر قبضہ کر لیا۔ 1948ء میں ہی ڈھاکہ پولیس کے احتجاج کو کچلنے کیلئے فوج استعمال کی گئی۔ جولائی 1949ء میں کراچی کے ہنگاموں اور فروری 1950ء ڈھاکہ کے ہنگاموں کو کچلنے کیلئے فوج استعمال کی گئی۔ 1952ء میں مشرقی پاکستان میں بنگالی زبان کے احتجاج کو کچلنے کیلئے فوج استعمال کی گئی۔ اس طرح فوج کا کردار وسیع ہوتا چلا گیااور وہ اپنے اصل فرائض سے بڑھ کر سماجی' سیاسی اور معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی اور فیصلہ سازی کا کردار بھی ادا کرنے لگی۔ اس سلسلے کا سب سے اہم واقعہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کو کچلنے کیلئے مارشل لاء کا نفاذ تھا۔ جو تقریباً پورے پنجاب میں نافذ ہوا اس کا مرکز لاہور تھا۔ اس دوران تمام معاملات پر فوج کا کنٹرول تھا۔ وہ مظاہرین کی گرفتاری' کے علاوہ عدالتی اختیارات بھی رکھتی تھی۔ فوج نے اس تحریک کو شدت سے کچل دیا۔

ان تمام سرگرمیوں میں حصہ لینے سے فوج پر سول حکومت کی خامیاں ظاہر ہو گئیں اور اسے اعتماد بڑھا کہ وہ اپنے اصل فرائض کے علاوہ دوسرے کام بھی کامیابی سے کر سکتی ہے۔ جن میں کہ سول حکومتیں ناکام رہتی ہیں۔

فوج کو سیاست اور فیصلہ سازی میں شرکت دلانے والا دوسرا عنصر فوج کی جدیدیت کے سلسلے میں فوجی افسروں کے وسیع اختیارات تھے۔ سول حکومتوں نے فوج کو جدید بنانے اور تنظیم کی بہتری کیلئے ملکی اور بین الاقوامی سطح کے فیصلوں میں فوجی رہنماؤں کو شریک رکھا۔ مثلاً 1949ء میں جنگی خریداری کا پاکستانی کمیشن امریکہ روانہ ہوا۔ جس میں لیفٹیننٹ کرنل اسکندر مرزا میجر جنرل افتخار علی سمیت کئی دوسرے فوجی افسر شامل تھے۔ جنہوں نے پاکستانی فوج کی ضروریات کے سلسلے میں براہ راست امریکی رہنماؤں سے مذاکرات کئے۔

ایک مرتبہ وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے مشرقی پاکستان کے چار اسمبلی ممبران کی حمایت برقرار رکھنے کیلئے ایوب خان کے ذریعے فوج کو استعمال کیا۔ کیونکہ خواجہ صاحب کے خیال میں ان اسمبلی ممبران کی حمایت مشکوک تھی۔

1951ء میں فوج کی طرف سے اقتدار پر قبضہ کرنے کی پہلی کوشش ہوئی۔ جو ناکام رہی۔ اسے "پنڈی سازش کیس" کا نام دیا گیا۔ جس میں حکومت کے بقول چند فوجی افسران سول حکومت کا تختہ الٹانا چاہتے تھے۔ کیمونسٹوں کو سازش میں شریک قرار دے کر ان کے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔

امریکی دفتر خارجہ کے انٹیلیجنس ریسرچ سیل کے مطابق 1952ء میں پاکستان میں غلام محمد' اسکندر مرزا چوہدری محمد علی اور ایوب خان پر مشتمل ٹولہ سیاسی اقتدار پر قابض تھا۔ جسے اس اختیار کو برقرار رکھنے کیلئے مختلف مسائل کا سامنا تھا۔ ستمبر 1953ء کے آخر میں پاکستانی کمانڈر انچیف ایوب خان اعلیٰ امریکی فوجی اور سول حکام سے بات چیت کرنے کیلئے امریکہ پہنچے۔ جہاں انہوں نے فوجی امداد لے کر امریکہ کے مفادات میں تعاون کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

اس کے بعد امریکی نائب صدر ی کشیہ پاکستان کے دورے پر آئے۔ تو انہوں نے ایوب خان سے بھی ملاقات کی۔ ایوب خان نے ی کشیہ کو اپنی ہندو اور کیمونسٹ دشمنی کا حوالہ دیا۔ اس دوران فوجی معاہدوں میں پاکستان کی شمولیت کے بھی مذاکرات ہوئے۔ اور 55-1954ء میں پاکستان ان معاہدوں میں شامل ہو گیا۔

ملک کے سیاسی فیصلہ سازی کے معاملات پر فوج کی گرفت مضبوط کرنے والا ایک اور عمل 24 اکتوبر 1954ء کو بوگرا کی "ذہین افراد کی کابینہ" میں شمولیت تھی۔ جو دراصل گورنر جنرل غلام محمد کی تجویز کردہ تھی۔ اس کابینہ میں ایوب خان کا وزیر دفاع مقرر کئے گئے۔ پاکستان میں سیاسی اقتدار میں سول اور ملٹری بیوروکریسی کا یہ پہلا واضح اتحاد تھا۔ اس صورتحال سے فوج کو ملکی معاملات پر مزید کنٹرول حاصل ہوا۔ کیونکہ وہ براہ راست مرکزی فیصلہ سازی میں شامل ہو گئی تھی۔

ملکی معاملات میں فوج کی بڑھتی ہوئی قوت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ 1954ء میں ایوب خان نے کابینہ میں ایک تجویز پیش کی کہ "ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ مغربی پاکستان کو ون یونٹ بنایا جائے" اور بعد میں یہ ون یونٹ بن گیا۔ ایوب خان نے اپنی خود نوشت سوانح میں کہا کہ میرا دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلح افواج کو سیاستدانوں کی مداخلت سے محفوظ

رکھا جائے۔ اس صورتحال سے فوج کی نمائندہ اداروں سے آزادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ جمہوری ممالک میں فوج نمائندہ اداروں کے تابع ہوتی ہے۔

بیان کردہ اس صورتحال کے علاوہ ملک میں پالیمانی جمہوری روایات کی سیاست دانوں کی طرف سے خلاف ورزیاں مثلاً اپوزیشن کو ملک دشمن خیال کرنا۔ گورنر جنرل اور گورنروں کی طرف سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور اسمبلیوں کی برخاستی' سیاسی مخالفین کے خلاف جبری نا اہلیوں کے قوانین کا استعمال' آئینی جھگڑے' انتخابات کا التواء' منظم سیاسی پارٹیوں کی عدم موجودگی' سماجی و معاشی ترقی کی پالیسیاں نہ ہونا' اور اسمبلیوں کا غیرپارلیمانی ماحول فوج کی سیاست اور فیصلہ سازی میں شمولیت بڑھانے کا باعث بنے' اس کے علاوہ سیاست دانوں خاص طور پر گورنر جنرل غلام محمد اور سکندر مرزا کی جانب سے فوج کی حمایت حاصل کرنے کی کوششیں بھی فوج کو فیصلہ سازی کے عمل میں کھینچنے کا باعث بنیں۔

لیکن اس سلسلہ کا سب سے اہم عنصر فوج کی مضبوط اداراتی تنظیم اور قوت تھی۔ جس کی بناء پر فوج ملک کا سب سے بڑا مفاداتی گروہ تھا۔ اور جو اپنے مفادات کی حفاظت کے قابل بھی تھا۔ لہٰذا اس نے ملک کے کمزور سیاسی نظام کا خاتمہ کر دیا۔

بیوروکریسی کا سیاست میں کردار

بیوروکریسی کا ڈھانچہ

پاکستان کی بیوروکریسی نوآبادیاتی نظام کا ورثہ ہے۔ جس کی تنظیم اور روایات نوآبادیاتی حکمرانوں کے مقاصد کے تحت پروان چڑھیں۔ ہندوستان میں برطانوی نظام امن و امان قائم رکھنے اور ٹیکس اکٹھے کرنے کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ ٹیکس اکٹھے کرنے اور امن و امان قائم کرنے کیلئے نظام کا انحصار ہندوستانی ماتحتوں پر تھا۔ لیکن حکمرانوں کو ان ماتحتوں پر اعتماد کم تھا۔ اس نظام کے مخالفین کو دبانے کیلئے بیوروکریسی کو وسیع اختیارات دیئے گئے۔ انڈین سول سروس کے ملازمین کی حیثیت نظام کے محافظین کی تھی۔ اس نو آبادیاتی بیوروکریسی کو "سیاسی" بیوروکریسی کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں بیوروکریسی کا کام صرف امن و امان قائم کرنا نہ تھا بلکہ اسے سماجی' معاشی' سیاسی اور عدالتی مسائل پر فیصلے کرنے کے بھی وسیع اختیارات تھے۔ اس صورتحال میں نو آبادیاتی بیوروکریٹ عوام کے خدمت گار ہونے کی بجائے ان کے حکمرانوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

بیوروکریسی کا یہ کردار آزادی کے بعد بھی قائم رہا۔

بیوروکریسی کے کردار' ذمہ داریوں اور طریق کار کو سمجھنے کیلئے اس کے ڈھانچہ کو سمجھنا لازم ہے۔ پاکستان میں سول سروس ملازمین کی تین اقسام ہیں عمومی انتظامی ملازمین' عملی ملازمین' اور خصوصی ملازمین'

مختلف مرکزی ملازمین اس طرح سے ہیں۔ سول سروس آف پاکستان' پاکستان فارن سروس' پولیس سروس' آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس ٹیکسیشن سروس' پاکستان ملٹری اکاؤنٹس سروس' پاکستان کسٹمز اینڈ ایکسائز سروس' پاکستان ریلوے اکاؤنٹس سروس کلاس I پاکستان انجینئرنگ سروس کلاس I' ٹیلیگراف ٹریفک سروس کلاس I ٹیلیگراف انجینئرنگ سروس کلاس I' پاکستان پوسٹل سروس کلاس I' پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف سروس کلاس I' پاکستان ملٹری لینڈ رائنڈ کنٹونمنٹ سروس' اور جیالوجیکل سروے آف پاکستان۔

سول سروس آف پاکستان سیاسی نظام میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سول سروس آف پاکستان کے اراکین انتظامی' عدالتی عہدوں پر بھی فائز ہوتے ہیں جبکہ برطانیہ میں ایسا نہیں ہوتا۔

ان تمام ملازمین کی بھرتی مقابلے کے امتحان کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس میں تحریری اور زبانی امتحان شامل ہوتا ہے۔ 20 فیصد افراد میرٹ کے تحت آتے ہیں جبکہ 80 فیصد علاقائی بنیادوں پر' ان کو پبلک سروس کمیشن منتخب کرتا ہے۔ 1948ء سے 56ء تک پبلک سروس کے چیئرمین کا تقرر گورنر جنرل کرتا تھا۔ اور کابینہ منظوری دیتی تھی۔ اس کے بعد یہ اختیار صدر کو مل گیا۔ سول سروس کے معاملات کی فیصلہ سازی کیلئے اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کو اختیارات تھے۔ 1957ء تک اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے سربراہ سابقہ برطانوی ملازمین تھے۔ 1957ء میں ایک سی ایس پی کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اسی ادارے کا سیکرٹری بھی سی ایس پی تھا۔

کیبنٹ سیکرٹری بھی سی ایس پی تھا۔ کیبنٹ سیکرٹری فیصلہ سازی کے عمل میں بنیادی مقام کا مالک تھا جس کی حیثیت "دربان" جیسی تھی۔ اسی کے ذریعے سے فیصلہ سازی کے تمام معاملات حکومتی کابینہ تک پہنچتے تھے۔ اور کابینہ تمام فیصلوں کااطلاق بھی اس کے ذریعے ہوتا تھا۔ وہی کابینہ کے اجلاسوں کا ایجنڈا تیار کرتا اور اس کے فیصلوں کا ریکارڈ رکھتا۔

کیبنٹ سیکرٹریٹ کو سول سروس کے معاملات سے متعلق اصول و ضوابط کی تشریح کا اختیار بھی حاصل تھا۔ اس کے اختیار ذیل تھے۔

1- سروس کے اصول و ضوابط بنانا' بھرتی کی پالیسی' مرکزی خدمات کیلئے بھرتی' اہم عہدوں پر تعیناتی' سابقہ سیکرٹریوں کو دوبارہ بھرتی کرنا

2- پاکستان سول سروس کمیشن کا انتظامی کنٹرول' اور کمیشن کے اراکین و چیئرمین کے تقرر کی شرائط طے کرنا۔

3- سول سروس اکیڈمی کی ایڈمنسٹریشن۔

4- سیکرٹریٹ کی تنظیم و ڈھانچہ۔

5- ڈویژن کو محکموں کی تقسیم۔

اگرچہ وزیراعظم تمام اعلیٰ ملازمتوں کی تقرری کی منظوری دیتا تھا

لیکن اسے سی ایس پی کے تقرر پر کوئی اختیار نہ تھا۔ اعلیٰ ملازمتوں پر بھرتی کے دو طریقے اہم تھے۔ میرٹ اور ترقی۔

سروس میں قومیتی تفریق بھی تھی۔ اگرچہ بنگالی ملکی آبادی کا 54 فیصد تھے لیکن ملازمتوں میں ان کا حصہ 1958ء تک کل کا تقریباً چوتھائی تھا۔

آزادی سے قبل حکومت کا انداز تحکمانہ تھا۔ جس کی بناء پر بیوروکریٹ افسروں کا دائرہ کار سرکاری کے ساتھ سماجی زندگی تک پھیل گیا تھا۔

سول ملازمین کی مقابلے کے امتحان کے ذریعے بھرتی کے بعد سول سروس اکیڈمی لاہور میں تربیت ہوتی۔ تربیت کے بعد سی ایس پی افسر' ضلعی افسر کے ماتحت کے طور پر کام کرتے۔ اس کے بعد اسے سب ڈویژن کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ پھر اسے ڈپٹی کمشنر بنایا جاتا ہے۔ جس کے پاس ضلع کے اعلیٰ انتظامی و عدالتی اختیار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد صوبائی انڈر سیکرٹری بنایا جاتا ہے۔ پھر سنٹرل سیکرٹریٹ میں سیکرٹری بنا دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ پلاننگ' بیرونی امداد' مالیات وغیرہ سے واقفیت بڑھاتا ہے۔ سی ایس پی کو 20 یا پچیس سال کی ملازمت کے بعد کمشنر بنا دیا جاتا ہے۔ پھر اسے مرکزی حکومت میں مکمل سیکرٹری بنا دیا جاتا ہے۔ بعض کو مختلف اہم تنظیموں کے مینیجر بنا دیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کارپوریشن' پاکستان انٹرنیشنل ایئرویز کارپوریشن' وغیرہ۔ اعلیٰ عہدوں پر ترقی کا معیار سینارٹی ہے۔ سی ایس پی کو اس نظام میں مرکزی حاصل ہے۔ 1950ء کے عشرے میں ایک دفعہ جب وزیر اعظم نے ترقی کیلئے سینارٹی کے اصول کو ختم کرنا چاہا تو سی ایس پی افسران نے اس کی شدید مزاحمت کی۔ اسی طرح اہم عہدے سی ایس پی کلاس اپنے لئے مخصوص رکھتی ہے۔ مثلاً محکموں میں سیکرٹری' جائنٹ سیکرٹری' ڈپٹی سیکرٹری' انڈر سیکرٹری 1954ء میں 519 کیڈر عہدوں میں سے' 470 سی ایس پی افسران کیلئے مخصوص تھے۔ سی ایس پی کی برتری کی یہ روایت برطانوی دور کی یاد گار ہے۔ جہاں پر زیادہ اہم عہدے یورپین سی ایس پی افسروں کے پاس ہوتے تھے۔

اس کا مطلب ہے کہ سی ایس پی افسران نے دوسرے ملازمین پر اہم عہدوں کے دراوزے بند کر کے برطانوی دور کی طرح اپنی یکجہتی برقرار رکھی ہے۔ ویبر کے مطابق اچھی تنظیم کیلئے اس کا سائز اور اس کے پروان چڑھنے کا عرصہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس اعتبار سے پاکستانی بیوروکریسی ایک منظم اور ترقی یافتہ تنظیم ہے۔

پاکستانی بیوروکریسی ہنگٹن کے نظریے کے مطابق بھی ایک ترقی یافتہ بیوروکریسی ہے۔ جو ماحول کے مطابق خود کو تبدیل کرنے' ذیلی یونٹوں کی کثرت اور عمل کی تخصیصیت' خود مختاری اور باہمی ہم آہنگی رکھتی ہے۔

پاکستان

بیوروکریسی اور مرکزی منتظم (صدر یا گورنر جنرل)

ہنگٹن کے مطابق مرکزی انتظامی عہدیدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیوروکریسی سے باہر اپنی طاقت کا مرکز رکھتا ہو۔ یعنی عوامی نمائندگی کی طاقت' اس طاقت کی عدم موجودگی میں منتظم بیوروکریسی کے زیر نگیں آ جائے گا۔ جب منتظم کے پاس یہ طاقت موجود ہو گی تو وہ بیوروکریسی کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مغربی جمہوریتوں میں ہوتا ہے۔ لیکن اس طاقت کی کمی یا عدم موجودگی کی صورت میں وہ موثر طور پر اپنے اختیارات استعمال نہیں کر سکتا۔ وہ بیوروکریسی کے مفادات سے متضاد پالیساں تشکیل نہیں دے سکتا۔ اور اسے پالیسی سازی اور اس کے نفاذ کے سلسلے میں مکمل طور پر بیوروکریسی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

1958ء تک پاکستان کا نظام پالیمانی وفاقی تھا۔ جس میں گورنر اور صدر دونوں کے اختیارات 1935ء کے ایکٹ کے مطابق تھے - 1947ء میں اس ایکٹ میں کچھ ترامیم کی گئیں۔ اور 15 اکتوبر سے اس کے انفرادی فیصلہ سازی اور نفاذی اختیارات کم ہو گئے۔ وہ جمہوریہ کا انتظامی سربراہ تھا۔ پاکستان میں بیوروکریسی اور اعلیٰ منتظم کے تعلقات کو متاثر کرنیوالا عنصر شاید سب سے اہم یہ تھا کہ 1951ء کے بعد آنیوالے منتظم حضرات بیوروکریسی سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ 1951ء تک وزیر اعظم اور گورنر جنرل دونوں مستند سیاستدان تھے۔ لہٰذا بیوروکریٹوں میں بھی بیوروکریسی کو بہت اہم حیثیت حاصل رہی۔ اور مغربی پاکستان کے تین صوبوں کے گورنر سابقہ انگریز بیوروکریٹ تھے۔ جنہوں نے پنجاب اور سندھ میں گورنر راج کے تحت حکمرانی کی۔ وہ براہ راست گورنر جنرل کو جواب دہ تھے۔ اور صوبائی وزرائے اعلیٰ کی شکایات گورنر جنرل کو بھیجتے تھے۔ جبکہ وزرائے اعلیٰ منتخب ہوتے ہوئے بھی گورنروں کے زیر نگیں تھے۔ لیاقت علی کے قتل کے بعد غلام ملک کے گورنر بنے۔ جو انڈین سول سروس کے ملازم رہ چکے تھے۔ اور اس کی تمام روایات اور ثقافت کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے پارلیمانی نظام کی روایات کی پاسداری نہ کی۔ 1953ء میں ناظم الدین وزارت کو برطرف کر دیا۔ جبکہ ناظم الدین مقننہ کی اکثریت رکھتے تھے۔ غلام محمد کا دوسرا خود سر اقدام مقننہ کی برطرفی تھا۔ جبکہ یہ ادارہ اپنے تیار کردہ دستور کو پاس کرنے والا تھا۔ پھر غلام محمد نے برطرف شدہ وزیراعظم محمد علی بوگراہ کو "کیبنٹ آف ٹیلنٹس" قائم کرنے کو کہا۔ اسی نئی کابینہ میں اسکندر مرزا (سابقہ سول سرونٹ) کو وزیر داخلہ' جنرل ایوب خان (ملٹری بیوروکریسی) کو وزیر دفاع' چوہدری

محمد علی (سابقہ انڈین سول سرونٹ) کو وزیر خزانہ بنایا گیا۔ کے۔ جے۔ نیو مین کے مطابق یہ حکومت وائسرائے کے نظام کی طرف واپسی تھی جو متحدہ انڈیا میں تھا۔ بیوروکریسی کی طاقت کو بڑھانے والا ایک اور عمل مغربی پاکستان ون یونٹ کا قیام تھا۔ اس منصوبے کو منظور کرانے کیلئے غلام محمد نے مخالفین کو سختی سے کچلا۔ غلام محمد نے آئین کے سیکشن 92 الف کے تحت سندھ، سرحد، پنجاب اور بہاولپور کی وزارتیں برطرف کر دی۔ جنہوں نے ون یونٹ کی مخالفت کی تھی۔ ون یونٹ کے قیام کے بعد مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کی اسمبلیاں برطرف کر کے ایک اسمبلی بنا دی گئی اور اس نظام میں سی ایس پی افسر ضلعوں کے سربراہ بنے۔ جو مقننہ اور وزراء کے کنٹرول سے آزاد تھے۔ غلام محمد کی طرح سکندر مرزا (جو سابقہ بیوروکریٹ تھا) بھی پارلیمانی نظام کی کامیابی کے متعلق شکوک کا شکار تھا۔ جو کہ غلام محمد کے بعد ملک کا سربراہ بنا تھا۔ اس صورتحال میں بیوروکریسی نے ملک کے سیاسی نظام پر قبضہ کر لیا۔

سیاسی جماعتیں اور بیوروکریسی

جمہوری حکومت کا تصور جس میں انتظام سازی سول ملازمین اور سیاستدانوں کا مشترکہ کام سمجھا جاتا ہے۔ نو آبادیاتی دور میں ہندوستان میں موجود نہ تھا۔ نو آبادیاتی ملازمین "محافظین" کی حیثیت رکھتے تھے جو نو آبادیاتی حکمرانوں کے علاوہ کسی عوامی نمائندے کو جوابدہ نہ تھے۔ انہوں نے سیاستدانوں سے طاقت کابھی اشتراک نہ کیا۔ سوائے ایک تھوڑے عرصہ کے جب 1937ء میں اسمبلیاں بنیں۔ اس بناء پر بیوروکریسی اور سیاستدانوں کا مل جل کر کام کرنے کیلئے سمجھوتہ تشکیل نہ پا سکا۔ نو آبادیاتی دور میں سیاستدان (جو آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے تھے) اور بیوروکریٹ (جو نو آبادیاتی نظام کے محافظ تھے) ایک دوسرے کو اپنے مخالف سمجھتے تھے۔ اسی بناء پر دونوں طبقات میں باہمی معاندانہ روش ترتیب پائی۔ چنانچہ تقسیم کے بعد سیاستدانوں نے بیوروکریسی پر جمہوریت کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کیا۔ دونوں طبقوں کی اس مخاصمت نے نمائندہ اداروں کے پروان چڑھنے پر منفی اثرات ڈالے۔

ایک اور چیز جس نے سیاستدانوں پر بیوروکریسی کے کنٹرول کو مضبوط کیا۔ وہ بیوروکریسی کو ملنے والے وسیع فوجداری اور انضباطی اختیارات تھے۔ مثلاً سیاستدانوں کی نا اہلی کے قوانین، تعزیرات پاکستان کے مختلف قوانین جیسے دفعہ 144 جن کے تحت بیوروکریسی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر سکتی ہے۔ بیوروکریسی کے سامنے سیاستدانوں کی کمزوری کی وجہ سیاستدانوں کی حکومتی معاملات میں ناتجربہ کاری بھی تھی۔

بیوروکریسی اور مقننہ

مقننہ کا بنیادی کام قوانین بنانا، ٹیکس عائد کرنا۔ اور اخراجات کی تفصیل طے کرنا۔ جمہوری معاشروں میں مقننہ قوانین بنا کر اور اخراجات کی تفصیلات طے کر کے کام کرنے کے سلسلے میں حکومت کو پابند کرتی ہیں۔ اور ان کیلئے ایک مخصوص طرز عمل طے کرتی ہیں۔ لہٰذا جدید ریاست کو کامیابی سے چلانے کیلئے ایک مضبوط مقننہ لازم ہے۔ اور اچھی مقننہ کی تشکیل کیلئے عام رائے دہی، اور مضبوط سیاسی جماعتوں کے بغیر ناممکن ہے۔ اچھے پارٹی سسٹم کی عدم موجودگی میں مقننہ اپنی کارروائی کو کامیابی سے پورا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ "اگر مقننہ اور انتظامیہ تشکیل مفادات اور اجتماع منادات کے کام کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔ تو یہ کام بیوروکریسی سنبھال لیتی ہے۔ اور وہ ایک غیر جانبدار، ذمہ دار انتظامیہ کی حیثیت سے کمزور ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں بیوروکریسی کئی جہتی کردار ادا کرتی ہے یہ مفادات کو تشکیل دیتی ہے مجتمع کرتی ہے۔ پالیسی سازی کرتی ہے اور اسے نافذ کرتی ہے۔

پاکستان کی مقننہ کا کام ملک کیلئے دستور بنانا اور عبوری دور میں ملک کی مرکزی مقننہ کے طور پر کام کرنا تھا۔ اسے حکومت پر بالادستی حاصل تھی اس نے قوانین بنانے تھے اور رقوم فراہم کرنی تھیں، لیکن عملاً اسمبلی کا کردار غیر اہم تھا۔ پہلی دونوں اسمبلیاں، حکومت کے بجٹ کا صحیح جائزہ لینے میں ناکام رہیں۔ لہٰذا حکمت عملی کے معاملات پر ان کا کنٹرول بھی نہ قائم ہو سکا۔ 1947ء سے 58ء تک پاکستان کی مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں مختلف مواقع پر کئی سالوں تک اپنے فرائض ادا نہ کر سکیں کیونکہ وہ اکثر اوقات گورنر جنرل اور گورنروں کی ہدایات پر برخاست یا ملتوی ہوتی رہیں۔ اور ان مواقع پر گورنر جنرل اور گورنر حضرات بجٹ کو مقننہ کی بجائے انتظامیہ (بیوروکریسی) سے تیار کرواتے رہے۔

1956ء کے آئین کے تحت مقننہ کے مالی معاملات میں اختیار بھی کم ہوئے آئین 1956ء کے آرٹیکل 63 کے سیکشن I میں لکھا ہے۔ "صدر ہر مالی سال کی آمدنی اور اخراجات کے سلسلے میں مقننہ کو پالیسی سازی پر راہنمائی کرے گا"

پاکستانی مقننہ کے اس کمزور کردار کی کئی وجوہات تھیں۔ پہلی دستور ساز اسمبلی جو 54-1947ء تک فرائض ادا کرتی رہی۔ وہ صوبائی اسمبلیوں کے ذریعے منتخب ہوئی تھی۔ یہ انتخاب 46-1945ء میں ہوئے جب صرف 15 فیصد لوگ کو رائے دہی کا حق تھا۔

دوسری اسمبلی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین نے منتخب کی تھی مرکزی اسمبلی کے انتخاب سے قبل ہر صوبے میں صوبائی اسمبلی کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے تھے۔ جب کہ مرکزی اسمبلی عوام کے ووٹوں سے وجود میں نہیں آئی تھی۔

پارٹی سسٹم کی کمی بھی مقننہ کی کمزوری کا باعث بنی۔ مسلم لیگ مفادات کی تشکیل اور انہیں مجتمع کرنے میں ناکام رہی۔ حکومتی پارٹی نے

سمبلی میں اپوزیشن کو برداشت نہ کیا اور 1953ء میں خود مسلم لیگ بھی منتشر ہونا شروع ہو گئی۔ اس صورتحال سے سیاسی عدم استحکام نے جنم لیا۔

مقننہ کی کمزوری کی وجہ ان کی کمزور آئینی حیثیت بھی تھی۔ 1947ء سے 56ء تک پاکستان کی انتظامیہ' 1947ء کے قانون آزادئی ہند اور 1953ء کے آئین کے تحت چلائی جاتی رہیں۔ ان دو دستوروں نے گورنر جنرل کو وسیع ہنگامی اختیارات دیئے۔ گورنر جنرل نے ان اختیارات کو مختلف مواقع پر مخصوص افراد اور پارٹیوں کے خلاف استعمال کیا۔ مثلاً غلام محمد نے 55-1953ء میں دو حکومتیں برطرف اور ایک اسمبلی برخاست کی۔ اس قسم کی صورتحال میں ملک اور صوبوں میں ہنگامی حالات کے تحت گورنر جنرل یا گورنر راج نافذ کر دیا جاتا۔ جو مقننہ کے بغیر بیوروکریسی کے ذریعے حکومت کرتے۔ اور اس طرح سیاسی معاملات پر قانون ساز اسمبلیوں کی حیثیت کمزور اور بیوروکریسی کا اختیار مضبوط ہوا۔ 1956ء کے آئین میں بھی سربراہ مملکت کو وسیع ہنگامی اختیارات دیئے گئے۔ جو انہوں نے مختلف مواقع پر استعمال کئے۔ مثلاً سربراہ آرڈیننس جاری کر سکتا تھا۔ جس سے مقننہ کی پالیسی سازی متاثر ہوتی۔

مقننہ کی کمزوری کی ایک وجہ ملک میں موثر مفاداتی گروپوں کی عدم موجودگی بھی تھی۔ بہت تھوڑے ایسے مفاداتی گروہ تھے جو اپنے ارکان کے مفادات کی تشکیل کر سکتے۔ ان مفاداتی گروہوں کی عدم موجودگی میں سیاسی جماعتیں مفادات کے اجتماع کا کام درست طور پر نہ کر سکیں۔ اس بناء پر مقننہ مختلف مفادات کو نمائندگی دینے میں ناکام رہیں۔ اور ان معاملات پر بیوروکریسی کا کنٹرول بڑھتا گیا۔

پالیسی سازی کے اداروں پر بیوروکریسی کی حاکمیت

ڈی' کنگلے کے مطابق حکومتی عمل میں تین قسم کے کام پائے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے پالیسی سازی کے لئے تفصیلی معلومات حاصل کرنا۔ اور اس کے لئے ضروری تجربہ ہونا۔ یہ کام بنیادی طور پر سول سروس کا ہے۔ مہیا شدہ معلومات کی بنیاد پر فیصلہ سازی اور پالیسی سازی کا کام۔ یہ بنیادی طور پر پارلیمنٹ اور کابینہ کا کام ہے۔ لیکن اس عمل میں مستقل ریاستی ملازمین بھی شامل ہوتے ہیں سب سے آخری کام پالیسیوں کا نفاذ ہے۔ جس کی بنیادی ذمہ داری متعلقہ وزراء پر لیکن عملاً یہ سول سروس کا کام ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سول سروس تینوں حکومتی کاموں میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ لہٰذا اس صورتحال میں کسی ملک میں مضبوط سیاسی اداروں کی عدم موجودگی ان معاملات میں بیوروکریسی کی طاقت بڑھانے کا باعث بنتی ہے۔

درحقیقت بیوروکریسی اور سیاسی اداروں کے تعلقات ملکی طاقت کی مرکزیت کا تعین کرتے ہیں۔

پاکستان میں 51-1947ء کی مختصر مدت کے علاوہ بیوروکریسی سیاسی معاملات ہم حاکمانہ حیثیت میں رہی ہے۔

لیاقت علی کے قتل کے بعد سیاسی لیڈر شپ کا مکمل بحران پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں مسلم لیگ منتشر ہوئی - اور کئی چھوٹی چھوٹی پارٹیاں بن گئیں۔ اس سے ملک میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہوا۔

مرکزی اور صوبائی سیاستدانوں نے انتظامی کام مکمل طور پر بیوروکریسی پر چھوڑ دیا۔ یہ صورتحال سی ایس پی کیلئے موزوں تھی۔ چنانچہ سی ایس پی نے آگے بڑھ کر سیاسی خلاء کو پر کیا۔ آزادی سے بیوروکریسی کی حیثیت میں بہت تھوڑا فرق آیا۔ تقسیم سے قبل بیوروکریسی کسی سیاسی حاکم کو جواب دہ نہ تھی۔ اور 1951ء کے بعد پاکستانی سیاستدانوں کا بھی بیوروکریسی پر کوئی کنٹرول نہ رہا۔ گورنر جنرل غلام محمد اور بعد میں صدر اسکندر مرزا کا افسر شاہی پس منظر کی بناء پر بیوروکریسی کو بہت طاقت حاصل ہوئی۔

مرکزی انتظامیہ

ملک کے انتظامی معاملات چلانے کیلئے صرف وفاقی حکومت جوابدہ تھی۔ وفاقی حکومت کے تمام انتظامی کام مرکزی سیکرٹریٹ اور اس سے متعلقہ اداروں کے ذریعے انجام پائے تھے۔ حکومت کی حکمت عملی اور انتظامی معاملات کے تمام فیصلے سیکرٹریٹ میں شاف کی مفصل بحث کے بعد ہوتے۔ وزیروں کو ہدایات جاری کرنے کا تمام کام بھی سیکرٹریٹ کے ذریعے ہوتا۔ اسی طرح سیکرٹریٹ کا نظام ملک کے انتظامی اور حکومتی معاملات کا مرکز تھا۔ سیکرٹریٹ کا نظام تمام وزارتوں پر مشتمل تھا۔

ہر وزارت کا سربراہ ایک وزیر ہوتا۔ جب کہ وزارت کا مستقل سربراہ ایک سیکرٹری ہوتا۔ جو کہ عام طور پر سول سروس کا رکن ہوتا۔ وہ وزارت کی کارکردگی کے بارے میں جوابدہ ہوتا۔ وزارت کئی ڈویژنوں میں تقسیم ہوتی۔ ہر ڈویژن کا سربراہ ایک ایڈیشنل یا جائنٹ سیکرٹری ہوتا۔ وہ ڈویژن کی کارگردگی کے سلسلے میں ذمہ دار ہوتا۔

کیبنٹ سیکرٹریٹ

وزارتوں اور محکموں کے علاوہ وہ مرکزی انتظامیہ کے سلسلے میں ایک کیبنٹ سیکرٹریٹ بھی تھا۔ اس کا سربراہ ایک سیکرٹری ہوتا۔ اس کے بھی کئی ڈویژن تھے۔ ملک کے نظم و نسق میں کیبنٹ سیکرٹریٹ' ایوان اور وزارتوں کے ساتھ مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔

مرکز کی طرح صوبوں میں بھی صوبائی سیکرٹریٹ کا نظام تھا۔ جو مرکزی نظام سے ملتا جلتا تھا۔

اس نظام کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے بیوروکریٹ انتظامی، معاشی اور سیاسی فیصلہ سازی میں اہم مقام رکھتے تھے۔ ترقیاتی اخراجات کا تقریباً 70 فیصد چونکہ حکومت کنٹرول کرتی تھی۔ اس طرح اس معاملے میں بیوروکریسی کا کردار اور اثر و رسوخ بھی زیادہ تھا۔ باقی ماندہ تیس فیصد معیشت کو بھی حکومت بیرونی زر مبادلہ مختص کرنے، درآمدی لائسنس جاری کرنے اور قرضے جاری کرنے کے اختیارات کی وجہ سے کنٹرول کرتی تھی۔ اور حکومت کے اوپر بیان کردہ طریقہ فیصلہ سازی کی بناء پر یہ تمام اختیارات بیوروکریسی استعمال کرتی تھی۔ ملکی معیشت کے سلسلے میں تمام اختیارات مرکزی حکومت اور خاص طور پر وزارت خزانہ کو حاصل تھے۔ اس طرح معاشی معاملات پر تمام فیصلہ سازی میں سول ملازمین اہم کردار ادا کرتے، انتظامی ڈھانچے اور پالیسی سازی کے اداروں پر بیوروکریسی کے کنٹرول نے اسے سیاسی معاملات میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل بنا دیا۔ خاص طور پر معاشی فیصلہ سازی کے سلسلے میں۔ بیوروکریسی کی فیصلہ سازی پر اس حاکمیت نے سیاسی رہنماؤں کی حیثیت کو مزید کمزور کیا اور نمائندہ اداروں کو کام کرنے سے روکا۔ آخر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فیصلہ سازی میں بیوروکریسی کے مرکزی کردار ادا کرنے کی کئی وجوہات تھیں۔ جن میں سب سے اہم وجہ مضبوط سیاسی اداروں کی عدم موجودگی ہے۔ 1958ء تک کے عرصے میں ملک میں اعلیٰ درجہ کا سیاسی بحران رہا۔ دوسری طرف بیوروکریسی اپنی اعلیٰ تنظیم اور وسیع اختیارات کی بناء پر اس خلاء کو پر کرنے میں کامیاب رہی۔ اور اس طرح وسیع اختیارات استعمال کرنے لگی۔ 1958ء میں فوج کی آمد نے نمائندہ اداروں کی رہی سہی قوت بھی ختم کر دی۔

پاکستان کے سیاسی قتل

1- لیاقت علی خان کا قتل

16 اکتوبر 1951ء کو کمپنی باغ راول پنڈی میں لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے والے تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ قاتل سید اکبر کو پولیس انسپکٹر محمد شاہ نے موقع پر ہلاک کر دیا۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ وزیر اعظم کے قاتل سید اکبر کے بارے میں جانا جائے کہ وہ کون تھا۔ سید اکبر افغانستان کا رہنے والا تھا۔ اور افغان بادشاہ کے خلاف سازش کے الزام میں اسے ملک بدر کر دیا گیا۔ 1946-47ء میں وہ اپنے خاندان کے ساتھ ضلع ہزارہ سرحد میں مقیم ہو گیا۔ جہاں پر اسے برطانوی حکومت پنشن دیتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ پنشن حکومت پاکستان دیتی تھی۔ حکومت پاکستان نے اسے مشکوک افراد کی فہرست میں رکھا اس لئے صبح و شام اس کا تھانے میں حاضر ہونا لازم تھا۔

وزیر اعظم کے قتل کی نہ تو درست تحقیقات ہو سکیں اور نہ ہی ان کے نتائج عوام تک پہنچائے گئے یا وزیر اعظم کے قاتلوں کی نشاندہی نہ ہو سکی۔ اس سلسلے میں کئی باتیں اہم ہیں جن میں قاتل، پولیس موجود الموقع، اور حکومتی عہدیداران وغیرہ، اور مرحوم وزیر اعظم کے مستقبل قریب میں متوقع فیصلے ہیں اور قتل کی تحقیقات وغیرہ ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قاتل پاکستان مشتبہ تھا۔ اور اس کا تھانے میں صبح و شام حاضر ہونا لازم تھا۔ لیکن دوسری طرف اس بات کے شواہد ہیں کہ قاتل وزیر اعظم کے قتل سے چند روز قبل ہی پنڈی پہنچ گیا تھا۔ اور یہ بھی شواہد ہیں کہ پنڈی سی آئی ڈی کو اس امر کی اطلاع مل چکی تھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سید اکبر کے پنڈی پہنچنے کے دن تک وزیر اعظم کے پروگرام کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔ اور اس پروگرام کا صرف اعلیٰ حکام کو علم تھا۔ سید اکبر جس ہوٹل میں ٹھہرا وہاں اس نے اپنے آپ کو سی آئی ڈی کا آدمی ظاہر کیا۔ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پنڈی سی آئی ڈی کا ایک سپاہی ہوٹل میں گیا۔ اور اس نے سید اکبر کی رہائش کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ ہوٹل مینیجر کے بیان کے مطابق سپاہی نے ہوٹل کا رجسٹر بھی دیکھا تھا۔ جس میں سید اکبر کا پتہ معرفت سی آئی ڈی لکھا ہوا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ سید اکبر نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ پولیس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ سید اکبر کے ہمراہ اس کا بیٹا بھی تھا۔ جس کے بیان کے مطابق وقوعے سے کچھ عرصہ قبل سید اکبر نشانے کی مشق کرتا رہا تھا۔

اب متعلقہ پولیس کے کردار کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ لیاقت علی خان کو گولی لگنے کے بعد قاتل کو پنڈی کے ایک قصاب نے پکڑ لیا تھا اور وہ پوری طرح اس کے قبضہ میں تھا۔ لیکن اس کے باوجود سب انسپکٹر پولیس محمد شاہ نے قاتل کو پانچ گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ حالانکہ ایک پولیس افسر کا فرض بنتا تھا کہ وہ قاتل کو زندہ بچائے تاکہ عدالت تحقیقات کر سکتی۔ لیکن قاتل کے خود ہی موقع پر ہلاک ہو جانے سے تحقیق کی سب سے اہم بنیاد ختم ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد شاہ محمد کو ملازمت سے ریٹائر کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب وہ لائل پور میں اپنے کارخانے میں موجود تھا تو اسے بھی کسی نے قتل کر دیا۔

راول پنڈی کے سپرنٹنڈنٹ پولیس نجف خان، جو حفاظتی امور کے انچارج تھے۔ جن پر غفلت برتنے کا الزام عائد ہو سکتا تھا۔ کو کسی تادیبی کارروائی کی بجائے انسپکٹر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ آئی جی پنجاب پولیس جو ادارہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت میں وزیر اعظم کی حفاظت کے ذمہ دار تھے کو نئی حکومت نے ترقی دے کر بلوچستان میں گورنر مقرر کر دیا۔

وزیراعظم کے قتل کے سلسلے میں اس وقت کی سیاسی صورتحال کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے اگر وزیراعظم قتل نہ ہوتے تو کیا تبدیلیاں ہونے والی تھیں اور ان کے قتل سے کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ اس سلسلے میں وزیراعظم کے سیکرٹری نواب صدیق علی خان کے حوالے سے وزیراعظم کے مستقبل کے متوقع فیصلوں کو سمجھنا ضروری ہے جو درج ذیل تھے۔ ان منصوبوں پر وزیر اعظم پنڈی کے جلسے سے واپسی پر عمل کرنے والے تھے۔

1- بڑھتے ہوئے کاموں کے بوجھ کی وجہ سے وزیراعظم' نائب وزیراعظم مقرر کرنیوالے تھے۔ اور اس کیلئے سردر عبدالرب نشترجو اس وقت گورنر پنجاب تھے' کا نام منتخب ہو چکا تھا۔

2- پنجاب کی گورنری کیلئے نواب اسماعیل خان کا انتخاب کیا گیا تھا۔ جو کراچی میں اپنے عزیزوں کے پاس آئے ہوئے تھے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دو ہفتے میں ہندوستان سے لوٹ کر اپنا عہدہ سنبھال لیں گے۔

3- سردار عبدالرب نشتر کو غلام محمد کی جگہ وزیر خزانہ بھی بنایا جانا تھا کیونکہ وزیراعظم کے خیال میں غلام محمد کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ کسی پبلک عہدہ پر کام کر سکیں۔

4- خواجہ شہاب الدین کو وزارت داخلہ سے علیحدہ کر کے مصر میں سفیر مقرر کیا جانا تھا۔

5- نواب مشتاق احمد گورمانی وزیر امور کشمیر بھی اپنے عہدے سے علیحدہ کئے جانے والے تھے۔

حکومت کے اعلیٰ حکام وزیراعظم کے ان منصوبوں سے آگاہ تھے۔ غلام محمد نے اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے سے قبل وزیراعظم سے کچھ مدت طلب کی تھی۔ اور وہ قتل کے وقت پنڈی میں اپنے عزیزوں کے پاس رہائش پذیر تھے۔ نواب مشتاق احمد گورمانی بھی قتل کے وقت پنڈی میں موجود تھے لیکن یہ دنوں وزراء بغیر کسی وجہ کے وزیراعظم کے جلسہ سے غیر حاضر تھے۔

وزیراعظم کے قتل کے بعد حکومتی عہدوں میں سے بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل کے عہدے سے مستعفی ہو کر وزیر اعظم بن گئے۔ مستقبل میں سبکدوش ہونے کے خطرہ سے دوچار وزراء میں سے غلام محمد ملک کے گورنر جنرل بن گئے جبکہ مشتاق احمد گورمانی وزیرداخلہ مقرر ہوئے۔ سردار نشتر کو پنجاب کی گورنری سے ہٹا کر مرکز میں وزیر لے لیا گیا۔ شہاب الدین سے داخلہ امور کی وزارت لے لی گئی۔ البتہ وہ کابینہ میں رہے۔

وزیراعظم اور گورنر جنرل کا تقرر آئینی طریقوں کی بجائے ایک سیکرٹری حکومت پاکستان چوہدری محمد علی کے ذریعے ہوا تھا۔

وزیراعظم لیاقت علی خان کے سیاسی سیکرٹری نواب صدیق علی خان نے وزیراعظم کے قتل کی تحقیقات کے بارے میں لکھا ہے کہ "بالاخر ایک انکوائری کمیشن مقرر کیا گیا۔ جو ہائی کورٹ کے ججوں پر مشتمل تھا۔ کمیشن کی آزادی کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ کئی گواہوں نے کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ پولیس سفید کپڑوں میں ان کا تعاقب کرتی اور انہیں ہراساں کرتی ہے۔ پھر پتہ چلا کہ جہاں کمیشن عدالت لگاتا تھا اس عمارت کے اردگرد سی آئی ڈی موجود رہتی تھی نوبت یہاں تک پہنچی کہ جج صاحبان کو حکومت کے سامنے احتجاج کرنا پڑا اور اس احتجاج کا بھی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ حکومت بار بار عوام کو یہی تاثر دیتی رہی کہ وزیراعظم کا قتل ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ اور بس لیکن بیگم رعنا لیاقت علی خان برابر اصرار کرتی رہیں کہ ان کے شوہر کا قتل کسی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس پر بیگم رعنا کو سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا گیا۔ تاکہ یہ ذکر بند ہو جائے۔

اس زمانے میں کئی لوگوں نے خاص طور پر سابق پولیس افسروں نے تحقیقات کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ لیکن حکومت نے کوئی توجہ نہ دی۔ سرکاری طور پر تحقیقات نوابزادہ اعتزالدین احمد خان آئی جی سپیشل پولیس کے سپرد کی گئی۔ انہوں نے بڑی محنت اور خلوص سے کام کیا۔ ان کے قریبی حلقوں کے مطابق تحقیقات کے دوران وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ موت کے سائے میرے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ پھر انہوں نے ایک دن اخباری بیان میں کہا کہ سازش کا سراغ مل گیا ہے اور بہت جلد اسے بے نقاب کر دیا جائے گا۔ لیکن اس سازش کو بے نقاب کرنے سے قبل ہی اعتزاز الدین جب تحقیقاتی ریکارڈ کے ساتھ طیارے میں جا رہے تھے کہ ان کا طیارہ جہلم کے قریب فضا میں جل کر راکھ ہو گیا۔

نومبر 1953ء کو پارلیمنٹ میں خباب نور کے سوال کا جواب دیتے ہوئے۔ مشتاق احمد گورمانی نے تحقیقات کے کام پر روشنی ڈالی اور ایوان کو مزید تحقیقات کرانے کا یقین دلایا۔

اکتوبر 1954ء کو برطانوی حکومت سے ایک معاہدے کے ذریعے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ایک ماہر سراغ رساں یورین کی خدمات از سر نو تحقیقات کیلئے حاصل کی گئیں۔ انہیں وزارت داخلہ میں افسر بکار خاص مقرر کیا گیا۔ ساتھ ہی انہیں ایڈیشنل آئی جی پولیس بنایا گیا۔ انہوں نے سات ماہ تک تحقیقات کرنے کے بعد جون 1955ء میں اپنی رپورٹ وزیر داخلہ اسکندر مرزا کو پیش کر دی حکومت نے اس تحقیقات کے بارے میں چھوٹا سا پریس نوٹ جاری کیا۔ جس میں یہ بتایا گیا کہ لیاقت علی خان کے قتل میں کسی سازش کو دخل نہ تھا۔ قاتل صرف سید اکبر تھا جو کہ ایک مذہبی جنونی تھا۔ اور ذہنی طور پر مریض تھا۔ قتل میں کوئی اس کا شریک کار نہ تھا۔ یہ اس کا انفرادی فعل تھا۔ یہ بات اس سے قبل پاکستانی تحقیقاتی افسر بھی بیان کر چکے تھے۔

اس طرح قاتل کے موقع پر ہلاک ہو جانے اور دوسرے عناصر کی

وجہ سے قتل کے صحیح محرکات اور مقاصد کا پتہ نہ چل سکا۔

حوالہ جات :-

(1) ہفت روزہ "الفتح" کراچی

15-22 اکتوبر 1970ء صفحہ 8 تا 11

(2) ہفت روزہ "الفتح" کراچی

یکم - 8 نومبر 1973ء صفحہ 16 تا 19

(3) اردو ڈائجسٹ اکتوبر 1989ء

صفحات 194 - 210

ڈاکٹر خاں صاحب کا قتل

ڈاکٹر خاں صاحب عبدالغفار خاں کے بڑے بھائی تھے۔ قیام پاکستان کے وقت صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ قائداعظم نے ان کی حکومت کو 22 اگست 1947ء کو برخاست کر دیا۔ جب مغربی پاکستان کو ون یونٹ بنا تو اپریل 1955ء کو ڈاکٹر خاں صاحب صوبے کے پہلے وزیر اعلیٰ بنے۔ 1957ء میں وہ ری پبلیکن پارٹی کی اسمبلی پارٹی کی قیادت سے الگ ہو گئے اور پارٹی کو عوام میں مضبوط کرنے کیلئے کام کرنے لگے۔ قتل سے قبل یہی کام کر رہے تھے۔

قتل والے روز ڈاکٹر خاں صاحب اپنے بیٹے سعد اللہ خاں کی کوٹھی کے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ کہ ایک شخص عطاء محمد کوٹھی میں داخل ہوا۔ جو بعض اطلاعات کے مطابق اس سے قبل بھی ڈاکٹر خاں صاحب سے ملنے کی ناکام کوششیں کر چکا تھا۔ وہ سابقہ پٹواری تھا جہاں سے اسے برطرف کر دیا گیا تھا۔ عطاء محمد نے ڈاکٹر خاں صاحب سے کسی معاملے میں بات چیت کی لیکن مطمئن نہ ہوا۔ اور کوٹھی کے گیٹ سے واپس آیا اور خنجر کے پے درپے وار کر کے خاں صاحب کو قتل کر دیا۔ قاتل موقع پر ہی پکڑا گیا۔

استغاثہ کے مطابق عطاء محمد پٹواری اتفاقی قاتل نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر خاں صاحب کی محض ایک بات سے ناراض ہو کر قتل کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ وہ درحقیقت ڈاکٹر خان صاحب کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ قاتل نے پولیس کی موجودگی میں پہلے مرحلہ پر جو واقعہ سنایا وہ ذیل ہے۔

"جب میں شام سے وقت ڈاکٹر خانصاحب کی کوٹھی پر پہنچا تو آسمان پر چاند پوری طرح طلوع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر خانصاحب ابھی گجرات سے واپس نہیں آئے تھے۔ پولیس گشت کر رہی تھی - میری جیب میں خنجر تھا۔ رات کاٹنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ دل نے کہا پکڑے جاؤ گے دوست۔ چنانچہ میں نے خنجر درخت کے تنے میں گاڑا اور پولیس کی نظر بچا کر کوٹھی سے باہر اگے سفیدے کے درخت پر چڑھ گیا۔ لیکن چاندنی دشمنی سے باز نہ آتی تھی۔ جب چاند کی دودھیا چاندنی میرے جسم پر بکھرتی تو میں گرفتاری کے خوف سے لرز اٹھتا۔ میں دنیا سے اپنا رشتہ توڑ چکا تھا۔ بیوی کو بہت دور گاؤں چھوڑ آیا تھا۔ اب مصیبتیں میرے لئے دروازہ کھولے کھڑی تھیں۔ جب لاہور میں صبح نمودار ہوئی تو میں سفیدے کے درخت سے اترا میں نے 16 ایکمین روڈ کے گیٹ پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ ڈاکٹر خاں صاحب کوٹھی کے لان میں ٹہل رہے تھے۔ وہ بڑے ہشاش بشاش تھے۔ مجھے اچانک اپنا خنجر یاد آیا۔ جو ابھی تک درخت کے تنے میں گڑا میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں کچھ دیر بعد ڈاکٹر خاں صاحب سے ملا اپنی دکھ بھری کہانی سنائی لیکن وہ میرا مسئلہ حل کرنے کی بجائے منہ پھیر کر چل دیئے۔ میں بھی چل دیا ایک مختلف راہ پر۔ پھر دنیا نے بوڑھے ڈاکٹر کی چیخ و پکار سنی۔ بھاگو مجھے مار دیا۔"

واقعہ سے متعلق سیاسی معاملات و مسائل درج ذیل ہیں۔

قتل سے ایک ماہ قبل لاہور میں بعض عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔ جن کا تعلق خاکسار قیادت اور تحریک سے تھا۔ چوہدری غلام عباس اور علامہ مشرقی چاہتے تھے کہ کشمیر کا مسئلہ بلا تاخیر حل کیا جائے۔ اور بھارت کی طرف سے مثبت جواب نہ ملنے کی صورت میں پاکستان کو سرحد عبور کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جانا چاہئے۔ ڈاکٹر خانصاحب کے قتل سے ایک ماہ قبل علامہ مشرقی نے کہا کہ جو فریضہ چوہدری غلام عباس ادا نہ کر سکے وہ علامہ صاحب ادا کریں گے۔ علامہ صاحب نے خاکساروں کو حکم دیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ خاکساروں نے سرحد پر کیمپ قائم کر لئے۔ صدر اسکندر مرزا اس صورتحال سے سخت پریشان تھے۔ چنانچہ علامہ عنایت اللہ مشرقی کو سرحدی خلاف ورزی اور تعزیرات پاکستان کی دیگر دفعات کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ڈاکٹر خانصاحب کے قتل کے اگلے روز قومی پریس میں یہ خبر جلی حروف میں شائع ہوئی کہ علامہ مشرقی اور ان کے ساتھی ڈاکٹر خانصاحب قتل کیس میں گرفتار کر لئے گئے تفصیل میں مبینہ قاتل کے سنسنی خیز انکشافات لکھے تھے۔

استغاثہ کا کہنا تھا کہ قاتل ایک مسائل میں گھرا ہوا شخص ہے۔ جو جذباتی بھی ہے۔ لاہور میں اس کی ملاقات خاکساروں اور علامہ مشرقی و مودودی سے ہوئی۔ جہاں اسے ڈاکٹر صاحب کو قتل کرنے کی ترغیب دی گئی۔

چونکہ واقع کا کوئی گواہ موجود نہ تھا جس نے قاتل کو قتل کرتے ہوئے دیکھا ہو۔ لہٰذا پولیس نے سلطانی گواہ تلاش کر لیا۔ جو خاکسار تحریک کا خورشید خالد تھا۔ جس کے حوالے سے قتل کے سلسلے میں خاکساروں کی سازش کا ذکر کیا گیا۔

عدالتی تفتیش کے دوران ہی مبینہ قاتل عطاء محمد کی بیوی عدالت میں پیش ہوئی۔ جس نے عدالت سے یہ کہا کہ اس کا خاوند قتل سے قبل

پاگل ہو چکا تھا۔ اور اس نے جنون کی حالت میں مجھے بھی پیٹا تھا۔ وغیرہ اس طرح اس نے کیس کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔

جب واقعہ کے سلطانی گواہ کو عدالت کے کٹہرے میں لایا گیا۔ جج صاحبان نے گواہ کی ہتھکڑی کھولنے اور پولیس گارڈ کو عدالت سے باہر چلے جانے کیلئے کہا۔ جب یہ کارروائی ہو گئی تو جج صاحب نے گواہ کو حلفیہ بیان دینے کو کہا۔

گواہ نے بیان شروع کیا اور اس نے تشدد کے وہ طریقے بیان کئے جو پولیس نے اس سے بیان حاصل کرنے کیلئے استعمال کئے تھے۔ اس نے علامہ مشرقی پر تشدد کے واقعات بھی بیان کئے۔

سلطانی گواہ کی شہادت کے بعد فاضل جج نے فیصلہ صادر کر دیا۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔ "علامہ صاحب کی ہتھکڑی کھول دی جائے۔ استغاثہ ان کے خلاف قتل کا جرم ثابت نہیں کر سکا۔ البتہ مقدمے کے ملزم عطاء کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 302 کے تحت سزائے موت دی جاتی ہے۔

ٹریڈ یونین اور مزدور تحریک

تقسیم کے وقت جو علاقے پاکستان میں آئے وہ صنعتی لحاظ سے پس ماندہ تھے۔ مثلاً متحدہ ہندوستان میں کپڑے کی 451 ملوں میں سے 16 چینی کی، 160 میں سے 5 اور 91 پٹ سن اور 35 فولاد فیکٹریوں میں سے ایک بھی پاکستان کے حصے نہیں آئی۔ اس بناء پر ملک میں صنعتی مزدور بھی کم تھے۔ اور ان کی تعداد لگ بھگ 4 لاکھ تھی۔ ملک میں کل 1406 صنعتی یونٹ تھے۔ قیام کے وقت ملک میں رجسٹرڈ ٹریڈ یونینوں کی تعداد 75 تھی۔

مزدوروں نے جلد ہی اپنے حقوق کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اور جنوری 1948ء میں پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن بنائی۔ جس کے صدر مرزا ابراہیم اور سیکرٹری ایم۔ اے خالق تھے۔ فیض احمد فیض نائب صدر تھے۔ فیڈریشن نے اپنا الحاق ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز سے کر لیا۔ 6 دسمبر 1947ء کو مزدوروں نے مرزا ابراہیم کی قیادت میں پے کمیشن کی سفارشات کو ختم کرنے کے اعلان کے خلاف لاہور میں احتجاجی جلوس نکالا۔ یہ پہلی جدوجہد تھی۔ اس احتجاج کے بعد پنجاب حکومت نے اکثر مزدور رہنماؤں، مرزا ابراہیم سی آر اسلم وغیرہ کو بلا مقدمہ چلائے گرفتار کر لیا۔ 1948ء میں ملک میں مزدوروں کی 57 ہڑتالیں ہوئیں۔

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی مقابل مزدور تنظیم آل پاکستان کنفیڈریشن آف لیبر تھی جسے حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ جبکہ مغربی ممالک نے ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز سے علیحدگی اختیار کر کے ورلڈ فیڈریشن آف فری ٹریڈ یونینز کی بنیاد رکھی تو پاکستان کی اس تنظیم نے بھی مغربی ممالک کی مزدور تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی۔ جس کے تحت امریکہ نے پاکستان کے مختلف شہروں میں مزدوروں سے متعلق دفاتر قائم کئے۔ کراچی میں مزدوروں کی تربیت کیلئے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ جسے ایشیا فاؤنڈیشن نے سرمایہ مہیا کیا۔ اس پروگرام کے تحت امریکی حکومت مزدور رہنماؤں کو امریکہ کے دورے کراتی اور مالی امداد دیتی تھی۔

1951ء میں جب حکومت نے "پنڈی سازش کیس" کا انکشاف کیا تو اس کے تحت آل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے کئی رہنما بھی گرفتار کر لئے گئے۔ جن میں فیض احمد فیض وغیرہ شامل تھے۔

ملک میں 1951ء سے 1958ء تک رجسٹرڈ یونینوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ جو 309 سے بڑھ کر 635 ہو گئی۔ 1951ء میں ٹریڈ یونینوں کی رکنیت 353137 تھی جو 1958ء میں 366290 تھی۔

ملک میں 1957ء میں مزدوروں کی 150 ہڑتالیں ہوئیں۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی تین بنیادی مقاصد کے حصول کیلئے ترتیب دی جاتی ہے۔ جن میں سے سب سے اہم ملک کی دفاعی سلامتی خیال کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ملک کی معاشی ترقی کا مقصد ہوتا ہے۔ اور تیسرے ملکی ثقافت کا دنیا میں پھیلاؤ اور ترویج

خارجہ پالیسی کا تعین کرنے اور اس پر اثر انداز ہونے والے پانچ عناصر خیال کئے جاتے ہیں۔ جن میں سے پہلا فوجی عنصر ہے۔ اگر کوئی ملک مضبوط اور متحرک فوج رکھتا ہے۔ تو اس پر سلامتی کا دباؤ کم ہو گا اور وہ اپنی خارجہ پالیسی ترتیب دینے میں نسبتاً آزاد ہو گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اگر اس کے پاس اپنی فوج کے اخراجات برداشت کرنے اور جدید فوجی ٹیکنالوجی نہ ہو تو اس کے پاس متبادلات کم ہوں گے اور اسے فوج کی ضروریات پوری کرنے کیلئے نسبتاً دباؤ محسوس ہو گا۔ اور وہ آزادانہ خارجہ پالیسی ترتیب نہیں دے سکے گا۔

دوسرا عنصر معاشی ہے۔ اگر کوئی ملک معاشی اعتبار سے مضبوط ہے۔ اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہے تو وہ بھی اپنی خارجہ پالیسی ترتیب دینے میں نسبتاً آزاد ہو گا۔ اس کے برعکس صورتحال میں اس پر دباؤ ہو گا۔

تیسرا عنصر سیاسی ہے' کہ ملک کی اندرونی سیاست کیا ہے بادشاہت ہے۔ جمہوریت' یا آمریت ہے۔ وغیرہ ان طرز ہائے حکومت کے بھی خارجہ پالیسی پر اثرات ہوتے ہیں مثلاً عام طور پر بادشاہی اور آمرانہ حکومتیں قدامت پسند ہوتی ہیں۔ اور جنگی جنون پھیلاتی ہیں۔ جس کے لئے وسیع فوجوں اور فوجی سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح خارجہ پالیسی آزاد نہیں رہتی بلکہ وہ حکومتیں فوجی معاہدوں کی طرف توجہ دیتی ہیں۔

چوتھا عنصر نفسیاتی ہے۔ کہ کوئی قوم خود کیسی نفسیات کی مالک ہے۔ اپنے ہمسائیوں کے متعلق کیا محسوسات رکھتی ہے۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے متعلق کیا خیال کرتی ہے۔ اور اس کے ذاتی تاریخی تجربے کیا ہیں۔

آخری عنصر نظریاتی ہے۔ اگرچہ قوموں کی خارجہ پالیسی اپنے مفادات کی بناء پر تشکیل پاتی ہے۔ لیکن بسا اوقات نظریاتی عنصر مفادات سے مل جاتا ہے اور اس طرح خارجہ پالیسی کو متاثر کرتا ہے۔

جب پاکستان معرض وجود میں آیا۔ تو وہ دفاعی اعتبار سے ایک کمزور ترین اور اقتصادی اعتبار سے ایک تباہ حال ریاست تھی۔ اسے سامراجی ورثے سے جو تھوڑی بہت فوج ملی بھی تو اس کے پاس ساز و سامان ناکافی تھا۔ مشرقی پاکستان کے دفاع کا بالکل ہی کوئی بندوبست نہ تھا۔ تقسیم کے وقت پاکستانی فوج افسروں اور جوانوں کو ملا کر کل ڈیڑھ لاکھ تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس فوج کے استعمال کیلئے ساز و سامان اور اسلحہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ پاکستان میں کوئی آرڈیننس فیکٹری نہیں تھی۔ تقسیم کے وقت برصغیر میں کل 17 آرڈیننس فیکٹریاں تھیں جو سب کی سب بھارت میں واقع تھیں۔ کل چالیس آرڈیننس ڈپوز میں سے صرف پانچ چھوٹے پرچون ڈپو پاکستان میں واقع تھے۔ گولا بارود کے تمام بڑے ذخائر انڈیا میں رہ گئے۔ تین ایسے ڈپو لاہور' کراچی' اور میو روڈ لاہور میں تھے ۔ لیکن ان میں عام قسم کا انجینئری سامان تھا۔

ہندوستانی فوج کو تقسیم کرنے والے سپریم ہیڈ کوارٹر نے فوجوں کی تعداد کے لحاظ سے 36 فیصد سازو سامان پاکستان کیلئے اور 64 فیصد انڈیا کو دینے کا تخمینہ لگایا۔ لیکن اس میں سے جو پاکستان کو ملا وہ درج ذیل ہے۔

	پاکستان کا حصہ	وصولی
آرڈیننس سٹورز	160,000	23,225
گاڑیاں سادہ	1441	72
بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک	249	0
گولہ بارود	40,000 سے 60,000 ٹن تک	0
انجینئر سٹورز	106,500	3,500

پاکستان کی اقتصادی حالت بھی خراب تھی۔ جو علاقے پاکستان میں آئے وہ صنعتی طور پر بہت پس ماندہ تھے۔ اور زرعی علاقے تھے۔ یہ خام مال پیدا کرنے والے علاقے تھے۔ اور اس خام مال کو استعمال کرنیوالے کارخانے ہندوستان میں تھے۔ مثلاً مشرقی بنگال جو پٹ سن کا سب سے بڑا پیداواری تھا اسی طرح مغربی پاکستان میں کپاس سب سے بڑی پیداوار تھی۔ لیکن دونوں اجناس کا زیادہ تر استعمال انڈیا میں واقع کارخانوں میں ہوتا تھا۔ تقسیم کے وقت پاکستان میں کارخانوں کا جائزہ درج ذیل ہے۔

صنعتی یونٹیں	ہندوستان میں	پاکستان میں
کپڑے کے کارخانے	380	9۔ لیکن بعض اعداد و شمار کے مطابق صرف 3 کارخانے تھے
پٹ سن کے کارخانے	108	0
شوگر ملیں	156	10
لوہے اور فولاد کے کے کارخانے	18	0
سیمنٹ بنانے کے کارخانے	16	3
کاغذ سازی کے کارخانے	16	0
گلاس فیکٹریاں	77	2

صنعت و معیشت کے معاملے میں ایک طرف تو یہ پس ماندہ صورتحال تھی۔ دوسری طرف نئی حکومت نے اپنا کاروبار مملکت صرف 40 کروڑ سے شروع کیا۔ جن میں سے بیس کروڑ انڈیا سے اثاثوں کی تقسیم سے ملے تھے جب کہ 20 کروڑ حیدر آباد دکن کے وزیراعظم لائق علی نے دیئے تھے ہندوستانی اثاثوں کی تقسیم سے کل 75 کروڑ پاکستان کو ملنا تھے۔ ان میں سے 55 کروڑ تقریباً ایک سال بعد حکومت پاکستان کو مل سکے۔ اس طرح نئی ریاست کی کمزور معاشی و مالی حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جبکہ 1951ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی ساڑھے سات کروڑ تھی۔ جس کے سامنے اوپر بیان کردہ معاشی صورتحال مایوس کن تھی۔

دوسری طرف پاکستان کی دفاعی صلاحیتیں اس کی جغرافیائی و سیاسی صورتحال کے حوالے سے نہ ہونے کے برابر تھیں۔ پاکستان تقسیم کے وقت دو حصوں پر مشتمل تھا۔ مشرقی حصہ تین اطراف سے مکمل طور پر بھارت میں گھرا ہوا تھا۔ جبکہ مغربی حصہ کے ایک طرف افغانستان، ایران اور چین تھے۔ ایک طرف سمندر اور ایک بڑی سرحد ہندوستان سے ملحق تھی۔ جبکہ روس بھی اس کا قریبی ہمسایہ تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کے اپنے اہم ہمسائیوں افغانستان اور بھارت سے تعلقات کشیدہ تھے۔ جن کے ساتھ اس کی بڑی سرحدیں ملتیں تھیں۔ بھارت اور پاکستان کا باہمی رویہ تو مکمل طور پر معاندانہ تھا۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ اس ساری صورتحال میں نئے ملک کی آزادانہ خارجہ پالیسی تشکیل دینا ایک مشکل مرحلہ تھا۔

پاکستان اور بھارت

دونوں ممالک سخت معاندانہ ماحول میں معرض وجود میں آئے۔ سب سے پہلے تو مسلم لیگ اور کانگریس میں باہمی اختلافات ہی اتنے شدید تھے۔ کہ جنہوں نے ہر شعبہ میں تعلقات کو متاثر کیا۔ پھر 1947ء کے فرقہ وارانہ فسادات جن میں دونوں طرف کے لاکھوں افراد مارے گئے۔ نے صورتحال کو مزید کشیدہ کر دیا۔ پھر ریاستوں کا مسئلہ تھا۔ انگریزوں نے اعلان کیا کہا ہندوستان کی شاہی ریاستیں اپنے معاملات میں آزاد ہوں گی کہ وہ پاکستان و بھارت میں سے جس سے چاہیں الحاق کر لیں یا آزاد حیثیت برقرار رکھیں۔ جوناگڑھ مناور آباد کی ریاست کے مسلم راجہ نے ریاست کی پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اسی طرح حیدر آباد نے اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھنے کا اعلان کیا۔ لیکن بھارت نے فوجیں بھیج کر دونوں ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر پاکستان نے احتجاج کیا کہ بھارت نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ پاکستان اقوام متحدہ میں بھی گیا لیکن مسئلہ حل نہ کروا سکا۔ اس کے بعد واجبات کی تقسیم کا مسئلہ تھا۔ کل 400 کروڑ کی رقم میں سے 17.33 فیصد پاکستان کو دینے کا فیصلہ ہوا۔ جن میں سے بیس کروڑ تو پاکستان کو ادا کر دیئے گئے۔ لیکن 55 کروڑ ادا کرنے سے بھارت نے انکار کر دیا اور کہا کہ پاکستان اسی روپیہ کو کشمیر کے محاذ پر ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔ اس سے تعلقات میں سرد مہری بڑھی۔

پھر فوجیں جب تقسیم کی گئیں تو ان کے ساتھ فوجی ساز و سامان بھی تقسیم ہونا تھا۔ جس کا 36 فیصد حصہ پاکستان کو ملنا تھا۔ لیکن بھارت نے پہلے تو شور مچا کر فیلڈ مارشل آکینلیک کو سپریم ہیڈ کوارٹر بند کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد پاکستانی حصے کا سازو سامان تقریباً نہ ہونے کے برابر دیا گیا۔ اس میں بھی اہم اشیاء دینے سے انکار کر دیا گیا۔ جس کی تفصیل پیچھے دی جا چکی ہے۔

صوبہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم ہوئی۔ تو باؤنڈری کمیشن نے بہت سے ایسے علاقے جو پاکستان کا حصہ بنتے تھے بھارت کو دے دیئے۔ مثلاً پنجاب میں گورداسپور، بٹالہ، وغیرہ اور بنگال کے کچھ علاقے۔ اس صورتحال کو پاکستان نے اپنے خلاف ہندوؤں اور انگریزوں کا گٹھ جوڑ خیال کیا۔

یکم اپریل 1948ء کو حکومت ہندوستان نے راوی اور ستلج سے مغربی پنجاب کو سیراب کرنے والی نہروں کا پانی یکایک بند کر دیا۔ نہراپر باری دو آب اور نہر دیپالپور ان دریاؤں سے نکلتی تھیں۔ اور ان سے لاہور، منٹگمری، ملتان، اور بہاولپور کے اضلاع کا تقریباً 1 لاکھ ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا تھا۔ اس سے پاکستان میں واویلا مچ گیا کہ مغربی پنجاب کا علاقہ پانی نہ ملنے سے بنجر ہو جائے گا۔ اس مسئلے پر باہمی معاہدے کے نتیجے میں ہندوستان نے راوی، بیاس ستلج کے سارے پانی پر اپنا حق تسلیم کروا لیا اور معاوضے میں نہری پانی بحال کیا۔ یہ معاہدہ پاکستانی مفادات کے خلاف خیال کیا گیا۔ اس معاہدے پر پاکستان کی طرف سے ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات نے دستخط کئے تھے۔

معاہدے میں کئے گئے "دوستانہ تصفیہ" پر عمل نہ ہو سکا۔ اور ہر سال پاکستان کو پانی کی سپلائی کم سے کم ہوتی چلی گئی۔ 1952ء میں ہندوستان نے نہراپر باری دو آب سے ایک ذیلی نہر کی تعمیر کا کام مکمل کر لیا اور مغربی پنجاب کو پانی کی سپلائی تقریباً بند ہو گئی۔

اس کے علاوہ دونوں ملکوں میں معاشی جنگ بھی جاری رہی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پاکستان نے مطالبہ کیا کہ چونکہ ہندوستان کلکتہ کی بندرگاہ سے جو پٹ سن اور اس کی مصنوعات برآمد کرتا ہے۔ اس کا 90 فیصد انحصار مشرقی پاکستان سے خام پٹ سن کی سپلائی پر ہے۔ لہٰذا پاکستان کو پٹ سن کی برآمدی ڈیوٹی میں سے مناسب حصہ ملنا چاہیئے۔ ہندوستان

نے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ہندوستان کا موقف تھا کہ تقسیم سے قبل دونوں ملکوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کے مطابق پاکستان پٹ سن اور دوسری خام زرعی اجناس فراہم کرنے کا پابند ہے اور اس کو برآمدی ڈیوٹی میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت پاکستان نے 13 نومبر 1947ء کو مشرقی پاکستان سے ہندوستان اور دوسرے ممالک کو پٹ سن کی برآمد پر 15 روپے فی گانٹھ کے حساب سے ڈیوٹی عائد کر دی۔ ڈیوٹی کی کل آمدنی کا تخمینہ ساڑھے 5 کروڑ لگایا گیا۔ جس میں سے 90 فیصد کلکتہ کی بندرگاہ سے اور 10 فیصد چٹاگانگ کی بندرگاہ سے وصول ہونی تھی۔ ہندوستان نے اس کارروائی کا برا منایا۔ چنانچہ انہوں نے یکم مارچ 1948ء کو پاکستان کو غیر ملک قرار دے کر اس کے ساتھ ہر قسم کی تجارت پر کسٹم ڈیوٹی اور ایکسائز ڈیوٹی عائد کر دی۔ اور پھر یہ بھی اعلان کیا کہ پاکستان سے ہر قسم کی تجارت درآمدی و برآمدی کنٹرول کے تحت ہو گی۔ اس طرح دونوں ملکوں کے درمیان آزادانہ تجارت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ ہندوستان میں پٹ سن' کپاس اور دوسری خام زرعی اشیاء کی قلت ہو گئی اور پاکستان میں کوئلے' سیمنٹ' کھانڈ' تیل اور کپڑے کی کمی ہو گئی۔ یہ صورتحال تقریباً 2 ماہ رہی بالاخر مئی میں ایک تجارتی معاہدہ ہوا لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا اکتوبر میں ایک بین المملکتی کانفرنس ہوئی۔ مگر اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اس طرح تقریباً دو سال باہمی تجارت معطل رہی۔ 1949ء میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس میں تجارت پر عائد پابندیوں کو کچھ نرم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ستمبر 1949ء میں برطانیہ نے اپنی کرنسی میں تقریباً 30 فیصد کمی کی۔ تو ہندوستان نے فوراً اس کی تقلید میں اپنی کرنسی کی قیمت میں بھی اسی تناسب سے کمی کر دی۔ مگر پاکستان نے اپنی کرنسی کی قیمت میں کوئی کمی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ پاکستان کے ایک سو روپے کی مالیت ہندوستان کے ایک سو چوالیس روپے کے برابر ہو گئی۔ باہمی تجارت میں ہندوستانی اشیاء کی قیمت اسی تناسب سے کم ہو گی۔ اور پاکستانی اشیاء کی زیادہ۔

ہندوستان نے اس نئی شرح مبادلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس بناء پر دونوں ملکوں کے درمیان ایک اور معاشی جنگ شروع ہو گئی۔ حکومت ہندوستان کے اس رویے کی بناء پر 1949ء جون کا باہمی تجارتی معاہدہ عملاً ختم ہو گیا۔ پاکستان کی 60 فی صد بیرونی تجارت ہندوستان کے ساتھ تھی۔ اور ہندوستان کی 30 فیصد تجارت پاکستان سے تھی۔ ہندوستان نے پاکستان کو کوئلے کی سپلائی بند کر دی اور پاکستان نے ہندوستانی گاہکوں کو پٹ سن کی تین لاکھ گانٹھیں پرانے نرخوں پر سپلائی کرنے سے انکار کر دیا۔ ہندوستان نے فیروز پور ہیڈ ورکس سے دیپالپور نہر کو پانی کی سپلائی بند کر دی اور پٹرول' تیل' اور دوسری اشیائے صرف کی تجارت کا سلسلہ بند کر دیا۔ ہندوستان نے دھمکی دی کہ مغربی پنجاب کو نہری پانی کی سپلائی بالکل بند کر دی جائیگی۔ اور جوگندر نگر سے بجلی کی سپلائی بھی روک لی جائے گی۔ پاکستان کی جوابی دھمکی یہ تھی کہ مشرقی پنجاب کو کراچی اور لاہور کے راستے سے پٹرول اور تیل کی سپلائی بند کر دی جائے گی۔ اور مغربی بنگال اور آسام کے درمیان مشرقی پاکستان کے علاقے سے ریلوے کا جو رابطہ قائم ہے۔ اسے ختم کر دیا جائے گا۔ اس صورتحال سے ہندوستان میں پٹ سن اور پارچابافی کے تقریباً ایک سو کارخانے بند ہو گئے۔ اور پاکستان میں بہت سی ضروریات زندگی' تقریباً نایاب ہو گئیں۔ پاکستان نے اس صورتحال کا توڑ کرنے کیلئے نئی منڈیوں کی تلاش شروع کی اور اسے نئی منڈیاں مل رہی تھیں۔ اور اس کی کوئلے' لوہے' اور اشیاء صرف کی ضروریات چین' برطانیہ اور امریکہ وغیرہ سے کسی حد تک پوری ہونے لگیں۔

جون 1950ء میں جنگ کوریا شروع ہوئی۔ تو پاکستان زرعی اجناس کی مانگ اور قیمت میں یکایک بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

25 فروری 1951ء کو ہندوستان کے وزیر خزانہ نے لوک سبھا میں اعلان کیا کہ چونکہ عالمی معاشی صورتحال زرعی اجناس پیدا کرنے والے ممالک کے حق میں ہو گئی ہے لہٰذا ہندوستان بدلے ہوئے حالات میں پاکستانی کرنسی کی نئی شرح مبادلہ کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے مطابق تجارت کرنے پر آمادہ ہے۔ پاکستان نے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔ اس طرح یہ معاشی جنگ اختتام پزیر ہوئی۔

تنازعہ کشمیر اور پاک بھارت

دونوں ممالک کے تعلقات میں سب سے زیادہ تلخی پیدا کرنے والا مسئلہ کشمیر کا تھا۔ ریاست جموں کشمیر کا رقبہ 84471 مربع میل ہے۔ اس کے شمال میں سنکیانگ اور افغانستان ہے جس کے پار سوویت یونین ہے۔ مغرب اور جنوب مغرب میں پاکستان ہے۔ اور جنوب مشرق میں بھارت ہے۔ شمال میں تبت واقع ہے۔ پاکستان کے تین بڑے دریا سندھ' جہلم اور چناب کشمیر سے نکلتے ہیں۔ کشمیر کی 902 میل لمبی سرحد پاکستان سے ملحق ہے۔ جبکہ بھارت کے ساتھ اس کی سرحد 317 میل ہے۔ برصغیر کی آزادی کے وقت صرف دو سڑکیں کشمیر کو باقی دنیا سے ملاتی تھیں۔ یہ دونوں پاکستان سے کشمیر کی طرف جاتی تھیں۔ کشمیر کے تمام قدرتی ذرائع مواصلات پاکستان کی طرف آتے ہیں۔

1941ء کی مردم شماری کے مطابق کشمیر کی آبادی چالیس لاکھ تھی۔ جس میں سے 77 فیصد مسلمان تھی۔

ریاست جموں و کشمیر 1846ء میں معاہدہ امرتسر کے نتیجہ میں معرض

وجود میں آئی۔ اور اسے لارڈ لارنس نے ساڑھے سات لاکھ روپے میں سردار گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کا حکمران تھا۔

1930ء میں مہاراجہ کے خلاف مسلمانوں نے بغاوت کر دی۔ جس کو سختی سے کچلا گیا۔ لیکن اس بغاوت کے نتیجے میں مسلمانوں کو کچھ حقوق حاصل ہو گئے۔ ایک مجلس قانون ساز معرض وجود میں لائی گئی۔ جس کی کچھ نشستیں انتخاب کے ذریعے پر کی جاتی تھیں۔ 34-1933ء میں ریاستی اسمبلی کے پہلے انتخابات ہوئے۔ جن میں مسلم کانفرنس نے 21 میں سے 16 نشتیں جیت لیں۔ 1938ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے بھاری اکثریت حاصل کی اور 21 میں سے 20 نشتیں جیت لیں۔ اس اثناء میں مسلم کانفرنس کے لیڈر شیخ عبداللہ نے ہندوؤں کو بھی جماعت میں شمولیت دینے کا فیصلہ کیا۔ اور جماعت کا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھ دیا۔ مسلمان لیڈروں میں سے کئی نے اس کی مخالفت کی اور 1941ء میں انہوں نے نیشنل کانفرنس سے الگ ہو کر چودھری غلام عباس کی قیادت میں پھر سے مسلم کانفرنس قائم کر لی۔ شیخ عبداللہ نیشنل کانفرنس میں ہی رہے۔ 1944ء میں شیخ عبداللہ ریاست کے معاملات کے سلسلے میں قائداعظم سے بھی ملے۔

3 جون 1947ء کے تقسیم کے پلان میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ ہندوستانی ریاستیں آزاد ہو گی کہ وہ بھارت یا پاکستان سے الحاق کریں یا خود مختار رہنے کا فیصلہ کریں۔ ماؤنٹ بیٹن نے 20 جولائی 1947ء کو مشورہ دیا کہ ریاستیں۔ اپنے جغرافیائی حالات' اپنی آبادی کی ہیئت اور عوام کی امنگوں کو سامنے رکھتے ہوئے۔ بھارت یا پاکستان سے الحاق کر لیں۔ تین ریاستوں کا معاملہ الجھ گیا۔ جوناگڑھ نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ حیدر آباد نے آزاد رہنے کا۔ لیکن بھارت نے فوجیں بھیج کر ان پر قبضہ کر لیا۔

کشمیر کے مہاراجہ نے آزاد رہنے کا اعلان کیا۔ ریاست میں افواہیں پھیل رہی تھیں کہ مہاراجہ بھارت سے الحاق کرے گا۔ اسی دوران مہاراجہ کشمیر نے پاکستان کے ساتھ "معاہدہ" قائمہ کے نام سے ایک معاہدہ کیا۔اس کے مطابق

(ا) ریاست کشمیر پاکستان کے سوا کسی ملک کے ساتھ تعلقات استوار نہیں کر سکتی تھی۔

(ب) مہاراجہ نے پاکستان سے الحاق کی ذمہ داری قبول کی۔

اسی دوران مہاراجہ نے جولائی 1947ء میں مسلم آبادی کو ہر قسم کا اسلحہ حکومت کے پاس جمع کرانے کی ہدایت کر دی۔ اور فوج کے تمام مسلمان ملازموں کو بھی غیر مسلح کر دیا۔ پاکستان نے مہاراجہ سے مسلم عوام کی زندگیوں کی حفاظت کا مطالبہ کیا۔ اسی اثناء میں مہاراجہ کی فوج اور مسلمان عوام کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ تین ماہ کے بعد مہاراجہ کی فوجوں کو شکست ہوئی اور سردار ابراہیم خان کی نگرانی میں آزاد کشمیر حکومت قائم ہو گئی۔

بھارت اقوام متحدہ میں چلا گیا اور اس نے کہا کہ پاکستان نے کشمیر میں جنگ کرنے کیلئے قبائلی بھیجے ہیں۔ اس نے پاکستان کو جارحیت کا مرتکب قرار دیا۔

27 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ نے بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ اور شیخ عبداللہ کو وزیراعظم کی حیثیت سے کام کرنے کا حکم دیا۔

حکومت پاکستان نے اس الحاق کو ناجائز قرار دیا اور اس کے خلاف احتجاج کیا' سلامتی کونسل سے کہا کہ پاکستان نے ریاست کے بھارت سے الحاق کو تسلیم نہیں کیا' اور پاکستان اسے فراڈ سمجھتا ہے۔ اور کہ یہ الحاق پاکستان کے خلاف مہاراجہ اور بھارت کی سازش ہے۔ اور کہا کہ ریاستی حکمران کو ریاستی عوام کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ریاستی عوام مہاراجہ کے خلاف ہیں۔ ریاست کے بھارت سے الحاق کے بعد ہر چند مہاجن کو ریاست کا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا۔

پنڈت نہرو کی خواہش پر دسمبر 1947 میں کشمیر کے مسئلہ پر دو ملاقاتیں ہوئیں۔ لیاقت علی خان نے تجویز پیش کی کہ پنڈت نہرو اقوام متحدہ سے استدعا کریں۔ کہ وہ اس تنازعہ کے تصفیہ کیلئے ایک کمیشن بھیجے پنڈت نہرو نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ البتہ اقوام متحدہ سے مبصرین منگوانے کی درخواست کرنا منظور کیا۔ بعد میں بھارت نے 31 دسمبر 1947ء کو کشمیر کا معاملہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ پاکستان نے اس فیصلہ کا خیرمقدم کیا۔

سلامتی کونسل نے یکم جنوری 1948ء کو ایک قرارداد کے ذریعے کشمیر میں جاری جنگ بند کروادی' سلامتی کونسل نے ایک اور قرارداد کے ذریعے بھارت اور پاکستان سے درخواست کی کہ دونوں فریق ریاست سے اپنی فوجیں ہٹا لیں' تاکہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی آزادانہ و جانبدارانہ رائے شماری کرائی جا سکے۔ دونوں ملک فوجوں کے انخلاء کا انتظام کرنے کیلئے ایک مشترکہ کمیٹی قائم کرنے پر رضامند ہو گئے۔ بعد میں بھارت اس معاہدے سے منحرف ہو گیا۔ اگست 1949ء میں اقوام متحدہ نے نئی تجاویز پیش کیں۔ لیکن بھارت نے پھر اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و بھارت نے یہ تجویز پیش کی کہ رائے شماری کے نامزد منتظم ایڈمرل نمسر ثالثی کے ذریعے صلح کی شرائط طے کریں۔ لیکن بھارت نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔ سلامتی کونسل کے صدر جنرل میکنائن نے شمالی علاقوں سے فوجوں کے انخلاء کے بعد انہیں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی دینے آزاد کشمیر کی فوجوں کو ختم کرنے اور

حد متارکہ جنگ کے دونوں جانب سے فوجیں واپس بلانے کے بارے میں تجویز پیش کی۔ بھارت نے اس پر عمل کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

اس کے بعد جولائی 1950ء میں آسٹریلیا کے ایک جج سراودن ڈکسن اقوام متحدہ کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان آئے۔ انہوں نے فوجوں کے انخلاء اور پاکستان کے ناردرن سکاوٹس کو کم کرنے' بھارتی ریاستی ملیشیا کو توڑنے اور رائے شماری کا کام سول مجسٹریٹوں کے علاوہ ان کے ساتھ اقوام متحدہ کے افسروں کی نگرانی میں کروانے کی تجویز پیش کی۔ تاکہ مداخلت کا کوئی احتمال نہ رہے۔ بھارت نے یہ تجویز مسترد کر دی۔

سر ڈکسن نے رائے شماری کے سلسلے میں ایک تجویز یہ بھی پیش کی کہ رائے شماری کی نگران انتظامیہ آزاد کشمیری اور شیخ عبداللہ حکومت کے نمائندوں پر مشتمل ہو - اور اس سلسلہ میں دونوں گروپوں کی کشمیر میں مخلوط حکومت قائم کر دی جائے۔ بھارت نے اس منصوبے کی مخالفت کی۔ اور شمالی علاقوں اور کشمیر میں اپنی فوجیں رکھنے پر اصرار کیا۔

اس طرح یہ مشن بھی ناکام ہو گیا۔

ڈکسن کے بعد ڈاکٹر گراہم کو رائے شماری کے سلسلے میں پاکستان اور بھارت سے بات چیت کرنے کیلئے مامور کیا گیا۔ بھارت نے اس سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔

نومبر 1951ء میں ڈاکٹر گراہم دوبارہ برصغیر آئے۔ انہیں مفاہمت کرانے کیلئے چھ ہفتوں کی مہلت دی گئی لیکن وہ ناکام ہو گئے۔

اس کے بعد 4 فروری 1953ء کو کشمیر سے فوجوں کے انخلاء اور رائے شماری کرانے کے بارے میں پاکستان اور بھارت کے مابین جنیوا میں مذاکرات ہوئے۔ لیکن ناکام رہے۔

جون 1953ء میں وزیراعظم چودھری محمد علی اور پنڈت نہرو کے مابین لندن میں مذاکرات ہوئے۔ انہوں نے تنازعہ کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ اور پھر کراچی میں بات چیت کا فیصلہ کیا۔ جولائی میں نہرو کراچی آئے۔ اس سلسلہ میں چوہدری محمد علی بھی دہلی گئے لیکن مسئلہ حل کرنے میں ناکام رہے۔

8 اگست 1953ء کو شیخ عبداللہ کو مقبوضہ کشمیر کی وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا گیا۔ اور گرفتار کر لیا گیا فروری 1954ء میں سرینگر اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے ریاست کے بھارت سے الحاق کی توثیق کر دی' اور 14 مئی 1954ء کو بھارتی حکومت نے اس توثیق کو قبول کر لیا۔

اس کے بعد 1955ء میں وزیراعظم پنڈت نہرو نے کہا کہ ریاست کشمیر بھارت سے الحاق کر چکی ہے۔ اور یہ بھارتی حکومت کا فرض ہے۔ کہ اسے خارجی جارحیت سے بچائے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر میں رائے شماری کا وقت اب گزر چکا ہے۔ انہوں نے اس کی مندرجہ ذیل وجوہات بتائیں۔

1- پاکستان کو امریکی فوجی امداد
2- ریاست کی اقتصادی ترقی۔
3- مقبوضہ کشمیر میں قانون ساز اسمبلی کی تشکیل "توثیق"
4- "سیٹو" اور معاہدہ بغداد میں پاکستان کی شمولیت اور ان معاہدوں سے بھارت کو خطرہ۔

حکومت پاکستان نے 2 فروری 1957ء کو سلامتی کونسل کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا۔ اور سلامتی کونسل کی توجہ 13 جنوری 1957ء کی قرارداد کی جانب مبذول کرائی۔ جس میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی آزادانہ و غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے کیا جائے گا۔

برطانیہ' آسٹریلیا' کیوبا اور امریکہ نے 14 فروری 1957ء' کو سلامتی کونسل میں ایک قرار داد پیش کی جس میں سویڈن کے گونارینگ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ پاکستان اور بھارت کا دورہ کریں۔ دونوں حکومتوں سے مسئلہ کشمیر پر بات چیت کریں۔ اور اقوام متحدہ کی فوج بھیجنے کے امکانات کا جائزہ لیں۔ 20 فروری 1957ء کو روس نے یہ قرار داد ویٹو کر دی۔

21 فروری 1957ء کو آسٹریلیا' برطانیہ اور امریکہ نے ایک نئی قرار داد پیش کر کے منظور کروا لی۔ جس کے مطابق گونارینگ نے مارچ 1957ء میں پاک و بھارت کا دورہ کیا۔ اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں بات چیت کی۔ اور 29 اپریل 1957ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ پاکستان نے تجاویز قبول کر لی ہیں بھارت نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔

6 جون 1957ء کو پاکستان نے اقوام متحدہ میں معاملہ پیش کیا کہ بھارت نے کشمیر میں ہندوؤں کو آباد کرنا شروع کر دیا ہے اور لداخ میں ہوائی اڈے بھی تعمیر کئے ہیں۔ 24 ستمبر 1957ء کو سلامتی کونسل نے پھر اس مسئلے پر غور کیا۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے یقین دلایا کہ اگر مقبوضہ کشمیر میں اقوام متحدہ کی کافی فوج بھیجی جائے۔ اور بھارت اقوام متحدہ کی 23 دسمبر 1952ء کی قرار داد کے مطابق اپنی فوجیں کم کرنے پر آمادہ ہو جائے - تو پاکستان اپنی فوجیں ہٹا لے گا۔ ڈاکٹر گراہم نے فروری 1958ء میں پاک و بھارت کا دورہ کیا۔ اور اپنی رپورٹ سلامتی کونسل کے صدر کو پیش کر دی۔ یہ رپورٹ 3 اپریل 1958ء کو ریلیز کی گئی۔ اس کے مطابق پاکستان نے تجاویز قبول کر لیں جبکہ بھارت نے مسترد کر دیا۔ اسی دوران 8 جنوری 1958ء کو شیخ عبداللہ کو ساڑھے چار سالہ نظر بندی کے بعد رہا کر دیا گیا۔ 29 اپریل 1958ء کو دوبارہ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ 15 جون 1958ء کو مرکزی کشمیر لبریشن کمیٹی نے پرامن طور پر حد متارکہ جنگ عبور کر کے کشمیر میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا اور چوہدری غلام عباس سرحد عبور

کرتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔

نہری پانی کا جھگڑا

اس تنازعہ کی ابتداء اس وقت ہوئی جب یکم اپریل 1948ء کو بھارت نے پاکستان کو آنیوالی تمام نہروں کا پانی بند کر دیا۔ حالانکہ تقسیم کے وقت سمجھوتہ ہو چکا تھا کہ پانی کی تقسیم کے معاملے میں بین الاقوامی سرحدوں کو رکاوٹ نہیں بننے دیا جائے گا۔ دونوں ملکوں کی اسی رضا مندی کی وجہ سے مسئلہ کو تقسیم کے ثالثی ٹریبونل کے روبرو پیش نہ کیا گیا۔ لیکن ہندوستان نے 31 مارچ 1948ء کو ثالثی ٹریبونل کالعدم ہوتے ہی اگلے روز پانی بند کر دیا۔ تقسیم کے وقت ان دریاؤں سے پاکستان اور ہندوستان کے علی الترتیب 3 کروڑ اور 60 لاکھ ایکڑ رقبے میں آب پاشی کی جاتی تھی۔ گویا ان دریاؤں کا 85 فیصد پانی پاکستان کے حصے میں آتا تھا۔

اس مسئلے پر مئی 1948ء میں دونوں ملکوں کے نمائندوں کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا۔ جس میں وسطی باری دو آب کی نہروں اور دیپالپور نہر میں پانی کی بہم رسانی کا سلسلہ بحال کر دیا گیا۔ لیکن نہر اپر باری دو آب کا پانی بند رکھا گیا۔ تاہم اجلاس کے خاتمے پر اعلان کیا گیا کہ نہروں کا پانی اس وقت تک جاری رکھا جائے گا۔ جب تک دونوں فریق کسی سمجھوتے پر نہیں پہنچ جاتے۔ اس مسئلہ پر دوبارہ بات چیت کا اعلان کیا گیا اور ساتھ ہی مغربی پنجاب کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مطلوبہ پانی کے سلسلے میں ریزرو بنک آف انڈیا میں رقم جمع کرائے گی۔ جس کا تعین نہرو کریں گے۔

جولائی 48ء، اگست 49ء میں پھر بات چیت ہوئی لیکن کوئی حل نہ نکالا جا سکا۔ مارچ اور مئی 50ء میں پھر بات چیت ہوئی۔ اس موقع پر بھی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔

یکم ستمبر 48ء کو مشرقی پنجاب نے مغربی پنجاب کو اطلاع دی کہ 4 مئی 48ء کو پانی جاری رکھنے کے متعلق جو انتظام کیا گیا تھا۔ وہ 30 ستمبر 48ء کو ختم کر دیا جائے گا۔ اب پوزیشن یہ تھی کہ ہندوستان اس مسئلہ کو عالمی عدالت کے سپرد کرنے پر بھی راضی نہ تھا۔ بلکہ وہ اس وقت تک مزید بات چیت کیلئے تیار نہ تھا جبتک مغربی پنجاب مشرقی پنجاب کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ مشترکہ دریاؤں کے پانی پر مشرقی پنجاب کی حکومت کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں، پاکستان کا موقف تھا کہ اس کی معیشت کا انحصار ان دریاؤں پر ہے۔ اور متحدہ ہندوستان میں برطانوی حکومت نے نہری نظام کی تعمیر کے وقت سندھ طاس کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر ہی منصوبہ بندی کی تھی۔

اسی دوران ہندوستان نے دریائے ستلج پر بھاکڑہ ڈیم تعمیر کرنا شروع کر دیا۔ جس سے مشرقی پنجاب کیلئے نہریں نکالنا مقصود تھا۔

س منصوبے پر کام شروع ہونے سے 1952ء میں پاکستان ایک بار پھر پانی سے محروم ہو گیا۔ انہی دنوں ہندوستان نے تجویز پیش کی کہ اس مسئلے کو دونوں ملکوں کے دو دو ججوں پر مشتمل ٹریبونل کے سپرد کر دیا جائے۔ لیکن پاکستان نے یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران ہندوستان نے مئی 1950ء کو اقوام متحدہ میں مئی 1948ء کے مشترکہ بیان کا معاہدہ نمبر 794 کے طور پر اندراج کرا دیا۔ لیکن پاکستان نے اقوام متحدہ کو بتایا کہ یہ معاہدہ نافذ العمل نہیں۔

1951ء میں ڈیوڈ لیسیحل نے دونوں ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد عالمی بینک کے صدر کو اپنی تجویز پیش کی۔ جس میں انہوں نے کہا کہ نہری پانی کے جھگڑے کا سیاسی بنیادوں کی بجائے انجینئرنگ کے طور پر حل تلاش کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ یہ اس شعبے کا مسئلہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ پاکستان قانونا ان نہروں کے پانی کا حق دار ہے۔ صدر نے ان تجاویز کو پسند کیا۔ اور ان کی بناء پر دونوں ملکوں کا دورہ کر کے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ عالمی بنک کے زیر اہتمام ایک ورکنگ پارٹی کا اجلاس 1952ء کو واشنگٹن میں ہوا۔ اس کے بعد کراچی اور دہلی میں ہوا۔ جس میں دونوں ملکوں اور صدر عالمی بنک کو پیش کرنے کے لئے ایک منصوبہ تشکیل دیا گیا۔

اس دوران ہندوستان پانی کا بڑا حصہ استعمال کرتا رہا جس سے پاکستان میں غذائی قلت پیدا ہوئی۔ پاکستان نے عالمی بنک کے صدر سے درخواست کی کہ وہ پانی کے بہاؤ کے اعداد و شمار جمع کر کے بتائیں۔ تاکہ ہندوستان زیادہ پانی استعمال نہ کرے۔ ہندوستان نے اس مسئلہ پر تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔

14 فروری 1954ء کو عالمی بنک نے پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کی اپنی مشہور تجاویز پیش کیں۔ جن میں کہا گیا کہ ہندوستان راوی، بیاس اور ستلج کا پانی روک یا اس کا رخ موڑ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ پاکستان کیلئے متبادل انتظام کر دے اور اس کیلئے 40 اور 60 کروڑ کے درمیان روپیہ ادا کرے۔ اور س ادائیگی کے بعد یہ تینوں مشرقی دریا ہندوستان کی ملکیت ہو جائیں گے۔ ان تجاویز میں سندھ، جہلم، اور چناب پر پاکستان کی ملکیت تسلیم کی گئی۔ پاکستان نے یہ تجاویز ماننے سے انکار کر دیا۔ پاکستان کے اندازے کے مطابق متبادل انتظام کیلئے 90 کروڑ سے ایک ارب تک روپیہ ملنا چاہئے تھا۔

اس سلسلے میں جون 1954ء میں دوبارہ واشنگٹن میں بات چیت ہوئی۔ ابھی مسئلہ زیر بحث تھا کہ 1954ء میں بھارت نے بھاکڑہ ڈیم کا افتتاح کر دیا۔ اس طرح پاکستان کو ملنے والا پانی پہلے سے نصف رہ گیا۔

اس صورتحال میں پاکستان نے اعلان کیا کہ اس نے عالمی بنک کی تجاویز منظور کر لی ہیں۔ اور یہ کہ ہم ان تجاویز کو آزمائیں گے اگر یہ مثبت

ثابت ہوئیں تو انہیں قطعی طور پر منظور کر لیں گے۔ ہندوستان نے پاکستان پر عالمی بنک کی تجاویز منظور نہ کرنے کا الزام لگایا۔

اگست 54ء میں پھر عالمی بنک کے تحت اس مسئلے پر بات چیت شروع ہوئی۔ اور بنک نے نئی تجاویز پیش کیں۔ 23 جون 55ء کو پھر دونوں ملکوں میں عارضی سمجھوتہ ہوا۔ جس کا مقصد یہی تھا کہ فصل خریف کے وقت پاکستان کو ضرورت کے مطابق پانی ملتا رہے۔

اکتوبر 55ء کو پھر معاہدہ ہوا۔ جس کے مطابق ہندوستان نے اس امر کا وعدہ کیا کہ وہ 31 مارچ 56ء تک پانی کی بہم رسانی کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

انہی دنوں بنک نے ایک یادداشت کے ذریعے 1954ء کی تجاویز میں چند ترامیم پیش کیں۔ جس سے یہ پاکستانی موقف کے قریب ہو گئیں۔ 26 ستمبر 56ء کو نہری پانی کے متعلق عارضی سمجھوتے کی معیاد میں پھر چھ ماہ کی توسیع کر دی گئی۔

مئی 1957ء کے شروع میں عالمی بنک نے پھر ایک بار اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی مئی 1957ء کو واشنگٹن' کراچی اور دہلی سے مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا۔ کہ عالمی بنک کی تجویز پر مذاکرات کی معیاد مزید چھ ماہ کیلئے بڑھا دی گئی ہے۔

22 جون 57ء کو عالمی بنک کے صدر نے دہلی میں اعلان کیا کہ نہری پانی کے مسئلے پر حکومت ہند سے ان کی بات چیت ناکام ہو گئی ہے۔

جولائی 1957ء میں ہندوستان کے وزیر آبپاشی نے اعلان کیا کہ حکومت ہند نہری پانی کے تنازعے کے حل کا غیر معینہ مدت تک انتظار نہیں کر سکتی اور کوئی مستقل سمجھوتہ نہ ہوا تو 1962ء میں پانی مستقل طور پر بند کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا پاکستان نے اپنے ذمے بقایا رقم کا ایک کروڑ اس سلسلے میں ادا نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے پانی جاری رکھا۔ جولائی 57ء میں وزیراعظم سہروردی نے امید ظاہر کی کہ اس مسئلے کا کوئی حل نکل آئے گا۔ اگر ہندوستان نے عالمی بنک کی ترمیم شدہ تجاویز کو منظور کر لیا تو۔ 4 اکتوبر کو پاکستان نے عالمی بنک کو مطلع کیا کہ جب تک بھارت ان تجاویز کو منظور نہیں کرتا مزید بات چیت بے معنی ہے۔

1958ء کے شروع میں عالمی بنک کے صدر برصغیر آئے۔ اور دونوں حکومتوں سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ لیکن بنک مسئلے کا حل تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اس مسئلے پر لندن میں کانفرنس ہوئی۔ جس میں پاکستان نے اپنا پلان پیش کیا۔ اس پلان کا تخمینہ 700 کروڑ تھا۔ جو تبادل انتظام کے سلسلے میں تھا۔ اس میں منصوبے کو زیر عمل لانا۔ اس کے رکھ رکھاؤ' مشینوں کی کارکردگی میں متوقع نقصان کے مصارف شامل نہ تھے۔ اس میں منگلہ ڈیم کا منصوبہ شامل تھا۔ لیکن اس کو تبادل کاموں میں جگہ نہیں دی گئی بلکہ یہ صرف پاکستان کا مسئلہ خیال کیا گیا۔ ہندوستان نے پہلے تو اس منصوبے پر اعتراضات کئے پھر اس پر غور کیلئے ہندوستان لے گئے۔ اس سلسلے میں دسمبر 58ء میں عالمی بنک اور دونوں ممالک کے نمائندوں کے درمیان مذاکرات ہونا طے پایا۔

پاکستان اور امریکہ

جب پاکستان قائم ہوا۔ اس وقت عالمی سطح پر دو بلاکوں کی سیاست اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک طرف روس کا اشتراکی بلاک تھا۔ جو پوری دنیا میں سرمایہ داری کے خاتمے اور مزدوروں کی حکومت قائم کرنے کا دعوے دار تھا۔ اور نو آبادیاتی محکوم عوام کی جدوجہد آزادی کا علم بردار کہلاتا تھا۔ دوسری طرف امریکہ کا سرمایہ داری بلاک کا تھا۔ جس کا مقصد روس کے اشتراکی نظام کو پھیلنے سے روکنا تھا۔ اس وقت "سرد جنگ" ابھی اپنے نقطہ عروج پر نہیں پہنچی تھی۔

لہٰذا جنوبی ایشیاء دونوں طاقتوں کیلئے کوئی اہمیت کا حامل علاقہ نہ تھا۔ بلکہ دونوں کی باہمی کش مکش یورپ تک محدود تھی۔ اور امریکہ یورپ کی دفاعی اور معاشی صلاحیتیں بڑھانے میں لگا ہوا تھا۔ لیکن پاکستان کے پالیسی سازوں نے شروع دن سے ہی امریکہ کو یقین دہانیاں کروانی شروع کر دیں کہ پاکستان اشتراکیت کے خلاف امریکی جنگ میں اہم کردار ادا کرنے کو تیار ہے۔ لہٰذا امریکہ کو پاکستان کی جیوپولیٹیکل پوزیشن سامنے رکھتے ہوئے۔ اس کی مدد کرنی چاہئے۔ اس قسم کی بات چیت سب سے پہلے قائداعظم نے دہلی میں امریکی سفارت کار سے کی۔ مئی 1947ء میں قائداعظم نے پھر دو امریکی سفارت کاروں کو پاکستان کے مسلم کریکٹر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ پاکستان سوویت یونین سے علیحدہ رہتے ہوئے اپنے مفادات کا تحفظ کر لے گا۔ اور اس سلسلے میں اسے امریکی امداد کی ضرورت ہو گی۔ انہوں نے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس نئے سامراج کی یلغار کو روکنے کیلئے پاکستان کا قیام از بس ضروری ہے۔

14 اگست 1947ء کے بعد پاکستان کے حکمرانوں نے کئی دفعہ امریکہ سے امداد حاصل کرنے کی درخواستیں کیں اور اسے اشتراکیت کے خلاف محاذ میں حمایت کا یقین دلایا۔ لیکن وہ امریکہ کو قائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی دوران 1949ء میں سوویت یونین نے وزیر اعظم لیاقت علی کو روس کے دورے کی دعوت دی۔ جو قبول کر لی گئی۔ اس کے بعد 23 نومبر 1949ء کو ٹرومین نے لیاقت علی کو دورہ امریکہ کی دعوت دی۔ چنانچہ لیاقت علی خان سوویٹ دعوت نامے کو نظر انداز کرتے ہوئے امریکہ جا پہنچے۔ جہاں انہوں نے پھر امریکہ کو یقین دہانیاں کروائیں اور امداد کی درخواست کی۔ لیکن ناکام رہے۔ البتہ فروری 1951ء میں امریکہ اور پاکستان کے درمیان پہلا معاہدہ ہوا۔ جو باہمی تکنیکی معلومات اور

ہنر مندی کے تبادلے سے متعلق تھا۔ اکتوبر 51ء میں اس معاہدے کے تحت تکنیکی اور مالی امداد بھی کر دی گئی۔ اس دوران پاکستان عالمی قوموں میں امریکہ کی غیر مشروط حمایت کرتا رہا۔

لیاقت علی کے قتل کے بعد پاکستان نے پھر امریکہ سے امداد کی درخواست کی۔ اور وضاحت طلب کہ کہ امریکہ پاکستان کو بتائے کہ وہ اس امداد کے عوض پاکستان سے کیا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں امریکہ نے اپنے مطالبات پیش کئے۔ جن کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

1- کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان کسی صورت بھی جنگ نہ ہونے دی جائے۔

2- کہ پاکستان سے اس قسم کا کوئی سمجھوتہ طے پا جائے۔ جس کی رو سے امریکہ کو سوویت یونین کے قرب و جوار میں ہوائی اڈے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

3- پاکستان کی فوجی قوت کو ممکنہ ایمرجنسی میں استعمال کیا جائے۔

4- ترکی اور ایران کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے کیلئے پاکستان کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی جائے۔

ان شرائط پر اتفاق رائے کے بعد 1951ء کے معاہدے کی پیروی میں فروری 1952ء میں دوسرا مارچ 1953ء میں تیسرا اور دسمبر 1953ء میں پاکستان کا امریکہ سے چوتھا معاہدہ ہوا۔ پہلے معاہدے کے تحت پاکستان کو 500,000 ملین ڈالر کی امداد ملی اور دوسرے کے تحت 10 ملین ڈالر کی امداد ملی۔ مارچ' دسمبر 1953ء میں طے پانے والے معاہدوں کے تحت اسے 1953ء میں 34.2 ملین کی امداد ملی۔

اسی دوران امریکہ "شمالی گھیرے" کی پالیسی شروع کر چکا تھا۔ جس کے تحت چین اور روسی اشتراکیت کو پھیلنے سے روکنا اس کا ھدف تھا۔ اس پالیسی کے لئے اسے جنوبی ایشیاء میں حمائیوں کی ضرورت تھی۔

مئی 1954ء میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان باہمی دفاعی تعاون کا معاہدہ کیا گیا جس کے تحت امریکہ نے پاکستان کو اسلحہ جنگی سامان اور دوسری امداد مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ اس کے بدلے میں پاکستان نے یقین دلایا کہ وہ اپنے دفاع کے علاوہ کسی اور ملک کے خلاف جارحانہ کارروائی کے لئے اس امداد کو استعمال نہیں کرے گا۔ اس معاہدے میں دوسرے ملکوں (اشتراکی) سے تجارت وغیرہ پر پابندیاں بھی پاکستان نے قبول کیں۔

اس زمانے میں امریکہ اپنے تمام اتحادیوں سے دفاعی سمجھوتے کر رہا تھا۔ اور ساتھ میں ان کی دفاعی صلاحیتوں کو مضبوط بنانے کیلئے معاشی امداد بھی دے رہا تھا۔ مثلاً یورپ میں مارشل پلان' اور پاکستان میں P.L. 480 وغیرہ جیسے پروگرام اسی پالیسی کا حصہ تھے۔

1954ء کے پاک امریکہ معاہدہ سے کچھ عرصہ قبل امریکی فضائیہ کے متعلق ایک پروگرام پر رینڈ پروجیکٹ کے تحت رپورٹ تیار کی گئی۔ جس میں امریکی فضائیہ کی خاطر اڈوں کے دنیا میں چناؤ اور استعمال کا ذکر تھا۔ کہ کن کن جگہوں پر روسی اشتراکیت کے خلاف اڈے حاصل کئے جائیں گے۔ اس پروگرام کا نام "پروگرانڈ بیس سسٹم فار 56-1951" تھا۔ پاکستان بھی اس پروگرام میں شامل تھا۔

حوالہ جات

1- احمد شجاع پاشا۔ صفحات 145 تا 160

2- Pak-Soviet Relations 1947-65
Ayaz Naseem Page. 82-83
(about Agreements)

3- پاکستان کی خارجہ پالیسی۔ ہمایوں ادیب صفحہ 236
(معاہدہ 1954ء کے متعلق)

4- The American Role in Pak
وینکٹ رامانی۔ صفحہ 299 - 300
(رینڈ پروجیکٹ سے متعلق)

پاکستان اور روس

روس پاکستان کا قریبی ہمسایہ ہے۔ جو قیام پاکستان کے وقت اشتراکی بلاک کا لیڈر تھا۔ پاکستان کا رویہ روس کی طرف شروع سے ہی سرد مہری کا رہا۔ روس پاکستان کو اپنے نظریہ کے حوالے سے دیکھتا تھا۔ اور پاکستان کی مذہبی بنیادوں' پاکستان کی معیشت پر سرمایہ داروں جاگیرداروں اور بیرونی سرمایہ داروں کے غلبے کی وجہ سے اسے قدامت پرست مخالف کیمپ کا ملک خیال کرتا تھا۔ وہ پاکستان کی ملٹری' اور بیوروکریسی کو نو آبادیاتی نظام کا تسلسل خیال کرتا تھا۔

دوسری طرف پاکستان کے پالیسی سازوں نے شروع دن ہی سے پاکستان کو اشتراکیت کا مخالف دکھایا۔ اور اس طرح دونوں ممالک کے تعلقات باہمی مفادات کے حوالے سے نہ بڑھ سکے۔

1948ء میں پہلی مرتبہ دونوں ملکوں کا رابطہ ہوا۔ اور وزیر خارجہ پاکستان ظفر اللہ خان نے روس کے نائب وزیر خارجہ آندرے گرومیکو کو تجویز پیش کی کہ دونوں ملکوں کو باہمی سفیروں کا تبادلہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اس پر عمل بہت دیر سے ہو سکا۔ اور تجویز کے پیش کنندہ یعنی سر ظفر اللہ نے خود ہی کہا کہ پاکستان میں تربیت یافتہ عملے کی کمی کی وجہ سے سفارت کاروں کا تبادلہ ابھی متوقع نہیں۔ اس طرح یہ تبادلہ 1949ء کے آخر میں ہو سکا۔

جولائی 1949ء میں سٹالن نے وزیراعظم لیاقت علی کو روس کے دورہ کی دعوت دی۔ جسے قبول کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں امریکہ کی طرف سے ایسی ہی دعوت ملنے پر لیاقت علی امریکہ چلے گئے اور روس کی دعوت کو نظرانداز کر دیا گیا۔ اس طرح تعلقات میں سرد مہری بڑھی۔

اس کے بعد روس سے پاکستان کے تعلقات ثقافتی اور معاشی میدانوں میں تو کسی حد تک رہے۔ مگر سیاسی اور دفاعی پہلوؤں سے سرد مہری کا شکار ہو گئے۔

1948ء میں سوویت وزیر خارجہ مولوٹوف سے ملاقات میں لیاقت علی نے دونوں ملکوں میں تجارتی تعلقات کے قیام میں دلچسپی ظاہر کی۔ اس بناء پر 1950ء میں ایک روسی وفد پاکستان آیا۔ لیکن مذاکرات ناکام رہے۔ 1949-50ء میں پاکستان نے روس کو 45 ملین روپے کا مال برآمد کیا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں بھارت کی 1953ء تک تجارت صرف 8.1 ملین روپے تھی۔ پہلے دو سالوں میں روس نے پاکستان کو غذائی کمی پر قابو پانے کیلئے 120,000 ٹن گندم بھیجی۔ 1948-49ء میں دونوں ملکوں کے درمیان 71 ملین کی تجارت ہوئی جس کا توازن 17.2 ملین سے پاکستان کے حق میں تھا۔

اس دوران پاکستان اور روس میں مال کے بدلے مال کی تجارت کا بھی معاہدہ ہوا۔

1950ء کی کوریا وار میں پاکستان کی پالیسی نے دونوں ملکوں کی سرد مہری میں اضافہ کر دیا۔ پاکستان نے اس مسئلے پر امریکہ کا ساتھ دیا تھا۔

9 مارچ 1951ء کو حکومت پاکستان نے کیمونسٹوں کی طرف سے حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے "پنڈی سازش" کا انکشاف کیا۔ جس میں ملک کے اہم کیمونسٹ لیڈروں کو جیل بھیج دیا گیا۔ حکومت نے یہ بھی کہا کہ ان کیمونسٹوں نے ایک بیرونی ریاست سے بھی اس سلسلے میں مدد طلب کی ہے۔ اشارہ روس کی طرف تھا۔ اس پر روس کا رد عمل شدید تھا۔ تعلقات مزید تلخی کی طرف چلے گئے۔

امریکہ اسی اثناء میں "شمالی گھیرے" کی پالیسی شروع کر چکا تھا۔ جس کے تحت اس کے اتحادی آپس میں دفاعی معاہدے کر رہے تھے۔ نومبر 1953ء میں سوویت سفیر نے کراچی میں پاکستانی سیکرٹری خارجہ سے ملاقات کی اور انہیں روسی حکومت کی طرف احتجاجی مراسلہ دیا۔ جس میں پاکستانی اخبارات کی خبروں کا ذکر کرتے ہوئے۔ مڈل ایسٹ ٹریٹی آرگنائزیشن میں پاکستان کی شمولیت اختیار کرنے کی خبروں کو سوویت سلامتی کے خلاف قرار دیا گیا۔ اور کہا کہ پاکستان کو ایسے سوویت دشمن معاہدوں میں شمولیت سے گریز کرنا چاہئے۔

1954-55ء میں جب پاکستان نے معاہدہ بغداد اور سیٹو میں شمولیت اختیار کی اور امریکہ سے دفاعی تعاون کا معاہدہ کیا۔ تو روس نے ان معاہدوں کو روس دشمن قرار دیا اور پاکستان سے اس پر احتجاج کیا۔ اور اسے روس کے خلاف معاندانہ اقدام قرار دیا۔ ان معاہدوں میں پاکستان کی شمولیت کے بعد روس نے مسئلہ کشمیر پر اپنی غیر جانبدارانہ حیثیت ختم کر دی اور کھل کر ہندوستان کی امداد کرنے لگا۔

دوسری طرف معاشی معاملات میں تعاون جاری رہا۔ 1954ء میں پاکستان نے ایک تجارتی مشن روس بھیجا۔ 1955ء میں پاکستان کی تنظیم ترقی سائنس کا ایک گروپ روس گیا۔ 1956ء کو روسی وزیراعظم بلگانن نے ماسکو میں اعلان کیا کہ پاکستان اور روس کے مابین اقتصادی تعاون کے کافی امکانات موجود ہیں۔ اور روس ایٹمی طاقت کے پرامن استعمال کے بارے میں پاکستان کو فنی معلومات مہیا کر سکتا ہے۔ اسی سال روسی سفیر نے پاکستان کو فولاد کا کارخانہ دینے کی پیش کش کی۔ 1956ء میں دونوں ملکوں نے پہلے تجارتی معاہدے پر دستخط کئے۔ اس کے بعد پاکستان میں تیل کی تلاش کے سلسلہ میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت روسی ماہرین پاکستان آئے اور بعض مقامات پر تیل کے ذخائر کی نشاندہی کی۔

حوالہ جات

1- A History of Pakistan (1947-58), by Ganbovsby.

2- Pak-Soviet Relations 1947-65 by Ayaz Naseem.

3- پاکستان کی خارجہ پالیسی (ہمایوں ادیب)

1956ء کی پیش کیس اور معاہدہ تجارت صفحہ 261 اور 270

4- پاکستان کی خارجہ پالیسی (احمد شجاع پاشا)

پاکستان، برطانیہ اور دولت مشترکہ

جب برطانوی نوآبادیاں آزادی کیلئے ڈٹ گئیں تو برطانیہ نے اگرچہ انہیں آزادی دینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن وہ اپنی سابقہ نوآبادیات سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھنا چاہتا تھا۔ لہذا انہوں نے ان ریاستوں کو ڈومنین سٹیٹس کا درجہ دیا اور دولت مشترکہ کے نام سے تنظیم بنائی۔ ڈومنین سٹیٹس اور دولت مشترکہ کی باہمی حیثیت اور تعلق لارڈ بالفور کے مطابق درج ذیل تھا۔

"نوآبادیاتی درجہ کی حامل مملکتیں (ڈومینیز) برطانوی سلطنت کے اندر ایسی خود مختار برادریاں ہیں جو درجہ کے اعتبار سے مساوی حیثیت کی حامل ہیں۔ اپنے داخلی یا خارجی معاملات میں کسی بھی اعتبار سے کسی کی ماتحت نہیں۔ اگرچہ وہ تاج برطانیہ سے مشترکہ وفاداری کے رشتہ اتحاد میں منسلک اور آزادانہ تعاون کے تحت "اقوام کی برطانوی دولت مشترکہ" کی رکن ہیں"

دوسری جنگ عظیم کے بعد آئر لینڈ نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ تو دولت مشترکہ کے تصور کو مزید وسعت ملی۔ کرپس مشن نے 1942ء میں تسلیم کیا کہ نو آبادیوں کو دولت مشترکہ سے علیحدگی کا حق حاصل ہو گا۔ چنانچہ 1947ء میں برما نے دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آئر لینڈ بھی علیحدہ ہو گیا۔ بعد میں اس کے نام میں سے برٹش کا لفظ کاٹ کر صرف دولت مشترکہ کر دیا گیا۔

پاکستان 1947ء میں دولت مشترکہ میں شامل ہوا۔ یہ کوئی موثر تنظیم ثابت نہ ہوئی۔ البتہ تجارتی و معاشی معاملات میں سرگرم رہی اس کے ارکان کو بعض تجارتی مراعات حاصل ہیں۔ آزادی کے بعد پاکستان کا انگلستان سے دولت مشترکہ کے امور کے علاوہ کوئی خاص تعلق نہ رہا۔ 1950ء میں دولت مشترکہ کانفرنس منعقدہ کولمبو میں کولمبو پلان کا اعلان کیا گیا۔ جس کا مقصد دولت مشترکہ کی طرف سے جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیاء کی معاشی مشکلات سے نپٹنا تھا۔ کولمبو پلان کا اصل مقصد دولت مشترکہ کے ارکان ملکوں میں پارلیمانی جمہوری نظام کو مضبوط کرنا تھا۔ 1951ء میں امریکہ بھی کولمبو پلان میں شامل ہو گیا۔

دولت مشترکہ اپنے ارکان ممالک کے سیاسی بحران و تنازعات حل کرنے میں ناکام رہی اور عام طور پر ایسے معاملات اس میں زیر بحث ہی کم آئے۔ مثلاً کشمیر کا مسئلہ' یا نسلی مسئلہ وغیرہ۔ 1954ء میں دولت مشترکہ مزید کمزور ہو گئی جب اس کے ارکان ممالک پاکستان' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ اور برطانیہ "سیٹو" میں شامل ہو گئے۔ برطانیہ نے اس تنظیم کو علاقے میں امریکی اثر کم کرنے اور "متحدہ یورپ" کے مقابلے میں استعمال کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ 1956ء میں جب برطانیہ' فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا۔ تو پاکستان میں برطانیہ کے اس عمل کے خلاف رد عمل پیدا ہوا۔ اور مطالبہ کیا جانے لگا کہ پاکستان دولت مشترکہ سے علیحدگی کا اعلان کرے۔ لیکن پاکستان اپنے تجارتی مفادات کی بناء پر اس تنظیم سے منسلک رہا۔ البتہ پاکستان نے دولت مشترکہ کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے اپنے جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ جیسا کہ انڈیا نے 1949ء میں کیا تھا۔

حوالہ جات

1- پاکستان کی خارجہ پالیسی (ہمایوں ادیب)

The Pol-System of Pak by Khalid B. Sayeed. -2

Pak. in a changing world Edited by Masuma Hasan. -3

پاکستان اور اسلامی ممالک

مشرق وسطی

پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک اہم عنصر امریکہ دوستی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے معاشی اوردفاعی ضروریات و تعاون کی خاطر مشرق وسطی کے ممالک سے بہتر تعلقات کو اپنی پالیسی کی بنیاد بنایا۔ مشرق وسطی تین اعتبار سے عالمی سیاست میں زیادہ اہمیت کا حامل رہا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ وہ مشرق اور مغرب کے درمیان گزرگاہ اور رابطہ کا ذریعہ ہے اور مصر کی نہر سویز اس سلسلے میں میں اہم تجارتی گزر گاہ ہے۔ اس علاقے کی دوسری اہمیت اس کی تیل کی توانائی کی وجہ ہے تیل پوری دنیا میں توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور اس کا ایک بڑا حصہ مشرق وسطی سے حاصل ہوتا ہے۔ مشرق وسطی کا تیسرا مسئلہ اور علاقہ میں کشیدگی اور امن کیلئے خطرہ عرب اسرائیل تضاد ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اتحادیوں نے پوری دنیا کے یہودیوں کو مشرق وسطی میں آباد کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس طرح بڑے پیمانے پر یہودیوں کی فلسطین میں آباد کاری کی گئی اور فلسطینیوں کو بے گھر کر دیا گیا۔ اس طرح 1948ء میں اسرائیل کے نام سے نئی یہودی ریاست معرض وجود میں آئی۔ جس نے علاقائی توسیع کا کام جاری رکھا۔ جو عربوں کے علاقوں پر کی گئی۔ مشرق وسطی کے تمام عرب ممالک اپنی دفاعی کمزوری کی وجہ سے اسرائیل کو اپنی سلامتی کیلئے خطرہ محسوس کرتے ہیں اور اسے کمزور کرنے کے خواہاں ہیں۔

پاکستان جب معرض وجود میں آیا تو اس کے بڑے مسئلے معاشی ترقی' کشمیر کا مسئلہ اور دفاعی صلاحیتوں کو بڑھانا تھا۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے اس نے امریکہ کے ساتھ ساتھ مشرق وسطی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ کیونکہ اس طرح وہ علاقے میں بھارت کے خلاف وسیع حمایت حاصل کر لیتا۔

شروع میں پاکستان نے ان ممالک سے صرف اقتصادی تعاون کی پالیسی اپنائی۔ پاکستان نے ان ممالک سے تعاون کیلئے اسلامی دنیا کے اتحاد کا نعرہ لگایا۔ پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک کا پہلا رابطہ 1949ء میں ہوا۔ جب کراچی میں اسلامی اقتصادی کانفرنس ہوئی۔ جس کا مقصد اسلامی دنیا کے معاشی مسائل کا حل کرحل تلاش کرنا تھا۔ اس کانفرنس میں پاکستان مسلم لیگ۔ کے صدر خلیق الزماں نے مسلم ممالک کی دولت مشترکہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اسی کانفرنس کے جلد بعد کراچی ہی میں بین الاقوامی اسلامی کمیٹی قائم کر دی گئی۔

1950ء میں موتمر عالم اسلامی معرض وجود میں آئی۔ 1950ء میں ہی پاکستان نے عراق سے دوستی کا معاہدہ کیا۔ شام' مصر اور سعودی عرب سے بھی 1951ء میں دوستی کے معاہدے کئے اور اسی طرح کا ایک معاہدہ 1952ء میں یمن سے کیا۔ ان معاہدوں کے نتیجے میں باہمی وفود کے تبادلے اور وعدے وغیرہ کئے گئے۔

اسی دوران چونکہ پاکستان امریکہ سے تعلقات بڑھانے کیلئے واضح اور ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ جن کا ذکر پاک امریکہ تعلقات میں ہے۔ پاکستان کی ان کوششوں کو عرب ممالک نے اپنے مفادات کے خلاف خیال کیا۔ کیونکہ عربوں کا بڑا دشمن اسرائیل تھا۔ جبکہ امریکہ اسرائیل کا سرپرست تھا۔ اور اس طرح عربوں کے خیال میں پاکستان امریکہ سے تعلقات بڑھا کر بالواسطہ ان کے خلاف جا رہا تھا۔ 1951ء میں پاکستان نے دریائے اردن کے مغربی کنارے کے اردن سے الحاق کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا۔ اردن کے شاہ عبداللہ انگریزوں کے منظور نظر تھے اور عربوں میں مقبول نہیں تھے۔ چنانچہ عربوں نے پاکستان کے اس اقدام کو پسند نہیں کیا۔

1952ء میں مصر میں انقلاب آیا۔ شاہ فاروق کی جگہ جمال عبدالناصر مصر کے سربراہ بنے۔ جنہوں نے ریڈیکل نظریات کے تحت عرب نیشنلزم کا نعرہ لگایا۔ اس کے علاوہ ناصر غیر جانبدار تحریک کے بانی تھے۔ اور وہ بلاکوں کی سیاست سے باہر رہنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پاکستان کے امریکہ سے تعلقات کو اچھی نظر سے نہ دیکھا۔

جب امریکہ نے "شمالی گھیرے" کی پالیسی کے تحت فوجی معاہدات کا سلسلہ شروع کیا۔ تو پاکستان 55-1954ء میں ایک طرف عراق' ترکی وغیرہ سے مل کر معاہدہ بغداد کا رکن بن گیا اور دوسری طرف سیٹو وغیرہ میں شامل ہو گیا۔ عربوں نے پاکستان کے ان اقدامات کو پسند نہیں کیا۔ اور مصر' شام' سعودی عرب' لبنان سے ان معاہدوں کی بنا پر پاکستان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ چنانچہ ان معاہدوں پر ناراضگی کی وجہ سے پاکستان کشمیر کے مسئلہ پر کبھی بھی مصر کی حمایت حاصل نہ کر سکا۔ مصر نے سب سے زیادہ ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

1956ء کے بحران سویز نے پاکستان کے عربوں سے تعلقات بالکل زوال تک پہنچا دیئے۔ 1954ء میں مصر کے عبدالناصر نے برطانیہ کو سویز خالی کرنے کیلئے کہا۔ 1955ء میں انہوں نے سویز پر ایک ڈیم اسوان کے مقام پر تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ برطانیہ اور مغربی طاقتوں نے ڈیم کی تعمیر میں مدد دینے سے انکار کر دیا۔ ناصر نے مغربی ممالک کے اس رد عمل پر برہم ہو کر 26 جولائی 1956ء کو سویز نہر کو قومیانے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں ڈیم کی تعمیر کیلئے نہر سویز کی آمدنی کی ضرورت ہے۔ مغربی طاقتوں خاص طور پر امریکہ نے ناصر کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور آخر کار برطانیہ' فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کر دیا اور نہر سویز پر قبضہ کر لیا۔ پاکستان نے اس سارے مسئلے میں برطانیہ اور فرانس کی حمایت کی نتیجتاً عربوں نے پاکستان کو مخالف کیمپ کا حامی خیال کیا۔

ترکی۔ ایران

ایران پاکستان کا شمال مغربی ہمسایہ ہے۔ پاکستان کے اپنے جغرافیائی ہمسایوں میں صرف ایران سے ہی تعلقات اچھے تھے۔ 1950ء کے عشرے کے شروع میں پاکستان جب مشرق وسطیٰ کے ممالک سے دوستی کے معاہدے کر رہا تھا تو سب سے پہلے اس نے ایران سے فروری 1950ء میں ایسا معاہدہ کیا۔ اگست 50ء میں پاکستان نے ترکی سے بھی دوستی کا معاہدہ کیا۔ ترکی ان دو ممالک میں تھا۔ جو امریکی خارجہ پالیسی میں دوسری جنگ عظیم کے بعد تبدیلی آنے پر سب سے پہلے اس کی توجہ کا محور بنے۔ دوسرا ملک یونان تھا۔ ان دونوں ممالک کو 1949ء میں ٹرومین ڈاکٹرائن کے تحت کیمونزم کے پھیلاؤ کو روکنے کیلئے آزاد دنیا کے تحفظ کے نام پر بھاری امداد دی گئی۔ ایران کی بادشاہی حکومت بھی امریکہ کی ساتھی تھی۔ اس طرح تینوں ممالک ترکی' ایران اور پاکستان ایک تعلق میں جڑ گئے تھے اور یہ امریکہ دوستی کا تھا۔ ترکی نے "ناٹو" کی طرز پر مشرق وسطیٰ میں بھی دفاعی تنظیم قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اسے عربوں کو ساتھ ملانے میں ناکامی ہوئی۔ البتہ شاہ عراق ترکی کے اس منصوبے میں شامل ہو گئے اس سلسلے میں دونوں ملکوں میں 1946ء میں ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کی بنیاد پر 1955ء میں دونوں ملکوں میں دفاعی معاہدہ ہوا۔ اسی سال ستمبر میں پاکستان اور اکتوبر میں ایران بھی اس معاہدے کے رکن بن گئے۔ جسے معاہدہ بغداد کہا گیا۔ اس دفاعی معاہدے کے بعد ترکی' ایران' پاکستان میں ثقافتی و معاشی تعاون بڑھانے کیلئے بھی تعاون ہوا۔ معاہدہ بغداد کے رکن ممالک دوسرے عربوں کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن 1958ء میں ایک طرف شام اور مصر کے درمیان اور دوسری طرف عراق اور اردن میں وفاق قائم ہونے کے بعد وسیع تر دفاعی تنظیم کے قیام کا سوال ختم ہو گیا۔

حوالہ جات)

1- پاکستان کی خارجہ پالیسی (ہمایوں ادیب)

2- A History of Pak 1947-58 by Y.N Ganbovsky.

3- Pak - Soviet Relations 1947-65 by Ayaz Naseem.

4- پاکستان کی خارجہ پالیسی (احمد شجاع پاشا)

5- The Pol. System of Pakistan by Khalid b. Saeed.

پاک اور افغانستان

افغانستان پاکستان کا شمالی ہمسایہ ہے۔ دونوں ممالک کی 1200 میل لمبی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ لیکن دونوں ممالک کے مفادات اور

پالیسیوں میں اختلافات کے باعث دونوں کے تعلقات اچھے نہ رہے۔ جب 1947ء میں صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا۔ تو اس وقت سرحد کے خدائی خدمت گاروں کا خیال تھا کہ پختون عوام کو ریفرنڈم میں اس بات کی آزادی ملنی چاہئے کہ وہ اپنا آزاد ملک پختونستان کے نام سے قائم کر سکیں۔ جو افغانستان کے ساتھ مل کر مکمل ہو گا۔ افغان حکمران بھی اس نقطہ نظر کے حامی تھے۔ لیکن پختونوں کو یہ موقع نہ دیا گیا۔ چنانچہ اسی وقت سے افغانستان اور نئے ملک پاکستان میں اختلافات کی بنیاد پڑ گئی۔ لہٰذا جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو افغانستان نے' پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت کی مخالفت کی۔

دوسرا اختلاف اس وقت ہوا جب افغانستان نے اپنی جغرافیائی کمزوری کی وجہ سے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ قندھار سے مکران تک کا علاقہ اسے دے دیا جائے تاکہ اسے کوئی قدرتی بندرگاہ حاصل ہو جائے۔ پاکستان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اسے تجارتی راہداری کی سہولتیں مہیا کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

1954ء میں پاکستان نے جو دفاعی معاہدے کئے۔ عربوں کی طرح افغانستان نے بھی ان پر ناراضگی کا اظہار کی۔ افغانستان میں ان معاہدوں کے جارحانہ پن کے خلاف مظاہرے ہوئے۔

1955ء میں جب مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو مدغم کر کے ون یونٹ بنا دیا گیا۔ تو افغانستان میں اس کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ جلال آباد میں پاکستانی قونصل خانے پر حملہ ہوا۔ اور پاکستانی پرچم نذر آتش کیا گیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ون یونٹ صوبائی خود مختاری کے خلاف ہے جو پختونوں کے علیحدہ وطن بنانے کے مواقع مزید کم کر دے گا۔

ان واقعات کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہو گئے۔

حوالہ جات

1- پاکستان کی خارجہ پالیسی (ہمایوں ادیب)

A History of Pakistan 1947-58 -2

by Y.v.Ganksovsky

پاکستان اور چین

جب 1949ء میں عوامی جمہوریہ چین قائم ہوا۔ تو اس کے بھارت سے سرحدی اختلافات تھے۔ چین پاکستان کا بھی ہمسایہ ہے۔ اور شمالی علاقوں میں پاکستانی سرحدیں وادی خنجراب سے چین کے ساتھ ملتی ہیں۔ پاکستان کے بھی بھارت سے کئی قسم کے اختلافات تھے جن میں کشمیر کا جھگڑا سب سے اہم تھا۔

پاکستان نے 1950ء میں چین کو تسلیم کر لیا۔ چین کے قیام کے وقت سے چینی قوم پرست جن کی حکومت تائیوان میں قائم تھی اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی کرتے تھے۔ 1950ء میں چین کی کمیونسٹ حکومت نے اقوام متحدہ میں چیانگ کائی شیک کے قوم پرست نمائندوں کی جگہ عوامی جمہوریہ چین کے نمائندوں کو دلانے کے لئے ایک قرارداد اقوام متحدہ میں پیش کی تو پاکستان نے اس قرار داد کی حمایت کی۔

جب پاکستان دفاعی معاہدوں میں شریک ہو گیا تو اس کے بعد اس نے چین کی رکنیت پر غور ملتوی کرنے کیلئے پیش کی گئی امریکی قراردادوں کی حمایت کی۔ پاکستان کا یہ نیا موقف 1950ء والے موقف کے برعکس تھا۔ لہٰذا چین پاکستان کے اس رویے پر معترض ہوا۔

پاکستان اور چین میں سفارت کاروں کا تبادلہ 1951ء میں ہوا۔ تو اس کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات معاشی میدان میں بڑھے۔ کوریا کی جنگ میں پاکستان نے شمالی کوریا کو جارح قرار دیا۔ اور اس سلسلے میں اقوام متحدہ کی قرار داد کے حق میں ووٹ دیا۔ چین نے اس جنگ میں شمالی کوریا کی حمایت کی تھی اور فوجیں بھیجی تھیں۔ جب اقوام متحدہ میں چین کو بھی جارح قرار دینے کی قرار داد پیش ہوئی تو پاکستان نے اس کی مخالفت کی۔

1956ء میں پاکستان نے چین کے متعلق اپنی پوزیشن بدل لی۔ اور اقوام متحدہ میں چین کی رکنیت کے مسئلے کو ایجنڈے میں شامل نہ کرنے کے حق میں ووٹ دیا۔

ان معاملات سے دوسری طرف دونوں ممالک میں تجارت نے فروغ پایا۔ چین نے پاکستان سے روئی خریدنے میں دلچسپی ظاہر کی۔ لہٰذا پاکستان چین کو روئی برآمد کرنے لگا۔ 1958ء تک دونوں ممالک میں آٹھ دو طرفی تجارتی معاہدے طے پائے۔ 1952ء سے 58ء تک کی باہمی درآمدات و برآمدات کی تفصیل ذیل ہے۔

ملین ڈالر میں

	1952	1953	1954	1955	1956	1957	1958
چین کو پاکستانی برآمدات	8.38	7.2	26.1	31.7	15.9	9.5	35
کل پاکستانی برآمدات کا فیصدی حصہ	15.7	1.6	7.3	8.9	4.7	28	2.6
چین سے درآمدات	2.2	3.3	1.0	.2	.5	7.8	58.0
کل درآمدات							

کا فیصد حصہ	4.	9.	5.	5.	1.	1.8	3.6

(حوالہ : پاکستان کی خارجہ پالیسی - احمد شجاع پاشا)

پاکستانی مقنّنہ اور خارجہ پالیسی

پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں بہت کم مواقع ایسے آئے جب خارجہ پالیسی پر باقاعدہ مباحث ہوئے ہوں۔ حالانکہ جمہوری ممالک میں خارجہ پالیسی سازی انتظامیہ کی بجائے مقننہ کا کام بھی برابر خیال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ انتظامیہ اس کے نفاذ میں کافی حد تک آزاد ہوتی ہے۔

پاکستان میں خارجہ پالیسی پر پہلی باقاعدہ بحث 1957ء میں ہو سکی اسکے علاوہ تین حوالوں سے خارجہ پالیسی پر مقننہ میں مباحث ہوتے رہے۔ بجٹ سیشن مباحث، پھر مخصوص مسائل کے حوالے سے مباحث اور وقفہ سوالات میں مباحث۔

سب سے پہلے مقننہ میں 1948ء میں مسائل کے حوالے سے بحث ہوئی۔ اور یہ کشمیر کے مسئلے۔ انڈونیشیا میں ہالینڈ کی کارروائی۔ انڈیا کو ہتھیاروں کی بڑی امداد' سے متعلق تھی۔

بجٹ سیشن کے حوالے سے خارجہ پالیسی پر بحث مارچ 1950ء میں ہوئی۔ جو خارجہ امور اور دولت مشترکہ کے وزیر کی طرف سے خارجہ امور کیلئے 17 لاکھ کی رقم مختص کروانے کی درخواست کے حوالے سے ہوئی۔ اس کے علاوہ 1952ء کے بجٹ سیشن میں خارجہ وزارت کے حوالے سے بحث ہوئی۔

پہلی قانون ساز اسمبلی کے 56-1948ء کے دورانئے میں وقفہ سوالات خارجہ پالیسی پر بحث کے حوالے سے اہم تھا۔ اس وقفے میں مختلف حوالوں سے سوالات کئے جاتے۔ خارجہ پالیسی پر زیادہ تر سوالات پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے کئے گئے۔ جن میں انڈیا کے ساتھ جھگڑے پر پوچھ گچھ' انڈیا کی طرف سے جنگ نہ کرنے کی تجویز پر بحث' ہندوستانی لیڈروں کے بیانات' پاک بھارت سرحدوں' کشمیر' انڈیا میں پاکستانی ہائی کمشنر کی سرگرمیوں اور سرحدی جھگڑوں وغیرہ کے بارے میں سوالات ہوتے۔

اس کے علاوہ خارجہ وزارت کے بارے میں زیادہ سوالات ہوتے۔ اراکین مقننہ خارجہ وزارت کی ناکامیوں اور پاکستانی سفیروں کی کارکردگی' تعداد' تربیت' اخراجات وغیرہ پر مباحث کرتے۔ خارجہ وزارت میں مشرقی پاکستان کے کوٹے' بیرون ملک پاکستانیوں کے تحفظ اور انڈین پراپیگنڈے کا مقابلہ کرنے کے لئے کئے جانے والے اقدامات پر بھی مباحث ہوتے۔

اراکین مقننہ نے خارجہ پالیسی کے مقاصد پر بھی کھل کر مباحثے کئے۔ جس میں مشرقی پاکستان کے تحفظ' دفاعی معاہدوں کی عدم افادیت' ملک کے معاشی نظام کی نوعیت' اور افرو ایشیائی ممالک کے متعلق حکومتی مقاصد و طرز عمل پر سوالات کئے جاتے۔

1957ء میں خارجہ پالیسی پر بحث میں اراکین مقننہ نے عوامی لیگی حکومت کی امریکی اتحادوں سے ہمدردانہ پالیسیوں پر تنقید کی۔

خارجہ پالیسی مباحث میں مشرقی پاکستانی اراکین نے ملک کی علاقائی سالمیت سے متعلق حکومتی پالیسی اور مشرقی پاکستان کی دفاعی کمزوری کو دور نہ کرنے پر حکومت پر تنقید کی۔ مقننہ نے معاشی پہلوؤں سے متعلق پاکستانی خارجہ پالیسی پر کئی بار اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا اس سلسلے میں بنیادی اختلاف بیرونی امدد پر انحصار کے حامی اور مخالف نقطہ نظر رکھنے والوں کا تھا۔ بیرونی امداد کے مخالفوں نے پاکستان کی طرف سے امداد لینے والے ممالک کی ماتحتی پر تنقید کی۔ انہوں نے اس حوالے سے بحث کرتے ہوئے۔ سامراج کی طرف سے فوجی معاہدوں کے ذریعے اور معاشی حوالے سے ملک کے استحصال کی مذمت کی۔

سویز بحران کے موقع پر اراکین مقننہ نے حکومت کی طرف سے عربوں کی حمایت نہ کرنے پر تنقید کی

پاک تعلقات کے حوالے سے مقننہ میں مسئلہ کشمیر سفارتی تصادم' سرحدی جھگڑوں' بھارتی مسلمانوں' دریائی پانی کی سپلائی میں کمی' علاقائی اختلافات' اور تجارتی مسائل پر مباحث ہوتے رہے۔

امریکہ کے حوالے سے پہلی بار بحث 1953ء میں اس وقت ہوئی جب مقننہ کو امریکہ سے دفاعی معاہدہ بنانے اور ملک میں امریکی اڈے بنانے کے بارے میں اطلاعات ملیں حکومت نے اڈوں کے بارے میں تردید کی۔ میاں افتخار الدین' فرید احمد' پیر علی محمد راشدی' اور میاں عبدالباری نے دفاعی معاہدوں کو بندھن قرار دیا۔ اور کہا کہ ان معاہدوں سے ملک تنہا ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ امریکی ہتھیاروں کو پاکستان انڈیا کے خلاف استعمال نہیں کر سکے گا۔

افروایشیائی معاملات کے حوالے سے مقننہ کی دل چسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مقننہ میں افروایشیاء کے تقریباً تمام بڑے اور متعلقہ مسائل پر مباحث کئے گئے۔ مثلاً مراکو' لیبیا' صومالیہ' اری ٹیریا' الجیریاء' تنزانیہ' یوگنڈا کی آزادی سے متعلق معاملات افرو ایشیائی ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں کے مسائل و معاملات' کوریا وار' جنگ ویتنام' سویز بحران' عرب اسرائیل جنگ' چین کا مسئلہ نمائندگی' وغیرہ تمام پر مقننہ میں مباحث ہوئے۔

1957ء میں خارجہ پالیسی پر پہلی باقاعدہ بحث میں اراکین نے پالیسی سازوں پر تیسری دنیا کا ساتھ دینے پر زور دیا۔ مقننہ تیسری دنیا سے تعلقات میں حکومت سے زیادہ دل چسپی لیتی تھی۔ مقننہ نے عربوں سے متعلق وزیراعظم سہروردی کے بیان پر سخت تنقید کی۔

وزارت خارجہ کی کارکردگی بھی مقننہ میں زیر بحث آتی رہی اراکین

عام طور پر تین معاملات کے حوالے سے دلچسپی لیتے رہے
(i) وزارت کی ناکامیاں (ii) وزارت کے ملازمین کی تربیت و تنظیم خاص طور پر علاقائی نمائندگی (iii) سفارتی تعلقات سے ملک کی شہرت بہتر بنانا۔ وغیرہ۔

مقننہ اپنے مباحث میں خارجہ پالیسی اور اندرونی پالیسی و مقاصد میں تعلق قائم کرنے پر بھی زور دیتی رہی۔

تیسرا حصہ

سیاسی جماعتیں

استمان گل

جولائی 1955ء میں دس سال کی سزا کاٹ کر شہزادہ عبدالکریم اور محمد حسین عنقا جیل سے باہر آئے تو انہوں نے کراچی میں ریاست قلات کے سیاسی کارکنوں کی جن کی اکثریت سابق قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کے ارکان پر مشتمل تھی، ایک میٹنگ طلب کی۔ اس میٹنگ میں بلوچستان کے سیاسی حالات پر غور و خوض کرنے کے بعد "استمان گل" (عوامی جماعت) کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کا اعلان کیا گیا۔ شہزادہ عبدالکریم اس کے صدر اور محمد حسین عنقا جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ یہ نئی تنظیم بھی انہی بنیادوں پر استوار ہوئی جن بنیادوں پر اس سے قبل انجمن اتحاد بلوچاں اور قلات نیشنل پارٹی قائم ہو چکی تھیں البتہ اب پارٹی کے دستور العمل میں انگریزی استعمار سے آزادی کی دفعہ حذف کر دی گئی۔ اور اس کی جگہ پاکستان میں نسلی، لسانی اور جغرافیائی ارتباط کی بنیاد پر بلوچوں کے لئے صوبے کا مطالبہ کیا اور قلات کو بلوچستان کا نام دے کر صوبے کا محور و مرکز قرار دیا گیا۔ "استمان گل" نے واضح الفاظ میں، مندرجہ ذیل نکات کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

(1) پاکستان میں عوامی، وفاقی جمہوریہ کا قیام

(2) وفاق کی ہر وحدت کے کے لئے مکمل خود مختاری اور مساوی درجہ

(3) مختلف انتظامیہ کے متصلہ بلوچی علاقوں کو بلوچستان کے صحیح نام سے ایک انتظامیہ میں لانا اور بلوچی زبان کو اس نئی وحدت کی سرکاری اور تحریری زبان بنانا۔

(4) مملکت کے تمام باشندوں کے بنیادی حقوق (تحریر، تقریر اور تنظیم کی آزادی) کی حفاظت

(5) عوام کی سماجی، معاشی اور ثقافتی ترقی کے لئے جدوجہد کرنا۔

استمان گل نے تقریباً ایک سال کی سیاسی سرگرمیوں کے بعد، 1956ء کے اواخر میں، اپنی جداگانہ حیثیت ختم کر کے دوسری پانچ سیاسی جماعتوں کے ساتھ خود کو پاکستان نیشنل پارٹی میں مدغم کر لیا۔

مزید دیکھیں، اسی جلد کے ایک حصے میں--- سیاسی جماعتیں، پاکستان نیشنل پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی۔

اسلام لیگ

قیام پاکستان کے بعد علامہ عنایت اللہ المشرقی نے خاکسار تحریک کی تنظیم کو بحال کرنے کی بجائے ایک نئی سیاسی تنظیم--- اسلام لیگ--- قائم کرنے کا اعلان کیا۔ اس جماعت کے قیام کا مقصد ساڑھے پانچ کروڑ ہندی مسلمانوں کی حفاظت کرنا تھا۔ اکتوبر 1947ء میں علامہ مشرقی نے اس کے قیام کا اعلان کیا۔

علامہ مشرقی سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے ساڑھے پانچ کروڑ مسلمانوں کے آئینی تحفظ کے لئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو خاکسار تحریک کی طرح عسکری کردار کی حامل ہو۔ 1950ء میں منٹو پارک لاہور کی اسلام لیگ کانفرنس میں علامہ مشرقی نے اعلان کیا کہ ہندوستان 196 کروڑ روپئے کے خرچ سے، کشمیر میں دریاؤں کے پانیوں کو مشرقی پنجاب میں روکنے کے اقدامات کر رہا ہے اور 1956ء میں ان منصوبوں کی تکمیل پر پاکستان کو ان دریاؤں سے پانی کی ایک بوند بھی نہ مل سکے گی۔ اسلام لیگ عملی اعتبار سے خاکسار تحریک کی طرح ناکام ثابت ہوئی کیونکہ ہندوستان میں ہجرت کر کے اس کے علاقے فتح کرنا، مال غنیمت کو لاہور میں واقع بیت المال میں جمع کرانا اور ہندوستان میں ایک متوازی حکومت کے طور پر کام کرنا ممکن نہ تھا۔

اسلام لیگ کی سیاسی طور پر مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پیریٹی کے اصول کی مخالف تھی تاوقتیکہ مغربی پاکستان کے تمام علاقوں کو ایک اکائی میں مجتمع کر کے جغرافیائی یکجہتی قائم نہ کر لی جائے۔ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کو بھی ایک واحد اکائی میں متحد دیکھنا چاہتے تھے جس کی مشترکہ زبان اردو ہو۔ وہ پورے پاکستان کے لئے ایک مشترکہ ثقافت--- اسلامی ثقافت کے داعی تھے۔ اسلام لیگ مغربی جمہوریت اور کیمونزم کی مخالف تھی اور ملک میں اسلامی جمہوریت کے نفاذ کا مطالبہ کرتی تھی۔

جولائی 1952ء میں جیل سے رہائی کے بعد علامہ مشرقی حج پر چلے گئے۔ 54-1953ء کے دوران بھی اسلام لیگ کے سامنے بنیادی مسئلہ کشمیر کی آزادی اور نہری پانی کا سوال تھا۔ جون 1954ء میں مشرقی نے کہا کہ اسلام پر عمل کر کے ہی ہندو غلبے اور کیمونسٹ شکنجے سے محفوظ رہا جا سکتا ہوئے۔ وہ مشروط طور پر مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لئے تیار تھے۔ یہ شرائط مسلم لیگ سے تمام استحصالی عناصر کے اخراج، موجودہ دستور ساز اسمبلی کے خاتمے، وزراء کی زیادہ سے زیادہ ایک ہزار روپئے تنخواہ، مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان بڑے پیمانے پر آبادی کے تبادلے اور اگلے چھ ماہ کے اندر اندر چھ روپئے من آٹے کی فراہمی سے عبارت تھیں۔

ستمبر 1955ء میں، کراچی میں قومی کشمیر کانفرنس کے 2 لاکھ حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے علامہ مشرقی نے پاکستانی حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے کی تلقین کی تاکہ وہ کشمیر کی آزادی کے لئے اپنے منصوبوں پر عمل کر سکے۔ 1956ء میں، لاہور میں ایک خاکسار کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے پیش گوئی کی کہ 1970ء میں ملک کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے اور ہندوستان اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔

2 اپریل 1957ء کو اسلام لیگ کی کونسل کے فیصلے کے مطابق، علامہ مشرقی کو جماعت سے خارج کر دیا گیا کیونکہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو دینے کے باعث کشمیر کو آزاد کرانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد

یہ پارٹی خود بھی پس منظر میں چلی گئی۔

آزاد پاکستان پارٹی

پارٹی سابق مسلم لیگی اور ترقی پسند نظریات کے حامل رہنما میاں افتخار الدین کی قیادت میں قائم ہوئی۔ میاں افتخار اس سے قبل پنجاب کی صوبائی حکومت میں وزیر بحالیات مہاجرین رہ چکے تھے۔ وہ مہاجرین کی آباد کاری کیلئے انہیں زمینیں اور وسیع مراعات دینا چاہتے تھے۔ جس پر انکا حکومت سے اختلاف ہوا اور وہ مستعفی ہو گئے۔ کچھ عرصہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر رہے۔ جہاں انہوں نے مرکزی اور صوبائی لیگی حکومتوں پر تنقید کی اسی بنیاد پر 1950ء میں انہیں اور سردار شوکت حیات کو پانچ سال کیلئے پارٹی سے نکال دیا گیا۔

نومبر 1950ء میں میاں افتخار الدین اور سردار شوکت حیات نے آزاد پاکستان پارٹی کا اعلان کیا پنجاب کے وہ مسلم لیگی جو موجود معاشی نظام کو تبدیل کرنا چاہتے تھے وہ نئی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ستمبر 1952ء میں پارٹی کا پہلا اجلاس میاں افتخار الدین کے گھر پر ہوا۔ جس میں پارٹی منشور کا اعلان کیا گیا۔ پارٹی آزادی کی تکمیل اور معاشی بہبود کے لئے کام کرنا چاہتی تھی۔ سیفٹی ایکٹ کا خاتمہ، دستور ساز اسمبلی کی برخاستگی اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات کا انعقاد، صوبائی خود مختاری، زمینداری کا خاتمہ، پاکستان کو غیر جانبدار ملک قرار دینا، دولت مشترکہ سے علیحدگی، آزاد خارجہ پالیسی، لازمی فوجی تربیت، کشمیر میں "عوامی انقلاب" کی پشت پناہی اور شہری آزادیوں کی بحالی اس کے مقاصد میں شامل تھی۔ دستور سازی کے سلسلے میں پارٹی مغربی پاکستان کی فیڈریشن بنانے اور ملک کے دونوں حصوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دینے کی حامی تھی۔ پارٹی اہم صنعتوں کو قومیانے کی بھی حامی تھی۔ پارٹی کا پروگرام سوشلسٹ طرز پر تھا۔

پارٹی کی رکنیت تمام افراد کے لئے عام تھی کوئی بھی فرد جس کی عمر 16 سال سے زائد ہو دو آنے سالانہ چندہ دے کر پارٹی کا رکن بن سکتا تھا۔ پارٹی کی رکنیت دو طرز کی تھی۔ رکن، اور کارکن، کارکن پارٹی کیلئے ہفتے میں کم از کم دو گھنٹے کام کرنے اور ماہانہ چار آنے چندہ دینے، اور غیر ملکی لباس نہ پہننے کا پابند تھا۔

پارٹی کے اختیارات سالانہ کانفرنس اور قومی کونسل کے پاس تھے۔ دستور میں ایک سیکرٹریٹ اور انتخابی ٹریبونل کا بھی ذکر کیا گیا۔ سالانہ کانفرنس، قومی کونسل اور دو نائب صدور، تین سے پانچ تک سیکرٹری اور ایک خزانچی، جو مجلس عاملہ کے رکن ہوتے تھے شامل تھے۔

جنوری 1951ء میں پارٹی کارکنوں کی پہلی کانفرنس ہوئی۔ جس نے عبوری انتظامی کمیٹی کا انتخاب کیا۔ تاکہ صوبائی انتخاب میں حصہ لیا جا سکے۔ پارٹی لیڈر میاں افتخار الدین نے انتخابات کے سلسلے میں اپوزیشن پارٹیوں کا اتحاد بنانے کی ناکام کوشش کی۔ پارٹی پنجاب کے انتخاب میں صرف ایک سیٹ جیت سکی۔ سرحد کے انتخاب میں دھاندلی کا الزام لگایا اور نئے انتخابات کا مطالبہ کیا۔

یہ جماعت دستور ساز اسمبلی میں بہت سرگرم اور موثر تھی۔ تین آزاد ارکان، میاں افتخار الدین، سردار شوکت حیات اور سردار اسد اللہ جان نے اپریل 1951ء میں اسمبلی میں آزاد پاکستان پارٹی کی پارلیمانی پارٹی ترتیب دی۔ پہلی دستور ساز اسمبلی میں یہ واحد مسلم اپوزیشن پارٹی تھی۔ پارلیمانی پارٹی اقلیتوں اور لسانی مسئلوں اور شہری آزادیوں کے سلسلے میں بہت سرگرم تھی۔ میاں افتخار الدین نے برطانوی اشیاء کو درآمد پر اسمبلی کے اجلاسوں میں سخت تنقید کی اور حکومت پر سامراجی مفادات کیلئے کام کرنے کے کا الزام لگایا۔

پارٹی نے پنجاب کے انتخابات کے بعد جنوری۔ اپریل 1954ء میں لائل پور میں کسانوں کے احتجاج میں حصہ لیا۔ اور سیاسی مخالفین خاص طور پر راولپنڈی سازش مقدمے کے اسیران کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ پارٹی نے مسلم لیگ کے خلاف مغربی پاکستان متحدہ محاذ بنانے کی بھی کوششیں کیں۔ پارٹی اپنی سخت تنظیم کے باوجود اختلافات کا شکار ہونے سے نہ بچ سکی۔ سب سے پہلے سردار شوکت حیات آزاد پاکستان پارٹی سے نکل کر دوبارہ مسلم لیگ میں چلے گئے۔ سردار اسد اللہ جان نے بھی کچھ عرصہ بعد پارٹی چھوڑ دی۔ پارٹی کو سب سے بڑا دھچکہ اس وقت لگا جب پارٹی کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد رشید اپنے گروپ سمیت پارٹی سے نکل گئے۔

جولائی 1954ء میں جب کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگی تو حکومت نے کراچی میں آزاد پاکستان پارٹی کا دفتر بھی بند کر دیا۔ میاں افتخار الدین کی قیادت میں، پارٹی کا بڑا حصہ، اپنا وجود ختم کر کے، 1956ء میں پاکستان نیشنل پارٹی میں شامل ہو گیا۔

بلوچستان قبائلی فیڈریشن

1949ء میں جب بلوچستان میں ایک مشاورتی کونسل قائم کرنے کی تجویز زیر غور تھی، بلوچستان کے قبائلی سرداروں اور بلوچستان مسلم لیگ کے رہنماؤں بالخصوص قاضی محمد عیسیٰ کے درمیان اقتدار کی جنگ شروع ہوئی۔ جس کے نتیجے میں فروری 1949ء میں سبی دربار کے موقع پر بلوچستان کے قبائلی سرداروں نے بلوچستان "قبائلی فیڈریشن" کے نام سے مسلم لیگ سے علیحدہ اپنی ایک جداگانہ تنظیم قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ نواب محمد خان جوگیزئی فیڈریشن کے صدر اور شاہی جرگہ کے تمام سردار اور ممبر اس کے ارکان تھے۔

فیڈریشن نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ہر اعتبار سے بلوچستان کے

عوام کی صحیح اور جائز نمائندگی کا حق بلوچستان قبائلی فیڈریشن کے علاوہ کسی جماعت کو حاصل نہیں۔ فیڈریشن نے ڈیرہ غازی خان کو بلوچستان میں شامل کرنے کی بھی حمایت کی۔

پاکستان پیپلز پارٹی

پاکستان کی پہلی غیر فرقہ وارانہ اپوزیشن پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی تھی جسے مئی 1948ء میں سرخپوش تحریک کے سربراہ خان عبدالغفار خان نے قائم کیا۔ قیام پاکستان سے قبل سرحد میں سرخپوش کی اتحادی کانگریس کی حکومت تھی۔ جس کے سربراہ ڈاکٹر خاں صاحب تھے۔ سرخپوشوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر خاں صاحب کی حکومت کے خاتمے پر احتجاج کیا۔ لیکن مارچ 1948ء میں غفار خان دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ انہوں نے پاکستان سے وفاداری کا اعادہ کیا اور کہا کہ ان کا اور سرخپوش تحریک کا کردار منفی نہیں بلکہ مثبت تھا۔ اور یہ کہ اس سماجی تنظیم کو سیاسی کام کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ انہوں نے نئے ملک میں معاشی ترقی کی خاطر کام کرنے کیلئے سیاسی پارٹیوں کی ضرورت پر زور دیا۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ یہ پارٹیاں غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر کام کریں۔ اس سلسلے میں مسلم لیگ کی طرف سے مایوس ہو کر انہوں نے مئی 1948ء میں جی۔ ایم سید اور عبدالصمد اچکزئی سے مل کر کراچی میں پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔

غفار خان نئی پارٹی کے سربراہ بنے اور جی۔ ایم سید سیکرٹری جنرل۔ پارٹی کی رکنیت تمام فرقوں کیلئے کھلی تھی۔ لسانی گروپوں کیلئے خود مختاری' پاکستان کا سوشلسٹ جمہوریہ کی طرز پر قیام اور تحفظ اور پڑوسیوں خصوصا ہندوستان کے ساتھ ثقافتی تعلقات اس کے مقاصد میں شامل تھے۔

کراچی سے سرحد واپسی پر غفار خان نے خدائی خدمت گار تحریک تمام صوبوں میں پھیلا دیا تاکہ وہ نئی پارٹی کیلئے کام کر سکیں۔ انہوں نے پارٹی پروگرام سے آگاہ کرنے کیلئے صوبے کا دورہ شروع کیا۔ لیکن 15 جون کو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ عبدالولی خان' قاضی عطاءاللہ خان اور عبدالصمد اچکزئی کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ غفار خان پر الزام تھا کہ انہوں نے دورۂ سرحد کے دوران حکومت پاکستان کے خلاف بیان دیئے تھے۔ انہیں عدالت نے تین سال قید کی سزا سنائی۔

جولائی 1948ء میں سرحد حکومت نے سرخپوش تحریک پر پابندی عائد کر دی پیپلز پارٹی کے خلاف کارروائیاں کی گئیں جس سے پارٹی منظر عام سے غائب ہو گئی۔ جب جنوری 1954ء میں غفار خان رہا ہوئے تو پیپلز پارٹی منظر عام سے غائب ہو چکی تھی۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کا ایک حصہ ---- اہم شخصیات۔ ---

(کل) پاکستان دستور پارٹی

کل پاکستان دستور پارٹی کو مولانا اسدالقادری نے منظم کیا تھا اور کراچی کے علاوہ اسے کہیں بھی کوئی قابل ذکر اہمیت حاصل نہیں تھی۔

سوشلسٹ پارٹی

سوشلسٹ پارٹی آف پاکستان' انڈین سوشلسٹ پارٹی سے ہی معرض وجود میں آئی' جو 1934ء میں قائم ہوئی تھی۔ پاکستان کے سوشلسٹوں نے مبارک ساغر کی سربراہی میں نومبر 1947ء میں اپنی پہلی کانفرنس میں انڈین سوشلسٹ پارٹی سے اپنا تعلق ختم کر کے پاکستان میں نئی سوشلسٹ پارٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ نئی پارٹی کے قیام' کراچی میں آئندہ کنونشن بلوانے' اور پارٹی دستور تیار کرنے کیلئے ایک تنظیمی بورڈ تشکیل دیا گیا جو محمد یوسف خان' مبارک ساغر' صدیق لودھی' منشی احمد دین اور امیر کلام خان پر مشتمل تھا۔

دسمبر 1947ء کے لاہور اجلاس میں بورڈ نے "سوشلسٹ ویکلی" کے نام سے پارٹی آرگن شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ مبارک ساغر کو اس کا چیف ایڈیٹر مقرر کیا گیا۔ اسی اجلاس میں 31-29 جنوری 1948ء کو کراچی میں اجلاس بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس میں مبارک ساغر کے تیار کردہ دستور اور پارٹی تنظیم کی منظور دی جانی تھی۔

کراچی اجلاس کی صدارت منشی احمد دین نے کی۔ اجلاس میں تقریبا 150 نمائندے شریک ہوئے۔ پارٹی کا دستور کانگریس سوشلسٹ پارٹی انڈیا سے مشابہہ تھا۔ اس میں ہر رکن ہفتے میں چودہ گھنٹے پارٹی کے لئے کام کرنے کا پابند کیا گیا۔ کونشن نے پارٹی کے مرکزی عہدیداران کا بھی چناؤ کیا۔ منشی احمد دین جنرل سیکرٹری' محمد یوسف خان سیکرٹری' مبارک ساغر خزانچی' اور رام موہن سنہا اور صدیق علی اس تنظیم میں شامل تھے۔ 1948ء میں ان تمام نمائندوں نے انڈین سوشلسٹ پارٹی کی ناسک کانفرنس میں شرکت کی۔ احمد دین کو ہندوستان سوشلسٹ پارٹی کا مرکزی منتظم چن لیا گیا اور انہوں نے ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ جلد ہی سنہا بھی ہندوستان چلے گئے۔ تقریبا اسی دوران لودھی انتظامیہ سے مستعفی ہو گئے۔ اس صورتحال کے بعد یوسف خان کو سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا۔ اور مبارک ساغر سیکرٹری' خزانچی اور پارٹی کے جریدے کے ایڈیٹر کی حیثیت میں کام کرنے لگے۔

1952ء کے لسانی فسادات میں مشرقی پاکستان کی صوبائی سوشلسٹ پارٹی کو سخت نقصان پہنچا۔ ڈھاکہ آفس تباہ کر دیا گیا اور پارٹی کے سیکرٹری کو بھی ہجوم نے قتل کر دیا۔ اس بحران میں پارٹی کے تقریبا 300 ارکان بھی ہندوستان چلے گئے۔ 1954ء کے انتخابات میں پارٹی نے 4 نشستوں پر صوبائی انتخاب لڑا چاروں نشستیں جیت لیں۔

مغربی پاکستان میں پارٹی نے کسی انتخاب میں حصہ نہیں لیا' مگر

کسانوں اور مزدور تنظیموں میں اپنا اثر رسوخ بڑھانے کی کوششیں کیں۔ پارٹی پنجاب پنڈ پنچائیت اور سندھ ہاری کمیٹی پر اثر حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ 1952ء میں وہ پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن پر کنٹرول حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی۔ پارٹی کی آئندہ قومی کانفرنس 1954ء میں ہوئی۔ لیکن یہ صرف مندوبین کے لئے نہیں بلکہ سب ارکان کیلئے تھی اور اس میں شامل ہونے والے ہر فرد کو ووٹ دینے کا حق تھا۔ افتتاحی اجلاس سے خان عبدالغفار خان نے خطاب کیا۔

پارٹی کا پروگرام 1948ء کے پارٹی کنونشن کے مقاصد پر مرتب کیا گیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ :

"پاکستان سوشلسٹ پارٹی مزدوروں اور ترقی پسند دانشوروں کے ذریعے ملک میں جمہوری سوشلسٹ بنیادوں پر ملک میں غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے۔ اس پروگرام کے اہم نکات ذیل ہیں۔

(1) غیر طبقاتی معاشرے کا قیام جو پاکستانی مزدور طبقے کے انقلاب سے وجود میں آئے گا۔

(2) رنگ، نسل، مذہب اور جنس سے قطع نظر تمام شہریوں کو مساوی، معاشی سیاسی، اور سماجی حقوق حاصل ہوں گے۔

(3) ریاست فلاحی بنیادوں پر قائم ہو گی۔

4) استحصال سے پاک معاشرہ قائم ہو گا۔

(5) تمام دولت معاشرے کی مشترکہ ملکیت ہو گی۔

(6) بغیر محنت کئے آمدنی کی اجازت نہیں ہو گی۔

(7) کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ آمدنی کا فرق بہت زیادہ نہ ہو گا۔

(8) ثقافتی اور مادی ترقی کے لئے مندرجہ ذیل منظم منصوبہ بندی ہو گی۔

(الف) انسان کو انفرادی مفادات کی بجائے پورے معاشرے کی خاطر کام کرنا ہو گا۔

(ب) زبان، ثقافت، مذہب اور عبادت کی مکمل آزادی ہو گی۔

(ج) تمام عبادت گاہیں مقدس ہیں ریاست تاریخی مقامات کی حفاظت کرے گی۔

(د) ذہنی اور سائنسی علم معاشرے کی بہتری کیلئے استعمال ہوں گے۔

(ر) ہر شہری کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل ہوں گے۔

(س) انفرادی اور اجتماعی آزادئی اظہار، تحریر، اور تنظیم کی اجازت ہو گی۔

(ص) تمام ذرائع پیداوار ریاست یا معاشرے کی ملکیت ہوں گے۔ انفرادی ذرائع پیداوار صرف اس حد تک اجازت ہو گی کہ یہ افراد یا معاشرے کا استحصال نہ کریں۔

اس کے علاوہ پارٹی تمام اقوام سے دوستانہ تعلقات، متحارب بلاکوں میں شمولیت سے گریز، جاگیرداری نظام اور ریاستوں کے خاتمے، سیکولر بنیادوں پر تعلیم کے فروغ، اہم صنعتوں کو قومیانے، مزدوروں کی ثقافتی و معاشی ترقی، غیر مساوی ٹیکسوں کے خاتمے، اور عوامی رقم کو معاشرتی فلاح کیلئے استعمال کرنے کی حامی تھی۔ پارٹی عدم مرکزیت، سول اور فوجداری عدالتوں کی علیحدگی، سرکاری حکام پر ایک سے زیادہ محکمہ رکھنے پر پابندی انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی اور عوامی پنچائتوں کے قیام جن کے پاس سول اور فوجداری جھگڑوں میں فیصلہ سازی کے اختیار ہوں، کے بھی حق میں تھی۔

1956ء میں ایشیائی سوشلسٹ کانفرنس سیکرٹریٹ نے پارٹی کی رکنیت 3,000 بتائی، پارٹی دستور میں پارٹی کی کانفرنس، کونسل، قومی انتظامی اور ذیلی تنظیموں کا ذکر کیا گیا۔ اصل طاقت قومی انتظامی کونسل کے پاس تھی۔ جو 9 اراکین پر مشتمل تھی۔ اس کے 1954ء اور 1956ء میں دو مرتبہ اجلاس ہوئے۔ ہفت روزہ "سوشلسٹ" "ہاری حقدار" "مزدور دنیا" اور "تسکین" پارٹی کے ترجمان جرائد تھے۔

پارٹی میں بعض اوقات اختلافات بھی ہوئے۔ مثلاً 1954ء میں پارٹی کے جو رکن مشرقی پاکستان اسمبلی میں منتخب ہوئے تھے۔ وہ بعد میں عوامی لیگ کے حامی ہو گئے۔ لیکن 1956ء میں سہروردی نے مرکز میں عوامی لیگ کی حکومت بنائی تو مغربی پاکستان کی سوشلسٹ پارٹی اس کی مخالف تھی۔ مشرقی پاکستان میں پارٹی کے ہندو اور مسلم اراکین کے نقطہ نظر میں بھی اختلافات تھے۔ مغربی پاکستان میں مبارک ساغر اور یوسف خان کے درمیان اخلافات 1957ء میں یوسف خان کے پارٹی سے اخراج پر منتج ہوئے۔

اگست 58ء میں پارٹی کی مرکزی انتظامیہ نے جو قرار دادیں منظور کیں ان کے مطابق پارٹی نے نئی عراقی حکومت کو خوش آمدید کہا۔ اردن میں برطانوی اور امریکی فوجیوں کی آمد کی مذمت کی۔ فرانسیسی سوشلسٹ پارٹی کی طرف ڈیگال کی حمایت پر سرزنش کی۔ اور دنیا کی سوشلسٹ تنظیموں سے درخواست کی کہ وہ فرانسیسی سوشلسٹوں کو صحیح راستے پر چلنے کیلئے کہیں۔ پاکستان میں جاگیرداری اور زمینداری کے لئے خاتمے کے سلسلے میں بھی پارٹی نے قرارداد منظور کی۔

(کل) پاکستان عوامی مسلم لیگ

پنجاب میں دولتانہ۔ ممدوٹ چپقلش سے قطع نظر صوبائی مسلم لیگ مختلف حربوں سے نئے لوگوں کا راستہ بھی روک رہی تھی۔ 1948ء میں عبدالستار نیازی نے لیگ کے اعلیٰ عہدیداروں سے پارٹی کی ممبر شپ شروع کرنے اور نئے لوگوں کو جماعت میں شامل کرنے کے مطالبہ کیا کیونکہ پرانی رکنیت 31 دسمبر 1948ء کو ختم ہو رہی تھی اور جنوری 49ء سے نئی رکنیت کا آغاز ہونا تھا۔ پرانے ارکان تو 31 مارچ 49ء تک اپنی

رکنیت کی تجدید کرا سکتے تھے مگر لیکن نئے لوگوں کی رکن سازی کو فوری طور پر شروع کرنے کی ضرورت تھی۔ ان مطالبات کو بار بار دہرایا گیا لیکن میاں عبدالباری یا میاں ممتاز دولتانہ نے نئی رکن سازی کی طرف کوئی توجہ نہ دی جب عبدالستار نیازی نے 31 مارچ کو اپنی رکنیت کی تجدید کے لئے فارم طلب کیا تو بتایا گیا کہ فارم تو چھپوائے ہی نہیں گئے اس پر عبدالستار نیازی نے بیان جاری کر دیا کہ یکم اپریل 49ء سے کوئی شخص مسلم لیگ کا رکن نہیں رہا کیونکہ رکنیت کی تجدید زیادہ سے زیادہ 31 مارچ تک کروائی جا سکتی تھی مگر نہ فارم ملے نہ کسی نے رکنیت کی تجدید کروائی۔

اس صورت حال نے مسلم لیگ کے متعدد کارکنوں کو کل پاکستان مسلم لیگ ورکرز کنونشن بلوانے پر مجبور کر دیا۔ یہ کنونشن 18، 19 مارچ 1950ء کو لاہور کے برکت علی ہال، بیرون موچی دروازہ، میں منعقد ہوا اس وقت تک مشرقی پاکستان اور سرحد میں بھی صوبائی مسلم لیگ تنظیموں کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے عوامی مسلم لیگ قائم ہو چکی تھی۔ لاہور کنونشن میں کل پاکستان عوامی مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے صدر حسین شہید سہروردی، جنرل سیکرٹری مولانا عبدالستار خان نیازی اور جوائنٹ سیکرٹری شیخ مجیب الرحمان چنے گئے۔

کنونشن میں پنجاب کے ہر ضلع کے علاوہ دوسرے صوبوں کے نمائندے بھی شریک تھے۔ کنونشن میں کل پاکستان عوامی لیگ کے قیام کے علاوہ، پاکستان کے تحفظ و استحکام، مملکت کے لئے مستقل آئین، جاگیرداری اور سرمایہ داری کے انسداد، عام صوبائی انتخابات کے انعقاد، سیفٹی ایکٹ اور کرائمز ریگولیشن کے خاتمے، سندھ، سرحد اور بنگال کے قیدیوں خصوصا پیر صاحب زکوڑی شریف اور مولانا بھاشانی کی رہائی، پاک بھارت تنازعات کے تصفیئے، مشرقی پنجاب کے کیپوں میں مسلمان خواتین کی بازیابی، صنعت و حرفت کی ترقی، ریاستی نظام حکومت کی اصلاح، مہاجرین کی آبادی، صوبہ سرحد کی بر طرفی کے مطالبے، دولت مشترکہ سے قطع تعلقی، صوبائی عصبیت کی مذمت، عام ابتدائی تعلیم کے اصول، مویشیوں کے تحفظ، انسداد بیکاری اور مہاجر خواتین کو روزگار کی فراہمی جیسے مطالبے اور وعدے شامل تھے۔

.پارٹی کے مرکزی رہنماؤں نے ملک بھر کے تنظیمی دورے کئے۔ صوبوں کے انتخابات قریب تھے اس لئے دوسری جماعتوں سے انتخابی اتحاد کی بات چیت بھی ہونے لگی۔ عوامی مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے مذاکرات اس حد تک آگے بڑھے کہ دونوں پارٹیوں کا ایک مشترکہ پارلیمانی بورڈ بھی بن گیا۔ اسی طرح خاکسار اور جناح مسلم لیگ والوں نے تعاون کی بات کی۔ اس وقت تک (1951ء میں) سرحد اور سندھ میں بھی عوامی مسلم لیگ قائم ہو چکی تھی۔ پنجاب میں عوامی مسلم لیگ اور جناح مسلم لیگ قائم ہو چکی تھی۔ پنجاب میں عوامی مسلم لیگ اور جناح مسلم لیگ نے آپس میں مدغم ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ کل پاکستان عوامی جناح مسلم لیگ وجود میں آگئی جو مزید آگے چل کر عوامی لیگ کے نام سے مشہور ہوئی۔

پنجاب کسان کمیٹی

پنجاب کسان کمیٹی کیمونسٹ پارٹی آف پاکستان ذیلی تنظیم تھی۔ جو دیہاتی معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں لانا چاہتی تھی۔ کمیٹی کے مطابق سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام ہی عوام کی مشکلات کا باعث تھے۔ کسان کمیٹی دولت مشترکہ سے علیحدگی، جابرانہ قوانین کے خاتمے، سیاسی قیدیوں کی رہائی، عام آدمی پر سے ٹیکسوں کا بوجھ کم کرنے اور امراء پر بھاری ٹیکس عائد کرنے، گھریلو صنعتوں کی حوصلہ افزائی، بغیر معاوضے کے جاگیرداری کے خاتمے، مزارعوں، غریب کسانوں اور زرعی مزدوروں میں زمین کی مفت تقسیم، بیگار سے نجات، زمیندار پر ایک تہائی سے زیادہ بٹائی نہ لینے کی پابندی، مزارعوں کی بے دخلی کو غیر قانونی قرار دینے، دیہاتوں میں بیجوں کی سرکاری طور پر فراہمی اور امداد باہمی کے سٹورز اور سوسائٹیوں کے قیام، زرعی قرضوں کی منسوخی، سیلابوں سے دیہاتوں کے بچاؤ، مڈل تک مفت اور لازمی تعلیم، دیہاتوں میں نئے سکول کھولنے، اعلیٰ سطح تک اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے، سکولوں کالجوں کی فیس ہوسٹل چارجز میں کمی کرنے تمام دیہاتوں کو مفت علاج کی سہولت، وٹرنری ہسپتالوں میں اضافے، اور ہر گاؤں میں ایک ہسپتال تعمیر کرنے، کے مطالبات کی حمایت کرتی تھی۔

پاکستان مسلم لیگ

دسمبر 1947ء میں کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا آخری اجلاس ہوا۔ جس کا مقصد جماعت کیلئے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنا تھا۔ اس اجلاس میں تین سو کونسلرز شامل ہوئے۔ جن میں 160 ہندوستان سے آئے تھے۔ لیاقت علی خان کی تجویز پر پارٹی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک ہندوستان میں کام کرنے کیلئے اور دوسری پاکستان میں۔ اس موقع پر حسین شہید سہروردی اور مولوی فضل الحق نے غیر مسلموں پر بھی مسلم لیگ کے دروازے کھولنے کی قرار داد پیش کی۔ جو منظور نہ ہو سکی۔

فروری 1948ء میں پارٹی کا دستور تیار کرنے کیلئے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ تیار کردہ دستور کی ایک اہم شق یہ تھی کہ کابینہ کے ارکان پارٹی کی تنظیم میں کوئی عہدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ اس پابندی کے علاوہ پارٹی کا سابقہ ڈھانچہ برقرار رکھا گیا۔ مسلم لیگ کی کونسل کے مزید کئی

یونٹ تھے۔ ورکنگ کمیٹی' پارلیمانی پارٹی' پارلیمانی بورڈ صدر اور دوسرے عہدے دار پارلیمانی بورڈ صوبائی پارلیمانی پارٹیوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ صدر کی نامزد کردہ بیس ارکان پر مشتمل مجلس عاملہ کا کام فوری نوعیت کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ کونسل کے فیصلوں پر نظر ثانی کر کے پالیسی سازی پر قرار دادیں پاس کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مرکز میں صوبائی نمائندگی مندرجہ ذیل تناسب سے تھی۔

صوبہ	ارکان کی تعداد
پنجاب	150
مشرقی بنگال	180
سندھ	50
سرحد	40
بلوچستان	20
صدر کے نامزد کردہ اراکین	10

کونسل کی کل تعداد بشمول دفتری عہدیداران' صوبائی صدور اور جنرل سیکرٹری حضرات کے 465 تھی۔ چوہدری خلیق الزمان پاکستان مسلم لیگ کے پہلے صدر بنے۔

چوہدری خلیق الزمان کی صدارت میں پارٹی نے زرعی اصلاحات کیلئے اپریل 1949ء میں زرعی اصلاحات کی کمیٹی قائم کی۔ لیکن یہ کمیٹی کوئی واضح لائحہ عمل تیار نہ کر سکی تاہم کمیٹی نے مسلم لیگ کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو جو تجاویز بھیجیں متعلقہ حکومتیں ان پر عمل در آمد کرنے میں ناکام رہیں۔

پارٹی نے نئے ملک کے تقاضوں کے مطابق کوئی واضح منشور نہ دیا۔ البتہ پارٹی کے کچھ پروگراموں اور لیڈروں کی تقاریر کے مطابق پارٹی زمینداری کی حمایت اور زرعی ترقی کے علاوہ تعلیم' صحت' مہاجروں کی آباد کاری' کشمیر کے مسائل وغیرہ پر خصوصی زور دیتی تھی۔ شروع میں پارٹی نے جاگیرداری کے خاتمے کی بھی حمایت کی۔

1949-50ء میں مسلم لیگ میں سے بہت سی نئی پارٹیاں تشکیل پائیں۔ جو پارٹی چھوڑ جانے والے اراکین نے تشکیل دیں۔ ان میں سے میاں افتخار الدین نے آزاد پارٹی' سہروردی نے عوامی لیگ' فضل الحق نے کرشک سرامک پارٹی اور نواب افتخار حسین ممدوٹ نے جناح مسلم لیگ تشکیل دی بعد ازاں سردار شوکت حیات خان بھی آزاد پاکستان پارٹی میں شامل ہو گئے۔

اکتوبر 1950ء میں پارٹی نے اپنے سابقہ فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے نئی ترمیم کی جس کے تحت وزراء پر پارٹی عہدے نہ لینے کی پابندی ختم کر دی گئی۔ چند روز بعد وزیراعظم لیاقت علی خان نے مسلم لیگ کے صدر کا بھی عہدہ سنبھال کیا۔ اس فیصلے کے بعد پارٹی کی حیثیت حکومت کے ماتحت ہو گئی۔

1951ء میں لیاقت علی خان کے قتل کے بعد خواجہ ناظم الدین کو جو اس وقت گورنر جنرل تھے' مرکزی کابینہ نے مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی کی پیشگی منظوری کے بغیر وزیراعظم منتخب کر لیا۔ ازاں بعد ناظم الدین کو مسلم لیگ پارٹی کا صدر بھی منتخب کر لیا گیا۔ ان کے اس انتخاب پر کسی نے بھی اعتراض نہ کیا اگرچہ پارٹی کے دستور کی دفعہ چھ کے تحت ہر عہدیدار کے لئے لازم تھا کہ وہ اس سے قبل "کم سے کم ایک سال تک کسی ابتدائی برانچ لیگ کا ممبر رہا ہو" اور ناظم الدین اس اصول پر پورے نہ اترتے تھے۔ 16 نومبر 1951ء کو مسلم لیگ کی کونسل نے دفعہ چھ کے متعلقہ حصہ کو حذف کر دیا۔

ناظم الدین کی صدارت میں مجلس عاملہ اپنی پوری تعداد یعنی بیس ارکان کے ساتھ موجود نہ تھی۔ بلکہ اس میں کل تیرہ رکن شامل تھے جن میں بعد میں مزید پانچ ارکان کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس نامکمل کمیٹی نے کئی اہم فیصلے کئے۔ کمیٹی نے علاقائی مسلم لیگوں کے اندرونی اختلافات کی بناء پر کراچی مسلم لیگ کو معطل کر دیا۔ صدر نے بلوچستان مسلم لیگ کو برخاست کر دیا۔ سندھ مسلم لیگ میں بھی کھوڑو وزارت اور صوبائی اسمبلی کی معطلی سے بحران پیدا ہو گیا۔ صدر ناظم الدین سرحد مسلم لیگ کا جھگڑا نمٹانے میں بھی ناکام رہے۔

ناظم الدین دور میں مسلم لیگ کونسل میں مشرقی بنگال اور مغربی پاکستان کے نمائندگی کی تعداد مساوی کرنے کیلئے 1952ء میں ڈھاکہ میں اجلاس ہوا۔ جس کے مطابق کونسل کی نئی صورتحال درج ذیل تھی۔

صوبہ	تعداد اراکین
مشرقی بنگال	327
پنجاب	184
سرحد اور قبائلی علاقے	58
سندھ اور ریاست خیرپور	45
ریاست بہاولپور	18
بلوچستان	11
کراچی	11
کل	654

صدر کو دس اضافی اراکین نامزد کرنے کا اختیار تھا۔ ناظم الدین کی صدارت کے دور میں صوبائی مسلم لیگوں کے باہمی اختلافات اور لیگ کی مرکزی قیادت سے اختلافات قابل ذکر ہیں۔ ناظم الدین نے مارچ 1953ء

میں کھوڑو کو سندھ مسلم لیگ کی صدارت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ کھوڑو نے اس فیصلے پر توجہ نہ دی اور صوبائی انتخابات کیلئے اپنے اراکین نامزد کرنے میں لگے رہے۔ ناظم الدین نے اپنے فیصلے کی خلاف ورزی پر قانونی کارروائی کرنے کی دھمکی دی۔ کھوڑو اس کے خلاف سندھ چیف کورٹ میں چلے گئے اور اکتوبر 1952ء کے مسلم لیگ کے اجلاس کو غیر قانونی ہونے کا اعلان کر دیا کھوڑو نے اس اجلاس اور ناظم الدین کی صدارت کو غیر دستوری قرار دیا۔ اس طرح کھوڑو کے خلاف ضابطہ کی کارروائی نہ ہو سکی۔

اسی طرح پنجاب میں دولتانہ سے ناظم الدین کے اختلافات ہوئے جو دولتانہ کے استعفے پر منتج ہوئے۔ جب مرکز میں ناظم الدین کی وزارت ختم کر دی گئی تو انہوں نے لیگ کا صدر رہنے کیلئے یہ وعدہ کیا کہ وہ جلد مجلس عاملہ کے بقیہ ارکان نامزد کر دیں گے جسے انہوں نے دو ماہ کے اندر پورا کر دیا۔

ناظم الدین کی وزارت سے برطرفی کے وقت مسلم لیگ مکمل طور پر بحران کا شکار تھی۔ کراچی اور بلوچستان کی علاقائی تنظیمیں معطل تھیں۔ سندھ مسلم لیگ کو دو جاگیرادر گروپوں کی صورت میں مسلم لیگ کے نام سے الگ الگ چلا رہے تھے۔ پنجاب کے پارٹی لیڈر کو پارٹی سے نکال دیا گیا تھا۔ سرحد کے وزیراعلیٰ اور مسلم لیگ کے صدر قیوم خان کو مرکزی کابینہ میں لے لیا گیا۔ جب سرحد مسلم لیگ میں جھگڑا اور قیوم گروپ کے باہمی اختلافات بھی موجود تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وزیراعظم کو جو مسلم لیگ کے صدر بھی تھے پارٹی کی کسی بھی تنظیم کی منظوری کے بغیر برطرف کر دیا گیا۔ ناظم الدین کی برطرفی کے بعد گورنر جنرل نے محمد علی بوگرا کو وزیراعظم نامزد کر دیا۔ جو اس وقت کسی بھی پارلیمانی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ محمد علی بوگرا نے وزیراعظم بننے کے بعد مسلم لیگ کا صدر بننے کی کوشش شروع کر دی۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلے مشرقی بنگال کی صوبائی مسلم لیگ کا اعتماد حاصل کیا۔ اس کے جلد بعد انہوں نے مرکزی پارٹی کی قیادت کیلئے عمل شروع کیا۔ 22 ستمبر1953ء کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے بوگرا کو اپنا لیڈر چن لیا۔ اور پارٹی کی مرکزی کونسل کے اجلاس تک سندھ' پنجاب' سرحد اور مشرقی بنگال کی صوبائی کونسلوں نے مسلم لیگ کے صدر کیلئے بوگرا کے حق میں قرار دادیں پاس کر دیں۔ 18 اکتوبر کو بوگرا 36 کے مقابلے میں 258 ووٹوں سے لیگ کے صدر بن گئے۔ ان کے مخالف امیدوار قاضی عیسیٰ تھے۔ جو وزیراعظم اور پارٹی کے عہدوں کو یکجا کرنے کے خلاف تھے۔

مشرقی پاکستان میں صوبائی انتخابات سے قبل مسلم لیگ بحران کا شکار تھی۔ کراچی اور بلوچستان میں پارٹی تنظیم نو کے عمل سے گزر رہی تھی۔ پنجاب میں دولتانہ اور ان کے حامی صوبے کے وزیراعلیٰ اور پارٹی صدر فیروزخان نون کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک لانے کیلئے تیاری کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں مرکزی مجلس عاملہ نے پنجاب اور سندھ کی صوبائی لیگ شاخیں معطل کر دیں۔ اور دونوں صوبوں میں 15 ,15 ارکان پر مشتمل ایڈہاک کمیٹیاں قائم کر دیں' جن کے پاس صوبائی ورکنگ کمیٹی' صوبائی کونسل' پارلیمانی بورڈ اور صدر کے تمام اختیارات تھے۔ ایک فیصلے کے ذریعے صوبائی وزرائے اعلیٰ کو پارٹی کی تنظیم نو کے سلسلے میں اختیارات دے دیئے گئے۔

ان فیصلوں کو پہلے ایوب کھوڑو نے سندھ سے چیلنج کیا تھا۔ اور اب پنجاب میں دولتانہ گروپ نے نئی ایڈہاک کمیٹی کے تحت کام کرنے سے انکار کر دیا اور صوبائی لیگ کی معطلی کو چیلنج کر دیا۔

مشرقی پاکستان میں انتخابات سے ایک ماہ قبل پارٹی کی صورت حال یہ تھی کہ انتخابات کے نتیجے میں مسلم لیگ کو مشرقی پاکستان میں 309 میں سے صرف دس نشستیں مل سکیں۔ اس صورتحال پر سردار نشتر کی قیادت میں پارٹی کے ایک بڑے گروپ نے پارٹی کی جامع تنظیم نو کا سوال اٹھایا۔

مشرقی پاکستان کی انتخابی صورتحال و نتائج کے بعد جولائی 1954ء میں دستور ساز اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی نے ایک تحریک پر بحث کی۔ جو مشرقی پاکستان کے ایک رکن کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اگلے 21 سال کیلئے وفاق' صوبوں اور ریاستوں کے انتخابات میں مسلم نشستوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو ہو اور باقی تمام پارٹیوں پر پابندی لگا دی جائے مزید برآں اگر انتخاب کے بعد کوئی ممبر پارٹی چھوڑ دے یا نکال دیا جائے تو اس کی اسمبلی کی رکنیت بھی ختم ہو جائے گی۔ ایک لمبی بحث کے بعد اجلاس کسی اگلے وقت کیلئے ملتوی کر دیا گیا۔

پاکستان مسلم لیگ نے اپنے پہلے اجلاس 1947ء میں فیصلہ کیا تھا کہ غیر مسلموں کو پارٹی کی رکنیت نہیں دی جائے گی۔ لیکن بعد میں پارٹی نے کئی دفعہ غیر مسلم ارکان کو اپنی حمایت میں استعمال کیا۔ اس سلسلے میں ایک فارمولا بنایا گیا جس کے تحت اسمبلی کے غیر مسلم ارکان مسلم لیگ میں بحیثیت ایسوسی ایٹ ارکان شامل ہو سکتے تھے۔ مارچ 1954ء میں سندھ اسمبلی کے پانچوں ہندو ارکان ایسوسی ایٹ ممبروں کی حیثیت سے مسلم لیگ کے رکن تھے۔ اور وہ پارٹی کے اجلاسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ 1955ء میں دوسری دستور ساز اسمبلی کے انتخاب کے بعد ایک عیسائی رکن اسمبلی سی۔ ای۔ گبن مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے "ایسوسی ایٹ" ممبر بنے۔

1955ء میں مسلم لیگ کے دستور میں پھر ترمیم ہوئی اور وزراء کو جماعت کا عہدہ قبول کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کے بعد سردار عبدالرب نشتر کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا۔ بوگرا کی عبوری حکومت

کے خاتمے کے بعد مسلم لیگ نے اپنے مخالف اتحاد متحدہ محاذ کے ساتھ مل کر نئی وزارت بنالی۔

1955ء میں جب مغربی پاکستان کو ون یونٹ کے تابع ایک صوبہ بنا دیا گیا تو نئے صوبے کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر خاں صاحب بنے' جو مسلم لیگ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اس صورتحال پر سردار عبدالرب نشتر نے مغربی پاکستان مسلم لیگ کے پارلیمانی ارکان کو پارلیمانی پارٹی بنانے کی ہدایت کی۔ ان کی ہدایت پر مسلم لیگ نے اسمبلی میں پارٹی بنائی۔ اسمبلی کے تین سو دس ارکان میں سے دو سو پینتالیس نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ مسلم لیگ نے فیصلہ کیا اسمبلی میں مسلم لیگ کی اکثریت کے پیش نظر صوبے کا وزیراعلیٰ مسلم لیگی ہونا چاہئے۔ ارکان اسمبلی نے سردار بہادر کو اپنا پارلیمانی لیڈر چن لیا۔ مسلم لیگ کی وزارت بنانے کیلئے مسلم لیگ کے تین صوبائی وزیروں دولتانہ' کھوڑو اور سردار بہادر نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے نئی وزارت بنائی جو آٹھ ارکان پر مشتمل تھی۔ تمام وزراء مسلم لیگ کے مخالف دھڑے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح لیگی ارکان کی تقسیم واضح تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹر خان صاحب نے ری پبلیکن پارٹی کے نام سے نئی جماعت بنا لی۔ سب سے پہلے دولتانہ اور کھوڑو کے مخالف لیگی ارکان اس نئی پارٹی میں شامل ہوئے۔ فیروز خان نون کا آزاد گروپ بھی اس پارٹی میں شامل ہوگیا۔ جب اسمبلی کا اجلاس ہوا تو دونوں پارٹیوں کے ووٹ تقریبا برابر تھے۔ ری پبلیکن پارٹی کے امیدوار چوہدری فضل الٰہی مغربی پاکستان قانون ساز اسمبلی کے عارضی صدر ایم ایچ قزلباش کے کاسٹنگ ووٹ سے سپیکر بنے۔ مسلم لیگ نے عارضی صدر پر جانبداری کا الزام عائد کیا بہرحال اس طرح مسلم لیگ کا اقتدار ختم ہوگیا۔ 1956ء میں مرکز میں بھی مسلم لیگ کا اقتدار ختم ہوگیا۔ تو عوامی لیگ کے سہروردی نے متحدہ محاذ کے تعاون سے مرکز میں وزارت بنائی۔

مارچ 1958ء میں سردار عبدالرب نشتر کے انتقال کے بعد قیوم خان کو مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کو ایک مرتبہ پھر کافی حد تک متحرک کر دیا۔ اور اسے عوام تک پہنچانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مسلم لیگ نیشنل گارڈز کی تنظیم پر خصوصی توجہ دی۔ ان کی صدارت میں مسلم لیگ نے حکومت مخالف رویہ اپنایا۔ اور صدر اسکندر مرزا پر تنقید کی۔ انہوں نے ری پبلیکن پارٹی کے قیام کو مسلم لیگ کے خلاف اسکندر مرزا کا فراڈ قرار دیا۔ ان باتوں کے ساتھ مسلم لیگ نے اسکندر مرزا کو صدارت سے ہٹانے کیلئے جدوجہد شروع کر دی۔

اسی دوران مرکزی حکومت نے نیم فوجی تنظیموں کے قیام پر پابندی لگا دی۔ مسلم لیگ نے اس پابندی کے خلاف احتجاج کیا۔ اور اس کے خلاف سول نافرمانی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس احتجاج نے مارشل لاء کے نفاذ میں آسانیاں پیدا کیں۔

پاکستان نظام اسلام پارٹی

یہ پارٹی چوہدری محمد علی کی "تحریک استحکام پاکستان" اور مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والی" مشرقی پاکستان نظام اسلام پارٹی کے اتحاد سے پاکستان نظام اسلام پارٹی وجود میں آئی۔

چوہدری محمد علی نے 1956ء میں وزیراعظم کی حیثیت سے ملک کا آئین پاس کروایا تھا۔ وزارت سے علیحدگی کے بعد دسمبر 1957ء میں انہوں نے "تحریک استحکام پاکستان" کا اعلان کر دیا۔ ان کے مطابق پارٹی ملک میں اسلامی جمہوریت' سماجی انصاف' مواقع کی برابری' پریس کی آزادی اور جداگانہ انتخابات کی حامی تھی۔ وہ استحصال کا خاتمہ چاہتی تھی۔

دوسری جماعت مشرقی پاکستان نظام اسلام تھی۔ جو 1954ء میں معرض وجود میں آئی تھی۔ یہ بنگال میں جماعت اسلامی کی مخالف تنظیم تھی۔ 1954ء کے انتخابات میں اس کے ارکان صوبائی اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے تو پارٹی نے 1953ء کی علماء کانفرنس کی تجاویز کی بناء پر اسلامی نظام کے قیام کا مطالبہ کیا۔ یہ کابینہ میں پارٹی کی رکنیت سے قطع نظر ایماندار اور اہل افراد کی شمولیت چاہتی تھی۔ پارٹی نے مشرقی پاکستان میں شرعی حکومت کے قیام کے لئے بھی جدوجہد کی۔

اپریل 1958ء میں ان دونوں پارٹیوں نے متحد ہو کر پاکستان نظام اسلامی پارٹی تشکیل دی۔ 2 مئی 1958ء کو چوہدری محمد علی نے پارٹی کا منشور جاری کیا۔ دونوں سابقہ پارٹیوں کے نظریات کے علاوہ مغربی پاکستان کی وحدت کے تحفظ' صوبائی خود مختاری سے متعلق آئینی' تجاویز کے نفاذ' اور دستور کے اسلامی کردار کو مضبوط کرنا پارٹی کا مقصد تھا۔ چوہدری محمد علی پارٹی کے کنوینر مقرر ہوئے۔ پارٹی زرعی اصلاحات کی حامی تھی۔ اس نے 1956ء کے آئین کے نفاذ پر بھی زور دیا۔

پارٹی پاکستان کو ایک مضبوط سماجی' ترقی پسند' جمہوری اسلامی مملکت بنانا چاہتی تھی۔ اسلامی نظام سے متعلق پارٹی کے منشور کی بنیاد مشرقی پاکستان نظام اسلام کے مقاصد پر تھی۔ پارٹی جداگانہ انتخاب کی حامی تھی۔

مشرقی پاکستان سے پارٹی میں مولوی فرید احمد شامل تھے۔ پارٹی کا سب سے بااختیار ادارہ ملی کونسل کہلاتا تھا۔ پارٹی کا پروگرام۔

(ا) حکم اللہ کا۔
(ب) حکومت عوام کی
(ج) زمین کاشت کار کی
(د) کارخانہ کاری گر کا

پر مشتمل تھا۔

پارٹی نے اگست 1958ء میں جماعت اسلامی سے انتخابی اتحاد کیا تاکہ فروری 1959ء میں ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا جا سکے۔ معاہدے پر چوہدری محمد علی اور مولانا مودودی نے دستخط کئے۔ معاہدے کے تحت دونوں پارٹیوں نے انتخابات کے دوران اور اس کے بعد اسمبلیوں میں تعاون کا فیصلہ کیا تاکہ ملک میں اسلامی نظام کیلئے جدوجہد کی جا سکے۔

مزید دیکھیں، اسی جلد کا ایک حصہ---- اہم شخصیات---- چوہدری محمد علی

پاکستان نیشنل کانگریس

متحدہ ہندوستان کی دو بڑی پارٹیاں مسلم لیگ اور نیشنل کانگریس تقسیم کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں۔ لہٰذا پاکستان میں بھی نیشنل کانگریس کی پاکستان شاخ قائم ہوئی۔ اس کا صدر مقام مشرقی پاکستان میں تھا۔ دستور ساز اسمبلی میں پہلی سرکاری اپوزیشن تھی۔

پارٹی امن، سالمیت، انفرادی آزادیوں کے تحفظ، عدم تشدد، اور تمام شہریوں کے لئے مساوی مواقع و حقوق کی علم بردار تھی۔ پارٹی ملک میں جمہوری اور سوشلسٹ بنیادوں پر مزدور کسان راج قائم کرنے کی خواہاں تھی۔ اور ایسی مخلوط معیشت کی حامی تھی۔ جس میں اہم صنعتیں ریاستی ملکیت میں ہوں۔ پارٹی مخلوط انتخاب، اقلیتوں کے تحفظ، اور پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے، ملکی کپڑا پہننے، شودروں کی حالت بہتر بنانے، اور صنعتوں کی عدم مرکزیت کی قائل تھی۔

پاکستان نیشنل کانگریس اقلیتوں کے مفادات اور تحفظ کی نمائندہ تھی۔ پارٹی نے ملازمتوں، تجارت اور کاروبار میں اقلیتوں کیلئے کوٹا مقرر کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور کہا کہ اقلیتوں کے حقوق صرف دستور میں تسلیم کئے گئے ہیں انہیں عملی طور نہیں ملے۔ پارٹی لیڈر اسمبلی کی کارروائیوں میں اقلیتوں کی قانونی اور سیاسی حیثیت کے بارے میں اکثر خدشات کا اظہار کرتے۔ پارٹی نے 1949ء میں قرار داد مقاصد کی مخالفت کی۔ 1953ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ اور 1956ء کے آئین کی اسلامی دفعات پر تنقید کی۔ دستور کی منظوری کے آخری اجلاس میں سے پارٹی نے واک آؤٹ کیا۔ اس نے اسلام کو سیاسی حیثیت دینے کی مخالفت کی۔ وہ دستور میں جداگانہ انتخابات کی منظوری کی بھی مخالف تھی۔

پارٹی کا ڈھانچہ، گاؤں، یونین، تھانے، وارڈ، کے علاوہ ہر سب ڈویژن اور ضلع میں تنظیم، پر قائم تھا ہر ضلع اور صوبے کی اپنی کانگریس کمیٹی تھی۔ ایک انتظامی کونسل تمام ذیلی تنظیموں کی سرگرمیوں میں رابطہ اور انہیں ہدایات دینے کے لئے مقرر تھی۔ ہر فرد جو اٹھارہ سال سے زائد عمر کا ہو اور پارٹی پروگرام سے متفق ہو، پارٹی کا رکن بن سکتا تھا۔

پاکستان نیشنل عوامی پارٹی

2 جولائی 1957ء کو ڈھاکہ کے جمہوری کنونشن میں نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کا قیام عمل میں آیا۔ دسمبر 1956ء میں پنجاب سے میاں افتخار الدین کی آزاد پاکستان پارٹی، سرحد سے خان عبدالغفار خان کی سرخپوش یا خدائی خدمت گار تحریک، سابق برطانوی بلوچستان سے عبدالصمد اچکزئی کی "ورور پختوں" قبائلی بلوچستان یا ریاست قلات سے شہزادہ عبدالکریم اور محمد حسین عنقاء کی 'استمان گل' اور سندھ سے جی ایم سید کا سندھ عوامی محاذ اور حیدر بخش جتوئی کی سندھ ہاری کمیٹی پر مشتمل پاکستان نیشنل پارٹی کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ پارٹی نے مشرقی پاکستان کے عوامی نمائندوں کی شمولیت کے لئے اپنے دروازے کھلے رکھے تھے۔ 1956ء میں نہرسویز کے مسئلے پر عوامی لیگ میں اختلافات کا آغاز ہوا۔ اختلاف کرنے والے گروپ کو، جس کی سربراہی مولانا بھاشانی کر رہے تھے، شکایت تھی کہ پارٹی اپنے منشور سے ہٹ گئی ہے۔ جب اختلافات بڑھے تو مولانا بھاشانی اور ان کے ساتھیوں نے نئی پارٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ مغربی حصے کی پاکستان نیشنل پارٹی اور عوامی لیگ کے باغی دھڑے، گن تنتری دل اور کمیونسٹ پارٹی کے بعض ارکان کے درمیان نیشنل عوامی پارٹی کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ پاکستان نیشنل پارٹی سے لفظ "نیشنل" اور عوامی لیگ سے لفظ "عوامی" پر مشتمل نئی پارٹی کا نام تجویز ہوا۔ بھاشانی پارٹی کے سربراہ مقرر ہوئے جبکہ خان عبدالغفار خان مغربی پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے صدر بنے۔

پارٹی منشور میں ون یونٹ کا خاتمہ صوبائی خودمختاری کا حصول، ہاریوں اور کسانوں کو فائدہ پہنچانے والی زرعی اصلاحات کا نفاذ، آزاد خارجہ پالیسی، فوجی معاہدوں کا خاتمہ اور شہری آزادیوں کا تحفظ، بنیادی مقاصد کے طور پر شامل تھے۔

سہروردی کی وزارت عظمیٰ کے دور میں نیپ نے ون یونٹ کے خاتمے کے لئے ری پبلیکن پارٹی سے معاہدہ کیا جس کے مطابق ری پبلیکن، ون یونٹ کے خاتمے کے سوال پر، نیپ کی حمایت کرنے کی پابند تھی۔

جولائی 1957ء کے ڈھاکہ کنونشن کے مطابق پارٹی کا ڈھانچہ اس طرح تھا:

(1) قومی کونسل
(2) مجلس عاملہ
(3) مرکزی پارلیمانی بورڈ
(4) مرکزی پارلیمانی پارٹی

دو سو چودہ ارکان پر مشتمل قومی کونسل' پارٹی کا سب سے اعلیٰ ادارہ تھی۔ ان میں سے دو سو دس دونوں صوبوں سے مساوی طور پر منتخب ہوئے۔ قومی کونسل پارٹی کے صدر' مجلس عاملہ اور پارلیمانی بورڈ کے ارکان کا انتخاب کرتی اور پالیسی ترتیب دیتی تھی۔ قومی کونسل کو علاقائی کونسلیں منتخب کرتی تھیں۔ قومی کونسل کی تشکیل لسانی بنیادوں پر کی گئی تھی۔ پارٹی کے اہم رہنماؤں میں مولانا بھاشانی' میاں افتخار الدین' جی ایم سید' خان عبدالغفار خان' عبدالصمد خان اچکزئی اور عبدالمجید سندھی وغیرہ شامل تھے۔

پیپلز نیشنل پارٹی آف پاکستان

اپریل 1953ء میں' لاہور میں' پیپلز نیشنل پارٹی آف پاکستان کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ پارٹی کی طرف سے منشور' رپورٹ پروگرام اور آئین کا مسودہ جاری ہوا لیکن اس کی عملی شکل سامنے نہ آسکی۔ منشور کے مسودے میں کہا گیا تھا کہ :"حکومت یا اقتدار کا حصول ہمارا مقصد نہیں ہے۔ ..... ہم ووٹ اکٹھے کرنا اور حکومت کے گھوڑے پر بیٹھنا نہیں چاہتے...... ہمارا مقصد خدمت اور بیداری پیدا کرنا ہے۔" پارٹی' حکومت وقت سے تعاون کرنے اور گروہی تشدد عدم اطاعت اور سیاسی ابھار کے دوسرے طریقوں کی مخالفت کرنے کے سلسلے میں پر جوش تھی۔ بنیادی کام جاگیرداروں' بدعنوان غیر محب وطن سرمایہ داروں' کرپٹ وطن دشمن افسروں اور سیاستدانوں کے خلاف قومی تعمیر نو کے عام پروگرام کی بنیاد پر کسانوں' مزدوروں' درمیانہ طبقوں اور محب وطن سرمایہ داروں کو متحد کرنا اور مروجہ جاگیر دارانہ اور پسماندہ زرعی نظام کو تبدیل کرکے' کسانوں کے حق ملکیت پر مبنی ایک ترقی پسند زرعی معیشت کو قائم کرنا تھا۔

تحریک خلافت پاکستان

1948ء میں مسلم لیگ کے دروازے جب خود اپنے کارکنوں پر پابند ہونے لگے تو بقول مولانا عبدالستار خان نیازی' انہوں نے خلافت پاکستان گروپ کے ذریعے نکات عشرہ کا پروگرام جاری رکھا اور مسلم لیگ سے مکمل طور پر مایوس ہو جانے کے بعد 1951ء میں اسے تحریک خلافت پاکستان کی مستقل شکل دے دی۔ اس موقع پر ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں پاکستان کے لئے آئین کی تشکیل میں چھ مثبت اور تین منفی اصولوں کی شمولیت پر زور دیا گیا تھا مثبت اصولوں میں قرآن و سنت کے احکامات کو قطعیت اور اولیت حاصل تھی جبکہ منفی اصولوں میں' آمریت کی ممانعت' ارتکاز دولت کے خاتمے اور یزیدیت کی ممانعت پر زور دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ تحریک خلافت پاکستان کے متعدد مقاصد متعین کئے گئے تھے جن میں ملکی قوانین کو شریعت کے مطابق بنانے' سود کے خاتمے اور غریبوں کی حالت کو بہتر بنانے پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔ جاگیروں کی حد بندی' ذاتی ملکیت کے زیادہ سے زیادہ رقبے کے تعین' مزارعین کی غیر منصفانہ بے دخلی کو روکنے اور عوام کی عسکری تربیت کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔

1952ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے جو آئینی رپورٹ پیش کی' تحریک خلافت پاکستان کے سربراہ نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ اس میں مسلمان کی تعریف نہیں کی گئی تھی۔ 1953ء میں خلافت پاکستان نے ختم نبوت کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالستار نیازی گرفتار ہوئے اور خصوصی فوجی عدالت نے انہیں موت کی سزا بھی سنائی جو بعد ازاں قید میں بدل دی گئی۔ جولائی 1955ء میں انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ سیلاب میں بہہ جانے والے بھوسے اور مرنے والے جانوروں کا حساب تو ہو رہا ہے لیکن اس بات کا حساب آج تک نہیں ہوا کہ ختم نبوت میں کتنے مسلمان شہید ہو گئے۔ انہیں گرفتار کر کے منٹگمری (ساہیوال) جیل میں بھیج دیا گیا۔ 1957ء میں انہوں نے ملک میں نظام خلافت رائج کرنے کا مطالبہ کیا لیکن 1958ء میں اس کی جگہ مارشل لاء نافذ ہو گیا۔

جماعت اسلامی

جماعت اسلامی 26 اگست 1941ء کو قائم ہوئی۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس کے بانی تھے۔ اسلامی نظام قائم کرنے کے دعوے دار اس سیاسی جماعت کے نظریات کی بنیاد مولانا مودودی کے افکار ہیں جن کے مطابق اسلامی ریاست میں اللہ تعالیٰ کی قانونی اور سیاسی برتری ہو گی۔ جس کے احکام پر عمل کرنا لازم ہو گا۔ قانون کے ماخذ قرآن و سنت ہوں گے۔ اسلامی ریاست کی انتظامیہ' مقننہ اور عدلیہ اسلامی قوانین کے خلاف کوئی قانون یا دستور نہیں بنا سکیں گی۔ اسلامی ریاست کی حیثیت مقتدر کی نہیں ہو گی' بلکہ مسلمان خدا کے نائب ہوں گے جو نیابت کے ذمہ دار ہوں گے۔ سیاست اور نظم و نسق عورتوں کے کام نہیں ہوں گے۔ اور ان شعبوں میں عورتوں کا آنا غیر اسلامی ہو گا۔ اسلامی ریاست میں قوانین نافذ کرنے کے علاوہ نماز اور زکوۃ کے شعبے بھی حکومت کے ذمے ہوں گے۔ اسلامی ریاست میں اگر مقننہ' عدلیہ اور انتظامیہ قرآن و سنت کے منافی قوانین بنائیں گی تو عوام پر لازم ہو گا کہ وہ ان قوانین کی نافرمانی کریں۔ اسلامی ریاست میں کوئی معاملہ بھی کسی کا ذاتی معاملہ نہیں ہو گا۔ اور ریاست تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں مداخلت کی مجاز ہو گی۔

اپنے ان نظریات کی روشنی میں قیام پاکستان سے قبل جماعت اسلامی ہند نے پاکستان کی مخالفت کی۔ لیکن جب پاکستان معرض وجود میں

آگیا تو مودودی پاکستان آ گئے اور جماعت اسلامی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے جماعت اسلامی پاکستان کے سربراہ بن گئے۔

1948ء میں حکومت پنجاب نے اپنے تمام ملازمین کو حکومت پاکستان کی وفاداری کا حلف اٹھانے کو کہا۔ اس موقع پر مولانا مودودی نے جماعت سے تعلق رکھنے والے حکومتی ملازمین سے کہا کہ "اسلامی حکومت" کی بجائے "قانون کی حکومت" جو اس وقت قائم تھی کی ماتحتی کا حلف اٹھانا درست نہیں ہے۔ اپریل 1948ء میں فوجی ملازمین کے سلسلے میں بھی جماعت کی انتظامی کمیٹی نے اسی قسم کا فیصلہ کیا۔ 1948ء میں کشمیر میں حریت پسندوں اور بھارتی فوجوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ مئی 1948ء میں مولانا نے اس کے "جہاد نہ ہونے" کا فتویٰ دیا۔

جماعت اسلامی کے ڈھانچے میں سب سے اوپر امیر جماعت کا عہدہ ہے۔ جو "مرکزی مجلس شوریٰ" کے مشورے سے کام کرتے ہے۔ امیر کو وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ جماعت کے دستور کی شق 15 کے مطابق ارکان جماعت امیر کے تمام احکامات پر اس وقت تک عمل کرنے کے پابند ہیں۔ جب تک وہ کسی گناہ میں ملوث نہ پایا جائے۔ بیس افراد پر مشتمل مجلس عاملہ امیر کو پالیسی پر مشورے دیتی ہے۔ اس طرح یہ ڈھانچہ نیچے تک ہے۔ مرکز میں امیر کا ہاتھ بٹانے کیلئے ایک سیکرٹری ہوتا ہے جسے امیر نامزد کرتا ہے اور کمیٹی منظور کرتی ہے۔

پارٹی میں کوئی متعین رکنیت فیس نہیں ہے۔ ہر رکن اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی زکوٰۃ پارٹی کو دینے کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ جماعت کی آمدنی کا انحصار قربانی کی کھالوں اور جماعت کے ہمدردوں کے چندوں پر ہے۔

نومبر 1951ء میں جماعت نے نیا دستور بنانے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی' جس کے ذمے جماعت کی تنظیم نو کا کام بھی تھا۔ اس مجلس کا مرتب کردہ دستور اگست 1952ء میں نافذ کر دیا گیا۔

1953ء میں مولانا مودودی نے فوجی عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ جماعت مسلح جدوجہد پر یقین رکھتی ہے اور اس کا مقصد موجود حکومت کو بدل کر اپنے نظریات کے مطابق حکومت قائم کرنا ہے۔

1954ء میں جب پاکستان فوجی معاہدوں میں شریک ہوا تو جماعت کی مرکزی انتظامی کمیٹی نے ایک قرار داد منظور کی جس میں کہا کہ "حکومت کو معاہدے کرتے وقت لوگوں کو اعتماد میں لینا چاہئے اور ایسے معاہدے کرنے سے گریز کرنا چاہئے جن سے ہمارے نظریات اور مفادات کو نقصان پہنچے"

نومبر 1955ء میں جماعت کے دستور میں ترمیم کیلئے ایک اور مجلس مقرر کی گئی۔ اسی دوران دوسری دستور ساز اسمبلی نے 29 فروری 1956ء کو ملک کا نیا دستور منظور کر لیا۔ جو 23 مارچ کو نافذ کر دیا گیا۔ جماعت اسلامی نے اس دستور کو "عظیم الشان اسلامی دستور" قرار دیا اور اپنے دستور میں تبدیلی کیلئے قائم کی گئی۔ کمیٹی کو توڑ دیا البتہ بعض قراردادوں کے ذریعے جماعت کے ڈھانچے میں بعض تبدیلیاں کی گئیں۔ ان کی رو سے

1- نظم جماعت اور تحریک کو چلانے کی ذمہ داری امیر پر ہو گی۔

2- جماعت کی پالیسی کی تشکیل اور اہم فیصلے امیر جماعت مجلس شوریٰ کے مشورے سے کرنے کا مجاز ہو گا۔

3- مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے امیر کو اپنی مجلس عاملہ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا۔

4- امیر جماعت اپنے نائب مقرر کرے گا۔ وغیرہ

دوسری قرار دادوں میں طے پایا کہ جماعت کے ارکان جو جماعت کے نصب العین کے حصول سے اختلاف رکھتے ہوں۔ وہ اپنے اختلافات کے اظہار کیلئے پبلک پلیٹ فارم استعمال نہیں کریں گے۔

تیسری قرار داد میں نئی مجلس شوریٰ کے ذمہ نئے دستور کی تدوین کی گئی۔ مجلس شوریٰ نے مئی 1957ء میں نیا دستور منظور کر لیا۔ ہر فرد جماعت کی رکنیت حاصل نہیں کر سکتا بلکہ یہ مخصوص حق ہے۔ جماعت کے ارکان کا فرض ہے کہ وہ اپنے حلقہ تعارف میں اور جہاں تک اس کی پہنچ ہو۔ جماعت کا پراپیگنڈہ کرے۔ خواتین ارکان پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاندان اور حلقہ احباب میں جماعت کا پراپیگنڈہ کریں۔ اور اپنے گھر کے مردوں اور خاندان والوں کو بھی جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔ جماعت اسلامی نے اپنی تنظیم کو' کمیونسٹ بنیادوں پر اکثر شعبہ ہائے زندگی میں منظم کیا ہے۔ مثلاً طلبہ میں اسلامی جمعیت طلبہ' اس کے علاوہ پاکستان کسان بورڈ' تنظیم اساتذہ پاکستان' پاکستان مزدور تنظیم' پیاسی اور پیام وغیرہ۔

جماعت کی سخت تنظیم اور اراکین بنانے کی خصوصی پالیسی کے باوجود جماعت میں اختلافات رونما ہوئے ہیں۔ 5 جنوری 1957ء کو' جماعت کے سابق امیر اور جماعت کے ترجمان "تسنیم" کے ایڈیٹر جناب سعید ملک پارٹی سے مستعفی ہو گئے۔ انہوں نے مودودی کے خلاف سات الزامات لگائے ان میں سے دو اہم الزام یہ تھے:

(1) مولانا مودودی نے کشمیر کے مسئلہ پر شوریٰ کے فیصلے کے برعکس عمل کر کے جماعت کو مشکلات کا شکار کر دیا ہے۔ اور یہ کہ کشمیری حریت پسندوں کیلئے پارٹی نے جو چندہ جمع کیا وہ حریت پسندوں کو نہیں پہنچا۔

(2) مجلس عاملہ نے 1953ء کی "ختم نبوت" میں شامل ہونے کی مخالفت کی تھی جب کو مولانا مودودی نے اپنے ذاتی فیصلے کے تحت اسی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔۔ سعید ملک نے مولانا پر الزام لگایا کہ وہ پارٹی میں آزادی اظہار کو دبانے کیلئے فاشسٹ طرز کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں

اور اندرونی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔

17 جنوری 1958ء کو مولانا امین احسن اصلاحی بھی پارٹی سے مستعفی ہو گئے۔ انہوں نے مولانا مودودی پر آمر ہونے کا الزام عائد کیا۔ لاہور ڈویژن کے امیر مولانا محمد باقر بھی مستعفی ہو گئے۔ مستعفی ہونے والوں اور مودودی میں بنیادی اختلاف یہ تھا کہ مستعفی ہونے والے پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ قائم کرنے کیلئے کوششیں کرنا چاہتے تھے لیکن انتخاب لڑنے کے خلاف تھے۔ جب کہ مولانا مودودی کا موقف یہ تھا کہ سیاسی طاقت حاصل کئے بغیر پاکستانی معاشرے میں کوئی موثر اصلاحات نہیں کی جا سکتیں۔

جماعت تنظیم اور پراپیگنڈے کے حوالے سے تمام دوسری جماعتوں سے منفرد ہے۔ پراپیگنڈے کے سلسلے میں جماعت کے بہت سے آرگن ہیں جو ماضی میں بھی رہے ہیں ان میں یہ ترجمان القرآن لاہور--- روزنامہ "تسنیم" لاہور پندرہ روزہ "کوثر" لاہور--- پندرہ روزہ "مقاصد" کراچی--- ہفت روزہ "جہان نو" کراچی--- ہفت روزہ "قاصد" کوئٹہ--- ہفت روزہ "اعظم" لاہور--- ہفت روزہ "ایشیاء" لاہور--- روزنامہ "مشیر" کراچی--- ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی--- ماہنامہ "راحیل" کراچی--- اور "عفت" کراچی وغیرہ

جماعت کے مخصوص طریقہ کار کی وجہ سے اس کی ممبر شپ محدود ہے۔ 1947ء میں جماعت کے کل اراکین 625 تھے۔ اور جب جماعت دو حصوں میں تقسیم کی گئی تو پاکستانی حصے کے اراکین 385 تھے۔ 1954ء میں منیر رپورٹ کے مطابق جماعت کے اراکین 999 تھے۔ 1956ء میں 1200 ہو گئے۔ مارچ 1958ء میں مودودی کے مطابق 1350 اراکین تھے۔ مارچ 58ء میں جماعت کے متفقین کی تعداد تیس ہزار سے بڑھ چکی تھی۔

جمعیت العلمائے اسلام

جمعیت العلمائے اسلام کا قیام اکتوبر 45ء میں کلکتہ میں عمل میں آیا۔ مولانا شبیر احمد عثانی اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اس جماعت نے جمعیت العلمائے ہند کے مقابلے پر پاکستان کے مطالبے کی حمایت کی چنانچہ قیام پاکستان کی بعد مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ نے جمعیت کے صدر مولانا شبیر احمد عثانی کو دستور ساز اسمبلی میں ایک نشست دی۔

دسمبر 47ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ پر جمعیت العلمائے اسلام کی باضابطہ تشکیل ہوئی۔ جماعت میں دیوبندی علماء کی اکثریت تھی۔ جلد ہی مولانا شبیر احمد عثانی کو سرکاری طور پر شیخ الاسلام کا خطاب دیا گیا۔

جمعیت العلمائے اسلام نے پاکستان کی حمایت اس بنیاد پر کی تھی کہ قیام پاکستان کے بعد یہ ایک اسلامی ریاست بنے۔ دسمبر 1949ء میں مولانا عثانی کا انتقال جماعت کے لئے ایک بہت بڑا دھچکہ تھا کیونکہ وہ اسمبلی میں اسلامی آئین کے لئے زبردست کوشاں رہے تھے اور قرار داد مقاصد کی منظوری میں انہوں نے انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ 53-1951ء کے دوران سید سلیمان ندوی کی قیادت میں جمعیت نے اسلامی آئین کی منظوری اور نفاذ کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ 1951ء میں جمعیت کی پہل کاری پر کراچی میں جماعت اسلامی، جمعیت العلمائے پاکستان، جماعت اہلحدیث اور جمعیت العلمائے اسلام سے تعلق رکھنے والے اکتیس علماء پر مشتمل ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس نے اسلامی آئین کے لئے بائیس متفقہ نکات وضع کئے۔

جمعیت کی مشرقی پاکستان شاخ تنظیمی اعتبار سے زیادہ موثر اور فعال ثابت ہوئی۔ اور 1954ء میں اس نے نظام اسلام پارٹی کے ذریعے انتخابات میں شرکت کی۔ پنجاب، سرحد اور سندھ کے انتخابات میں جمعیت نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا۔

1956ء میں جمعیت العلمائے اسلام کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا جس میں مولانا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی سمیت احرار سے تعلق رکھنے والے متعدد علماء جمعیت میں شامل ہو گئے۔ مولانا احمد علی امیر جمعیت اور مولانا غوث ہزاروی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی سابقہ احراریوں کی جمعیت میں آمد پر ناخوش تھے اسلئے تھانوی گروپ کے طور پر جمعیت سے الگ ہو گئے۔ دوسری طرف 1958ء تک جمعیت نے سیاسی محاذ پر خاصی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔

جمعیت العلماء پاکستان

جمعیت العلماء پاکستان کا قیام اوائل 1946ء میں ہوا۔ علمائے اہلسنّت کا ایک عظیم اجتماع مولانا سید احمد سعید شاہ کاظمی شیخ الحدیث کے اہتمام سے مدرسہ اسلامیہ انوارلعلوم ملتان میں منعقد ہوا جس میں مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کو جمعیت العلمائے پاکستان کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

جمعیت نے ابتدا میں ہی پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا۔ جمعیت کے صدر مولانا ابوالحسنات اور اپنے رفقائے جمعیت کے ساتھ کراچی پہنچے تاکہ وزیراعظم کو اسلامی دستور کے نفاذ پر آمادہ کر سکیں۔ وہ قرار داد مقاصد کی تیاری اور تکمیل میں اپنا اثر استعمال کرنے میں کامیاب رہے۔ دستور ساز اسمبلی میں نہ ہونے کے باوجود جمعیت نے اپنے آپ کو اس حد تک موثر بنانے میں کامیابی حاصل کی۔

1956ء کے آئین کے سلسلے میں بھی جمعیت العلمائے پاکستان نے ایک سو اکیس ترامیم اور دستوری سفارشات پیش کیں جن پر عملدر آمد کا موقع نہ آسکا۔

جناح مسلم لیگ

اکتوبر 50ء میں کراچی میں پاکستان مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا تو سب سے پہلے مسلم لیگ کے آئین میں فروری 48ء کی شامل کردہ وہ شق منسوخ کر دی گئی کہ مرکزی اور صوبائی وزارتوں کے ارکان مسلم لیگ کے عہدیدار نہیں ہو سکتے اور پھر وزیراعظم لیاقت علی خان کو سندھ کے محمد ایوب کھوڑو، پنجاب کے ممتاز دولتانہ، سرحد کے عبدالقیوم خان اور مشرقی بنگال کے نورالامین کی تائید و حمایت سے پاکستان مسلم لیگ کا صدر چن لیا گیا۔ پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں عبدالباری نے اس ساری کارروائی کی مخالفت کی۔ پنجاب میں اس کا شدید رد عمل ہوا۔ 25 اکتوبر کو پنجاب مسلم لیگ کے چار پرانے کارکن شیخ محمد رشید، ذکی الدین پال، شیر محمد اور خواجہ محمد افضل جماعت سے مستعفی ہو گئے۔ 28 اکتوبر کو لیاقت علی خان نے لاہور کی یونیورسٹی گراؤنڈ میں ایک پبلک جلسے کو خطاب کرنے کی کوشش کی مگر وہ زبردست ہنگامے کے باعث تقریر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وقت تک پنجاب مسلم لیگ کے صدر میاں عبدالباری اور ملک غلام نبی وغیرہ بھی اپنی پارٹی رکنیت سے استعفیٰ دے چکے تھے۔

وزیراعظم لیاقت علی خان کے جلسے کے دو روز بعد نواب افتخار حسین ممدوٹ نے اپنی الگ سیاسی تنظیم 'جناح مسلم لیگ' کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس موقع پر اپنے بیان میں نواب ممدوٹ نے کہا کہ "اب جبکہ مسٹر لیاقت علی خان پاکستان کے وزیراعظم کے علاوہ پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی بن بیٹھے ہیں۔ اس طرح مسلم لیگ بالکل حکومت کی لونڈی بن گئی ہے اور عوام سے اس کا رابطہ بالکل منقطع ہو گیا ہے۔ صوبوں کے وزرائے اعلیٰ بھی مسٹر لیاقت علی خان کے نقش قدم پر چلیں گے اور اب

ہر صوبے میں مسلم لیگ کا یہی حشر ہو گا..." اپنی نئی پارٹی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے نواب ممدوٹ نے کہا کہ "... ہم انتہائی رنج و تاسف کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ مسلم لیگ سے باہر نکل آئیں اور پاکستان میں قائداعظم کے مقرر کردہ نصب العین کے مطابق آزاد اسلامی جمہوریت کے قیام کے لئے جناح مسلم لیگ کے نام سے ایک نئی پارٹی کی بنیاد رکھیں..."

نومبر 50ء میں نواب ممدوٹ نے اعلان کیا کہ "پنجاب کے آئندہ عام انتخابات کے لئے حزب اختلاف کی ساری پارٹیوں کا مشترکہ پارلیمانی بورڈ بنایا جائے گا اور انتخابی لڑائی براہ راست مسلم لیگ اور حزب اختلاف کی ساری پارٹیوں کے متحدہ محاذ کے درمیان ہو گی"- اس مجوزہ محاذ کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے 24 نومبر کو جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی کی صدارت میں عوامی مسلم لیگ' جناح مسلم لیگ' آزاد پاکستان پارٹی' جمعیت العلمائے اسلام اور جمعیت اہل حدیث کا ابتدائی اجلاس منعقد ہوا- پنجاب کے عام انتخابات ہوئے اور جھرلو کا لفظ ایک سیاسی اصطلاح بن کر ابھرا- جناح مسلم لیگ کا الگ تشخص اس وقت ختم ہو گیا جب دسمبر 1952ء میں سہروردی کی سربراہی میں عوامی مسلم لیگ اور جناح مسلم لیگ باہم مدغم ہو گئیں اور کل پاکستان جناح عوامی مسلم لیگ کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت وجود میں آ گئی-

مزید دیکھیں' اسی جلد کے سیاسی جماعتوں کے حصے میں' عوامی لیگ-

چھوٹا زمیندار' مزارعہ' پیشہ ور' مزدور پارٹی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کسانوں اور مزدوروں کی پارٹی تھی- پارٹی 50 ایکڑ سے زیادہ زمین ضبط کر لینے کی حامی تھی- پارٹی نے پنجاب کی زرعی صورتحال کے بارے میں اعداد و شمار پیش کئے- جن کے مطابق صوبہ میں 13,500,000 ایسے کاشتکار تھے جن میں سے 40,000-50 ایکڑ سے زیادہ 7,600 کاشتکار 500 ایکڑ سے زیادہ اور 9 لاکھ 5 ایکڑ سے کم اراضی کے مالک تھے جب کہ 12 لاکھ ایسے تھے جن کے پاس 2 ایکڑ سے بھی کم اراضی تھی- اس طرح کل زمین کا 60 فی صد حصہ 3 فیصد لوگوں کے پاس تھا- جبکہ باقی 97 فیصد لوگوں کے پاس صرف 34 فیصد زمین تھی-

ان اعداد و شمار کی روشنی میں پارٹی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسے ان لوگوں سے زمین خرید لینی چاہیے جو 50 ایکڑ سے زیادہ اراضی کے مالک ہوں- اور اگر یہ اراضی بے زمین لوگوں اور 12 ایکڑ سے کم ایکڑ کے مالکان میں بانٹ دی جائے تو تقریباً سولہ لاکھ خاندانوں کی بھلائی ممکن ہے- اس طریقے سے زرعی پیداوار میں بھی اضافہ ہو گا- اور بے روزگاری ختم کرنے میں بھی مدد ملے گی-

خاکسار تحریک

25 اگست 1931ء کو' لاہور سے پچیس میل دور 'پانڈو کے' کے مقام پر' علامہ عنایت اللہ المشرقی نے خاکسار تحریک کا عملی آغاز کیا- فروری 1932ء میں لاہور کی جماعت تشکیل پائی اور 7 اکتوبر 32ء کو خاکساروں کا پہلا دستہ پشاور پہنچا- تحریک نے اپنے چوبیس بنیادی اصولوں کا اعلان کیا- جن میں کسی مسلمان کی مخالفت نہ کرنے' پابندی وقت کرنے' ہمسایہ طاقتوں سے روا داری رکھنے' خدا کے سوا کسی سے خوف نہ کھانے' بلا معاوضہ خدمت خلق کرنے' نماز قائم کرنے' فوج کی طرح مارچ کرنے' بیلچہ رکھنے' خاکی وردی پہننے' صرف خاکسار سے سودا لینے' خاموشی اختیار کرنے اور مسلمانوں سے سیاسی عقائد پر بحث سے پرہیز کرنے جیسے اصول شامل تھے-

خاکساروں کی پہلی چپقلش پشاور میں ڈپٹی کمشنر سے ہوئی- علامہ مشرقی نے 15 اکتوبر 32ء کو اپنی سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا- جلد ہی انہیں پشاور سے بے دخل کر کے ان کا پشاور میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا-

جون 35ء میں لاہور کی مسجد شہید گنج کے ایجی ٹیشن میں خاکسار تحریک بھی شامل ہو گئی- اگست اور ستمبر 1935ء میں راولپنڈی میں احتجاجی اجتماعات میں سے متعدد خاکسار گرفتار کر لئے گئے- یہ تحریک مختلف شکلوں میں 1940ء تک جاری رہی- صوبہ سرحد میں کانگریسی وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کے خاکساروں کے درمیان صلح ہوئی لیکن 15 جون 1939ء کو اکوڑہ خٹک کے ایک کھلے میدان میں نماز پڑھتے ہوئے خاکساروں پر حملہ کر دیا گیا- پھر ہندوستان بھر میں کئی محاذ کھلے- پنجاب' سندھ' جے پور' لکھنؤ' بلند شہر وغیرہ-

اکتوبر 39ء میں خاکساروں نے انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر دوسری جنگ عظیم میں شرکت کی پیش کش کی لیکن وزیراعظم پنجاب سر سکندر حیات خان خاکسار تحریک کو کچلنے پر آمادہ نظر آئے- 22 فروری 1940ء کو علامہ مشرقی کے ایک کتابچے "اکثریت یا خون" کی تمام جلدیں حکومت پنجاب نے ضبط کر لیں- 28 فروری کو بیلچے کا استعمال اور سپاہیانہ قواعد بھی ممنوع قرار دے دیئے گئے- مارچ میں حالات مزید بگڑ گئے اور 19 مارچ کو 313 جانباز خاکساروں کے دستے پر پولیس نے اندھا دھند گولیاں برسا کر تحریک کو کچلنا چاہا- ٹبی بازار لاہور کے چوک میں خاکساروں کی متعدد لاشیں گریں- اور غائب کر دی گئیں- اسی رات دس بجے خاکسار تحریک کے قائد علامہ مشرقی کو گرفتار کر لیا گیا- اس قتل عام کی گونج پورے ہندوستان میں سنی گئی-

1940-47ء کے دوران خاکسار تحریک کو مزید آزمائشوں سے گزرنا پڑا- جنوری 1942ء میں علامہ مشرقی رہا کر دیئے گئے- خاکسار تحریک پر سے پابندی ختم کر دی گئی- 1943ء میں خاکساروں نے بنگال کے قحط کے

پچاس ہزار فاقہ کشوں کو پنجاب لا کر آباد کیا- وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے اس اقدام کو اپنی حکومت کے لئے خطرہ محسوس کیا اور خاکساروں کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر بنگال سے نکل جانے کا حکم دے دیا- خاکساروں نے احتجاجا کلکتہ سے لاہور تک پیدل مارچ کیا- جون 1946ء میں علامہ مشرقی نے آزاد ہندوستان کے لئے ایک آئین مرتب کیا- 1947ء کے دہلی کیمپ میں خاکسار تحریک کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا-

قیام پاکستان کے بعد بھی خاکسار فعال رہے- علامہ مشرقی نے کشمیر کے محاذ پر بھی خاکسار کارروائیوں کا حکم دیا- لیکن انہوں نے خاکسار تحریک کو رسمی طور پر بحال نہ کیا- اور ایک نئی سیاسی تنظیم --- اسلام لیگ ---- کے قیام کا اعلان کیا-

دیکھیں ---- اسی جلد میں سیاسی جماعتوں کے حصے میں 'اسلام لیگ'

ری پبلیکن پارٹی

ری پبلیکن پارٹی اپریل 1956ء میں قائم ہوئی- مسلم لیگ کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح ڈاکٹر خان صاحب صوبہ مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ بنے اور کسی پارلیمانی پارٹی کی اکثریت نہ رکھنے کے باعث کس طرح انہوں نے ری پبلیکن پارٹی کے نام سے نئی پارٹی بنائی' جس میں زیادہ تر پرانے مسلم لیگی شامل ہو گئے- اس پارٹی کے بارے میں یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ اسمبلی کے اندر ہی اس کی تشکیل ہوئی اور وہیں سے اسے اپنے ارکان ملے- یہ پارٹی اپنے قیام سے 1958ء کے مارشل لاء تک مغربی پاکستان اور مرکز میں مختلف صورتوں میں برسر اقتدار رہی- ڈاکٹر خان صاحب پارٹی کے کنونیر تھے- ستمبر 1956ء میں لاہور میں پارٹی کا پہلا کنونشن ہوا- جس میں پارٹی نے اپنا منشور جاری کیا- جس کے مطابق پارٹی روشن خیالی کے فروغ' شہری آزادیوں کی ترویج' فلاحی ریاست اور منصفانہ معاشرہ کے قیام' استحصال کے خاتمے' ادب و فن کے فروغ' اور بین الاقوامی سطح پر امن کے قیام کی خواہاں اور نو آبادیوں کی آزادی کی حامی تھی-

1958ء میں پارٹی نے 17 نکاتی منشور جاری کیا- جس کے مطابق ون یونٹ کے مسئلے پر پارٹی نے اپنے ارکان کو اظہار رائے میں آزاد چھوڑ دیا- پارٹی مخلوط انتخابات کی حامی تھی اور سیاست کو بھی دوسرے شعبوں کی طرح ایک جامع اور تیکنیکی شعبہ خیال کرتی تھی- پارٹی کسی مخصوص نظریے کی بجائے حب الوطنی کی حامی تھی- شہری آزادیوں کے بارے میں پارٹی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ "جس ملک میں صرف حکومت آزاد ہو اور لوگ محض سیاسی غلام ہوں وہ ملک آزاد نہیں کہلا سکتا- ایک آزاد ملک میں لوگ آزاد ہوتے ہیں جبکہ حکومت عوام کی خواہشات کی پابند ہوتی ہے"-

پارٹی کا سب سے اعلیٰ ادارہ تنظیمی کمیٹی تھا- اس کے علاوہ قومی کونسل بھی ایک اہم ادارہ تھا- جو پارٹی کے قومی اجلاس کے ذریعے منتخب ہوتا تھا- پارٹی وارڈ کمیٹی' گاؤں کمیٹی' حلقہ سیاست کمیٹی' ضلع کونسلوں' صوبائی کنونشن' قومی کنونشن' میونسپل اور ضلعی بورڈ پارٹیوں پر مشتمل تھی-

ری پبلیکن پارٹی دوسری پارٹیوں کی نسبت اختلافات کا شکار ہونے سے محفوظ رہی- البتہ اس کے ایک سیکرٹری جنرل میر عبدالقیوم مستعفی ہوئے- 1958ء کے مارشل لاء کے بعد جب سیاسی جماعتوں پر سے پابندی ختم ہوئی تو ری پبلیکن پارٹی کو بحال کرنے کے لئے قیادت موجود نہیں تھی-

خلافت ربانی

یہ مشرقی پاکستان کی ایک اسلامی سیاسی تنظیم تھی- جو قومی انتظامیہ کے سماجی' معاشی' سیاسی اور ثقافتی شعبوں میں اسلامی اصول متعارف کروانا چاہتی تھی- یہ قران و سنت کے مطابق اقلیتوں کے مساوی حقوق کی قائل تھی- یہ مروجہ نظام تعلیم' مدرسے اور عام تعلیم کی بجائے ایک یکساں نظام تعلیم متعارف کروانا چاہتی تھی- بنگالی کو قومی زبان تسلیم کروانے کے لئے کوشاں رہی- صرف تین شعبے مرکز کو دے کر مشرقی پاکستان کی مکمل صوبائی خود مختاری کی حامی تھی- اس پارٹی نے اظہار رائے کی آزادی' شہر حقوق کے تحفظ' صنعتوں پر سرکاری کنٹرول' قدیم جاگیر داری کے خاتمے' روز گاری کی فراہمی' کم سے کم تنخواہ کے نفاذ' ضروریات زندگی اور خوراک پر سے ٹیکسوں کے خاتمے' اور سیفٹی ایکٹ کے خاتمے کی بھرپور حمایت کی-

سندھ عوامی محاذ

قیام پاکستان کے بعد کراچی کو سندھ سے الگ کر کے وفاقی دارالحکومت بنانے کی تجویز پر سندھ مسلم لیگ سمیت صوبے کے سیاسی اور عوامی حلقوں میں شدید رد عمل ہوا- یہ شہر سندھیوں کے ثقافتی اور معاشی مرکز کے اعتبار سے 1936ء سے انتہائی اہمیت کا حامل تھا- سندھ کے چھوٹے سرمایہ دار بھی اس کی مخالفت کر رہے تھے جن کی پہل کاری پر سندھ عوامی محاذ تشکیل دیا گیا- محاذ نے کراچی کی علیحدگی کے خلاف کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں جلسے اور جلوس منظم کئے-

سندھ میں محمد ایوب کھوڑو کی حکومت بھی کراچی کی سندھ سے علیحدگی کی مخالفت کر رہی تھی' بدعنوانیوں کے الزامات لگا کر اسے اقتدار سے ہٹا دیا گیا اور مرکز نے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیر الٰہی بخش کو صوبے کا وزیراعلیٰ مقرر کر دیا- سندھ عوامی محاذ سے تعاون کرنے

دائے قانون ساز اسمبلی کے ممبران کو گرفتار کر لیا گیا اور جولائی 1948ء میں کراچی کو سندھ سے جدا کر کے وفاق کا حصہ بنا دیا گیا۔ پیر الہٰی بخش کی حکومت نے وفاق کے اس فیصلے پر اپنی مکمل رضامندی کا اظہار کیا۔

اس صورت حال کی روشنی میں سندھ عوامی محاذ پیر حکومت کے استعفے کے لئے وسیع پیمانے پر مہم شروع کر دی۔ محاذ کی حمایت سے ایوب کھوڑو نے وزیراعلیٰ سندھ کی قانونی حیثیت اور انتخاب کو چیلنج کیا لیکن بڑھتی ہوئی مخالفت کے پیش نظر وزیراعظم لیاقت علی خان نے غلام حسین ہدایت اللہ کی جگہ ایک پنجابی گورنر --- دین محمد --- کا تقرر کر دیا جس پر عوام کی جھنجلاہٹ میں مزید اضافہ ہوا۔

1951ء میں ایوب کھوڑو دوبارہ وزیراعلیٰ بنے تو انہوں نے مخالفین کا صفایا کرنے کی وسیع مہم شروع کر دی۔ مسلم لیگی رہنما بھی ان کے تشدد سے نہ بچ سکے۔ حروں کے خلاف فوجی آپریشن وسیع کر دیئے گئے۔ حکومت کی ہدایت پر سندھ عوامی محاذ کے کارکنوں کے خلاف پولیس کا گھیراؤ شروع ہو گیا۔ حیدر بخش جتوئی، عبدالمجید سندھی اور محاذ کے کئی دوسرے رہنما جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ دسمبر 1951ء میں گورنر دین محمد نے کھوڑو حکومت کا خاتمہ کر کے گورنر راج لاگو کر دیا۔

سندھ عوامی محاذ، جن کی قیادت جی ایم سید کر رہے تھے۔ قوم پرستی کے نعروں کو جمہوری اصلاحات کی جدوجہد کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ وہ جاگیرداری اور زمینداری کے خاتمے، بے روزگاری کے خلاف موثر اقدامات کرنے، دستکاری اور چھوٹی صنعتی پیداوار کی حوصلہ افزائی کرنے، غیر ملکی کمپنیوں کو قومیانے اور صنعت میں سرکاری شعبے کی ترقی، اور سندھ کے مفاد میں ٹیکسوں کی از سرنو تقسیم پر زور دے رہا تھا۔ محاذ کا خارجہ پالیسی کا پروگرام سوویت یونین اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں کے ساتھ دوستانہ روابط کے استحکام، قومی آزادی کی تحریکوں کی حمایت اور غیر جانبداری پر عمل درآمد کے لئے زور دیتا تھا۔ محاذ کے لیڈروں نے مسلم لیگی حکمران ٹولے کی سامراج نواز پالیسی کے خلاف آواز اٹھائی انہوں نے مغربی پاکستان میں سندھیوں سے آباد تمام علاقوں کو متحد کرنے اور عظیم صوبہ سندھ بنانے کی، جسے پاکستانی ریاست کی حدود کے اندر زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل ہو، اپیل کی۔

دسمبر 52ء میں محاذ، سندھ کے ایک وسیع تر اور بڑے انتخابی اتحاد سندھ متحدہ محاذ میں شامل ہو گیا۔

سندھ عوامی مسلم لیگ

1951ء میں ایوب کھوڑو کی حکومت دوسری بار ختم ہوئی اور گورنر دین محمد نے سندھ اسمبلی کو توڑ دیا تو حکمران طبقے کے سیاسی بحران کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ سندھ مسلم لیگ میں مرکز گریز رجحانات میں تیزی آنے لگی اور کثیر الجماعتی نظام کا آغاز ہو گیا۔ محمد ایوب کھوڑو کے اصرار پر مسلم لیگ سے خارج کردہ پیر الہٰی بخش نے 17 مارچ 1951ء کو "سندھ لیگ" تشکیل دی۔ سندھ لیگ نے عوامی مسلم لیگ سے قریبی روابط قائم کر لئے اور 1951ء سے ہی خود کو اس کی سندھ شاخ ہونے کا اعلان کر دیا۔ سندھ لیگ نے جاگیرداری اور زمینداری نظام کے خاتمے، محنت کشوں پر ٹیکسوں میں کمی، اور تعلیم اور صحت کی سہولتوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ قانون ساز اور میونسپل اداروں میں فوری انتخابات کے انعقاد، مقامی دستکاری اور صنعتی پیداوار کے تحفظ کے لئے موثر اقدامات، بے روزگاری کے خاتمے اور "اسلامی سوشلزم" کے اصولوں کے نفاذ کے ذریعے دستکاروں، مزدوروں اور مزارعوں کی مالی حالت کو بہتر بنانے اور "ملک اور اسلام" کے دفاع کے لئے فوج میں سندھ کے علیحدہ دستوں اور سندھی پولیس کے دستوں کے قیام کے حق میں مطالبات پیش کئے۔

سندھ متحدہ محاذ

سندھ متحدہ محاذ، جسے بعد ازاں سندھ عوامی محاذ کے نام سے بھی پکارا گیا، دسمبر 1952ء میں جی ایم سید اور دوسرے سندھی قوم پرست رہنماؤں کی کوششوں سے وجود میں آیا۔ محاذ میں خود جی ایم سید کے سندھ عوامی محاذ کے علاوہ سندھ لیگ (سندھ عوامی مسلم لیگ)، سندھ ہاری کمیٹی، سندھ لیبر پارٹی، کل پاکستان دستور پارٹی، کل پاکستان جناح عوامی مسلم لیگ کی سندھ شاخ اور چند طلباء تنظیمیں شامل تھیں۔

جنوری 1953ء میں ہونے والے میونسپل انتخابات (جو سندھ قانون ساز اسمبلی کے انتخابات سے پیشتر ایک طرح سے طاقت کا امتحان تھے) کے نتائج سے مسلم لیگی قیادت بوکھلا گئی۔ حکمران پارٹی کی نسبت متحدہ محاذ کے امیدوار اور آزاد امیدوار زیادہ تعداد میں کامیاب ہوئے۔

محاذ کے سات نکاتی انتخابی منشور میں جاگیرداری نظام کے خاتمے، زمین کی حد ملکیت اور ڈالر میں تجارت کرنے والے ملکوں سے درآمدات پر کنٹرول جیسے مقاصد شامل تھے۔ قوم پرست جمہوریت پسندوں کے منشور میں سندھ کے عوام کے لئے ایک کشش تھی جو حکمران جماعت کے اقتدار کے خاتمے کا باعث بن سکتی تھی۔ سندھ کے گورنر ایچ ڈی رحمت اللہ بھی حکمران مسلم لیگ کے لئے بڑا خطرہ اشتعال پسند فسادیوں میں نہیں بلکہ انہی قوم پرست جمہوریت پسندوں میں دیکھتے تھے۔ اس خطرے کی بنیاد پر گورنر نے محاذ کے متعدد ارکان کو گرفتار کر لیا۔ ان کے امیدواروں کو ڈرایا دھمکایا اور انتخابات سے دستبردار ہونے پر زور دیا گیا۔ جاگیرداروں نے محاذ کے امیدواروں کو ووٹ دینے کی صورت میں مزارعوں سے ان کی زمینیں چھین لینے کی دھمکیاں دیں۔

ان حالات کے باعث انتخابات کے پہلے مرحلے میں محاذ کو مایوسی سے

دوچار ہونا پڑا اور دادو سے چار نشستوں کی کامیابی کے علاوہ محاذ کے امیدواروں کو کہیں سے کامیابی حاصل نہ ہوئیں۔ وہ سکھر' جیکب آباد اور لاڑ کانہ سے شکست کھا گئے۔ دادو سے کامیاب ہونے والے امیدواروں میں پیرالٰہی بخش' جی ایم سید' محمد شاہ اور اے خان شامل تھے۔ دوسرے مرحلے میں محاذ نے تین اور نشستیں جیت لیں یوں اسے سندھ قانون ساز اسمبلی کے 110 نشستوں میں کل سات نشستیں حاصل ہو سکیں۔ محاذ کے شکست سے دوچار ہونے والے امیدواروں میں شیخ عبدالمجید سندھی' قادر بخش قاضی' ولی محمد لغاری اور اللہ بچائیو جوروار شامل تھے۔ ایسے نتائج کی وضاحت ووٹروں کو خریدنے' محاذ کے متعدد کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں اور انتخابی دھاندلیوں سے ہوتی ہے۔ کچھ اطلاعت کے مطابق کم از کم تیرہ مسلم لیگی ارکان جعل سازی سے کامیاب ہو سکے۔

انتخابات میں شکست نے محاذ میں اختلافات کو شدید کر دیا۔ سندھ ہاری کمیٹی کے رہنما حیدر بخش جتوئی نے پیرالٰہی بخش اور جی ایم سید کو سماجی سوالوں پر کم توجہ دینے اور لبرل وڈیروں کے آگے جھکنے کا قصور وار ٹھہرایا۔ ان کی رائے میں انتخابات میں ناکامی کی بنیادی وجہ پروگرام کی دستاویزات میں گاؤں کی غریب ترین پرتوں کی سیاسی قوت کا غلط اندازہ تھا جو زرعی سوال پر انتہائی معتدل مطالبات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جی ایم سید سماجی اصلاحات کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے' قومی سوال کو پہلے نمبر پر رکھتے تھے۔ جون 1953ء میں سندھ ہاری کمیٹی محاذ سے الگ ہو گئی۔

1954ء کے اواخر میں ون یونٹ کی تجویز سامنے آئی تو سندھ کے وزیراعلیٰ نے اس کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا سندھ کے نئے گورنر اور پنجابی جاگیردار افتخار حسین ممدوٹ نے 8 نومبر 1954ء کو پیر زادہ حکومت کو برطرف کرتے ہوئے ون یونٹ کے حامی ایوب کھوڑو کو وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ سندھ متحدہ محاذ بھی ون یونٹ کی سکیم کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ محاذ نے اس مسئلے پر ریفرنڈم کروانے کی تجویز پیش کی جسے حکام نے رد کر دیا۔ اب محاذ نے یوم سندھ منانے کا اعلان کیا۔ جلوس نکالے۔ ون یونٹ کے خلاف اقدامات کو مربوط کرنے کے لئے سندھ عوامی محاذ' سندھ ہاری کمیٹی اور ترقی پسند طلباء تنظیموں نے مشاورتی کمیٹی تشکیل دی ایوب کھوڑو نے کمیٹی کے ارکان کو سخت تشدد کا نشانہ بنایا۔ حیدر بخش جتوئی کے نام بھیجا جانے والا سمن مندرجہ ذیل الفاظ پر مشتمل تھا: "کیونکہ' آپ حیدر بخش اللہ داد خان جتوئی' اس بات کے بنیادی ذمہ دار ہیں کہ سندھ ہاری کمیٹی نے متحدہ مغربی پاکستان کے سوال پر منفی رویہ اختیار کیا ہے اور احتجاجی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت آپ کی گرفتاری کا حکم دیا جاتا ہے" سندھ اسمبلی میں محاذ کی پارلیمانی پارٹی کے رہنما جی ایم سید کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

سندھ متحدہ محاذ نے حکمران ٹولے کی دو متحارب سیاسی جماعتوں -- مسلم لیگ اور ری پبلیکن پارٹی کے درمیان ایک فیصلہ کن عنصر کے طور پر بھی شہرت حاصل کی۔ 1951ء میں جب پاکستان نیشنل پارٹی کی تشکیل کا فیصلہ ہوا تو اس میں محاذ بھی شامل تھا۔

سندھ ہاری کمیٹی

انگریزوں کے زرعی نظام نے پورے ہندوستان اور خصوصا سندھ میں ایک مخصوص ظالمانہ زرعی نظام کو جنم دیا۔ جس میں کچھ لوگوں کو وسیع زمینیں عطا کر دی گئیں۔ اور عام لوگ ان زمینداروں کے مزارعین بنے۔ جو مکمل طور پر زمینداروں کے رحم و کرم پر تھے۔ چنانچہ سندھ میں کسانوں کی حالت زار بہتر بنانے کے لئے کچھ لوگوں نے اس سلسلے میں تنظیم قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور 1930ء میں انہوں نے "سندھ ہاری کمیٹی" کی بنیاد ڈالی۔ اس تنظیم کے بانیوں میں جی۔ ایم۔ سید' عبدالقادر ایم خان جیسھل پر سرام' جمشید مھتا' قادر بخش نظامانی' نور محمد پلیجو اور کچھ دوسرے تھے۔

ابتداء میں کمیٹی نے اپنے تین مقاصد پیش کئے۔

1- "ابواب" اور بیگار سے ہاریوں کو چھٹکارا دلوا کر بٹائی نظام کو بہتر بنانا۔
2- اگر کسی ہاری نے ایک مخصوص مدت تک زمین کو کاشت کیا ہو تو ہاریوں کو زمین پر قبضے کی سہولت دلوانا
3- لائیڈ (سکھر) بیراج کے علاقے میں "ہراپ" عطیات کے طور پر سرکاری زمین ہاریوں کو الاٹ کروانا۔

کوئی بھی شخص جو زمینداری نظام کے خلاف شکایت رکھتا تھا۔ وہ ایک آنے کی فیس دے کر تنظیم میں شامل ہو سکتا تھا۔

کمیٹی نے اپنی سرگرمیاں گاؤں کی سطح پر جلسوں اور حیدر آباد میں جاگیری زمینوں پر ہاریوں اور مقدموں کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے احتجاجی جلسوں سے شروع کیں۔ اس دوران سندھ ہاری کمیٹی کے دباؤ کی وجہ سے مقدموں کو وراثتی حقوق ملے۔ 1936ء میں سندھ ایک علیحدہ صوبہ بنا تو ہاری کمیٹی نے ٹنڈو جام میں جلسہ کیا۔ اور حکومت پر اپنے مقاصد کے سلسلے میں دباؤ ڈالا۔ 1943ء میں حیدر آباد میں ریلی منعقد کی۔ اور عدم تشدد کے تحت جاگیرداروں اور حکومت کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کیا۔

کمیٹی کے دباؤ پر سندھ حکومت نے ایک قانونی کمیٹی تشکیل دی تھی۔ لیکن اس کی سفارشات سرد خانے میں ڈال دی گئیں۔ 1947ء کے اوائل میں حکومت نے ہاری تحقیقاتی کمیٹی قائم کی۔ اس میں تین افراد شامل تھے۔ دو افراد کی اکثریت نے موجود مزارعاتی نظام کو قائم رکھنے جب کہ ایک رکن (ایم مسعود) نے اس نظام کو ختم کرنے کی سفارش کی۔

1948ء میں یہ رپورٹ شائع ہوئی۔ جس میں بٹائی نظام میں چند ترامیم کی سفارش کی گئی تھی۔ لیکن حکومت نے کمیٹی کے اقلیتی رکن کے اختلافی نوٹ کو نظر انداز کر دیا۔

1947ء میں ہاری کمیٹی نے سرہاری کانفرنس میں "آدھی بٹائی" کی قرار داد منظور کی۔ جس کے تحت کسانوں نے آدھی سے زیادہ بٹائی دینے سے انکار کر دیا۔ اس مقصد کے لئے کسانوں نے ایک ایکشن کمیٹی بھی بنائی جو خود اپنی موجودگی میں بٹائی کرواتی۔ اور آدھی سے زیادہ بٹائی دینے سے انکار کرتی۔ اس گروہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے کسانوں اور جاگیر داروں میں جھگڑے بھی ہوئے۔ اور مائی بختاور شہید اور بالاچ بروہی کے علاوہ کئی دوسرے کسان شہید ہوئے۔ مگر کسانوں کی اس جدوجہد نے تحریک کی شکل اختیار کر لی۔

قیام پاکستان کے بعد کمیٹی نے 1943ء میں پیش کردہ "سندھ مزارعہ ایکٹ" کو منظور کروانے کے لئے حکومت اور ممبران اسمبلی پر دباؤ ڈالا۔ مارچ 1949ء میں حکومت سندھ نے مذکورہ رپورٹ کو حتمی شکل دینے کے لئے 21 ممبروں پر مشتمل سب کمیٹی قائم کی۔ جو ناکام رہی۔ دوبارہ کمیٹی بنائی گئی۔ لیکن اس سب کمیٹی نے بل کو کسان دشمن بنا دیا۔

1949ء کے آخر میں ہاری کمیٹی نے مزارعاتی قانون اسمبلی سے منظور کروانے کی مہم شروع کی۔ جس کا مقصد جنس کی صورت میں لگان کی ادائیگی، "ابواب" کا خاتمہ اور ہاریوں کے زیر کاشت زمینوں پر ہاریوں کے لئے مستقل مزارعاتی حقوق کا مطالبہ پورا کروانا تھا۔

اپریل 1950ء میں سندھ اسمبلی میں مزارعاتی حقوق پر بحث چلی تو ہاری کمیٹی نے اپنے مطالبات منظور کروانے کے لئے حیدر بخش جتوئی کی قیادت میں کراچی میں ہزاروں کسانوں کے ساتھ سندھ اسمبلی کا گھیراؤ کر لیا۔ جس پر ممبران نے بل کی منظوری کی یقین دہانی کروائی اور اگلے دن 14 اپریل کو بل منظور ہو گیا۔ مگر ایوب کھوڑو کی پیش کردہ 22 ترامیم کو منظور کر کے کسانوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ لہذا کمیٹی نے جدوجہد جاری رکھی۔ یہ بل بنیادی طور پر ایک ہاری کو جس نے 4 ایکڑ زمین مسلسل 3 سال کاشت کی ہو۔ پر مستقل مزارعاتی حقوق دیتا تھا۔ اب زمیندار چند واضح شرائط پوری کرنے پر مثلاً کسان کو ایک سال کا نوٹس دے کر ہی بیدخل کر سکتا تھا۔

1952ء میں ہاری کمیٹی کے رہنما حیدر بخش جتوئی نے گورنر سندھ سے ملاقات کی۔ اور ہاریوں کے مفاد میں چند ترامیم تجویز کیں۔ جنہیں حکومت سندھ نے فروری 1952ء میں منظور کر کے بل کو نئی شکل میں جاری کیا۔ "سندھ مزارعہ ایکٹ" کا منظور ہونا کمیٹی کی اہم کامیابی تھی۔ جس سے کسانوں کو تحفظ کا احساس بڑھا اور تنظیم پیدا ہوئی۔

ہاری کمیٹی نے 1954ء میں سندھ کی زمین جو کوٹری بیراج کے علاقے میں دعویداروں کو الاٹ ہو رہی تھی، کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ جس کی وجہ سے ہزاروں بے زمین کسانوں کو زمین الاٹ ہوئی۔

1955ء کے آغاز میں حکومت سندھ کے ایک انتظامی حکم کے تحت تمام جاگیریں ختم کر دی گئیں۔ بظاہر یہ حکم سندھ ہاری کمیٹی کے لئے حکومت کی طرف سے ایک رعایت کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن اس حکم سے مالکان کی بہت ہی کم تعداد اور سندھ میں زمینداروں کے زیر قبضہ بہت ہی کم رقبے پر اثرات مرتب ہوئے۔ حکومت کے اس حکم کو سندھ ہائیکورٹ میں چیلنج کر دیا گیا۔ عدالت نے چیلنج کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور اس حکم کو غیر قانونی قرار دیا۔

ہاری کمیٹی کے سامنے ایک اور مسئلہ تقسیم کے بعد ہندوؤں کی متروکہ زمینوں کو ہاریوں کے لئے الاٹ کروانا تھا۔ جبکہ حکومت نے یہ زمین مہاجرین میں تقسیم کرنا شروع کر دی تھی۔ ان زمینوں پر مہاجروں کی آباد کاری مندرجہ ذیل صورت حال کا سبب بنی۔ 1۔ ہاریوں کی بیدخلی کے واقعات بڑھے 2۔ متروکہ زمین مہاجروں کو الاٹ ہونے لگی 3۔ مہاجر آباد کار زمینداروں کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ یہی نہیں 1957ء میں حکومت نے ہاریوں کو الاٹ کی گئی تمام زمینوں کی الاٹمنٹ منسوخ کر دی۔ حکومت کے اس اقدام کو سندھ ہاری کمیٹی نے ہاریوں کے خلاف اقدام سمجھا۔ نیتجتاً" وہ سیاست میں زیادہ سے زیادہ ملوث ہونے لگے۔ کمیٹی نے سندھ کے علاقوں میں اس تنسیخ کے خلاف احتجاجی جلسے منعقد کئے۔ سب سے نمایاں واقعہ محراب پور میں سول نافرمانی کا مظاہرہ تھا۔ جس کے نتیجے میں 100 سے زیادہ ہاری سندھ ہاری کمیٹی کے رہنماؤں کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے۔ پھر کمیٹی نے زمینوں کی منسوخی سے ہاریوں کے خراب حالات پر حکومت کو متوجہ کرنے کے لئے صدر پاکستان سے ملاقات کی۔ جس سے زمینیں تو بحال نہ ہو سکیں۔ البتہ سندھ ہاری کمیٹی کے رہنما 100,000 ہاری خاندانوں کے لئے کوٹری بیراج کے علاقے میں 24 ایکڑ فی خاندان کے حساب سے زمینیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سندھ ہاری کمیٹی کے مطالبے زیادہ سے زیادہ سیاسی ہوتے گئے۔ ون یونٹ کے قیام کی مخالفت کے ساتھ ساتھ ہاریوں کی الاٹمنٹوں کی تنسیخ، متروکہ اور سرکاری زمینوں پر غیر مقامی افراد کی آباد کاری کی مخالفت اور انتخابات میں شرکت وغیرہ جیسے اقدامات اس کے بنیادی کردار کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سندھ ہاری کمیٹی نے سندھ عوامی محاذ، سندھ متحدہ محاذ اور نیشنل پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے اپنے سیاسی شعور کا بھی ثبوت دیا۔

عوامی لیگ

5 دسمبر 52ء کو مشرقی پاکستان عوامی مسلم لیگ، سرحد عوامی مسلم

لیگ اور جناح مسلم لیگ پر مشتمل "آل پاکستان جناح عوامی مسلم لیگ" کے نام سے تشکیل پانے والی جماعت آگے چل کر عوامی لیگ کے نام سے مشہور ہوئی- جناح عوامی مسلم لیگ کا قیام' لاہور میں منعقد ہونے والے ایک کل پاکستان کنونشن کا نتیجہ تھا- پارٹی کے نام میں لفظ 'جناح' کو تین وجوہ کی بناپر شامل کیا گیا تھا (ا) اس نام سے عوام کو متاثر کرنا مقصود تھا (ب) مسلم لیگ کے اس دعوے کا توڑ کرنا مقصود تھا کہ صرف اسی کو قائداعظم کی رفاقت اور رہنمائی حاصل رہی ہے اور (ج) اس سے ممدوٹ اور اس کی جناح مسلم لیگ کو نمائندگی دینا مقصود تھا- اسی طرح لفظ "عوامی" سے پیر مانکی شریف کی سرحد عوامی مسلم لیگ اور مولانا بھاشانی کی مشرقی پاکستان عوامی مسلم لیگ کو نمائندگی دینا مقصود تھا-

پارٹی کے اہم مقاصد میں صوبائی خود مختاری کے حصول جس کے تحت مرکز کے پاس صرف دفاع' کرنسی اور خارجہ پالیسی کے شعبے ہوں' بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دلانے' سیفٹی قوانین کے خاتمے' زمینداری نظام سے نجات' پٹ سن کی تجارت اور اہم صنعتوں کو قومیانے' سیاسی قیدیوں کی رہائی' بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات کے انعقاد' آزاد خارجہ پالیسی اور فوجی معاہدوں سے علیحدگی جیسے نکات شامل تھے-

1954ء میں پارٹی کے ایک کنونشن میں مولانا بھاشانی کی تجویز پر اس کے نام سے 'مسلم' کا لفظ نکال دیا گیا جس سے اس کا غیر فرقہ وار کردار واضح ہو گیا- ممدوٹ کے مسلم لیگ میں واپس چلے جانے کے بعد پارٹی کے نام سے 'جناح' کا لفظ بھی حذف کر دیا گیا- اکتوبر 1955ء میں مجلس عاملہ نے نئے نام --- عوامی لیگ --- کی منظوری دے دی- کل پاکستان سطح پر حسین شہید سہروردی اور مشرقی پاکستان کی سطح پر مولانا بھاشانی اس جماعت کے رہنما تھے-

1954ء میں عوامی لیگ نے دیگر پارٹیوں کے ساتھ مل کر جگتو فرنٹ (متحدہ محاذ) تشکیل دیا اور اس میں تاریخی کامیابی حاصل کی- صوبے میں عوامی لیگ اور دیگر پارٹیوں کی جو مخلوط وزارت بنی اس کے سربراہ اے کے فضل الحق تھے- یہ وزارت توڑ کر صوبائی قانون ساز اسمبلی کو معطل کر دیا گیا اور صوبے پر گورنر راج مسلط ہو گیا- ان دنوں عوامی لیگ کے مرکزی رہنما سہروردی زیورچ میں زیر علاج تھے- وہیں سے انہوں نے دستور ساز اسمبلی توڑنے کا مطالبہ کیا اور دسمبر 54ء میں محمد علی بوگرہ کی "ذہین افراد" کی کابینہ میں وزیر قانون بن گئے- لیکن جلد ہی مسلم لیگ سے اختلافات کی بنیاد پر وہ حکومت سے الگ ہو گئے اور جب 1956ء میں پہلا آئین منظور ہوا تو عوامی لیگ نے آئین پر بحث کے آخری دن اسمبلی سے واک آوٹ کیا-

1956ء میں عوامی لیگ نے حسین شہید سہروردی کی سربراہی میں' ری پبلیکن پارٹی سے مل کر مرکز میں مخلوط وزارت ترتیب دی- 1957ء میں اس اتحاد کے خاتمے پر سہروردی وزارت عظمیٰ سے الگ ہو گئے- سہروردی کے اپنے بیان کے مطابق صدر اسکندر مرزا نے انہیں خود مستعفی ہو جانے اور حکم عدولی کی صورت میں برطرف کر دینے کی دھمکی دی تھی چنانچہ سہروردی نے استعفیٰ دے دیا- چندریگر وزارت کے خاتمے کے بعد عوامی لیگ نے ری پبلیکن پارٹی کے رہنما فیروز خان نون کی حمایت کی-

مشرقی پاکستان میں پارٹی 1958ء تک مختلف وقفوں سے برسر اقتدار رہی-

ستمبر 1956ء میں جب سہروردی وزیراعظم بنے تو وہ ون یونٹ کے زبردست حامی تھے- انہوں نے وزیراعظم بنتے ہی مشرقی پاکستان کو یقین دلایا کہ صوبائی خود مختاری کا مسئلہ حل ہو گیا ہے- اسی دوران نہر سویز کے مسئلے پر برطانیہ' فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کر دیا- اور حکومت پاکستان نے مصر کے مخالفین کی حمایت کی- عوامی لیگ اپنی تشکیل کے وقت آزاد خارجہ پالیسی کی حامی اور مغربی ممالک سے دفاعی معاہدوں کے خلاف تھی- مگر برسر اقتدار آکر سہروردی نے ان معاہدوں کو ملک کے مفاد میں قرار دیا- اس طرح لیگ کے منشور اور عملی پالیسیوں میں تضاد واضح تھا- اس بناء پر پارٹی کے بہت سے لیڈر جن میں مشرقی پاکستان سے اہم لیگی رہنما بھاشانی اور ان کا گروپ تھے- پارٹی چھوڑ گئے-

اس سے قبل بھی پارٹی کے متعدد رہنماؤں نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کی تھی- 1953ء میں ممدوٹ پارٹی سے خارج ہوئے- 55-1954ء میں پارٹی کے نام سے لفظ 'مسلم' کے اخراج پر پیر زکوڑی شریف اور عبدالسلام خان پارٹی سے نکل گئے- 1955ء میں پیر مانکی شریف نے بھی علیحدگی اختیار کر لی- یوں سرحد میں صرف لوند خوڑ پارٹی کے قابل ذکر رہنما کے طور پر باقی رہ گئے تھے-

8 جنوری 1957ء کو سہروردی نے پارٹی کے جنرل سیکرٹری ایم ایچ عثمانی کو پارٹی سے خارج کر دیا-

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مشرقی پاکستان عوامی لیگ مرکزی پارٹی سے نسبتاً آزاد طرز کے تعلقات رکھتی اور خود کو اس کے فیصلوں کا پابند نہیں سمجھتی تھی- علاوہ ازیں مشرقی پاکستان کی پارٹی' مغربی پاکستان عوامی لیگ کے مقابلے میں زیادہ منظم اور سرگرم تھی- 1958ء میں اس کے ارکان کی تعداد دس لاکھ سے زائد تھی- اس کی مرکزی تنظیم 856 ارکان پر مشتمل تھی- اس کے سال میں دو اجلاس ہوتے- یہ پالیسیاں بناتی اور مجلس عاملہ کے فیصلوں کی توثیق کرتی- پارٹی کا مرکزی سیکرٹریٹ چھ سو باتنخواہ ارکان پر مشتمل تھا- ان کے علاوہ بڑی تعداد رضاکار کارکنوں کی تھی- پارٹی کی مالیات کا انحصار سالانہ رکنیت فیس' چار روپے ماہانہ فیس اور پارٹی سے وابستہ کاروباری اور تجارت پیشہ طبقے کے عطیات پر تھا-

مئی 1958ء میں مغربی پاکستان عوامی لیگ کا لاہور میں کنونشن ہوا۔ اس میں پارٹی کا انتخابی منشور پیش کیا گیا۔ منشور کے مطابق ہر کسان کے لئے کم از کم 25 ایکڑ اور زیادہ سے زیادہ ڈھائی سو ایکڑ کی حد مقرر کی گئی۔ منشور میں مزید زرعی اصلاحات کے علاوہ صوبہ مغربی پاکستان یا ون یونٹ کے تحفظ' ریاستوں کے خاتمے اور جابرانہ قوانین کی منسوخی کے نکات شامل تھے۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کے سیاسی جماعتوں کے حصے میں' عوامی مسلم لیگ (صوبہ سرحد) عوامی مسلم لیگ (مشرقی پاکستان) کل پاکستان عوامی مسلم لیگ'

عوامی مسلم لیگ (صوبہ سرحد)

قیام پاکستان کے فوراً بعد صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے خاتمے پر صوبائی مسلم لیگ کے بعض اہم ارکان خان عبدالقیوم خان کو صوبے کا نیا وزیر اعلیٰ بنانے کے حق میں نہیں تھے۔ پیر صاحب مانکی شریف اور ارباب عبدالغفور کی رائے تھی کہ سرحد لیگ یا سرحد لیگ اسمبلی پارٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے وزیر اعلیٰ کا انتخاب کرے۔ انہوں نے عبدالقیوم خان کو وزیر اعلیٰ بنانے کی مخالفت کی لیکن قائداعظم اور لیاقت علی خان قیوم خان کو وزیر اعلیٰ بنانے کا فیصلہ پہلے سے ہی کر چکے تھے۔ وزیر اعلیٰ بننے کے بعد قیوم خان نے ایک طرف سرخپوش تحریک پر حملہ کیا تو دوسری طرف مسلم لیگ کے ان مخلص رہنماؤں کو بھی نہ چھوڑا جنہوں نے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں پاکستان کو کامیاب کرانے کے سلسلے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ وزیر اعلیٰ نے مسلم لیگ کو ایک خانہ ساز ادارہ بنا ڈالا اور پیر صاحب مانکی شریف اور دوسرے رہنماؤں کو ابتدائی رکنیت کے فارم تک نہ دیئے گئے۔ مخلص' دیانتدار اور جمہوریت پسند لوگ مسلم لیگ سے نکالے جانے لگے جن میں فدا محمد خان' اللہ بخش یوسفی' رحیم بخش غزنوی' سلطان محمد خان جھگڑا اور کئی دوسرے لوگ شامل تھے۔ رحیم بخش غزنوی پر ایک من گھڑت مقدمہ کھڑا کیا گیا۔ ان کے اخبار روز نامہ 'سرحد' کو بند کر دیا گیا اور دفتر کا تمام سامان ضبط کر لیا گیا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے 1949ء میں پیر صاحب مانکی شریف' ارباب عبدالغفور اور غلام محمد خان لوند خوڑ نے مل کر 'مولانا شبیر احمد عثمانی' جی ایم سید اور نواب افتخار حسین ممدوٹ سے مشورہ کیا اور پھر پشاور میں سرحد کے طول و عرض سے اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک اجلاس بلایا جس میں عوامی مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

کنونشن کے شرکاء میں پیر صاحب مانکی شریف' پیر صاحب زکوڑی شریف' ارباب عبدالغفور خان' غلام محمد خان لوند خوڑ' اسد اللہ جان خان' تاج علی خان' قاضی شفیع الدین' محمد آصف خان' مولانا شاکر اللہ' میاں محمد شاہ' ارباب عطا اللہ خان' نثار محمد خان' محمد سرفراز خان' میاں مشرف شاہ' قاضی محمد اسلم' سید عبدالخالق میاں جی' تاج محمد خان' میر غفن خان' محمد فرید خان' حاجی فقیرا خان' محمد عباس خان' عبدالقیوم خان سواتی اور فضل حق شیدا جیسے سیاسی رہنما اور کارکن شامل تھے۔

کنونشن میں پیر صاحب مانکی شریف کو عوامی مسلم لیگ کا صدر' قاضی محمد اسلم کو جنرل سیکرٹری اور فضل حق شیدا کو اسشنٹ سیکرٹری چنا گیا۔ پارٹی قائم ہوتے ہی قیوم خان نے بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تمام اہم رہنما اور کارکن مختلف اضلاع سے گرفتار کئے جانے لگے۔ صوبے میں پارٹی کے تنظیمی کام کے راستے میں بھی حکومت نے رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اضلاع کی تنظیم کے لئے مختلف کمیٹیاں جب ضلعوں کے دوروں پر نکلیں تو ان کے ارکان کو گرفتار کیا جانے لگا۔ ارباب عبدالغفور جب کوہاٹ کے دورے پر نکلے تو انہیں درہ کوہاٹ میں کوتل کے مقام پر اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا پیر مانکی شریف' پیر زکوڑی شریف اور غلام محمد لوند خوڑ کو کوہاٹ میں داخل ہونے سے پہلے ہی واپس کر دیا گیا۔ وکلاء نے ڈیفنس کمیٹی بنا کر گرفتار شدگان کو ضمانت پر رہا کرا لیا۔ بنوں میں ارباب عبدالغفور دوبارہ گرفتار کئے گئے۔ اس بار انہیں اور ان کے ساتھیوں کو تین تین سال کی قید کی سزا دی گئی۔ پیر صاحب زکوڑی اور عبدالمجید خان کو بھی اتنی ہی سزا دے کر مچ (بلوچستان) جیل بھیج دیا گیا۔ پیر صاحب مانکی شریف پر پابندی لگا دی گئی اور غلام محمد لوند خوڑ کو جلا وطن کر دیا گیا۔ صوبہ سرحد میں عوامی مسلم لیگ کے رہنماؤں اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ کا یہ سلسلہ 1954ء تک جاری رہا اور پارٹی اس وقت تک کوئی تنظیمی کام نہ کر سکی۔

مزید دیکھیں' اسی جلد کے سیاسی جماعتوں کے حصے میں' کل پاکستان عوامی مسلم لیگ' عوامی لیگ

عوامی مسلم لیگ (مشرقی پاکستان)

قیام پاکستان کے بعد یہاں کی واحد سرگرم سیاسی جماعت مسلم لیگ تھی۔ آسام مسلم لیگ کے صدر اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں پاکستان کو فتح سے ہمکنار کرنے والے مسلمان رہنما مولانا عبدالحمید خان بھاشانی 1947ء کے اواخر تک مشرقی پاکستان آ چکے تھے۔ انہوں نے آتے ہی نرائن گنج میں مسلم لیگی کارکنوں کا ایک جلسہ طلب کیا اور سہروردی کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی۔ سہروردی کلکتہ سے نرائن گنج پہنچ گئے مگر پولیس نے انہیں جہاز سے نہ اترنے دیا۔ مسلم لیگی ارباب اقتدار کا خیال تھا کہ سہروردی کا وہاں جلسے میں تقریر کرنا امن عامہ کے لئے خطرناک ثابت ہوتا۔ یہی نہیں مسلم لیگی کارکنوں کے جلسے کو مسلم لیگ کی حکومت نے

ہی پولیس اور غنڈوں کے ذریعے درہم برہم کرا دیا۔ 1948ء کے اوائل میں بنگالی زبان کے مسئلے پر طلباء میں بھی بے چینی کے آثار پیدا ہوئے۔ کم تنخواہ پانے والے یونیورسٹی اساتذہ کی ذمہ داری بھی طلباء پر ڈالی گئی اور پچیس طالب علم گرفتار کر لئے گئے۔ 1949ء میں سیاسی جدوجہد کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔ مولانا بھاشانی نے مسلم لیگی طلباء اور کارکنوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک نئی سیاسی جماعت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

23 جون 1949ء کو مشرقی پاکستان کے مسلم لیگی کارکنوں کا ایک کنونشن مولانا بھاشانی کی صدارت میں منعقد ہوا جس کا واحد مقصد ایک نئی سیاسی جماعت قائم کرنا تھا۔ کنونشن نے دو اہم مطالبے پیش کئے:

1- زمینداری نظام کا جلد از جلد خاتمہ کیا جائے

2- شہری حقوق فوراً بحال کئے جائیں۔

کنونشن سے تین روز قبل شیخ مجیب الرحمان کے سوا تمام طلباء کو رہا کیا جا چکا تھا۔

کنونشن میں عوامی مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ البتہ کارکنوں کا ایک گروہ، جو غیر فرقہ وارانہ اصولوں پر زیادہ زور دیتا تھا، اس کنونشن سے الگ ہو گیا۔ دراصل ان لوگوں کا مطالبہ تھا کہ نئی جماعت کا نام صرف عوامی لیگ ہو لیکن مولانا بھاشانی نے اس مطالبے کو مسترد کر دیا۔

مولانا بھاشانی نئی جماعت کے صدر منتخب ہوئے اور شمس الحق جنرل سیکرٹری۔ شیخ مجیب الرحمان اس نئی سیاسی جماعت کے جوائنٹ سیکرٹری چنے گئے۔ عطاالرحمان خان اور عبدالسلام خان نائب صدر تھے اور یار محمد خان خزانچی۔

مشرقی پاکستان عوامی مسلم لیگ کی اولین سیاسی سرگرمیوں میں 11 ستمبر 1949ء کا بھوک مارچ سب سے نمایاں تھا جس میں مولانا بھاشانی، شیخ مجیب الرحمان، شمس الحق اور پارٹی کے متعدد رہنما اور کارکن گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد بنگلہ کو عربی رسم الخط کو لکھنے کی سرکاری تحریک سامنے آئی تو عوامی مسلم لیگ نے اس کے خلاف بھی شدید مزاحمت کی۔ نومبر 50ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے رپورٹ کے خلاف احتجاج کی لہر چلی۔ 5 نومبر کو عوامی مسلم لیگ نے ڈھاکہ میں جمہوری کارکنوں کا ایک کنونشن منعقد کیا جس کی صدارت عطاالرحمان خان نے کی۔ مارچ 51ء میں یوتھ لیگ کا قیام عمل میں آیا اور اس سے بھی عوامی مسلم لیگ کی سرگرمیوں کو بڑھاوا ملا۔ 1951ء کے اواخر میں مولانا بھاشانی کی رہائی سے پارٹی کی سرگرمیوں میں مزید تیزی آ گئی۔

فروری 52ء کی لسانی تحریک میں مولانا بھاشانی پھر گرفتار ہو گئے۔ شیخ مجیب الرحمان جو 1949ء سے گرفتار چلے آ رہے تھے حیرت انگیز طور پر 24 فروری کو مولانا بھاشانی کی گرفتاری والے روز رہا کر دیئے گئے۔ اپریل 53ء میں مولانا بھاشانی اور جون 53ء میں شمس الحق جیل سے باہر آ گئے۔

مشرقی پاکستان کے عام انتخابات میں حصہ لینے کے لئے مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق اور سہروردی کی کوششوں سے ایک متحدہ محاذ کا قیام عمل میں آیا، جس میں عوامی مسلم لیگ بھی شامل تھی۔ کچھ عرصہ بعد یہ صرف عوامی لیگ رہ گئی۔

مزید دیکھیں، اسی جلد میں، سیاسی جماعتوں کے حصے میں، عوامی لیگ، عوامی مسلم لیگ (سرحد)، جناح مسلم لیگ

قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی

5 فروری 1937ء کو سبی دربار کے موقع پر میر عبدالعزیز کرد کی صدارت میں، بلوچستان کے نوجوان سیاسی کارکنوں کا ایک اجلاس ہوا جس میں قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ میر عبدالعزیز کرد اس جماعت کے صدر، میر گل خان نصیر نائب صدر اور ملک فیض محمد خان یوسفزئی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

دو تین سال کی قلیل مدت میں قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی، ریاست کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ اس نے قلات کی حکومت کو بعض سیاسی اصلاحات پر آمادہ کر لیا۔ ریاست قلات کے تمام باشندوں کے لئے خون بہا یا خون کا مساوی عوضانہ مقرر کرنا، زر سر، زر شاہ، بیگار، مالی، بجار اور پری جیسے ظالمانہ ٹیکسوں کی وصولی کو ممنوع قرار دینا اور جرگہ کے لئے ایک منضبط طریقہ کار مقرر کرنا جیسی عوامی اصلاحات ان میں شامل تھیں۔

ریاست قلات کے سردار، غیر ریاستی ملازمین اور قلات کا پولیٹکل ایجنٹ پارٹی کی سرگرمیوں کے خلاف تھے۔ 5 اور 6 جولائی 1939ء کو، جب مستونگ میں پارٹی کا اجلاس ہو رہا تھا، قبائلیوں نے پولیٹکل ایجنٹ کے مشورے پر اجلاس کے کیمپ پر ہلہ بول دیا اور خان قلات سے مطالبہ کیا کہ قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی پر پابندی لگا کر پارٹی کے رہنماؤں کو گرفتار اور ریاست بدر کر دیا جائے، چنانچہ پارٹی پر پابندی عائد کر دی گئی اور اس کے متعدد رہنما گرفتار یا جلا وطن ہو گئے۔ اپنی غیر قانونی حیثیت میں ہی قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی نے 1945ء میں کل ہند کانگریس کے ساتھ الحاق کر لیا۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد خان قلات نے اپنی ریاست کی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے چند سیاسی اصلاحات کا اعلان کیا جن میں دیوان عام اور دیوان خاص کے نام سے دو ایوانوں پر مشتمل اسمبلی کا قیام شامل تھا۔ پارٹی ابھی تک غیر قانونی تھی اور اپنے نام سے سیاسی سرگرمیوں یا انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتی تھی چنانچہ اس کے ممبران نے ریاست قلات کے پہلے انتخابات میں انفرادی حیثیت میں حصہ لیا اور باون ارکان پر مشتمل ایوان میں 39 نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ دسمبر 1947ء میں دیوان عام نے اپنے پہلے اجلاس میں میر غوث بخش بزنجو کو اپنا پارلیمانی

لیڈر چن لیا۔ دیوان عام نے قلات کی آزاد اور خود مختاری حیثیت کے حق میں متفقہ قرار داد بھی منظور کی۔ مارچ 1948ء میں قلات کے پاکستان کے ساتھ جبری الحاق کے نتیجے میں قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کو ملک بھر میں خلاف قانون قرار دے کر اس کے ممبران کو گرفتار کر لیا گیا۔ پارٹی اس کے بعد اس نام سے اپنی سیاسی سرگرمیاں دوبارہ کبھی شروع نہ کر سکی۔

کرشک سرامک پارٹی

کرشک سرامک (کسان مزدور) پارٹی دراصل کرشک پروجا (کسان ـ مزارعہ) پارٹی ہی کی ایک نئی شکل تھی۔ کرشک پروجا 1927ء میں مولوی اے۔ کے فضل الحق نے قائم کی تھی اور 1930ء کے عشرے میں یہ اپنی مقبولیت کی انتہا پر پہنچ گئی تھی لیکن جب 1941ء میں فضل الحق کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا تو کرشک پروجا کی مقبولیت بھی کم ہونے لگی اور اگرچہ مولوی فضل الحق بعد ازاں دوبارہ مسلم لیگ میں واپس آ گئے اور مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے رکن بھی منتخب ہوئے لیکن ان کی پارٹی ایک بار ڈوبنے کے بعد دوبارہ نہ ابھر سکی۔

قیام پاکستان کے وقت اے۔ کے۔ فضل الحق سیاسی طور پر غیر اہم حیثیت کے باعث اقتدار حاصل نہ کر سکے۔ 1951ء میں انہوں نے اپنے حامیوں کی مدد سے مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ نور الامین کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ مسلم لیگ کے باغیوں کی مبینہ حمایت کے الزام میں، فضل الحق کو تین ماہ کے لئے پارٹی سے نکالے جانے کا نوٹس دیا گیا۔ اس مرحلے پر انہوں نے کرشک پروجا کو بحال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور مزدور طبقے کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر نئی پارٹی کا نام کرشک ـ سرامک (کسان ـ مزدور) پارٹی رکھا۔

کرشک سرامک پارٹی نے اپنا دس نکاتی پروگرام منظور کیا جس میں سیاسی قیدیوں کی رہائی، بنگالی کو قومی زبان قرار دینے، نظام تعلیم کی تنظیم نو، اور 1940ء کی قرار داد لاہور کی بنیاد پر مکمل صوبائی خود مختاری کے مطالبات شامل تھے۔

کرشک سرامک پارٹی کی ایک قابل ذکر خصوصیت اس کا مذہبی رنگ اور نظام اسلام پارٹی اور دوسری علماء تنظیموں سے اس کے اشتراک عمل کا فیصلہ تھا۔ تاہم وہ بھی دوسری بنگالی پارٹیوں کی طرح مسلم لیگ پر بنگالیوں کے مفادات کا سودا کرنے اور مشرقی پاکستان کی جنت کو دوزخ میں تبدیل کرنے کے الزامات لگانے میں پیش پیش تھی۔

1954ء میں کرشک سرامک پارٹی، مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کے خلاف اس بڑے اتحاد (جگتو فرنٹ) کا حصہ تھی جس نے صوبے کے پہلے عام انتخابات میں حکمران مسلم لیگ کو اقتدار سے بے دخل کر دیا تھا۔ جب 1954ء میں کرشک سرامک پارٹی انتشار کا شکار ہوئی تو کچھ عرصہ بعد وہ ابو حسین سرکار کی سربراہی میں بر سر اقتدار آ گئی۔ سرکار نے مغربی پاکستان میں بھی پارٹی کی شاخ قائم کی جہاں مزدور کسان پارٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

کرشک سمتی پارٹی

جنوری 1958ء میں مولانا بھاشانی نے کرشک سمتی پارٹی قائم کی۔ اس کا تعلق بھی مشرقی پاکستان سے تھا۔ جو زرعی مزدوروں کی نمائندگی کی دعویدار تھی۔ پارٹی نے جاگیرداری کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اور جاگیرداری کے خاتمے اور بے زمین کسانوں میں زمین کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ پارٹی نے اپنی طبقاتی بنیادوں کا اعتراف کیا اور اس بناء پر انتخابات میں حصہ لینے سے گریز کیا۔

کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان

1917ء کے عظیم اکتوبر انقلاب نے ہندوستان سمیت آزادی کی جدوجہد کرنے والے نو آبادیاتی ملکوں پر اپنے فوری اثرات مرتب کئے۔ ہندوستان قریبی پڑوسی ہونے کے باعث ان سے براہ راست اثر انداز ہوا۔ 1920ء میں ہجرت تحریک کے نتیجے میں ہزاروں لوگوں نے افغانستان کا رخ کیا ان میں سے کچھ لوگ تاشقند اور پھر ماسکو پہنچے جہاں انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے نظریاتی اور مسلح تربیت حاصل کی۔ اکتوبر 20ء میں تاشقند میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے قیام کا اعلان کیا۔ 1921ء کے بعد ہجرت تحریک کے لوگ ہندوستان واپس آنے لگے ان پر پشاور میں تاشقند۔ ماسکو کمیونسٹ سازش مقدمے چلے۔ دسمبر 1925ء میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا باضابطہ طور پر قائم ہو گئی۔ 1924ء میں کانپور 1929-33ء میں کانپور کمیونسٹ سازش مقدمے چلے۔ ستمبر 1939ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی تو کمیونسٹ پارٹی نے اسے سامراجی جنگ قرار دیتے ہوئے برطانیہ کے خلاف ہڑتالیں منظم کیں اس اثناء میں پارٹی خلاف قانون قرار دے دی گئی۔ جون 1941ء میں نازی جرمنی کے سویت یونین پر حملے سے صورت حال تبدیل ہو گئی۔ ہندوستان کے کیمونسٹوں نے اسے فاشزم کے خلاف عوامی جنگ قرار دیا جس سے بعض کیمونسٹ اختلاف کرتے ہوئے پارٹی سے الگ ہو گئے۔ جولائی 42ء میں پارٹی سے پابندی اٹھالی گئی اور س کے رہنما رہا کر دیئے گئے۔ جنگ کے خاتمے کے بعد جب ہندوستان کی آزادی کا مرحلہ قریب آیا تو پارٹی نے قومی تشکیل میں مذہب کو اہم عنصر قرار دے کر محکوم مسلم قومیتوں کے حق خود اختیاری کی حمایت کی لیکن آزادی کے بعد جب کلکتہ میں کیمونسٹ پارٹی آف انڈیا کی کانگریس منعقد ہوئی تو اسے 'جھوٹی آزادی' قرار دیا گیا۔

کلکتہ کانگریس میں پاکستانی علاقوں کے مندوبین بھی شریک ہوئے تھے

چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی الگ ہو۔ کانگریس کے فوراً بعد کلکتہ میں ہی کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کی پہلی کانگریس منعقد ہوئی۔ سجاد ظہیر کو پارٹی کا پہلا سیکرٹری جنرل قرار دیا گیا۔ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کا پارٹی تھیسس انہی خطوط پر تیار کیا گیا تھا جن خطوط پر کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا تھیسس منظور ہوا تھا۔ پاکستانی تھیسس میں بھی 1947ء کی آزادی کو جھوٹی آزادی قرر دیا گیا۔ اس کے مطابق ماونٹ بیٹن پلان ہندوستانی عوام کی ابھرتی ہوئی قوتوں کے خلاف ایک حملہ تھا۔ کہا گیا کہ برطانیہ کا ڈومینین ختم نہیں ہوا بلکہ اس کی شکلیں تبدیل ہوئی ہیں۔ سرمایہ داروں کو ریاستی اقتدار میں شامل کر لیا گیا سامراج اور جاگیرداری کی بجائے سرمایہ داری کو انقلاب اور عوام کا دشمن قرار دے کر کسانوں مزدوروں کے اتحاد سے پرولتاری انقلاب برپا کرنے کا نعرہ دیا گیا۔

پارٹی نے جن حالات میں کام شروع کیا وہ انتہائی کٹھن اور دشوار گزار تھے۔ فسادات کے نتیجے فرقہ واریت کا زہر پورے معاشرے میں سرایت کر چکا تھا۔ مسلم لیگ اقتدار کی تنہا مالک تھی۔ اپوزیشن کی حوصلہ شکنی کا رجحان عام تھا۔ ہندو اور سکھ کیمونسٹ نقل مکانی کر کے ہندوستان جا چکے تھے اور تحریک باشعور کارکنوں اور رہنماؤں سے محروم ہو چکی تھی۔ ٹریڈ یونین تحریک منتشر ہو چکی تھی۔ چنانچہ ابتدائی کام کے طور پر ٹریڈ یونینوں کو منظم اور متحرک کیا گیا۔ مزدور ہڑتالوں اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ صرف 48ء میں مشرقی پاکستان میں مزدوروں کی 69 ہڑتالیں ہوئیں جبکہ ملک کے مغربی حصے میں 50-1949ء کے دوران ہڑتالوں کی شدت اپنے عروج پر تھی۔ جوابی کارروائی کے طور پر مزدوروں کے خلاف حکومتی تشدد بڑھا جس سے کیمونسٹ پارٹی کو اپنے اس محاذ پر کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

پارٹی سے وابستہ کسان تنظیموں نے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔ تاکہ کسانوں کو سود خوروں اور مہاجنوں سے نجات ملے لیکن ہندو زمینداروں کی چھوڑی ہوئی زمینیں مسلمان جاگیرداروں نے ہتھیالیں۔ جاگیردار قیادت نے زرعی اصلاحات کے سہانے خواب دکھائے لیکن عملاً کچھ نہ ہوا۔ پہلے مشرقی بنگال میں "کسانا سمتی" پر حملہ ہوا اور پراپیگنڈہ کیا گیا کہ اس تنظیم کے رہنما ہندوستان کے ایجنٹ ہیں۔ 1948ء میں 86 سے زائد کیمونسٹ اور کسان رہنماؤں کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے گئے۔ مغربی حصے میں پنجاب کی کسان کمیٹی' سندھ کی ہاری کمیٹی اور سرحد کا کسان جرگہ نے کسان تحریک کو منظم کرنے کی کوششیں کیں۔ کسان جرگہ نے 1948ء میں بیگار کے خاتمے' فصل کی منصفانہ تقسیم اور زمینداروں کی غنڈہ فورس کے خاتمے کی زبردست مہم چلائی۔ چنانچہ مطالبات پر لائل پور (فیصل آباد) میں یوم احتجاج منایا گیا۔ میانوالی اور دوسرے اضلاع کے کسانوں نے زمینوں پر قبضے کئے۔ سندھ ہاری کمیٹی نے 50ء کے دوران سندھ بھر میں کسان کانفرنسیں کیں۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں کسان جدوجہد کے نتیجے میں حکومت کسانوں کو معمولی مراعات دینے پر تیار ہوئی۔ ان میں حق ملکیت کے کم کرنے' بیگار کے خاتمے اور بعض شرائط کے ساتھ کسانوں کے بٹائی کے حق کو تسلیم کیا گیا۔

1950ء کے بعد ملک کو شدید معاشی اور سیاسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ غذائی مسئلہ شدت اختیار کر گیا۔ ملک کے بعض حصوں میں قحط کی صورت حال پیدا ہو گئی۔ قیمتوں میں تین سے چار گنا تک اضافہ ہو گیا۔ اس صورت حال سے پاکستان میں موجود امریکی لابی نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ امریکہ سے غلہ منگوا کر "تھینک یو امریکہ" کے جلوس نکالے گئے۔ کوریا کی جنگ کے خاتمے سے معاشی پالیسیوں کا بودا پن کھل کر سامنے آ گیا۔ درآمدی اشیاء کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا چنانچہ 1951ء میں ہڑتالوں کا زور پھر بڑھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی خود حکمرانوں کے اندر بھی برطانوی --- امریکی رقابت نے زور پکڑا۔ زمینداروں اور سرمایہ دلدوں کے درمیان اقتدار کی کشمکش تیز ہوئی۔ فوجی افسروں میں بھی حکومت کی مخالفت بڑھ رہی تھی۔ مارچ 1951ء میں راولپنڈی سازش کا انکشاف ہوا جس میں جنرل اکبر خان اور گیارہ فوجی افسروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد ازاں کیمونسٹ پارٹی بھی اس سازش میں ملوث کر لی گئی۔ پارٹی کے سیکرٹری جنرل سجاد ظہیر' ممتاز شاعر اور پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض اور کیمونسٹ پارٹی کے ایک اور رہنما محمد حسین عطا بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے سینکڑوں پارٹی کارکنوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ پارٹی اور ترقی پسند تحریک کے لئے یہ سازش مقدمہ انتہائی نقصان دہ ثابت ہوا۔ گرفتاریوں سے پارٹی کا کام بری طرح متاثر ہوا۔

اس سے قبل لیاقت علی خان کے دورہ امریکہ سے پاکستان میں برطانوی۔ امریکی رقابت میں شدت پیدا ہوئی اور پاکستان کی امریکی اطاعت کا دور شروع ہو گیا۔ راولپنڈی سازش مقدمے کے بعد ملک کو امریکی تحویل میں دینے کے دور کا آغاز ہوا۔ یہ دور عوام کے جمہوری حقوق کی پامالی' معاشی ابتری' غذائی قلت اور سیاسی انتشار کا دور بھی تھا۔ 8 جنوری 53ء کی طلباء تحریک نے ملکی سیاست میں ترقی پسند قوتوں کے اثر کو بڑھایا۔ مزدور ہڑتالوں کے دوران نہ صرف معاشی بلکہ سیاسی مطالبات بھی پیش کئے گئے۔ اسی اثناء میں اینٹی قادیانی تحریک اور لاہور میں مارشل لاء کا نفاذ' امریکی اثرات میں مزید اضافے کا باعث بنا۔ امریکہ سے فوجی معاہدے کے فوراً بعد پانچ جولائی 54ء کو مشرقی پاکستان میں اور 25 جولائی 54ء کو مغربی پاکستان میں کیمونسٹ پارٹی پر پابندی لگا دی گئی۔

مشرقی پاکستان میں متحدہ محاذ کی زبردست کامیابی اور مسلم لیگ کی عبرتناک شکست پاکستان کے حکمرانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی چنانچہ پہلا وار کیمونسٹ پارٹی پر ہوا۔ پارٹی پر پابندی کے ساتھ ساتھ اس سے

قریبی تعلق رکھنے والی سیاسی' طلبا' مزدور' کسان اور خواتین کی تنظیموں کو بھی خلاف قانون قرار دے دیا گیا- انجمن ترقی پسند خواتین کو سیاسی جماعت قرار دے کر اس پر بھی پابندی لگا دی گئی- پارٹی پر پابندی اور حکومتی جبر و تشدد کے نتیجے میں پارٹی کو زیر زمین ہو کر کام کرنا پڑا- 1951ء کی راولپنڈی سازش کے بعد پارٹی کی علاقائی کمیٹی قریب قریب منتشر ہو گئی تھی اور مغربی پاکستان کی صوبائی کمیٹیاں غیر مربوط طور پر کام کر رہی تھیں- 1954ء میں پابندی لگنے سے صورت حال مزید خراب ہوئی- جس کا پارٹی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا البتہ دانشور اور درمیانے طبقے کے عناصر موقع پرستی کا شکار ہوئے سندھ اور مشرقی پاکستان کی کمیٹیوں نے خود کو برقرار رکھا اور مسلسل کام کرتی رہیں-

زیر زمین ہونے کے باوجود پارٹی نے ون یونٹ کے قیام کی مخالفت کی اور اسے پاکستان کی جمہوری اور قومی تحریکوں کے خلاف عوام دشمن اقدام قرار دیا-

پارٹی کی پہل کاری پر مزدورں' طالب علموں' کسانوں اور قومی جمہوری تنظیموں نے ون یونٹ کے خلاف مظاہرے کئے- انٹی ون یونٹ محاذ تشکیل دیا گیا جسے مغربی پاکستان کی تمام ترقی پسند سیاسی تنظیموں کی حمایت حاصل تھی- 56ء میں نیشنل پارٹی اور 57ء میں نیشنل عوامی پارٹی کی تشکیل میں بھی کمیونسٹ پارٹی نے اہم کردار ادا کیا اس دوران مشرقی پاکستان کی پارٹی کو عملاً مرکز تسلیم کیا جاتا تھا- 58-1956ء کے دوران پارٹی کی علاقائی کمیٹی تسلسل اور مرکزیت کے ساتھ کام کرتی رہی- مارشل لاء کے ساتھ ہی کمیونسٹ پارٹی پہلے سے بھی بدتر حالات میں کام کرنے پر مجبور ہو گئی-

گن تنتری دل

مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ اور عوامی مسلم لیگ کی کشمکش کے ساتھ ساتھ عوام کے پڑھے لکھے طبقے میں جمہوری خیالات تیزی کے ساتھ پرورش پا رہے تھے۔ اور کچھ لوگ غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر سوچنے لگے تھے۔ ان جمہوری اور غیر فرقہ وارانہ خیالات کا عملی اظہار پہلی بار گن تنتری دل کے قیام سے ہوا۔ 31 دسمبر 1952ء اور یکم جنوری 1953ء کو جمہوری انداز نظر کے حامل سیاسی کارکنوں کا ایک کنونشن منعقد ہوا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک نئی جماعت کے قیام کی تیاریوں میں جن دو رہنماؤں--- آفتاب علی اور قمر الدین--- کی کوششوں کو زبردست دخل تھا' وہ کنونشن کے انعقاد سے پہلے ہی اس سے الگ ہو چکے تھے۔

کنونشن کی مجلس استقبالیہ کے سیکرٹری باریسال کے محی الدین تھے' وہ باریسال ضلع مسلم لیگ سیکرٹری رہے تھے اور ان مسلم لیگی رہنماؤں میں سے تھے جنہیں ان کی اپنی مسلم لیگی وزارت نے سیاسی قیدی کے طور پر جیل کی دیواروں میں قید کئے رکھا تھا۔ کنونشن میں ایک اور گروہ--- آل ویسٹ پاکستان سٹوڈنٹس مسلم لیگ--- کی شرکت بھی اہم تھی۔ مغربی پاکستان سے طلباء کے اس وفد کی سرکردگی مسلم لیگی طالب علم رہنما عبدالصمد کر رہے تھے۔ مغربی پاکستان سے' آزاد پاکستان پارٹی کی طرف سے سردار شوکت حیات اور میاں افتخار الدین جیسے اہم سیاسی رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔

حاجی محمد دانش نئی جماعت کے صدر اور محمود علی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ حاجی دانش ایک کسان رہنما تھے جنہوں نے مشہور تبھاگہ تحریک میں کسانوں کی قیادت کی تھی۔ دسمبر 1953ء میں گن تنتری دل' مشرقی پاکستان کے متحدہ محاذ میں شامل ہو گئی۔ متحدہ محاذ کے 21 نکات کی حمایت کے ساتھ ساتھ پارٹی نے اپنا بھی 15 نکاتی پروگرام پیش کیا۔ جس میں دولت مشترکہ سے علیحدگی' زمینداری کے خاتمے' پٹ سن کی برآمدی تجارت کو قومیانے' عورتوں کیلئے مساوی سماجی معاشی اور سیاسی حقوق اور پاکستان اور بھارت کے درمیان ویزاسسٹم کو ختم کرنے کے مطالبے شامل تھے۔ یہ پہلی پارٹی تھی جس نے غیر مسلموں کیلئے بھی اپنی رکنیت کی اجازت دی اور پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کا مطالبہ کیا۔ اس کا پرچم آدھے سرخ اور آدھے نیلے رنگ پر مشتمل تھا۔ سرخ رنگ ترقی اور زرعی معیشت اور نیلا رنگ امن اور مزدوروں' کسانوں اور قومی سرمایہ داروں کے اتحاد کا نشان تھا۔ گن تنتری دل اور آزاد پاکستان پارٹی کے نظریات باہم مشابہہ تھے۔ چنانچہ جولائی 1955ء میں دونوں پارٹیوں نے ذوی معاملات پر رابطے اور جدوجہد کیلئے ایک مشترکہ سٹیرنگ کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس فیصلے پر عمل نہ ہو سکا۔

متحدہ محاذ (جگتو فرنٹ)

مشرقی پاکستان میں حزب اختلاف کی سیاسی جماعتوں--- عوامی لیگ' گن تنتری دل' کمیونسٹ پارٹی' نظام اسلام پارٹی' کرشک سرامک پارٹی اور دوسرے سیاسی گروپوں پر مشتمل مشرقی پاکستان کا بڑا متحدہ محاذ مسلم لیگ کی حکومت کے خلاف قائم ہوا تھا۔ یہ ایک انتخابی اتحاد تھا جس نے مسلم لیگ کو شکست دینے کے بعد صوبے میں حکومت بنائی۔ انتخابی نتائج کے مطابق مسلم لیگ کو 310 نشستوں میں سے صرف نو نشستیں حاصل ہو سکی تھیں جبکہ اس وقت آئین کی رو سے اسمبلی میں کسی جماعت کا پارلیمانی گروپ بننے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کے کم از کم دس ارکان اسمبلی میں موجود ہوں۔ مسلم لیگ نے یہ کمی ایک آزاد رکن کی مدد سے پوری کی۔ اس شکست کے بعد مسلم لیگ مشرقی پاکستان میں دوبارہ کبھی نہ ابھر سکی۔

متحدہ محاذ کی تشکیل کردہ حکومت دو ماہ کے اندر اندر برطرف کر دی گئی۔ محاذ میں مختلف اختلافات ابھر آئے۔ بعد ازاں محاذ کی پارلیمانی پارٹی کے سربراہ اے۔ کے۔ فضل الحق جب 1955ء میں مرکزی حکومت میں وزیر داخلہ اور 1956ء میں مشرقی پاکستان کے گورنر بنے تو محاذ کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔

مجلس احرار پاکستان

یہ جماعت 1931ء میں قائم ہوئی۔ 1940ء میں مجلس احرار کی مجلس عاملہ نے پاکستان کے منصوبے کو نامنظور کیا۔ احرار بنیادی طور پر مذہبی تھے۔ جو رومانوی طرز کے سوشلزم کے قائل اور اپنے رویوں میں جارحانہ تھے۔ قیام پاکستان کے وقت احرار منتشر حالت میں تھے۔ نومبر 1947ء میں پارٹی کا آئندہ لائحہ عمل طے کرنے کیلئے خان گڑھ میں پارٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا لیکن کسی فیصلے پر پہنچے بغیر ختم ہو گیا۔ اسی سال دسمبر میں لاہور میں پارٹی کا دوبارہ اجلاس ہوا۔ رہنماؤں کے سامنے تین سوال تھے۔ پارٹی ختم کر دی جائے۔ سیاست چھوڑ کر صرف مذہبی سرگرمیوں پر توجہ دی جائے۔ یا پارٹی کو قائم رکھا جائے۔ آخر کار مجلس احرار پاکستان بنانے کا فیصلہ ہوا۔ مئی 1948ء میں پارٹی کا پہلا اجلاس لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں منعقد ہوا' جس میں احمدیوں کے خلاف معاندانہ خیالات کا اظہار اور پاکستان سے وفاداری کا عزم کیا گیا۔ جون میں لاہور میں ہونے والے اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ چونکہ مسلم لیگ میں غیر اسلامی عقائد رکھنے والے افراد موجود ہیں اس لئے پارٹی کو مسلم لیگ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

احراریوں کا پہلا اہم اجتماع جنوری 1949ء میں لاہور میں ہوا۔ جب احرار دفاعی کانفرنس بلائی گئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ احراری اپنی سیاسی حیثیت ختم کر کے صرف مذہبی گروپ کے طور پر کام کریں گے۔ اور سیاسی معاملات میں مسلم لیگ کی پیروی کریں گے۔ احراریوں نے "تبلیغ

کانفرنس" کے نام سے اپنے اجتماعات جاری رکھے۔ اور احمدیوں کے خلاف شدید پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ مسلم لیگ نے اپنے طرز عمل سے احراریوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اس نے مسلم لیگ کی مخالف انیس پارٹیوں میں سے احرار کا نام خارج کر دیا۔ احرار نے اپنی سیاسی حیثیت ختم کردی۔ اور اگر کوئی رکن سیاسی عمل کا مطالبہ کرتا تو اسے مسلم لیگ میں شامل ہونے کو کہا جاتا۔ احرار نے پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں بھی مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ مسلم لیگ 1951ء کے انتخابات جیت گئی۔ احراریوں نے احمدیوں کے خلاف لیگ کی حمایت حاصل کرنے کیلئے کوشش شروع ہو گئی۔ جس میں احراری اصل قوت تھے۔ تحریک کے نتیجے میں مارشل لاء لگا اور مجلس احرار پر پابندی لگا دی گئی۔ یہ پابندی 1958ء میں ری پبلیکن حکومت نے ختم کی۔ احراریوں نے مسلم لیگ پر جمہوریت کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کیا۔ لاہور میں پارٹی کے جھنڈے کی تقریب رونمائی میں شیخ حسام الدین اور مجلس کے سیکرٹری مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ مسلم لیگ نے اپنے اقتدار کے دور میں احرار پر جو پابندی لگائی وہ غلط تھی۔ ستمبر 1958ء میں پارٹی کا کنونشن ہوا جس میں 1949ء کی قرارداد میں ترمیم کر کے مستقبل میں سیاسی پارٹی کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس موقع پر پارٹی نے جو پہلی قرارداد منظور کی اس میں حکومت سے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

ورور پشتون (پشتون برادری)

1954ء میں جب خان عبدالصمد خان اچکزئی چھ سال کی طویل سزا کاٹ کر جیل سے باہر آئے تو انہوں نے سابق 'انجمن وطن' کے کارکنوں کا ایک اجلاس کوئٹہ میں طلب کیا۔ جناب اچکزئی کے اپنے لفظوں میں "گو 1954ء میں چھ برس کی مسلسل قید سے رہائی کے وقت میں سخت بیمار تھا..... تاہم میرے پرانے رفقائے کار اور نئے نوجوان میرے گرد جمع ہو گئے اور بستر علالت پر مجھ سے بلوچستان کے معاملات پر گفتگو شروع کر دی۔ کچھ وقت کے بعد ایک جماعت ورور پشتون (پشتون برادری) کے نام سے تشکیل دی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کے اندر پشتونستان کی ایک ایسی خود مختار وحدت قائم کی جائے جو متصلہ پشتون آبادی والے خطوں پر مشتمل ہو اور یہ وحدت عدم تشدد اور آئینی ذرائع سے قائم کی جائے۔"

عبدالصمد خان اچکزئی اس تنظیم کے کنوینر منتخب کئے گئے جبکہ محمد ہاشم خان غلزئی اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور یہ جماعت مختصر عرصے میں بلوچستان کے پشتون آبادای والے خطوں میں پھیل گئی۔ جماعت کے سربراہ کے مختلف علاقوں کے دورے کے دوران پشتون عوام نے ہر جگہ اس نئی تنظیم کی بھرپور پذیرائی کی۔

ہفت روزہ "پیغام جدید" اور ماہنامہ "پشتو" اس نئی سیاسی جماعت کے ترجمان کے طور پر چھپ رہے تھے جب جولائی 54ء میں اچکزئی اپنے گاؤں میں نظربند کر دیئے گئے اور دونوں جرائد پر ایک ایک سال کے لئے بندش عائد کر دی گئی۔ بعد ازاں ان کے ڈکلریشن منسوخ کر دیئے گئے۔

ورور پشتون نے پاکستان میں پشتونوں کے لئے لسانی، نسلی اور جغرافیائی بنیادوں پر جداگانہ صوبہ قائم کرنے کا مطالبہ کیا اور تجویز کیا کہ بلوچستان اور شمال مغربی سرحد صوبہ کے پشتون علاقوں کو ملا کر ایک نئے صوبے کی تشکیل عمل میں لائی جائے اس صوبے کا نام پشتونستان یا کوئی اور ایسا نام، جس سے اس کی قومیت کا اظہار ہو، ہو سکتا ہے۔ اس مطالبے میں واضح کر دیا گیا کہ وہ یہ صوبہ پاکستان کے اندر رہتے ہوئے، وفاق کی ایک وحدت کے طور پر چاہتے ہوں لیکن اس وحدت کو مکمل صوبائی خود مختاری حاصل ہونی چاہئے۔

جب اواخر 1956ء میں پاکستان نیشنل پارٹی کی تشکیل ہوئی تو اس میں ورور پختون بھی ضم ہو گئی۔

حوالے: سیاسی جماعتیں

1. رفیق افضل۔ پولٹیکل پارٹیز ان پاکستان 58-1947ء، (انگریزی) جلد اول۔ اسلام آباد
2. کے۔ کے عزیز۔ پارٹی پالیٹکس ان پاکستان 58-1947ء (انگریزی) اسلام آباد
3. ڈاکٹر صفدر محمود۔ پاکستان مسلم لیگ کا دور حکومت، 54-1947ء لاہور
4. مہدی حسن پاکستان کی سیاسی جماعتیں۔ لاہور
5. محمد عظمت اللہ بھٹی۔ علامہ مشرقی۔ گجرات، 1963ء
6. فارغ بخاری۔ باچا خان، لاہور، 1957ء
7. مولانا عبدالستار خان نیازی۔ میں۔ لاہور، 1991ء
8. ماہنامہ "سرخ پرچم" جلد نمبر12، شمارہ نمبر7، جولائی 84ء
9. وی۔ ایف۔ آگیبف۔ سندھ۔ تاریخ کے آئینے میں، کراچی، 1989ء
10. منشور مرکزی مجلس عمل، جمعیت العلمائے پاکستان۔ لاہور
11. محمود حسن خان۔۔۔ سندھ ہاری کمیٹی، ایک تجزیہ ریسرچ فورم۔ شمارہ نمبر4
12. جن بھٹو۔۔۔ سندھ کا زرعی نظام اور ہاری جدوجہد ریسرچ فورم، شمارہ نمبر9
13. میر گل خان نصیر۔۔۔ بلوچستان، قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں۔ کوئٹہ، 1982ء

اخبارات اور جرائد

1. روزنامہ 'ڈان' (انگریزی) کراچی 58-1947ء کے متفرق شمارے
2. روزنامہ 'پاکستان ٹائمز' (انگریزی) لاہور 58-1947ء کے متفرق شمارے
3. روزنامہ 'نوائے وقت' (اردو) لاہور 58-1947ء کے متفرق شمارے
4. روزنامہ 'امروز' (اردو) لاہور 58-1948ء کے متفرق شمارے
5. ہفت روزہ 'لیل و نہار' 58-1957ء کے متفرق شمارے 71-1970ء کے مختلف شمارے

چوتھا حصہ

دستاویزات

پاکستان اور بھارت کے درمیان مسلح افواج کی تقسیم

(اپریل 1947ء)

مسلح افواج کی تقسیم

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے مجموعی تحفظ و استحکام اور مستقبل میں اس کی فوجی قوت کی نشوونما کے لئے ایک دفاعی فوج جو مرکزی کنٹرول کے تحت ہو' بہت ضروری ہے لیکن ملک میں مضبوط سیاسی اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ایسی دفاعی فوج کو منقسم وفاداریوں' شکوک و شبہات اور امتیازی سلوک کا خطرہ لاحق ہو گا جو اسے امتداد زمانہ کے ساتھ بالکل ناکارہ بنا دے گا۔

اس لئے یا تو سیاسی رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلح افواج کو تقسیم کر کے اس کی اس طرح تنظیم نو کرنی چاہئے کہ ایک فوج کی بجائے جو اس وقت انتشار کا شکار ہے دو فوجیں وجود میں آ جائیں خواہ وہ استعداد و قوت میں کمزور ہوں مگر حقیقتاً قابل اعتماد ہوں۔ یا پھر مستقبل میں ہندوستان کی فوجی قوت کی غرض سے سیاستدانوں کو ایک معقول متحد مرکز کے نظریہ پر متفق ہو جانا چاہئے۔ عام خیال یہ ہے کہ آخر الذکر طریقہ کار اختیار کرنے کے لئے فوجی نقطہ نگاہ سے قطع نظر کوئی معقول جواز یا توجیہ موجود نہیں ہے چنانچہ یہ دستاویز مندرجہ ذیل باتوں کی توضیح کے لئے تیار کی گئی ہے۔

حصہ اول۔ تقسیم کس طرح مناسب اور قابل عمل ہے۔

حصہ دوم۔ تقسیم کی بنیاد۔ اور اسے کس طرح پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

حصہ اول

تقسیم کس طرح مناسب اور قابل عمل ہے۔

1- اگر پاکستان معرض وجود میں آ جاتا ہے تو پھر اس کی اپنی فوج ہو گی یا پاک و ہند کی مشترک فوج ہو گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اس وقت تک مطلق العنان اور خود مختار نہیں ہو سکتا جب تک یہ فوجی خود مختاری حاصل نہیں کر لیتا۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مستقبل میں کوئی بھی چھوٹا ملک اور چھوٹا ہی کیا' بڑے ملک بھی اپنے دفاع کے لئے اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہو سکتے اور اس طرح مکمل فوجی خود مختاری کا کہیں پایا جانا بعید از قیاس ہو گا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مملکت اپنی افواج کو دوسری مملکت کی فوجوں میں اس حد تک مدغم کر دے کہ ان پر اس کا کوئی حقیقی کنٹرول باقی نہ رہے اور اس طرح یہ خطرہ مول لے لے کہ اس پر بغیر کسی روک ٹوک کے حملہ کیا جا سکے۔ بالکل یہی صورت رونما ہو سکتی ہے اگر سیاسی طور پر خود مختار پاکستان' ہندوستان سے مل کر ایک مشترک دفاعی فوج پر رضامند ہو جاتا ہے' ایسی مشترک فوجی تنظیم کو کتنا ہی بہت ضروری سمجھا جائے لیکن چونکہ اس کا کنٹرول مرکز کے پاس ہو گا اس لئے جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے' ان کے لئے حقیقتاً یہ ایک مقبوضہ فوج ہو گی۔

2- بہت سے فوجی' مسلح افواج کی تقسیم کے خلاف ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ تقسیم' ہندوستان کے مجموعی تحفظ و استحکام کو کافی حد تک کمزور کر دے گی اور اس کی وجہ سے دفاع کے اس موجودہ ڈھانچہ کو بالکل نئی صورت میں ڈھالنا ہو گا جو بڑے تجربے اور سوچ بچار کے بعد وضع کیا گیا ہے یہ خدشہ غیر معقول نہیں ہے لیکن یہ عام طور پر محسوس نہیں کیا جاتا کہ ہندوستان کے دفاع کے موجودہ تصور کی بنیاد جن عوامل پر رکھی گئی تھی وہ اب موجود نہیں ہیں۔

پہلی بات یہ کہ موجودہ افواج کی تشکیل اس طرح کی گئی تھی کہ وہ اس دفاعی منصوبے کے لئے موزوں اور مناسب ثابت ہوں جس کے تحت ہندوستان کو ایک اکائی تصور کیا گیا تھا' ایک ایسی اکائی جو مشرق میں فوجی اقدامات کے لئے مضبوط بنیاد بنے اور خام مال کے لئے ایک بہت بڑا ذریعہ۔ ایک مضبوط ہندوستان کا مطلب ایک مضبوط برطانیہ تھا۔ فوج کو داخلی حفاظت کی ضمانت بھی فراہم کرنا تھی جو انتظامیہ کی پرسکون کارکردگی کے لئے ضروری ہے اور برطانوی مقاصد کے لئے لام بندی کے کام کو بھی آسان بنانا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس فوج کو کسی ممکنہ حملے کے پہلے جھٹکے کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا اور اتنا وقت گذارنا تھا کہ باہر سے برطانوی امداد پہنچ جائے اور ہندوستان کی اپنی کوششوں کے ارتکاز و توسیع میں معاون ہو سکے۔ تیسرے یہ کہ اس فوج کو اتنا مضبوط بنانا مقصود تھا کہ وہ افغانستان' ایران اور برما پر کسی اور طاقت کے تسلط کو (ماسوائے برطانیہ) روک سکے۔ ان سب عوامل نے مل کر سلطنت انگلشیہ اور برطانیہ کی طاقت میں اضافہ کیا جس کے بدلے میں اس نے ہندوستان پر کسی بڑی طاقت کے تسلط کو نہ ہونے دیا۔ سیدھے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ برطانوی مقاصد کے تحت' روس ور جاپان کو ہندوستان سے پرے رکھا گیا جس کی وجہ سے ہندوستان کو امن و سلامتی حاصل ہوئی اور وہ ایک خراب آقا کے تحت آنے سے بچ گیا۔

یہ مقصد موجودہ مسلح افواج اور دفاعی ڈھانچہ نے بخوبی پورا کیا لیکن اب یہ مقصد باقی نہیں رہا۔

3- ہندوستان خاص طور سے جاپان اور روس کا اس لئے ہدف تھا کہ یہ تاج برطانیہ کا مشرق میں ایک بڑا اڈہ تھا اور اس طرح دونوں ممالک کے

لئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا لیکن اب یہاں سے برطانیہ کے رخصت ہو جانے کے بعد یہ خطرہ ٹل گیا ہے۔

جاپان کا حالیہ شکست کے بعد سے، ہمارا براہ راست کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایک مضبوط چین، ایک خود مختار برما اور اینگلو امریکن بحریہ ہمارے درمیان زیادہ موثر انداز میں دخل انداز ہو سکتے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ براہ راست ہم میں تصادم ہو دوسرے ممالک بھی ملوث ہو جائیں گے اور ہمیں ایک بڑے متحدہ دفاعی محاذ کا حصہ بننا پڑے گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مختلف فوجوں کو بہت ہوشمندی اور احتیاط کے ساتھ آپس میں تعاون اور ہم آہنگی پیدا کرنی ہوگی اور یوں بجائے ایک ہندوستانی مسلح فوج کے، اگر دو فوجیں ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن دوسری طرف اگر براہ راست حملے کا خطرہ ہو تو پھر مستقل ایک متحدہ مسلح فوج یقیناً ضروری ہو گی۔ اسی طرح اگر ہندوستان میں مجموعی طور پر برطانوی تفوق اور اقتدار اعلیٰ قائم رہتا ہے تو ایک فوج زیادہ سودمند ہوگی کیونکہ اس طرح ہم غیر مزلوط مشقت اور دشواریوں سے بچ جائیں گے لیکن ابھی کچھ سالوں تک مشرق کی طرف سے براہ راست حملے کے خطرے کا امکان نظر نہیں آتا اور ہندوستان میں برطانیہ کا مجموعی تفوق اور برتری بھی اگلے سال ختم ہو جائے گی۔

4- جہاں تک روس کا تعلق ہے، ہندوستان سے برطانوی اقتدار کے خاتمے کے بعد اس کے پاس وہ قابل تسلیم بہانہ بھی ختم ہو جائے گا جس کا سہارا لے کر وہ ہماری طرف پیش قدمی کر سکتا تھا پھر بھی اگر روس سے ہمارا تصادم ہوتا ہے تو صورتحال یہ ہوگی۔

بحریہ

ہندوستانی بحریہ کے متحد یا غیر متحد ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اس کی قوت کی کمی سے قطع نظر، یہ بحرہند میں اپنے طور پر انفرادی جنگ کی متحمل نہیں ہو سکے گی۔ ایک ایسی جنگ جس میں برطانوی بحریہ پہلے ہی سے ملوث نہ ہو۔

فضائی فوج

ایٹم بم، جیٹ طیاروں، کائناتی شعاؤں، راکٹوں اور بڑھتی ہوئی ہوا گیر فوجوں کے اس عہد میں ہندوستان سکوڈرن خواہ وہ متحد ہوں یا غیر متحد، کوئی اہمیت نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ توسیع کے لئے انکی ایک مرکزی اہمیت ہے اور یہ توسیع بھی ایک عرصہ دراز تک بیرونی مشینوں کی مرہون منت رہے گی۔

بری فوج

مغرب کی جانب سے کسی حملے کے امکان کے پیش نظر، فوجی منصوبہ بظاہر اب تک یہ رہا ہے کہ قبائلی علاقوں کے اگلے اڈوں پر قابض رہا جائے تاکہ ان علاقوں میں بیرونی اثرات کی افزائش کو روکا جا سکے اور کسی حملے کی صورت میں اتنی مہلت حاصل کر لی جائے کہ میدانی فوجوں کو جنگ کے لئے تیار کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس منصوبہ بندی میں ایک ایسی میدانی فوج کی فراہمی بھی شامل ہے کہ جس میں توسیع کی اہلیت وصلاحیت ہو۔

اس منصوبے کا بنیادی ڈھانچہ آزاد اور خود مختار ہندوستان میں بالآخر بدلنا ہو گا۔ ایک آزاد ہندوستان اور خاص کر شمال میں ایک مسلم ریاست یا گروپ کی موجودگی، قبائلی علاقہ پر قابض ہونے کے جواز کی نفی کرتی ہے۔ اخلاقی اور سیاسی اسباب کی بنا پر یہ تمام محافظ فوجیں وہاں سے ہٹانی پڑیں گی اور فوجی نقطہ نظر سے بھی ان اگلے علاقوں پر قابض رہنا نا مناسب ہو گا کیونکہ ایک ہوا گیر فوج کا انکی پشت پر کھلے میدانوں میں اترنا، ہماری پوزیشن کو غیر مستحکم بنا دے گا۔ اس کی بجائے بہتر یہ ہو گا کہ ہم قبائلیوں کے ساتھ قریبی روابط، سیاسی معاہدے اور باہمی اعتماد پیدا کریں اور ان کے لئے نئے اقتصادی امکانات کی راہ ہموار کریں۔ اس کے لئے آباد علاقوں اور ہندوستان کو مجموعی طور پر حملوں سے ضروری تحفظ فراہم کرنا ہو گا لیکن اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جہاں تک مغرب کی طرف سے کسی حملے کا تعلق ہے، موجودہ دفاعی ڈھانچہ بالکل کمزور ثابت ہو گا اور اس لئے روس سے دوستانہ معاہدہ کئے بغیر یا متبادل طور پر برطانیہ سے ایک جارحانہ دفاعی معاہدہ کئے بغیر (جو یقیناً روس کے خلاف ہو گا) ہندوستان کی پوزیشن ہر صورت میں کمزور رہے گی خواہ اس کی ایک مسلح فوج ہو یا دو فوجیں ہوں۔

5- پس جہاں تک ہندوستان کے خارجی دفاع کا تعلق ہے (خاص طور پر ہندوستانی نقطہ نگاہ سے) موجودہ مسلح افواج کی تقسیم ہمارے فوری اور قریب ترین امکانات کو مادی طور پر زیادہ خراب نہیں کرے گی۔ چنانچہ ہمارا کردار اس بنیادی مقصد کے تحت تبدیل ہونا چاہئے کہ ہمیں ایک ایسا مرکزہ برقرار رکھنا ہے جو اتنا بڑا ہو کہ مناسب تربیت، فنی ترقی اور سبک رفتار توسیع کی ضمانت دے سکے اور یہ سب کچھ اس نظریہ کے تحت ہو کہ جب بھی کسی آئندہ جنگ کا خطرہ درپیش ہو تو کسی بین الاقوامی دفاعی محاذ میں شامل ہونے کے قابل ہو سکے یہ مقصد دو خود مختار فوجوں کو رکھ کر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہ دونوں فوجیں شاندار نتائج بھی حاصل کر سکیں گی اگر یہ ایک مشترک دفاعی پالیسی اور مشترک تربیتی طریقے اختیار کریں۔

یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ فوجوں کی تقسیم داخلی جنگ کے خطرے کو بڑھا دے گی۔ اگر دونوں مملکتیں ایک دوسرے کی دشمنی پر اتر آئیں تو پھر اسلحہ کی دوڑ شروع ہو جائے گی جو کسی تصادم یا بڑی جنگ پر

ختم ہو گی، لیکن ایک مشترکہ دفاعی کاؤنسل قائم کر کے اس افسوس ناک صورتحال سے بچا جا سکتا ہے جو دونوں الگ الگ لیکن قابل اعتماد فوجوں کے لئے ایک متحدہ دفاع کا منصوبہ تیار کرے۔ برخلاف اس کے سیاسی طور پر غیر مطمئن دو مملکتوں یا قوموں کی اگر ایک ہی فوج ہو تو اس کے مکمل انتشار کا اندیشہ لاحق رہے گا اور یہ امن و امان کے لئے بھی ایک خطرہ بنی رہے گی۔

6- اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی سیاسی آزادی اور خود مختاری کا خواب حقیقت بن جاتا ہے تو پھر مسلح افواج کی تقسیم ضروری ہے۔ ہندوستان کے خارجی دفاع کے لئے اس تقسیم سے کوئی فوری خطرہ لاحق نہیں ہوتا چونکہ آزادی کے بعد ہندوستان کے مستقبل کا دفاعی ڈھانچہ بدل کر از سرنو ترتیب دینا ہو گا، ہمارے پاس کافی وقت ہو گا کہ ہم دو فوجوں کی بنیاد اس کی تشکیل اسی آسانی سے کر لیں جیسی ایک فوج کی بنیاد پر کرتے۔ داخلی طور پر بھی ایک فوج، جس کی وفاداریاں منقسم ہوں اور جس کے منتشر ہونے کا ہر وقت اندیشہ ہو، ان دو فوجوں کے مقابلے میں جو اپنی اپنی جگہ پر کم سے کم قابل اعتماد تو ہوں، کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ آیا یہ تقسیم جون 1948ء سے پہلے ممکن ہے اور اگر ہے تو اس کی بنیاد کیا ہو گی۔

حصہ دوم

1- مسلح افواج اور اس کے ساز و سامان میں سے پاکستان کس قدر حصہ کا حقدار ہے، اس کا تعین یا تو مسلح افواج میں موجودہ مسلم اور غیر مسلم تناسب کی بنیاد پر (یعنی 30 اور 70) یا ہندوستان اور پاکستان کی کل آبادی کے تناسب کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ بعد الذکر متبادل صورت غالباً زیادہ منصفانہ اور جائز ہے۔

پورے ہندوستان کی آبادی ریاستوں کو چھوڑ کر تقریباً تین سو ملین یعنی تیس کروڑ ہے۔ جس میں سے پاکستان کو ستر سے اٹھانوے ملین تک یعنی تقریباً سات کروڑ سے آٹھ نو کروڑ تک منتقل ہو جائے گی (اور اس کا بھی انحصار اس بات پر ہو گا کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم عمل میں آتی ہے یا نہیں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان 25% سے 30% تک کا حقدار ہو گا۔ ممکن ہے کہ پاکستان کو اس تمام حصے کی ضرورت بھی نہ ہو یا ممکن ہے کہ اس کے لئے اس قدر فوج کے اخراجات کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو۔ اس کا فیصلہ تو پاکستان کے دفاعی مسئلہ اور اس کی اقتصادی حالت کا پورا جائزہ لینے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال آغاز تقسیم پر اس کا پورا حصہ اس کے لئے دستیاب اور ممکن الحصول ہونا چاہئے۔ مندرجہ بالا بنیاد پر افسروں، جوانوں اور ساز و سامان کی تقسیم کوئی پیچیدہ مسئلہ کھڑا نہیں کرے گی۔ غیر منقولہ اثاثوں مثلاً اسلحہ سازی کے کارخانوں سلاح خانوں، فوجی مدرسوں، ہسپتالوں، رہائش گاہوں اور مختلف اداروں میں سے پاکستان کا پورا پورا حصہ اسے دینا پڑے گا اور جہاں ضرورت محسوس ہو گی وہاں مالی تلافی کرنی پڑے گی۔ یہ بھی مناسب ہو گا کہ ایک پانچ سالہ معاہدہ ایسا کیا جائے جس کے تحت ایک مخصوص فیس کی ادائیگی کے بعد تربیتی اداروں کے مشترک استعمال کی اجازت دیدی جائے جب تک دونوں مملکتیں خود خواہش نہ کریں نئی افواج خالصتاً مسلم یا غیر مسلم نہیں ہونی چاہئیں۔ انکی تشکیل ایسی ہونی چاہئے جو ان مملکتوں کی اجتماعی آبادی کی عکاسی کر سکے۔ جہاں تک افسروں یا کم از کم سینئر افسروں کا تعلق ہے یہ مناسب ہو گا کہ ابتدا میں ان کا تقرر صرف مسلم اور غیر مسلم بنیاد پر ہو۔ بعد میں دونوں مملکتیں اس واضح شرط پر تبادلے کی ہمت افزائی کر سکتی ہیں اور اس کی اجازت دے سکتی ہیں کہ ایک پاکستان کا شہری جو ہندوستان کی فوج میں کام کرتا ہو، پاکستان کا مزید شہری نہیں رہے گا اور اسی طرح ہندوستان کا شہری جو پاکستان کی فوج میں کام کر رہا ہو، ہندوستان کا شہری نہیں ہو گا۔

2- مندرجہ بالا پر عمل در آمد کرنے کا مطلب ہے کہ کاغذ پر فوری تقسیم کی منصوبہ بندی اور تنظیم نو کی جائے جس میں دو متوازن فوجوں کا خاکہ پیش کیا جائے۔ ایسے منصوبے کی مفصل توضیحات کے لئے کافی وقت درکار ہو گا۔ اس کو عملی جامہ پہنانا، پرامن حالات اور تمام متعلقہ لوگوں کے تعاون کے باوجود ایک پیچیدہ اور مہنگا اقدام ہو گا کیونکہ اس کا مطلب تقریباً تمام یونٹوں کو توڑ کر انکی تشکیل نو کرنا ہو گا۔ علاوہ ازیں ریکارڈ کے کھنگالنے میں دفتری کام بہت بڑھ جائے گا۔ تمام ملک میں متعدد کمیٹیاں اور ذیلی کمیٹیاں قائم کرنی پڑیں گی جو تمام عوامل کے جائزے اور اندازے کے بعد تقسیم کو بروئے کار لائیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ مہینوں تک ہمارے ذرائع نقل و حمل پر بہت بڑا بوجھ پڑے گا۔ کام یقیناً بہت دشوار اور محنت طلب ہے اور موجودہ حالات میں کئی اضافی خطرات بھی اس میں مضمر ہیں۔ اس تنظیم نو کے عرصے میں افسروں اور جوانوں میں ناپسندیدگی اور جھنجھلاہٹ کے آثار رونما ہو سکتے ہیں اور ایسے مواقع بھی آ سکتے ہیں جب بد نظمی کا امکان ہو۔ فوج کے کچھ حصے خاص طور سے اس وقت اپنا موثر کردار ادا نہیں کر سکتے جب داخلی امن و امان اور سلامتی کو ان کی خدمات کی اشد ضرورت ہو۔

پھر بھی یہ مشکلات ایسی نہیں ہیں جن پر قابو نہ پایا جا سکے اور یقیناً اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اہم سیاسی مسائل کی راہ میں مزاحم ہوں۔ اس دلیل میں کوئی وزن نہیں کہ محض ایک مشتبہ داخلی سلامتی کی خاطر اور آئندہ ایک سال تک فوجی سہولتوں کے لئے لوگوں کی آزادی کا مستقبل خطرے میں ڈال دیا جائے وقت کتنا ہی کم سہی، اس سال کی فوقیت کو نظرانداز اور فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ آج کی

مشکلات، جبکہ ایک غیر جانبدر طاقت اور حکومت کا مسلح افواج پر کنٹرول ہے، 1948ء کے بعد سوگنا بڑھ جائیں گی جب دو دلچسپی لینے والے ایک میدان میں اتر آئیں گے۔ اس لئے یہ کام ان خطرات کے پیش نظر فوری طور پر ہاتھ میں لے لینا چاہئے جو مرحلہ وار پروگرام کے تحت کم کئے جا سکتے ہیں۔

3- ایک مرحلہ وار پروگرام تیار کیا جا سکتا ہے جو سیاسی تصفیہ کی رفتار ترقی پر عمل کر سکے اور اس سے ہم آہنگ ہو۔ ایسی صورت میں کام فورا شروع کیا جا سکتا ہے اور دیگر مرحلے اس وقت شرع کئے جائیں جب مناسب سیاسی مواقع میسر آئیں۔

اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جاتا ہے تو مزید فیصلہ کن اقدامات کو متاثر کئے بغیر کچھ ابتدائی کارروائیاں بھی کی جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر موجودہ شمالی کمان حقیقتاً شمال مغربی پاکستان کے اور راجپوتانہ کے ایک حصے پر مشتمل ہے۔ اس سے راجپوتانہ کی علیحدگی صرف ایک کاغذی کارروائی ہو گی جب کہ انبالہ سب ایریا کی علیحدگی سے حقیقتاً وہ علاقے الگ ہو جائیں گے جنہیں پنجاب کی تقسیم دولخت کر دے گی۔ باقی ماندہ کی علاقائی تقسیم یعنی سرحدی علاقہ، پنجاب کا علاقہ اور سندھ کا علاقہ (بشمول بلوچستان) جو سب کے سب نادرن کمان ہیڈکوارٹر کے کنٹرول میں ہیں، پاکستانی فوج کی تشکیل کے لئے ایک مثالی اور مکمل ڈھانچہ فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح مشرق میں اگر بنگال کی تقسیم عمل میں آ جاتی ہے تو تھوڑی بہت ترمیم کے بعد، بنگال اور آسام علاقوں کا ہیڈکوارٹر (جو کلکتہ میں ہے) اور اس کے دو سب ایریا کو جو کلکتہ اور شیلانگ میں ہیں، اپنایا جا سکتا ہے۔ یوں ایک فوج کا سب سے اہم اور مشکل کردار یا ذمہ داری یعنی اس کے ہیڈکوارٹرز کا بنیادی فریم ورک، مواصلات، تنصیبات، نگہداشت اور انتظامی امور کے لئے ضروری تنظیم، یہ سب حقیقتاً آج اپنا وجود رکھتے ہیں۔ مشرق اور شمال مغرب میں اس تنظیم میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہو گی اور اس کے متعلق دعویدار حریفوں کے درمیان جھگڑا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لئے پہلے اقدام کے طور پر، جو فوری طور پر اٹھایا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ ان ہیڈکوارٹروں مستقروں، بحریہ فضائیہ اور بری افواج اور مسلم اکثریت والے یونٹوں میں، جو ان علاقوں میں واقع ہیں، مسلمان افسروں کا تقرر شروع کر دیا جائے۔ غیر مسلم سٹاف (برطانویوں کے علاوہ) چند ماہ کے عرصے میں آسانی کے ساتھ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ کم از کم اس حد تک کہ تمام کلیدی اور اہم عہدے مسلمانوں کے پاس رہیں۔

بڑی یونٹوں کی تفویض کا ابتدائی خاکہ تیار کرنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ مثال کے طور پر یہ بالکل ظاہر ہے کہ فرنٹیئر فورس رائفلز جس کا مرکز ایبٹ آباد ہے اور فرسٹ پنجاب رجمنٹ جس کا مرکز جہلم میں ہے (اور ان دونوں حصوں میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب پچاس فی صد یا اس سے زیادہ ہے) پاکستان کے حصے میں آئیں گی۔ اس لئے ان رجمنوں کی بٹالینوں کو فورا مسلم کمانڈنگ افسروں کے سپرد کیا جانا چاہئے اور غیر مسلم افسروں اور جوانوں کے مزید تقرر کو روک دینا چاہیے اور پھر ناردرن کمانڈ اور بنگال کے علاقوں کے تمام تر یا بیشتر غیر مسلم یونٹوں کی تمام متوقع نقل و حرکت کے رخ کو فورا موڑا جا سکتا ہے۔ سٹاف کی یہ تمام تبدیلیاں، روانگیوں کا رد و بدل اور بھرتی کی کٹوتی، یہ سب کام آخری فیصلوں کو زد پہنچائے بغیر فورا شروع کئے جا سکتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ نیشنل لائزیشن کے فریم ورک میں رہتے ہوئے اور عام تنظیم نو اور لام شکنی کے تحت جو ابھی جاری ہے، تیزی کے ساتھ مکمل کئے جا سکتے ہیں۔

اس دوران تقسیم کے مسئلے کا اعلیٰ سطح پر تفصیلی جائزہ لیا جا سکتا ہے اور ایک کمیٹی مقرر کی جا سکتی ہے جو منقسم فوج کے دو متوازن فوجی حصوں کی تنظیم نو کا جائزہ لے۔ جب جنرل سٹاف پلان مکمل ہو جائے ۵

پہلا مرحلہ تو یہ کہ پاکستانی علاقوں کے ہیڈکوارٹروں میں مسلمانوں کا ابتدائی تقرر پہلے ہی ہو چکا ہو گا اور ان بیشتر یونٹوں کو مسلم کمانڈنگ آفیسرز اور دوسرے افسران کے سپرد کر دیا گیا ہو گا۔ دوسرے یہ کہ بقیہ یونٹوں کو افسر مہیا کرنا، ذیلی یا ضمنی سروسز کا مناسب جگہ پر تعین کرنا اور نگہداشتی اور انتظامی امور کو آخری شکل دینا، یہ سب کام بغیر کسی مشکل کے سرانجام پا جائیں گے کیونکہ زیادہ تر کا وجود پہلے ہی سے موجود ہے اور صرف عملے کا معمولی سار دو بدل ضروری ہو گا اس وقت تک پاکستانی علاقوں میں ایسی یونٹیں اب نہیں ہوں گی جو غیر مسلم اکثریت پر مشتمل ہوں۔ اس لئے اگر سیاسی اسباب کی بنا پر یونٹوں کی ساخت اور ہیئت میں ابھی تک کسی ردو بدل کی ابتدا نہیں کی گئی ہے کم از کم دونوں افواج کا اصل ڈھانچہ ضرور وجود میں آ چکا ہو گا اور اس کا چارج لینے کے لئے مناسب سٹاف تیار ہو گا تیسرے یہ کہ اب آئندہ سے اقدام بین اور شدید ہو گا۔ یہ ان احکامات پر مشتمل ہو گا جو متعلقہ لوگوں کو نئی ہیئت ترکیبی کے بارے میں تبادلوں کی تیاری، بے شمار کمیٹیوں اور ذیلی کمیٹیوں کے قیام اور بڑے پیمانے پر فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق صادر کئے جائیں گے۔ یہ مرحلہ آسانی کے ساتھ جون 48ء یا اس کے بعد تک بھی جاری رہ سکتا ہے لیکن اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک ادارے کا مضبوطی سے قائم ہونا بہت ضروری ہو گا۔ چوتھے ایک ایسی مشترک دفاعی کاؤنسل یا مذاکراتی کمیٹی کا قیام جو مشترک دفاعی پالیسی کے مسائل، تربیتی سہولتوں، امداد باہمی کے معاملوں، معاہدوں اور تقسیم فوج کی تکمیل سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو سکے اور ان تمام کاموں کو نمٹا سکے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جون 1948ء تک فوج حقیقتاً تقسیم نہیں ہو گی،

جس کی وفاداریاں ابھی ملک معظم کے ساتھ ہی ہوں گی اور ہر شخص جہاں بھی جس عہدے پر بھی ہے کمانڈر ان چیف اور اس کے ہیڈکوارٹر کے ماتحت ہو گا۔ یہ متحدہ کمان نظم و ضبط کے برقرار رکھنے کی ضمانت دے سکتی ہے اور اسے دینا چاہئے۔ اب تک جو کچھ حقیقتاً ہو چکا ہو گا' فوج کی تنظیم نو کے سلسلے میں ہوا ہو گا۔ جب منتقلی کا وقت آئے گا' بنگال اور آسام کے علاقوں کی ناردرن کمانڈ بقیہ سے الگ کر لی جائے گی جس کی وجہ سے جہاں تک فوج کے مرکب حصوں کا تعلق ہے' کوئی فوری اور یک لخت تبدیلی محسوس نہیں ہو گی۔

بالاخر یہ ظاہر ہوا کہ باوجود تمام تر مشکلات کے' مسلح افواج کی تقسیم کا کام جون 1948ء تک پورا کرنا' ناممکن نہیں ہے۔ دونوں افواج کا فریم ورک اور ضروری نگہداشتی اور انتظامی ادارہ اس وقت موجود ہے۔ فوج کے قومیانے کی ضرورت کے تحت ایسا کچھ ردو و بدل کیا جا سکتا ہے کہ شمال مغرب میں حقیقتاً ایک مسلم فوج وجود میں آ جائے۔ اس حقیقت نے کہ فوج کے تمام حصے جون 1948ء تک کمانڈر ان چیف ہی کے ماتحت برقرار رہیں گے اور اپنی وفاداریاں ملک معظم کے ساتھ وابستہ رکھیں گے اور اس حقیقت نے کہ فوج کے فریم ورک کی ہیئت یا ساخت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو گی' عبوری دور کے خطرات کو کم کر دیا۔

(2) مسلح افواج کی تنظیم نو پر لیاقت علی کی دستاویز اور بلدیو سنگھ کا تبصرہ۔

ہندوستانی مسلح افواج کی تقسیم کیلئے منصوبہ بندی کی تیاری۔
(دستاویز از عزت مآب ممبر مالیات)

1- ہندوستانی مسلح افواج' جن میں بری' بحری اور ہوائی تینوں فوجیں شامل ہیں' آج کل قومیائے جانے اور تنظیم نو کے مراحل میں ہیں۔ تنظیم نو کا مقصد دوران جنگ' سپاہی اور ہتھیار فراہم کرنا ہے اور فوجوں کو قومیانے کا منشا یہ ہے کہ ہندوستانی مسلح افواج کے تمام برطانوی افسروں اور جوانوں کی جگہ جتنی جلد ممکن ہو سکے' ہندوستانیوں کو شامل کیا جائے۔ فوج کو قومیانے سے بنیادی طور پر صرف افسران کا طبقہ متاثر ہو گا جس میں اعلیٰ اختیاراتی عہدے شامل ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں' بری' ہوائی اور بحری افواج کے لئے کمانڈر ان چیف اور تینوں افواج کے آرمی کمانڈرز' پرنسپل اسٹاف آفیسرز اور دوسرے کلیدی عہدوں' پر ہندوستانی افسروں کی تقرری کا سوال پہلے ہی زیر غور ہے۔

2- 20- فروری 47ء کو جاری کئے گئے' سلطنت انگلیشیہ کے بیان کے بعد ایک متحدہ ہندوستان اور ایک متحد فوج کو رکھنا ناممکنات میں سے تھا۔

اس کے باوجود افواج کی تنظیم نو اور قومیانے کا عمل اس مفروضے پر جاری ہے کہ ان افواج کو ایک واحد اکائی ہی کی صورت میں رہنا ہے اور اس طرح ایک متحد یا منقسم ہندوستان کے بنیادی آئینی مسئلے کے بارے میں ایک بہت اہم نکتے پر پہلے سے رائے قائم کی جا رہی ہے جس سے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کا لازمی نتیجہ مسلح افواج کی تقسیم ہے کیونکہ کوئی ریاست اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتی جب تک اس کی اپنی مسلح افواج نہ ہوں کیونکہ انہی افواج پر نہ صرف امن و امان بلکہ بیرونی دفاع کی بھی حتمی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

3- مسلح افواج کو ایک واحد اکائی سمجھنے کا ایک اور سنگین نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو مسلم یونٹوں کی تنظیم پر کوئی توجہ دی جاتی ہے اور نہ ہی مسلح افواج میں مسلمانوں کی مناسب تعداد میں نمائندگی اور عہدوں پر تقرری کو درخور اعتنا سمجھا جاتا ہے۔ اب تک ممبر دفاع سے مجھے جو اعداد و شمار ملے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلح افواج میں اور خاص طور پر تینوں افواج کے آفیسر کیڈر میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت ناکافی ہے اور بحریہ اور ایئر فورس میں تو یہ کمی اور بھی نمایاں ہے۔ میں اس موضوع پر مزید معلومات جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور کچھ عرصے کے بعد اس مسئلے کو اٹھاؤں گا۔ یہاں اس ذکر سے مراد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ وہ مسلح افواج جن میں تعداد اور عہدوں کے لحاظ سے مسلمانوں کی کافی نمائندگی نہیں ہو رہی' وہ مسلمانوں کے اعتماد سے بھی محروم رہیں گی۔ یہ صورت حال ملکی تحفظ کیلئے بھی شدید خطرے اور تباہ کن نتائج کا سبب ہو سکتی ہے

4- اس غرض سے کہ آئینی مسئلے پر پہلے سے رائے قائم نہ کی جائے' یہ ضروری معلوم ہوا ہے کہ کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب دیا جائے جو کسی سیاسی پارٹی کے حق یا مخالفت میں نہ جاتا ہو۔ یہ غیر جانبدار پوزیشن اسی وقت حاصل ہو گی جب مسلح افواج کی اس طرح تنظیم نو کی جائے کہ اگر تقسیم ملک کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو تو انہیں بھی دو ٹکڑوں میں بانٹا جا سکے۔ مسلح افواج کی تقسیم کے لئے لازمی ابتدائیہ کے طور پر کمانڈر ان چیف اور ان کا اسٹاف ایک پلان تیار کر رہے ہیں۔ اس میں یقینی طور پر چند ہفتے لگ جائیں گے اور اگر اسے فوری طور پر ہاتھ میں لے لیا گیا تو یہ منصوبہ اس وقت تک تیار ہو جائے گا جب تک بنیادی آئینی مسئلے کے بارے میں کوئی فیصلہ ہوتا ہے۔ سلطنت انگلیشیہ نے وقت کی جو حد مقرر کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ایسے منصوبے کی تیاری میں کوئی وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے جو کسی طرح بھی نہ تو موجودہ سیاسی گفت و شنید میں حارج ہوتا ہے اور نہ اس سے مسلح افواج کی موجودہ حیثیت میں کوئی فرق آتا ہے۔

5- چنانچہ میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ:-

(i) کمانڈر ان چیف سے درخواست کی جائے کہ وہ مسلح افواج کی تقسیم کے لئے ایک منصوبہ تیار کریں۔

(ii) متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر افواج کی تنظیم نو اور قومیانے کے موجودہ منصوبوں پر عمل در آمد اس وقت تک معطل کر دیا جائے جب تک آئینی مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہو جاتا۔ یہ بات بے حد اہم ہے کیونکہ اگر موجودہ منصوبوں پر اصرار کیا گیا تو بعد کے کسی مرحلے میں ان منصوبوں کا عکس نتیجہ ایک بڑی تباہی کا سبب بن جائے گا' اور یہ تباہی مسلح افواج کی کارکردگی پر بری طرح اثرانداز ہو سکتی ہے۔

انتہائی خفیہ

آنریبل ممبردفاع کا تبصرہ

"ہندوستانی مسلح افواج کی تقسیم کے لئے منصوبہ کی تیاری" کے موضوع پریس نے آنریبل ممبر مالیات کی دستاویز کو بڑے غور سے پڑھا ہے۔

یہ درست ہے کہ آج کل ہندوستانی مسلح افواج تنظیم نو اور قومیائے جانے کے مرحلے سے گذر رہی ہیں اور جیسا کہ دستاویز میں بھی اشارہ کیا گیا ہے' یہ عمل وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ تنظیم نو کی ضرورت محدود اور مہیا فنڈز کے اندر' بعد از جنگ حالات کی طرف واپسی ہنگامی حالت کے تحت محسوس کی گئی' اس کے ساتھ ہی وہ ناگزیر فنی اور سائنٹفک تبدیلیاں بھی شامل ہو گئیں جو جنگ میں حاصل ہونے والے تجربے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہیں۔ قومیانے کی اسکیم' رائے عامہ کے زبردست دباؤ اور موجودہ صورت حال میں ہونے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں نافذ کی گئی۔ ان تبدیلیوں کو کوئی بھی نظرانداز نہیں کر سکتا۔ تنظیم نو اور قومیانے کا عمل دونوں صرف کل ہند بنیاد پر ہی جاری رہ سکتے ہیں۔ کوئی اور طریق کار نہ تو ممکن تھا اور اور نہ عملی شکل اختیار کر سکتا تھا جس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر ہندوستان کے دفاع کے بنیادی مسئلے پر اس وقت تک کسی صورت میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی تھی جب تک تقسیم کا نسبتاً بڑا سیاسی مسئلہ (اگر اسے واقعی ظہور پذیر ہونا ہے) اپنے تمام تر مضمرات کے ساتھ قطعی اور آخری طور پر طے نہیں ہو جاتا۔ یہ کہنا کہ مسلح افواج کی تنظیم نو اور قومیانے کا عمل تقسیم کے مسئلے پر پہلے سے رائے قائم کرنے کے برابر ہے' دفاع کے وسیع تر مفادات کو کم تر بنانے اور انہیں فرقہ اور جماعت کے مفادات کی سطح تک لانا ہے۔
یہ ایک ایسی قرارداد ہے جسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔

اپنی دستاویز کے تیسرے پیرے میں' آنریبل ممبر مالیات نے "ملسم یونٹس" اور مسلح افواج کے تمام شعبوں اور شاخوں میں "مسلمانوں کی نمائندگی" کا حوالہ دیا ہے۔ یہ حوالہ ان اعداد و شمار کی روشنی میں ہے جو اس موضوع پر ان کے استفسار کے جواب میں' میں نے ان کو مہیا کئے تھے۔ میں "یونٹس" کے حوالے کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے کہ "مسلح افواج میں مسلمانوں کی نمائندگی" تو یہ بیان بہت ادھورا اور مبہم ہے۔ مجھے اس بیان اور اس کے تعریفی پہلو پر سخت اعتراض ہے جس نے بعد میں مسلم لیگ کے اخباری بیانات میں بھی جگہ پا لی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آنریبل ممبر مالیات اس سوال کو بعد میں اٹھائیں گے۔ اس دوران میں یہ کہوں گا کہ تنظیم نو اور فوج کو قومیائے جانے کے مراحل میں مسلمانوں یا کسی اور فرقے کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا۔ مسلح افواج ابھی ابھی جنگ سے فارغ ہو کر آئی ہیں اور انہیں ماضی کے معیارات پر تعمیر شدہ نظام کے مطابق منظم کیا جا رہا ہے۔ اس نظام میں وقت کی ضروریات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں اور یہ ایک طویل عرصے تک حاصل کئے گئے آرمی کمانڈرز کے تجربات پر مبنی ہے۔ اس تنظیم کی پوری اسکیم' مختلف فنی شعبوں اور سروسز کے ماہرین کمانڈران چیف کی براہ راست سربراہی میں بنا رہے ہیں اور میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی صورت میں بھی اس پلاننگ میں کوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی ہے جو کسی فرقے کے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔ چنانچہ اگر مسلح افواج کی تقسیم کے منصوبے کا مطالبہ اس تجویز کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے تو میں کم از کم یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔

میں نے آنریبل ممبر مالیات کی تجویز (جس کا کمانڈر ان چیف بھی جائزہ لے چکے ہیں) کے مضمرات پر بھی غور کیا ہے۔ ان کا نوٹ ہمرشتہ منسلک ہے۔ اس قلیل وقت میں جو انہیں حاصل تھا' انہوں نے کچھ تفصیل کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا ہے اور اس میں جو انتظامی' فنی اور مالیاتی پیچیدگیاں ہیں' ان کا بھی حوالہ دیا ہے۔ یہ ان کا محکم نظریہ ہے کہ جون 1948ء سے پہلے ہندوستان اور پاکستان کی بنیاد پر دو حصوں میں مسلح افواج کی تقسیم ممکن نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس تاریخ کے بعد بھی کافی عرصہ تک دفاعی ضروریات کی وجہ سے اور جب تک پورے فنڈ نہیں مل جاتے' یہ تقسیم ممکن نہ ہوگی۔ زیادہ بڑے نتائج کے حامل کچھ اور عوامل بھی ہیں مثلاً دونوں ریاستوں کی علاقائی سرحدیں اور آیا وہ مسلمان جو' اب فوج میں ملازم ہیں اور غیر مسلم علاقوں میں رہ رہے ہیں پاکستانی فوج کی اسکیم میں شامل کئے جائیں گے؟ اور اگر ایسا ہوا تو کیا یہ متعلقہ جوانوں اور افسروں کے حوالے سے ہو گا یا اس کے بغیر۔

مجموعی طور پر مسلح افواج کی تشکیل و تعمیر غیر فرقہ وارانہ بنیاد پر کی

گئی ہے۔ یہ افواج خوش قسمتی سے صرف ہندوستان کے لئے برسر کار رہی ہیں اور اب تک فرقہ وارانہ الجھنوں سے آزاد ہیں۔ اس بات میں کئی عوامل کا ہاتھ رہا ہے اور ان میں سب سے اہم یہ عام عقیدہ ہے کہ ملک کا سیاسی مستقبل چاہے کچھ بھی ہو، مسلح افواج کو تقسیم کرنے کی ہر کوشش، مسلم اور غیر مسلم دونوں حصوں کو نہ صرف تعداد کے لحاظ سے کمزور کر دے گی بلکہ فنی اور فوجی لحاظ سے کمزور ترین ہمسایوں کے مقابلے میں بھی قابل ذکر حد تک دشواری میں مبتلا کر دے گی۔ برطانوی افسروں کے ساتھ تعلق اور ربط و ضبط سے جو انضباط پیدا ہوا ہے وہ بری اعلیٰ قدر و قیمت کی حامل ایک مضبوط قوت ہے۔ ملک تقسیم ہو جانے کی صورت میں، فوجوں کی تقسیم کا بہرحال سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اس وقت اور اس دوران جب تقسیم کا عمل جاری ہو گا، فوج کی صلاحیت کار اور جارحانہ قوت ایک اچھے خاصے عرصے کے لئے بہت زیادہ کمزور ہو جائے گی۔ جب وقت آئے گا تو اس مسئلے کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے جس نکتہ پر سب سے زیادہ زور دینا ہے وہ یہ ہے کہ اس مرحلے پر اگر مسلح افواج کو ٹکڑوں میں بانٹنے کا صرف ذرا سا اشارہ ہی دیدیا جائے تو اس کے نتیجے میں فوج درہم برہم ہو کر رہ جائے گی اور تقریباً فوراً ہی انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ فرقہ واریت سے آلودہ اس ماحول میں، جس میں آج کل ہم اپنے آپ کو پاتے ہیں (یہاں بین الاقوامی صورت حال کے بارے میں کچھ نہیں کہنا ہے) ایسی ناگہانی اور غیر یقینی صورت حال کے بارے میں سوچنا سخت تباہی کا باعث ہو گا۔

میں یہ بھی نظرانداز نہیں کر سکتا کہ کس طرح موجودہ فرقہ وارانہ کشیدگی نے کچھ علاقوں میں انتظامیہ کو متاثر کیا ہے اور داخلی تحفظ و اطمینان پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ قانون کا احترام تیزی سے کم ہو رہا ہے۔ ملک کے بعض حصوں میں آبادی کا ایک کثیر طبقہ پولیس کی اس اہلیت و صلاحیت پر سے اپنا اعتماد کھو چکا ہے کہ وہ ان کی جان و مال کی محافظ ہے۔ اس تاریک صورت حال میں صرف ایک ہی تسکین بخش پہلو ہے اور وہ یہ کہ مسلح افواج کی امانت و دیانت ابھی تک بے داغ ہے۔ ان کی امداد و اعانت کو بلالحاظ فرقہ و جماعت ہر جگہ خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے اپنے آپ کو عوام اور حکومت کی توقعات پر پورا اترنے کے قابل بنا لیا ہے۔ یہ یقیناً ایک ناقابل تلافی نقصان ہو گا اگر ایسی قوت کو خطرے کے داؤ پر لگا دیا گیا، اس طرح یہ قوت نہ صرف کمزور ہو جائے گی بلکہ آخرکار ایک دن اپنی ساری قدر و قیمت کھو بیٹھے گی۔

ان وجوہات کی وجہ سے

(ا) میرا یہ پختہ نظریہ ہے کہ ابھی مناسب وقت نہیں ہے کہ ڈیفنس کمیٹی آف انڈیا میں آنریبل ممبر مالیات کی تجویز کو ان معنوں میں جیسا کہ انہوں نے پیش کیا ہے، زیر بحث لایا جائے۔

(ب) میں اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ مسلح افواج کو قومیانے اور تنظیم نو کے موجودہ پلان معطل کر دیئے جائیں۔ اس کے بجائے یہ پلان اس نکتہ نظر سے ضرور جاری رہنے چاہئیں کہ کئی الجھے ہوئے مسئلے فوری طور پر ہماری توجہ کے طالب ہو سکتے ہیں اور جنہیں پیسے اور وقت کے سنگین نقصان اور مسلح افواج کی کارکردگی کو خطرے میں ڈالے بغیر زینت طاق نسیاں نہیں بنایا جا سکتا۔

ان مشکلات کے پیش نظر جو میں نے بیان کیں اور اس مرحلے پر اس مسئلے کو اس کی اصلی شکل میں پیش کیا، میں یہ تجویز کروں گا کہ ہز ایکسیلنسی ان مسائل پہ، غیر رسمی طور پر خود آنریبل ممبر مالیات سے یا کسی اور آنریبل ممبر مالیات سے یا کسی اور آنریبل ممبر سے "جسے وہ مناسب سمجھیں" بات چیت کریں

بلدیو سنگھ

ممبر دفاع

25 اپریل 1947ء

انتہائی خفیہ

(3) ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف کی رائے

مجمل

ہندوستان کی مسلح افواج جیسی کہ وہ اب ہیں دو حصوں میں اس طرح تقسیم نہیں کی جا سکتیں کہ دونوں میں سے ہر ایک، ایک خود مسلح فوج بن جائے۔

کسی بھی ایسی تجویز کا مطلب، دو نئی مسلح افواج کی تعمیر و تشکیل ہو گا جن کے لئے کئی اہم اجزائے ترکیبی ٹھٹی صورت میں فی الحال موجود نہیں ہیں یا مناسب طور پر اس طرح دستیاب نہیں ہیں کہ دو علیحدہ خود مختار ریاستوں کے کام آ سکیں۔

پاکستان میں سارا اہم علاقہ شامل ہے۔ بیرونی حملے سے پاکستان کے دفاع کے لئے ہندوستان کی سرحدیں اور مطلوب بری اور ہوائی فوجیں حقیقتاً اتنی ہی ہوں گی جتنی اب پورے ہندوستان کے دفاع کے لئے چاہئے ہوتی ہیں۔

اگر پاکستان اور ہندوستان کو علیحدہ دفاعی افواج رکھنی ہیں تو یہ یقینی نظر آتا ہے کہ ان افواج کی مجموعی تعداد ان دفاعی افواج سے ہر حال میں زیادہ ہونی چاہیے جو ایک متحد ہندوستان کے لئے تشکیل دی گئی تھیں۔ چونکہ انتظامیہ کے اضافی اخراجات دگنے ہو جائیں گے اس لئے ان میں لچک کا بہت زیادہ فقدان ہو جائے گا۔

بحریہ

جہاں تک جہازوں اور عملے کا تعلق ہے' نظریاتی طور پر شاہی ہندوستانی بحریہ دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ جہاں تک عملی پہلو کا سوال ہے' یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ آیا ہندوستان یا پاکستان کے پاس اتنے وسائل بھی ہوں گے کہ وہ اتنی بڑی بحریہ کو قائم رکھنے کے متحمل ہو سکیں۔ جب کہ وہ یہ حقیقت بھی جانتے ہیں کہ اداروں کی تربیت' جہازوں کی مرمت اور انتظامیہ کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے افراد' روپیہ اور ساز و سامان بجائے ایک جگہ ہونے کے جیسا کہ اب ہے۔' دونوں ملکوں میں الگ الگ درکار ہو گا۔ مختصراً دونوں ملکوں کی بحریہ کے اضافی اخراجات' دستیاب وسائل کا ایک بڑا حصہ ہضم کر لیں گے۔

پیادہ فوج

آج ہندوستانی فوج میں ایسی کوئی پیادہ بٹالین نہیں ہے جس کے سپاہی کلی طور پر مسلمان ہوں۔ جبکہ دوسری طرف 28 بٹالیں ایسی ہیں جن کے سپاہی صرف ہندو اور سکھ ہیں۔ اس پر گورکھوں کی 25 بٹالیں مستزاد ہیں۔ یہ سب مل کر 53 بٹالیں ہیں جن میں سب کے سب ہندو سکھ اور گورکھے شامل ہیں۔ ان بٹالینوں کے افسران البتہ ملے جلے ہیں' جن میں برطانوی' ہندو' سکھ' مسلمان' عیسائی اور پارسی وغیرہ شامل ہیں۔

اس وقت تقریباً 70 اور انفنٹری (پیادہ) بٹالیں باقی بچتی ہیں جو ملے جلے طبقوں کا مرکب ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بٹالیں ان کمپنیوں سے بنی ہیں جن سے ہر ایک' ایک طبقے پر مشتمل ہے۔ ان بٹالینوں کو "پاکستان" یونٹس اور "ہندوستان" یونٹس میں منقسم کرنے کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ مختلف کلاس کمپنیوں کی نئے سرے سے حلقہ بندی کی جائے جو اپنی جگہ ایک پیچیدہ اور طویل کام ہو گا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ شمال مغربی سرحد پر سول مسلح افواج جن کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے' سب کی سب مکمل طور پر مسلمان بتائی جاتی ہیں۔

ہندوستانی بکتربند رسالے

ہندوستانی بکتر بند رسالوں میں سوائے ایک کے' تمام رجمیں ملے جلے طبقوں کا مرکب ہیں۔ یعنی انہوں نے ایسے اسکواڈرنز سے تشکیل پائی ہے جن میں سے ہر ایک' ایک مختلف طبقے پر مشمل ہے۔ چنانچہ ہندوستانی بکتر بند رسالوں کی تنظیم نو بھی اتنا ہی الجھا ہوا اور طویل مرحلہ ہو گا جتنا کہ "ملے جلے" بکتر بند رسالوں کی تنظیم نو کا مرحلہ۔

توپ خانہ اور انجینئرز

یہاں مسئلہ اتنا مشکل نہیں ہے۔ جہاں تک انجینئروں کا تعلق ہے' اندازاً بارہ مسلم کمپنیاں ہوں گی۔

آر آئی اے ایس سی:۔ بار برداری کی کمپنیاں یک طبقاتی بنیاد پر ہیں جن میں موٹر اور حیوانی بار برداری دونوں شامل ہیں۔ مسلمان کمپنیوں کی تعداد 32 ہے۔

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس میں مسائل کو بہت زیادہ آسان بنانے کا نکتہ نظر کار فرما ہے۔ فوج کی رجمنٹس یونٹس اور رسالے تقریباً ہر بات کے لئے اپنے مراکز پر انحصار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ واضح ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ کرنے کیلئے ان مراکز کی بھی مکمل طور پر تنظیم نو کرنی پڑے گی۔

ہندوستان کی اسلحہ ساز فیکٹریاں سمندر پار خریداروں کے مقابلے میں قوم کی مسلح افواج کو ہتھیاروں سے لیس کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ان فیکٹریوں کی بعداز جنگ منصوبہ بندی کا مکمل انحصار ملک کے متحد رہنے پر رہا ہے اور تمام فیکٹریوں کے لئے جگہ کے انتخاب پر صرف جنگی مسائل ہی اثر انداز ہوتے رہے ہیں نہ کہ مذہبی اور سیاسی مسائل۔

فضائیہ

شاہی ہندوستانی فضائیہ کی تنظیم غیر فرقہ وارانہ بنیاد پر کی گئی ہے۔ اور فضائیہ میں ملازمت دیتے وقت طبقوں یا فرقوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا اس کا کوئی یونٹ ایسا نہیں ہے جس کے کارکن صرف ہندو یا مسلمان ہوں۔ نہ صرف اس کے بڑے یونٹ ایسے نہیں ہیں جن میں لوگوں کی بھرتی صرف فرقہ وارانہ بنیاد کی پر کی گئی ہو بلکہ اس کے ماتحت یونٹوں کا بھی یہی حال ہے۔

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان فوجوں کی تقسیم میں سب سے بڑی الجھن' ہر شعبے میں دہری اشیاء کی ضرورت ہے۔ سکواڈرن' اضافی ہوائی یونٹ' تربیتی ادارے اور انتظامی نگہداشتی تنصیبات جو ایک متحدہ فضائیہ پر مشتمل ہیں' اور اسی لحاظ سے ان کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔

نتائج

مندرجہ بالا باتوں سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ دو علیحدہ علیحدہ مسلح افواج کی تشکیل' صرف افراد کے مخصوص طبقوں کو نئے سرے سے تقسیم کر دینا نہیں ہے۔ نہ صرف ابتدائی منصوبہ بندی کے مرحلوں میں بلکہ خاص طور پر کسی ایسے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے عملی معنوں میں بھی یہ بڑا مشکل اور پیچیدہ معاملہ ہے۔

اتنے بڑے پیمانے پر تنظیم نو کئی مرحلوں میں کرنی پڑے گی' جس میں کئی سال لگ جائیں گے اور اس عرصے کے دوران مسلح افواج' شامل

مغربی سرحد پر کسی خطرناک دفاعی مہم سے نبٹنے کے قابل نہیں ہوں گی۔
اس دوران یہ ممکن نہیں رہا ہے کہ پلاننگ کو اس مفروضے کی وجہ سے معطل کر دیا جائے کہ سلطنت انگلشیہ ایک متحدہ مسلح فوج ہمارے حوالے کرے گی۔ ایسے کسی منصوبے کی عدم موجودگی میں، مسلح افواج کے اخراجات کا تخمینہ نہیں لگایا جا سکتا' سبکدوشی عمل میں نہیں لائی جا سکتی اور مطلوبہ افسروں' ہتھیاروں' سامان رسد اور رہائش کی فراہمی بھی ممکن نہیں۔
مختصرا جون 1948ء تک قطعا کوئی منصوبہ تیار کر کے نہیں دیا جا سکتا۔
چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ مسلح افواج کو تقسیم کرنے کی تجویز سے متعلق کوئی افواہ مسلمان سپاہیوں' ملاحوں اور ہوا بازوں کے حوصلوں پر فوری اور پریشان کن اثرات مرتب کرے گی۔ اس لئے یہ تاکید کی جاتی ہے کہ اعلیٰ ترین سطح کے علاوہ یہ معاملہ کہیں اور زیر بحث نہ لایا جائے۔

میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ بے چینی کی اس موجودہ صورت حال کی وجہ سے' ایسے مباحث کی کوئی اشاعت' مسلح افواج کی مسلسل کارکردگی اور حوصلوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

(4) پاکستان کے فوجی مضمرات اور سی۔ جی۔ ایس کی طرف سے پاکستان کے نقطہ نظر کی وکالت

24 اپریل 1947ء

آپ نے اس روز مجھ سے کہا تھا کہ میں ایک خود مختار پاکستان کے قیام کے فوجی مضمرات پر اپنی رائے کا اظہار آپ سے کروں۔ میں ایک دستاویز منسلک کر رہا ہوں جو صورت حالات کو اسطرح ظاہر کر دے گی جس طرح میں اسے دیکھتا ہوں اور میں نے یہ رائے اس مسئلہ کو طویل المیعاد نکتہ نظر سے دیکھنے کے بعد قائم کی ہے۔ میں اپنے ڈپٹی چیف آف دی جنرل سٹاف کا لکھا ہوا ایک نوٹ بھی منسلک کر رہا ہوں جو اس نکتہ نظر کو ظاہر کر رہا ہے جو غالبًا پاکستان کے حمایتی اختیار کریں۔ میری رائے میں یہ زاویہ نگاہ حقیقتاً ایک مختصر المیعاد نظریہ ہے اور مستقبل کے امکانات کو اس میں نظرانداز کر دیا گیا ہے۔
ابھی کچھ دن پہلے مجھے ڈی۔ سی آئی کے سیکرٹری کی طرف سے لیاقت علی خان کی لکھی ہوئی ایک دستاویز موصول ہوئی ہے جس کا موضوع "مسلح افواج کی پاکستانی فوجوں اور ہندوستانی فوجوں میں تقسیم" تھا اور مجھ سے اس' کے بارے میں رائے دریافت کی گئی تھی۔
میں ایک نوٹ منسلک کر رہا ہوں جس میں اس موضوع پر میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور جس کی بنیاد ان حقائق پر ہے جو آج اظہر من الشمس ہیں۔ میں نے یہ نوٹ آنریبل ممبر دفاع کو اصل دستاویز کے ساتھ بھیج دیا ہے اسلئے کہ سیکرٹری نے ممبر دفاع کی رائے بھی طلب کی تھی۔ مجھے صحیح طور پر علم نہیں ہے کہ ممبر دفاع نے اصل دستاویز یا میرے نوٹ کا کیا کیا' اسلئے میں اپنے نوٹ کی یہ نقل ڈی۔ سی۔ آئی کے ایک ممبر ہونے کی حیثیت میں آپ کو براہ راست روانہ کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ آپ کو وہ مطلوبہ اطلاع فراہم کر دے گا جس کی آپ کو ضرورت ہے۔

دستخط / آ کنلیک

پاکستان کے فوجی مضمرات

یہ دستاویز مندرجہ ذیل مفروضات پر مبنی ہے۔
(ا) کہ انڈیا' دو خود مختار اور آزاد مملکتوں میں بٹ جاتا ہے' پاکستان او ہندوستان' جن کی سرحدیں منسلکہ نقشہ پر دکھائی گئی ہیں۔
(ب) کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں میں سے کوئی بھی برطانوی دولت مشترکہ میں شامل نہیں رہتا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ایک یا دونوں اس کے ساتھ کسی قریبی معاہدے کا تعلق استوار کر لیں۔
جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہو گا کہ پاکستان کے دونوں علاقے' یعنی مشرقی بازو اور مغربی بازو ایک دوسرے سے تقریباً پندرہ سو میل کی دوری پر علیحدہ علیحدہ واقع ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس فاصلے کو طے کرنے کے لئے ریل اور سڑک کا مناسب سلسلہ مواصلات موجود ہے لیکن ان پر ہندوستان کا مکمل کنٹرل ہو گا اور ہندوستان کے جذبہ خیر سگالی اور اسکی مرضی سے ہی پاکستان انہیں اپنے استعمال میں لا سکے گا جو کسی وقت بھی' جب وہ چاہے' انہیں مسدود کر سکتا ہے۔ یہی صورتحال ان جنگی طیاروں کے ساتھ پیش آئے گی جب وہ پاکستان کے ایک علاقہ سے دوسرے علاقے میں جانا چاہیں گے۔ کیونکہ ہوائی اڈوں' ایندھن لینے کے اسٹیشنوں اور راڈار جیسی سہولتوں کی دستیابی اور انکا استعمال بالکل ہندوستان کی مرضی پر منحصر ہو گا۔ کسی ملکی گذرگاہ کا تصور' جیسا کہ پولینڈ کی گذرگاہ ہے' ناقابل عمل ہونے کی حیثیت سے ترک کیا جا سکتا ہے۔ دونوں علاقوں کے مابین' بحری راستے سے افواج پاکستان کی نقل و حرکت ایک خطرناک اقدام ہو گا' اگر ہندوستان دشمنی پر کمربستہ ہو جائے۔
ہندوستان اور پاکستان کے مابین کشیدہ تعلقات کی صورت میں' دونوں علاقوں کے درمیان ہوائی جہاز کے ذریعے کسی قسم کا تزویراتی اشتراک سوائے ایک محدود حد تک' اگر ناممکن نہیں تو بے انتہا مشکل ضرور ہو گا۔

مشرقی پاکستان

(ا) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا مشرقی علاقہ زیادہ سے زیادہ صرف اسی حصے تک محدود رہ سکتا ہے جو برہم پتر اور آسام کے مشرق میں بنگال پر مشتمل ہے اور یہی وہ علاقہ ہے جو نقشہ پر دکھایا گیا ہے۔ یہ علاقہ عملاً کسی قسم کے تزویراتی قدر و قیمت کے وسائل سے یکسر محروم ہو گا اور اسکے مسلم باشندے بہت کم جنگجو یا نہ روایات کے حامل ہوں گے۔ حالانکہ یہ لوگ گذشتہ جنگ میں خاصی تعداد میں پائنیر یونٹوں اور نقل و حمل کی یونٹوں میں بھرتی ہوئے تھے۔ فی الحال ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جن میں افسر بننے کی صلاحیت ہو۔ اس علاقے میں ریل اور سڑک کے ذریعے مواصلات کا نظام ناقص ہے اور کسی بیرونی حملے کی صورت میں دفاعی نکتہ نظر اور تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔ یہاں صرف ایک ہی بندرگاہ چٹاگانگ ہے جو ہرچند کہ چھوٹی ہے لیکن گذشتہ جنگ کے دوران برطانوی فوجی ہدایت کے تحت اس نے استعداد اور کارگزاری کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ یہاں نہ معدنی وسائل ہیں اور نہ فیکٹریاں' نہ مرمت کرنے والے کارخانے اور نہ ایسے ادارے جو افواج کی نگہداشت میں مدد معاون ثابت ہو سکیں۔ ہاں! البتہ یہاں کچھ ہوائی اڈے ضرور ہیں جو گذشتہ جنگ کے دوران اتحادیوں کی فضائی فوج کے لئے بنائے گئے تھے' جہاں سے وہ برما کی طرف اپنے اقدامات کر سکتے تھے لیکن کسی ہوائی اڈے کی دیکھ بھال اور نگہداشت پر بہت زیادہ اخراجات آتے ہیں۔

(ب) یہ علاقہ شمال کی طرف سے بری حملے کے لئے آسان ہدف ثابت ہو گا۔ حالانکہ سلسلہ مواصلات یہاں ترقی یافتہ نہیں ہے اور یہی صورت مغرب کی طرف سے بھی پیش آئے گی حالانکہ اس محاذ پر بری حملے کا مطلب یہ ہو گا کہ دریائے برہم پتر کو عبور کرنا پڑے گا اور یہ اقدام اتنا آسان نہ ہو گا۔ مشرق کی طرف سے کسی بڑے حملے کو خارج از امکان قرار دیا جا سکتا ہے کہ لوشائی پہاڑیوں کے درمیان سڑکیں مفقود ہیں' پھر بھی چٹاگانگ پر جنوب کی طرف سے دشمن کی پیش قدمی ممکن ہے جیسا کہ گذشتہ جنگ میں جاپانیوں نے کی تھی۔

(ج) علاقے پر' دشمن کے ہوائی اڈوں سے جو شمال مشرق اور مغرب کی طرف ہیں' حملہ کیا جا سکتا ہے اور اسکے دفاع کے لئے بڑی فضائی فوج اور زیادہ طیارہ شکن ہتھیاروں کی ضرورت ہو گی۔

(د) بحری حملے کا ہر وقت امکان موجود ہے جسے ساحلی اڈوں کے طیاروں کی معقول مدد حاصل ہو گی۔ چٹاگانگ پر دشمن کے اس متحدہ اقدام کے خلاف خود کو تیار رکھنا ہو گا اور اسکے لئے بڑے پیمانے پر سمندری دفاع اور طیارہ فوج کے انتظامات کرنے ہوں گے۔

(ر) اس علاقے پر متوقع حملے کے خلاف مجموعی طور پر جتنی بھی دفاعی کوششیں کی جائیں گی وہ اسکی اقتصادی اور تزویراتی قدر و قیمت کے تناسب سے کہیں زیادہ ہوں گی اور اس علاقے کے وسائل سے مکمل نہیں ہو سکیں گی۔ مغربی پاکستان سے بڑے پیمانے پر مدد مانگنی پڑے گی۔

مغربی پاکستان

(ا) پاکستان کا یہ مغربی علاقہ' جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہو گا' ایک طویل اور تنگ قطعہ زمین پر مشتمل ہو گا جو بلوچستان و افغانستان کے پہاڑوں اور سطح مرتفع اور مشرقی پنجاب پھیلا ہوا ہے۔ حقیقتاً یہ وادی سندھ اور سندھ کے ان معاون دریاؤں' جہلم' چناب اور راوی پر مشتمل ہے جو مغرب میں دور تک چلے گئے ہیں۔ یہ علاقہ طول ہی طول ہے اور عرض یا چوڑائی میں بہت کم ہے۔ اسلئے فوجی نکتہ نظر سے اسکا دفاع بنیادی طور پر مشکل ہے۔ حملہ خواہ مغرب سے ہو یا مشرق کی طرف سے' اس علاقے میں اس عمق اور گہرائی کی کمی ہے جو آج کی جدید جنگ میں کسی دفاعی منصوبے کی کامیابی کے لئے ضروری ہے۔

انتہائی جنوبی علاقوں کو چھوڑ کر' اس علاقے کی اوسط چوڑائی تقریباً تین سو میل ہے جبکہ کراچی سے راولپنڈی کا فاصلہ سات سو میل ہے۔ اگر اس علاقے میں کشمیر کو شامل کر لیا جائے تو پھر کراچی سے شمالی سرحدوں کا فاصلہ' جہاں وہ پامیر سے ملتی ہیں گیارہ سو میل ہو جاتا ہے۔

اس علاقہ میں ریل کا مواصلاتی نظام بہتر طور پر فراہم کیا گیا ہے خاص طور پر شمالی حصہ میں لیکن اس مواصلاتی نظام کا عام میلان یا رخ جیسا کہ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہو گا' شمالاً جنوباً ہے جبکہ جب بھی کوئی بڑا بری حملہ باہر سے ہو گا تو وہ مغرب کی طرف سے ہو گا یا مشرق کی طرف سے' علاوہ ازیں یہ تمام سلسلہ مواصلات کراچی پہنچنے سے پہلے زیریں سندھ میں سکھر اور حیدر آباد (سندھ) کے آس پاس ایک تنگ مقام پر آ کر مل جاتے ہیں۔

کراچی ہی ایک واحد گذرگاہ ہے جس کے ذریعے رسد' گولہ بارود' اسلحہ و دیگر سامان جنگ بیرونی دنیا سے براہ راست یہاں آ سکتا ہے۔ پس اگر اصل سلسلہ مواصلات کو جو شمالاً" جنوباً" پھیلا ہوا ہے' حیدر آباد سکھر کے مقام پر منقطع کر دیا جائے تو اس علاقے کا شمالی حصہ کٹ کر رہ جائے گا اور سمندر پار سے براہ راست آنے والے سامان سے یکسر محروم ہو جائے گا۔ اگر مشرق اور مغرب میں واقع پڑوسی حکومتیں خلاف ہو جائیں یا ان میں سے ایک بھی مخالف ہو جائے او دوسری نہ بھی ہو تو بھی مشرقی اور مغربی سرحدوں سے خشکی کے راستے سامان جنگ اور رسد کا حصول بڑا دشوار اور طویل مرحلہ ہو گا کیونکہ اس کا انحصار بہت کچھ پڑوسی مملکتوں مثلاً افغانستان اور ہندوستان کی مرضی پر ہی ہو گا کہ وہ راستہ عبور کرنے کی ضروری سہولتیں فراہم کرتے ہیں یا نہیں۔

(ب) یہ علاقہ ہوائی حملے کے لئے آسان ہدف اور بالکل غیر محفوظ ہو گا۔ خواہ یہ حملہ مشرق کی طرف سے ہو یا مغرب کی طرف سے۔ نیز

اس میں عمق اور گہرائی کی کمی' جس کی اہمیت پہلے ہی واضح کی جا چکی ہے' موجودہ حالات کے تحت ایسے حملے کے خلاف ایک کارگر دفاع کو تقریباً ناممکن بنادے گی اسکا سارا فائدہ حملہ آور کو ہو گا۔

(ج) شمال سے جنوب تک چاروں دریاؤں کا عام رخ ہرچند کہ مشرق یا مغرب کی طرف سے ہونے والے بری حملے کے خلاف ایک متبادل دفاعی لائن فراہم کر سکتا ہے' لیکن حقیقتاً یہ سودمن ہونے کی بجائے' ناموافق اور مضر ثابت ہو گا۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ ملک کے اندرونی حصوں میں ساز و سامان اور فوجوں کی آزادانہ نقل و حرکت میں رکاوٹ پیدا ہو گی اور کچھ اس وجہ سے کہ ان دریاؤں پر جو تھوڑے بہت اور دور دور پل بنے ہوئے ہیں وہ ہوائی حملوں کا آسان ہدف بن سکتے ہیں یا تباہ و برباد کئے جا سکتے ہیں۔

(د) یہ علاقہ ان قدرتی وسائل سے تقریباً محروم ہے جن پر کوئی ملک دوران جنگ کامیابی کا انحصار کر سکتا ہے۔ ہاں! البتہ یہاں گیہوں' کپاس اور اٹک کے قریب کچھ تیل ضرور پایا جاتا ہے۔ مزید تیل ملنے کے امکانات بھی ہیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملا ہے۔ معدنیات بھی نہیں ہیں اور سوائے جہازوں کی مرمت کے ایک کارخانے کے' جو کراچی میں ہے اور کوئی صنعتی کارخانہ بھی نہیں ہے۔ کچھ ریلوے ورکشاپ ضرور ہیں جو زمانہ جنگ میں اسلحہ سازی کے کارخانوں میں تبدیل ہو سکتے ہیں لیکن موجودہ معیار کے لحاظ سے انکی گنجائش نہایت محدود اور بہت کم ہے۔

(ر) کسی حملہ آور کے لئے اس علاقے کی مشرقی سرحد کے شمالی حصہ کے اس پار سے یعنی جالندھر' بھٹنڈا سرحد کی طرف سے بری فوج کے ساتھ حملہ کرنا کچھ ایسا زیادہ دشوار مرحلہ نہیں ہو گا۔ حقیقتاً اس محاذ پر پیش قدمی کو ریل اور سڑک کے اس سلسلہ مواصلات سے تقویت ملے گی جو سیدھا ہندوستان کے اندرونی حصے میں واقع رسد کے اڈوں تک جاتا ہے اور جسے فضائیہ کا تعاون بھی اچھی طرح حاصل ہو سکے گا۔

اس مشرقی سرحد کے جنوبی حصے کی طرف سے جو بھٹنڈا سے جنوب مغرب کی طرف جودھ پور تک پھیلا ہوا ہے' کسی بڑے پیمانے پر بری حملے کا امکان کم ہے' لیکن دشمن کے چھوٹے چھوٹے مار کرنے والے حرکی موٹر سوار فوجی دستوں کو سرحد پار کر کے ملتان کی طرف بڑھ کر اور ریلوے کی اس مین لان پر جو لاہور اور کراچی کو ملاتی ہے' ضرب لگانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دشمن کی اس قسم کی کارروائی راجپوتانہ ریلوے نظام کی بدولت یقینی بھی ہو سکتی ہے۔

(س) اس علاقے پر مغرب کی طرف سے سب سے بڑا بری حملہ کوئٹہ پر ہو سکتا ہے اور پھر درہ بولان سے نیچے کی طرف آتے ہوئے اس حملے کا ہدف سلسلہ مواصلات کا وہ تنگ حصہ ہو گا جو سکھر پر واقع ہے اور جنگی حملہ آور کے ہاتھوں تسخیر' دفاع کو مفلوج کر دینے کے لئے کافی ہو گی۔

آج تیزی سے حرکت کرنے و ضرب کاری لگانے والی افواج کے دور میں جن کو ہوائی راستوں سے امان پہنچایا جا سکتا ہو' مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ قلات اور لس بیلہ ہوتے ہوئے کراچی پر کسی بڑے بری حملے کا ہونا کسیطرح بھی ناممکنات میں سے نہیں ہے اور اسکے خلاف پہلے ہی سے مناسب بندوبست اور تحفظ کا معقول انتظام کرنا ہو گا۔ اگر کوئی حملہ آور فضائی جنگ میں مکمل برتری حاصل کر لیتا ہے جو بعض حالات میں بالکل ممکن گی لیکن ایسا کرنا اسوقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک دفاع میں فضائی قوت کے نام و نشان اور گذشتہ کارکردگی کے اثرات باقی ہیں۔

(ش) کراچی کو براہ راست تسخیر کرنے کے لئے دشمن کی طرف سے ایک متحدہ اقدام کا امکان ہر وقت موجود ہے اور ایسے اقدام کو ان ساحلی طیاروں کی مدد باسانی حاصل ہو گی جو کاٹھیاوار اور جنوبی مغربی راجپوتانہ کے ہوائی اڈوں سے پرواز کر سکتے ہیں۔ کراچی کے دفاع کے لئے بڑے پیمانے پر بحری دفاع ضروری ہو گا جس میں طیارہ شکن توپیں اور اور راڈار کا آگاہی نظام بھی شامل ہے۔

(ص) کراچی تک آنے والے تمام بحری راستے' دشمن کے ہوا گیر اور آب گیر حملوں کا آسانی سے مسلسل ہدف بنے رہیں گے۔ یہ حملے دشمن ان اڈوں سے کرے گا جو خلیج فارس اور ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر دشمن اپنے کام کو اچھی طرح سمجھتا ہو تو یہ رسد لائن نہایت ناقابل اعتبار ہے۔

(ض) خلاصہ یہ کہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا مغربی علاقہ آئندہ کچھ عرصہ تک تزویراتی اور اقتصادی طور پر اس قابل نہیں ہو گا کہ کسی ایسی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے جس کے پاس جدید اسلحے اور ساز و سامان سے لیس مسلح افواج ہوں خواہ یہ فوج نسبتاً چھوٹی ہی ہو۔ اور یہ کہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اس علاقے کا بیرونی دنیا سے الگ ہو جانا بالکل یقینی ہو گا۔

جنگ کے زمانے میں جو ضروری ساز و سامان' رسد اور اسلحہ پاکستان حاصل کرنا چاہے گا' وہ اسے صرف یورپ کے بڑے صنعتی علاقوں' روس اور امریکہ سے مل سکے گا مگر یہ سب ملک پاکستان کے دونوں حصوں سے سمندر کے راستے ہزاروں میل دور ہیں اور خشکی کے بھی ایسے طویل راستے ہیں جنہیں عبور کرنے اور ان ملکوں تک پہنچنے کے ذرائع میسر نہیں ہیں۔

خالص فوجی اور تزویراتی نکتہ نظر سے جس کے تحت اس دستاویز میں مسئلہ کا جائزہ لیا گیا ہے' یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ پاکستان کے لئے ایک

معقول حد تک دفاعی انتظامات کی شکل میں' مناسب تحفظ کی فراہمی بہت دشوار اور مہنگا سودا ہو گا اور یہ کہ پھر بھی کامیابی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

"پاکستان کے فوجی مضمرات" دستاویز پر ڈی۔ سی۔ جی۔ ایس کا نوٹ

(پاکستان کے نقطہ نظر سے لکھا گیا)

اس دستاویز میں پاکستان کے دفاع کو فوجی اور تزویراتی نکتہ نظر سے سمجھنے اور اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں پاکستان کی مختلف سرحدوں پر حملے کی صورت میں' اس کی کمزوریوں کی کافی حد وضاحت کر دی گئی ہے۔

میری رائے میں' مسلم لیگ پاکستان کے دفاعی مسئلہ کا جائزہ لیتے وقت دوسرے عوامل کو بھی خصوصاً سیاسی پہلو کو مد نظر رکھے گی جس کا اس دستاویز میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لئے میں نے مندرجہ ذیل پیرا گرافوں میں وہی باتیں تحریر کی ہیں جو میں سمجھتا ہوں کہ اس جائزہ میں شامل ہوں گی۔ اگر اس جائزے پر سیاست دانوں سے مذاکرات یا گفت و شنید کرنی پڑے تو ممکن ہے کہ ان نکات پر غور و تدبر کمانڈر ان چیف کے لئے کچھ کار آمد ثابت ہو سکے۔

پاکستان کے ممکنہ دشمن باسانی تین گروپوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

(ا) روس

(ب) افغانستان' ایران' برما

(ج) آزاد سرحدی قبائل اور ہندوستان

روس:۔ روس کے خلاف نہ متحد ہندوستان اور نہ منقسم ہندوستان اپنا دفاع کر سکتا ہے۔ سیاسی سطح پر ہی یو۔ این او کے ذریعے دفاع ممکن ہے اور ظاہر ہے کہ پاکستان یو این۔ او کا ممبر ہو گا۔ آذربائیجان میں روسی جارحیت کے خلاف' ایران کے کامیاب سیاسی دفاع کی مثال موجود ہے۔ اس لئے روسی جارحیت کے خلاف پاکستان کے دفاع کے لئے کسی مسلح فوج کی فراہمی اس وقت زیر غور نہیں ہے۔

(ا) افغانستان:۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ پاکستان' افغانستان کے ساتھ باہمی عدم جارحیت کا معاہدہ کر لے گا۔ اس پر بھی' اگر یہ معاہدہ توڑ بھی دیا جاتا ہے تو وہ پاکستان پر افغانستان کے کسی بھی حملے سے نمٹنے کے لئے تیار رہے گا۔ وہ راستے جن کے ذریعے افغانستان پاکستان پر حملہ آور ہو سکتا ہے' بہت گئی' اس حملے کے خلاف دفاع نہ کر سکے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ اس فوج سے ٹھیک طور سے کام لیا جائے اور اس کی توجہ کو مرکوز رکھا جائے۔ بہرحال' یہ خیال کیا جاتا ہے کہ افغانستان کی طرف سے اگر کوئی چھیڑ چھاڑ ہوئی تو وہ صرف اسی حد تک محدود رہے گی کہ وہ قبائیلوں میں خود مختاری کے لئے بے چینی پیدا کرے۔

(ب) ایران:۔ اگر کراچی کی بندرگاہ پر قبضہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی تو ایران کاپاکستان پر حملہ چنداں سودمند نہ ہو گا=۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایرانی فوج اتنی اہلیت نہیں رکھتی کہ وہ کوئی ایسا جارحانہ حملہ کر سکے جس سے دریائے سندھ تک اس کی دسترس ہو جائے۔ ایران کی بکتر بند فوج کچھ ایسی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اور فضائی حملہ میں بھی مد و معاون ثابت نہیں ہو سکتی۔ پاکستان اپنی جنوب مغربی سرحد کی طرف بلوچستان کے ریگستان کی وجہ سے خوب محفوظ ہے اور اس طرح کراچی کی اہم بندرگاہ کا محل وقوع فوجی نکتہ نظر سے بہت اچھا ہے۔

(ج) برما:۔ ابھی آئندہ کئی سالوں تک برما کی فوج اس قابل نہیں ہو گی کہ وہ مشرقی پاکستان پر کوئی بڑا حملہ کر سکے۔ برما کو اپنے داخلی مسائل ہی سے نپٹنے کے لئے اپنے تمام فوجی وسائل بروئے کار لانے ہوں گے۔ ہاں' البتہ چٹاگانگ پر معمولی سے اقدام کا امکان ہے۔ چٹاگانگ کو کسی حملے کے خلاف اپنے دفاع میں آسانیاں ہیں۔ چٹاگانگ تک رسائی دشوار گزار ہے اور مشرقی پاکستان کی فوجی چھاؤنیاں ان مختصر حملہ آور افواج کے خلاف اپنا دفاع خوب اچھی طرح کر سکتی ہیں۔

مغربی پاکستان سے کسی کمک کا حاصل ہونا دشوار بھی ہو گا اور اس میں وقت بھی زیادہ لگے گا اور مشرقی پاکستان کو اپنی ان مستقل فوجی چھاؤنیوں پر ہی انحصار کرنا ہو گا جو مغربی پاکستان اسے فراہم کرے گا اور تھوڑ ابہت اس پیادہ فوج پر جو آسام کے جنوب میں' پہاڑی علاقوں سے جمع کی جائے گی۔

(د) شمال مغربی سرحد اور ہندوستان:۔ پاکستان کے لئے اپنے ابتدائی سالوں میں جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے اور اپنے تھوڑے وسائل کو منظم کرنے کی کوشش کر رہا ہو گا' مندرجہ بالا میں سے کوئی ایسا سنگین مسئلہ کھڑا نہیں کر سکتا جو پریشان کن ہو۔ پاکستان کا اصل مسئلہ شمال مغربی سرحد پر قبائیلوں کو قابو میں رکھنا اور ہندوستان کے کسی حملہ کا دفاع کرنا ہے۔ اس بات پر یقین کرنے کی معقول وجوہات ہیں کہ یہ دونوں واقعات ایک ساتھ اس طرح رونما نہیں ہوں گے کہ پاکستان کو دو محاذوں پر لڑنا پڑے۔ پاکستان پر ہندوستان کے کسی حملے کی صورت میں' جہاد کی آواز بلند ہو گی جس پر سرحد کے قبائلی ہم مذہب کم از کم اس حد تک ضرور لبیک کہیں گے کہ وہ غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کریں تاکہ پاکستان آزادی کے ساتھ ہندوستان سے نمٹ سکے۔

لیکن جب دونوں خطرات کا الگ الگ جائزہ لیا جائے تو پھر کسی خطرے سے بھی پاکستان کو تنہا نمٹنا البتہ آسان نہ ہو گا۔ پاکستان یہ نہیں کر سکتا کہ وہ قبائیلوں کو اس طرح خرید لے جس طرح برطانیہ نے کیا تھا

اور یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہو گا کہ اگر سرحد پر کچھ زیادہ گربڑ ہوتی ہے تو پھر پاکستانی افواج کی پوری نفری اس کو رفع کرنے میں سرگرم عمل ہو گی اور وہ اس قابل نہیں رہے گی کہ بیک وقت ہندوستان کے حملے کی بھی مزاحمت کر سکے۔ ہندوستان کے حملے کی صورت میں' ممکن ہے کہ پاکستانی فوج سرحدی گڑبڑ پر قابو پالے اور اسے ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن اس میں اتنی تاخیر بھی ہو سکتی ہے کہ ہندوستانی جارحیت کے خلاف اس کا اپنا تحفظ کرنا مشکل ہو جائے۔

پاکستان کا اصل دشمن' ہندوستان ہو گا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ ہندوستانی حکومت کسی منصوبے کے تحت پاکستان پر حملے کی صورت میں متحدہ کارروائی کرے۔ ہندوستانی حکومت یو۔ این۔ او کے ایک ممبر ہونے کی حیثیت میں' ایک جارح کی حیثیت سے یو۔ این۔ او کا سامنا کرنا پسند نہیں کرے گی۔ بلکہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ ہندوستان کے کچھ طبقے مثلاً سکھ' اقلیتوں کے ساتھ سلوک کے سوال پر مشتعل ہو جائیں اور اپنے طور پر آزادانہ کوئی کارروائی کر بیٹھیں۔

اگر ایسا ہو تو پھر غالباً اس کا امکان نہیں ہے کہ پاکستانی افواج کو صرف اس خطرے سے نمٹنے کے لئے' ہندوستان کے ساتھ اپنی تمام سرحدوں پر جنگ کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ اس بات پر اتفاق کرنا پڑے گا کہ پاکستان اقتصادی طور پر ایک کمزور ملک ہے اور اس کے وسائل بہت کم ہیں۔ لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ افغانستان یا ایران سے زیادہ غریب ملک نہیں ہے۔ جنہوں نے گذشتہ دو عالمی جنگوں کے دوران اپنی آزادی اور قومیت کو کامیابی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔

بدترین صورت حال میں بھی' پاکستان پورے بین الاقوامی نظام کے اندر رہ کر' کم از کم اتنی فوج تو رکھ سکتا ہے جتنی افغانستان' ایران یا برما کے پاس ہے۔ پھر اپنے دفاع کے سلسلے میں اسے بدترین حالات کا سامنا کیوں کرنا پڑے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا' وہ مختصراً اس صورت حال کا ایک جائزہ یا ایسا نکتہ نظر ہے جو پاکستان کے حامی اختیار کریں گے۔ وہ لوگ اس صورت حال کے منکر ہوں گے کہ پاکستان کو کسی کم ہیں' اور یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے اور نہ اسے ماننے کی کوئی وجہ ہے کہ پاکستانی فوج' اس تمام فوقیت و برتری کے باوجود جو اس کے افسروں اور جوانوں کی تربیت اور تجربے کی شکل میں اس کے پاس ہو بڑی طاقت سے کوئی خطرہ درپیش ہو گا یا اس پر کسی بڑی بکتر بند فوج سے یا فضائی طاقت سے حملہ کر دیا جائے گا۔ وہ صرف مقامی معمولی جنگ کے پیش نظر اپنے دفاعی مسائل کا جائزہ لیں گے جس میں صرف پیدل فوج اور توپ خانہ استعمال کر کے ہی کوئی نہ کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔

انتہائی خفیہ
ذاتی

افواج کی تقسیم پر لیاقت علی خان کی دستاویز کے بارے میں ہونے والی میٹنگ کی روداد

کیبنٹ سیکرٹریٹ
ڈیفنس کمیٹی-انڈیا
تیسری (47) میٹنگ
26 اپریل 1947ء
صرف شق نمبر5 کی روداد-

نوٹ- حاضرین کے ریکارڈ کے لئے شق نمبر1 تا 4 کی کاروائی ملاحظہ فرمایئے-

شق نمبر5_ وزیر مالیات کی پیش کردہ دستاویز "ہندوستانی مسلح افواج کی تقسیم کیلئے ایک منصوبے کی تیاری" پر غور کرنے کے لئے-

آنریبل ممبر مالیات کی پیش کردہ دستاویز' بمع آنریبل ممبر دفاع اور ہزایکسیلینسی کمانڈر ان چیف کے تبصروں کے' کمیٹی کے سامنے تھی- ہزایکسیلنسی نے دستاویز کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ اس دستاویز کو اس کمیٹی کے سامنے لانے کے سلسلے میں انہیں معذرت کے ساتھ کمانڈر ان چیف اور ممبر دفاع کے مشورے کو مسترد کر دینا پڑا- وہ راز داری کی ضرورت و اہمیت سے اتنے متاثر تھے کہ ان کے خیال میں مسلح افواج پر اسکے تباہ کن اثرات مرتب ہو سکتے تھے- اگر یہ بات عام ہو جاتی کہ یہ معاملہ زیر بحث ہے تو وہ اس بات پر متفق ہونے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے کہ اس معاملے کو زیر بحث لایا جائے- وہ خود بھی اس معاملے میں مکمل رازداری برتنے کی زبردست اہمیت کے قائل تھے- ان کے نزدیک یہ معاملہ اس کمیٹی میں لانے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سلطنت انگلشیہ کو بھیجی جانے والی اپنی رپورٹ میں ہندوستان کے لئے جس طرز حکومت کی سفارش کی تھی' اسکے بارے میں وہ ان لوگوں کے خیالات و آراء کو اپنی رپورٹ میں شامل کرنا چاہتے تھے- پاکستان ایک مسئلہ ہے جس کا سامنا کرنا چاہیے اور مسلح افواج کی تقسیم اسی مسئلے کے اہم مضمرات میں سے ایک ہے-

آنریبل ممبر دفاع نے مسلح افواج پر تقسیم کے اثرات کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس پر زور دیا- فوجوں کی ایسی تقسیم' پاکستان کے حق میں سیاسی فیصلے کے مطابق ہونی چاہئے- یہ فرض کرتے ہوئے کہ ایسا کوئی فیصلہ ہونا ہے اگر اس تقسیم کو اس فیصلے پر مقدم رکھا گیا تو اسکے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں-

آنریبل ممبر مالیات نے اتفاق کیا کہ تقسیم' سیاسی فیصلے کے بعد ہی

ہونی چاہئے لیکن ایک منصوبہ ہر وقت تیار رہنا چاہئے کہ اگر پاکستان کا مطالبہ منظور ہو گیا تو تقسیم کا عمل بروئے کار لایا جا سکے اسکے علاوہ مزید اور کچھ نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے مسئلہ اور الجھ جائے گا جو پہلے ہی مشکل اور الجھا ہوا ہے۔

مندرجہ ذیل نکات زیر بحث آئے۔

(ا) علیحدگی کی فنی مشکلات بہت زیادہ ہیں لیکن اگر یہ سیاسی طور پر ضروری ہوا تو ان پر قابو پانا ہی پڑے گا۔ اگر ان کے بارے میں نہ سوچا گیا یا سوچنے میں تساہل سے کام لیا گیا تو ان کو دور کرنے میں اور زیادہ مشکلات پیش آئیں گی یہاں تک کہ ان پر قابو پانا ضروری ہو جائے گا۔ چنانچہ اب کام کی ابتدا کر دینی چاہئے۔

(ب) یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ یہ مسئلہ اسوقت زیر غور لایا جا رہا ہے جبکہ سیاسی مستقبل ابھی تک غیر یقینی ہے۔ مسلح افواج کو دو حصوں میں تقسیم کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ پاکستان کے تمام پہلوؤں کا تعین کر لیا جائے اور اسکی مکمل تعریف کی بنیاد پر یہ تقسیم عمل میں آئے۔ پاکستان اب بھی بہت سے مسلمانوں کو ہندوستان میں چھوڑ دے گا اور بہت سے ہندو پاکستان میں رہ جائیں گے۔ اسطرح بھرتی کے مسائل اور پیچیدہ ہو جائیں گے۔ یہ مسئلہ ممکن ہے آگے چل کر اور الجھ جائے کہ دو قومی نظریہ کے تحت ہندو شہریوں سے یہ توقع کی جائے کہ وہ پاکستان کے وفادار ہوں۔ بہر حال یہ واضح کیا گیا کہ دونوں علاقوں میں رہنے والے ہندو اور مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں' مذہبی تفریق کے بغیر شہریت کے تمام حقوق سے فائدہ اٹھا سکیں۔

سیاسی فیصلہ محض رہنمائی کرے گا لیکن وہ مسلح افواج کے مسئلے کو حل نہیں کرے گا۔

(ج) اگر پاکستان بننے کا فیصلہ ہو گیا تو دونوں مملکتوں کو اپنی اپنی فوج کی ضرورت ہو گی تاکہ داخلی حفاظتی فرائض انجام دیئے جا سکیں لیکن یہ بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ دونوں مملکتوں کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ کسی مشترکہ دشمن کے حملے کی صورت میں دونوں اسکے خلاف مل کر دفاع کریں گے۔ اس سے یہ ہو گا کہ مشترکہ بہبودی کی خاطر دونوں طرف سے غیر جانبدارانہ طور پر فوجوں کا استعمال کرنے کی آزادی حاصل ہو جائے گی۔ اگر پاکستان بن بھی گیا تب بھی یہ توقع رکھنے کی معقول وجہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کئی مشترکہ مفادات ہوں گے' مثال کے طور پر تجارت اور مالیات وغیرہ میں۔

(د) یہ کہا گیا کہ تربیتی ادارے اور اسلحہ فیکٹریاں باہمی معاہدے کے ذریعے مشترکہ کی جا سکتی ہیں اور یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ دونوں مملکتوں کی فوجیں مکمل طور پر خود مکتفی ہوں۔ جب ہندوستان متحد تھا' اس وقت بھی کسی موقع پر جنگ کے لئے خود مکتفی نہیں رہا اور اپنی ضروریات کے لئے باہر کے ملکوں پر بھروسہ کرتا رہا۔ ان ضروریات میں تحقیق و ڈیزائن کے ساتھ ساتھ پیشہ وارانہ اور فنی سازوسامان بھی شامل تھا۔

(ر) یہ کہا گیا کہ کمانڈر ان چیف نے جو دستاویز لکھی تھی اس کی بنیاد ان عملی مشکلات کی طرف اشارہ کرنا تھا جو مسلح افواج کی تقسیم میں پیش آئیں گی اور جن پر قابو پانا ضروری تھا پاکستان کے حق یا مخالفت میں فیصلے کو متاثر کرنا اس دستاویز کی نیت میں شامل نہ تھا اس میں کئی نمایاں خامیاں تھیں مگر وہ اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ دونوں ریاستوں کے درمیان تعلقات کے بارے میں حوالہ کی کوئی واضح شرائط نہیں دی گئی تھیں۔

(س) اس بات پر اصرار کیا گیا کہ یہ بہت اہم ہے کہ بڑے فوجی ہیڈ کوارٹر اور اسٹاف اور ساتھ ہی ساتھ بڑے یونٹ از سرنو منظم کئے جائیں جبکہ برطانوی افسر ابھی تک یہاں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ جب تک یہ تنظیم نو مکمل نہیں ہو جاتی قومیائے جانے کا عمل سست کر دیا جائے۔

(ش) قومیائے جانے میں تاخیر کے کیا مضمرات ہوں گے' اس پر بحث کی گئی۔ یہ وضاحت کی گئی کہ مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹر میں تیار کیا گیا نیشنل لائزیشن کا ایک منصوبہ موجودہ ہے لیکن عارضی طور پر اس پر عمل در آمد کو ملتوی کر دیا گیا ہے اس بات کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ تیاری کے اقدامات میں تاخیر کی جائے مثال کے طور پر ان ہندوستانی افسروں کی تربیت جنہیں اب نئی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں یہ سب اسلئے روک دینا پڑا کہ افسروں کی متبادل تبدیلی کا طریقہ کار بڑا الجھا ہوا تھا جس کے نتیجے میں برطانوی افسروں کو واپس بھیجنا تھا۔ تقسیم ان تقرریوں اور تبادلوں کو مزید پیچیدہ بنا دے گی کیونکہ نئے سرے سے یہ جائزہ لینا ضروری ہو جائے گا کہ ہندوستان اور پاکستان کے لئے کون کون سے افسر مناسب طور پر تربیت یافتہ اور دستیاب ہیں۔ یہ واضح کیا گیا کہ مسلح افواج میں جو تنظیم نو کی جا رہی ہے وہ نئے بجٹ کے بدنی عدد کو آہستہ آہستہ کم کرنے کیلئے ہے ۔ یونٹس کی درجہ بندی میں صرف وہی تبدیلیاں آنی تھی جن کا کمانڈر ان چیف کی دستاویز میں ذکر کیا گیا اور جن سے علیحدگی کو آسان بنانے میں مدد ملے گی' اگر یہ کبھی ضروری ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ نیشنلائزیشن پالیسی پر عمل در آمد کرنے میں ذرا سی تاخیر' باہر سے کسی کو متوجہ نہیں کرے گی اور ہزا یکسیلیسی نے یقین دلایا کہ پاکستان کے بارے میں ایک سیاسی فیصلہ' مئی کے اواخر میں ہونے کا امکان ہے چنانچہ یہ تاخیر زیادہ طول نہیں پکڑے گی۔

ہزایکسیلنسی نے آخر میں خلاصہ کلام کے طور پر جو کہا وہ درج ذیل ہے۔

(i) انہوں نے مشورہ دیا کہ جب تک سیاسی تصفیہ نہیں ہو جاتا' یہ معاملہ

کابینہ کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔
(ii) وہ راز داری کی ضرورت پر زور دینا چاہتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ کمیٹی کے وہ ممبر جنہیں فوری حوالے کے لئے اپنی دستاویزات کی ضرورت نہیں ہے' انہیں چاہیے کہ یہ دستاویزات میٹنگ کے خاتمے پر کیبنٹ سیکرٹریٹ کو واپس کر دیں تاکہ وہ وہاں محفوظ رہ سکیں اور یہ دستاویزات اس وقت دوبارہ حاصل کر لیں جب یہ موضوع پھر سے ایجنڈا پر آ جائے۔
(iii) ان کا خیال تھا کہ نامنظوری کی حد تک معیار نیچے گرائے بغیر' مسلح افواج قومیانے کا عمل غالباً یکم جون 1948ء تک مکمل کر سکتی ہیں۔ ان کے خیال میں مسلح افواج کوئی ناروا خطرہ مول لئے بغیر پہلی جون 1948ء تک علیحدگی کی کارروائی بھی پوری کر سکتی ہیں۔ ان کی رائے میں اس تاریخ تک قومیانے اور تقسیم دونوں پر عمل کرنا' کافی خطرہ مول لینے کے برابر تھا۔ انہوں نے مسلح افواج کی منفرد حیثیت پر زور دیا اور فرقہ وارانہ کشیدگی کی موجودہ فضا میں ان کی غیر جانبدارانہ شہرت کا ذکر کیا۔
انہوں نے اشارہ کیا کہ امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے وہ خود ذاتی طور پر ذمہ دار ہیں اور یہ ذمہ داری انہیں اس وقت تک اٹھانی ہے جب تک وہ اسے ایک یا ایک سے زیادہ ذمہ دار ارباب اختیار کو منتقل نہیں کر دیتے۔ چونکہ یہ ذمہ داری ان کی ہے' وہ برطانوی دستوں کو آخری حربے کے طور پر استعمال کرنے کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ پہلی جون 1948ء کے بعد' برطانوی دستے باقی نہیں رہیں گے لیکن ایک غیر جانبدار اور بااعتماد فوج کی ضرورت شاید اب بھی محسوس ہو۔ علیحدگی کے عمل میں نارروا تاخیر کر کے شاید ہم خود اپنے مقاصد کو نقصان پہنچالیں گے اور ایک ایسی صورتحال کو جنم دیں گے جس میں مسلح افواج نہ تو ٹھیک سے منظم ہوں گی اور نہ قابل اعتماد۔ وہ چاہتے ہیں کہ علیحدگی کا عمل جلد مکمل کر لیا جائے بشرطیکہ اس کا ضروری ہونا ثابت ہو جائے۔ انہوں نے اپنے شکوک و شبہات کا اعادہ کیا کہ مقررہ اور محدود وقت میں ایسا کرنے کے کیا امکانات ہیں۔
(iv) انہوں نے تجویز پیش کی کہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی مشترک فوج کے بارے میں غور کیا جائے اور اگرچہ دونوں ممالک کے اپنے جی۔ ایچ۔ کیو ہوں گے لیکن اس وقت تک کے لئے ایک فیڈرل جی۔ایچ۔ کیو ہو سکتا ہے جو جنرل کنٹرول میں ہو جب تک بغیر کارکردگی کو نقصان پہنچائے ہوئے' علیحدگی کا عمل مکمل نہیں ہو جاتا۔
(v) انہوں نے اتفاق کیا کہ ایک منصوبہ بنالینا چاہیے کیونکہ جب پاکستان بننے کا اعلان ہو تو فوری طور پر یہ ضروری ہو گا کہ مسلح افواج کو یہ بتایا جائے کہ ان کی حیثیت اور وابستگی کیا ہے اور انہیں یقین دلایا جائے کہ ان کی علیحدگی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ہز ایکسیلنسی کمانڈر ان چیف ذاتی طور پر ریڈیو پر اعلان کریں جس میں وہ یہ بتائیں کہ اب ان کے کیا ارادے ہیں اور وہ اب کیا کرنا چاہتے ہیں۔
(vi) اس امکان کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ سطح کا ایک چھوٹا سا عملہ مقرر کیا جائے جو راز داری سے' علیحدگی پر عمل کرنے کے لئے منصوبوں کا جائزہ لے اگر اس کی ضرورت ثابت ہو جائے۔ اور سیاسی فیصلہ ہونے تک' قومیانے کے طریقوں کو بروئے کار لانے کے امکانات کا بھی جائزہ لے۔

کمانڈر ان چیف نے کہا کہ بحث و مباحثہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ علیحدگی کی منصوبہ بندی کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے کیونکہ بہت سے عوامل غیر یقینی ہیں۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ وہ ان مسائل کا تعین کرنے کے لئے جو ابھی حل طلب ہیں' وسیع خطوط پر منصوبہ بندی میں ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے انہیں اسٹاف کی ضرورت ہو گی۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ نیشنل لائزیشن کو عارضی طور پر ملتوی کیا جا سکتا ہے۔

کمیٹی نے فیصلہ کیا

(1) کہ جب کوئی سیاسی فیصلہ نہیں ہو جاتا' یہ مسئلہ کابینہ کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہئے۔
(2) کمانڈر ان چیف کو ہدایت کی گئی کہ وہ غور کریں۔ (الف) وہ اعلیٰ سطح کی جو چھوٹی کمیٹی بنائیں گے اس میں کون کون سے افراد ہوں گے اور (ب) مسائل کی وسیع خطوط پر نشاندہی' اگر فیصلہ میں علیحدگی کا تذکرہ ہوا تو ان مسائل کو حل کرنا اور ان سے نبٹنا پڑے گا۔ یہ فرض کرنا پڑے گا کہ سیاسی فیصلہ کی بنیاد پر کمیٹی کے لئے حوالے کی شرائط' اس صورت میں ہز ایکسیلنسی وائسرائے مقرر کریں گے۔
(3) کمانڈر ان چیف کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ جب تک سیاسی فیصلہ نہیں ہو جاتا وہ اپنی صوابدید کے مطابق نیشنل لائزیشن کو جاری رکھیں' رہنما اصول یہ ہو گا کہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جائے گا جو علیحدگی کے مسئلے کو الجھا دے۔ تاآنکہ یہ قطعی طور پر ضروری نہ ہو جائے۔

یوم آزادی کی تقریبات کا پروگرام

دفتر ملٹری سیکرٹری برائے نامزد گورنر جنرل پاکستان

گورنمنٹ ہاؤس
کراچی
12 اگست 1947ء

13 اگست 1947ء کو شام پانچ بجے ماری پور کے ہوائی اڈے پر ہزایکسیلنسی وائسرائے وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما کی آمد کے موقع پر عملے کے لئے ہدایات:۔

شام، تین بج کر پندرہ منٹ :۔ ایک لاری، ایک اسٹیشن ویگن اور کرائے کی کار نمبر6 خان خاں صاحب محمد یعقوب کو لے کر ماری پور کے ہوائی اڈہ کو روانہ ہو گی تاکہ ڈکوٹا کے کے ذریعے آنے والا سامان لایا جا سکے۔ اس جہاز سے آنے والے تمام سامان اور عملے کو خان صاحب گورنمنٹ ہاؤس بھجوا دیں گے لیکن وہ خود ماری پور ہی میں رہ جائیں گے تاکہ ہزایکسیلینسز کے جہاز میں آنے والے عملے اور سامان کو بھجوانے کے انتظامات کر سکیں۔

شام 15- 4:۔ کار نمبر2، 3، 4 اور 5 اور نئی اسٹیشن ویگن ماری پور کے ہوائی اڈے کے لئے گورنمنٹ ہاؤس سے روانہ ہوں گی اور خان صاحب یعقوب کو رپورٹ کریں گی۔

شام 35- 4:۔ DMSV M.S.(Q) اور ADC, (لیفٹیننٹ احسن RIN) کار نمبر1 میں گورنمنٹ ہاؤس سے ماری پور کے ہوائی اڈے روانہ ہوں گے جس میں ہزایکسیلنسی وائسرائے کا جھنڈا لپٹا ہوا ہو گا۔

شام 00 -5:۔ مندرجہ بالا ہدایات کے مطابق کار نمبر1 ماری پور ہوائی اڈے پر پہنچے گی۔

شام 30- 5:۔ یارک ہوائی جہاز کی آمد پر DMSV ہزایکسیلینسز کو پیش کریں گے

ایئر کموڈور جے۔ آر۔ وہٹلے
MS(Q)
ADC(Q)

ADC (Q) M.S(Q) ہزایکسیلینسز کو پیش کریں گے۔

آنریبل شیخ غلام حسین ہدایت اللہ گورنر کے سیکرٹری مسٹر ایس ایچ رضا
آنریبل شیخ غلام حسین ہدایت اللہ اور مسٹر رضا ہزایکسیلینسز کو پیش کریں گے۔

آنریبل مسٹر ایم۔ اے۔ کھوڑو، وزیر حکومت سندھ
آنریبل پیر الٰہی بخش نواز علی، وزیر حکومت سندھ
آنریبل میر غلام علی خان تالپور، وزیر حکومت سندھ
آنریبل میر بندے علی خان تالپور
آنریبل مسٹر عبدالستار پیرزادہ، وزیر حکومت سندھ
آنریبل مسٹر جسٹس ایچ۔ بی۔ طیب جی، چیف جسٹس سندھ چیف کورٹ
سی۔ بی۔ بی۔ کلی ریونیو کمشنر، سندھ گورنمنٹ
اے۔ پی۔ ایل میسورئیر چیف سیکرٹری حکومت سندھ

ADC(Q) M.S(Q) ہزایکسیلینسز کو پیش کریں گے

میجر جنرل محمد اکبر خان، کمانڈر سندھ ایریا
کیپٹن سیفسن، نیول آفیسران چارج کیماڑی
بریگیڈیئر جے۔، سیفسن، کمانڈر کراچی سب ایریا
بریگیڈیئر GFR فورمین DSO، CBE، CB، چیف آف اسٹاف انڈین کورپس گروپ کیپٹن، KW بلٹ DSO آفیسر کمانڈنگ، RAF، ماری پور

شام 35 -5:۔ ماری پور کے ہوائی اڈے سے روانگی درج ذیل پروگرام کے مطابق ہو گی۔

کار نمبر1- ہزایکسیلنسی وائسرائے
ہزایکسیلنسی دی وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما
M.S.V.
انسپکٹر ایلڈر بطور پولیس کا محافظ کار کے ہمراہ ہوا ہوں گے۔
کار نمبر2- یہ فالتو کار ہو گی جو خالی رہے گی۔
کار نمبر3- آنریبل پامیلا ماؤنٹ بیٹن
ADC (V) M.S.(Q) PSV
کار نمبر4 DMSV مسٹر کیمبل جانسن، ADC(Q) ADC(V)
کار نمبر5-- مسٹر فلپس، مسٹر راما چندرن، مسٹر سرکار
سٹیشن ویگن 3-- بیرے، ہزایکسیلینسز کا ہلکا سامان جو خان صاحب یعقوب کی تحویل میں ہو گا

شام 55 -5 ہزایکسیلینسز گورنمنٹ ہاؤس کراچی پہنچیں گے اور پورچ میں قائداعظم اور مس فاطمہ جناح ان کا استقبال کریں گی۔

شام 30 -6- کانفرنس روم میں پاکستانی کابینہ ہزایکسیلنسی وائسرائے سے ملاقات کرے گی شازم

15 -7:۔ ہزایکسیلنسی اور MSV کھلی کاروں کا معائنہ کریں گے کرنل برنی ملٹری سیکرٹری۔

ملٹری سیکرٹری برائے نامزد گورنر جنرل پاکستان

13 اگست 1947ء کو گورنمنٹ ہاؤس کراچی میں دیئے گئے عشائیے اور استقبالئے کیلئے ہدایات

مہمانوں کی آمد

شب 10 -8:- مہمان بیرونی دروازے پر آئیں گے جہاں کیپٹن صاحب زادہ محمد یعقوب خان ان کا استقبال کریں گے اور انہیں دربار ہال کی طرف لے جائیں گے۔

مہمانوں کو پیش کرنے کی رسومات

شب 20 -8:- (ا) مہمان مغرب کے رخ ایک قطار میں کھڑے ہوں گے' سندھ کے نامزد گورنر ہزہائی نس نواب صاحب بہاول پور اور آنریبل مسٹر لیاقت علی خان کو M.S(Q) ڈرائنگ روم کی طرف لے جائیں گے۔

(ب) ADC 3(A) قائداعظم اور مس فاطمہ جاح کو دربار ہال کی طرف لے جائیں گے۔ جہاں ADC 1(A) اور ADC 2(Q) مہمانوں کو ان کے سامنے پیش کریں گے۔

(ج) ADC 3(Q) قائداعظم اور مس فاطمہ جناح کی' ڈرائنگ روم تک رہنمائی کریں گے جہاں ہزہائی نس نواب صاحب بہاول پور' نامزد گورنر سندھ اور آنریبل مسٹر لیاقت علی خان کو ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

شب 27 -8: (د) ADC 1(V) اور ADC 2(V) کی رہنمائی میں دیئر ایکسیلینسز ڈرائنگ روم کی طرف جائیں گے جہاں قائداعظم اور مس فاطمہ جناح ان کا استقبال کریں گے اور یہیں نامزد گورنر سندھ ہزہائی نس نواب صاحب بہاول پور اور آنریبل مسٹر لیاقت علی خان کو ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

شب 30 -8: (ر) ADC 1(V) ADC 2(V) دیئر ایکسیلینسز کو دربار ہال میں لے جائیں گے۔ جہاں ADC 1(Q) اور ADC 1(Q) بالترتیب مہمانوں کو ان کے سامنے پیش کریں گے۔

عشائیہ

شب 35 -8: (ا) ADC 1(V) اور ADC 1(Q) کی رہنمائی میں' دیئر ا یکسیلسز قائداعظم اور مس فاطمہ جناح' کمرۂ طعام میں داخل ہوں گے۔

(ب) جام صحت:۔ قائداعظم' ملک معظم کا اور وائسرائے نئی مملکت پاکستان کی خوشحالی کا جام صحت تجویز کریں گے۔

استقبالیہ سے قبل کا طریقہ کار

شب 50 -9: (ا) دیئر ا یکسیلیسز' قائداعظم اور مس فاطمہ جناہ کو ADC 1(V) اور ACD 1(Q) ڈرائنگ روم میں لے جائیں گے۔

(ب) عشائیے کے مہمان چبوترے پر لے جائے جائیں گے جہاں استقبالیے کے وہ مہمان جنہیں کمپٹرولر اور ADC s(Q) نے خوش آمدید کہا ہو گا اور جو ضیافت میں شرکت نہیں کر رہے ہوں گے جمع ہوں گے۔

استبالئے کی رسومات

شب 55- 9 دیئر ایکسیلینسز قائداعظم اور مس فاطمہ جناح ADC 1(V) اور ADC-1(Q) کی رہبری میں ہال میں داخل ہوں گے جہاں باغ کی طرف رخ کرتے ہوئے درج ذیل ترتیب سے اپنی اپنی جگہ سنبھال لیں گے۔

باغ

مس جناح قائداعظم ہرایکسیلنسی ہزا یکسیلیسی

DMSV M.S.V PS TO ADC-1 ADC 2(V) ADC 1(Q)

ADC 1(Q)

مہمان ایک قطار کی صورت میں سامنے سے گزریں گے اور قائدعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری ہر ایک مہمان کا نام پکارتے جائیں گے۔

مہمانوں کے تعارف کے بعد دیئر ا یکسیلیسز' قائداعظم اور مس فاطمہ جناح چبوترے پر اور باغ میں موجودہ مہمانوں کے درمیان گھل مل جائیں گے۔

روانگی

شب 30 -11: دیئر ا یکسیلسز' قائداعظم اور مس فاطمہ جناح غیر رسمی طریقے سے اپنے اپنے کمروں کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

کرنل برنی
ملٹری سیکرٹری برائے نامزد گورنر جنرل پاکستان

گورنمنٹ ہاؤس
کراچی
12 اگست 1947ء

عشائیہ

نشستوں کی ترتیب
13 اگست 1947ء

فلائٹ لیفٹیننٹ آنریبل ڈبلیو بیومانٹ کرنل ڈی ایچ کری

آنریبل سر۔ اے راشد — سر غلام محمد

لیفٹیننٹ جنرل سر فرینک میسروی — آنریبل مسٹر جسٹس طیب جی

آنریبل مسٹر کھوڑو — آنریبل میر بندے علی

مسز ایچ۔ ایم۔ ایس چوہدری	آنریبل شیخ غلام حسین
سرلارنس گریفٹی اسمتھ	مسز پیری کین
مسز ڈنڈاس	ہزایکسیلنسی کمانڈر ان چیف
آنریبل راجہ غضنفر علی	آنریبل پامیلا ماؤنٹ بیٹن
بیگم ہدایت اللہ	بیگم لیاقت علی خان
قائداعظم	ہزایکسیلنسی وائسرائے
ہزہائی نس نواب آف بہاول پور	مس جناح
بیگم کھوڑو	آنریبل لیاقت علی خان
مسٹر آئی آئی چندریگر	مسز طیب جی
بیگم محمد اکبر	آنریبل مسٹر منڈل
مسٹر سری پرکاش	مسز ہارون
آنریبل میر غلام علی	ڈاکٹر تسائی
آنریبل مسٹر اے ستار	آنریبل پیر الٰہی بخش
وائس ایڈمرل سرجی مائلز	اے۔ وی۔ مارشل بلوک
مسز ڈنڈاس	لیفٹیننٹ جنرل سرای وو ڈ
کرنل ای ایس ٹی' جے برنی	فلائٹ لیفٹیننٹ اے ربانی
	کیپٹن فٹز رائے
	آنریبل سید میاں محمد شاہ
کموڈور جیفورڈ	لیفٹیننٹ کرنل شاہد
مسٹر چارلس لیوس	میجر جنرل اکبر خان
آنریبل مسٹر جسٹس طیب جی	آنریبل سر عبدالرشید
کیپٹن چوہدری	ایئر وائس مارشل پیری کین
ونگ کمانڈر جنجوعہ	مسٹر یوسف ہارون
	کیپٹن فٹز رائے

14 اگست 1947ء کو قانون ساز اسمبلی کی تقریب اور شاہانہ سواری کیلئے ہدایات

1- ہدایات:۔ قانون ساز اسمبلی کے لئے ہاؤس پارٹی کی روانگی کی ہدایت ضمیمہ 8 میں ہمرشتہ منسلک ہیں۔

2- قانون ساز اسمبلی

8:40 :- ہاؤس پارٹی' قانون ساز اسمبلی میں پہنچے گی اور DMSV اور ADC 3(Q) اسے' اس کی نشستوں تک لے جائیں گے۔

8:55 :- قائداعظم اور مس فاطمہ جناح کھلی کار نمبر2 میں گورنمنٹ ہاؤس سے قانون ساز اسمبلی کو روانہ ہوں گے ADC 1(Q) ان کے ہمراہ ہوں گے۔

9:00 :- قائداعظم اور مس فاطمہ جناح ADC1 (Q) کی ہمراہی میں قانون ساز اسمبلی میں پہنچیں گے جہاں اسمبلی کے سیکرٹری ان کا استقبال کریں گے M.S.(Q) اور ADC 1 (Q) قائداعظم کو سیڑھیوں کے بالائی حصے پر لے جائیں گے۔ مس فاطمہ جناح ADC 1 (Q) کی رہنمائی میں قانون ساز اسمبلی میں اپنی نشست تک جائیں گی۔

9:00 :- دئیر ایکسی لیسز وائسرائے اور وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما کھلی کار نمبر1 میں' MSV ہمراہی میں قانون ساز اسمبلی کو روانہ ہوں گے پولیس کی حفاظتی کار اور فالتو کار ان کے پیچھے ہوں گی۔

9:05 :- دئیر ایکسی لیسز وائسرائے اور وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما قانون ساز اسمبلی پہنچیں گے۔ RIN اور Ist BN رائل اسکاؤٹس کا ترتیب دیا ہوا گارڈ آف آنر ہزایکسیلنسی کو شاہی اسلامی پیش کرے گا۔

اس موقع پر کوئی انسپکشن نہیں ہو گا۔

9:07 :- دئیر ایکسی لیسز' قانون ساز اسمبلی میں داخل ہوں گے۔ جہاں اسمبلی کے سیکرٹری ان کا خیر قدم کریں گے اور انہیں سیڑھیوں کے بالائی حصے کی طرف لے جائیں گے وہاں قانون ساز اسمبلی کے صدر ان کا استقبال کریں گے۔

ADC 1(Q) MS(Q) ADC 2(V) ADC 1(V)

سیڑھیوں کے بالائی حصے پر اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں گے۔

9:08 :- ADC 2(V) ہزایکسیلنسی کو اسمبلی میں ان کی نشست کی طرف لے جائیں گے۔

9:08 :- درج ذیل ترتیب کے مطابق ایک جلوس ترتیب دیا جائے گا

ڈپٹی سیکرٹری قانون ساز اسمبلی

سیکرٹری قانون ساز اسمبلی

ADC 1(V) ADC 1(Q)

ہزایکسیلنسی وائسرائے صدر قانون ساز اسمبلی

MS(Q) MSV

یہ جلوس چیمبر کے باہر سے چکر لگاتا ہوا صدر کے ڈائس کے بالمقابل اندر داخل ہو گا چیمبر میں داخل ہونے پر یہ جلوس درج ذیل ترتیب کے مطابق ایک صف بنا لے گا۔

ڈپٹی سیکرٹری قانون ساز اسمبلی

سیکرٹری' قانون ساز اسمبلی

ADC 1(V)

ADC 1(Q)

ہزایکسیلنسی دی وائسرائے

صدر' قانون ساز اسمبلی

MSV

MS(Q)

ڈائس کے نیچے آ کر ڈائس پر اپنی مخصوص نشستیں تک جاتے ہوئے ہزایکسیلنسی بائیں طرف سے اور صدر دائیں طرف سے نیم دائرہ بناتے ہوئے اوپر چڑھیں گے۔

چیمبر میں نشستوں کی ترتیب ایک نقشے کے ذریعے منسلک ہے۔

9-10: صدر کا اعلان

9-12: ہزایکسیلنسی وائسرائے کا خطاب

9-25: قانون ساز اسمبلی کے صدر کا جواب

9-40: ہزایکسیلنسی وائسرائے اور صدر قانون ساز اسمبلی جلوس کی صورت میں اسمبلی سے باہر جائیں گے۔

9-40: ہزایکسیلنسی دی وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما اور مس فاطمہ جناح ADC 2(Q) ADC- 2(V) کی رہنمائی میں' قانون ساز اسمبلی سے باہر جائیں گی۔

9-43: قانون ساز اسمبلی سے باہر آنے پر 4th BN راجپوتانہ رائفلز اور RAF کا ترتیب دیا ہوا گارڈ آف آنر شاہی سلامی پیش کرے گا۔ اس موقع پر کوئی معائنہ نہیں ہو گا۔

3-: شاہانہ سواری

9-45: کاروں کی ترتیب:۔ پولیس پائیلٹ کار ہمرکاب حفاظتی سوار

کھلی کار نمبر1: ہزایکسیلنسی دی وائسرائے

قائداعظم MSV پولیس کا حفاظتی دستہ

کھلی کار نمبر2: ہزایکسیلنسی وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما

مس فاطمہ جناح M.S(Q) پولیس کا حفاظتی دستہ

کار نمبر3: آنریبل مسٹر لیاقت علی خان ہزایکسیلنسی کمانڈر ان چیف' انڈیا

D.S.V:

کار نمبر4: بیگم لیاقت علی خان آنریبل پامیلا ماؤنٹ بیٹن

D.M.S.V:

کار نمبر5: سندھ کے نامزد گورنر بیگم ہدایت اللہ گورنر کے سیکرٹری (مسٹر رضا)

کار نمبر 6: ایڈمرل سرجیوفرے مائلز ایئروائس مارشل بلوک۔ جنرل سرفرینک میسروی

کار نمبر7: ریئر ایڈمرل جیفورڈ ایئروائس مارشل پیری کین' میجر جنرل محمد اکبر خان

راستہ:۔ قانون ساز اسمبلی' کورٹ روڈ' دائیں فریر روڈ' بائیں کوئی روڈ' پریڈی اسٹریٹ' دائیں بند روڈ' دائیں گارڈن روڈ' الفسٹن اسٹریٹ' دائیں ہیولاک روڈ' مین گیٹ گورنمنٹ ہاؤس

دستوں کی صف بندی کا راستہ

RIN' تعداد	400
RA' تعداد	250
RIA' تعداد	280
RIE' تعداد	380

Ist. BN دی رائل اسکاٹس' تعداد 300

4th BN راجپوتانہ رائفلز تعداد (بشرط دستیابی) 200

7BN بلوچ رجمنٹ تعداد 290

700 RAF

RIAF

4- قانون ساز اسمبلی سے ہاؤس پارٹی کی روانگی

ہاؤس پارٹی کے بقیہ افراد اور دیگر اسٹاف اس پروگرام کے مطابق گورنمنٹ ہاؤس واپس آئیں گے جو منسلکہ ہدایت نامہ B میں درج ہے۔

5- ہیزایکسیلینسز کی گورنمنٹ ہاؤس واپسی

10-00: ہیز ایکسی لینسز گورنمنٹ ہاؤس واپس آئیں گے اور (V) ADC اور ADC- 2(V) ان کے کمروں تک ان کی رہنمائی کریں گے۔

کرنل ای۔ ایس۔ ٹی' جے برنی

ملٹری سیکرٹری برائے نامزد گورنر جنرل پاکستان

قانون ساز اسمبلی کیلئے روانگی

کار نمبر افراد

1 ہزایکسی لینسی دی وائسرائے

ہزایکسی لینسی دی وسکاؤنٹس ماؤنٹ بیٹن آف برما

M.S.V.

2 قائداعظمؒ

مس جناح

ADC 1(Q)

3 ہزایکسی لینسی دی کمانڈر ان چیف

کمانڈر ان چیف پاکستان (نامزد)

کمانڈر ان چیف کے اسٹاف آفیسر

4 آنریبل پامیلا ماؤنٹ بیٹن

سر جارج ایبل

ADC 1(V)

ADC 2(V)

5 مسٹر اینڈ مسز ڈنڈاس

MS(Q)

ADC 3(Q)

-6 سرجیوفرے مائلز' کمانڈر ان چیف پاکستان کے اسٹاف آفیسر
کموڈور جیفورڈ کے اسٹاف آفیسر

ADC 2(Q)

-7 لیفٹیننٹ جنرل ووڈ
کموڈور جیفورڈ
کیپٹن چوہدری

-8 میجر میک کوئے
میجر جیلیٹ
مسٹر کیمبل جانسن

ریاست جموں و کشمیر

(1) کشمیر الحاق سے پیشتر

26- اکتوبر 1947ء کو مہاراجا کشمیر نے لارڈ مونٹ بیٹن گورنر جنرل آف انڈیا کو حسب ذیل مراسلہ لکھا:-

مائی ڈیر لارڈ مونٹ بیٹن

میں یور ایکسیلینسی کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔ کہ میری ریاست میں ایک تشویش ناک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے۔ جس میں میں آپ کی حکومت کی طرف سے فوری امداد کی استدعا کرتا ہوں۔ آپ اس امر سے آگاہ ہیں۔ کہ ریاست جموں کشمیر نے اب تک ہندوستان و پاکستان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی الحاق تسلیم نہیں کیا۔ جغرافیائی اعتبار سے ریاست دونوں ملکوں سے متصل ہے۔ اور دونوں کے ساتھ نہایت اہم اقتصادی اور کلچرل تعلقات رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ میری ریاست کی سرحدیں جمہوریہ سوویت اور چین کے ساتھ بھی ملتی ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان اپنے خارجہ تعلقات میں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ میں اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کچھ مہلت چاہتا تھا۔ کہ مجھے ان دونوں میں سے کس ڈومینین کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے۔ اور آیا میری ریاست اور ان دونوں ملکوں کا بہترین مفاد اس میں نہ ہو گا۔ کہ میری ریاست آزاد رہے۔۔۔ اور دونوں سے دوستانہ اور خوشگوار تعلقات قائم رکھے۔

اسی مہلت کے حصول کے لئے میں نے ہندوستان و پاکستان دونوں سے درخواست کی۔ کہ وہ ریاست کے ساتھ ساکن معاہدے کر لیں۔ حکومت پاکستان نے اس چیز کو قبول کر لیا۔ اور ہندوستان نے میری حکومت کے نمائندوں سے مزید بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

لیکن محولہ بالا حالات کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے میں اس گفت و شنید کا انتظام نہ کر سکا۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ حکومت پاکستان ساکن معاہدے کے ماتحت ریاست میں ڈاک اور تار کے محکموں کا انصرام کر رہی ہے۔

اگرچہ حکومت پاکستان کے ساتھ ہمارا ساکن معاہدہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ حکومت میری ریاست کو اشیائے خوراک۔ نمک اور پٹرول کی بہم رسانی کے معاملے میں روز افزوں مشکلات پیدا کر رہی ہے۔

افریدیوں۔ بے وردی سپاہیوں اور غنڈوں کو جو جدید ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ ریاست میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ جو پہلے پونچھ کے علاقے میں۔ پھر سیالکوٹ میں اور آخر میں اس رقبے میں درانہ گھس آئے۔ جو رام کوٹ کی طرف ضلع ہزارہ کے متصل واقع ہے اس یورش کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ریاست کے پاس جو محدود سی فوج تھی۔ وہ منتشر کرنی پڑی۔اسے بیک وقت کئی مقامات پر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ جان و مال کی تباہی اور لوٹ مار کو روکنا بے حد دشوار ہو رہا ہے۔ ماہورہ کا بجلی گھر جس سے سارے سرینگر کو بجلی کی طاقت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے۔ جب میں ان عورتوں کی تعداد پر غور کرتا ہوں۔ جو اغوا اور عصمت ریزی کا شکار بنائی گئیں۔ تو میرا دل خون روتا ہے۔ یہ وحشی لشکر جو ریاست پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اب میری حکومت کے گرمائی صدر مقام سری نگر پر قبضہ کرنے کی نیت سے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ تاکہ اس کو فتح کر کے ساری ریاست پر چھا جائیں۔

شمال مغربی سرحدی صوبے کے دور دست علاقوں سے قبائل کے لوگ ہجوم کی صورت میں مانسہرہ مظفر آباد کی سڑک پر موٹر ٹرکوں میں باقاعدہ چلے آرہے ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین اسلحہ کافی تعداد میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ صوبہ سرحد کی حکومت اور پاکستان کی حکومت کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میری حکومت نے بار بار اپیلیں کی ہیں۔ لیکن ان حملہ آوروں کو روکنے یا میری ریاست میں آنے سے منع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ پاکستان ریڈیو اور پاکستانی اخبارات تو ان واقعات کی اطلاعات شائع کر رہے ہیں۔ اور پاکستان ریڈیو نے یہ کہانی بھی نشر کی ہے۔ کہ کشمیر میں ایک عارضی حکومت بھی قائم کر دی گئی ہے۔واضح رہے کہ میری ریاست کے مسلم و غیر مسلم لوگوں نے بالعموم اس ہنگامے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ان حالات میں جو آج میری ریاست میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور صورت حالات کی موجودہ سنگینی میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ کہ میں انڈین ڈومینین سے امداد کی استدعا کروں۔ یہ طبعی بات ہے۔ کہ جب تک میری ریاست ہندوستان کے ساتھ الحاق قبول نہ کرے۔ حکومت ہند مجھے امداد نہیں دے سکتی۔ لہٰذا میں نے الحاق کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور "الحاق نامہ" اس عریضے کے ساتھ منسلک کر رہا

ہوں۔ تاکہ آپ کی حکومت اسے منظور کرلے۔ اس طرز عمل کے سوا دوسرا رستہ صرف یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں اپنی ریاست اور اپنی رعایا کو لٹیروں اور ڈاکوؤں کے حوالے کر دوں۔ لیکن اس بنیاد پر نہ کوئی مہذب حکومت زندہ رہ سکتی ہے۔ نہ قائم رکھی جا سکتی ہے۔ اس لئے جب تک میں ریاست کا حکمران ہوں۔ اور ملک کے دفاع کے لئے اپنے جسم میں جان رکھتا ہوں۔ ایسی صورت کبھی پیدا نہ ہونے دوں گا۔

میں آپ کی حکومت کو اپنے اس ارادے کی اطلاع بھی دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں فوراً ایک عبوری حکومت قائم کر دوں گا۔ اور شیخ عبداللہ سے کہوں گا۔ کہ اس نازک صورت حالات میں میرے وزیراعظم کی معیت میں حکومت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیں۔ اگر میری ریاست کو بچانا مقصود ہے۔ تو اس کے لئے فوری امداد سری نگر پہنچ جانی چاہیئے۔ مسٹر مینن کو صورت حالات کی سنگینی کا پورا علم ہے۔ اور اگر کسی مزید تصریح کی ضرورت باقی رہ گئی ہو۔ تو وہ آپ کی خدمت میں تفصیلاً" عرض کر دیں گے۔

میں بہت عجلت میں ہوں۔ اب میرا آداب قبول فرمایئے۔

آپ کا مخلص

(دستخط) ہری سنگھ

لارڈ مونٹ بیٹن نے دوسرے ہی دن اس مراسلہ کا جواب دے دیا۔ جس میں لکھا۔ کہ آپ کی ریاست کا الحاق انڈین ڈومینین کے ساتھ قبول کرلیا گیا ہے۔ اور ہماری حکومت کی خواہش ہے۔ کہ "جونہی کشمیر امن و انتظام قائم ہو۔ اور اس کی سرزمین حملہ آوروں سے پاک ہو جائے۔ ریاست کے الحاق کا فیصلہ عوام کے استصواب سے کیا جائے۔"

کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی اولین قرار دادیں

(i) کمیشن اقوام متحدہ برائے بھارت و پاکستان

ریاست جموں و کشمیر کی موجودہ صورت حال کے بارے میں بھارت و پاکستان کے نمائندوں کے موقف پر احتیاط سے غور و خوض کرنے کے بعد۔ اور یہ رائے رکھتے ہوئے کہ لڑائی کا فوراً بند ہونا اور ان حالات کی اصلاح جن کے جاری رہنے سے بین الاقوامی امن اور سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے' اقوام متحدہ کی ان مساعی کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے جو اس مسئلے کا آخری حل تلاش کرنے کی خاطر بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کی مدد کے لئے اختیار کی گئی ہیں۔

بھارت اور پاکستان کو بیک وقت حسب ذیل تجاویز پیش کرنے کی قرارداد پیش کرتا ہے:۔

حصہ اول

ا۔ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں ان تجاویز کو منظور کر لینے کے بعد چار دن کے اندر اندر کسی ایسی قریب ترین تاریخ کے تعین پر اتفاق کریں گی جب ہر دو حکومتوں کی متعلقہ ہائی کمانیں علیحدہ علیحدہ اور بیک وقت اپنے ماتحت جملہ افواج کو ریاست جموں و کشمیر میں جنگ بندی کے احکام جاری کریں گی۔

ب۔ بھارت اور پاکستان کی افواج کی ہائی کمانیں ایسے اقدامات سے اجتناب پر متفق ہونگی جن سے ریاست جموں و کشمیر میں انکی متعینہ افواج کی عسکری قوت میں اضافہ ہو۔

جہاں تک ان تجاویز کا تعلق ہے' زیر اختیار افواج کے مفہوم میں وہ تمام منظم اور غیر منظم سپاہ شامل ہیں جو ہر دو جانب حرب و ضرب میں شریک ہوں۔

ج۔ بھارتی اور پاکستانی افواج کے لئے جنگ بندی میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے فی الفور افواج کے موجودہ مواقع میں ضروری مقامی تبدیلیوں کے بارے میں مشورہ کرتے رہیں۔

د۔ کمیشن اپنی دانست کے مطابق اور جیسا کہ وہ قابل عمل محسوس کرے' ایسے فوجی مبصر مقرر کرے گا جو کمیشن کے زیر اختیار اور دونوں ملکوں کی فوجی کمانوں کے تعاون سے جنگ بندی کے حکم پر عمل درآمد کی نگرانی کریں گے۔

ہ۔ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اپنے اپنے عوام سے یہ اپیل کرنے پر اتفاق کرتی ہیں کہ وہ ایسا سازگار ماحول پیدا کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں مدد دیں گی جو مزید مذاکرات کو ترقی دینے کیلئے سازگار ہو۔

حصہ دوم

حصہ اول میں فوری جنگ بندی کی تجاویز کو قبول کرنے کے ساتھ ہی دونوں حکومتیں مندرجہ ذیل اصولوں کو معاہدہ صلح مرتب کرنے کی بنیاد کے طور پر قبول کرتی ہیں جن کی تفصیلات دونوں کے نمائندوں اور کمیشن کی باہمی گفتگو سے طے پائینگی۔

الف

1۔ چونکہ پاکستانی افواج کی ریاست جموں و کشمیر کے علاقے میں موجودگی اس صورت حال میں جو حکومت پاکستان نے سلامتی کونسل کے روبرو پیش کی تھی' نمایاں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے' اس لئے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی افواج کو ہٹا لینے پر رضامند ہے۔

۲- حکومت پاکستان ریاست جموں و کشمیر سے قبائلیوں اور ان پاکستانی شہریوں کو جو معمولاً وہاں بود و باش نہیں رکھتے اور وہاں جنگ کی غرض سے داخل ہوئے ہیں ہٹا لینے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔

۳- آخری فیصلہ ہونے تک جو علاقہ پاکستانی فوجوں نے خالی کر دیا ہے اس کا انتظام کمیشن کے زیر نگرانی مقامی حکام کریں گے۔

ب

۱- جب کمیشن بھارتی حکومت کو یہ اطلاع دے دے گا کہ وہ قبائلی اور پاکستانی شہری جن کا ذکر حصہ دوم ا (2) میں کہا گیا ہے، جموں و کشمیر سے چلے گئے ہیں اور بنا بریں وہ صورت حال ختم ہو چکی ہے جس کے متعلق بھارتی حکومت نے سلامتی کونسل کے سامنے کہا تھا کہ یہی بھارتی افواج کے جموں و کشمیر میں داخل ہونے کا باعث ہوئی، نیز یہ کہ جموں و کشمیر سے پاکستانی افواج کا انخلا عمل میں آ رہا ہے تو بھارتی حکومت جیسا کہ کمیشن کے ساتھ طے پایا ہے، اقرار کرتی ہے کہ وہ ریاست سے اپنی بیشتر فوجوں کو آہستہ آہستہ واپس ہٹانا شروع کرے گی۔

۲- ریاست جموں و کشمیر میں صورت حال کے آخری فیصلے کے متعلق شرائط قبول کرنے تک بھارتی حکومت ان حدود میں جو جنگ بندی کے وقت مقرر ہوئی تھیں اپنی افواج کی وہ کم از کم تعداد رکھے گی جو کمیشن کے اتفاق رائے کے مطابق قانون و امن کو برقرار رکھنے کی خاطر مقامی حکام کی امداد کیلئے ضروری خیال کی جائے۔

۳- بھارتی حکومت اس امر کی ضمانت دیتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر حتی الامکان وہ تمام تدابیر اختیار کرے گی جن سے عوام کو یہ اطلاع فراہم کی جائے کہ امن، قانون اور نظم و ضبط کا تحفظ کیا جائے گا اور تمام انسانی اور سیاسی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

ج

۱- اس معاہدہ صلح پر دستخط ہو جانے کے بعد اعلامیہ کا مکمل متن عوام کی اطلاع کے لئے شائع کیا جائے گا، جس میں دونوں حکومتوں اور کمیشن کے مابین طے شدہ اصولوں کا اندراج ہو۔

حصہ سوم

بھارت اور پاکستان دونوں کی حکومتیں اپنی اس خواہش کی دوبارہ تصدیق کرتی ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر کی آئندہ حیثیت عوام کی مرضی کے مطابق طے کی جائیگی اور اس مقصد کیلئے صلح نامہ کی شرائط کو قبول کر لینے کے بعد، دونوں حکومتیں کمیشن سے اس بارے میں مذاکرات کریں گی کہ ایسی مناسب و منصفانہ شرائط متعین کی جائیں جن سے آزادانہ اظہار رائے کی ضمانت ہو۔

قرارداد منظور شدہ
13 اگست 1948ء

(ii) کمیشن اقوام متحدہ برائے بھارت و پاکستان

نے ہر گاہ کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتوں سے ان کے مراسلات مورخہ 23 دسمبر 1948ء (علی الترتیب) کے ذریعہ مندرجہ ذیل اصولوں کی منظوری وصول پائی ہے جو کمیشن کی قرار داد منظورہ 13 اگست 1948ء کا ضمیمہ ہے لہٰذا:

1- ریاست جموں و کشمیر کے بھارت یا پاکستان سے الحاق کا مسئلہ آزاد اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کے جمہوری طریقے سے طے پائے گا۔

2- استصواب اس وقت ہو گا جب کمیشن کو یہ وثوق ہو جائے گا کہ جنگ بندی اور صلح نامہ کے رائے شماری سے متعلق ان انتظامات کی تکمیل ہو چکی ہے جو کمیشن کی قرارداد مورخہ 13 اگست 1948ء کے حصہ اول و دوم میں درج ہیں۔

3- (ا) سکریٹری جنرل اقوام متحدہ کمیشن سے اتفاق رائے کے بعد ایک ناظم رائے شماری نامزد کرلے گا جو ایک نہایت اعلیٰ بین الاقوامی حیثیت کا مالک اور بالعموم قابل اعتماد تصور کیا جاتا ہو۔ اس کا باقاعدہ تقرر حکومت جموں و کشمیر کی طرف سے عمل میں آئے گا۔

(ب) ناظم رائے شماری وہ تمام اختیارات ریاست جموں و کشمیر سے حاصل کرے گا، جنہیں وہ استصواب کے اہتمام اور کارروائی اور اس کے آزاد اور غیر جانبدار ہونے کی ضمانت کے لئے ضروری خیال کرے۔

(ج) ناظم رائے شماری کو مبصرین کی امداد کے لئے ایسے عملے کے تقرر کا اختیار ہو گا جس کی وہ ضرورت محسوس کرے۔

4- (ا) کمیشن کی 13 اگست 1948ء کی قرار داد کے حصہ اول و دوم پر عمل درآمد اور کمیشن کے اس اطمینان پر کہ ریاست میں پرامن حالات قائم ہو چکے ہیں اور ناظم رائے شماری بھارتی حکومت کے ساتھ مشورہ کر کے بھارت اور کشمیر کی مسلح افواج کے آخری انخلا کا فیصلہ کرے گا جس میں ریاست کے تحفظ اور استصواب کے آزادانہ ہونے کو بخوبی ملحوظ رکھا جائے گا۔

(ب) 13 اگست 1948ء کی قرار داد کے حصہ ا (2) میں جس علاقے کا ذکر کیا گیا ہے اس میں سے مسلح فوجوں کے آخری انخلا کا فیصلہ کمیشن اور ناظم رائے مقامی حکام کے مشورہ سے کریں گے۔

5- ریاست کے اندر تمام شہری و فوجی حکام اور سرکردہ سیاسی عناصر استصواب کی تیاری اور کارروائی میں ناظم رائے شماری کے ساتھ تعاون کریں گے۔

6- (ا) ریاست کے ان تمام شہریوں کو جو فسادات کی وجہ سے جا چکے ہیں واپس آنے کی دعوت دی جائے گی اور اپنے تمام حقوق استعمال کرنے کی اجازت ہو گی- واپس آنے کی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دو کمیشن مقرر ہوں گے- ان میں سے ایک بھارت اور دوسرا پاکستان کے نمائندوں پر مشتمل ہو گا- یہ کمیشن ناظم رائے شماری کے تحت کام کریں گے- بھارت اور پاکستان کی حکومتیں نیز ریاست جموں و کشمیر کے تمام حکام ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ناظم استصواب سے تعاون کریں گے-
(ب) تمام اشخاص (ریاست کے باشندوں کے علاوہ) جو 15 اگست 1947ء تک یا اس کے بعد ریاست میں قانونی مقاصد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے وارد ہوئے ہیں' انہیں ریاست سے چلا جانا پڑے گا-
7- ریاست جموں اور کشمیر کے جملہ حکام ناظم رائے شماری کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اس امر کے ضامن ہوں گے کہ :
(ا) رائے شماری کے سلسلے میں ووٹروں کو کسی کو دھمکی' دباؤ' تخویف اور رشوت یا کسی اور ناواجب اثر سے مرعوب نہیں کیا جائے گا-
(ب) تمام ریاست میں سیاسی زندگی کی جائز سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی- ریاست کے تمام باشندے بلالحاظ عقیدہ ذات یا جماعت بھارت یا پاکستان سے الحاق کے بارے میں اپنے خیالات اور ووٹ اندازی کے معاملہ میں محفوظ ہوں گے- ریاست میں اخبارات کی آزادی' تقریر اور میل جول کی آزادی اور چلنے پھرنے کی آزادی ہو گی جس میں ریاست کے اندر باہر جائز آمدورفت کی آزادی بھی شامل ہے-
(ج) تمام سیاسی قیدی رہا کئے جائیں گے-
(د) ریاست کے تمام حصوں میں اقلیتوں کو معقول تحفظ حاصل ہو گا-
(ہ) کسی پر کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا-
8- جن مسائل کے لئے مدد درکار ہو ناظم رائے شماری انہیں کمیشن اقوام متحدہ برائے بھارت و پاکستان کے سامنے پیش کرے گا' اور کمیشن چاہے تو ناظم رائے شماری کو یہ ہدایت کر سکتا ہے کہ وہ اس کی جگہ کوئی بھی ذمہ داری انجام دے جو اس کے سپرد کی گئی ہے-
9- استصواب کے ختم ہونے پر ناظم رائے شماری کمیشن اور حکومت جموں و کشمیر کو اس کے نتیجہ سے مطلع کرے گا- ازاں بعد کمیشن سلامتی کونسل کے سامنے اس امر کی تصدیق کرے گا کہ رائے شماری آزادانہ اور غیرجانبدارانہ ہوئی ہے یا نہیں-
10- صلح نامے پر دستخط ہونے کے بعد کمیشن کی 13 اگست 1948ء کی قرار داد کے حصہ سوم میں جو مشورے مد نظر ہیں' ان کے مطابق محولہ بالا تجاویز کی تفصیلات کی توضیح و تشریح کی جائے گی- ناظم رائے شماری استصواب ان مشوروں میں پوری طرح شریک رہے گا-
بھارت اور پاکستان کی حکومتوں سے سفارش کرتا ہے کہ وہ کمیشن کی 13 اگست 1948ء کی قرار داد کے مطابق طے شدہ معاہدہ کی تعمیل کرتے ہوئے یکم جنوری 1949ء کو رات کے بارہ بجے سے ایک منٹ پہلے جنگ بندی کا حکم جاری کرنے کے سلسلے میں فورا کارروائی کریں' اور طے کرتا ہے کہ وہ فی الفور ہی برصغیر میں واپس آ کر ان ذمہ داریوں کو انجام دے گا جو اس پر 13 اگست 1948ء کی قرار داد اور مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق عائد ہوتی ہیں-

قرار داد منظور شدہ 5 جنوری 1949ء

بھارت کی طرف سے جنگ بندی کی خلاف ورزیاں

اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کو پاکستان کی پیش کردہ شکایات

سال		تعداد
1949ء	...	50
1950ء	...	33
1951ء	...	58
1952ء	...	22
1953ء	...	17
1954ء	...	11
1955ء	...	14
1956ء	...	35
1957ء	...	37
1958ء	...	56
1959ء	...	62
1960ء	...	36
1961ء	...	320
1962ء	...	517
1963ء	...	326
1964ء	...	1598
جنوری 1965ء	...	160
فروری 1965ء	...	216
مارچ 1965ء	...	305
اپریل 1965ء	...	331
مئی 1965ء	...	442
جون 1965ء	...	392
جولائی 1965ء	...	225
کل میزان	...	5263

مہاراجہ کی حکومت کا پریس نوٹ

(12 ستمبر 1947ء)

"اگست کے آغاز میں پونچھ جاگیر کی باغ تحصیل میں اور سودھ نائی تحصیل کے شمالی حصے میں بدنیت لوگوں نے جاگیر کے نظم و نسق کے خلاف اور سول نافرمانی اور عدم ادائیگی محاصل کے حق میں شدید شورش برپا کی۔

"وزیر نے اپنے امکان بھرپور کوشش کی کہ شورش پسندوں کو عقل سے کام لینے اور قانون شکنی سے باز رہنے پر آمادہ کرے لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ 24 اگست کو جوش میں بھرے ہوئے لوگوں کا ہجوم باغ تحصیل کے مغرب میں جمع ہوا۔ اور منتشر ہو جانے کی پند و نصیحت کو بالائے طاق رکھ کر 25 اگست کو قصبہ باغ کی طرف چلا۔ قصبے کے پاس پہنچتے تک نفوس کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ اور آئندہ دو دن کے اندر ان کی تعداد میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔

"یہ ہجوم مختلف آتشیں اسلحہ' کلہاڑیوں' بھالوں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں دریائے جہلم کے مغربی کنارے کے غنڈوں کے دستے بھی شامل تھے۔ ہجوم نے قصبہ باغ میں داخلہ کا مطالبہ کیا۔ جس میں زیادہ تر غیر مسلم آباد ہیں۔ یہ مطالبہ رد کر دیا گیا۔ اس پر ہجوم نے قصبے کے نواح میں ڈیرے ڈال دیئے۔

"اس اثنا میں 26 اگست کو ریاستی فوج کی ایک سگنل پارٹی جس میں ایک ہندوستانی افسر' تین رائفلوں سے مسلح پیادہ سپاہی' ایک غیر مسلح ڈرائیور (جو اس پارٹی میں تنہا مسلمان تھا) اور تین خچر شامل تھے۔ راول کوٹ سے باغ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ باغ کے پاس کیا ہو رہا ہے جب وہ باغ سے تین میل پر پہنچے۔ تو اس کو ہجوم سے سابقہ پڑا۔ جونہی فوجی ذرا ستانے لگے۔ ہجوم نے ان پر حملہ کر دیا۔ دو آدمی تو بھاگ کر بچ گئے۔ لیکن ایک ہندوستانی افسر' دو ہندو سپاہی اور ایک نوکر پکڑ لئے گئے۔

"دوسرے دن ایک مسلم نوکر کسی طرح بچ نکلا۔ اور جہلم ویلی روڈ پہنچ گیا۔ جہاں ایک پٹرول کے دستے نے اس کو حفاظت میں لے لیا۔ ہندوستانی افسر بھی معجزانہ طریق پر بچ نکلا۔

"اسی دن جب یہ حملہ ہوا۔ سگنل والوں کی ایک پارٹی گم شدہ پارٹی کا سراغ لگانے کے لئے روانہ کی گئی۔ جس پر سرحد کے نہایت مسلح غنڈوں نے سخت حملہ کیا۔ اور ہجوم نے ان کی مدد کی۔ گم شدہ پارٹی کا سراغ لگانے سے عاجز رہ کر پٹرول کا یہ دستہ باغ کی طرف پسپا ہو گیا۔ ان میں سے ایک نائیک مارا گیا۔ اور دو سپاہی زخمی ہوئے۔

"اگلے دن (27 اگست) ہجوم نے سرحد کے اوپر سے دور مار فائر کرنے والے دستوں کی حمایت کے زیر سایہ تمام اطراف سے قصبہ باغ پر حملہ کر دیا۔ فوج نے مسلسل فائر کئے۔ جس کا مقصد ہلاک و مجروح کرنا نہ تھا۔ بلکہ ہجوم کو دور رکھنا تھا۔ چنانچہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔ اور ہجوم ناکام رہ کر پسپا ہو گیا۔ ممکن ہے ہجوم کے بعض لوگوں کو جانی نقصان پہنچا ہو۔ لیکن خیال یہ ہے کہ نقصان زیادہ نہ تھا۔ کیونکہ اس حملے کی ناکامی کے بعد جو پٹرول کا دستہ بھیجا گیا۔ کوئی ایک نعش یا زخمی دستیاب نہیں ہوا۔

"اس کے بعد حملہ آوروں نے قصبے پر حملہ کیا۔ تھوڑی سی فوج قصبہ پونچھ سے براہ راول کوٹ باغ کی مدد کے لئے بھیجی گئی۔ راول کوٹ کے کالم کو نہایت مسلح جتھوں اور بعض غنڈوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جن کی حمایت پر چند مقامی فسادی بھی تھے۔ یہ تصادم قصبے سے چھ میل مشرق کی طرف واقع ہوا۔

"باغ کو نجات دلانے کے بعد فوج کے دستوں نے تمام نواحی دیہات کا دورہ کیا۔ چار بڑے بڑے مسلح "لشکروں" کو مغلوب و منتشر کیا۔ اور دریائے جہلم کے تمام گھاٹوں پر قبضہ کر لیا۔ فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو منتشر کرنے کے لئے مختلف رقبوں میں دورہ کر رہے تھے۔ بعض نے فوج پر گولیاں چلائیں۔ لیکن جونہی فوج ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ تیزی سے منتشر ہو گئے۔ فوج کی طرف سے گولیاں چلانا ضروری تھا۔ سوائے ایک موقع کے۔ سو اس میں بھی جانی نقصان نہیں کیا گیا۔

"آج 10 ستمبر کو پوری جاگیر میں سکون قائم ہو چکا ہے۔ اور علاقے کی شہری حکومت کے نظم و نسق کو بحال کرنے کی تدابیر کی جا رہی ہیں"۔

رچرڈ سائمنڈ (فرینڈز یونٹ) کی رپورٹ

4 فروری 48ء۔ سٹیٹسمین۔ نیو دہلی

"پونچھ بنجر اور کوہستانی ملک ہے۔ جس کی اہم "برآمد" فوجی سپاہی ہیں۔ یورپ کی دوسری جنگ عظیم میں ساٹھ ہزار پونچھی ہندوستانی فوج میں بھرتی ہو کر مصروف پیکار رہے۔ ان سپاہیوں نے بیان کیا۔ کہ جب ہم جنگ سے واپس آئے۔ تو ہم نے کیا دیکھا کہ پونچھ کے راجا صاحب (جن کی حکومت گو ترقی پسندانہ نہ تھی۔ لیکن مرحمت آمیز ضرور تھی۔ اور جن کے ماتحت ہم لوگ کسی نہ کسی طرح زندگی بسر کر رہے تھے) دوران جنگ میں ایک مقدمے کے باعث جاگیر کے قبضے سے محروم کئے جا چکے ہیں۔ اور اب مہاراجا صاحب کشمیر پونچھ پر براہ راست حکومت کر رہے ہیں۔ چنانچہ جموں اور کشمیر کے تمام ظالمانہ ٹیکس ہم پر عائد ہو چکے ہیں۔ ہر چولھے پر ٹیکس' ہر گائے' ہر بھینس' ہر بھیڑ یہاں تک کہ ہر بیوی پر ٹیکس۔ آخر میں زیلداری ٹیکس اس غرض سے لگایا گیا۔ کہ ٹیکس لگانے کے مصارف وصول کئے جائیں۔ اور ڈوگرا فوج پونچھیوں پر مسلط کر دی

گئی- تاکہ جبراً ٹیکس وصول کرے-

"15 اگست اور تقسیم ہند کا وقت جتنا قریب آتا جاتا تھا- پونچھ میں بہت سے جلسے اور مظاہرے اس مقصد کے لئے ہو رہے تھے- کہ کشمیر کو پاکستان میں شامل ہونا چاہئے- مارشل لاء نافذ کر دیا گیا- اور جلسوں پر گولیاں چلائی گئیں- جب 27 اگست کو نیلابٹ میں اس قسم کا ایک واقعہ ہوا- تو ایک نوجوان زمیندار عبدالقیوم نے چند دوستوں کو ساتھ لے کر علم بغاوت بلند کر دیا- بعض معقول آدمیوں نے مجھے بتایا- کہ اگر ڈوگرے حماقت نہ کرتے تو ہم کبھی اس قسم کی حرکت میں شامل نہ ہوتے- بات یہ ہے کہ اگر کسی گاؤں میں ایک کنبہ بھی بغاوت میں شامل ہوا- تو ڈوگروں نے پورے گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے- اکثر مسلمان سابق فوجی دھڑا دھڑ عبدالقیوم کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے- اور چھ ہفتے کے اندر اندر قصبہ پونچھ کے سوا باقی سارا ضلع باغیوں کے قبضے میں آگیا"

شیخ عبداللہ کا بیان

(21 اکتوبر 1947ء)

"آج کشمیر نیشنل کانفرنس کے لیڈر شیخ عبداللہ کی اعزاز میں ایک "ایٹ ہوم" دیا گیا- جس میں تقریر کرتے ہوئے شیخ صاحب نے کشمیر کے الحاق کے مسئلہ کے متعلق یہ کہا- کہ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے- ہم اس کے ساتھ الحاق سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں- کیونکہ ریاست کشمیر کو جنگی مصالح کے اعتبار سے جو حیثیت حاصل ہے- اس کی وجہ سے اگر ریاست انڈین ڈومینین میں شامل ہو گئی- تو میرے خیال میں پاکستان کامل طور سے گھر جائے گا-

"شیخ عبداللہ نے ان مشکلات کی تفصیل بیان کی- جو ذمہ دار حکومت قائم نہ ہونے کی حالت میں اہل کشمیر کے فیصلے کی راہ میں حائل ہیں- آپ نے کہا کہ بعض ریاستوں مثلاً پٹیالہ' بھرت پور' کپور تھلہ وغیرہ کے واقعات سے کشمیری مسلمانوں میں جو آبادی میں اکثریت رکھتے ہیں- طرح طرح کے خطرات اور اندیشے پیدا ہو گئے ہیں- انہیں خوف ہے- کہ اگر ریاست کا الحاق ہندوستان سے ہو گیا تو ان کے لئے خطرے کا باعث ہو گا- اسی طرح ریاست کے ہندو اور سکھ کشمیر کے پاکستان میں شامل ہونے سے خوف کھاتے ہیں-

"شیخ صاحب نے کہا- کہ اس مسئلے کا حل صرف اسی طرح ہو سکتا ہے- کہ کشمیر میں کامل ذمہ دار حکومت قائم کر دی جائے- اور ریاستی فوج کو قومی فوج بنا دیا جائے- جس میں آج کل وادی کشمیر کا کوئی باشندہ بھرتی ہی نہیں ہو سکتا-

"آپ نے کہا- کہ کشمیر کی ایک باجگذار ریاست پونچھ میں آج کل جو ابتری پھیلی ہوئی ہے-اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاست نے وہاں غیر دانش مندانہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے- پونچھ کے لوگوں نے اپنے مقامی حکمران کے ماتحت بھی تکلیفیں اٹھائیں- اور پھر کشمیر دربار بھی جو راجا پونچھ کا حاکم اعلیٰ ہے- پونچھیوں کے لئے باعث مصیبت رہا- اب وہاں کے عوام نے اپنی شکایات کے تدارک کے لئے ایک عوامی تحریک شروع کی ہے- جو فرقہ وار تحریک نہیں ہے-

"ریاست کشمیر نے اپنی فوجیں بھیج دیں- اور پونچھ میں اضطراب پھیل گیا- لیکن پونچھ کی بالغ آبادی میں زیادہ تر لوگ ہندوستانی فوج کے سابقہ سپاہی ہیں- اور جہلم اور راولپنڈی کے لوگوں سے ان کی قریبی رشتہ داریاں ہیں- چنانچہ انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو باہر نکال لیا- سرحد پار گئے- اور اپنے ہمدردوں سے اسلحہ حاصل کر کے واپس پونچھ پہنچ گئے- موجودہ صورت یہ ہے کہ ریاست کشمیر کی فوجوں کو بعض مقامات سے پسپا ہونا پڑا ہے- شیخ عبداللہ نے حالات کی اس رفتار پر افسوس کا اظہار کیا- اور کہا کہ علاج صرف یہ ہے- کہ لوگوں پر اعتماد کیا جائے اور انہیں اپنے ملک کی حکومت کی ذمہ داریاں سونپ دی جائیں"-

کمانڈر انچیف افواج پاکستان بنام وزیر دفاع حکومت

(11 اکتوبر 1947ء)

"پاکستانی فوج کے جو سپاہی رخصت سے واپس آ رہے ہیں- ان کی طرف سے پلٹنوں کو بہت سی اطلاعات ملی ہیں- کہ پونچھ کے مسلم دیہات پر مسلح دستوں اور باقاعدہ فوج کے حملے ہو رہے ہیں- مری کی پہاڑیوں سے بہت سے مقامات پر آگ لگی ہوئی نظر آتی ہے- اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں- کہ سخت ہنگامہ برپا ہے- یہ معاملہ بے حد اہم ہے- اس لئے کہ پونچھ سے کثیرالتعداد لوگ پاکستان کی فوج میں بھرتی ہوتے ہیں- اگر کوئی فوری کارروائی نہ کی گئی- تو ممکن ہے فوج کے بعض سپاہی اسلحہ لے کر فرار ہو جائیں- اور پونچھ میں ہنگامہ تیز تر ہو جائے- آنریبل وزیر دفاع کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ حکومت کشمیر کو فوری شکایت نامہ بھیجیں اور اس واقعہ کو پاکستان میں وسیع پیمانے پر شائع کر دیں تاکہ فوجیوں کو معلوم ہو جائے- کہ حکومت کارروائی کر رہی ہے"-

دوسرے ہی دن حکومت کشمیر کو شکایت نامہ بھیج دیا گیا- جس کا کچھ اثر نہ ہوا-

ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کا بیان

"صوبہ جموں کے مسلمانوں میں پریشانی اواخر ستمبر 47ء ہی میں رونما ہو چکی تھی چنانچہ ان میں سے صحیح معلومات رکھنے والوں نے ہنگامے کا

خطرہ محسوس کر کے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں سیالکوٹ آنا شروع کر دیا تھا۔ ان میں زیادہ تر قصبہ جموں کے وہ لوگ شامل ہوتے تھے جن کے رشتہ دار ضلع سیالکوٹ میں رہتے تھے۔ ان کا قاعدہ یہ تھا۔ کہ اپنی عورتوں اور بچوں بلکہ بعض دیگر قیمتی اشیاء کو بھی سیالکوٹ چھوڑ جاتے۔ اور خود اپنے معمول اور کاروبار کے اجرا کے لئے واپس جموں چلے جاتے۔ میں نے جموں اور سیالکوٹ کی سرحد پر ایک چوکی بٹھا دی۔ اس ذریعے سے جو اعداد و شمار فراہم ہوئے۔ ان سے پتہ چلا کہ جو ہفتہ 10 اکتوبر 47ء کو ختم ہوا۔ اس میں کوئی 1933 مسلمان آئے۔ اور 752 واپس گئے۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ اس ایک ہفتے کے اندر کوئی ایک ہزار سے زیادہ افراد صوبہ جموں میں اپنے گھروں کو واپس نہیں گئے۔ میں سوچیت گڑھ کی سڑک پر گیا اور میں نے بعض لوگوں سے سوالات کئے۔ تاکہ ان سے اس ہجرت کی وجہ معلوم کروں۔ جو اس مرحلے میں ابھی بڑے پیمانے پر جاری نہ ہوئی تھی۔ مجھے یہ جواب ملا کہ ہمیں جموں میں ہنگامہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ہم نے یہ پیش بندی کی ہے۔ یہ ہجرت کا میلان روز بروز بڑھتا گیا۔ اور تقریباً وسط اکتوبر کے بعد تو یہ امر واضح ہو گیا۔ کہ صوبہ جموں کے مسلمانوں کے شبہات ہرگز بے بنیاد نہ تھے۔ تمام آثار سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ ریاست کی مسلمان آبادی کے استیصال و اخراج کے لئے ایک نہایت منظم مہم جاری ہو چکی ہے۔ تقریباً 20 اکتوبر سے کثیرالتعداد لوگ ضلع سیالکوٹ میں دھڑا دھڑ داخل ہونے لگے۔ جن کی حالت بہت مصیبت ناک تھی۔ اور جو ایک ہی قسم کا قصہ سناتے تھے۔ یعنی یہی کہ مقامی غیر مسلم آبادی میں اسلحہ تقسیم کئے گئے ہیں۔ اور وہ لوگ چھوٹے چھوٹے منظم اور مسلح جتھوں کی مدد سے (جن میں زیادہ تر باہر کے رہنے والے ہیں) پے در پے دیہات پر حملے کر رہے ہیں۔ اور ہر موقع پر ریاست کی پولیس اور فوج عملاً ان کی امداد کر رہی ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ایک گاؤں کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں اور پھر دوسرے گاؤں میں پہنچ کر اعلان کر دیتے ہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ یا تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو پہلے دیہات کا ہو چکا ہے۔ پھر جونہی مسلمان وہاں سے نکل کھڑے ہوتے۔ ان کے گھروں کو لوٹا اور جلایا جاتا۔ پھر اس بے یار و مددگار اور نہتے قافلے پر بھی جو پاکستان کو جا رہا ہوتا۔ حملے کئے جاتے۔ اور بڈھوں' عورتوں اور بچوں تک کو امان نہ دی جاتی۔ لوٹ اور آتش زنی کے ساتھ ہی ساتھ نوجوان لڑکیوں کا اغوا بھی ان حملوں کا عام معمول تھا۔ اور یہ تباہی و بربادی سارے صوبہ جموں میں یکساں پھیلائی جا رہی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہزاروں افراد چھوٹی چھوٹی ذلیل سی گٹھڑیوں کو جنہیں وہ خدا جانے کیونکر بچا کر لائے تھے۔ سینوں سے لگائے چلے آ رہے ہیں۔ اور ہر ٹولی میں ایسے لوگ موجود تھے۔ جو ڈوگروں کے تشدد کا شکار بنے تھے۔ ان مظلوم غریبوں میں بوڑھی عورتیں اور چھوٹے بچے بھی تھے۔ اور بھالوں' چھریوں اور تلواروں کے علاوہ بعض کے جسموں پر گولی کے زخم بھی لگے ہوئے تھے۔ ان ایام میں ہم فوجی ایمبولینس کاریں بلکہ سویلین موٹر لاریاں وغیرہ بھی بھیجتے تھے تاکہ سارے سرحدی دیہات سے اور سڑکوں سے زخمیوں کو جمع کر کے لے آئیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت ہمارے ہسپتالوں میں پانچ سو زخمی صرف صوبہ جموں ہی سے آ کر زیر علاج تھے۔ مقامی سول ہسپتال میں اتنی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ ہمیں نہ صرف ایک سکول کی عمارت میں فوری ہسپتال کھولنا پڑا۔ بلکہ ملٹری ہسپتال والوں سے بھی درخواست کرنی پڑی۔ کہ وہ بھی ایک سو زخمیوں کو لے جا کر ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ان اعداد و شمار میں وہ زخمی شامل نہیں ہیں جو سرحد پر ہمارے ہسپتالوں اور شفا خانوں میں (مثلاً شکر گڑھ میں) داخل تھے یا جن کے زخم معمولی تھے۔ اور جنہیں مرہم پٹی وغیرہ کرانے کے بعد اجازت دے دی جاتی تھی۔ کہ ضلع میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ہاں چلے جائیں۔ جب ہرا یکسیلنسی لیڈی مونٹ بیٹن 29 اکتوبر 47ء کو سیالکوٹ آئیں۔ تو ہم نے ان کو بھی وہ مظلوم انسان دکھائے۔ جو ڈوگروں کی وحشت و بربریت کا شکار ہوئے تھے۔ "فرینڈز یونٹ" کے نمائندے الگزنڈر اور سائمنڈ بھی ہمارے ہسپتالوں میں زخمیوں کو دیکھنے آئے اور انہوں نے کیمپوں میں جا کر ریاست کے دوسرے پناہ گیروں سے بھی بات چیت کی۔

"خاص قصبہ جموں میں ہنگامہ کسی قدر بعد میں ہوا۔ اس کے متعلق کچھ اطلاعات تو مل گئی تھیں۔ لیکن میں بالکل بے بس تھا۔ اور اس معاملے میں کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ ریاست کی طرف سے تار اور ٹیلیفون کا سلسلہ کاٹ دیا گیا تھا۔ اور سرحد ہمارے لئے بالکل بند کر دی گئی تھی۔ کسی شخص کو جموں جانے کی اجازت نہ دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ یورپین ملٹری افسروں سے بھی جو جموں بریگیڈ کے افسروں سے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ بطریق احسن کہہ دیا گیا کہ جموں جانے کی کوشش نہ کریں۔ جب بریگیڈیئر کالیئر ایریا کمانڈر سیالکوٹ نے میری تجویز کے مطابق جموں بریگیڈ کے بریگیڈیئر رادت سے استدعا کی۔ کہ وہ ایک یورپین آفیسر کو جموں جاکر وہاں کے صحیح حالات معلوم کرنے کا موقع دے۔ تو رادت نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ میں نے یہ استدعا میاں افتخارالدین صاحب کے ایک مراسلہ کی تعمیل میں کی تھی۔ جو اس وقت مغربی پنجاب کے ریفیوجی منسٹر تھے۔ قصبہ جموں کے مسلمان کئی دن تک بالکل حالت محاصرہ میں رہے۔ اور اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے قصبے کے صرف ایک دو محلوں میں جمع ہونے پر مجبور ہو گئے۔ غالباً 4 نومبر کو ہندوستان کے نائب وزیراعظم سردار ولبھ بھائی پٹیل اور وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ جموں گئے۔ تو مقامی مسلمان لیڈروں نے مہر چند مہاجن وزیراعظم کشمیر اور دوسرے حکام سے ملاقات کی۔ لیکن

انہیں یہ جواب ملا کہ ریاست مسلمان شہریوں کی حفاظت سے قاصر ہے۔ اس لئے انہیں پاکستان ہی چلے جانا چاہیے۔ وزیراعظم اور وزیر دفاع کی آمد کے دوسرے دن قصبے میں اعلان عام کیا گیا۔ کہ مسلمانوں کو کانوائے میں بحفاظت سوچیت گڑھ (سرحد پاکستان) پہنچا دینے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ سب تالاب کھیکاں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ جب پہلا کانوائے جس میں چالیس اور ساٹھ کے درمیان لاریاں تھیں۔ لد لدا کر تیار ہو گیا۔ تو اس کو سوچیت گڑھ کی طرف لے جانے کے بجائے اس کا رخ کٹھوعہ کی طرف کر دیا گیا۔ پناہ گیروں نے بہت چیخ و پکار کی۔ لیکن ان کو بتایا گیا۔ کہ ملٹری ہی اس تخلیہ کی ذمہ دار ہے۔ اور اسی کو معلوم ہے کہ سرحد کے کس مقام پر پناہ گیروں کو اتارا جائے گا۔ جب یہ قافلہ سانبہ کے چند میل کے فاصلے پر مہوا کے مقام پر پہنچا۔ تو یہاں روک لیا گیا اتنے میں سامنے سے کچھ فوجی سپاہی جیپوں میں بیٹھے ہوئے آن پہنچے۔ یہاں پناہ گیروں کی تلاشی لی گئی۔ اور تمام قیمتی اشیاء ان سے چھین لی گئیں۔ اس کے بعد فوجیوں اور غیر فوجیوں نے جو وہاں جمع ہو گئے تھے۔ نوجوان لڑکیوں کو اٹھانا شروع کیا۔ بعض عینی شاہد جو فوجیوں کے لوٹ مار میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بیان کرتے ہیں کہ یہاں اندھا دھند گولی چلائی گئی۔ جس سے کثیرالتعداد مسلمان شہید ہو گئے۔ اس اطلاع کی تصدیق بعض بچ نکلنے والے ذمہ دار حضرات نے بھی کی ہے۔ جن میں چوہدری غلام مصطفیٰ ایم۔ ایل۔ اے۔ ریاست جموں و کشمیر بھی شامل ہیں۔ یہ حملہ شام کے چھ بجے ہوا۔ جس کے بعد جلدی ہی اندھیرا چھا گیا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر بعض پناہ گیر سیالکوٹ کے تحصیل نارووال اور تحصیل شکر گڑھ کو بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ تحصیلیں ریاست کی سرحد کے متصل واقع ہیں۔

"6 نومبر کو پناہ گیروں کا ایک اور قافلہ قریب قریب اتنی ہی لاریوں میں سوار کرایا گیا۔ اس قافلے کو اکھنور کی نہر کی طرف لے گئے۔ اور ابھی قصبہ سے چار ہی میل دور پہنچے تھے۔ تو پناہ گیروں پر حملہ کر دیا گیا۔ اس قافلے میں قصبے کے خوشحال لوگ شامل تھے۔ اگرچہ ہماری اطلاع یہ ہے کہ اس کی جمعیت دو ہزار کے قریب تھی لیکن ان میں سے جو لوگ اپنی جان بچا کر بھاگ سکے۔ ان کی تعداد ہماری رپورٹ کے مطابق تیس چالیس سے زیادہ نہیں! پناہ گیروں کے اس قافلے میں چوہدری حمید اللہ قائم مقام صدر مسلم کانفرنس کا کنبہ بھی تھا۔ اور چوہدری غلام عباس کا ایک بھائی بھی تھا۔ جو خوش قسمتی سے بچ کر نکل آیا۔ اور نہایت قابل رحم حالت میں اس نے سیالکوٹ پہنچ کر یہ داستان غم سنائی۔ اس حملے کی خبر شہر میں پھیل گئی۔ اس لئے کہ حملہ شہر کے قریب ہی ہوا تھا۔ اور بعض پناہ گیر بھاگ کر پھر جموں پہنچ گئے تھے۔ جہاں انہوں نے ساری کہانی سنائی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن میاں نصیرالدین کی ہدایت کے مطابق باقی پناہ گیروں نے جموں سے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور حکام کو بتا دیا کہ اگر تم ہمیں گولی کا نشانہ بنانے کا مصمم ارادہ کر چکے ہو۔ تو یہیں اپنا شوق پورا کر لو۔ اس المیہ کی خبر اور پہلے دو قافلوں پر مظالم کی اطلاع اس اثنا میں ہمیں پہنچ چکی تھی۔ اور اخباروں میں بھی شائع ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد جو قافلے جموں سے سوچیت گڑھ پہنچے۔ ان پر کوئی حملہ نہ کیا گیا۔ صرف ایک دفعہ سوچیت گڑھ کی چوکی پر کوئی نصف درجن لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔

"صوبہ جموں سے جو مسلمان پناہ گیر ضلع سیالکوٹ میں آئے۔ ان کی صحیح تعداد بتانا بے حد دشوار ہے۔ اس لئے کہ ابتدا میں حکومت کی ہدایات یہی تھیں۔ کہ ان لوگو کو پناہ گیروں میں شمار نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہم ان کو یہی مشورہ دیتے رہے کہ ضلع سیالکوٹ میں یا صوبے کے کسی اور مقام پر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں مقیم ہو جائیں۔ بے شک کچھ دیر بعد حکومت نے ان کے قیام و طعام کا انتظام کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن احکام کی یہ ترمیم اس وقت ہوئی۔ جب پناہ گیر منتشر ہو چکے تھے۔ اور صرف وہ باقی رہ گئے تھے۔ جن کا کوئی اور ٹھکانا نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ پناہ گیروں کے کیمپوں میں رکھے گئے۔ اس لئے ان کی صحیح تعداد معین کرنا تو ممکن نہیں۔ البتہ اندازہ ہے کہ تعداد اسی ہزار سے کم نہ ہو گی۔ اس وقت (جنوری 48ء میں) کیمپ کے اندر سات ہزار پناہ گیر موجود ہیں۔ جو کسی قدر خوش حال پناہ گیر کیمپوں میں داخل نہیں ہوئے۔ اور جنہیں شہر میں مکانات مہیا کئے گئے ہیں۔ ان کی تعداد کا اندازہ تیرہ ہزار کیا گیا ہے۔ اور یہ اندازہ ان راشن کارڈوں کی بنا پر ہے۔ جو ابھی ایک ہفتہ پہلے جاری کئے گئے ہیں۔ انہیں مفت راشن دینے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا۔ کہ ان کے اپنے وسائل ختم ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنا پیٹ پالنے کے قابل نہ رہے تھے۔ چنانچہ سر ولفریڈ گرگسن سے مشورہ کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا گیا۔ کہ انہیں راشن بلا قیمت دیا جائے۔ اس تعداد میں وہ افراد شامل نہیں ہیں۔ جن کے پاس گزارن کے وسائل موجود ہیں۔ یا جنہوں نے شہر میں عارضی طور پر ملازمت یا کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اور اس لئے وہ مفت راشن حاصل کرنے کے مستحق نہیں ہیں۔ شہر میں مسلم پناہ گیروں کی پوری تعداد یقیناً مندرجہ بالا اعداد شمار سے زیادہ ہو گی۔ باقی پناہ گیر دیہاتی علاقوں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے ہاں مقیم ہو چکے ہیں۔ یا سرحد کے ان دیہات پر قبضہ کر چکے ہیں۔ جنہیں غیر مسلم خالی کر گئے ہیں۔

"ایسے پناہ گیر سرحد کے ساتھ ساتھ کوئی ایک سو میل لمبے رقبے میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض تو اپنا گزارا اس طرح کر رہے ہیں۔ کہ سرحد کو عبور کر کے اپنے اصلی دیہات میں سرحد جموں سے پانچ میل اندر چلے جاتے ہیں۔ اور اپنی چھوڑی ہوئی کھڑی فصلوں سے جو کچھ

ہو سکتا ہے۔ لے آتے ہیں۔ اور بعض اوقات انہیں گولیوں کی بوچھاڑ سے گزرنا پڑتا ہے۔ صوبہ جموں کے تمام مسلم پناہ گیروں کی مردم شماری کی جا رہی ہے۔ جب مکمل ہو جائے گی۔ تو صحیح تعداد بتائی جا سکے گی۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار کو محض ایک سرسری تخمینہ سمجھنا چاہیے۔ یہ پناہ گیر زیادہ تر جموں۔ رنبیر سنگھ پورہ۔ اکھنور اور سانبہ کی تحصیلوں (ضلع جموں) اور کٹھوہہ اور جسمیر گڑھ کی تحصیلوں (ضلع کٹھوہہ) سے آئے ہیں۔

"صوبہ جموں کے مقتولین کی پوری تعداد بتانا پناہ گیروں کی تعداد سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ لیکن تمام اطلاعات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا قتل بہت وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ خدا جانے اندرون ملک کی مسلم آبادی کا کیا حشر ہو گا اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جو مسلمان بھاگ کر پاکستان کے علاقے میں پہنچے ہیں وہ صرف سرحد کے قریبی علاقے سے آئے ہیں۔ بے شک ان کو بھی سخت نقصان پہنچا ہے۔ لیکن اگر اندرون ملک میں بھی قتل و خون اسی پیمانے پر ہوا ہے۔ جو پناہ گیر بیان کرتے ہیں۔ تو صوبہ جموں کے مسلم مقتولین کی تعداد یقیناً بہت ہی زیادہ ہو گی۔"

جموں کے مسلم پناہ گیر

رپورٹ مورخہ 15 نومبر۔ 47ء جو مشرقی پنجاب کی حکومت کے ایک انگریز افسر نے ارسال کی۔

12- نومبر 1947ء اور 13 نومبر 47ء کو میں مسٹر . . . . . کے ساتھ سیالکوٹ گیا۔ اس دوران میں ہم نے ڈپٹی کمشنر مسٹر احمد آئی سی ایس اور بریگیڈیر کالیئر (پاکستان آرمی) سے بحث و تمحیص کی۔ اور سیالکوٹ میں مسلم پناہ گیروں کے کیمپ اور سول اور ملٹری کے ہسپتالوں میں صوبہ اور شہر جموں کے بہت سے پناہ گیروں سے بھی باتیں کیں۔

پناہ گیروں کی تعداد

ڈپٹی کمشنر نے بتایا۔ کہ تقریباً چالیس ہزار پناہ گیر جموں سے ضلع سیالکوٹ میں داخل ہوئے ہیں۔ جن میں سے آٹھ ہزار پناہ گیروں کے کیمپ میں سے گزرے ہیں۔

زخمیوں کی تعداد

ہمیں بتایا گیا کہ سیالکوٹ سول ہسپتال میں زخمیوں کی تعداد 280- ایمرجنسی ہسپتال میں 43- فوجی ہسپتال میں 70- شکر گڑھ میں 112- اور ظفروال میں 90 ہے۔ ہم نے کوئی دو سو آدمی زخمی دیکھے۔ جن میں زیادہ تر بوڑھے آدمی۔ بوڑھی عورتیں اور بچے تھے۔ اور جنہیں تلواروں۔ رائفلوں اور بندوقوں کے زخم لگے تھے۔

قافلوں پر حملے

5- نومبر 1947ء (محمد عارف کلرک شہر جموں کی شہادت)

5- نومبر کی صبح کو جموں شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ تمام مسلمان یہاں سے چلے جائیں اور بتایا گیا۔ کہ حکومت پاکستان نے ان سے تخلیہ کی استدعا کی ہے۔ ان کو پریڈ میدان میں جمع ہونے کی ہدایت کی گئی۔ یہاں سے انہیں پولیس لائن لے گئے۔ وہاں ان کی تلاشی لی گئی۔ پھر انہیں دو کانوائیوں میں تقسیم کیا گیا۔ جن میں سے ایک میں تیس اور دوسری میں چھبیس ٹرک تھے۔ اور ان کو بتایا گیا۔ کہ وہ سوچیت گڑھ بھیجے جائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس کانوائے کٹھوعہ کی سڑک پر لے جائے گئے۔ اور مہوا کے مقام پر پہنچ کر پناہ گیروں کو ٹرکوں سے اتر جانے کا حکم دیا گیا۔ مسلح سکھ ڈرائیور جیپیں چلا رہے تھے انہوں نے تمام جوان عورتیں چھین لیں۔ اور سامان لوٹ لیا۔ اس کے بعد باقی مسافروں پر تلواروں رائفلوں سے مسلح سکھوں اور اچھوتوں نے حملہ کر دیا۔ اور ریاست کشمیر اور انڈین یونین کی فوج چپ چاپ تماشا دیکھتی رہی۔ جموں سے جو تین چار ہزار پناہ گزین چلے تھے۔ ان میں سے کوئی نو سو اپنی جان بچا کر سیالکوٹ پہنچ سکے۔ ان میں مسٹر غلام مصطفیٰ ایم ایل اے بھی تھے۔ گواہ نے بیان کیا۔ کہ اسے اپنی بیوی بچے اور بہن کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ چودھری غلام عباس پریذیڈنٹ مسلم کانفرنس کشمیر کیا ایک بیٹی اور ایک بہن غائب کر دی گئیں:-

6- نومبر 47 (عبدالقیوم ٹھیکیدار کی شہادت)

6- نومبر 47ء کو ستر ٹرکوں کا ایک قافلہ پوری طرح لدا ہوا۔ جس میں شہر جموں کے بہت سے معزز مسلمان بھی سوار تھے۔ سوچیت گڑھ کو روانہ ہوا شہر سے چند میل دور ٹرکوں کی رفتار دھیمی ہو گئی۔ اور عقب سے ان پر جموں نے حملہ کر دیا۔ میں اور دو سو دوسرے افراد اتر کر نہر میں کود پڑے۔ جب ہم نہر کو عبور کر رہے تھے تو ہم پر کانوائے کے پہرے داروں نے گولیاں چلائیں۔ اور میرے بہت سے ساتھی لقمہ اجل ہو گئے۔ میں دوسرے ساتھیوں سے جدا ہو گیا۔ اور پانچ راتوں کے بعد سوچیت گڑھ پہنچا۔ صرف تین اور بچے کھچے آدمی سیالکوٹ پہنچے۔ چوہدری حمید اللہ خان کا کنبہ بھی اس قافلے میں تھا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ یہ حملہ راشٹریہ سیوا سنگ کے رضاکاروں اور سرخ ٹوپیوں والے فوجیوں نے کیا۔

9 نومبر 1947ء (سید بشیر ہیڈ کلرک جموں شہر کی شہادت)

تیس ٹرکوں کا ایک قافلہ جیپوں کی حفاظت میں جن میں ڈوگرے اور مداری پہرے دار تھے۔ صحیح سلامت سوچیت گڑھ پہنچ گیا۔ لیکن پھر بھی

سرحد پر چھ سات عورتیں اور کچھ سامان لوٹ ہی لیا گیا۔

10 نومبر 1947ء

اکیس ٹرکوں کا ایک قافلہ صحیح سلامت نکل آیا۔ کپتان میاں نصیر الدین (آئی پی ایس ریٹائرڈ جو جموں میں مسلم پناہ گیروں کے سب سے بڑے رہنما تھے۔ اسی قافلے کے ایک ٹرک میں سوار تھے۔ گولی چلنے سے پہلے وہ اتار لئے گئے۔

اس کے بعد کوئی قافلہ نہیں پہنچا۔ پناہ گیروں کا عام اندازہ یہ تھا۔ کہ اب بھی ہزار دو ہزار مسلمان جموں کے کیمپ میں اور چار ہزار استاد محلے میں باقی ہوں گے۔

دیہات پر حملے

(الف) محمد اکبر خان میونسپل کمشنر سانبہ کی شہادت۔

سانبہ میں چودہ سو مسلمان آباد تھے۔ اکتوبر کے آغاز میں ہندوؤں اور سکھوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اور ان پر راشن اور پانی بند کر دیا۔ 22 اکتوبر کو مہاراجہ اور گورنر سانبہ میں آئے۔ اس کے فوراً بعد ہی مسلمان عورتیں اٹھالی گئیں۔ اور باقی مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ جن میں بمشکل پندرہ آدمی بچ کر ضلع سیالکوٹ میں پہنچے۔

(ب) قربان احمد سابق ایم ایل اے موضع ہنڈور (کٹھوعہ) کی شہادت۔

کئی دن تک لاقانونی کا دور دورہ رہا۔ اور سب ڈویژنل افسر کٹھوعہ نے مسلمانوں کی حفاظت کا انتظام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر آٹھ ہزار مسلمان 20 اکتوبر 47ء کو ملا تالاب (نزد کٹھوعہ) پر جمع ہوئے۔ وہ سرحد کی جانب کوئی تین میل گئے ہوں گے۔ کہ ڈوگرا فوج اور سکھوں نے ان کو گھیر کر قتل عام کر دیا۔ صرف چالیس بچ سکے۔

(ج) مشتاق علی ہیڈ کانسٹیبل جموں صدر تھانہ کی شہادت۔

اکتوبر کے آغاز میں پولیس نے حکومت کو رپورٹ بھیجی (جو محکمے کے رجسٹروں میں درج بھی ہے) کہ ہندو اور سکھ گورداسپور سے بذریعہ کٹھوعہ اسلحہ درآمد کر رہے ہیں۔ ہم نے پولیس کی کمک طلب کی۔ جو نہ بھیجی گئی۔ اور جو اسلحہ ہم نے ہندوؤں اور سکھوں سے چھینے تھے۔ وہ حکومت نے پھر انہی کو واپس دے دیئے۔

17- اکتوبر کو میں نے دیکھا کہ ریاستی فوج جیپوں میں آکر مسلمانوں پر مشین سے گولیاں چلا رہی ہے اور جموں میں مسلمان عورتیں اغوا کی جا رہی ہیں۔ 28 اکتوبر 47ء کو پولیس ان مسلمانوں کی امداد کے لئے گئی۔ جن پر ڈاگیانہ میں حملہ ہو رہا تھا۔ لیکن فون نے پولیس کو واپس بھیج دیا۔ آخر کار سب انسپکٹر پولیس نے تھانے کے تمام پولیس مینوں کو چلے جانے کا مشورہ دیا۔ میں پولیس لائین کو بھاگا۔ اور ایک کانوائے کے ذریعے سے بچ نکلا- 22 اکتوبر کو ساری مسلمان پولیس غیر مسلح کر دی گئی۔

(د) اللہ دتہ کاشتکار نوگاؤں (متصل میراں صاحب) کی شہادت۔

حکومت کی ہدایت کے ماتحت میراں صاحب کے علاقے سے پچیس ہزار مسلمان نوگاؤں میں جمع کئے گئے۔ 23 اکتوبر 1947ء کو ڈویژنل مجسٹریٹ اور تحصیلدار نے ان کو حکم دیا کہ تین تین سو کی ٹولیوں میں پاکستان روانہ ہو جائیں۔ جب وہ روانہ ہونے لگے۔ تو پہلے ان کا مال اسباب اور عورتیں چھین لی گئیں۔ اور اس کے بعد ڈوگرا فوج نے ان کو مشین گنوں اور رائفلوں سے بھون ڈالا۔ سب ڈویژنل آفیسر بھی اپنے ریوالور سے فوج کی مدد کرتا رہا۔ ڈیڑھ سو مسلمان کھڑی فصلوں میں چھپ کر بچ گئے۔ میرے کنبے کے نو افراد تلف ہو گئے۔

(ہ) فیروز دین کاشتکار اور سابق فوجی سپاہی کی شہادت۔

20 اکتوبر 1947ء کو آس پاس کے دیہات سے پندرہ ہزار مسلمان اکھنور کے پل پر بلائے گئے۔ اور ان سے کہا گیا کہ پچاس پچاس کی ٹولیوں میں پاکستانی سرحد کی طرف چلے جائیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو ڈوگرا اور راجپوت فوج نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ایک سو مسلمان مکئی کے کھیتوں میں چھپ چھپا کر اپنی جانیں بچا سکے۔

نتائج:-

پناہ گیروں کے بیانات عام طور پر اعداد و شمار کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوتے۔ لیکن یہ تفتیش حکام ضلع کی درخواست پر نہیں۔ بلکہ ہماری استدعا پر کی گئی تھی۔ یہ گواہ بالکل صحیح اور عینی شاہد معلوم ہوتے تھے۔ اور بہت سے اور بھی موجود تھے جن میں سے بعض کے ساتھ ہم نے باتیں کیں۔ اور بعض سے گفتگو کرنے کے لئے ہمیں وقت نہ ملا۔

ہم نے جو کچھ ہسپتالوں میں دیکھا۔ اور جو کچھ پناہ گیروں سے سنا۔ اس سے ہم یہ یقین کئے بغیر نہ رہ سکے۔ کہ جموں میں مسلمانوں کا نفرت انگیز قتل عام کیا گیا ہے۔ ہم فوراً بذریعہ تار وزیر اعظم ہند کو اطلاع دی۔ اور ایک مکمل مشترکہ بیان لکھا۔ جو 14 نومبر 47ء کو مسٹر ---- دہلی لے گئے۔ اس بیان میں ہم نے مسٹر ---- کے لئے اس امر کی اجازت بھی طلب کی۔ کہ وہ مسلمانوں کی حالت کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے جموں اور سری نگر جا سکیں۔

میں نے یہ بیان سیکرٹری گورنمنٹ پاکستان (ریفیوجی ڈیپارٹمنٹ) کی استدعا پر مرتب کیا ہے۔ اگرچہ میں مشرقی پنجاب کی حکومت کے ماتحت ایک آنریری آفیسر مقرر کیا گیا ہوں۔ لیکن اس تقریر میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے میری یہ رپورٹ خلاف قاعدہ سمجھی جا سکے۔ تاہم میری درخواست ہے۔ کہ کسی اخباری بیان میں میرا نام اس رپورٹ کے سلسلے میں نہ لیا جائے۔ ہاں اگر اس مضمون کے

متعلق حکومت ہند کے ساتھ کسی کانفیڈنشل خط و کتابت میں میرا نام لے لیا جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

(15 نومبر 1947ء)

کپتان فضل الرحمان خان ایم ایل اے کشمیر باشندہ موضع پنجیری تحصیل بھمبر ضلع میرپور کا بیان

گذشتہ اگست کے آخر میں میں سری نگر سے جموں آیا۔ میری آمد کا مقصد یہ تھا۔ کہ جس طرح باقی مسلمان جموں نکل رہے ہیں۔ اس طرح میں بھی اپنے بچوں کو نکال لے جاؤں۔ جموں میں میں نے دیکھا۔ کہ حکام ضلع سیالکوٹ اور گجرات کے غیر مسلم پناہ گیروں کو زیادہ تر ہندو دیہات میں آباد کر رہے ہیں۔ عین اس وقت جموں کے بعض مسلمانوں نے اپنے بال بچوں کو سیالکوٹ بھیج دیا۔ جس پر چیت رام چوپڑا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بڑا مانا۔ اور مسلمانوں کا حکم دیا۔ کہ وہ اپنے کنبوں کو باہر نہ بھیجیں۔ اسی دوران میں مسٹر محمد مقبول راشننگ آفیسر جموں کا تبادلہ ہو گیا اور ان کی جگہ ایک ہندو مسمی بانکے بہاری مقرر کیا گیا۔ اس بانکے بہاری نے میرے رو برو گورنر کو مشورہ دیا۔ کہ جموں سے مسلمانوں کے خروج کو روکنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ کہ جو مسلمان اور ان کے کنبے عارضی طور پر بھی ریاست سے باہر جائیں۔ ان کے راشن کارڈوں کی تجدید نہ کی جائے۔ میں نے یہ بھی دیکھا۔ کہ پنڈت پریم ناتھ ایم ایل اے ہمیشہ ریلوے سٹیشن اور لاریوں کے اڈوں پر جا کر گجرات اور سیالکوٹ کے غیر مسلم پناہ گیروں کا استقبال کرتا۔ اور ان کو بحفاظت بعض مندروں میں پہنچا دیتا۔ جہاں راشٹریہ سیوا سنگ کے ممبران کو فوجی ٹریننگ دیتے۔ جب میں نے مارچ 40 اجلاس لیجسلیٹو اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے ریاستی حکومت کو اس امر کی توجہ دلائی تھی۔ کہ راشٹریہ سیوا سنگ کے ممبر ریاست کے اندر فوجی ترتیب کے ساتھ آزادانہ گھوم رہے ہیں۔ تو یہی پریم ناتھ تھا۔ جس نے میری تقریر پر اعتراض کیا تھا۔ مارچ 1947ء سے پہلے معمول یہ تھا۔ کہ اگر کسی ضلع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہندو ہوتا۔ تو ڈپٹی کمشنر ضرور مسلمان لگایا جاتا (یا اس کے برعکس) لیکن اپریل 47ء میں یہ پرانا معمول ترک کر دیا گیا۔ اور ہر ضلع میں یہ دونوں بڑے عہدے ہندوؤں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اگست کے اواخر میں مہاراجا کشمیر نے منڈی۔ سکیت اور پٹیالہ کے راجاؤں کی ایک کانفرنس طلب کی۔ اس جلسے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسٹر کاک وزارت عظمیٰ کے عہدے سے الگ کر دیئے گئے۔ اور غالبا مہارانی صرف اسی غرض سے ایک مہینے تک سری نگر ہی میں مقیم رہیں۔ کہ کاک ریاست چھوڑ کر چلا جائے۔ چنانچہ وہ اسی دن ریاست سے رخصت ہوئیں جس دن کاک روانہ ہوا۔

اکتوبر 47ء میں جب لیجسلیٹو اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مجھے بریگیڈیر میجر کی طرف سے ایک پیغام ملا کہ مہاراجا کی خواہش ہے۔ کہ میں ریاستی فوج میں سابق فوجیوں کو بھرتی کراؤں۔ 4۔ اکتوبر کو یا اسکے قریب خاص قاصد نے مجھے مہاراجا کے یہ احکام پہنچائے کہ میں دوسرے سات آٹھ بھرتی افسروں کے ساتھ گلاب پیلس میں مہاراجہ کے سامنے حاضر ہو جاؤں۔ جب ہم باریاب ہوئے۔ تو مہاراجا نے ہم سے کہا کہ میں تم لوگوں سے وفاداری کی توقع رکھتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں۔ کہ تم لوگ نہایت سرگرمی سے بھرتی کا کام اپنے ہاتھ میں لو۔ اور کل ہی درہ بانہال کے پار چلے جاؤ۔ اسی دن شام کے وقت مجھے اور بریگیڈیر خدا بخش کو دوبارہ مہاراجا کی ملاقات کے لئے طلب کیا گیا۔ کہ ایک قابل ذکر نکتہ یہ ہے۔ کہ بھرتی کے ہندو افسر ہم سے الگ کر دیئے گئے۔ کیونکہ حکومت کے نزدیک یہ بات ٹھیک نہ تھی۔ کہ مسلمان افسروں کو وہ ہدایات خصوصی معلوم ہو جائیں۔ جو ہندو افسروں کو دی گئی تھیں۔ بھرتی کے کام کے لئے جموں روانہ ہونے سے پہلے میں نے رائے بہادر جنک سنگھ وزیراعظم سے ملاقات کی جنہوں نے مجھے بتایا۔ کہ بھرتی کی مہم اس نقطہ نظر سے شروع کرنی چاہئے۔ کہ کشمیر آزاد رہے گا (یعنی کسی ڈومینین کے ساتھ ملحق نہ ہو گا)

7- اکتوبر کو میں اپنے فرائض مفوضہ کی بجا آوری کے لئے جموں پہنچا۔ اور 9- اکتوبر کو براہ نوشہرہ میرپور کو روانہ ہوا۔ میں نے بھرتی کی مہم شروع کر دی۔ اور 15- اکتوبر کو نوشہرہ پہنچا۔ یہاں رات کو مجھے معلوم ہوا۔ کہ اس مطلب کے خفیہ پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ کہ پاکستان اور کشمیر کی درمیانی سرحد سے تین تین میل کے اندر جو گاؤں ہیں۔ وہ فی الفور خالی کر دیئے جائیں۔ اس پیغام سے میرے دل میں بے حد تشویش پیدا ہوئی۔ اور چونکہ میں ان ہدایات سے آگاہ نہ تھا۔ جو مہاراجا نے ہندو بھرتی افسروں کو دی تھیں اس لئے ریاستی حکومت کے عزائم بد کے متعلق میرے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔ لہٰذا میں نے بھرتی کا کام تو چھوڑ دیا۔ اور اپنے گاؤں میں واپس آگیا۔ رستے میں میں نے رتن سنگھ ڈپٹی کمشنر میرپور سے ملاقات کر کے پوچھا۔ کہ آیا کسی وقت سرحد کے قریبی دیہات کو خالی کرانے کا امکان بھی ہے! اس نے جواب دیا۔ کہ اگر ہماری فوجی طاقت بڑھ گئی۔ تو ہم رفتہ رفتہ ان دیہات میں فوج متعین کریں گے۔ اور آبادی کو نکال لیں گے۔ میں نے اپنے گاؤں میں پہنچ کر چند اعتباری آدمیوں کو یہ اطلاع دے دی۔ اور گاؤں خالی ہونا شروع ہو گیا۔ چونکہ میں نے مذکورہ بالا خفیہ پیغام بھی سنا تھا۔ اور اس کے بعد ڈپٹی کمشنر میرپور اور کمانڈنگ آفیسر تھرڈ کشمیر رائفلز سے اس کے متعلق گفتگو بھی کی تھی۔ اس لئے مجھے اندیشہ تھا۔ کہ مبادا میرے گاؤں کی آبادی کے تخلیہ پر مجھے گرفتار کر لیا جائے۔ اور یہ کہا جائے۔ کہ دیہاتیوں کو میں نے سب کچھ بتایا ہے۔ اس وقت تک میں تحصیلدار بھمبر اور فوجی افسروں کو بتا چکا

تھا۔ کہ سرحد کے قریب دیہات کا خالی کرانے کے متعلق حکومت کی پالیسی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے میری طرف سے مہاراجا کی خدمت میں یہ استدعا پہنچا دی جائے۔ کہ وہ اس پالیسی کو بدل دیں۔ کمپنی کمانڈر میرا دوست تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ کہ میں اس معاملے میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ اور اس نے مجھے برگیڈیر میجر کے احکام کی ایک نقل دکھائی۔ جس میں سرحدی دیہات کے انخلا کا ذکر موجود تھا۔ 21۔ اکتوبر کو مہاراج بھمبر آیا۔ اور اس کے فوراً بعد مجھے (بحیثیت ذیلدار موضع) میرے سربراہ کی معرفت ایک چٹھی ملی (نقل شامل ہے) اس مرحلے پر یہ حکم تحصیل کی معرفت عام کر دیا گیا۔ کہ سرحد سے تین میل کے اندر کے تمام دیہات خالی کر دیئے جائیں۔ مناور کے علاقے میں مسلمانوں پر اس بہانے سے بڑی سختیاں کی گئیں۔ کہ انہوں نے اس حکم کے باوجود فوراً اپنے گاؤں کیوں خالی نہیں کئے۔ - کاتک (22۔ اکتوبر) کو میں نے راؤ رتن سنگھ کو دیاتیوں کی طرف سے ایک درخواست بھیجی جس کے ساتھ خود بھی ایک چٹھی لکھی اور اس میں ان مشکلات کی طرف توجہ دلائی جو لوگوں کو تخلیہ میں پیش آئیں گی۔ 7۔ کاتک (23۔ اکتوبر) کو مجھے راؤ رتن سنگھ کی طرف سے چٹھی کا جواب مل گیا۔ (نقل شامل ہے) 8۔ کاتک (24۔ اکتوبر) کو یہ محسوس کر کے کہ ریاست میں مسلمان کی جان بالکل غیر محفوظ ہے۔ میں پاکستان پہنچ گیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے۔ کہ ڈپٹی کمشنر ان حکام سے بے خبر تھا۔ جو تحصیلدار نے مجھے پہنچائے تھے۔ اور اس نے عورتوں اور مال اسباب کو اندرون ملک میں بھیج دینے کا جو مشورہ دیا تھا۔ وہ اور بھی زیادہ تعجب انگیز ہے۔ ان واقعات کے انداز سے میں اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ نکال سکا۔ کہ حکام ریاست مسلمان آبادی کا تخلیہ نہیں چاہتے۔ بلکہ ان کی خواہش یہ ہے۔ کہ وہ یہیں رہیں۔ اور ڈوگرا فوج راشٹریہ سیوا سنگ کے ممبر اور غیر مسلم غنڈے ان سب کا خاتمہ کر دیں۔

نقل حکم تحصیلدار بھمبر

ذیلدار پنجیری

موجودہ حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل دیہات جو سرحد سے تین میل کے اندر واقع ہیں فی الفور خالی کرا لینے چاہئیں۔ اور اس سلسلے میں جو کارروائی کی جائے۔ اس کی اطلاع تحصیلدار کو دی جائے۔

دیہات:۔ کوٹلی۔ پنجیری۔ علیؑ بیگ۔ مڑیال۔ غازی گریاں۔ علیؑ بیگ گوجراں۔ موہرا چنی۔

مورخہ 5۔ کاتک (21۔ اکتوبر 47ء)

(دستخط تحصیلدار)

نقل چٹھی از راؤ رتن سنگھ ڈپٹی کمشنر میرپور

مائی ڈیر سردار فضل الرحمان خان

آپ کی چٹھی ملی۔ اور حالات مندرجہ معلوم ہوئے۔ مجھے تحصیلدار کے حکم کا کوئی علم نہیں تاہم اس حکم اور موجودہ حالات کے پیش نظر یہ مناسب ہو گا۔ کہ آپ اپنے ہاں کی عورتوں اور ان کے سامان وغیرہ کو اندرون ملک میں بھیج دیں۔ آپ ذاتی طور پر اپنے گاؤں کی حفاظت کریں۔ اور زمین کی کاشت جاری رکھیں۔ تاکہ غیر ضروری نقصان نہ پہنچے۔ میری رائے میں اس وقت ریاست کو چھوڑ جانا مناسب نہ ہو گا۔

7۔ کاتک (23۔ اکتوبر 47ء)

آپ کا مخلص

(دستخط) رتن سنگھ

وزیراعظم پاکستان کی نشری تقریر

مورخہ 4۔ نومبر 1947ء

"دنیا جانتی ہے۔ کہ ہم نے حکومت کشمیر سے بہتر مفاہمت کرنے کے لئے کس قدر مسلسل و متواتر کوشش کی ہے۔ لیکن حکومت کشمیر نے ہماری ان تمام مساعی کو نذر تغافل یا مسترد کر دیا۔ 2۔ اکتوبر کو میں نے وزیراعظم کشمیر کو تجویز لکھ بھیجی۔ کہ دونوں حکومتوں کے درمیان متنازعہ مسائل پر جن میں ساکن معاہدے کے ماتحت سپلائی کا مسئلہ اور سرحدی حملوں کے باہمی الزامات کا سوال بھی شامل ہے۔ دونوں حکومتوں کے نمائندوں کی گفتگو ہونی چاہئے۔ وزیراعظم کشمیر نے جواب دیا۔ کہ میں اس وقت بے حد مصروف ہوں۔ اور ان معاملات پر گفتگو نہیں کر سکتا۔ تاہم میں نے اپنی حکومت کے ایک نمائندے کو کشمیر بھیجا۔ تاکہ ریاست کے ارباب اختیار سے بات چیت کرے۔ لیکن وزیراعظم نے اس سے بات چیت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اسے واپس آنا پڑا 15۔ اکتوبر کو وزیراعظم کشمیر کا ایک تار میرے نام آیا۔ جس میں یہ دھمکی دی گئی تھی۔ کہ اگر پاکستان نے غیر جانب دار تحقیقات کی تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ تو ہم سرحد کشمیر پر پاکستانیوں کے غیر دوستانہ افعال کا مقابلہ کرنے کے لئے بیرونی امداد طلب کرنے پر مجبو ہوں گے۔ 20۔ اکتوبر کو قائداعظم نے حکومت کشمیر کے ایک تار کے جواب میں وزیراعظم کشمیر کو توجہ دلائی کہ پاکستان کشمیر کے ساتھ اپنے تعلقات کو خوشگوار بنانے کی بار بار کوشش کر چکا ہے۔ اور لکھا کہ وزیراعظم کشمیر کراچی آ کر معاملات پر گفت و شنید کر لے۔ اس استدعا کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ قائداعظم نے واضح کیا۔ کہ بیرونی امداد طلب کرنے دھمکی قریب قریب "الٹی میٹم" کا حکم رکھتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حکومت کشمیر کی پالیسی کا اصل مقصد ایسا موقع تلاش کرنا ہے۔ کہ کشمیر دفعتاً" یونین میں شامل ہو سکے۔

حکومت کشمیر نے مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے نمائندہ بھیجنے سے انکار کیا۔ غیر جانب دار تحقیقات کے نمائندہ نامزد نہ کیا۔ قائداعظم نے وزیراعظم کشمیر کو کراچی آنے کی جو دعوت دی۔ اس کا جواب نہ دیا۔ اپنی فوج کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کر کے ریاست میں دانستہ فسادات پیدا کئے۔ اور جس دن ہندوستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق منظور ہوا۔ اسی دن نو بجے صبح انڈین یونین کی فوج ہوائی جہازوں میں سری نگر پہنچ گئی۔ ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور کشمیر کو مرضی کے خلاف الحاق کرنے کا منصوبہ موجود تھا۔ جو صرف اسی طریق سے پورا ہو سکتا تھا۔ کہ ہندوستانی فوجیں ملک پر قابض ہو جائیں۔

اگرچہ حکومت کشمیر نے پاکستان کے خلاف ہر قسم کے الزامات عائد کئے۔ (اور انہی نام نہاد بد سلوکیوں کے تدارک کی غرض سے حکومت ہند نے حکومت کشمیر کو فوجی امداد بھیجنی تھی!) لیکن انڈین ڈومینین نے کسی مرحلے پر بھی نہ ان بیانات و الزامات کے متعلق حکومت پاکستان سے جواب طلب کیا۔ اور نہ باہم گفت و شنید سے اس مسئلے کے حل کی کوئی کوشش کی۔ حکومت پاکستان کو صرف اس وقت اطلاع دی گئی۔ جب ہندوستان نے کشمیر کا الحاق تسلیم کر لیا۔ اور اپنی فوجیں کشمیر میں اتار دیں۔

کشمیر پر حکومت ہند کے اس ناواجب قبضے کے بعد قائداعظم نے تجویز کی۔ کہ لاہور میں فوراً ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ جس میں دونوں ملکوں کے گورنر جنرل۔ دونوں حکومتوں کے وزیراعظم اور مہاراجا اور وزیراعظم شامل ہوں۔ یہ دعوت قبول کر لی گئی۔ اور 29۔ اکتوبر کو یہ کانفرنس منعقد ہونے ہی والی تھی۔ کہ آخری لحہ پر پنڈت نہرو کے بیمار ہو جانے کی وجہ سے ملتوی کرنی پڑی۔ پھر یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ کانفرنس یکم نومبر کو منعقد ہو۔ اور اس میں دونوں گورنر جنرل اور دونوں وزیراعظم شریک ہوں۔ یہ کانفرنس بھی نہ ہو سکی۔ کیونکہ پھر آخر لحہ پر یعنی یکم نومبر کی صبح کو ہمیں اطلاع دی گئی۔ کہ پنڈت نہرو علالت کی وجہ سے لاہور پہنچ کر اس میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ اس طرح جہاں تک انڈین ڈومینین کا تعلق ہے۔ کانفرنس کے انعقاد کا خیال غت ربود ہو گیا۔ اگر حکومت ہند حقیقت میں اس اہم اور ضروری مسئلہ پر گفت و شنید کرنے کی خواہش رکھتی۔ تو پنڈت نہرو کی جگہ ان کے نائب وزیراعظم کانفرنس میں شریک ہو سکتے تھے۔ یکم نومبر کو لارڈ مونٹ بیٹن جائنٹ ڈیفینس کونسل کے اجلاس میں شامل ہونے کے لئے اکیلے لاہور آئے۔ اور انہوں نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں لارڈ مونٹ بیٹن کی خدمت میں چند تجویزیں پیش کی گئیں۔ لیکن اس کے بعد حکومت ہند کی طرف سے قائداعظم کو یا مجھے کوئی پیغام یا مراسلہ موصول نہ ہوا۔ بلکہ اس کے بجائے پنڈت نہرو نے حقائق سے قطعاً خلاف حکومت پاکستان کے خلاف بے سروپا الزامات دنیا بھر میں نشر کئے۔ ان کی تقریر اس وقت ہوئی۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن واپس دہلی پہنچے۔ ان کے الزامات کی حقیقت جو کچھ ہے۔ وہ میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں۔ اب اصل امور کا فیصلہ آپ لوگ اور اہل عالم خود ہی کر لیں۔"

(اقتباس)

پاکستان اور بھارت کے درمیان معاہدہ

(یہ تقریر پاکستان اور بھارت کے مابین معاہدے کے سلسلے میں بمقام کراچی 10 اپریل 1950ء کو کی گئی)

جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے میں 2 اپریل کو بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو سے دہلی میں اس مقصد سے ملا کہ ہم مل کر ان مسائل کا حل سوچیں جو دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو عام طور پر اور مغربی بنگال' آسام' تری پورہ اور مشرقی پاکستان کی اقلیتوں کو خاص طور پر درپیش ہیں۔ میرے لئے یہ باعث اطمینان ہے کہ ہماری گفت و شنید ایک خوشگوار اور صاف گوئی کے ماحول میں ہوئی۔ یہ گفت و شنید 8 اپریل کو ختم ہوئی اور ہمارے درمیان جو متفقہ فیصلہ ہوا وہ میں آج صبح مجلس قانون ساز میں پیش کر چکا ہوں۔

میں اس تقریر میں اس عہد نامے کی مختلف دفعات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً یہ بیان کر دیا جائے کہ ہم نے متفقہ طور پر کیا کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس عہد نامے کے دو پہلو ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق ان مسائل سے ہے جو دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو عام طور پر پیش آتے ہیں یعنی جن کا تعلق ان کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور ان فسادات کے فرد کرنے سے ہے جو آئندہ ان دونوں ملکوں کے کسی بھی حصے میں رونما ہوں۔ دوسرے پہلو کا تعلق ان مسائل سے ہے جو مغربی بنگال آسام' تری پورہ اور مشرقی پاکستان کی اقلیتوں کو اس وقت پیش آ رہے ہیں۔ وہ جہاں جہاں بھی اس وقت اقلیتوں میں بے چینی ہے اس کو رفع کیا جائے۔ اس وقت جو لوگ اپنا ملک چھوڑ کر جا رہے ہیں ان کے دل میں اطمینان پیدا کیا جائے تاکہ وہ ترک وطن کا خیال چھوڑ دیں بلکہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ جو لوگ جا چکے ہیں وہ اپنے گھروں کو واپس آ جائیں۔

جہاں تک بنیادی حقوق کا تعلق ہے اس عہد نامے میں ان ہی حقوق کا ذکر ہے جو دستور ساز اسمبلی کی قرار ادا اغراض و مقاصد میں درج ہیں۔ اس کی رو سے ہر پاکستانی کو خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو ہو ایک ہی جیسے حقوق حاصل ہیں۔ اس کی زندگی جائیداد' عزت اور تہذیب کی حفاظت حکومت پاکستان فرض ہے۔ ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جہاں چاہے جائے اور جس جگہ چاہے رہائش اختیار کرے۔ اور اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ قانون اور اخلاق عامہ کے ماتحت جس مذہب کی پیروی کرنا چاہے کرے' جو طریق عبادت اختیار کرنا چاہے آزادی سے اختیار کر سکے' ساتھ ہی ساتھ ان کو ملک کی خدمت کے لئے ویسے ہی موقعے حاصل ہوں جیسے باقی شہریوں کو

دونوں حکومتوں نے اس بات کو دہرایا ہے کہ اقلیتوں کو یہ تمام حقوق حاصل ہیں اور پاکستان اور بھارت کی حکومتیں اس کی ضامن ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اقلیتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت سے پوری وفاداری کریں اور ان کو جو بھی شکایات ہوں ان کے ازالے کے لئے اپنی ہی حکومت سے متوجہ ہوں۔ اس ضروری اصول کی تکرار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس پر توجہ نہ دینے سے طرح طرح کے سیاسی اور فرقہ وارانہ الجھنیں پیدا ہوتی رہی ہیں۔

ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں۔ یا فسادات میں حصہ لیتے ہیں۔ یا لوٹ مار کرتے ہیں ان کو پوری پوری سزا دی جائے۔ ہر طرح کے غلط پراپیگنڈے کو خواہ زبانی ہو یا اس کی اشاعت اخباروں اور ریڈیو سے ہو روکا جائے۔ خاص طور پر اس پراپیگنڈے کا انسداد کی جائے۔ جس کا مقصد دونوں ملکوں میں جنگ کرانا یا ان کے استقلال کو خطرے میں ڈالنا ہو۔ عہد نامے میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ جبری تبدیل مذہب کو قبول نہ کیا جائے اور اغوا شدہ عورتوں کی واپسی کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔

مغربی بنگال۔ آسام' تری پورہ اور مشرقی پاکستان کی اقلیتوں میں جو بے چینی ہے اور جس کی وجہ سے بعض لوگ اپنا ملک چھوڑ کر جا رہے ہیں اس کو رفع کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ دونوں ملکوں کی مرکزی حکومت عارضی طور پر ایک ایک وزیر ان علاقوں میں مقرر کریں جہاں پر فسادات کا اثر ہوا ہے تاکہ وہ نہ صرف اقلیتوں کو اطمینان دلا سکیں بلکہ اس عہد نامے کی شرائط پر عمل کرنے میں دونوں حکومتوں کی مدد کریں یہ دونوں وزیر ایک دوسرے سے مشورہ کر کے کام کریں گے۔ اسی سلسلے میں یہ تجویز بھی قبول کی گئی ہے کہ مغربی بنگال' آسام' اور مشرقی پاکستان میں اقلیتوں میں سے ایک ایک وزیر مقرر کیا جائے۔ موجودہ مائی نورٹی بورڈ منسوخ کر کے ان کی جگہ مائی نورٹی کمیشن مقرر کئے جائیں گے یہ کمیشن وقتاً" فوقتاً" یہ رپورٹ کریں گے کہ عہد نامے کی شرائط پر کیا کیا عمل ہوا ہے اور اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو اس کو کس طرح پورا کیا جائے۔ دونوں مرکزی وزیر جو فیصلہ متفقہ طور پر کریں گے ان پر دونوں حکومتیں بالعموم عمل کریں گی اگر ان میں اختلاف رائے ہوا تو میں اور پنڈت نہرو مل کر اس اختلاف کو رفع کرنے کی تجاویز پر غور کریں گے۔

میں نے عہد نامے کی شرائط ایک خاکے کی صورت میں آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ ایک اور چیز ہے جو خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بعض لوگوں کو یہ ڈر ہے کہ چونکہ پاکستان ایک اسلامی حکومت ہے اس لئے یہاں اقلیتوں کے ساتھ پورے انصاف کا سلوک نہیں ہو سکتا۔ یہ خوف بالکل بے بنیاد ہے۔ جس شخص نے مجلس قانون ساز کی قرار داد اغراض و مقاصد ذرا بھی غور سے دیکھی ہے اس پر یہ واضح ہونا چاہئے کہ پاکستان کی حکومت آزادی' برابری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر قائم کی گئی

ہے۔ جو ہر پاکستانی کے لئے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو ایک ہی جیسے عائد ہوتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ اس بے بنیاد خوف کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔

اس عہد نامے کے سلسلے میں میری اور پنڈت نہرو کی تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے ہم نے نہ صرف ان مسائل پر بہت غور و خوض کیا ہے بلکہ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو پوری طرح سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس گفتگو کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا ہے کہ پنڈت نہرو ہر ممکن کوشش کریں گے۔ کہ بھارت کی اقلیتوں کے جان و مال' عزت آبرو اور تہذیب کا پورا تحفظ کریں۔ مجھے امید ہے کہ ان کو بھی یہ اطمینان ہو گیا ہو گا کہ میں بھی پاکستان میں اس مقصد کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کروں گا۔

میں اقلیتوں کا مخاطب کرنا چاہتا ہوں اور ان کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے دل سے شکوک نکال دیں اور اکثریت کے متعلق ان کے دل میں جو بدظنی ہے اس کو رفع کر دیں۔ جب تک وہ بھی ایسا نہیں کریں گے حالات پوری طرح ٹھیک نہیں ہوں گے یہ ایک پیش پاافتادہ چیز ہے کہ اعتماد ہی سے اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اگر اقلیتیں اکثریت پر پوری طرح بھروسہ کرنا شروع کر دیں تو اس سے نہایت خوشگوار حالات پیدا ہو جائیں گے۔

میں پاکستانیوں کو پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اقلیتوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان کو بحیثیت پاکستانی شہری ہونے کے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو پاکستان ی مسلمانوں کو ہوں گے۔ ہمارا مقدس فرض ہے کہ ہم اس وعدہ کو پورا کریں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمیں خدا اور رسول خدا کی طرف سے حکم ہے کہ ہم ہر حالت میں انصاف اور راستی سے کام لیں۔ کیونکہ یہی نجات کا راستہ ہے۔ اسلام نے اس بات پر نہایت زور دیا ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اقلیت کے ہر فرد کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرے اگر اس کے لئے اسے اپنی جان بھی دینی پڑے تو اس کو اس میں گریز نہیں کرنا چاہئے۔

حکومت پاکستان مصمم ارادہ کر چکی ہے کہ وہ اس عہد نامے کو کامیاب بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی کیونکہ اس پر کروڑوں انسانوں کی زندگی' خوشی اور رنج کا انحصار ہے۔ لیکن حکومت کو اسی حال میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ جب ہر پاکستانی تہ دل سے حکومت کا ہاتھ بٹائے اور اقلیتوں کے ساتھ پوری ہمدردی اور انصاف کا سلوک کرے۔

پاکستان کی ترقی اور بقا اسی میں ہے کہ پاکستان کے باشندے اتحاد رائے اور اتحاد عمل سے کام لیں اور منظم ہو کر نیکی اور سچائی کے راستے پر چلیں دنیا میں کوئی قوم بے انصافی اور ظلم کر کے پروان نہیں چڑھی۔ بے انصافی کا راستہ آسان نظر آتا ہے لیکن وہ تباہی کا راستہ ہے۔ نیکی کا راستہ کٹھن دکھائی دیتا ہے لیکن دائمی راحت کا یہی راستہ ہے۔ اسلام ہمیں یہی سبق دیتا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر عمل کریں۔

مجھے امید ہے کہ یہ عہد نامہ پاکستان اور بھارت کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے میں ایک پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ اور یہ اس نئے دور کا آغاز کرے گا۔ جس میں ہم ان مشکل مسئلوں کو آپ سب میں بیٹھ کر خود ہی طے کر سکیں گے جو ابھی تک ہمارے درمیان اختلاف کا سبب تھے اور جن کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی۔ پاکستان ہر وقت صلح و آشتی چاہتا ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہمسایہ ملکوں سے ہمارے تعلقات دوستانہ ہوں۔ ہم یہی کوشش کریں گے۔ کہ بھارت سے ہمارے تعلقات ایسے اچھے ہوں کہ ہم ہر مسئلے کا حل پر امن طریقے سے کر سکیں کیونکہ اسی میں دونوں ملکوں کی فلاح ہے۔"

لسانی مسئلہ اور سیاست

سائیکلوپیڈیا کے پہلے اور چوتھے حصے میں لسانی مسئلے خصوصا بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دینے کے بارے میں تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے۔ 1952ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفراللہ خان نے ڈاکٹر ایل آر خان کا تصنیف کردہ ایک کتابچہ شائع کیا جس میں عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دینے پر زور دیا گیا تھا۔ اسی دوران مرکزی دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی خاصی بڑی تعداد نے اس مطالبے کی حمایت میں بیان جاری کیا' اس سے قبل مشرقی پاکستان مسلم لیگ کونسل عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دینے کا مطالبہ کر چکی تھی۔ سر آغاخان بھی عربی کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کی تائید و حمایت کر چکے تھے اور جس کی ڈاکٹر ایل آر خان نے اپنے کتابچے میں حمایت بھی کی ہے۔ ان دستاویزات کی اہمیت کے پیش نظر انہیں سائیکلو پیڈیا کے آخری حصے (دستاویزات میں شامل کیا جا رہا ہے

حکومت پاکستان کی آئندہ زبان

اس مسئلہ پر ایک محققانہ نظر

نتیجہ فکر

ڈاکٹر ایل آر خاں ایم ڈی

یہ بات ایک امر مسلمہ ہے کہ پاکستان کے ورود سے پیشتر کسی جمہوری ملک نے یکسر مذہب کی بنیادوں پر تشکیل ہیں پائی۔ دنیا چونکہ جمہوریت کے اس تخیل کے لئے مطلقاً تیار نہ تھی' عوام نے فطرتاً اس عجیب و غریب شے کو حیرت زدہ ہو کر دیکھا' اور یہ حیرت نفرت سے خالی

نہ تھی۔ اس مذہب کے پرستار جو دنیوی حاکم یعنی قیصروقت اور خدا کے لئے علیحدہ علیحدہ حدود کا تخیل رکھتے تھے' مذہب کو خانگی اور شخصی دھندا قرار دیکر یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ اس کو سیاسیات میں دخل دینے کا کوئی حق ہے۔ سالہا سال تک اس مذہب کے پرجوش پیرووٗں' اور ان کے کھدر پوش چاپلوسوں' نے جن کو ہندوستان میں کافی سیاسی اقتدار حاصل تھا' مذہب کی بنیادوں پر ایک سلطنت کے قیام کے تخیل پر خوب ہنسی اڑائی۔ لیکن جب واقعات کی بے پناہ قوت نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ تسلیم کریں کہ اس کا وجود میں آنا ناگزیر ہے' انہوں نے پہلے تو اس نووارد بچہ کے ہاتھ پاؤں کی کاٹ چھانٹ کی اور پھر جھلا کر ان بانہوں پر دے پٹکا جو اس کو سنبھالنے کے لئے مدت سے بے چین تھیں۔ اس حرکت کے بعد انہوں نے نہایت ناشائستہ عجلت کی حالت میں اپنے گھر کا رخ کیا۔ لیکن باوجود اس نازیبا جلدی کے وہ کبھی کبھی رک کر' چوری چھپے' اپنی محبت بھری تحسین آمیز' نگاہوں کا رخ ان مرتد برہمنوں کی جانب کر دیتے تھے جن کی نام نہاد "غیر مذہبی" سلطنت کا تخیل ان کے اپنے جمہوری تصور سے ملتا جلتا تھا۔ یہ نظریہ وہ تھا جس کی آغوش میں اس تعصب نے پناہ لی ہوئی تھی جو ایک زنگی کو' خلاف قانون' موت کا شکار بنانا' یا اس کو دوسرے انسانوں سے علیحدہ رکھنے کو ایک معمولی چیز سمجھتا تھا .عینہ اسی طرح جیسے کہ اس کے جوڑی دار "شودر" کو "پلید" سمجھا جاتا ہے اور جس کو جنم واصل کرنے کے لئے کانوں میں پگلا ہوا سیسہ ڈالنے کا سہل ترین طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس کی گواہی منو شاستر دے رہے ہیں چونکہ وہ بھارتی قانونی حفاظت سے نہ تو خارج ہیں اور نہ کھلے الفاظ میں ابھی تک ناجائز ٹھہرائے گئے ہیں۔

مسلمانوں کا تخیل قومیت

عوام الناس کے لئے پاکستان کا تصور اس درجہ انوکھا تھا کہ وہ لوگ بھی جو براہ راست اور سب سے پہلے اس سے مستفید ہونے والے تھے اس کی اہمیت کو پوری طرح نہ سمجھ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سالہا سال سے غیر مسلموں کی سیاسی شاگردی کی لعنت میں مبتلا تھے اور ان غیر حقیقی نعروں کے شور و غوغا سے متاثر تھے جو پشتوں سے ان کا اوڑھنا بچھونا بنے ہوئے تھے۔ وہ پاکستانی جس نے ابھی ابھی قومی بلندی حاصل کی تھی' اس بات کو تقریباً بھول چکا تھا کہ قومیت کا اسلامی تخیل جغرافیائی اور نسلی حدود سے بالاتر ہے۔ اس کے دوستوں کی حیرانی کی حد نہ رہی جب انہوں نے خود پاکستانی کو مقامیت اور صوبہ پرستی کے امراض میں مبتلا پایا۔ ان کی علامات "زبان کا مسئلہ" اور وہ مطالبہ تھے جس کی رو سے مرکزی عہدہ داروں کا تقرر صوبائی آبادی کے تناسب سے کیا جانا لازم قرار دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی یہ چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ مرکزی کابینہ کے وزرا اس

بات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے اپنے صوبہ کا امیدوار ہی کامیاب ہو۔ بعض وزرا نے تو عہدوں کی حصہ رسدی مستقل طور پر صوبائی بنیادوں پر روا قرار دے دی ہے! حال ہی میں پاکستان کے مسلمانوں کا مفکر طبقہ ایک سہانی صبح کو آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور دیکھتا کیا ہے کہ خود بنگال کے وزیراعظم مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں کھڑے ہو ر فرماتے ہیں کہ وہ ایک قرار داد لانا چاہتے ہیں جس میں دستور ساز اسمبلی سے سفارش پاکستان کی ایک مرکزی زبان قرار دیا جائے! اس نام نہاد "تحریک خاص" کی ایک دوسرے وزیر نے تائید کی اور اس کو ایوان نے بہ اتفاق رائے منظور کر لیا! طرہ یہ ہے کہ اس واقعہ نے تقریباً 24 ہی گھنٹہ پہلے صوبائی پولیس نے ان طلبا پر گولی چلا دی تھی جو بنگالی زبان کی موافقت میں مظاہرہ کر رہے تھے! آخر مس فاطمہ جناح کے اس بیان کا کیا فائدہ ہوا جو محترمہ نے 30/ نومبر1951ء کو ملتان میں دی اتھا اور جس میں صوبائی عصبیت کی مذمت کی گئی تھی اور پاکستان قوم کو اس "زہر" کے خلاف متنبہ کیا گای تھا چونکہ (بہ الفاظ محترمہ موصوفہ) "اس میں پاکستان کے استحکام یک خلاف سب سے بڑا خطرہ مضمر ہے" کیا وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کی وہ معرکتہ آلارا تقریر بیکار گئی جو صاحب موصوف نے ڈھاکہ میں 27/ جنوری 1952ء کو دی تھی اور جس میں قوم کو بہ بانگ دہل تلقین کی گئی تھی کہ وہ صوبائی عصبیت کو مکمل طور پر تہس نہس کر دیں؟ سخت تعجب کا مقام ہے کہ باوجود ان بلند و برتر وعظ و پند کے مشرقی پاکستان کے وزیراعظم نے خود صوبائی ایوا کو مجبور کیا کہ وہ ایک ایسی اقرار داد پاس کرین جس میں "پاکستان کے استحکام یک خلاف سب سے بڑا خطرہ مضمر ہے" لائل پور میں ایک خطبہ استقبالیہ کا جواب دیتے ہوئے معلی لقاب جناب گورنر جنرل صاحب نے 21 فروری 1952ء کو فرمایا:۔ "میں اس امر کا اظہار نہایت پرزور طریقہ پر کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان نے اس لئے جنم پایا تھا کہ وہ معیاری تصورات' جن کو ہم اپنے دلوں میں جگہ دیئے ہوئے ہیں' نہ صرف مضبوطی سے جمے رہیں' بلکہ اچھی طرح سے نشوونما بھی پائیں۔" وہ کون سے معیار ہیں جن کی جانب صاحب بہادر ہم اور آپ کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں؟ لاکلام یہ وہی نظریات ہیں جو دنیا کے سامنے1374 برس پہلے پیش کئے گئے تھے۔ آ جا ان پاکیزہ آئیڈیلز (IDEALS) کو چھوڑ کر ہم مسلمانوں نے سخت ترین دقتوں کا سامنا کیا ہے اور بے حد نقصان اٹھایا ہے!

"ہم نے عربی قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو"

خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔ انا انزلنه قرانا

عربیا لعلکم تعقلون اس آیت میں یہ مفہوم مضمر ہے کہ مسلمان خواہ کہیں بھی جائیں جا رہیں' عربی زبان کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور دل و جان سے اپنائیں گے۔ اگر اس مفہوم کو ایک امر بحث طلب سمجھا جائے تو یہ آیت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے چونکہ قرآن ہی میں ایک دوسرے مقام پر یہ درج ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے یہ کتاب بھیجی گئی ہے۔ کیا یہ ایک امر واقعہ نہیں کہ بنی آدم' زبان کے لحاظ سے' سینکڑوں فرقوں میں منقسم ہے؟

قرآن کا نصب العین یہ ہے کہ سب مسلمانوں کی ایک ہی زبان ہو۔

"دنیا کے سب حصوں کے مسلمانوں کی ایک ہی مشترکہ زبان ہو" قرآن کا وہ نصب العین ہے جس سے ہم' سنگین ترین طریقہ پر دور ہٹ چکے ہیں۔ آج پاکستان میں اس گناہ عظیم کا خمیازہ ہم کو بری طرح سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ کیا ہر مسلمان کا دل ان المناک واقعات سے نہیں دکھا جو 21 فروری 1952ء کو ڈھاکہ میں رونما ہوئے تھے؟ جو ہو چکا اب رو نہیں کیا جا سکتا۔ اس سانحہ سے ایک فائدہ ضرور ہوا ہے۔ اس نے ایک اس سے بھی بڑے سانحہ کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کر دی ہے یعنی اس ہولناک بہاؤ کی جانب جو ان کو اسلامی معیار سے دور تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ جلد بازی' اور بے مغز اتفاق رائے جس کا مظاہرہ مشرقی پاکستان کی اسمبلی نے اس قرار داد کے پاس کرنے میں کیا ہے جس کی رو سے بنگالی زبان کو مرکزی حکومت کی زبان بنانے کی سفارش کی گئی ہے' ایسی چیزیں ہیں جن پر پوری طرح سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے دوسرے صوبہ جات کے لئے بھی ہو راستہ صاف کر دیا ہے جسکی بنا پر وہ اپنی مقامی زبانوں کو بھی مرکزی حکومت کی زبان بنائے جانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان یک بنیادی تخیل ہی کا خاتمہ کر دینا پڑے گا۔ چند ایسی نیک اندیش اور قابل توقیر ہستیاں پہلے ہی سے موجود ہیں جو روس' کینیڈا' اور سوئٹزرلینڈ' کی مثالوں کو' یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کر رہی ہیں' کہ "ان مقامات پر ایک سے زیادہ زبانیں ان کے اتحاد اور اتفاق کے آڑے کبھی نہیں آئیں۔" مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی' ایک بیان میں' جو انہوں نے 1952ء کو ڈھاکہ میں دیا تھا' علاوہ دوسری باتوں کے' ان الفاظ کو زبان مبارک پر لائے:... چار کروڑ پچاس لاکھ پاکستانیوں کی مادری زبان کا حق ہے کہ اس کو مرکزی حکومت کی زبانوں میں شمار کیا جائے۔ اس کی یہ بھی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ قدرتی طور پر خائف ہیں کہ اگر ایک غیر زبان لئے نئے واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور بے وجہ ان کی ترقی اور نشوونما میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی" مولانا صاحب نے نے جو اردو کو ایک "غیر زبان" کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری قومی عارضہ کوئی سطحی یا معمولی نہیں۔ کیا یہ وہی زبان نہیں جس کو تقدس ماب ڈاکٹر عبدالحق' معتمد انجمن ترقی اردو' نے ایک موقع پر "اسلامی تربیت اور تہذیب کی جلیل القدر علم بردار" کے نام سے یاد فرمایا تھا؟ اس میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ ہماری قومی مشین کی کوئی نہ کوئی چول ڈھیلی ہو چکی ہے۔ اگر مولانا عبدالحمید خاں .بھشانی نے مغربی بنگال کی پڑوسی ہند و حکومت کی وہ گشتی چھٹی پڑھی ہوتی جو اس نے اپنے تمام ایسے چھوٹے بڑے ملازمین کے نام جاری کی تھی جو بنگالی پڑھے ہوئے نہ تھے' اور جس میں صاف طور پر یہ جتلا دیا گیا تھا کہ "بنگالی زبان سیکھنے ہو تو سیکھو ورنہ دفع ہو جاؤ" تو شاید صاحب موصوف اپنی زبان کو روک تھام کر یہ فرماتے کہ ایک "غیر زبان" مشرقی پاکستان پر تھوپی جا رہی ہے۔ جس چیز کے تمام ذی ہوش پاکستانیوں کو دلی صدمہ پہنچا ہے وہ نہ صرف یہ مطالبہ ہے کہ بنگالی کو ایک مرکزی درجہ دیا جائے بلکہ وہ پرجوش جذبہ بھی ہے جس نے ہمارے مشرقی پاکستان بھائیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ سرحد کے پار کی آوازوں پر لبیک کہیں' جو خیال ہمارے رنج و ملال کی شدت کو انتہا تک لے جاتا ہے وہ یہ امر واقعہ ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں دشمنان پاکستان کا ڈٹ کر مقابلہ نہیں کیا۔ افسوس صد افسوس! ہمارے صریح دشمنوں نے طبقہ طلبا کو اس درجہ بے خبر پایا کہ وہ ان کے اشاروں پر ناچنے لگے!

اسلام پاکستان کا وہ اولین عنصر ہے جس پر اسکی قلبی حرکت کا ابھی تک انحصار ہے

جب ایک نوجوان کے پرجوش عقائد کو بری طرح سے مشتعل کر دیا گیا ہو' جب اس کے دوستوں اور ہموطنوں کو پاداش جرم میں زندگی ہی سے ہاتھ دھونا پڑا ہو' یہ ممکن نہیں کہ وہ آپ کی بحث سنے اور اس سے فائدہ حاصل کرے۔ بہرحال بنگال کی الجھن کی تحلیل کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ باوجود ان سنگین لغزشوں کے جو مسلمانوں سے ہندوستان کے 1947ء کے بٹوارے کے بعد سے لگاتار سرزد ہو رہی ہیں' اسلام ابھی تک پاکستان کا وہ اولین عنصر ہے جس پر اس کی قلبی حرکت مبنی ہے۔ اگر اب بھی ہم کمر باندھ کر اسلام اور اس کے معیار زندگی کو بچانے کے لئے تیار ہو جائیں تو پاکستان خود بخود اس حادثہ عظیم سے محفوظ رہ سکتا ہے جس اس کا دوچار ہونا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

عربی ایک سیاسی ہتھیار کی شکل میں۔ مسلمانوں کا تجاہل عارفانہ

اگر ہم ایک سخت ترین مغالطہ میں مبتلا ہیں تو یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ

اسلام اپنے پیروؤں کے رگ و پے میں پورے طریقہ سے پیوست ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ عربی زبان سے واقف نہ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان' پانی 1374 برس کی گوناگوں زندگی میں کثیر التعداد فاش غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ جب وہ روئے زمین پر ایک فاتحانہ انداز سے آگے بڑھ رہے تھے وہ اپنے سب سے بڑے سیاسی ہتھیار' یعنی عربی' کو پس پشت ڈالتے چلے گئے۔ ہم سابق باشندگان سرزمین ہند اپنے اسلاف کی کوتاہیوں پر خاص طور پر نالاں ہیں۔ اپنے مغربی طرز عمل کے خلاف انہوں نے مشرق کی جانب گامزن ہوتے ہوئے دوربینی اور فکر مستقبل کو بالائے طاق رکھ دیا۔ جب وہ ایران میں داخل ہوئے تھے ان کو حکمت عملی پر اپنی زبان کو بھینٹ نہیں چڑھانا چاہئے تھا۔ جب انہوں نے افغانستان میں قدم رکھا تو ان کو اپنی عربی زبان کو سرکاری دفاتر سے خارج کرنے سے احتراز کرنا ضروری تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کو اپنے طول و اہم ہندوستانی دور حکومت میں برج بھاشا سے خلط ملط ہونا نہیں چاہئے تھا چونکہ اس شیر و شکر ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو نہ صرف اپنے بیباک اور بے بدل ہتھیار' عربی' سے ہاتھ دھونے پڑے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ مخلوط النسل فارسی بھی' جو عربی کی حد درجہ مرہون منت تھی' ہاتھ سے جاتی رہی۔ کیا یہ مسلمانوں کا تجاہل عارفانہ نہ تھا؟ کیا وہ اپنے قومی اغراض کو اس درجہ بھول گئے تھے کہ آنکھوں دیکھتے اپنے پیر پر کلہاڑی مار بیٹھے؟ 1374 برس قوموں کی زندگی میں کوئی غیر معمول طول و طویل عرصہ نہیں اب بھی وقت ہے کہ ہم توبہ کریں اور اپنی غلطی کا علی الاعلان اعتراف کریں۔ آیئے! ایک نئے دور کا آغاز کای جائے اور عربی کو دوبارہ اس بلند مسند پر بٹھا دیا جائے جہاں سے سیاسی بیداری اور مذہبی تجدید کا رواج اس کے پاک ہاتھوں سے بخیر و خوبی ہو سکے۔ ان دردناک تازہ واقعات کو' جو حال ہی میں ڈھاکہ میں رونما ہوئے ہیں' ہمارے دل و دماغ میں یہ بات بٹھلا دینی چاہئے کہ ایک خطرناک بیماری کے علاج کے لئے ایک غیر معمولی تدبیر کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس اردو بنگالی قضیہ کا فوراً خاتمہ کر دینا چاہئے تاکہ ہمارے محبوب پاکستان اور اسلام کے بالاتر اغراض کو ٹھیس نہ لگے۔ بنگالی مسلمانوں کو جو عربی سے محبت ہے وہ ایک رقت خیز مظاہرہ ہے جس کی کہیں مثال نہیں۔ محض عربی ہی ایک ایسی چیز ہے جن ان کو اپنی مادری زبان کی محبت سے بے نیاز کر سکتی ہے۔ عربی کو حکومت پاکستان کی مرکز کی زبان بنانے کے مسئلہ کی بنگالی بھائیوں نے عام طور پر حمایت کی ہے۔ ہزاروں لوگوں نے اس محضرنامہ پر پہلے ہی دستخط ثبت کر دیئے ہیں جو دستور ساز اسمبلی نے صدر کے نام بھیجا گیا ہے۔ مشرقی پاکستان کی مسلم لیگ کونسل نے 21 جنوری 1951ء کو ایک قرار داد منظور کی جس میں عربی کو حکومت پاکستان کی مرکزی زبان بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ مرکزی دستور ساز اسمبلی کے' اور مشرقی بنگال کی قانون ساز اسمبلی کے 65 بنگالی ممبران نے بھی ایک علیحدہ بیان نکالا ہے جس میں انہوں نے مسلم لیگ کونسل کے ریزولیوشن کی پرزور تائید کی ہے او رمرکزی آئین ساز اسمبلی سے درخواست کی ہے کہ وہ اس اہم رزولیوشن کی حمایت کرے جب بھی کبھی عربی زبان کا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہو۔ ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنگال میں پڑھے لکھے' اور غور و فکر کرنے والے' لوگوں کا طبقہ اس تحریک کی موافقت میں ہے۔ اسی لئے ہم سب کو چاہئے کہ عربی کو پاکستان کی مرکزی سرکاری زبان بنانے کے معاملہ میں اشتراک عمل کریں اور مل کر یہ کوشش کریں کہ یہ پیاری زبان' زیادہ سے زیادہ بیس برس میں یہ درجہ حاصل کر لے۔ اس انحراف کے پیش نظر' جو قائداعظم کے نصب العین کے خلاف ہم لوگوں سے مسلسل سرد ہو رہا ہے' اور جس کا آخر ترین... مظاہرہ وہ تاریخی ریزولیوشن ہے جس کو مشرقی پاکستان اسمبلی نے 22 فروری 1952ء کو پاس کیا' یہ کٹ حجتی کہ "قائداعظم مرحوم نے پہلے ہی 21 اور 24 مارچ 1948ء کو صاف الفاظ میں فرما دیا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی" بالکل بے معنی ہے۔ قائداعظم چونکہ ایک اعلیٰ درجہ کے دیدہ ور اور دقیقہ رس انسان تھے' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آئین سازی کرنا ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ امرواقعہ یہ ہے کہ چونکہ اردو' ہندوستان کے مجروحین و مقتولین میں' ایک نمایاں ترین درجہ رکھتی تھی' اور جنگ پاکستان کی روح میں بسی ہوئی تھی' یہ قدرتی بات تھی کہ قائداعظم بھی اس بے گناہ کی خستہ حالی سے متاثر ہو کر اس کو اپنی محبت بھری گود میں جگہ دیں۔ اگرچہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی کبھی آپ نے اردو کی موافقت میں زور بیان دکھلایا لیکن یہ بھی دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ بھی صاحب موصوف کی زبان سے نکل رہا ہو اس کو الہام ربانی سمجھا جائے۔ ذی ہوش اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا کہ قائداعظم ہمارے' مستقبل کو' بے کم وکاست ہر' ہمارے ہی ہاتھوں میں چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے!

حکومت پاکستان کی زبان عربی ہونے سے اردو کی ترقی لابدی ہے

اس بات کو اچھی طرح سے دل و دماغ میں بسا لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا یہ مطالبہ کہ حکومت پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہو' ہرگز ہرگز اس غرض کے لئے نہیں کہ ہم اس کو صوبائی یا مقامی زبانوں سے تصادم میں لائیں' ہم اپنی ماضی سے دست بردار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت ہے۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی' باوجود اس مدد کے جو اس کی رقیب' انگریزی' کو ان کے ہاتھوں مل رہی تھی'

اردو نے غیر معمولی قسم کی ترقی کی۔ جب عربی سرکاری زبان بننے کے لئے شاہراہ ترقی پر گامزن نظر آئے گی تو یہ اردو کے لئے ایک قوت محرکہ ثابت ہو گی۔ ایسا ہونا اس لئے بھی ناگزیر ہے چونکہ دونوں زبانوں کا طرز تحریر، ونحوی ترتیب، قدرتاً ایک ہی جیسا ہے ڈاکٹر عبدالحق، جو کہ اردو کی خدمت کرتے کرتے کہن سالہ ہو چکے ہیں، اس نئے ماحول میں اپنی مادری زبان کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہوا دیکھیں گے۔ اور ان کے لئے یہ بات کیا کم خوش کن ہو گی کہ وہ اردو کے اس اقتدار کو، جو اس کو اکثر صوبوں کی کم و بیش مشترکہ زبان ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، عربی کے باوجود بھی، اپنی جگہ برقرار پائیں گے۔ جیسا کہ وقت گزرتا جائیگا عربی، پاکستان کے مختلف حصوں کے لئے، تہذیبی، مذہبی اور سیاسی، سیمنٹ مسالے کا کام زیادہ سے زیادہ دیتی ہوئی چلی جائے گی اور پاکستان کو اس خطرناک انتشار سے بچائے گی جس سے وہ آجکل دوچار ہے اس انتشار کی بری وجہ خود ڈاکٹر صاحب اور ان کے دوستوں، کی وہ مخلصانہ سرگرمی ہے جو انہیں مجبور کر رہی ہے کہ وہ بے دل بنگالیوں، اپنی منظور نظر اردو کو تھوپ دیں، جو قدرتاً خائف ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پاکستان کا غیر اردوداں طبقہ ریاستی ملازمتوں، و دیگر حقوق و لطائف شہریت، سے محروم نہ کر دیا جائے۔

"پاک بنگلہ" کی تحریک کے لئے عربی موجب ترقی ہو گی

عربی کو تمام پاکستان میں، لازمی ابتدائی زبان کی حیثیت سے، رواج دینے سے، تحریک "پاک بنگلہ" کو بے حد تقویت ملے گی۔ یعنی بنگالی زبان کو عربی رسم الخط میں لکھنے کا راج بڑھتا چلا جائے گا۔ اور اسی درجہ ہندو اور بنگالی زبان صبو سنسکرت رسم الخط میں لکھی جاتی ہے مفقود ہوتی چلی جائے گی۔ ایسا ہونے سے نہ صرف بنگالی زبان میں اسلامی رنگ پیدا ہو جائے گا بلکہ بنگالی اور اردو زبانیں قریب سے قریب تر ہوتی چلی جائیں گی۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جنوری 1951ء کو سلہٹ کے مقام پر، "مشرقی پاکستان جمعیت حزب اللہ" کا ایک جلسہ ہوا تھا، جس کی صدارت مولانا محمد ادریس صاحب نے فرمائی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی "جمعیت علمائے اسلام مشرقی پاکستان" کی ایک مجلس منعقد ہوئی تھی جس کی مسند صدارت کو علامہ سید سلیمان ندوی نے رونق بخشی تھی۔ اور ان دونوں جماعتوں نے بہ اتفاق رائے یہ ریزولیوشن پاس کیا تھا کہ مشرق پاکستان کے مسلمانوں کو "پاک بنگلہ" اختیار کر لینا چاہیئے۔

دنیا کا تیسرا فلسفہ زندگی یعنی اسلام

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا دن بدن چھوٹی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ریڈیو اور ہوائی جہاز نے وقت اور فاصلہ کے تخیل کو تقریباً نیست و نابود کر دیا ہے۔ دو قسم کے معیار زندگی، جن سے دنیا بخوبی واقف ہے، یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت، ایک دوسرے کے ساتھ موت اور زندگی کی کشمکش میں الجھے ہوئے ہیں۔ تیسرا فلسفہ حیات، یعنی اسلام، کا بازار منڈا پڑا ہوا ہے چونکہ اس کے حمایتی بالکل سوئے ہو رہے ہیں اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے تقاضوں کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ ایک وقت تھا جب جواہر لال نہرو نے اس شیخی بھرے انداز میں، جس کی وجہ سے وہ بہت بدنام ہو چکے ہیں، یہ اعلان فرمایا تھا کہ ہندوستان میں محض دو جماعتیں ہی، ایک تو "انگریزی حکومت" اور دوسری "انڈین نیشنل کانگرس" اور یہ کہ باقی لوگوں کو یا تو اول الذکر جماعت کے ساتھ صف بندی کر لینا چاہیے۔ کانگرس کے ساتھ، اس اعلان کو سنتے ہی ہمارے قابل صد احترام قائداعظم نے ان کی باگ کھینچی تھی اور یہ بانگ دہل فرمایا تھا کہ نہیں ایک تیسری پارٹی بھی موجود ہے جس کا نام "آل انڈیا مسلم لیگ" ہے! اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی "مسلم لیگ" نے پنڈت جی کے، اور ان کے دوست انگریزوں کے، نارضامند ہاتھوں سے اس پاکستان کو چھین لیا جس کا وہ مدت سے خواب دیکھ رہی تھی! کیا یہ بالکل ہی ان ہونی بات ہو گی اگر تمنا کی جائے کہ آجکل کے مسلمان بھی، ایک ہی مذہب، تہذیب، اور زبان سے متحد ہو کر، بلند آواز سے یہ اعلان کر دیں کہ ایک تیسرا فلسفہ حیات بھی ہے جو دوسرے دونوں فلسفوں سے ہولحاظ سے بہتر و برتر ہے اور جو، بے داغ و بے نیاز، دنیا کے مفکرین کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر کے متقاضی ہے کہ اس کے مقوی و متحریک وجود کا کماحقہ، اعتراف کیا جائے؟" کیا پاکستان میں زبان کے مسئلہ پر ہو مناقشہ، جو اسی خود کشی کے مترادف ہے، اور جس کو تحلیل کرنے کی، ہماری ہی بے وقوفی کی وجہ سے کوئی صورت پیدا نہیں کی جا رہی، مذکورہ بالا مبارک تکمیل کے تمام امکانات کو کالعدم نہیں کر دے گی؟ کیا مسلمانوں کے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ چوتارا بجائیں، اور خرافات میں وقت ضائع کریں، جبکہ کراچی اور ڈھاکہ کے در و دیوار کو آگ لگی ہوئی ہو اور ان کی سرد دلی اور معتدل مزاجی کے چھینٹوں کی محتاج ہو؟ کیا پاکستانی عوام ان تاریخی واقعات سے سبق حاصل نہ کریں گے جو تقریباً آٹھ سو برس پہلے قسطنطنیہ میں رونما ہوئے تھے؟ کیا ان کو یاد نہیں کہ جب ترک عیسائیوں کے اس خوبصورت شہر پر حملہ کر رہے تھے تو صلیبی رہنما، یعنی پادری، اس موشگافی میں گرفتار تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا فضلہ پاک تھا یا ناپاک؟ اس احمقانہ اور بے محل بال کی کھال نکالنے کا نتیجہ تاریخ کے اوراق آج تک پکار پکار کر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ عیسائیوں کا یہ دلپذیر شہر آج تک ترکوں کے ہاتھ میں ہے۔ نہ صرف یہ ترکوں کی قومی شجاعت کا ثبوت ہے بلکہ ان کے عیسائی دشمنوں کی اس نااتفاقی، انتشار، اور موشگافی، کا بھی ہے جنہوں نے ان کے

مخالفین کی اس عظیم الشان فتح کے حاصل کرنے میں' ایک بڑی حد تک' معاونت کی!

زبان کے مسئلہ نے عربوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ترکوں کے خلاف بغاوت کر دیں

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں عربوں نے جو ترکوں کے خلاف بغاوت کی اس بیہ میں' علاوہ اور چیزوں کے' زبان کا مسئلہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتا تھا ترکی حکمرانوں نے ترکی زبان کو سلطنت عثمانیہ کی قومی زبان بنانے میں جو غلطی کی تھی اس کا نتیجہ سامنے آ کر رہا۔ ملک شام کے گورنمنٹی سکولوں میں ترکی زبان کو لازمی قرار دیا جانا خوب رنگ لایا۔ عوام کے دماغ میں یہ بات گھر کر گئی کہ حکومت وقت عربی زبان کے ختم کر دینے پر تلی ہوئی ہے۔ گورنمنٹ کی اس حرکت کے خلاف بہت سے تند و تیز مظاہرے کئے گئے جس میں جان و مال کا نقصان ہوا۔ عربوں کے دلوں میں اپنے بھائیوں کے خلاف ایک نفرت گھر کر گئی باوجود اس امر کے کہ وہ سب مسلمان تھے' پڑوسی تھے' اور ایک ہی پرچم کے تحت آٹھ سو صدی سے زندگی کا لطف اٹھا رہے تھے۔

ہز رائیل ہائی نس دی آغا خاں کی جانب سے مسلمانوں کو عربی اختیار کرنے کے لئے تلقین

معلّٰی القاب حضرت آغا خاں نے' اپنی ایک تقریر میں .معو صاحب موصوف نے موتم عالم اسلامی کے دس فروری 1951ء کے افتتاحی جلسہ میں پڑھنے کے لئے کراچی میں تحریر فرمائی تھی' اپنے "برادران اسلام" سے درخواست کی ہے۔ "قومی زبان کے مسئلہ میں اردو کی موافقت میں فیصلہ نہ کریں بلکہ عربی کو ترجیح دیں۔" مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ "تاریخی صورت حال سے دوچار ہوں" صاحب موصوف نے یہ فرمایا:۔ "اس میں کلام نہیں کہ اردو کی نحوی ترتیب' چال ڈھال' بنیادی اصول' سب کے سب ہندی کے مرہون منت ہیں' عربی کے نہیں۔" اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا:۔ "اردو ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان اس وقت بنی جبکہ ان کا زوال شروع ہو چکا تھا۔" آپ نے استفسارا فرمایا:۔ "کیا یہ بنگال کی زبان ہے جہاں مسلمانان پاکستان کی اکثریت زندگی بسر کرتی ہے؟" تقریر کو ختم کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "اے عام پاکستان! اے افراد صوبجات پاکستان! پیشتر اس کے کہ تم آخری قدم اٹھاؤ یعنی وہ چھلانگ لگاؤ جس کو بدقسمتی سے میں تباہ کن سمجھتا ہوں' براہ کرم زبان کے مسئلہ کو زیر بحث ضرور لانا اور ہر کس و ناکس کو پورا موقع دینا کہ وہ اپنے خیالات پیش کر سکے۔ دیکھنا جلد بازی نہ کرنا۔ خوب غور و خوض کر کے فیصلہ کرنا۔ میں پھر ان لوگوں سے التجا کرتا ہوں' جن کو میرا کہنا ناگوار گزرا ہو' کہ دوران بحث میں اسلامی اخلاص سے کام لیں' اور اس مباحثہ میں' جس کا واقع ہونا یقینی ہے' رواداری اور نرم کلامی کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ دیگر حضرات سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ واقعیات حاضرہ سے پہلو تہی نہ کریں۔ بلکہ ان کو سامنے رکھ کر' تاریخی نکتہ نظر سے' اور موجودہ دنیوی زندگی کے پیش نظر' ان کا مطالعہ کریں۔ میں دست بہ دعا ہوں کہ پیشتر اس کے کہ اس ملک کے لوگ کوئی قطعی رائے قائم کریں' حکمت ایزدی ان کے لئے مشعل راہ ہو!"

واقعات نے ثابت کر دیا کہ ہز رائیل ہائی نس دی آغا خاں کا نقطہ خیال درست تھا۔

ان کی پختگی فیصلہ' دیرینہ قومی خدمات' و مسلمہ خدا ترسی' اس بات کی متقاضی تھیں کہ ہز رائیل ہائی نس دی آغا خاں کی مذکورہ بالا اپیل کا' ایک عملی رنگ میں' اور قومی پیمانے پر' خیرمقدم کیا جاتا۔ یہ ہماری قومی بدقسمتی ہے کہ اردو کے متعلق ان کی صاف نکتہ چینی سے اس زبان کے چند شیدائیوں کو صدمہ پہنچا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اخباروں میں لمبے لمبے مضامین لکھ ڈالے جن کے ذریعہ سے نہ صرف اردو کے حقوق کی حمایت کی گئی بلکہ بدقسمتی سے صاحب موصوف کو یہ کہہ کر رسوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی کہ شاید دشمنان اسلام نے ان کو ہماری صف بندی توڑنے' اور ہم میں عام انتشار پیدا کرنے کے لئے بھیجا ہے! ان واقعات نے جو حال ہی میں ڈھاکہ میں اور دیگر مقامات پر رونما ہوئے ہیں اس آبرو ریزی کو انصاف کے بالکل خلاف اور بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔ ان واقعات کے پیش نظر کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ "دوران بحث اسلامی رواداری" جس کے لئے صاحب موصوف نے التجا کی تھی' نہایت بے دردی سے کالعدم کر دی گئی اور ان لوگوں کو حضرت مذکورالصدر کی پختہ ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے "خیالات کا اظہار" کرنا چاہتے تھے ہر قسم کے مواقع سے محروم رکھا گیا۔

"چٹان سے تباہ کن چھلانگ"

ان خیالات کا کچلنا' جو خلوص پر مبنی ہوں' کبھی بھی حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا۔ پھر ایسے خیالات کو دبانے کی کوشش کرنا جن کے اظہار میں قوم کی زیست مضمر ہو کیا "ایک چٹان سے تباہ کن چھلانگ" کے مترادف نہیں؟ اس واقعہ کو جبکہ ہز رائیل ہائی نس دی آغا خاں نے "عوام پاکستان" سے "سوچنے" کے لئے درخواست کی تھی' دو برس سے زیادہ گزر چکے

ہیں۔ کیا قوم نے اپنا فرض ادا کیا؟ کیا اہل ملک نے اس اہم معاملہ کو اک دقیقہ کے لئے بھی توجہ کا محتاج سمجھا؟

وہ عمل جو حدود فرض سے باہر ہو۔

ہمارا یہ خیال ہے کہ اردو' بنگالی' اور عربی زبانوں کو ایک دوسرے سے برتر و بہتر ثابت کرنے کی کوشش ایسا کام ہے جو ہماری حدود فرض سے متجاوز سمجھا جانا چاہئے۔ ہمارا فرض تو محض اتنا ہے کہ معلوم کریں کہ ان شیریں زبانوں میں سے کونسی زبان' فی زمانہ' ہمارے سیاسی اور مذہبی مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ سلطنت کے معاملات میں حساسی' جذبات کی افراط و نمائش' یا ترجیح' کو امان دینا غلطی ہو گی۔ شاید یہ بھی من جانب اللہ ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ابھی تک اردو کو پاکستان میں عام طور پر' اور بنگال میں خاص طور پر' ترویج دینے کے معاملہ میں جو کچھ بھی کیا ہے وہ برائے نام ہے۔ جناح عوامی مسلم لیگ کے رہبر اعظم جناب حسین شہید سہروردی کے اس مزہ دار بیان پر' جو انہوں نے 24 فروری 1952ء کو' حیدر آباد میں' "ایسوا ـ لٹڈ پرس آف پاکستان" (A.P.P.) کے نمائندہ کو دیا' ہم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس بیان کے آخری الفاظ یہ تھے: "بہرحال اس زبان کے مسئلہ کو متنازع فیہ بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ مشرقی پاکستان میں اردو کی ترقی کے لئے تنکا تک توڑا نہیں جا رہا۔" ہم سابق وزیراعظم بنگال کو یقین دلاتے ہیں کہ مغربی پاکستان میں واقعات کی شکل کچھ بہتر نہیں۔ اگر انہوں نے انجمن ترقی اردو' اور کراچی کے مشہور اردو کالج کے "مالی مشکلات کی وجہ سے ۃ" بند ہو جانے کی خبر ابھی تک نہیں پڑھی تو ان کو اپنے روزانہ اخبار کی تازہ ترین کاپیوں کی طرف رجوع کر لینا چاہئے تاکہ ان کو محسوس ہو کہ اب یہ ضروری ہے کہ وہ بھی اس ماتم میں شامل ہو جائیں جس میں ہم پہلے ہی ایک ایسی جماعت کے مرجھانے کی وجہ سے مبتلا ہیں جو کہ نصف صدی سے نہایت مستقل مزاجی اور یک رنگی سے اس زبان کی پختگی اور ترقی میں منہمک ہے جس کو اس کے نقطہ نظر سے قومی زبان سمجھا جانا چاہئے۔ مرکزی حکومت نے محض پانچ لاکھ روپیہ اردو کی ترویج کے لئے 52-1951ء کے بجٹ میں رکھا ہے اور یہ رقم کل پاکستان کے لئے کافی سمجھی گئی ہے! طرہ مزید یہ کہ پنجاب گورنمنٹ نے تیس ہزار روپیہ کی حقیر رقم اپنے دائرہ میں اردو کی سرپرستی کے لئے مخصوص کی ہے۔ یہ رقم ہے جس کے متعلق "ڈان" جیسا اخبار بھی یہ لکھے بغیر نہ رہ سکا کہ "یہ یقیناً اس رض کے لئے بالکل ناکافی ہے"

ہم ابھی تک چوراہے پر کھڑے ہوئے ہیں۔

ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری سلیٹ حرف اور ہندسہ سے خالی یعنی بالکل صاف ہے۔ ہم اس پر بے تامل جو چاہیں لکھ سکتے ہیں۔ یہ سراسر خوش قسمتی ہے کہ باوجود اس "ٹھوس" تعمیری کام کے' جو اس عرصہ میں عمل میں آیا ہے جو ساڑھے پانچ برس سے کم نہیں' ہماری قوم ابھی تک ایک چوراہے پر کھڑی ہوئی ہے۔ آیئے ہم ہزرائیل ہائی نس دی آغا خاں کے الفاظ میں دست بہ دعا ہوں کہ "پیشتر اس کے کہ ہم کوئی نیا راستہ اختیار کریں حکمت ایزدی ہمارے لئے مشعل راہ ہو"

محبوبہ کے اوصاف

چونکہ یہ ایک عاشق کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ' تمام ایسی باتوں کو جو اس کی محبوبہ کی عزت و منزلت کو گھٹاتی ہوں' سننے کا روادار نہیں' یہ طرز عمل ہمیشہ مقابلتاً محفوظ ثابت ہوتا ہے کہ انسان بجائے دوسروں کے پیاروں پر نکتہ چینی کرنے کے خود اپنے چہیتوں کی خوبیوں کا ورد کرے۔ اس خیال کے پیش نظر آیئے ہم عربی زبان کی خوبیوں کو بیان کریں اور اپنے ان قابل توقیر مسلم احباب کو جو قرآن پاک کی زبان کو ابھی تک غیر ملکی و بیگانہ سمجھتے ہیں' اطمینان دلا دیں کہ ایسا کرنے میں ہماری نیت ہرگز یہ نہیں کہ ان کے جذبات کو ٹھیس لگائی جائے۔

عربی زبان کے سیاسی اوصاف

(1) یہ امر ناقابل تردید ہے کہ تمام زبانوں میں عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جو پاکستان کے مختلف حصوں میں اتحاد پیدا کرنے کی سب سے زیادہ قابلیت رکھتی ہے۔ اس زہریلے مادہ کو' جس کا دوسرا نام صوبائی عصبیت ہے' اور جس میں (بہ الفاظ محترمہ فاطمہ جناح) پاکستان کے استحکام کے خلاف سب سے بڑا خطرہ مضمر ہے" عربی' اپنی آتشی کرنوں کے زیر اثر' آناً فاناً ہوا میں اڑا دے گی۔ "پختونستان" اور "بنگالستان" ہر دو' ایک پانی کے بلبلہ کی طرح ختم ہو جائیں گے جوں ہی کہ عربی کی صحت بخش ہوا کا رخ ان مذہبی دیوانوں کی طرف ہوا جو پاکستان کے شمال مغرب اور مشرق کی طرف سکونت رکھتے ہیں۔ اس پاکستان میں' جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے' اور جہاں بنگالی' اردو' پنجابی' پشتو' وغیرہ' زبانیں بولی جاتی ہیں' عربی ہی ایک ایسی زبان ہو گی جس کو سب لوگ ریاستی زبان بنانے کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے۔

(2) جب عربی حکومت پاکستان کی زبان بن گئی' تو ملک کے کسی ایک حصہ کے لوگ ریاستی ملازمتوں کے اجارہ دار نہیں بن سکیں گے۔ اور نہ ہی وہ' بلا شرکت غیرے' تمام حقوق و مراعات شہرداری حاصل کر سکیں گے۔ ایسی بے انصافی کی حالت میں جو رقابت' جلن' و رشک' ملک کے مختلف باشندوں کے مابین پیدا ہونا قدرتی ہے' نیست و نابود ہو جائیں

گے۔ اور اسی ملک کا بھلا بھی ہے۔

(3) عملی اور دنیوی نقطۂ نظر سے عربی زبان' نہ صرف ان چار کروڑ عربی بولنے والے لوگوں سے' جو خود مختار ہیں' اور مغرب کی جانب آباد ہیں' تعلق پیدا کرنے میں مدد دے گی' بلکہ ان چھ کروڑ' کم و بیش' عربی بولنے والے لوگوں سے' بھی ربط و اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے گی' جو خود مختار تو نہیں لیکن افریقہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ شمال میں بحر اوقیانوس تک جتنے ممالک ہیں وہاں' اور جنوب میں نائجیریا اور گولڈ کوسٹ تک' طبقہ امرا عربی کو سدھ بدھ رکھتا ہے۔ دریائے نیل کے کنارے پر سوڈان میں' اور ان مقبوضات میں جو فرانس کے زیر حکومت ہیں' اور جو پرتگالی مغربی افریقہ تک پھیلے ہوئے ہیں' عربی زبان کا دور دورا ہے۔ مشرقی افریقہ میں' نہ صرف زنجبار میں' بلکہ ان ملکوں میں جن کے ایک طرف مڈغاسکر' اور دوسری جانب پرتگالی مشرقی افریقہ ہے' تمام مسلمان آبادی میں عربی مروج ہے

(4) اگر ہم مشرق بعید کی طرف رخ کریں تو انڈونیشیا اور ملایا سے لیکر فلاپین تک' آٹھ کروڑ مسلمانوں میں عربی کو پھلتا پھولتا پائیں گے۔ لنکا میں' کھاتے پیتے مسلمانوں کے بچوں کو تھوری بہت عربی ضرور سکھلائی جاتی ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ پاکستان جیسی طاقتور اسلامی ریاست' جو جغرافیائی نقطہ نظر سے ایک مرکزی درجہ رکھتی ہے' اور جو دس کروڑ مشرقی مسلمان' اور اتنے ہی مغربی مسلمانوں کے' مابین ایک پل کی حیثیت رکھنے کے علاوہ مشرق میں فلپائن انڈونیشیا جیسی باوقار حکومت' ملایا اور برما سے لے کر مغرب کی جانب افریقہ کے دس کروڑ مسلمانوں سے' جو بحراوقیانوس تک پھیلے ہوئے ہیں' مصافحہ کئے ہوئے ہے' عربی کو اپنی قومی زبان بنائے؟

(5) عربی کو اپنانا ویسے بھی پاکستان کی مجلس دستور ساز کی قرار داد مقاصد کے عین مطابق ہے۔ قائداعظم نے بھی بار بار یہ فرمایا تھا کہ " پاکستان کی بنیادیں اسلام کی مستحکم چٹان پر رکھی جائے گی۔" کیا عربی اسی اسلام کا لسانیاتی نشان نہیں؟

(6) مجوزہ اسلامی ریاستوں کے جتھے کا' جن میں سے اکثر کی زبان عربی ہو گی' ایک اہم جز ہوتے ہوئے' پاکستان اپنا کار منصبی تب ہی بخوبی انجام دے سکے گا جب کو اس کی ریاستی زبان عربی ہو گی۔ مجودہ فضا میں عربی کے سوا اور کوئی زبان دنیائے اسلام کی ریاستوں کی بین الاقوامی زبان ہرگز نہیں ہو سکتی۔

(7) اگر پاکستان کی زبان دفاتر عربی بنا دی گئی تو اس سے اقلیتوں کے حقوق کو کبھی ٹھیس نہیں لگ سکتی چونکہ ان کے لئے ایک زبان ایسی ہی اچھی ثابت ہو گی جیسے کوئی دوسری۔ وہ لوگ جن کے آبا و اجداد نے مغلوں کے زمانہ میں فارسی' اور انگریزوں کے دور حکومت ہند میں انگریزی' کو بخیر و خوبی' سیکھا' اب بھی ملک خداداد پاکستان می عربی کو ایسے ہی بہ آسانی سیکھ سکتے ہیں جیساکہ مشرق وسطٰی کے یہودی اور عیسائی' جو بہ حیثیت اقلیت' اپنے دائرہ میں ایک خاص وقعت رکھتے ہیں۔ وہ وسوسہ' جس کا اظہار جناب رہندرا ناتھ بروانے' جو ڈھاکہ کی بدھسٹ لیگ کے سکیٹری ہیں' اپنے 10/ فروری 1952ء کے اخباری بیان میں کیا ہے' اور جس میں عربی کے ریاستی زبان بننے کے امکان کی طرف اشارہ ہے' مذکورہ بالا صورت حال میں فرو ہو جانا چاہئے۔

عربی زبان کے مذہبی اوصاف

(1) ہر مسلم بچہ' خواہ وہ ڈھاکہ میں ہو یا کوئٹہ میں' جس کے والدین کی اقتصادی حالت ایک خاص درجہ رکھتی ہو' قرآن پاک کو عربی زبان میں پڑھتا ہے' قرآن و حدیث چونکہ دونوں عربی میں ہیں' یہ زبان خود بخود "عالم اسلام کی زبان" کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

(2) تمام دنیا کے مسلمانوں پر یہ واجب یہ ہے کہ وہ اپنی روزانہ پنج وقتہ نماز' جمعہ کی نماز' اور دوسری نمازیں' جن میں عیدین کی نماز' نماز جنازہ' اور رسمی نمازیں شامل ہیں' قران پاک کی آیات کے ساتھ پڑھیں اور ان آیات کو "سمجھیں" حقیقت تو یہ ہے--- اور یہ حقیقت المناک ستم ظریفی کے درجہ تک پہنچ چکی ہے--- کہ وہ مسلمان جو "بت پرستوں" (ہندوؤں) کے عقیدہ کو غلط سمجھتے ہین' وہ مسلمان جو "آتش پرستوں" (پارسیوں) کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں' وہ مسلمان جو "کتاب پرستوں" (سکھوں) کو حقارت سے دیکھتے ہیں' خود اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی صف بندی بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ کی جائے چونکہ موجودہ حالات میں ان "الفاظ پرستوں" (مسلمانوں) کا درجہ کسی طرح بھی دوسروں سے بہتر نہیں سمجھا جا سکتا۔ جب تک وہ عربی سمجھ کر نہ پڑھیں' اور ان کو قرآن کے معنی پر عبور حاصل نہ ہو جائے' وہ "الفاظ پرستی" کے الزام سے بری نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس کے علاوہ برائت کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

(3) چونکہ سالانہ حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے' اور اسی لئے دنیا کے مسلمانوں پر فرض ہے' عربی زبان کو جاننے سے مکہ معظمہ کے جلیل القدر اجتماع میں وہ آسانی سے ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کر سکیں گے۔ اور یہی سہولت ان کو ان اسلامی جلسوں میں ہو گی جو عالم گیر وقار اور اہمیت رکھتے ہیں۔ باوجود اس امر کے کہ سب حاجی ایک ہی مذہب کے دلدادہ ہیں وہ ایک دوسرے سے سرد مہری' بے رخی' و بیگانگی برتتے ہیں۔ یہ صورت حال ایک مشترکہ زبان کی گرم کرنوں کے زیر اثر بالکل بدل جائے گی۔ انسان اور انسان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے جو طاقت اشتراک زبان کو حاصل ہے اس کا سب سے پہلا مظاہرہ راقم

الحروف کو اس وقت ہوا جب وہ علی گڑھ میں طالب علم تھا۔ وہاں مشرقی بنگال کے طلبا ہمیشہ دوسرے طلبا سے الگ تھلگ نظر آتے تھے۔ اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ ان کی زبان عام طلبا سے مختلف تھی۔ اسلامی ممالک کے مشترکہ جلسوں میں عربی سے واقفیت کا نتیجہ قطعی یہ ہو گا کہ مختلف عناصر میں کشش و جاذبیت پیدا ہو گی۔ فی الحقیقت یہ ایک افسوس کا مقام ہے کہ اس سیدھی سادھی بات سے بے پروائی دکھلانے نے حج جیسی قوت محرکہ کو ایک بے لوچ رسم بنا کر چھوڑ دیا ہے اور مسلمانوں کو اس فیض سے محروم کر دیا ہے جو ایک باخبر اور ذی علم اجتماع' جو اپنی دشواریاں اور حل طلب مسائل اپنے ساتھ دنیا کے ہر حصہ سے لے کر آیا ہو' قدرتاً" حاصل ہے۔

(4) عربی زبان اسلامی مطمح نظر کا احساس پیدا کرنے کا ایک منبع ہے۔ اس کے ذریعہ تمام پاکستانیوں میں' خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں' اور کوئی بھی مقامی زبان بولتے ہوں' اسلام کے اوصاف بخیر و خوبی پھیلائے جا سکتے ہیں۔ عربی کا علم حاصل کرنے کے بعد تمام پاکستانی اسلامی معیار زندگی کا ذائقہ براہ راست سرچشمہ اسلام سے چکھ سکیں گے اور ان کو بالواسطہ اس تک پہنچنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

(5) چونکہ تمام مسلم ممالک کے بنیادی عقائد' تاریخ' عقدے' مقاصد' اور مطمح نظر' ایک ہی ہیں یہ ضروری ہے کہ ان کے تعلقات' اسلام کی ہدایات کے مطابق' برادرانہ ہوں اس حکومت کا جو "دنیا میں سب سے بڑی اسلامی حکومت" کہلاتی ہے' یہ فرض منصبی ہی کہ وہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو ہر ممکن طریقہ سے مٹانے کی کوشش کرے اور اس غرض کی تکمیل کے لئے کوئی ایک ہتھیار بھی زبان کی یکسانی سے زیادہ قوی الاثر نہیں۔

(6) کوئی بھی زبان عربی سے زیادہ مسلمانوں کے مذہبی خزانوں کی حامل نہیں۔ پاکستان کے مسلمانوں کا اسی لئے فرض ہے کہ وہ عربی پڑھیں۔ ایک مناسب وقت کے اندر اس کام کی تکمیل تب ہی ہو سکتی ہے جبکہ ان کی اپنی حکومت اس میں گہری اور پرجوش دلچسپی لے۔

(7) سردار عبدالرب نشتر نے کیا خوب فرمایا ہے:۔ "اسلامی غور و فکر اسلامی زبان ہی میں ممکن ہے اور یہ زبان عربی کے سوا اور کوئی نہیں۔" اس لئے آیئے ہم سب عربی پڑھیں تاکہ ہم ربانی رنگ میں رنگے جا سکیں اور یہ ہی قرآن پاک کے فلسفہ اخلاق کا نچوڑ ہے۔

عربی زبان کے ادبی اوصاف

(1) سنسکرت کے بالکل برعکس عربی ایک زندہ زبان ہے چونکہ دنیا کے کروڑوں مسلمان اس سے کم و بیش واقف ہیں۔ اس کے علاوہ عربی زبان دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیلی ہوئی ہے اور تبادلہ خیالات کے لئے کثرت سے استعمال کی جاتی ہے۔ دنیائے اسلام کے ایک کثیر حصہ میں یہ زبان غور و فکر اور جدید تہذیب و تربیت کی حامل ہے۔ عربی پہلے ہی کئی ایک اسلامی ریاستوں کے دفاتر کی زبان بن چکی ہے اور ان کی یونیورسٹیوں میں ذریعہ تعلیم ہے۔ اسی وجہ سے اس زبان میں سیاسی اور سائنس کی اصطلاحات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مخفی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی چھپائی کا پہلے ہی سے سامان موجود ہے۔ اور ٹائپ رائٹر کی مشینوں کے ذریعہ سے بھی ٹائپ کرنے کا پورا انتظام ہر جگہ دیکھنے میں آتا ہے۔ سائنس کے میدان میں تحقیقاتی زبان بننے کے لئے اور اعلیٰ صنعتی تعلیم دینے کے لئے عربی کیل و کانٹے سے لیس ہے۔

(2) اگر اس تقدس اور عظمت کو نظرانداز بھی کر دیا جائے جو اس کو مذہبا حاصل ہے عربی ہمیشہ سے سیاسی علوم اور علوم طبیعات کی غیرمذہبی حکمت کا ایک بہت بڑا خزانہ رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جدید فلسفہ او سائنس دونوں ایک بڑے درجہ تک عربی زبان کے مرہون منت ہیں چونکہ یونانی فلسفہ اور سائنس کو اسی نے عام فہم انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایسا کرتے ہوئے خود اپنی حیرت انگیز مدد سے اس فلسفے اور سائنس کو چار چاند لگا دیئے۔

(3) اپنی ادبی دولت کی وجہ سے عربی نے فارسی' ترکی' اور اردو' کو مالامال کر دیا ہے بلکہ متعدد دوسری زبانوں کے ادبی ذخیرہ میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ اگر پاکستان میں عربی ریاستی زبان بنا دی گئی تو یہ' مقامی زبانوں پر جو قدرتی طور پر ہم کو پیاری ہیں' براہ راست اثر لائیگی اور ان کے لطف کو دوبالا کر دے گی۔

(4) مدت مدید سے عربی زبان مسلمانوں کے گھروں میں اس کے تقدس اور ناگزیر پن کی وجہ سے پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اور اس کام کے لئے بے شمار مکتب' مدرسے' سکول اور کالج' جگہ جگہ کھل رہے ہیں۔ اب اگر عربی کو فروغ دینا ہو تو ان اداروں' اور ان سہولتوں کو جو ان سے وابستہ ہیں' بغیر دقت کے بڑھایا جا سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دونوں میں کافی عربی جاننے والے لوگ ہیں جو اساتذہ کے مسئلہ کو ہر منزل تعلیم پر پورا کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہر مسجد کو ایک مکتب کی شکل دی جا سکتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک مدرسہ کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عربی کو فروغ دینے والی جماعتیں' جن کے پاس روپے کی کچھ کمی نہیں' مثلاً "عربک ایسوسیشن۔ ڈھاکہ" اور "جمعیت العربیہ فی الباکستان کراچی" پہلے ہی مفکر ہیں کہ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جہاں عربی اساتذہ کو عربی سکھلانے کے لئے نئے طریقوں سے مانوس کیا جائے۔

عربی زبان کے اقتصادی اوصاف

اگر عربی کو حکومت پاکستان کی زبان بنا دیا جائے تو ہمارے بچوں کو

اپنی تعلیم کے آغاز میں محض دو زبانوں کو سیکھنا پڑے گا جس میں سے ایک مادری زبان ہو گی۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جو "دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک" کہلاتا ہے ہمارے بچوں کا عربی سے چھٹکارا قطعاً" ناممکن ہے۔ عربی کے علاوہ اگر کوئی اور زبان ریاستی زبان بنا دی گئی تو یہ لازم ہو جائے گا کہ شروع ہی سے ہمارے بچے کم سے کم تین زبانیں سیکھیں۔

افسوس کا مقام ہے کہ مسٹر حسین شہید سہروردی نے بھی' اپنے اس مشہور بیان میں جو صاحب موصوف نے 24 فروری 1952ء کو بمقام حیدر آباد دیا' یہ تجویز پیش کی ہے کہ بنگال میں اردو کو دوسرے نمبر کی لازمی زبان قرار دے کر پڑھایا جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تعلیم کے آغاز ہی سے بنگالی بچوں کو تین زبانوں کا عذاب برداشت کرنا پڑے گا۔ عربی حکومت کی زبان بنا دینے سے نہ صرف یہ تکلیف وہ بوجھ معصوم بچوں کے دماغ سے اٹھ جائے گا بلکہ قلاش محکمہ خزانہ کے سر سے بھی جو پہلے ہی اس درجہ دبا ہوا ہے کہ پاکستان کی زیست کے اس پانچویں برس میں بھی پچاس لاکھ کی ایک حقیر رقم اس قوم کی ہر قسم کی تعلیم کے لئے پیش کر رہا ہے جو "دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست" کہلاتی ہے۔ "موتمر عالم اسلامی" کے اس پہلے جلسے میں جو فروری 1949ء میں کراچی میں منعقد ہو اتھا' یہ خیال انگیز "اقتصادی امتناع" حاضرین کے زیر بحث اس وقت آیا جبکہ راقم لاحروف نے' ایک کھلے اجلاس میں مذکورہ ذیل قرار داد پیش کرنے کا شرف حاصل کیا تھا: "مسلمانان عالم کے اس عظیم الشان اور تاریخی جلسے کی یہ رائے ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ بات بسا دی جائے کہ وہ اس مشترکہ زدو کوب سے' جن کا غیر اسلامی اور مخاصمتی طاقتوں کے ہاتھوں وہ شکار ہیں' تب ہی جانبر ہو سکتے ہیں جبکہ وہ عربی زبان کی رسی میں ایک تسبیح کے دانوں کی طرح سے منسلک ہو جائیں۔ اسی خیال کی بنا پر یہ اجتماع عظیم دنیا کے تمام ایسے ممالک سے' جہاں عربی زبان نہیں بولی جاتی' اپیل کرتا ہے کہ جلد از جلد اپنی تعلیمی درسگاہوں کو اس طرح زیر تنظیم لے آئیں کہ وہاں' زیادہ سے زیادہ بیس برس کے عرصہ میں عربی زبان دفتری اور عدالتی درجہ حاصل کر لے باوجود اس کے کہ ریزولیوشن کے پیش کرنے والی ہستی' یعنی راقم الحروف' نے حد درجہ کی وکالت کی کہ عربی کو پاکستان میں اول نمبر کی لازمی زبان قرار دیکر پڑھایا جائے' موتمر کے بعض روشن خیال رہنماؤں نے' اپنے میزبانوں کا لحاظ کرتے ہوئے' عربی کے لئے اپنی مستعدی کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسی بات پر رضامند ہو گئے کہ عربی کو دوسرے نمبر کی لازمی زبان قرار دینے کی سفارشات پر بس کیا جائے' اگرچہ ان کی مجبوری ان کے چہروں سے صاف عیاں تھی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ عربی کو دوسرا نمبر دینے سے' روپے پیسے کی کمی برسوں تک اس تجویز کو ناممکن العمل بنائے رکھے گی۔ اس واقعہ پر جو چار برس فضول و بیکار گزر چکے ہیں انہوں نے راقم الحروف کو یقین کلی دلا دیا ہے کہ ان لوگوں کا' جو عربی کو اپنے نصاب میں محض دوسرا درجہ دینے کا خیال رکھتے ہیں' خواہ وہ لازمی ہی کیوں نہ ہو' پاکستان کی موجودہ حالت میں' جو کم سے کم دس برس اور جاری رہے گی' ان افراد میں شمار ہونا چاہئے جو اصل معنوں میں مائل بہ عمل رہنے کی خوبو نہیں رکھیے۔ مزید برآں غیر سرکاری یا انفرادی طور پر اتنا بڑا کام باوجود سرمایہ داروں کی سرپرستی کے' مکمل طریقہ پر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی 1371 برس کی زندگی میں ہم سے کہیں بہتر اور برتر ہستیوں نے خانگی طور پر عربی کو پھیلانے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن نتیجہ جو ہوا وہ بالکل واضح ہے۔ اس کام کو ایک مستقل کامیابی کے درجہ تک پہنچانے کے لئے تین شرطیں لازمی ہیں۔ اولا" عربی کی ضرورت کو ایک سیاسی نقطہ نظر سے محسوس کیا جائے۔ دوم۔ اس کی اشاعتی خاکہ بندی کرتے ہوئے اقتصادی پہلو ضرور ملحوظ خاطر رہے۔ اور سوم' جو کام بھی ہو وہ نظام حکومت کے دائرے میں اور اس کی سرپرستی میں ہو۔

چند اعتراضات کے جوابات

"قومی زبان مصنوعی طور پر گھڑی نہیں جاسکتی۔ بلکہ یہ اصول ارتقاء کے تابع نشوونما پا کر وجود میں آتی ہے۔ یہ افراد قوم پر تھوپی نہیں جا سکتی۔"

آپ کا فرمانا درست و بجا ہے۔ مگر یہ امر نظرانداز نہیں کر دینا چاہئے کہ "سرکاری زبان" اور "قومی زبان" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فی الحال تحریک محض یہ ہے کہ عربی کو "سرکاری زبان" بنا دیا جائے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر گورنمنٹ کے حد اختیار و قدرت میں ہے۔ برطانیوں نے انگریزی کو ہندوستان کی "سرکاری زبان" بنایا۔ یہ دعویٰ کسی نے کبھی نہیں کیا کہ یہ ہندوستان کی "قومی زبان" ہے۔ جو کام فرنگیوں نے اس زبان کے ساتھ کیا جو ہمارے لئے بالکل بیگانہ تھی کیا ہم عربی کے ساتھ نہیں کر سکتے جو پہلے ہی سے "اسلامی زبان" کہلاتی ہے؟ باوجود اس کے کہ انگریزی کبھی بھی "قومی زبان" کے درجہ تک نہیں پہنچی آج بھی ہندوستان کی نازنیں ہے۔ یہ انگریز ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے جو "انڈیا" کا تخیل امکان کے درجہ تک پہنچ سکا۔ یہ انگریزی ہی کی عنایت ہے جو آج بھی "بھارت" کے مختلف حصے اتحاد کی رسی میں منسلک ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ عربی زبان پاکستان مختلف اجزا میں اس سے بھی زیادہ جاذبیت پیدا کریگی جتنا کہ انگریزی نے ہند میں کیا' بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ جو ظاہرا ہندی زبان کر رہی ہے وہ ہندی جو متعصب پنڈتوں اور غیر رواداربرہمنوں کے ہاتھوں میں آخر کار "بھارت ماتا" کے ٹکڑے ٹکڑے

کر کے چھوڑے گی اگرچہ یہ بات، بادی النظر الٹی اور مہمل معلوم ہوتی ہے!

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں!
محو حیرت ہوں کہ بھارت کیا سے کیا ہو جائیگی!

ہم مسلمانوں کے اس مفکر طبقہ کے لئے جو دماغ و فہم رکھتا ہے، بھارتیوں کے کردار میں ایک عبرتناک مثال مضمر ہے! جب عربی زبان تمام پاکستان کے طول و عرض میں پھیل جائے گی، جب اس میں اعلیٰ قسم کی تصنیف و تالیف عام ہو جائے گی، جب ہرزن و مرد اسے سیکھنے لگے گا اور اس کو باہمی بات چیت کا ذریعہ بنائے گا، تب ہی یہ "قومی زبان" کہلانے کی حقدار ہو گی۔ اس تکمیل کے لئے وقت درکار ہے اور فی الحال اس کے لئے پریشان ہونا قطعی غیر ضروری ہے۔

"عربی تک پہنچنے کے لئے اردو زبان اسی معنی میں ایک زینہ ہے جس طرح اسلامستان تک پہنچنے کے لئے پاکستان۔ جب تمام ممالک اسلامی ایک واحد "ملت اسلامیہ" کی آہنی دیواریں ضم ہو جائیں گے تب وقت آئے گا کہ عربی کو حکومت دنیائے اسلام کی سرکاری زبان بنا دیا جائے۔"

اگر ایک ایسی مثال کی ضرورت ہو جس میں خام خیالی کا مظاہرہ، یا خوش فہمی کی تراوش، کا بہترین نمونہ پیش کیا جا سکے تو ایک شخص مذکورہ بالا بیان کو پیش کرنے میں بالکل حق بجانب ہو گا۔ اگر یہ امر واقعی درست ہے کہ اردو زبان عربی سیکھنے کے لئے ایک زینہ کا کام دیتی ہے تو اردو کے اپنے گھر، یعنی یو۔ پی (ہند) میں، عربی پڑھے ہوئے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ملنی چاہئے خاص طور پر بہ نسبت مشرقی بنگال کے جہاں مقابلتاً اردو سے لوگ مانوس نہیں۔ لطف یہ ہے کہ واقعات اس کے بالکل برعکس ہیں! مذکور الصدر دعا کا آخری فقرہ تو اگر اس احمق کے منہ سے نکلتا تو زیادہ موزوں ہوتا جس کی کہانی ہم عہد قدیم سے سنتے چلے آئے ہیں اور جس نے نہایت سنجیدگی سے یہ فرمایا تھا کہ دیکھو بھائی میں پانی میں اس وقت تک ہرگز نہ جاؤنگا جب تک تیرنا نہ سیکھ لوں! بھلا غور تو فرمایئے کہ یہ کیسے ممکن ہو گا کہ اسلامی ممالک بغیر ایک مشترکہ زبان کے، "ملت اسلامیہ" کی ایک "آہنی دیوار" بن سکیں؟ بفرض محال اگر یہ معجزہ اس کرہ ارض کی زندگی کے اندر اندر رو پذیر ہو بھی جائے اور اسلامی ممالک، باوجود مختلف زبانوں کے، ایک جان ہو بھی جائیں تو پھر کیا یہ عیاں نہیں کہ اس منزل پر پہنچ کر عربی کو سرکاری زبان بنانے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہو گا؟ علاوہ ازیں کیا وقت کا پاس و لحاظ ہمارا فرض نہیں؟ کیا یہ قابل التفات امر نہیں کہ ہم جلد از جلد اپنے نصب العین تک پہنچ جائیں؟

"ان تمام زبانوں میں جن کا کچھ بھی تعلق مسلمانوں سے رہا ہے محض اردو ایسی زبان ہے جو خود انہوں نے پیدا کی۔ ایسی صورت میں وہ ان کی توجہ اور ہمدردی کی سب سے زیادہ مستحق ہے اسی وجہ سے اس کو فروغ دینا ان کا فرض منصبی ہے..... اردو ایشیاء میں سب سے بہترین زبان ہے۔"

بت ہمیشہ پتھر اور مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہوتے۔ "قوم پرستی" کے بت، "رسم و رواج" کے بت، "زبان" کے بت، اور بیسیوں قسم کے بت، دنیا نے دیکھے ہیں اور یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر یہ بت ان پتھر کے بتوں سے، جن کی پرستش ضعیف الاعتقاد لوگ کرتے ہیں، کہیں زیادہ خطرناک ہیں چونکہ زیادہ غارتگری کا باعث بن چکے ہیں۔ اگر مذکور الصدر قول بت پرست ذہنیت کی دلالت نہیں کرتا تو کوئی بتلائے تو سہی کہ آخر یہ کس چیز پر دلالت کرتا ہے؟ اس امر کا اظہار پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ ہم کو اردو سے کوئی بیر نہیں کیونکہ یہ ان زبانوں میں سے ایک ہے جن کو ہم نے خود گود میں لے کر پالا ہے۔ لیکن ہم یہ بات ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس کا آغاز تمام تر یا زیادہ تر مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا ہے چونکہ یہ تاریخ کے بالکل خلاف ہو گا۔ اس سلسلے میں آیئے ہم دیکھیں کہ معلیٰ القاب حضرت آغا خاں اپنے ناقابل تقلید طرز کلام میں کیا فرماتے ہیں:۔

"اردو کے موجد کون تھے؟ اردو کا آغاز کس نے کیا؟ اردو کہاں سے آئی؟ ان بے شمار ہندی بولنے والے لوگوں کے جگر سے جو قصر شاہی کی آستان بوسی کرتے تھے!" فی الحقیقت یہ ایک انوکھی ستم ظریفی ہے کہ ان "ہندی بولنے والے" لوگوں نے جن کا حصہ اردو کے جنم میں تین چوتھائی سے کم نہیں، اس "فارسی بولنے والی" خلقت نے جس کا مخلصانہ حصہ اس جنم میں چوتھائی سے زیادہ نہیں، اردو کو اس مشہور بدصورت بڑھیا کی طرح، جو زمانہ قدیم سے زبان زد خلائق چلی آتی ہے، چھاتی سے چمٹایا ہوا ہے اور اس کا مطلقاً خیال نہیں کہ ایسا کرنے سے ان کے قومی مفاد کو کتنی شدید ضرب لگ رہی ہو گی! غضب یہ ہے کہ اس بات کا احساس بالکل ہی جاتا رہا کہ ہم وہ بزرگ و برتر قوم ہیں جس کو خدا نے، دوسری مسلمان قوموں کے لئے، اس نازک وقت میں مشعل راہ بنا کر پیدا کیا تھا!

"اس تحریک (عربی کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے) کی تہہ میں عربی سے کوئی خاص محبت پنہاں نہیں بلکہ اردو سے بغض ضرور مخفی ہے۔ یہ تحریک اردو اور عربی دونوں کو خاک میں ملا دے گی اور اس کا نتیجہ محض یہ ہو گا کہ انگریزی کی منحوس میعاد زندگی دائمی رنگ اختیار کر لے گی" یہ کہنا بے سود ہو گا کہ کسی کی نیت پر حملہ کرنا بالکل غیر اسلامی شعار ہے۔ محض خدا ہی کو معلوم ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے! ایک غیر محدود میعاد کے لئے انگریزی زبان ہمارے پاس رہ جانے سے وہی شخص سکون قلب کھو سکتا ہے جو متعصب ہو اور دماغ بھی کھو بیٹھا ہو۔ یہ تو سب لوگ جانتے ہیں کہ ہمارے تاجروں، سیاست دانوں، اور سائنس۔ دانوں،

کو دنیا سے ربط و تعلق رکھنا ہی پڑے گا اور اس کے لئے ان کو ایک بدیسی زبان جاننا ہمیشہ ضروری ہو گا۔ موجودہ صورت حال میں یہ امر واقعہ ہے خواہ ہم اس کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے ہی کیوں نہ دیکھیں کہ انگریزی سے بہتر ہمارے پاس، اس کام کے لئے، اور کوئی دوسری زبان نہیں۔ کسی مشہور آدمی کا مقولہ ہے کہ انسان کی تربیت کا اندازہ کرنا ہو تو یہ دیکھ لو کہ وہ کتنی بدیسی زبانیں بول سکتا ہے۔ اگر تہذیب کا معیار یہ ہے تو انگریزی زبان سے اس ناشائستہ خوف زدگی کے کیا معنی؟ انگریزی ایک ترقی پذیر زبان ہے اس لئے جتنے بھی پاکستان اس کو سیکھ سکیں اتنا ہی اچھا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ انگریزی کو تعلیم کی ابتدائی منزل پر سیکھنا شروع کیا جائے عام طور پر ثانوی درجہ میں اس کا آغاز ہو گا۔ اور وہ بھی مقامی زبان کو چھوڑ دینے کے بعد محض اس حال میں جبکہ مادری زبان میں اعلیٰ مہارت حاصل کرنا مدنظر ہو اس کو اونچے نصاب کا جز بنا کر رکھا جا سکتا ہے۔ چونکہ انگریزی ایک اختیاری زبان ہو گی طالب علموں کو مجبور نہیں کیا جائیگا کہ وہ اس کو سیکھیں۔ محض وہ شخص انگریزی پڑھے گا جس کو اس کی ضرورت ہو گی۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ انگریزی کی منحوس میعاد زندگی دائمی رنگ اختیار کر لیگی" کہاں تک درست و بجا ہے؟ یہ کس طرح ہمارے قومی مفاد کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے سمجھ میں نہیں آتا! قومی فائدہ تو ایک طرف خود اردو کا مفاد بھی انگریزی کی دست برد سے بالکل محفوظ رہیگا چونکہ اس حالت میں جبکہ کسی طالب علم کی خواہش ہو گی کہ انگریزی کو قطعی نظرانداز کر کے اردو کو آخیر تک نصاب کا جز بنائے رکھنا اس کے حد اختیار میں ہو گا۔ آیئے اب ہم ان مخلص مفکرین کے نقطہ نظر پر غور کریں جو دل سے یہ چاہتے ہیں کہ انگریزی ایک دن کے لئے بھی ہمارے دفاتر کی زبان نہ رہے۔ ان لوگوں کا ایمان ہے کہ اگر اردو کو انگریزی کی جگہ لینے کا موقع دیا جائے، جو انکے خیال میں مکانات میں سے ہی، تو ہم اس بد دیسی و غیر طبعی شے سے، جو غیر ملکی سیاسی اقتدار کا ایک افسردہ کن نشان ہے، فوراً رہائی حاصل کر کے اپنی قومی وجاہت کو بحال کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس نقطہ نظر کے ساتھ پوری ہمدردی کا اظہار کریں۔ لیکن ہمارے سامنے دو مرحلے ہیں جن کو طے کرنا ضروری ہے:۔

(1) ایک ایسے ملک میں، جو جمہوری کہلاتا ہے، یہ ناممکن ہے کہ آبادی کے اس عنصر کی خواہشات کو، جو 66 فی صدی سے کم نہیں، ایسے اہم موضع کے بارے میں جیسا کہ "سرکاری زبان" ہے، بالکل، نظرانداز کر دیا جائے۔ باوجود اس ترس، محبت، اور لحاظ، کے جو ہمارے دلوں میں اردو زبان کے لئے اتنا ہی درجہ ہے جتنا کہ قائداعظم کے دل میں تھا، اس وجہ سے کہ وہ اتفاقاً" ہندوستان کی فہرست مجروحین میں اولین درجہ رکھتی تھی، اور پاکستان کی جدوجہد کے جذبہ سے شروع ہی سے وابستہ تھی، اکثریت کے جذبات کے ساتھ ہمارا کھیلنا کبھی حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا! اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ پاکستان میں بنگالی مسلمانوں کی اکثریت نہیں چونکہ بنگالی ہندوؤں کو نظرانداز کر کے وہ محض 40 فیصدی رہ جاتے تو یہ امر کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے کہ مغربی پاکستان تک میں لوگوں کا ایک بہت بڑا حصہ، اردو کے مقابلہ میں عربی کو ترجیح دیتا ہے اور شورائے عام ہونے کی حالت میں یقیناً بنگالی مسلمانوں کا ساتھ دے گا۔

(2) یہ ناقابل تردید امر ہے کہ ہمارے بہترین ملازمان دیوانی (سول سروسس) صنعتی دستکار اور فوجی افسران، مشرقی پاکستان ہی نہیں بلکہ مغرب میں بھی، کافی طور پر اردو زبان میں صاحب استعداد نہیں۔ اس کی وجہ عیاں ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی تمام تربیت انگریزی میں ہوئی ہے اور کچھ عرصہ قبل تک ان کا عام تعلیمی پس منظر اسی قسم کا رہ چکا ہے جس پر ہم کو قابو حاصل نہ تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جبتک عربی پوری طور پر رائج نہ ہو جائے انگریزی کی گلوگیری اس طرح سے کم کی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ افسران محکماجات کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنے دفاتر میں، جہاں کہیں مناسب سمجھیں، اپنے ماتحتوں کے عام سانچے کو مدنظر رکھتے ہوئے، ایسی مقامی زبانوں کا استعمال عمل میں لاتے رہیں جو ان کی اپنی ہمہ گیر زبان دانی ممکن بنا سکے۔

"ہم کو علم عربی سے کیا فائدہ ہو گا؟ ہمارے سامنے ان لوگوں کی مثال موجود ہے جو عربی بولتے ہیں۔ باوجود قرآن پاک کی زبان جاننے کے ان میں اسلامی رنگ کوئی خاص نمایاں نہیں اور نہ ہی وہ نسل پرستی اور قوم پرستی جیسی پھوٹ ڈالنے والی برائیوں سے محفوظ نظر آتے ہیں۔" عربوں کی موجودہ حالت عربی جاننے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے باوجود ہے۔ "انسانیت" و "سلبیات" کے جو طالب علم ہی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ قومیں اپنے عروج کی انتہا تک پہنچ کر اصول ارتقا کے تابع دوسروں کے لئے راستہ بنائیں ہیں۔ کچھ بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی جب عرب لوگ تہذیب کے علم بردار تھے۔ مشہور مصنف "لین پول" (lane poose) "سٹوری آف دی نیشنز" (Story of the nations) "قوموں کی کہانی" میں لکھتا ہے:۔ جو اطوار قوموں کو بلند مرتبہ اور اقبال مند بناتے ہیں، جو چیزیں نفاست اور تہذیب کا باعث ہوتی ہیں، سب کی سب عربوں میں پائی جاتی تھیں اس زمانے میں جبکہ وہ ہسپانیہ کے حکمران تھے۔" عربوں کا عروج ختم ہو چکا ہے۔ قسمت کے چکر نے ان کو نیچے لا پھینکا ہے۔ اب پھر ان کے ستارے کا بلند ہونا لازمی ہے بعینہ اسی طرح سے جیسے برطانیوں کے ستارے کا ڈوبنا ناگزیر ہے! ہندوستانی مسلمانوں کی طرح سے عرب بھی اپنا جاہ و وقار رکھو بیٹھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی اصولوں کو چھوڑ کر "بادشاہوں" کو اپنا سرپرست بنایا

جن کا (بجز چند قابل تعظیم مستثنیات کے) لازمی و دوامی خاصہ یہ ہے کہ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے رعایا کو ناخواندہ اور جاہل رکھتے ہیں۔ پھر تعجب کا کیا مقام ہے جو عرب ممالک میں حروف شناسی کمترین درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس صورت حال میں عربوں کے لئے کیسے ممکن تھا کہ بغیر دماغی ساز و سامان کے، جو قرآن مجید کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے، وہ اس بابرکت کتاب سے کماحقہ، فائدہ اٹھا سکتے؟ ان کا تنزل شائد ان کو ایک عمیق غار کی تہ تک پہنچا دیتا اگر وہ اپنی مادری زبان کے ذریعہ اس میز پر سے، جو ایک غیر معمولی روحانی غذائیت سے لدی ہوئی تھی، کچھ ٹکڑے حاصل نہ کر پاتے۔ یہ وہ میز تھی جس کے نیچے سالہا سال سے ان کو دھکیل دیا گیا تھا تاکہ اوپر تک ان کا ہاتھ مطلقاً نہ پہنچ سکے۔

اختتامیہ الفاظ

"حلقہ ارباب ذوق" کے دوسرے سالانہ جلسہ میں 16 اپریل 1950ء کو تقریر کرتے ہوئے جناب زاہد حسین صاحب، گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان، نے فرمایا "پاکستان میں عربی کو انگریزی کی جگہ لے لینی چاہئے۔" کہا جاتا ہے کہ اس بدعتی بیان سے ان کے میزبانوں کی قدرے دل شکنی ہوئی۔ اگر صاحب موصوف کی یہ غرض نہ تھی کہ عربی کو اچھی طرح پاکستان کی سرکاری زبان بنا دیا جائے۔ جیسے "بٹوارے" سے پہلے انگریزی ہندوستان کی زبان تھی، تو ڈر یہ ہے کہ یہ بیان جو ظاہرا دلیرانہ ہے، توضیح طلب ثابت ہو گا۔ اس میں کلام نہیں کہ انگریزی ایک بین الاقوامی حیثیت سے مستقلاً" مسلم ہو چکی ہے۔ اسی وجہ سے یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ فاضل گورنر کی یہ منشاء نہیں کہ پاکستان سے انگریزی کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ عربی کا فورا ہی انگریزی کی جگہ لے لینا لا کلام ناممکن العمل ہے۔ تو یہ کہنا کہ عربی نے کسی چیز کی "جگہ لے لی" درست نہ ہو گا۔ ثانوی درجہ میں عربی کو انگریزی کے ساتھ نصاب کا جز بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو عربی کو رائج کرنے کے نقشے میں ہر چیز شروع سے آخیر تک اپنی جگہ قائم رہے گی۔ کسی چیز کا کسی دوسری چیز کی "جگہ لے لینے" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم کو شک نہیں کہ زاہد حسین صاحب (جن کی نوزائیدہ پاکستانی تحریک عربی پہلے ہی کافی مرہون منت ہے) پاکستان کے دو بازوؤں کو متحد کرنے کے اس کام کے سلسلہ میں میں، جو ابھی تک بے توجہی کا شکار رہا ہے، جلد سے جلد حکومت اور قوم کی صحیح رہبری فرمائیں گے۔ اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ لیکن حکومت کو اپنے فیصلوں میں بہت دلیری کا اظہار کرنا پڑیگا۔ اور اس بڑے کام کو ایک بڑی طرح سرانجام دینے کے لئے بڑے دماغوں کی ضرورت ہو گی۔ اگر ان واقعات نے، جو حال ہی میں رونما ہوئے ہیں، گورنمنٹ کو کافی طور پر جھنجھوڑ نہیں دیا اور دلیرانہ افعال کی چوٹیوں کی طرف پرواز کرنے کے لئے آمادہ نہیں کر دیا تو کامیابی کے امکانات فی الحقیقت بہت تاریک ہیں۔

ضمیمہ

عربی کی موافقت میں وہ بیان جس پر مذکورہ ذیل ممبران کا سیسونٹ اسمبلی و مشرقی بنگال لجسلیٹو اسمبلی نے دستخط کئے:۔

"ہم دستخط کنندگان مخلصانہ طور پر اس ریزولیوشن کی تائید کرتے ہیں جو مشرقی پاکستان مسلم لیگ کونسل نے اس جلسہ میں پاس کیا جو 21 جنوری 1951ء کو منعقد ہوا تھا اور جس میں عربی کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہم تمام ممبران کا سیسونٹ اسمبلی سے درخواست کرتے ہیں کہ اس وقت جبکہ معاملہ ان کے روبرو پیش ہو' ہو ہماری حمایت کریں۔"

(دستخط) یوسف علی چودھری۔ ایم۔ ایل اے
عبدالرشید محمود
محمد سراج الحق
کے۔ احمد چودھری
احمد کبیر چودھری
نورالحسین خاں
حاتم علی
لطف الرحمٰن
ایم۔ اویس
(دستخط) ڈی۔ آئی۔ راجہ ایم۔ ایل
ابوالمسعو
ایف رحمان
ای۔ اے خاں
ڈی۔اے
کھوندکر ایس احمد
ایم۔ اے۔ سلام
مظفر رحمٰن چودھری
ایم۔ اے۔ احمد
(دستخط) سراج الدین احمد ایم۔ ایل۔ اے
کھوندکر نظیر حسین
احسان علی
محمد شمس الدین سردار
اے۔ کے۔ شمس الدین
عبدالحنان
احمد حسین

سی۔ ایم۔ عارف
اے۔ احد
منیرالدین اکھندا
نواب علی
فرید احمد چودھری
خیرات حسین
اے۔ صبور
بی۔ ایم۔ الیاس
عبداللہ
عبدالخالق
ایم۔ ادریس
اے۔ رشید
عبداللطیف
پی۔ احمد
تفضل حسین
ایس۔ اے۔ رؤف
اے۔ اے۔ خاں
(دستخط) سید سراج الحق ایم' ایل۔ اے
سی۔ ایس۔ احمد چودھری
میر احمد علی
محمد اسرائیل
ایم۔ حسین
محمد عبدالحکیم وکرامپوری
عثمان علی
ایم۔ اے۔ حمید
اے۔ رحمٰن خاں
ایف۔ رحمٰن
فضل الکریم
یوسف حسین چوہدری
محمد رکن الدین
محمدؐ اول
این۔ احمد
علی احمد چودھری
چودھری معظم حسین ایم۔ سی۔ اے
ابراہیم خاں
سید اے۔ بی۔ محمود حسین

سراج الاسلام
شہید الحق
اسد اللہ
اے۔ کے۔ خاں

منیر انکوائری رپورٹ

1953ء میں کراچی، لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں میں اینٹی۔ قادیانی تحریک کے ضمن میں، سائیکلو پیڈیا کے پہلے اور چوتھے حصے میں (پاکستان میں پہلا مارشل لاء، منیر انکوائری رپورٹ) تفصیل دی جا چکی ہے۔ یہاں منیر انکوائری رپورٹ کے منتخب حصے دیئے جا رہے ہیں۔

حصہ اول

تقسیم ملک سے لاہور کنونشن تک

نزاع

جس نزاع کا نتیجہ فساد کی صورت میں رونما ہوا۔ اسکی ابتدا اس مناقشہ سے ہوئی تھی۔ جسکو سرکاری تحریروں "احرار نزاع" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یہ مناقشہ تقسیم سے بہت پہلے موجود تھا۔ لیکن ہمارے سامنے تمام غیر احمدی فریقوں نے اس تعبیر کے خلاف اظہارِ ناراضی کیا۔ اس بنا پر کہ احمدیوں سے اختلافات صرف احرار تک محدود نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے تمام فرقے ان اختلافات پر متحد ہیں۔ اسی طرح غیر احمدیوں نے اس امر کے خلاف بھی برہمی کا اظہار کیا کہ لفظ "احمدی" مخصوص طور پر مرزا غلام احمد کے پیروؤں کے لئے استعمال کیا جائے۔ اور تمام مسلمان احمدی ہیں۔ کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلعم کے پیرو ہیں (جن کا دوسرا نام احمدؐ ہے) غیر احمدیوں کا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروؤں نے یہ لقب زبردستی مسلمانوں سے چھین رکھا ہے۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے سوادِاعظم کو جو مرزا غلام احمد کو نہیں مانتا ممیّز و ممتاز کرنے کے لئے لفظ "مسلمان" استعمال کریں اور احمدیوں کے قادیانی فرقے کیلئے جو مرزا غلام احمد کو نبی مانتا ہے۔ احمدی۔ قادیانی یا مرزائی کی اصطلاح اختیار کریں۔

احمدی

قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو عقایدی اور معاشرتی اختلافات ہیں۔ ان کے متعلق ہم حصہ پنجم میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ یہاں ہمیں صرف تحریک احمدیت کی مختصر کیفیت بیان کرنا ہے۔ اس تحریک کی بنیاد مرزا غلام احمد نے رکھی۔ جو سکھ دربار کے ایک جرنیل مرزا غلام مرتضٰی کے پوتے تھے۔ مرزا غلام احمد 13فروری 1835ء کو بمقام قادیان پیدا ہوئے۔ یہ ضلع گورداسپور کا ایک گاؤں ہے۔ جس میں واحد مالک کی حیثیت اسی خاندان کو حاصل تھی۔ مرزا غلام احمد نے فارسی اور عربی زبانوں کی تعلیم گھر پر پائی۔ کسی قسم کی مغربی تعلیم کے حصول کا سراغ نہیں ملتا۔ 1864ء میں انکو عدالت ضلع سیالکوٹ میں ایک نوکری مل گئی۔ جہاں وہ چار سال تک کام کرتے رہے۔ جب انکے والد کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنے آپکو از سرتاپا دینیات کے مطالعہ کے لئے وقف کر دیا۔ اور 1880ء اور 1882ء کے درمیان اپنی مشہور کتاب "براہین احمدیہ" چار جلدوں میں لکھی۔ کچھ مدت بعد چند کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اس زمانے میں شدید مذہبی مناقشے اور مناظرے جاری تھے۔ اسلام پر نہ صرف عیسائی مشنری ہی پے در پے حملے کر رہے تھے۔ بلکہ ہندوؤں کی مقبول عام تحریک آریہ سماج کے پر چارک بھی اسی مشغلے میں مصروف تھے۔

مارچ 1882ء میں مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا کہ انہیں الہام ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص مقصد تفویض کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا وہ "مامور من اللہ" ہیں۔ 1888ء میں انہوں نے پھر ایک الہام بنا پر اپنے مویدین سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ 1890ء کے اواخر میں مرزا صاحب کو پھر الہام ہوا کہ یسوع ناصری (عیسیٰ ابن مریم، نہ صلیب پر فوت ہوئے۔ نہ آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ بلکہ جب وہ صلیب پر زخمی ہو گئے تو ان کے شاگردوں نے انہیں مجروح حالت میں صلیب پر سے اتار لیا۔ اور ان کے زخموں کا علاج کیا۔ اسکے بعد وہ کشمیر چلے گئے اور وہیں طبعی موت مر گئے۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ وہ روزِ قیامت کے قریب اپنے اصلی جسم عنصری کے ساتھ دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ ان کے دوبارہ ظہور کے وعدے کا مطلب صرف یہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے صفات و اخلاق رکھنے والا ایک اور شخص امت محمدیہ میں پیدا ہو گا۔ یہ وعدہ پورا ہو چکا ہے اور مرزا غلام احمد ہی وہ مثیل عیسیٰ اور مسیح موعود واقع ہوئے ہیں۔ اس عقیدے کی اشاعت پر مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ یہ اس عام مسلمہ عقیدے کے منافی تھا کہ عیسیٰ ابن مریم جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے اتریں گے۔ چنانچہ علمائے دین نے اسکی شدید مخالفت شروع کر دی۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے "مہدی معہود" ہونے کا دعویٰ بھی کیا اور اعلان کیا کہ میں ایسا مہدی نہیں جو جنگ و خونریزی میں مصروف ہو جاؤں بلکہ میں مہدی معقول ہوں اور دلائل و براہین کی قوت سے اپنے مخالفین کو مغلوب کروں گا۔ اس نئے دعوے سے مرزا صاحب کی مخالفت زیادہ بھڑک اٹھی اور علمائے دین ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر کرنے لگے۔ 1900ء میں مرزا صاحب نے ایک اور عقیدے کا اظہار کیا کہ آج کے بعد جہاد بالسیف کا قصہ ختم ہے۔ اب

جہاد اسی پر موقوف ہے کہ مخالف کو دلیل و برہان سے قائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ 1901ء میں مرزا صاحب نے "ظلِ نبی" ہونے کا دعویٰ کیا اور "ایک غلطی کا ازالہ" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں بتایا کہ ختم نبوت کے عقدے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلعم کے انتقال کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہو گا جو کسی نئی شریعت کا حامل ہو لیکن کسی غیر تشریعی نبی کا ظہور عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ نومبر 1904ء میں مرزا صاحب نے سیالکوٹ کے ایک جلسہ عام میں "میل کرشن" ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

جماعت احمدیہ 1901ء میں قائم کی گئی۔ اور مرزا صاحب کی استدعا پر اسی سال مردم شماری کے کاغذات میں اس جماعت کو ایک علیحدہ مسلم فرقہ ظاہر کیا گیا۔ جماعت کی موجودہ تعداد پاکستان میں دو لاکھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے اور احمدی دوسرے مسلم ممالک میں اور بھارت۔ یورپ اور امریکہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اس نئی تحریک کو مرزا صاحب کی زندگی ہی میں خاصی تائید حاصل ہو گئی تھی اور متعدد ممتاز اور ذی اثر لوگ بھی اس میں شامل ہو گئے تھے۔ جب 1908ء میں مرزا صاحب اک انتقال ہو گیا تو مولوی نورالدین جماعت احمدیہ کے خلیفہ اول مقرر ہوئے۔ 1914ء میں خلیفہ نوارلدین کا بھی انتقال ہو گیا اور مرزا علام احمد کے بیٹے مرزا بشیرالدین محمود احمد (موجودہ امام جماعت) خلیفہ ثانی قرار پائے۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد کی مسند نشینی پر جماعت میں پھوٹ پڑ گئی۔ جماعت کا ایک حصہ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی کی سرکردگی میں الگ ہو گیا اور ایک علیحدہ پارٹی "لاہوری پارٹی" کے نام سے وجود میں آ گئی۔ دونوں پارٹیوں میں فرق یہ ہے کہ قادیانی پارٹی کے عقیدے میں مرزا غلام احمد نبی ہیں لیکن لاہوری پارٹی مرزا صاحب کو یہ درجہ دینے پر آمادہ نہیں۔ اس کے نزدیک مرزا صاحب زیادہ سے زیادہ ایک مجدد یا محدث ہیں۔ ان الگ ہونے والوں نے لاہور میں اپنی ایک تنظیم قائم کر لی جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کہلاتی ہے۔ دونوں پارٹیاں غیر ممالک میں وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے میں مصروف ہیں

احرار

قوم پرست مسلمانوں کی ایک ٹولی نے کانگرس سے علیحدگی اختیار کر کے 4 مئی 1931ء کو لاہور مین ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور مجلس احرار اسلام کی بنیاد رکھ دی۔ احرار سب سے پہلے 1931ء کی تحریک کشمیر میں نمایاں ہوئے۔ اسی سال 30- اکتوبر کو مظہر علی اظہر کی سرکردگی میں ایک سو رضاکاروں کا ایک جتھا سیالکوٹ سے جموں کے علاقے میں داخل ہونے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ پنجاب میں تحریک کشمیر اس لئے پیدا ہوئی کہ ڈوگرا دربار نے کشمیری مسلمانوں کو انتہائی جبر و ظلم کا نشانہ بنا رکھا تھا اور مسلمانان پنجاب کو ان سے نہایت گہری ہمدردی تھی۔ کشمیری مسلمانوں کی شکایات یہ تھیں کہ ریاست نے متعدد مسجدوں، قبرستانوں اور دوسرے مقدس مقامات پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کو سرکاری دفاتر میں ملازمت نہیں دی جاتی۔ ان کی مذہبی رسوم کی بجا آوری پر قیود عائد کی جاتی ہیں اور ریاست میں کوئی باقاعدہ اور آئینی قانون ساز مجلس موجود نہیں۔ جس میں مسلمان ریاست کے اندر اپنے تناسب اعداد کے مطابق نمائندگی حاصل کر سکیں۔ جب اخباروں میں ان شکایات کے تدارک کے لئے مہم جاری کی گئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ 13- جولائی 1931ء کو سری نگر میں بلوہ ہو گیا۔ اس بلوے سے جو شورش عام پیدا ہوئی۔ اس کا چارج لینے کی کوشش دو جماعتوں نے کی۔ جن میں ایک تو مجلس احرار تھی۔ اور دوسری ایک اور انجمن موسومہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی تھی۔ جو 26 جولائی کو وجود میں آئی اور جس میں ڈاکٹر سر محمد اقبال، نواب سر ذوالفقار علی خاں، خواجہ حسن نظامی، نواب ابراہیم علیخاں، مرزا بشیرالدین محمود احمد (موجودہ امام جماعت احمدیہ) شامل ہوئے۔ اور ایک احمدی عبدالرحیم درد اس کے سیکرٹری قرار پائے۔ چونکہ احرار اور احمدی شورش کشمیر کے دوران تصادم جاری رہا۔ احرار نے 14- اگست کو یوم کشمیر منانے کا انتظام کیا اور اس سے دوسرے دن باقاعدہ اعلان کر دیا کہ انہوں نے کشمیری مسلمان بھائیوں کی حمایت میں تحریک کا آغاز کر دیا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے 30- اکتوبر کو مظہر علی اظہر کی سرکردگی میں ایک سو رضاکاروں کا ایک دستہ علاقہ جموں میں داخل ہو گیا۔ اس ڈرامائی اقدام سے احرار کی حیثیت بہت نمایاں ہو گئی۔

اگرچہ احراری کانگرس سے الگ ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تقسیم ملک تک برابر کانگرس سے سازباز کرتے ہی رہے۔ مجلس احرار کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس 3- مارچ 1920ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ایک قرار داد منظور کی گئی۔ جس میں پاکستان کی تجویز کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور بعد میں بعض احرار لیڈروں نے اپنی تقریروں میں پاکستان کو "پلیدستان" بھی کہا۔ 29- نومبر 1940ء کو مولانا داؤد غزنوی نے اخباروں میں ایک بیان شائع کرایا۔ جس میں احرار کے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ وہ اپنے آپکو کانگرس میں جذب کر دیں گے۔ پنجاب پراونشل احرار کانفرنس منعقدہ گوجرانوالہ (از 17- تا 19- مارچ 43ء) میں ایک قرار داد منظور کی گئی۔ اور پھر اسی سال سہارنپور میں بھی ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ ان دونوں موقعوں پر احرار نے مجوزہ تقسیم کی مخالفت کی اور اس کو وطن کا چیر پھاڑ قرار دیا۔ احرار کے ہر لیڈر نے اپنی ہر اہم تقریر میں مسلم لیگ پر تنقید کی۔ اس کے لیڈروں پر نکتہ چینی کی۔ یہاں تک کہ قائداعظم کو بھی نہ چھوڑا۔ جن سے وہ سخت متنفر تھے۔ حالانکہ انکی

شخصیت ان دنوں مسلمان قوم کے واحد اور مسلمہ رہنما کی حیثیت سے قلوب عوام میں گھر کر چکی تھی۔ چونکہ قائداعظم روشن خیال آدمی تھے اور مذہبی امور میں کسی نمود و نمائش کے قائل نہ تھے۔ اس لئے احرار نے انکی اس خصوصیت سے ناواجب فائدہ اٹھا کر انہیں کافر کہنا شروع کر دیا۔ یہ شعر مولانا مظہر علی اظہر سے منسوب ہے۔ جو تنظیم احرار میں ایک ممتاز شخصیت ہیں}

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافر اعظم

مولانا مظہر علی اظہر نے ہمارے سامنے نہایت خیرہ چشمی سے یہ اظہار کیا کہ (قائداعظم کے متعلق' وہ اب تک اسی خیال پر قائم ہیں۔ احرار نے اپنی تقریروں میں صرف یہی نہیں کہا کہ قائداعظم نے ایک پارسی خاتون سے شادی کی تھی بلکہ یہ اعتراض بھی کیا کہ قائداعظم اب تک حج کے لئے مکہ معظمہ کیوں نہیں گئے۔ 1945ء میں انہوں نے شیعہ سنی تنازعہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش بھی کی۔ اور مولانا مظہر علی اظہر اور ان کے بیٹے قیصر مصطفیٰ تحریک مدح صحابہ کے احیا کے لئے 16- نومبر کو لاہور سے لکھنؤ روانہ ہوئے۔ 1946ء کے انتخابات میں تین احرار امیدوار مسلم لیگی امیدواروں کے مقابلے میں کھڑے ہوئے۔ لیکن ان سب کو شکست کھانی پڑی۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے پنجاب میں جو "ڈائرکٹ ایکشن" شروع کیا اس سے احرار کا ملا" الگ رہے۔

احرار کی بڑی بری سرگرمیوں میں ایک یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں احمدیوں کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احرار کی پیدائش ہی احمدیوں کی نفرت سے ہوئی۔ ابھی مجلس احرار کی تاسیس پر دو ہی سال گزرے تھے کہ انہوں نے ایک قرار داد منظور کی۔ جس کا منشا یہ تھی کہ کوئی قادیانی کسی مجلس عامہ کا ممبر منتخب نہ کیا جائے۔ قادیان تقسیم سے پہلے تقریباً خالص احمدی قصبہ تھا۔ 1934ء میں احرار نے قادیان میں ایک کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب اس جلسے کو ممنوع قرار دیا گیا تو انہوں نے اسی سال 21- اکتوبر کو قادیان سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں اجادہ کے دیانندا اینگلو ویدک ہائی سکول کی گراؤنڈ میں کانفرنس منعقد کر لی۔ جس میں حاضرین کی تعداد ہزاروں تک پہنچی۔ اس کانفرنس میں احرار کے مقبول عام خطیب سید عطا اللہ شاہ بخاری نے احمدیوں کے خلاف پانچ گھنٹے کی ایک نفرت آمیز تقریر کی۔ " جس میں انہوں نے ایسی باتیں کہیں جن سے صرف یہ مقصود تھا کہ سننے والوں کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھے۔" انہوں نے اپنی تقریر میں امن و امان کے دعادی کے ساتھ ہی ساتھ نہایت پست قسم کی دشنام طرازی اور مسخرگی سے کام لیا۔ اس تقریر کی بنا پر بخاری کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ جس کی سماعت کے دوران میں اتنی سنسنی پیدا ہوئی۔ اور احمدیوں کے خلاف جذبات اتنے برانگیختہ ہوئے کہ خود تقریر سے بھی نہ ہوئے ہوں گے۔ اس مقدمے میں بخاری کو سزا دی گئی ، وہ دن اور یہ دن ، ہر قابل ذکر احراری مقرر احمدیوں۔ ان کے رہنماؤں اور ان کے عقیدوں کے خلاف ہر قسم کی باتیں کہتا رہا ہے۔

1947ء کی تقسیم اور پاکستان کا قیام احرار کے لئے بہت بڑی مایوسی کا پیغام تھا کیونکہ اس سے ہر قسم کا اقتدار کانگرس یا مسلم لیگ کی طرف منتقل ہو گیا اور احرار ہندوستان یا پاکستان میں سیاسی سرگرمی کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ پاکستان کی نئی مسلم مملکت کے قیام سے انہیں شدید صدمہ ہوا۔ ان کے نظام عقاید کی عمارت متزلزل ہو گئی اور وہ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے بالکل ختم ہو گئے۔ کچھ مدت تک وہ اسی ناکامی و مایوسی کی حالت میں رہے۔ انہیں اپنے مستقبل کے متعلق کچھ نہ سوجھتا تھا۔ ان کے دو لیڈروں یعنی مولوی عبدالغنی ڈار اور مولانا حبیب الرحمٰن نے بھارت میں سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک اور اہم حیثیت کے لیڈر شیخ حسام الدین کچھ مدت تک تو گوگو کی حالت میں رہے۔ آخر انہوں نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا اور لاہور میں "دریا ہوٹل" کا چارج لے لیا۔ جو ایک کانگرسی مسمی پربودھ چندر نے ان کے سپرد کر دیا تھا ماسٹر تاج الدین لودھیانوی اور مولوی محمد علی جالندھری بھی پاکستان چلے آئے۔ ماسٹر صاحب نے سیالکوٹ میں اور مولوی صاحب نے ملتان میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ سید عطا اللہ شاہ بخاری بھی جو گجرات کے رہنے والے ہیں ضلع مظفرگڑھ کے ایک گاؤں میں منتقل ہو گئے۔ مولانا مظہر علی اظہر سیاسیات سے دست بردار ہو گئے اور صاحبزادہ فیض الحسن نے اپنے گاؤں آلو مہار ضلع سیالکوٹ میں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔

نومبر 1947ء میں احرار نے اپنی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس خان گڑھ میں منعقد کیا۔ جہاں سید عطا اللہ شاہ بخاری مقیم ہو گئے تھے اجلاس کا مقصد یہ تھا کہ احرار کے آئندہ پروگرام پر غور و خوض کیا جائے۔ لیکن وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچے۔ یہی حشر اس اجلاس کو ہوا جو دسمبر 1947ء میں بمقام لاہور منعقد کیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں تین ممکن راہ ہائے عمل پر غور کیا گیا۔ اول۔ جماعت کو ختم کر دیا جائے۔ دوم۔ سیاسی سرگرمیوں کو ترک کر کے صرف مذہبی مشاغل اختیار کئے جائیں۔ سوم۔ جماعت کو بدستور زندہ رکھا جائے۔۔۔ لیکن غور و بحث کے بعد فیصلہ صرف یہ ہوا کہ ایک "آل پاکستان مجلس احرار" کی بنیاد رکھی جائے۔ اس کے بعد مئی 1948ء میں بمقام لائل پور جو کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں احمدیوں کے متعلق ہلکے ہلکے اشارے کئے گئے۔ اور پاکستان کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا گیا۔ جب اسکے بعد جون 1948ء میں ایک جلسہ بمقام لاہور منعقد ہوا۔ تو

پاکستان کی حمایت میں زیادہ وضاحت سے اظہار جذبات کیا گیا۔ اور اسکے ساتھ یہ اشارہ بھی کیا گیا کہ احرار مسلم لیگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس میں چودھری ظفراللہ خاں اور میاں افتخار الدین جیسے لوگ بھی ہیں۔ جن کے عقائد اسلام کے خلاف ہیں۔ تقسیم کے بعد احرار کا سب سے بڑا اور اہم اجتماع وہ تھا۔ جو "احرار ڈیفینس کانفرنس) کے موقع پر 12- جنوری سے 14 جنوری تک جنوری 1949ء تک بمقام لاہور منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں احرار نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ مجلس احرار اب ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے ختم کر دی گئی ہے اور آئندہ صرف ایک مذہبی گروہ کی حیثیت سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے گی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ سیاسی امور میں وہ مسلم لیگ کی پیروی کرینگے۔ اس کے بعد انہوں نے "تبلیغ کانفرنس" کے نام سے اپنی کانفرنسیں منعقد کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ اوکاڑہ' لائل پور۔ گھیانہ۔ چنیوٹ۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالا۔ گجرات۔ پنڈدادن خاں۔ جہلم۔ شجاع آباد۔ بورے والا۔ اور ملتان میں کانفرنسوں کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے راولپنڈی کی ایک کانفرنس میں کیا گیا اور اس کے بعد یکم مئی 1949ء کو پنڈدادن خاں کے ایک جلسہ عام میں اسکا اعادہ کیا گیا۔ بعدازاں احرار اپنی تمام تقریروں میں جماعت احمدیہ کے بانی اور چودھری ظفر اللہ خاں پر باقاعدہ نکتہ چینی کرنے لگے اور محسوس کرنے لگے کہ انہیں مسلم لیگ کی امداد طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ آئندہ ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت سے پانے وظائف بجا لا سکتے ہیں مسلم لیگ نے بھی احرار کے متعلق دوستانہ رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ جب 27 دسمبر 1949ء کو کراچی میں پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ تو جو انیس جماعتیں مسلم لیگیوں کے لئے ممنوع الداخلہ قرار دی جا چکی تھیں۔ ان میں سے احرار کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ (یعنی مسلم لیگی مجلس احرار کے ممبر بن سکتے تھے)

دو احراری لیڈروں کی گرفتاری

احرار کو اس حقیقت کے احساس میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے تھی کہ پاکستان قائم ہوجانے کے بعد انکی سابقہ سیاست متروک ہو چکی ہے اور نئی مملکت میں ان کے لئے اپنی پرانی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن احراری اس مٹی کے بنے ہوئے نہ تھے۔ وہ پرانے باراں دیدہ شورش پسند تھے۔ جن کو اپنی مقبولیت اور ہر دلعزیزی میں اضافہ کرنے کے لئے بری بڑی مہمیں چلانے اور ہنگامے برپا کرنے کا تجربہ حاصل تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسے طریقوں پر غور و خوض شروع کر دیا۔ جن سے کام لے کر وہ نئے ماحول میں اپنی سرگرمیوں کے لئے کوئی مخرج پیدا کر سکیں۔ کسی موجودہ شورش سے فائدہ اٹھانا کسی نئی شورش کی تخلیق کے مقابلے میں دوسرے درجے کی چال ہے۔ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا کہ احراریوں نے اپنی ہستی کا ثبوت دینے اور جماعت کی حیثیت سے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کیلئے اسی چال سے کام لیا۔

ابھی قیام پاکستان پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مخدوم شاہ بنوری سکرٹری مجلس احرار پاکستان 15- جولائی 1948ء کو زیر دفعہ 3۔ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ گرفتار کر لئے گئے۔ ان کی گرفتاری کے معین وجوہ تو شہادت میں واضح نہیں کئے گئے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ان پر کسی خلاف عدالت سرگرمی کا شبہ تھا۔ جو انکی گرفتاری کا باعث ہوا۔ ان کے بعد ایک اور احراری لیڈر شیخ حسام الدین 28 ستمبر 1948ء کو اسی ایکٹ کے تحت گرفتار کئے گئے۔ آخر جب ان دونوں نے لمبے لمبے بیانات دے دیئے تو انہیں رہا کر دیا گیا۔

میجر محمود کا قتل

مرزا بشیر الدین محمود احمد 1948ء کے موسم گرما میں بمقام کوئٹہ مقیم تھے۔ ان کی موجودگی میں ایک نوجوان فوجی افسر میجر محمود جو احمدی تھا نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ ریلوے کے مسلم ملازمین کی ایسوسی ایشن نے ایک جلسہ عام کا اعلان کیا تھا جو 11- اگست 1948ء کو منعقد ہوا۔ اس جلسے میں بعض مولویوں نے تقریریں کیں اور ہر شخص نے اپنی تقریر کے لئے ایک ہی موضوع یعنی "ختم نبوت" اختیار کیا۔ ان تقریروں کے دوران میں قادیانیوں کے کفر اور اس کے نتائج کی طرف بار بار اشارے کئے گئے۔ ابھی یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا کہ میجر محمود ایک مریض کو دیکھنے کے بعد واپس آتے ہوئے جلسہ گاہ کے پاس گزرے۔ اتفاق سے ان کی موٹر کار جلسہ گاہ کے قریب ٹھہر گئی اور اسکو دوبارہ چلانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ عین اس موقع پر ایک ہجوم موٹر کار کی طرف بڑھا اور اس نے میجر کو گھسیٹ کر نیچے اتار لیا۔ میجر محمود نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کا تعاقب کیا گیا اور آخر پتھر اور چھرے مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ ان کی پوری انتڑیاں پیٹ سے باہر نکل آئی تھیں۔ انکی نعش کے پوسٹ مارٹم معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جسم پر کند اور تیز دھار والے ہتھیاروں سے لگائے ہوئے چھبیس زخم تھے اور موت ایک تو صدمے سے اور دوسرے داخلی جریان خون سے واقع ہوئی۔ جو بائیں پھیپھڑے۔ بائیں گردے اور جگر کے دائیں کنارے کے زخموں سے جاری ہوا تھا۔ کوئی شخص بھی "اسلامی شجاعت" کے اس کارنامے کی نیک نامی لینے پر آمادہ نہ ہوا اور بے شمار عینی شاہدوں میں ایک بھی ایسا نہ نکلا۔ جو ان "غازیوں" کی نشان دہی کر سکتا یا کرنے کا خواہشمند ہوتا جن سے یہ "بہادرانہ" فعل صادر ہوا تھا۔ لہٰذا اصل مجرم شناخت نہ کئے جا سکے اور مقدمہ بے سراغ ہی داخل دفتر کر

دیا گیا۔ پولیس کے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیظ سے بھرے ہوئے لوگ چھوٹی داڑھیوں والے اشخاص کی تلاش میں دیوانے ہو رہے تھے تاکہ انہیں ہلاک کر دیں۔ (واضح رہے کہ احمدی چھوٹی ڈاڑھیاں رکھتے ہیں)

جب حکومت پاکستان کے انٹیلی جنس بیورو کو اس ہولناک قتل کی اطلاع ملی۔ تو اس نے اپنی چٹھی نمبری 10/B/48-(6)P مورخہ 26- اکتوبر 1948ء بنام مسٹر ذوالقرنین خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس (A) سی۔ آئی۔ ڈی پنجاب لاہور میں حکام صوبہ کی توجہ مجلس احرار کی خفیہ سرگرمیوں کی طرف مبذول کرائی جو بیورو کے نزدیک پاکستان کے مفاد کے لئے مضر رساں تھیں۔ بیورو نے لکھا کہ مجلس احرار کے بڑے بڑے لیڈر اپنی تحریروں اور تقریروں میں مملکت کی وفاداری کے جو عہد و پیمان باندھ چکے ہیں۔ وہ سب محض لیپ پوت اور دھوکا ہے۔ آخر میں مرکزی حکومت کی اطلاع کے لئے حکومت صوبہ کی رائے طلب کی گئی تھی کہ آیا احرار کی ان سرگرمیوں کے پیش نظر بحالت موجودہ انکے خلاف کسی سخت کارروائی کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں ملک حبیب اللہ نے اپنی چٹھی نمبری BDSB-22451 مورخہ 20- نومبر 1948ء میں احرار کے متعلق پنجاب سی آئی۔ ڈی کا رویہ نہایت تفصیل سے بیان کیا۔ اس چٹھی میں اس تقریر کی اقتباس دی گئی ہے۔ جو عبدالرحمٰن میانوی نے چونڈہ ضلع سیالکوٹ میں 7- مئی 1928ء کو کی تھی۔ اور جس میں بتایا تھا کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری قائداعظم مرحوم پر ہے۔ پھر صاحبزادہ فیض الحسن کی تقریر کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے موضع بھلر ضلع شیخوپورہ میں کی۔ اور جس میں بیگم لیاقت علی خاں اور دوسری تعلیم یافتہ خواتین پر جو پردے کی پابند نہیں ہیں بازاری حملے کئے گئے تھے۔ اس چٹھی میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ مخدوم شاہ بنوری اور شیخ حسام الدین کی گرفتاری کے بعد اس احراری لیڈروں کے دماغ درست ہو رہے ہیں۔ اور سید عطا اللہ شاہ بخاری اور ماسٹر تاج الدین پاکستان کے ساتھ اپنی وفاداری کے اعلان کا اعادہ کر کے حکومت کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ احرار کی شدید نگرانی کی جا رہی ہے۔ اور جب کبھی ان کی سرگرمیوں میں ایسے آثار نظر آئے کہ وہ مفاد مملکت کے منافی ہیں۔ ان کے خلاف فوری اقدام کیا جائے گا اور انکی جمعیت توڑ دی جائے گی۔ آخر میں حکومت پنجاب کا یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ موجودہ مرحلے پر احرار کی تنظیم کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دینے کی سخت کارروائی مناسب نہیں ہے۔

احرار لیڈروں کی تقریریں

صاحبزادہ فیض الحسن کی جس تقریر کا ذکر ملک حبیب اللہ کی چٹھی میں کیا گیا ہے۔ اسکی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادہ نے یہ تقریر 27- اگست 1948ء کو موضع بھلر میں سید امام علی کے عرس کے موقع پر کی تھی۔ جس میں بتایا تھا کہ بیگم لیاقت علی خاں اور دوسری عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں سب بازاری عورتیں ہیں۔ اور مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں نے جو ایک لاکھ مسلمان عورتوں کو اغوا کر لیا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل بننے کے لئے بے حد مضطرب تھے۔

8- اگست 1950ء کو حکومت پاکستان کے انٹیلی جنس بیورو کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے اپنی چٹھی نمبری 9/B/50-(25) بنام سپرنٹنڈنٹ پولیس (B) سی۔ آئی۔ ڈی پنجاب کے ساتھ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے ایک خطبہ کی نقل بھیجی۔ جس میں انہوں نے اپنے پیروؤں کو آگاہ کیا تھا کہ وہ آجکل ایک نہایت خوفناک خطرے سے دوچار ہیں۔ اس خطبے میں امام جماعت احمدیہ نے یہ کہا تھا کہ صورتحال کی پوری پوری اطلاع حکومت تک نہیں پہنچائی جا رہی ہے۔ جماعت کو نیست و نابود کر دینے کا کھلم کھلا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ حکومت اس پروپیگنڈا کی روک تھام کے لئے کوئی تدبیر اختیار نہیں کر رہی ہے۔ ہمارے جان و مال سخت خطرے میں ہیں۔ افراد جماعت کو چاہئے کہ اگر ضرورت پڑے تو اپنے دفاع کے لئے نہایت چست و مستعد رہیں۔ اس چٹھی کے جواب میں ملک حبیب اللہ نے اپنی خفیہ چٹھی نمبری BDSB-9931 مورخہ 31- اگست 1950ء کے ذریعے سے بیورو کو اطلاع دی کہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے خطبے میں غالباً احرار کی ان تقریروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو مجلس احرار کو مسلم لیگ میں مدغم کر دینے کے بعد سے برابر جاری ہیں اور جن میں احمدیوں کے خلاف دشنام طرازی کی مسلسل مہم چلائی جا رہی ہے۔ اس چٹھی میں یہ بھی لکھا گیا کہ احرار کی ان سرگرمیوں کی اطلاع بارہا حکومت کو دی جا چکی ہے۔ لیکن قانون و انتظام کے مشیر نے فوری کارروائی کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ مبادا احرار اس گیرو دار کی وجہ سے سستی شہادت حاصل کر لیں احراری لیڈر ماسٹر تاج الدین کو تنبیہ کی جا چکی ہے۔ اور اس تنبیہ کا کوئی اثر اس لیڈر کی سرگرمیوں پر نہیں پڑا اب گورنر نے ایک تازہ تنبیہ کی ہے جسکے نتائج کا انتظار ہے۔

احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے یکم مئی 1949ء کو پنڈدادن خاں کے ایک احراری جلسے میں کیا گیا۔ اس کے بعد سے احرار کے تمام جلسہ ہائے عام میں صرف احمدی ہی ہر تقریر کا موضوع قرار پائے۔ اور نہ صرف احمدی جماعت کے لیڈر بلکہ چودھری ظفراللہ خاں وزیر خارجہ بھی ان کی دشنام و بدگوئی کا سب سے بڑا نشانہ بن گئے۔ 26-27- نومبر 1949ء کو احرار نے سیالکوٹ میں جو تبلیغ کانفرنس منعقد کی۔ اس میں گیارہ ہزار حاضرین کے سامنے ماسٹر تاج الدین۔ مولوی محمد

حیات۔ مولوی علی جالندھری۔ شیخ حسام الدین۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور سید عطا اللہ شاہ بخاری نے تقریریں کیں۔ اور ان سب نے احمدیوں کو۔ احمدیت کے بانی کو۔ احمدی لیڈروں کو اور چودھری ظفراللہ خاں کو گالیاں دیں۔ اس جلسے میں جو تقریریں کی گئیں ان کا ایک نمونہ مولوی محمد حیات کی تقریر کی روداد میں ملے گا۔ آپ نے کہا:۔

"اگرچہ مرزا غلام احمد جھوٹا تھا لیکن ہم اس کو الزام نہیں دیتے۔ کیونکہ صرف کبھی کبھی زنا کرتا تھا۔ ہمارا اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے جو ہر روز زناکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔"

پراسیکیوٹنگ پولیس افسر نے جب قانونی کارروائی کی غرض سے اس تقریر کا مطالعہ کیا تو یہ رائے دی کہ اس قسم کے بیانات تو سیاسی مقررین کا شیوہ عام ہیں جن سے کسی کی بھی دل آزاری نہیں ہوتی۔

اس کے بعد احرار نے 7- دسمبر 1949ء کو نوشہرہ ورکاں میں اہل السنت و الجماعت کے نام سے ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں مولوی غلام اللہ نے یہ کہا کہ مرزا غلام احمد دجال تھا جسکو انگریز نے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کی غرض سے پیدا کیا تھا۔ قادیانی لوگ خصوصاً چوہدری ظفراللہ خان پاکستان اور ملت مسلمہ کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور قادیان کے لئے کشمیر کو فروخت کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ تقریر زیر دفعہ 153- الف مجموعہ تعزیرات اور زیر دفعہ 21 پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ قانونی کارروائی کے قابل بتائی گئی۔ اور میاں انور علی ڈی۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ کیس ہوم سیکرٹری کی خدمت میں بھیجتے ہوئے دریافت کیا کہ آیا حکومت کا یہ ارادہ ہے کہ جو لوگ چودھری ظفراللہ خاں کو گالیاں دے رہے ہیں۔ اور جمہور کے ایک خاص حصے کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی کارروائی کی جائے۔ مسٹر انور علی نے اپنے تبصرہ میں ایک معاہدے کا ذکر بھی کیا جو احراریوں کے قول کے مطابق ان کے اور وزیراعظم کے درمیان ہو چکا ہے۔ اور اس معاہدے کا مقصد یہ ہے کہ چودھری ظفراللہ خاں جو ایک سیاسی خطرہ بن چکے ہیں۔ وزارت مرکز سے نکال دیئے جائیں۔ جب یہ کیس شعبہ قانون کے مشیر کے پاس پہنچا تو اس نے ایک اور کیس میں اپنی رائے کا حوالہ دیتے ہوئے حکم صادر کیا کہ فی الحال احرار لیڈروں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کیا جائے گی اور حکومت ابھی حالات کا انتظار کرے گی۔

اس کے بعد مجلس احرار نے ایک اہم تبلیغ کانفرنس 17-18 دسمبر 1949ء کو لائل پور میں منعقد کی جس میں کوئی پانچ ہزار حاضرین کے سامنے مولوی غلام غوث سرحدی۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ مولوی محمد علی جالندھری شیخ حسان الدین اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے تقریریں کیں۔ جو مسٹر انور علی کی یاداشت مورخہ 30 دسمبر 1949ء کے رو سے زیر دفعہ 153- الف مجموعہ تعزیرات۔ اور زیر دفعہ 21- پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ قانونی کارروائی کے قابل تھیں۔ شعبہ قانون کے مشیر نے 2- جنوری 1950ء کو اس کیس پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا:۔

"ان لوگوں نے احمدیوں کو اپنے حملے کا نشانہ اس لئے بنایا ہے کہ عوام ان کی باتیں سن لیں۔ یہ لوگ ان مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو عام مسلمانوں کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف جاگزیں ہیں۔ لیکن میری رائے میں فی الحال احرار کے خلاف کوئی اقدام مناسب نہ ہو گا کیونکہ مسلمان احمدیت کے معاملے میں بے حد حساس ہیں۔ اور اگر احرار پر احمدیوں کو گالیاں دینے کی بنا پر مقدمات چلائے گئے۔ تو یہ لوگ عوام کی نگاہوں میں شہادت کا مرتبہ حاصل کر جائیں گے۔

جس کے یہ بالکل مستحق نہیں ہیں۔ لہٰذا میں احرار لیڈروں کے خلاف کسی قسم کے اقدام کا مشورہ نہیں دے سکتا۔"

جب یہ کیس 5 جنوری 1950ء کو سردار عبدالرب نشتر (گورنر پنجاب) کے سامنے آیا تو انہوں نے اپنی یاداشت میں لکھا کہ چند روز ہوئے مولوی غلام غوث سرحدی مجھ سے ملنے آئے تھے تو میں نے ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ حکومت کسی شخص کو اپنے مذہبی خیالات کی اشاعت سے روکنا نہیں چاہتی۔ لیکن وہ ایسی تقریروں کو برداشت نہ کرے گی جن سے نقص امن کا احتمال ہو۔

جب احراریوں نے ایسی تبلیغ کانفرنسیں شروع کر دیں جن میں احمدیوں کو گالیاں دی جاتی تھیں تو احمدیوں کو بھی عذر مل گی اور وہ بھی اپنے جلسے منعقد کرنے لگے۔ ایسا ایک جلسہ 15- جنوری 1950ء کو سیالکوٹ میں ہوا۔ یہ جلسہ گویا اس تبلیغ کانفرنس کا جواب تھا جو 26- نومبر 1949ء کو منعقد ہوئی تھی۔ لیکن احراریوں نے خشت باری کر کے اس جلسے کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ اور پولیس کو ہلکا سا لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ موقع پر پہنچ گئے۔ جب پولیس نے بلوائیوں کو ہٹا دیا تو جلسہ پھر شروع ہو گیا۔ لیکن فوراً وہاں سے ذرا فاصلے پر ایک بڑا ہجوم جمع ہو گیا۔ جس کے لاؤڈ سپیکر بھی لگا لیا۔ اور لوگ مطالبہ کرنے لگے کہ چار بلوائی جو گرفتار کئے گئے ہیں رہا کر دیئے جائیں اور وہ احمدی ہمارے حوالے کر دیا جائے جس نے ایک غیر احمدی کے چھرا مارا ہے۔

ملتان میں تبلیغ کانفرنس 28-29- جنوری 1950ء کو ہوئی۔ جس میں بہت سے مقررین نے تقریریں کیں۔ ان مقررین میں سید عطا اللہ شاہ بخاری۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ غلام نبی جانباز اور مولوی محمد علی جالندھری بھی شامل تھے۔ اس جلسے میں حاضرین کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ اس میں مقررین نے مرزا غلام احمد کو ماسٹر تارا سنگھ سے تشبیہ دی۔ چوذھری ظفراللہ خان کے خلاف توہین آمیز اشارات کئے گئے۔ اور انہیں

مسلمان قوم کا غدار بتایا گیا۔ اس کے علاوہ جماعت احمدیہ کے بانی اور اسکے موجودہ امام کے متعلق فحش باتیں کہی گئیں۔ جنرل نذیر احمد کو بھی تبصرہ کا نشانہ بنایا گیا۔ سید عطا اللہ شاہ بخاری نے بیان کیا کہ ڈپٹی کمشنر ملتان نے بعض مسجدیں مسلمانوں سے چھین کر مرزائیوں کو دے دی ہیں۔ جب اس اجتماع کی روداد 11- فروری 1950ء کو شعبہ قانون کے مشیر کے سامنے آئی تو انہوں نے اپنی وہی پرانی دلیل دہرا دی کہ اگر وزیر خارجہ اور احمدیوں کو گالیاں دینے کی پاداش میں احراریوں کے خلاف کوئی اقدام کیا گیا تو احراری مرتبہ شہادت حاصل کر لیں گے اور عوام کو ان سے بے انتہا ہمدردی ہو جائے گی۔ حالانکہ وہ عوام کی نگاہوں میں ایسا محترم مقام حاصل کرنے کے مستحق نہیں ہیں جب 13- فروری 1950ء کو یہ کیس سردار عبدالرب نشتر نے ملاحظہ کیا تو لکھا کہ میرے نزدیک مجلس احرار کے صدر کو طلب کر کے اسکو آگاہ کر دیا جائے کہ احرار نے مملکت کے فوجی اور غیر فوجی معززین کے خلاف دشنام طرازی کی جو مہم جاری کر رکھی ہے اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔ آپ نے لکھا کہ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ مذہب کے نام لیکر مملکت کی بنیادوں کو کمزور کرے۔ میں نے مسئلے کے اس پہلو پر قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولوی غلام غوث سرحدی سے بات چیت کی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اس اشارے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ آپ نے ہدایت کی کہ اب احراریوں کے ساتھ ذرا کھلی کھلی بات ہو جانی چاہئے اور اگر قانون کے مشیر صاحب احراریوں سے گفتگو کرنے میں کوئی دشواری محسوس کرتے ہوں تو میں خود ان سے بات کروں گا۔ چنانچہ 20- فروی 1950ء کو شعبہ قانون کے مشیر نے ماسٹر تاج الدین صدر مجلس احرار کو طلب کر کے تنبیہ کی کہ چودھری ظفر اللہ خاں اور جنرل نذیر احمد جیسے معزز و مقتدر ارکان مملکت کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانے کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ ماسٹر صاحب سے یہ بھی کہہ دیا گیا۔ کہ حکومت اس تنبیہ کے نتیجے کو دیکھے گی اور اگر اس کا کوئی اثر نظر نہ آیا۔ تو حکومت مجبور ہو گی کہ احرار کے خلاف شدید اقدامات کا حکم دے۔

افغانستان میں احمدیوں کی سنگساری اور ”الشہاب“

بعض ممتاز علما نے ہمارے سامنے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے اس لئے اگر احمدی کافر ہیں تو جو شخص احمدی ہو جاتا ہے وہ گویا اپنے آپکو سزائے موت کا مستوجب بنا لیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ افغانستان میں قانون ملکی کی حیثیت سے نافذ ہے۔ چنانچہ وہاں بہت سے اشخاص اپنے غیر اسلامی عقائد کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ پہلا احمدی جسکو اس قانون کے تحت جان دینی پڑی ایک شخص عبدالرحمان خاں تھا جو امیر عبدالرحمان خاں کے عہد حکومت میں ہلاک کیا گیا۔ دوسرا عبدالطیف تھا جو 1903ء میں امیر حبیب اللہ خاں کے دور حکومت میں سنگسار کیا گیا۔ عبدالطیف افغانستان کا باشندہ تھا اور کچھ مدت تک قادیان میں مرزا غلام احمد کی صحبت مین رہ کر خود احمدی ہو گیا تھا جب وہ 1903ء میں افغانستان کو واپس آیا تو علمائے نے اسکو احمدی ہو جانے کی وجہ سے مرتد قرار دیا۔ اور اس کو موت کی سزا دے دی۔ چنانچہ وہ کمر تک زمین میں زندہ گاڑ دیا گیا اور اس کے بعد پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ یہی حشر نعمت اللہ خاں کا ہوا جس کو علمائے افغانستان نے احمدی ہونیکی وجہ سے مرتد قرار دیا۔ چنانچہ ہو 31 اگست 1922ء کو بمقام شیر کوٹ بر سر عام سنگسار کر دیا گیا

نعمت اللہ کی سزائے موت پر ہندوستان میں اس امر کے متعلق نزاع پیدا ہوا کہ آیا اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے یا نہیں۔ دیوبند کے ایک عالم مولانا شبیر احمد عثانی نے اس مسئلہ پر ایک کتابچہ ”الشہاب“ کے نام سے لکھا۔ جس کے پہلے حصے میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ احمدی مرتد ہیں۔ اور دوسرے حصے میں اس دعوے کے دلائل دیئے گئے تھے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے۔

یہ کتابچہ کوئی تیس سال تک گوشہ گمنامی میں پڑا رہا۔ لیکن مارچ 1950ء سے کچھ پہلے قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے اسکے مصنف سے (جو اب شیخ الاسلام پاکستان بن گئے تھے) اسکو دوبارہ چھاپ کو شائع کرنے کی اجازت طلب کی جو عطا کر دی گی۔ اور اب احراریوں کی تقریروں میں اس کتابچہ کے مندرجات بطور فتویٰ بیان کئے جانے لگے۔ 14- سے 16- اپریل 1950ء تک کمپنی باغ راولپنڈی میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں قریب قریب ہر مقرر نے حاضرین سے اپیل کہ ”الشہاب“ کی کاپیاں خریدیں۔ جب یہ اطلاع مسٹر انور علی دی۔ آئی جی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے پاس پہنچی تو انہوں نے اپنی یاداشت مورخہ۔ 20 مارچ 1950ء میں چیف سکرٹری کو اس امکان کی طرف توجہ دلائی کہ شاید کوئی شخص اس فتوے سے مشتعل ہو کر کسی احمدی کو ہلاک کر دے۔ لیکن مسٹر انور علی نے یہ رائے ظاہر کی کہ بعض بین وجوہ کی بنا پر اس کتابچے کی اشاعت کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ ہو گا۔ آخر میں مسٹر انور علی نے اسی تجویز پر اکتفا کیا کہ ماسٹر تاج الدین انصاری اور دوسرے احرار لیڈروں کو جو سخت بدلگام ہو رہے ہیں طلب کر کے تنبیہ کر دی جائے۔ چیف سکرٹری مسٹر فدا حسن نے ڈی آئی جی۔ سی۔ آئی۔ ڈی سے اتفاق کیا کہ کتابچے کو ممنوع قرار دینے سے احراری اور بھی زیادہ چمکیں گے۔ لہذا ایک زبردست تنبیہ کافی ہو گی۔ شعبہ قانون کے مشیر نے اس تجویز پر صاد کیا۔ اور جب فائل 30- جون کو سردار عبدارب نشتر گورنر کی خدمت میں پیش ہوئی تو انہوں نے لکھا:۔

”گزشتہ تنبیہات موثر ثابت نہیں ہو میں۔ ان لوگوں کو نہایت

شدید تنبیہ کرنی چاہئے اور بتا دینا چاہئے کہ کسی فرد یا گروہ کے خلاف خصوصا جبکہ افراد متعلقہ ممتاز سرکاری عہدے دار ہوں۔ اور مملکت کے اہم فرائض ادا کرنے میں مصروف ہوں۔ اشتعال انگیز تقریریں کرنا ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اگر احراری اپنے اس طرز عمل سے باز نہ آئے تو حکومت ان کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔"

اس فیصلے کے مطابق گورنر صاحب نے بنفس نفیس ماسٹر تاج الدین انصاری کو شدید تنبیہ کی۔ تاہم اس کتابچے کے اقتباسات عام جلسوں میں برابر سنائی جاتی رہیں۔ یہاں تک کہ وزیر داخلہ پاکستان نے اس کتابچے کو دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکو اس کتابچے کے بیان کردہ عقائد کے امکانات کا اندازہ کر کے سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے تجویز کی کہ حکومت پنجاب اس کتابچے کو فوراً ضبط کر لے۔

اسی اثنا میں احرار کانفرنس منعقدہ حافظ آباد میں ہونے والی تقریروں کی رپورٹ موصول ہوئی۔ اس کانفرنس میں محمد علی جالندھری نے چودھری ظفر اللہ خاں "دیوانہ کتا" کہا۔ ملک حبیب اللہ نے یہ رپورٹ 19- جون 1950 کو ڈی۔ آئی جی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کو بھیجی اور لکھا۔ کہ اگر احرار کی تقریروں کے لہجے پر کوئی قید عائد نہ کی گئی۔ تو عنقریب حکومت کو بلوے اور قتل کے چند واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مسٹر انور علی ڈی۔ آئی۔ جی سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ کیس شعبہ قانون کے مشیر کو بھیجا۔ مشیر نے اسکو سردار عبدالرب نشتر گورنر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور گورنر صاحب نے ڈی۔ آئی جی۔ کو اس مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے طلب فرمایا۔ اس مرحلے پر مسٹر انور علی ڈی۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے پوری صورت حالات کا جائزہ لیا اور ذیل کی یادداشت لکھی:۔

"مجلس احرار احمدیت کے بانی اور اسکے موجودہ امام کے متعلق فحش اور غلیظ باتیں تو کرتی ہی ہے۔ اب اس نے دانستہ بھی اور نادانستہ بھی تشدد کی حمایت شروع کر دی ہے۔ یاد ہو گا کہ پچھلے سال ایک نوجوان احمدی افسر جو کپتان کا درجہ رکھتا تھا کوئٹہ میں نہایت وحشیانہ طور پر قتل کر دیا گیا۔ کیونکہ اس نے احمدیت کے خلاف بعض مظاہرہ کرنے والوں کے کردار پر اعتراض کیا تھا۔ مجلس احرار برصغیر ہند کی تقسیم کے خلاف تھی۔ احرار لیڈروں پر کانگرس اعتبار کرتی تھی۔ اور احراری ہمیشہ کانگرس کے کارکنوں سے خلا ملا رکھتے تھے۔ تقسیم کے بعد یہ لوگ منقار زیر پر ہو گئے۔ کچھ مدت تک وہ عوام کے غیظ و غضب سے خائف رہے۔ اور کبھی کبھی اس مطلب کے بیانات دیتے رہے کہ وہ پاکستان کے وفادار ہیں۔ ان کی حکمت عملی اس زمانے میں خالص دفاعی تھی۔ اور وہ پناہ گیروں کے کیمپوں اور دوسرے مرکزوں میں خدمت اور امداد کا کام کر رہے تھے۔ چونکہ ممبر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اسلئے کچھ مدت تک پارٹی شکستہ و منتشر رہی۔ سید عطا اللہ شاہ بخاری لاہور سے اٹھے اور ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں میں پناہ گزین ہو گئے۔ شیخ حسام الدین نے اعلان کیا کہ ان کی سیاسی زندگی ختم ہو چکی ہے۔ اور پھر انہوں نے بھارت اور پاکستان کے درمیان تجارت کرنے کے لئے مشترک راس المال کی ایک کمپنی قائم کر لی۔ کچھ مدت تک شیخ حسام الدین زیر دفعہ 3- پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ نظر بند رکھے گئے۔ کیونکہ پاکستان سے ان کی وفاداری مشتبہ تھی۔ ان کا ایک رفیق کار مخدوم شاہ بنوری بھی کچھ مدت تک نظربند رہا۔

2- جب اس صوبے کی مسلم لیگ میں اختلافات بڑھ گئے اور اسکے اثر و اقتدار کو شدید صدمہ پہنچا تو احرار نے خیال کیا کہ سیاسی میدان میں ان کے داخلے کا یہ وقت نہایت مناسب ہے۔ چنانچہ اسی خیال سے انہوں نے پے در پے تبلیغ کانفرنسیں منعقد کرنی شروع کر دیں۔ اب احراری مقررین کی تقریروں کے خصوصی نکات یہ تھے کہ ہم پاکستان کے وفادار ہیں۔ مسلم لیگ کو ملک بھر کی واحد سیاسی جماعت تسلیم کرتے ہیں۔ جہاد کشمیر بالکل حق بجانب تھا۔ اور ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے عوام کی سعی و جہد کو منظم کرنا چاہئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے احمدیوں کے خلاف بھی تقریریں شروع کر دیں۔ مجلس میں بعض نہایت موثر خطیب شامل ہیں۔ چنانچہ سید عطا اللہ شاہ بخاری اپنے گوشہ عزلت سے نکل آئے اور انہوں نے ایک دفعہ پھر اپنی شیوا بیانی سے جماعت میں جو عمل پیدا کر دیا۔ جتنا وقت گزرتا گیا تقریروں کا لہجہ بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ پروگرام کے دوسرے نکات فراموش کر دیئے گئے۔ احرار نے اپنی پوری توجہ احمدیوں کی بدگوئی پر مرتکز کر دی۔ اور نہایت شرمناک دشنام طرازی کا آغاز کر دیا۔ جب ان کی ساکھ کسی قدر عود کر آئی تو انہوں نے سر ظفر اللہ خاں پر حملہ کرنا اور انہیں غدار بتانا شروع کر دیا۔ اب احرار کا رویہ مدافعانہ نہیں رہا بلکہ قطعی طور پر جارحانہ ہو چکا ہے۔ حالات بہت زیادہ بگڑ چکے ہیں اور شائستگی اور سیاسی اخلاق کی حدود و قیود توڑی جا چکی ہیں۔ اب تک مندرجہ ذیل قابل ذکر باتیں ظہور میں آئی ہیں:۔

(i) مرزا غلام احمد کی تحریروں کے اقتباسات ناگوار حد تک نقل کی جا رہی ہیں۔ اور ان کو توڑ مروڑ کر ان سے فحش اور غلیظ مطالب نکالے جاتے ہیں۔

(ii) مرزا غلام احمد اور موجودہ خلیفہ کو زناکار اور خلاف وضع فطرت حرکات کا مرتکب ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(iii) احمدیوں کو غدار کہا جا رہا ہے اور دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ وہ پاکستان کے وفادار نہیں ہیں۔

(iv) سر ظفر اللہ کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی جاری ہے۔ ان کو اکثر "گدھا" اور "مکار" بتایا جاتا ہے۔ اور ان پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ قادیان میں احمدی مفادات کے تحفظ کی خاطر کشمیر کو فروخت کر دیں گے۔

(v) یہ کہہ کر عوام کو دہشت زدہ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان پر احمدیوں کی حکومت ہے جو ملک کے غدار ہیں اس مقصد کی خاطر فوجی اور غیر فوجی احمدی عہدہ داروں کی فہرستیں اکثر شائع کی جاتی ہیں۔
(vi) سید عطا اللہ شاہ بخاری نے بارہا کہا ہے کہ اگر مرزا غلام احمد نے ان کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو وہ ان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتے۔
(vii) پچھلے دنوں احراریوں کے ایک جلسے میں جذبات اس قدر مشتعل کئے گئے کہ حاضرین میں سے ایک شخص نے اٹھ کر اعلان کیا کہ میں مرزا بشیر الدین کو قتل کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔
(viii) ملتان کے ایک جلسے میں سید عطا اللہ شاہ بخاری کی تقریر سن کر ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ اگر حکم ہو تو میں جا کر سر ظفر اللہ کو قتل کر دوں۔
(ix) "الشہاب" کے نام سے ایک کتابچہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھ اتھا۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ احمدی مرتد ہیں لہٰذا ہر مسلمان انکو قتل کر سکتا ہے۔ یہ کتابچہ دوبارہ چھاپ کر شائع کیا جا رہا ہے (یہ کتابچہ مولانا مرحوم نے اس زمانے میں لکھا تھا۔ جب افغانستان میں دو احمدیوں کے ہلاک کئے جانے پر ملک میں بحث چھڑ گئی تھی)
(3) احرار نے ان بے شمار اقتصادی۔ معاشرتی اور سیاسی مسائل کے متعلق جو پاکستان کو درپیش ہیں کبھی کوئی تعمیری خدمت انجام نہیں دی۔ عملاً ان کے پاس کوئی سیاسی پروگرام نہیں۔ سوائے اس خواہش کے کہ آئندہ انتخابات میں انہیں عوام کی حمایت حاصل ہو جائے۔
(4) عوام کا حافظہ دردناک حد تک کمزور ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ آج سے دو سال پہلے احرار لیڈر شک و شبہ اور بے اعتباری کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آج وہ جب کبھی عام جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں۔ تو بے شمار حاضرین ان کو سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو ان احرار لیڈروں کی نیت پر اعتراض کریں یا ان سے اتنا ہی پوچھ لیں کہ آخر وہ احمدیوں کے خلاف اتنا شور کیوں مچا رہے ہیں۔ احرار جزوی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپکو دوبارہ عوام کی نظروں میں مقبول بنا لیا ہے اور وہ عنقریب ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ وہ جماعت مسلم لیگ کی حامی ہوا۔ اگر وہ مخلص ہوتے تو اپنی تنظیم کو ختم کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو جاتے۔
(5) احرار لیڈرون کو غالبا اس امر کا احساس نہیں ہے۔ کہ وہ آگ سے کھیل رہے ہیں۔ مسخرا پن کو تو کسی حد تک نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب عوام کے جذبات کو اس حد تک مشتعل کر دیا جائے کہ قتل۔ بلوے اور توہین و تضحیک وغیرہ کے خطرات پیدا ہو جائیں تو اس کو روکنا قطعی طور پر لازمی ہے۔ ممکن ہے احرار لیڈروں کے خلاف قانون تعزیرات کے تحت مقدمات چلانا مناسب نہ ہو۔ (تاکہ مزید بحث و نزاع پید انہ ہو) لیکن چونکہ ان کی سرگرمیاں سلامتی عامہ اور امن عامہ کے قیام کے منافی ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل تجاویز پر غور کرنا ضروری ہے:۔

(الف) جب عملی تشدد کی تلقین کی جائے یا اس تلقین کی اعانت کی جائے تو زیر دفعہ 3- پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کارروائی کی جانی چاہئے۔
(ب) احرار لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کے خلاف دشنام و بدگوئی کسی حالت میں برداشت نہ کی جائے۔ ہر شخص جو کابینہ کے کسی وزیر کی علی الاعلان توہین کرے اس امر کا مستوجب ہونا چاہئے۔ کہ اسکے خلاف زیر دفعہ (2)- پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کارروائی کی جائے۔
(ج) آخر میں مجلس غیر شرفانہ اور فحش تقریریں جن سے اخلاق عامہ کی تخریب ہوتی ہو اور عوام کی حس شائستگی کو صدمہ پہنچتا ہو ہرگز برداشت نہ کی جائیں۔ اور احراری مقررین نے بارہا کہا ہے کہ مہاتما گاندھی اور احمدیوں کے خلیفہ ہم بستر ہوئے تھے۔ اس قسم کی نفرت انگیز اور مکروہ ترین ظرافت علی الخصوص ایک اسلامی مملکت میں ہرگز قابل براداشت نہ ہونی چاہئے۔
(د) آخر میں مجلس احرار کو زیر دفعہ 16- ضابطہ فوجداری ترمیمی ایکٹ 1908ء خلاف قانون جماعت قرار دینے کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔
شعبہ قان کے مشیر صاحب کو یاد ہو گا کہ عزت ماب وزیر داخلہ نے اس رائے پر زور دیا تھا کہ کتابچہ "الشہاب" جس میں احمدیوں کے خلاف تشدد کی تلقین کی گئی ہے فوراً ضبط کیا جانا چاہئے۔ یہ بھی یاد ہو گا۔ کہ وزیر داخلہ نے بالکل درست فرمایا تھا۔ کہ اگر موجودہ مرحلے پر جماعت احرار اور اس کے کارکنوں کے خلاف اقدام نہ کیا گیا تو انکی ہردلعزیزی کئی گنا بڑھ جائے گی۔ اور اس وقت ان کے خلاف اقدام کرنے سے ایک طرف وہ شہیدوں کا مرتبہ حاصل کر لیں گے۔ اور دوسری طرف حکومت کے لئے عملی مشکلات بھی پیدا ہو جائینگی۔ میں اس حقیقت کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہوشمند اور روشن خیال لوگ احراری لیڈروں کی ناشائستہ تقریروں کے متعلق حکومت کی بے عملی کو مستحسن نہیں سمجھتے۔
7- میں اپنے فرض کی بجا آوری میں کوتاہی کروں گا اگر میں حکومت سے یہ عرض نہ کر دوں کہ احرار لیڈروں نے جو فضا پیدا کر دی ہے۔ وہ نہایت خطرناک امکانات سے معمور ہے۔ اور ممکن ہے کہ احمدیوں کے خلاف تشدد کے انفرادی واقعات رونما ہونے لگیں۔"
ڈی آئی جی۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے اپنی یہ یاداشت چیف سیکرٹری کو ارسال کی۔ جنہوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ کہ "الشہاب" کو ضبط کر

یا جائے۔ اور جہاں کہیں عملی تشدد کی تلقین کی جائے۔ یا جہاں اس تشدد کی اعانت کے لئے کسی اور جرم کا ارتکاب کیا جائے۔ وہاں زیر دفعہ 3۔ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کارروائی کی جائے۔ چودھری ظفر اللہ خاں کی توہین کے خلاف اقدام کی جو تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس کے متعلق چیف سیکرٹری نے یہ کہا کہ ایسا اقدام اسی صورت میں کیا جائے جبکہ وزیر موصوف خود اس طرز عمل سے اتفاق کریں۔ احرار کو خلاف قانون جماعت قرار دینے کے متعلق چیف سیکرٹری نے تجویز کی کہ فی الحال کچھ مدت تک انتظار کیا جائے۔ جب یہ فائل شعبہ قانون کے مشیر کے پاس بھیجی گئی۔ تو انہوں نے 11۔ جون 1950ء کو اس ایک طویل یادداشت لکھی۔ جس میں "الشہاب" کی ضبطی سے اتفاق کیا۔ اور بتایا کہ انہوں نے صدر مجلس احرار ماسٹر تاج الدین کو جو شدید تنبیہ کی تھی۔ اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس لئے احراری لیڈروں کو پھر طلب کر کے ایک اور شدید تنبیہ کی جائے۔ مشیر صاحب نے یہ بھی لکھا کہ احرار اپنی تقریروں میں تشدد کی تلقین نہیں کر رہے ہیں بلکہ صرف احمدی مذہب پر حملے کر رہے ہیں۔ اور اس عمل نے ان کو عام مسلمانوں میں ہر دلعزیز بنا دیا ہے۔ اگر احمدیوں اور ان کے مذہب پر حملہ کرنے کی پاداش میں ان کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی۔ تو اس سے احراریوں کی ہر دلعزیزی میں اضافہ ہو گا۔ اور وہ شہید بن جائیں گے۔ اس لئے ان کی سرگرمیوں کے تدارک میں حزم و احتیاط سے کام لینا ضروری ہے۔ یہ یادداشت گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر کی خدمت میں پیش کی گئی۔ سردار صاحب نے اس کو پسند کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ کچھ مدت پیشتر انہوں نے مولوی غلام غوث سرحدی اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو زبانی تنبیہ کی تھی کہ اگر وہ حدود سے تجاوز کریں گے اور تشدد پر اکسانے والی تقریریں کرتے رہیں گے تو حکومت کو ان کے خلاف کارروائی کرنی پڑے گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تنبیہ اور وہ جو شعبہ قانون کے مشیر صاحب نے ماسٹر تاج الدین انصاری کو کی تھی۔ بالکل بے اثر رہی ہیں اسلئے چیف سیکرٹری ایک دفعہ پھر ماسٹر تاج الدین انصاری کو طلب کر کے ان سے گفتگو کریں۔ اس کے بعد گورنر صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ ماسٹر تاج الدین انصاری سے بہ نفس نفیس گفتگو کریں گے۔ چنانچہ تاج الدین انصاری طلب کئے گئے اور گورنر صاحب نے ان کو تنبیہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل یادداشت قلم بند کی:۔

"ماسٹر تاج الدین صدر مجلس احرار کا سراغ شب گذشتہ ملا۔ اور وہ آج صبح آٹھ بجے میری ملاقات کے لئے آئے۔ میں نے ان کو بتایا کہ حکومت کسی فرد یا ادارے کی مذہبی سرگرمیوں میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ ایسی سرگرمیوں کو بھی برداشت نہیں کر سکتی جن سے نقض امن کا احتمال ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ چند ماہ پیشتر صوبہ سرحد کے ایک احراری لیڈر مولوی غلام غوث مجھ سے ملنے آئے تھے اور میں نے ان سے احراری سرگرمیوں کے اس پہلو پر گفتگو کی تھی۔ اسکے بعد ایک دن قاضی احسان احمد شجاع آبادی مجھ سے ملے تو میں نے یہ صورت حالات انکو بھی سمجھائی۔ لیکن نہایت افسوس ہے۔ کہ اس گفتگو کے باوجود احرار لیڈروں کی تقریروں کا لہجہ عام طور پر اشتعال انگیز رہا۔ شعبہ قانون کے مشیر نے میری ہدایت پر ماسٹر تاج الدین کی وساطت سے احرار کو جو تنبیہ کی تھی۔ وہ بھی غیر موثر ثابت ہوئی۔ احراریوں کی تقریریں صرف احمدیوں کے عقائد مذہبی کی جائز تنقید تک محدود نہیں رہیں۔ ان میں سے بعض مقرر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کا نتیجہ فساد کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ حکومت اس صورت حالات کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اور اگر احرار نے اپنا یہ رویہ ترک نہ کیا۔ تو حکومت مجبور ہو گی کہ صوبے کے قانون و انتظام کی حفاظت کے لئے ان کے خلاف مناسب اقدام کرے۔ میں نے ان کو یہ بھی بتا دیا کہ عام خیال یہ ہے (اور میرے نزدیک یہ صحیح بھی ہے) کہ احراری "ختم نبوت" کے پردے میں جو کانفرنسیں منعقد کر رہے ہیں۔ ان سے اپنے سیاسی مقاصد کا حصول مقصود ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان عوام میں (جو قبل تقسیم کی احراری سرگرمیوں کی وجہ سے طبعاً بیزار ہیں) از سرنو ہر دلعزیز ہو جائیں۔ میں نے یہ بھی کہہ کہ عوام اتنے احمق نہیں ہیں کہ اس کھیل کو سمجھ نہ سکیں جسے بعض احراری کھیل رہے ہیں۔ وہ آئے دن پاکستان کے وزراء خارجہ کو اور بہت سے اعلیٰ فوجی اور غیر فوجی عہدہ داران حکومت کو جو احمدی ہیں۔ نشانہ وشنام بنا رہے ہیں۔ اگرچہ اس پروپیگنڈے کو مذہبی رنگ دیا جا رہا ہے۔ لیکن اسکا اصل مقصد یہی سمجھا جاتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں حکومت پاکستان کے خلاف نفرت و حقارت پیدا کی جائے۔ جس نے یہ ذمہ داری کے عہدے ایسے اشخاص کے سپرد کر رکھے ہیں۔ ابھی تھوری ہی مدت گزری۔ کہ احراریوں کے ایک حامی اخباری نے ایسے فوجی افسروں کی ایک طویل فہرست شائع کی تھی۔ جن کو قادیانی بتایا گیا تھا۔ اگر اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ اس طریقے سے احراری عساکر پاکستان کے متعلق مسلمانوں کے جوش و تپاک کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ بے جانہ ہو گا۔ اور جب احرار احمدیوں کے متعلق حکومت افغانستان کی پالیسی کا ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ امر اور بھی زیادہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ تقریروں میں یہ کہا جاتا ہے کہ حکومت افغانستان احمدیوں کو سزائے موت دیتی ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے کہ حکومت پاکستان کا رویہ احمدیوں کے متعلق کیا ہے۔ اس مقابلے اور موازنے کا یقیناً یہ مطلب سمجھا جا سکتا ہے کہ حکومت پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میں نے صدر مجلس احرار کو یہ بھی بتا دیا کہ اب تک مسلم لیگی

حکومت احراریوں کی سرگرمیوں کو بے نقاب کرنے کے لئے میدان میں نہیں آئی۔ لیکن اگر احرار کا شیوہ یہی رہا تو ارکان حکومت کو سامنے آنا پڑے گا۔ اور وہ عوام کو احرار کی گذشتہ سرگرمیاں اس انداز سے یاد دلائیں گے' کہ میرے نزدیک احراری ہمیشہ کے لئے مردود قرار پا جائیں گے۔ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ایک بے حد تعجب انگیز بات یہ ہے کہ احراری پاکستان کے مسلمانوں کے جذبات کو احمدیوں کے خلاف اس بنا پر **برانگیختہ** کر رہے ہیں کہ اگر احرار کے بیان کے مطابق احمدی ایک خاص رویہ اختیار نہ کرتے۔ تو ضلع گورداسپور کا ایک حصہ جو اب بھارت کا جزو ہے پاکستان کو مل گیا ہوتا۔ حالانکہ احراری خود زندگی بھر تقسیم ہند کی مخالفت اور کانگرس کی حمایت کر کے پورے کا پورا پاکستان ہندوؤں کے حوالے کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔

2- ماسٹر تاج الدین نے جواب دیا کہ ہماری سرگرمیوں کے متعلق آپ کا یہ خیال سن کر مجھے بے حد اذیت ہوئی ہے۔ میں تو ہمیشہ ہی احراری مقررین کو تلقین کرتا رہا ہوں کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کریں۔ جس سے حکومت کو کسی قسم کی پریشانی ہو۔ یا امن و امان درہم برہم ہو جائے۔ ماسٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ میرے خیالات اپنی جماعت کے لیڈروں تک پہنچا دیں گے۔ اور مجھے یقین دلایا۔ کہ آئندہ پوری کوشش کی جائے گی۔ کہ حکومت کو کسی قسم کی وجہ شکایت پیدا نہ ہو۔"

مزید واقعات قتل

"الشہاب" کی وسیع اشاعت اور احمدیوں کے خلاف احرار کی نفرت انگیز مہم کے نتائج قطعی اور قدرتی تھے انیس سال کے ایک نوجوان محمد اشرف نے اوکاڑہ میں ایک احمدی مدرس غلام محمد کو قتل کر دیا۔ اس قتل کی کہانی درج ذیل ہے:۔

یکم اکتوبر 1950ء کو ایک احمدی مولوی نور دین سات دوسرے احمدیوں کے ساتھ تبلیغی مہم پر چک نمبر5 میں گیا۔ یہاں کے غیر احمدیوں نے ان مبلغوں کو گھیر لیا۔ پھر ان پر کیچڑ پھینکی۔ ان کے چہروں پر کالک ملی۔ اور گندے پانی میں سے انہیں ہنکا کر ریلوے سٹیشن اوکاڑہ تک پہنچایا۔ پولیس میں اس واقعہ کی رپورٹ لکھائی گئی۔ جس پر ایک شخص مولوی فضل الٰہی زیر دفعات 342 زیر حراست لے لیا گیا۔ اس گرفتاری کے خلاف نے تقریریں کیں۔ صاحبزادہ فیض الحسن نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دی جائے۔ یا انہیں مجبور کیا جائے کہ اس ملک کو چھوڑ دیں اور بھارت میں آباد ہو جائیں۔ مولانا احمد علی نے جو جلسے کی صدارت کر رہے تھے ایک قرار داد پیش کی جس میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ احمدیوں کو ذمہ دار عہدوں سے موقوف کر دے۔ اور سید عطا اللہ شاہ بخاری نے میجر جنرل نذیر احمد کی گرفتاری کا ذکر کر کے کہا کہ اس گرفتاری نے "یوم تشکر" کو "**یوم تضحخر**" بنا دیا ہے۔ کیونکہ مملکت ایک بہت بڑے خطرے سے بچ گئی ہے۔ بخاری نے حسب معمول اپنے مبتذل اور پست مزاج سے کام لیکر کہا کہ میجر جنرل نذیر احمد ننگا ہو گیا ہے۔ اب احمدی اس کو نئی پتلون پہنچائیں۔ اس نے یہ بھی کہا۔ کہ میجر جنرل نذیر احمد کو مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اکسا کر سازش میں شامل کرایا ہے۔ بخاری نے اس جلسے کے حاضرین سے جو نعرے لگوائے۔ وہ حسب ذیل تھے:۔

"نمک حرامان پاکستان مردہ باد"۔ "غداران پاکستان مردہ باد"۔ "پاکستان زندہ باد"

"مرزا بشیر الدین محمود مردہ باد"۔ "مرزائیت مردہ باد"

26- مئی کے جلسے میں قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے پھر مقدمہ سازش راولپنڈی کا ذکر کیا اور شیخ حسام الدین نے اعلان کیا کہ احمدی جو مسلمانوں کے قومی اتحاد کے لئے ایک خطرہ ہیں۔ کلیدی عہدوں سے موقوف کئے جانے چاہئیں۔ شیخ حسام الدین اور علامہ علاؤالدین صدیقی نے چودھری ظفر اللہ خان کے متعلق توہین آمیز کلمات کہے اور ان کی موقوفی کا مطالبہ کیا۔ اس دن بھی ایک جلوس نکالا گیا۔

جب حسب معمول اس جلسے کی تقریروں کی روداد چیف منسٹر کی خدمت میں پیش کی گئی تو انہوں نے اس پر ذیل کی معنی خیز رائے لکھی:۔

"احرار ایک ایسے مسئلے سے فائدہ اٹھا کر جس کو پاکستانی عوام میں واضح مقبولیت حاصل ہے اپنے لئے محض سیاسی موقف و مقام پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں اس امر پر گہری نظر رکھنی چاہئے کہ یہ معاملہ ایک خاص حد سے متجاوز نہ ہو۔"

احمدیوں کی مسجد جلا دی گئی

امیر جماعت احمدیہ بھیرہ نے فضیلت ماب گورنر جنرل پاکستان کی خدمت میں ایک تار بھیجا جس میں شکایت کی کہ سمندری میں احمدیوں کی ایک مسجد جلا دی گئی ہے۔ اور وہاں پر امن نمازیوں کو بیدردی سے زد و کوب کیا گیا ہے۔ وزارت داخلہ نے اپنی چٹھی نمبری (1) 44/1/ 51-Poll مورخہ 28- مئی 1951ء کے ساتھ اس تار کی ایک نقل چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کو بھیج کر استدعا کی کہ اس واقعہ کی روداد اور اس پر حکومت پنجاب کا تبصرہ جلد از جلد ارسال کیا جائے۔ اس چٹھی کے جواب میں سید احمد علی ہوم سیکرٹری حکومت پنجاب نے مندرجہ ذیل چٹھی نمبری 8447-BDSB مورخہ 28- جون 1951ء لکھی:۔

"بحوالہ آپ کی چٹھی نمبری (1) 44/1/ 51- Poll مورخہ 28- مئی مجھے یہ اطلاع دینے کی ہدایت کی گئی ہے کہ 13- مئی 1951ء کی سہ پہر کو قصبہ

سمندری ضلع لائل پور کے غیر احمدیوں (احراریوں) کا ایک ہجوم جمع ہوا۔ اور اس نے ایک کچی مسجد کی چھت اور اسکی چٹائیوں کو آگ لگا دی۔ یہ مسجد ایک کمرے اور ایک چبوترے پر مشتمل ہے اور ڈسٹرکٹ بورڈ سکول کے نواح میں اراضی متروکہ پر بنائی گی ہے۔ احمدی جماعت کے چند افراد اس وقت وہاں موجود تھے۔ جو نشانہ زدو کوب بنائے گئے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سکول کے ایک چپڑاسی نے توہین مسجد اور آتش زنی کی اطلاع مقامی پولیس کو پہنچائی۔ اور پولیس فوراً مواقع پر پہنچ گئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی بلا تاخیر موقع پر پہنچ گئے۔ اور صورت حالات پر قابو پا لیا گیا۔ چودہ قانون شکن اشخاص بحالت ارتکاب جرم گرفتار کر لئے گئے۔ کچھ دیر بعد چھ اور اشخاص گرفتار کئے گئے۔ اور تفتیش کی تکمیل کے بعد مقدمہ عدالت میں دائر کر دیا گیا۔ مقامی حکام کی فوری اور مستعدانہ کارروائی نے صورت حالات کو بگڑنے سے بچا لیا اور اب فضا بالکل پر سکون ہے۔

جن اشخاص نے پولیس کو ابتدائی رپورٹ دی انہوں نے واقعہ کے متعلق مبالغہ آمیز بیان دیا اور بعض بیگناہوں کو بھی لپیٹ لیا۔ جن میں سے دو محکمہ مال کے ملازم ہیں۔ تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ انہوں نے ارتکاب جرم میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور انکے خلاف الزامات بے بنیاد ہیں۔ مزید حالات و کوائف سے مناسب وقت پر اطلاع دی جائے گی۔"

احراریوں کی دوسری تقریریں

25- اگست 1951ء کو مسٹر بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور نے ڈپٹی کمشنر لاہور کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں سید عطا اللہ شاہ بخاری کی ایک تقریر کے متعلق شکایت کی۔ یہ تقریر 19- اگست 1951ء کو بیرون موچی دروازہ لاہور ایک بہت بڑے جلسہ عام میں کی گئی تھی۔ جس میں مقرر نے بیان کیا تھا کہ:۔

(الف) چودھری ظفراللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان مملکت کے وفادار نہیں ہیں۔

(ب) تقسیم سے قبل جماعت احمدیہ کے امام نے اپنے پیروؤں کو بتایا تھا کہ پاکستان وجود میں نہیں آئیگا اور اگر کوئی اس قسم کی مملکت پیدا کر بھی لی گئی تو تقسیم شدہ ملک دوبارہ متحد ہو جائے گا۔

(ج) احمدی بھارت کی حکومت کے جاسوس ہیں اگر بھارت کے ساتھ جنگ چھڑ جائے تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر احمدیوں کی بیخ کنی کر دینی چاہئے جو مملکت کے دشمن ہیں۔

یہ چٹھی کمشنر کی یادداشت کے ساتھ ہوم سیکرٹری (سید احمد علی) کو بھیجی گئی۔ جنہوں نے یکم ستمبر 1951ء کو اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا:۔

"میں نے اس معاملے کے متعلق چیف منسٹر صاحب سے گفتگو کی ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انسپکٹر جنرل پولیس سے استدعا کروں۔ کہ وہ احرار لیڈروں تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ اپنی تقریروں میں وزیر خارجہ کے متعلق اور علے العموم جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اب تک ایک بلوہ اور قتل ہو چکا ہے۔ ایک احمدی کے منہ پر کالک مل کر اسے گدھے پر سوار کرایا گیا ہے اور ان کی ایک مسجد جلائی جا چکی ہے۔

احراریوں اور احمدیوں کے متعلق ہماری عمومی پالیسی قطعی طور پر واضح ہے صوبائی حکومت کی حیثیت سے ہمیں نہ مذہبی اختلاف رائے سے کوئی واسطہ ہے نہ اس سے کوئی سروکار ہے کہ مرکزی حکومت اور اس کے بعض وزیروں کے درمیان باہمی اعتماد یا بے اعتمادی کے روابط کی کیا کیفیت ہے۔ ہمارا نہ فرض صرف یہ دیکھنا ہے کہ قانون ملکی کی خلاف ورزی نہ ہو اور تمام شہریوں کی سلامتی اور حفاظت کا بندوبست قائم رہے۔

ہمیں اپنے آپ کو تمام مذہبی اور سیاسی نزاعات اور ان کے مالہ و ماعلیہ کی بحث سے قطعی طور پر الگ تھلگ رکھنا چاہئے۔ ہمارے کارکنان نشرو اشاعت کو اس امر کی وضاحت کر دینی چاہئے۔

مخصوص و معین باتیں یہ ہیں:۔

1- ہمیں تلقین تشدد کرنے والے تمام لوگوں کا تعاقب شدت سے کرنا چاہئے۔

2- فرقہ دار جلسوں پر موجود پابندی برابر جاری رہنی چاہئے۔

3- چونکہ مساجد کا معاملہ مسلمانوں کے تمام طبقوں اور فرقوں کے نازک احساسات سے تعلق رکھتا ہے اسلئے مساجد میں ہر قسم کی مداخلت سے پورا پرہیز کرنا ضروری ہے۔ مجھے اس پوزیشن کی منطقی مشکلات کا احساس ہے۔ لیکن خالص اصطلاحی اور قانونی رویے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا بلکہ اشتعال پیدا ہو گا اس کے علاوہ میں ان جلسوں کی شورش انگیزی کا زیادہ قائل نہیں ہوں جو صرف منعقد ہوں۔

میرا خیال ہے کہ اگر صورت حالات ایسی ہی غیر یقینی رہی جیسی آج کل ہے تو انسپکٹر جنرل پولیس کو چند روز کے لئے رخصت پر جانا ملتوی کر دینا چاہئے چیف سیکرٹری جا سکتے ہیں لیکن انہیں دوران رخصت میں ہر وقت تیار رہنا چاہئے کہ مختصر سے مختصر نوٹس پر کراچی سے واپس آ سکیں"

یہ معاملات کی صورت تھی۔ جب 13 جولائی 1952ء کو آل مسلم پارٹیز کنونشن کے لئے علماء لاہور میں جمع ہوئے۔

جہانگیر پارک میں چوہدری ظفر اللہ خاں کی تقریر

کراچی میں اشتہار دیا گیا کہ انجمن احمدیہ۔ کراچی کا ایک جلسہ 17-18 مئی 1952ء کو جہانگیر پارک میں منعقد ہو گا اور اس میں دوسرے مقررین کے علاوہ چوہدری ظفر اللہ خاں بھی تقریر کرینگے اگرچہ یہ جلسہ انجمن احمدیہ کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا تھا لیکن یہ جلسہ عام تھا جس میں جمہور کا کوئی فرد بھی تقریریں سننے کے لئے شریک ہو سکتا تھا اس جلسے سے چند روز پہلے خواجہ ناظم الدین وزیراعظم نے اس امر کے خلاف اپنی ناپسندی کا اظہار کیا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں نے ایک فرقہ دار جلسہ عام میں شرکت کا ارادہ کیا ہے لیکن چوہدری ظفر اللہ خان نے خواجہ ناظم الدین سے کہا کہ میں انجمن سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر چند روز پہلے مجھے یہ مشورہ دیا جاتا تو میں جلسے میں شریک نہ ہوتا۔ لیکن وعدہ کر لینے کے بعد میں اس جلسے میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیراعظم اس بات پر مصر ہوں کہ مجھے جلسے میں شامل نہ ہونا چاہیے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہوں۔

اس جلسے کے پہلے اجلاس پر عوام کی طرف سے ناراضی کا مظاہرہ کیا گیا اور اجلاس کی کارروائی میں مداخلت کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں لیکن 18 مئی کو قیام امن کے لئے خاص انتظامات کئے گئے اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے اس عنوان پر تقریر کی کہ "اسلام زندہ مذہب ہے"۔ ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے اسلام کی برتری اور خصیمت کے مسئلے پر یہ ایک فاضلانہ تقریر تھی مقرر نے واضح کیا کہ قرآن آخری الہامی کتاب ہے جس میں عالم انسانیت کے لئے آخری ضابطہ حیات مہیا کیا گیا ہے۔ کوئی بعد میں آنے والا ضابطہ اس کو موقوف نہیں کر سکتا پیغمبر اسلام صلعم خاتم النبین ہیں جنہوں نے عالم انسانی کو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچایا ہے اور اس کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا جو نئی شریعت کا حامل ہو یا قرآنی شریعت کے کسی قانون کو منسوخ کر سکے۔ احمدیوں کے مسلک کے متعلق پوری تقریر میں صرف اتنا اشارہ کیا گیا تھا کہ (رسول اللہ کے) وعدے کے مطابق ایسے اشخاص آتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجدید دین پر مامور ہوں گے تاکہ اصلی دین اسلام کی پاکیزگی کو محفوظ کرنے کی غرض سے اس کی اصلاح و تجدید کریں اور اگر اس میں کوئی غلطی' فروگزشت یا بدعت راہ پا گئی ہو تو اس کو دور کر دیں۔ مقرر نے دعویٰ کیا کہ مرزا غلام احمد اسی قسم کے مجدد تھے۔ تقریر کے آخر میں انہوں نے کہا کہ احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے اور اب جڑ پکڑ گیا ہے تاکہ قرآن کے وعدے کی تکمیل میں اسلام کی حفاظت کا ضامن ہو۔ اور اگر یہ پودا اکھیڑ دیا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا بلکہ ایک سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہو جائے گا اور دوسرے مذاہب پر اپنی برتری کے ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔

انجمن احمدیہ کے جلسے نے کراچی میں فسادات کو پھوٹ پڑنے کا موقع دے دیا۔ حکام کو پیشتر اطلاع مل چکی تھی کہ جلسے میں ابتری پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انتظام قائم رکھنے کی ضروری تدابیر کی جا چکی تھیں۔ 17 مئی کو بعض اشخاص نے جلسے میں گڑ بڑ پیدا کرنے کی غرض سے حاضرین پر پتھر پھینکنے شروع کئے پولیس کے پندرہ کانسٹیبلوں کو چوٹیں آئیں۔ لیکن صورت حالات پر قابو پا لیا گیا۔ بلوائی گرفتار کر لئے گئے اور جلسے کی کارروائی جاری رہی۔ بلوئیوں کا ایک گروہ شیزان ہوٹل (جس

کے مالک احمدی ہیں) پہنچا اس کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے اور عمارت کو آگ لگا دینے کی کوشش کی۔ شاہنواز موٹرز (جس کے مالک احمدی ہیں) کے شو روم پر اینٹیں برسائی گئیں جن سے ایک نئی موٹر کو نقصان پہنچا۔ بندر روڈ پر احمدیہ لائبریری اور ایک احمدی کی فرنیچر کی دکان کو آگ لگانے کی کوشش بھی کی گئی۔ اس دن ساٹھ آدمی گرفتار کیے گئے۔ ان بلووں کے بعد مسٹر اے ٹی نقوی چیف کمشنر نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی جس میں انہوں نے اپنی انتظامی پالیسی کی تصریح کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے ہر شہری کو مذہبی عقائد کی آزادی حاصل ہے اور اگر آئندہ اس آزادی میں مداخلت کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

چوہدری ظفر اللہ خاں کے فعل پر کراچی اور پنجاب کے مسلمانوں میں شدید ناراضی اور برہمی پھیل گئی اور اس کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا۔ کراچی کے ہفتہ وار اخبار "سٹار" نے 24 مئی 1952ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر ایک مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا "غیر ملکی ہاتھ" "کراچی بلوہ کسی نے کرایا۔" اشارے کا مطلب یہ تھا کہ یہ بلوہ کسی بیرونی طاقت کی سازش کا نتیجہ ہے۔ لاہور کے بعض احمدی حضرات نے جن میں مسٹر بشیر احمد اور مسٹر صدیقی (برادر نسبتی مرزا بشیر الدین محمود احمد) بھی شامل تھے۔ اپنی نجی بات چیت میں یہ خیال ظاہر کیا کہ ان واقعات کی ذمہ داری خواجہ ناظم الدین پر ہے۔ مسٹر ذوالقرنین خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس (A) نے اپنی رپورٹ مورخہ 28 مئی 1952ء میں لکھا کہ کراچی سے آنے والے لوگوں نے جن میں برطانوی مشن کے عبداللہ بٹ بھی شامل ہیں بیان کیا ہے کہ یہ فسادات امریکنوں نے کرائے ہیں کیونکہ چوہدری ظفر اللہ خاں برطانیہ کے حامی اور امریکہ کے مخالف ہیں۔ اور "سٹار" میں جو مضمون چھپا ہے وہ برطانوی مشن کے ایما پر عبداللہ بٹ نے لکھوایا ہے۔ مسٹر انور علی ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے یکم جون 1952ء کو ان افواہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ احراری لیڈر کچھ مدت سے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف جو شورش برپا کر رہے ہیں اس میں انہیں حکومت اور مسلم لیگ کی بعض اونچی شخصیتوں کی حمایت حاصل ہے اور حکومت نے مضبوط اور مصمم تدابیر اختیار کرنے میں جو تامل کیا اس کی وجہ سے لوگ یقین کرنے لگے کہ اس پرجوش تحریک کی حمایت حکومت کے بعض ممبر کر رہے ہیں۔ مسٹر قربان علی خان نے اس مسئلے پر جو حقیقت بنی کا رویہ اختیار کیا وہ ان کے ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے:۔

"میں نہیں سمجھتا کوئی بیرونی طاقت پاکستان کو اتنی اہمیت دینے کی ضرورت محسوس کرے گی کہ اس کے گھریلو معاملات میں مداخلت کی ذمہ داری لے کر اس راز کے فاش ہو جانے کا خطرہ مول لے۔ نہ میرے نزدیک یہ درست ہے کہ کسی مقامی سیاست دان کو سر ظفر اللہ خاں کے خلاف شورش برپا کرنے سے کوئی خاص فائدہ ہو سکتا ہے۔ وہ سب تجربہ کار لوگ ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ جو لوگ آج سر ظفر اللہ خاں کے خلاف یہ کچھ کر رہے ہیں وہ کل خود ان کے خلاف اس سے بھی بدتر ہنگامہ آرائی کر سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی قابل ذکر سیاست دان عوام میں اس قسم کی خفیف حرکتوں کا مذاق پیدا کرنا روا رکھے گا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ سیاست دان اس خوف میں مبتلا ہوں کہ اگر انہوں نے ایک ایسے مسئلے پر احراریوں کو چیلنج کیا جس میں انہیں عوام کی حمایت حاصل نہ ہوئی تو وہ عامتہ المسلمین میں سخت غیر ہر دلعزیز ہو جائے گے۔ لیکن ایسا ہی وقت ہوتا ہے جب ملک میں ایک اصلی قائد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو عوام کی رہنمائی کرے نہ کہ ہمیشہ ایک ریوڑ کے آگے آگے مجبورا بڑھتا چلا جائے۔

حکومت پنجاب نے حال ہی میں تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے نام جو یہ حکم بھیجا ہے کہ احراریوں اور احمدیوں کے جلسوں پر پورا قابو رکھیں اس سے ممکن ہے کہ حسب منشا نتیجہ نکلے اور بدنظمی کی قوتیں کچلی جائیں لیکن اگر یہ کوشش بھی ناکام رہے تو ضروری ہو گا کہ زیادہ سرتوڑ قسم کے اقدامات کئے جائیں۔"

ہوم سیکرٹری نے بھی امید ظاہر کی کہ حکومت نے پچھلے دنوں اپنے جس فیصلے سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مطلع کیا ہے اس سے صورت حالات بہتر ہو جائے گی لیکن اگر نہ ہوئی تو زیادہ شدید تدابیر اختیار کرنی ہوں گی۔

مرکزی حکومت نے کراچی کے واقعات پر غور کیا۔ اور انٹیلی جنس بیورو نے اپنی چٹھی نمبری (25)9/B/52 مورخہ 22 مئی 1952ء میں ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی پنجاب (لاہور) کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ واقعات کی رفتار سے ظاہر ہوتا ہے کہ احراری برابر احمدیوں کے خلاف دشمنی اور عداوت کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ اور 17-18 مئی 1952ء کو احمدیوں کے سالانہ جلسے میں فساد پیدا کرنے والے گروہ پر جو لاٹھی چارج کیا گیا۔ اس سے احراریوں کے احساسات اور بھی شدید ہو گئے ہیں۔ اس چٹھی میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہ نئے حالات کسی اعتبار سے بھی تسلی بخش نہیں ہیں۔ شعلوں کو ہوا دینے والے اشخاص کی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے خاص تدابیر کی ضرورت ہے اور ایسی سرگرمیاں واضح طور پر دفعہ 153-الف تعزیرات پاکستان کے ماتحت آتی ہیں اس چٹھی کے جواب میں چیف سیکرٹری حکومت پنجاب نے اپنی چٹھی مورخہ 4 جولائی 1952ء میں وزارت داخلہ کو اطلاع دی کہ حکومت پنجاب نے گشتی مراسلت نمبر 6469-84/BDSB مورخہ 5 جون 1952ء کے ذریعے سے تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو ہدایت کر دی ہے کہ ان تمام جلسوں کو ممنوع قرار دیں جو احراریوں یا احمدیوں کی طرف سے منعقد کئے جائیں۔

کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن

جب 18 مئی کو جہانگیر پارک میں چوہدری ظفر اللہ خاں کی تقریر ہو چکی تو مولانا لال حسین اختر نے تھیوسو فیکل ہال کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کی ایک کانفرنس طلب کی۔ اس کانفرنس کے دعوت ناموں پر مسلم جماعتوں کے ایک (مبینہ) نمائندہ اجتماع کے فیصلے کے مطابق مولانا احتشام الحق تھانوی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ مولانا جعفر حسین مجتہد۔ مولانا محمد یوسف اور مولانا لال حسین اختر نے دستخط کئے۔ کانفرنس 2 جون کو لال حسین اختر کے مکان پر منعقد ہوئی اس کانفرنس کی کارروائی ہمارے سامنے پیش نہیں کی گئی لیکن مولانا احتشام الحق کے پیش کردہ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کانفرنس میں ذیل کے مطالبات کی تشکیل کی گئی:۔

(1) کہ احمدی ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جائیں۔

(2) کہ چوہدری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کے عہدے سے الگ کر دیئے جائیں۔

(3) کہ احمدی تمام کلیدی اسامیوں سے ہٹا دیئے جائیں۔ اور

(4) ان مقاصد کے حصول کی غرض سے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کی جائے۔

اس کانفرنس کی صدارت مولانا سید سلیمان ندوی نے کی۔ ایک بورڈ بنایا گیا جو کنونشن کے آئندہ اجلاس کے انتظامات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس بورڈ کے صدر بھی مولانا سلیمان ندوی قرار پائے۔ جو قرار دادیں اس کانفرنس میں منظور ہوئیں۔ ان کی تصدیق کراچی کے ایک جلسہ عام سے کرائی گئی۔

بورڈ کے ممبر حضرات ذیل تھے:۔

(1) سید سلیمان صاحب ندوی صدر تعلیمات اسلامی بورڈ
(2) مفتی محمد شفیع صاحب ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ
(3) مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی
(4) علامہ محمد یوسف صاحب کلکتوی
(5) علامہ مفتی صاحب داد صاحب
(6) علامہ سلطان احمد صاحب
(7) علامہ احمد نورانی صاحب
(8) مولانا لال حسین اختر صاحب
(9) الحاج ہاشم گزدر صاحب
(10) مولانا جعفر حسین صاحب مجتہد ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ
(11) مولانا احتشام الحق صاحب (کنوینر)

13 جولائی کو مسٹر محمد ہاشم گزدر کے مکان پر بورڈ کا ایک اجلاس ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ کنونشن کے لئے دعوت نامے مندرجہ ذیل جماعتوں کے نام جاری کئے جائیں:۔

(1) جمعیتہ العلمائے پاکستان
(2) جمعیتہ العلمائے اسلام
(3) جماعت اسلامی
(4) تنظیم اہل السنت و الجماعت
(5) جمعیتہ اہل سنت
(6) جمعیتہ اہل حدیث
(7) موتمر اہل حدیث پنجاب
(8) ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پنجاب
(9) سفینتہ المسلمین
(10) حزب اللہ مشرقی پاکستان
(11) مجلس تحفظ ختم نبوت
(12) مجلس احرار
(13) جمعیتہ الفلاح
(14) جمعیتہ العربیہ

جماعت اسلامی کے نمائندوں کے نام دعوت نامے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا وہ مولانا سید ابوالاعلی مودودی۔ نعیم صدیقی۔ چوہدری غلام محمد اور سلطان احمد تھے۔ کنونشن کی تاریخیں 16-17 اگست مقرر کی گئیں لیکن جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا کنونشن حقیقتاً 16 سے 18 جنوری 1953ء تک منعقد ہوئی۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن لاہور

چوہدری ظفر اللہ خاں کی تقریر کراچی نے واقعات کی رفتار کو تیز کر دیا۔ اور احراریوں نے اس موقع سے جس کا وہ مدت سے انتظار کر رہے تھے انتہائی فائدہ اٹھایا۔ 3 جولائی کے زمیندار میں ایک اشتہار شائع ہوا کہ 13 جولائی کو برکت علی محمڈن ہال میں تمام مذہبی جماعتوں کی ایک کنونشن منعقد ہو گی جس میں علماء۔ خطیب۔ پیر۔ سجادہ نشین اور مختلف سیاسی جماعتوں کے لیڈر اور کارکن شامل ہوں گے تاکہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ابتدائی لائحہ عمل تیار کر لیا جائے اس جلسے کا دعوت نامہ (فرد شہادت ڈی۔ ای 138) غلام غوث ہزاروی نے جاری کیا۔ جس کے نیچے حسب ذیل اشخاص کے دستخط تھے:۔

(1) مولانا غلام محمد ترنم صدر جمعیتہ العلمائے پاکستان پنجاب لاہور (2) مولانا مفتی محمد حسین جمعیتہ العلمائے اسلام پنجاب لاہور (3) مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین۔ لاہور (4) مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس احرار پنجاب ملتان (5) مولانا سید محمد داؤد غزنوی صدر جمعیتہ

اہل حدیث پنجاب لاہور (6) مولانا سید نور الحسن بخاری ناظم اعلیٰ تنظیم اہل سنت و الجماعت پاکستان لاہور (7) سید مظفر علی شمسی ایڈیٹر اخبار شہید و سابق جنرل سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور

اگرچہ اس دعوت نامے کے دستخط کنندوں میں سے صرف ایک شخص مولوی محمد علی جالندھری نے اپنے آپ کو ناظم اعلیٰ مجلس احرار بتایا ہے لیکن مولانا اختر علی خاں کی شہادت سے ظاہر ہے کہ داعی کمیٹی میں جس نے دعوت نامہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا تھا احراریوں کی غالب اکثریت تھی اور غلام غوث ہزاروی جس نے دعوت نامہ جاری کیا وہی شخص معلوم ہوتا ہے جو جماعت احرار کا سرگرم ممبر تھا اور جس کو گورنر صاحب پنجاب نے اس کی سرگرمیوں پر تنبیہ کی تھی۔ احرار اور مجلس عمل دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے تحریری بیانات میں اس طریقے کی تفصیل بیان نہیں کی جس سے داعی کمیٹی مرتب کی گئی نہ یہ بتایا ہے کہ اس کنونشن کے مدعوئین کے ناموں کا فیصلہ کس نے کیا تھا لیکن مسٹر انور علی ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے سی آئی ڈی کے کاغذات سے معلومات حاصل کر کے "مجلس احرار پاکستان" کے نام سے جو کتابچہ مرتب کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت نامے کوئی ساٹھ علمائے دین کے نام جاری کئے گئے تھے اور کونشن میں دوسروں کے علاوہ کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانوی۔ مولانا عبدالحامد بدایوانی اور سید سلیمان ندوی بھی شامل ہوئے تھے۔

جن دنوں کونشن کا انعقاد ہوا لاہور میں زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری عام جلسے حکماً ممنوع تھے لیکن 5 جولائی کو چیف سیکرٹری کے زیر صدارت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ کونشن کو ہونے دیا جائے اور اس کی کارروائی میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔ اس کونشن میں تین مطالبات منظور کئے گئے یعنی احمدیوں کا اقلیت قرار دیا جائے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کئے جائیں اور احمدیوں کو مملکت کے کلیدی عہدوں سے ہٹا دیا جائے۔ مندرجہ ذیل ارکان کی ایک "مجلس عمل" مرتب کی گئی تاکہ آئندہ لائحہ عمل کا فیصلہ کرے:۔

(1) مولانا ابوالحسنات محمد احمد (جمعیت العلمائے پاکستان) صدر (2) مولانا امین احسن اصلاحی (جماعت اسلامی) نائب صدر (3) ماسٹر تاج الدین انصاری (مجلس احرار) (4) شیخ حسام الدین (مجلس احرار) (5) مولانا عبدالحلیم قاسمی (جمعیتہ العلمائے اسلام) (6) مولانا محمد طفیل (جمعیتہ العلمائے اسلام) (7) مولانا محمد بخش مسلم (جمعیتہ العلمائے پاکستان) (8) مولانا غلام محمد ترنم (حزب الاحناف) (9) مولانا غلام دین (حزب الاحناف) (10) مولانا داؤد غزنوی (جمعیتہ اہل حدیث) (11) مولانا عطا اللہ حنیف (جمعیتہ اہل حدیث) (12) مولانا نصر اللہ خاں عزیز (جماعت اسلامی) (13) حافظ کفایت حسین (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ) (14) مظفر علی شمسی (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ) (15) مولوی نور الحسن بخاری (تنظیم اہل السنت و الجماعت) (16) صاحبزادہ فیض الحسن (انجمن سجادہ نشین پنجاب) (17) مولانا عبدالغفار ہزاروی (انجمن سجادہ نشین پنجاب) (18) علامہ علاؤ الدین صدیقی (نامزد) (19) مولانا اختر علی خان (نامزد) (20) مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش (نامزد)

حکام نے کونشن کی تاریخ کے اعلان کے بعد لیکن اس کے انعقاد سے پہلے انتظامی پوزیشن پر غور کیا۔ مسٹر قربان علی خان نے 14 جولائی 1952ء کو اپنی یاد داشت میں احراریوں کی نیت کا بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ اور لکھا کہ:۔

"یہ سب حلقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ احرار کو کسی نہ کسی سے امداد مل رہی ہے اور بجائے خود اتنی طاقتور نہیں ہیں کہ اس مطالبہ کو پیش کر سکتے لیکن ان میں سے یا ان کی پشت پناہی کرنے والوں میں سے بعض لوگوں نے اپنی چالاکی کی وجہ سے یہ اندازہ کر رکھا ہے کہ وہ جماعتیں جو مذہبی کہلاتی ہیں ان میں سے کوئی ایسی احمق نہ ہوگی کہ جس مسئلے پر ہر مسلمان احمدیوں کے خلاف شدید ترین جذبات رکھتا ہے اس میں کسی سے پیچھے رہ جائیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر مسلمان اس مسئلے پر اٹھ کھڑا ہوگا احرار جانتے ہیں کہ جس مسلک تشدد سے انہوں نے اس شورش کا آغاز کیا تھا اور جس کی وجہ سے حکومت مداخلت پر مجبور ہوئی اس کو عوام کا معقول اور سنجیدہ طبقہ پسند نہیں کرتا۔ احراریوں نے اس امر کو محسوس کر لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب وہ کسی ایسے اقدام کی حمایت نہ کریں گے۔ جس سے ان کا مقابلہ قانون سے آن پڑے لیکن وہ حتی الامکان اس بات کی کوشش ضرور کریں گے کہ احمدیوں کے خلاف اپنے دو مشکل مطالبات میں باقی تمام جماعتوں کو اپنے ساتھ لے لیں اب ان کی اولین کوشش یہی ہوگی کہ اس مسئلے کو لے کر مسلم لیگ اور اس کی حکومت کا سامنا کریں اور ان سے پالیسی کے اعلان کا مطالبہ کریں اب اکثر لوگ یہ محسوس کر چکے ہیں کہ کوئی حکومت خواہ وہ کسی پارٹی کی ہو ان مطالبات کو تسلیم نہیں کر سکتی اس کے باوجود قیام پاکستان کے بعد یہ سب سے زیادہ قومی مسئلہ ہے جس پر لیگ کو چیلنج دیا جا رہا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اگر حکومت مقتدرہ ان مطالبات کو رد کر دے گی تو مسلمانوں کی اکثریت لیگ کے خلاف ہو جائے گی اگر اس اثنا میں حکومت نے اس شرارت کا مقابلہ کرنے کے لئے جو اب لازما شروع ہو جائے گی کوئی ذرائع و وسائل اختیار نہ کئے تو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اسے مسلمانوں کی اکثریت کی مخالفت کا سامنا کرنا ہوگا اس امر کا جائزہ لینا صرف حکومت ہی کے امکان میں ہے کہ وہ ذرائع و وسائل کیا ہوں اب وقت بالکل ضائع نہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک دوڑ ہے جس میں حکومت کو سر توڑ مقابلہ کرنا ہے۔ اس لئے اسے فی الفور آمادہ عمل ہونا

چاہیے۔ اور حالات کو بگڑنے کا موقع نہ دینا چاہیے"۔

ہوم سیکرٹری نے اس خیال کا اظہار کیا کہ احراری لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر اپنا الو سیدھ کرنے میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں وہ عوام سے منقطع ہونے اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانے سے بچ گئے ہیں لیکن حکومت بھی ان کو لگام دینے میں کامیاب ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بیرونی وسائل حفاظت حاصل کرنے کے لئے بیتابانہ کوشش کر رہے ہیں۔ ہوم سیکرٹری نے تجویز پیش کی کہ بعض فیصلوں کے ہو جانے سے پیشتر چیف منسٹر صاحب کو چاہئے کہ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی اور ہوم سیکرٹری کو جمع کر کے ان سے بات چیت کریں (چیف سیکرٹری رخصت پر کراچی میں گئے ہوئے ہیں) چنانچہ 16 جولائی 1952ء کو یہ کانفرنس ہوئی جس میں معاملے پر بحث کی گئی۔ لیکن فیصلوں کے متعلق کوئی یاد داشت دستیاب نہیں ہو سکی۔ جب کونشن ہو چکی تو اس کی تقریروں کا جائزہ لیا گیا جس سے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ آیا کسی مقرر کے خلاف کوئی کارروائی کرنی ضروری ہے یا نہیں۔ مسٹر ولی اللہ خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس (B) سی آئی ڈی پنجاب نے 21 جولائی 1952ء کو یہ رائے ظاہر کی کہ پانچ تقریریں قابل اقدام ہیں۔ لیکن اگرچہ بہاء الحق قاسمی اور علامہ علاء الدین صدیقی نے زیر دفعہ 21 (ii) پبلک سیفٹی ایکٹ ارتکاب جرم کیا ہے لیکن ان کے خلاف مقدمہ نہ چلانا چاہیے کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو ان کو عدالت میں مزید کیچڑ اچھالنے کا موقع مل جائے گا۔ انہوں نے لکھا کہ عبدالغفار ہزاروی بالکل بے حیثیت آدمی ہے۔ اس لیے اس کی تقریر سے اسی حقارت کا سلوک ہونا چاہیے جس کے وہ مستحق ہے۔ مولوی محمد علی جالندھری نے حکومت کو "بے ایمان" کہا لیکن چونکہ یہ ایک ہی ریمارک تھا۔ اس لئے اس کو بھی نظر انداز کر دینا چاہیے عبدالستار نیازی کے متعلق ان کی رائے یہ تھی کہ اسے فی الحال چھوڑ دیا جائے آئندہ کسی موقع پر اس کی گوشمالی کر دی جائے گی۔ ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے یہ کیس ہوم سیکرٹری کو بھیج دیا اور ان کی توجہ خاص طور پر عبدالستار خاں نیازی کی تقریر کی طرف مبذول کرائی۔ ہوم سیکرٹری نے یہ کیس چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ جنہوں نے 25 جولائی 1952ء کو اس پر اپنے مختصر دستخط ثبت کر دیئے۔

اخبارات

لاہور میں اہم اخبارات یہ ہیں: "پاکستان ٹائمز"۔ "سول اینڈ ملٹری گزٹ"۔ "نوائے وقت"۔ "امروز"۔ "زمیندار"۔ "احسان"۔ "مغربی پاکستان"۔ "آفاق"۔ جماعت اسلامی کا اخبار "تسنیم"۔ اور احرار کا اخبار "آزاد"۔ ان میں سے پہلے چار اخباروں نے احمدی غیر احمدی مناقشے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ "تسنیم" اس مسئلے پر گاہے گاہے لکھتا تھا باقی پرچوں میں سے 1952ء کے نصف اول میں "مغربی پاکستان" نے صرف دو دفعہ لکھا لیکن "آزاد" اور "زمیندار" از سرتاپا اس نزاع میں مصروف تھے اور احمدیوں کے خلاف ان کے عقائد کے خلاف ان کے لیڈروں اور چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف برابر ایک مسلسل مہم چلا رہے تھے۔ "آفاق" عملاً مسٹر دولتانہ کا اخبار تھا۔ اور "زمیندار"۔ "احسان" اور "مغربی پاکستان" سب حکومت کے امداد یافتہ اخبارات تھے۔ اس امداد اور سرپرستی کی تاریخ اور اس کی تفصیلات بجائے خود ایک نہایت دلچسپ موضوع ہے جس کا ذکر ہم ذیل میں کر رہے ہیں:۔

صوبے کی حکومت نے پنجاب ایڈوائزری بورڈ آف ایجوکیشن کی سفارشات پر 1947ء میں تعلیم بالغاں کا ایک نظام رائج کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ صوبے میں ناخواندگی کو کم کیا جائے اس فنڈ کے مقاصد حسب ذیل تھے:۔

(1) دیہات میں لائبریریوں کا قیام (2) ریڈیو اور فلموں کا استعمال (3) موزوں قسم کا لٹریچر مہیا کرنا اور (4) خواندگی کے مرکز قائم کرنا جن کا کل وقت اور جزوی وقت پڑھانے والے مدرسین اور سوشل ورکر جاری رکھیں۔

یہ نظام سررشتہ تعلیم کے سپرد تھا اور اس کے لئے 50-1949ء میں پچاس لاکھ پچیس ہزار' 51-1950ء میں دس لاکھ' 52-1951ء میں چھ لاکھ اور 53-1952ء میں بھی چھ لاکھ روپے کی رقوم منظور کی گئیں۔

18 مئی 1951ء کو میر نور احمد ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے چیف سیکرٹری کی خدمت میں ایک تجویز پیش کی کہ مختلف اداروں مثلاً ہسپتالوں۔ جیلوں۔ سکولوں اور کالجوں کے لئے موزوں اخباروں کے پرچے خریدے جائیں اور اس مقصد کے لئے پچاس ہزار روپے کی رقم منظور کی جائے۔ تجویز پیش کرتے ہوئے میر نور احمد نے لکھا:۔

"اگر چیف منسٹر صاحب اور وزیر تعلیم میری رائے سے اتفاق کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اس سکیم کے اخراجات کی منظوری سر رشتہ تعلیم کی گرانٹ سے دی جائے کیونکہ نشر و اشاعت کے مقاصد کے علاوہ اس سکیم کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ پنجاب کے جیلوں۔ تعلیمی محکموں۔ تعلیم بالغاں کے مرکزوں وغیرہ میں مطالعہ کا ایسا مواد مہیا کیا جائے جو تعلیم بالغاں کے لئے ذریعہ امداد ثابت ہو۔ اگر اس سکیم کے مصارف کو شعبہ تعلیم کی مد سے ادا کرنا قبول ہو تو ضروری ہو گا کہ یہ رقم میری تحویل میں دے دی جائے"۔

میر نور احمد نے یہ بھی لکھا کہ گو اس کی وجہ نہیں بتائی کہ اس سکیم کی مزید تفصیلات صیغہ راز میں رکھی جائیں۔ چیف سیکرٹری نے اس تجویز کی تائید کی اور چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دی تاکہ وہ وزیر تعلیم سے مشورہ کرنے کے بعد احکام صادر فرما دیں لیکن سررشتہ

تعلیم نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور لکھا کہ اخبارات صرف خواندہ لوگوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے لئے جنہیں خواندہ بنانا مقصود ہے۔ سررشتہ تعلیم کے یاد داشت نویس افسر نے اس کیس پر یہ بھی لکھا کہ مجوزہ خرچ کو تعلیم بالغاں کی سکیم میں سے ادا کرنا جائز بھی نہیں ہے۔ تاہم سررشتہ تعلیم کے اس احتجاج کے باوجود دونوں منسٹروں نے 26 مئی 1951ء کو فیصلہ کر دیا کہ رقم منظور کی جاتی ہے۔ جو ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے لئے محفوظ رکھی جائے چنانچہ ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے وقتاً" فوقتاً" سررشتہ تعلیم سے 52-1951ء اور 53-1952ء میں مزید رقوم طلب اور وصول کیں۔ جن کی مجموعی مقدار دو لاکھ تین ہزار روپے ہوتی ہے۔

یہ روپیہ مندرجہ ذیل طریق پر صرف کیا گیا:۔

I- پچاس ہزار روپے موصولہ جون 1951ء

"آفاق" کو	42000
"زمیندار" کو	4000
دوبارہ "زمیندار" کو	4000
	میزان پچاس ہزار

II- پچاس ہزار روپے موصولہ دسمبر 1951ء

"احسان" کو	18000
"آفاق" کو	18000
"زمیندار" کو	5000
"مغربی پاکستان" کو	7000
	میزان اڑتالیس ہزار
	بقایا 2000

III- ایک لاکھ روپے موصولہ جون 1952ء

"زمیندار" کو	10000
"آفاق" کو	4000
"احسان" کو	40000
"مغربی پاکستان" کو	4000
"زمیندار" کو	7000
"مغربی پاکستان" کو	1000
	میزان ایک لاکھ دو ہزار

IV- تین ہزار روپے موصولہ دسمبر 1952ء

"مغربی پاکستان" کو	3000

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ مجموعی حیثیت سے ایک لاکھ روپیہ "آفاق" کو۔ اٹھاون ہزار "احسان" کو۔ پندرہ ہزار "مغربی پاکستان" کو اور تیس ہزار "زمیندار" کو دیا گیا ان اخباروں کے لئے جن میں سے دو اخباروں کی اشاعتیں بہت کم تھیں یہ عطیات امداد غیبی سے کم نہ تھے۔ اور وہ اس قدر ممنون اور زیر بار احسان تھے کہ اگر حکومت چاہتی تو جس پالیسی پر ان کو چلانا چاہتی وہ فوراً اسی پر کاربند ہو جاتے۔ لیکن ان اخباروں کے تراشوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب اس تنازع میں سرگرمی سے مصروف تھے اور جن دنوں میں انہیں یہ رقوم دی جا رہی تھیں ان دنوں میں بھی برابر اس شورش کی آگ کو ہوا دے رہے تھے ان اخباروں کی سرگرمیوں پر سررشتہ تعلیم کی توجہ مبذول ہوئی۔ چنانچہ مسٹر ثناءاللہ خاں (آفیسر سپیشل ڈیوٹی سررشتہ تعلیم) نے لکھا۔ یہ اخبارات مفید ہونے کے بجائے سخت مضر ثابت ہو رہے ہیں اور فرقہ وار اور سیاسی نزاعات میں حصہ لینے والے اخباروں پر روپیہ صرف کرنا سرکاری روپے کا افسوسناک ضیاع ہے۔ "آفاق" کا معاملہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ دستاویزی شہادتوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس اخبار پر میر نور احمد کی نگرانی قائم تھی اور اگر اس کے ایڈیٹر پروفیسر محمد سرور کی شہادت پر یقین کیا جائے تو یہ اخبار خود مسٹر دولتانہ کا اخبار تھا۔ اس اخبار کو پہلی رقم بیالیس ہزار دی گئی جب یہ ہفتہ وار سے روزانہ ہونے والا تھا یا ابھی ہو چکا تھا۔ میر نور احمد کا بیٹا میر اقبال احمد اس اخبار میں منیجر اشتہارات تھا۔ وہ برابر کسی نہ کسی حیثیت میں اس اخبار کے عملے میں شامل رہا اور اب اس کا منیجنگ ڈائریکٹر ہے خود مسٹر دولتانہ نے اس اخبار کو پانچ ہزار روپے کی رقم پیشی کی جو انہوں نے لائل پور کے بعض مسلم لیگیوں سے جمع کی تھی اس رقم سے بالآخر میر اقبال احمد نے اس اخبار کے کچھ حصے خرید لئے جب ان اخباروں کو یہ معقول مالی عطیات دیئے گئے جو ان کی اہمیت کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ تھے تو 1952ء کے موسم گرما میں دنیائے صحافت میں ان کا بڑا چرچا ہوا کیونکہ اخباروں نے حکومت سے امداد و اعانت پانے کے باوجود اس مکروہ تنازع میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور لوگوں کو یہ شبہ لاحق ہو گیا کہ حکومت خود ان اخباروں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے کہ وہ فرقہ وار نفرت پھیلانے میں اپنی قوتیں صرف کریں۔ اگرچہ "آفاق" نے اپنی اشاعت مورخہ یکم جون 1952ء میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ ہر قسم کی فرقہ پرستی کا مخالف ہے لیکن 4 جولائی 1952ء کے پرچے میں یعنی حکومت کے عطیے کی پہلی قسط وصول ہونے پر اس نے یہ لکھ دیا کہ وہ قادیانی مسئلہ کی طرف خاص توجہ کرے گا اور خاص مضامین شائع کر کے یہ بتائے گا کہ قادیانی پاکستان کے استحکام کے لئے ایک خطرہ ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر پہلا مضمون 5 جولائی 1952ء کو شائع کیا گیا اور اس اشاعت کے ایک پرچے کے ساتھ ایک منسلکہ سلپ سے یہ معلوم ہوا کہ اس اشاعت کی کاپیاں مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کرنے والوں کو مفت تقسیم کی گئی اس مضمون میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات

بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ قادیانی فرقہ اسلامی فرقہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان لانا لازمی اور بنیادی عقیدہ ہے اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا کہ قادیانی ایک بالکل علیحدہ قوم ہیں انہوں نے اپنی علیحدہ حکومت قائم کر رکھی ہے ان کی اپنی عدالتیں۔ اپنی پولیس اور اپنے مجسٹریٹ ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کے تمام محکموں پر قابو پالیں۔ قادیانیوں کو ایک علیحدہ قوم ثابت کرنے کی کوشش کے بعد اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ تمام مسلم جماعتوں کو اس مسئلے پر جمع ہونا چاہیے اور ایک لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے جس سے اس قوم کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دلایا جا سکے۔ اس مضمون میں اس امر پر خاص زور دیا گیا تھا کہ حصول مقصد کی کوششوں میں قوت کے استعمال۔ غنڈا پن۔ بلوے حملے۔ گالی گلوچ۔ منہ کالا کرنے اور جلسوں کو درہم برہم کرنے کے طریقوں پر عمل نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس قسم کے افعال سے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ اس معاملے میں تمام سرگرمیوں کو آئینی حدود کے اندر رکھنا چاہیے۔

اس کے بعد صرف ماہ جولائی کے اندر "آفاق" نے اس موضوع پر چودہ مضامین شائع کئے۔ ان سب مضامین کا انداز یہی تھا کہ فلاں فلاں وجوہ کی بناء پر قادیانی ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کو اقلیت قرار دلانے کے لئے ایک مہم منظم کرنی چاہیے۔ لیکن اس مہم کی تمام سرگرمیاں آئینی طریق پر انجام دی جائیں اور تشدد اور قانون شکنی سے کام نہ لیا جائے۔

5 جولائی کے مضمون کے بعد دوسرے ہی دن کے پرچے میں ایک اور مضمون شائع ہوا۔ جس کا عنوان تھا۔ "دفعہ 144 اور ختم نبوت" اس مضمون میں احرار کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ ایسی متشددانہ تقریریں کرنے سے اجتناب کریں۔ جن سے نقض امن کا احتمال ہو اور لاقانونی کی حرکات سے بھی باز رہیں۔ اسی تاریخ کے پرچے میں دو اور مضمون بھی درج تھے ایک مضمون میں ان تقریروں کی رپورٹیں درج تھیں جو مختلف مقامات پر کی گئیں۔ اور جن میں احمدیوں کو اقلیت قرار دینے اور چوہدری ظفر اللہ خاں کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور دوسرے مضمون میں احرار کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ اگر انہوں نے لاقانونی اور اشتعال انگیزی کی حرکات سے اجتناب کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس مسئلے میں حکومت اور مسلمانوں کے درمیان جو افسوسناک بیگانگی پیدا ہو گئی ہے وہ ایک لمحے کے لئے بھی باقی رہے اس مضمون میں مرزا بشیر الدین محمود احمد کے بعض اشتعال انگیز خطبات بھی نقل کئے گئے تھے۔

9 جولائی کے مضمون میں جس کا عنوان تھا "لاقانونی کو روک دو"۔ لوگوں کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ اس مطالبہ کو تمام مسلمانوں کا مشترکہ مطالبہ بنائیں اور دفعہ 144 کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں نہ کسی دوسرے طریق سے قانون کو توڑیں۔ اسی اشاعت میں ایک اور مضمون بھی درج تھا۔ جس میں سترہ سال پرانی تحریک احمدیت کے متعلق علامہ اقبال کے خیالات نقل کئے گئے۔

10 جولائی کی اشاعت میں مولانا محمد علی کا ایک بیان شائع کیا گیا جس میں حکومت کے اس تصریحی اعلان کا خیر مقدم کیا گیا تھا جس کے ذریعے سے حکومت نے دفعہ 144 کے ماتحت احکام کے نفاذ کی وجوہ واضح کی تھیں اور مساجد میں عام جلسوں پر ان احکام کے اطلاق کی بھی صراحت کر دی تھی اس بیان میں یہ بھی لکھا تھا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ حکومت پنجاب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور اس مطالبہ کو خلاف ورزی قانون کے بغیر آئینی طریق سے پیش کرنا چاہئے اسی اشاعت میں ایک اور بیان مولانا ابوالحسنات کی طرف سے شائع کیا گیا۔ جنھوں نے حکومت پنجاب کے سرکاری اعلان کا خیر مقدم کیا تھا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا تھا کہ میں کسی جماعت کو اس امر کی اجازت نہ دونگا کہ اپنے سیاسی مقاصد کیلئے مذہب کو استعمال کرے اور جو لوگ خلاف ورزی قانون کی حمایت کریں گے انکو میرا تعاون حاصل نہ ہو گا مولانا نے بدنظمی لاقانونی اور اشتعال انگیز تقریروں کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پرامن اور آئین پسندانہ طریق ہی سے پیش کر کے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اسی پرچے میں ایک مراسلہ بھی درج تھا جس میں ختم نبوت کی تحریک کے متعلق اس اخبار کی خدمات کو سراہا گیا تھا اور اس خیال کا اعادہ کیا تھا کہ یہ شورش آئین کے مطابق جاری رکھنی چاہیے اور قانون شکنی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ 11 جولائی کے پرچے میں مولانا غلام مرشد کا یہ خیال شائع کیا گیا کہ قادیانیوں کے متعلق اعلان کرنا پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا کام ہے۔

13 جولائی کی اشاعت میں ان تقریروں کی رپورٹیں شائع کی گئیں جو بروز جمعہ لاہور کی چالیس مسجدوں میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے متعلق کی گئی تھیں۔

اس وقت تک وہ علماء لاہور پہنچ چکے تھے جنہیں 13۔ جولائی کی کانفرنس میں شریک ہونا تھا۔ اور "آفاق" نے اپنی اشاعت مورخہ 14۔ جولائی میں ان علماء میں سے بعض کا یہ خیال شائع کیا کہ غالباً اس کانفرنس میں یہی قرارداد منظور کی جائے گی کہ احمدیوں کے متعلق مطالبات پر آئینی طریق سے زور دیا جائے۔

15 جولائی کی اشاعت میں دو خاص اہمیت کے مضمون شائع کئے گئے جن میں سے ایک میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کی کارروائی درج کی گئی اور یہ بتایا گیا کہ احرار کنونشن کی پوری کارروائی جاری رہے اور کنونشن میں جو پندرہ قراردادیں منظور ہوئیں۔ ان میں سے بعض کا مقصد احرار کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا دوسرے مضمون میں بعض قراردادوں پر تنقید کی گئی اور بتایا گیا کہ اس تحریک کو اپنے بعض رہنماؤں

کی حماقت اور خود غرضی سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناکام سیاست دان اور پاکستان کے پرانے مخالف صرف اپنے مقاصد کی تکمیل میں کوشاں ہیں اور علمائے دین کی مقدس قباؤں کے سائے میں اپنے کھوئے ہوئے سیاسی اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنیکی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مضمون میں یہ بھی لکھا گیا کہ تحفظ ختم نبوت کو اپنے ذاتی یا سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنا جرم ہے اور سیاسی منافقت ہے۔ اسی سلسلے میں بعض علماء کے اعلانات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ وہ سیاسی اغراض کے لئے مذہب کو استعمال کرنیکی اجازت نہیں دیں گے اس مضمون میں مطالبات کی تائید کی گئی لیکن یہ بھی بتایا گیا کہ بعض قراردادوں سے ایک بد نام سیاسی جماعت کو اہمیت دینا اور بد نظمی پیدا کرنا مقصود ہے ایک قرارداد میں دفعہ 144 کے احکام کے نفاذ کو مداخلت فی الدین قرار دیا گیا تھا اور ایک اور قرارداد کا منشا یہ تھا کہ احرار لیڈروں کے خلاف ان احکام کی خلاف ورزی کی بنا پر جو مقدمات دائر ہیں وہ واپس لے لئے جائیں۔ اس مضمون میں یہ ظاہر کیا گیا کہ ان قراردادوں سے احرار کو ضرور مقبولیت حاصل ہو گی ایک اور قرارداد کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا جس میں گجرات کے مقام پر لاٹھی چارج کی مذمت کی گئی تھی اور قرار داد میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ 18 جولائی کو "یوم مطالبات" منایا جائے۔ اس پر بھی مضمون میں سخت نکتہ چینی کی گئی اور کہا گیا کہ "یوم مطالبہ" منانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ یہ مطالبات دستور ساز اسمبلی کے دائرہ اختیار میں ہیں اور قرار داد میں جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ اس سے حکومت اور رہنمایان تحریک کے درمیان تصادم کا امکان ہے۔

"مغربی پاکستان" نے اپنی اشاعت مورخہ 10 جولائی میں "مبصر" کی طرف سے ایک مضمون شائع کیا۔ جس کا عنوان تھا "ختم نبوت اور تحریک مرزائیت۔" اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ قادیانی کافر ہیں اور ان کا سوشل مقاطعہ کرنا چاہیے۔

"آزاد" احراریوں کا اخبار ہے جس کے ایڈیٹر ماسٹر تاج الدین انصاری ہیں اس اخبار نے اپنے آغاز ہی سے اپنے کالموں میں احمدیوں اور ان کے عقائد اور ان کے لیڈروں کے خلاف نہایت بازاری۔ ناشائستہ اور زہریلی مہم جاری کر رکھی تھی۔ چونکہ حکومت پنجاب نے اس کی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا تھا اس لئے مرکزی حکومت نے اپنی چٹھی نمبری poll-1 44/1/51 مورخہ 24 مئی 1952ء میں اس اخبار کے بعض مضامین کے تراشے منسلک کر کے انکی طرف حکومت پنجاب کی توجہ مبذول کرائی اور پوچھا کہ آیا وہ ان مضامین کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے حکم دیا کہ اس اخبار کے ان مضامین اور ان سے پہلے شائع ہونیوالے مضامین کا جائزہ لیا جائے جس افسر نے ان مضامین کا جائزہ لیا اسکی رپورٹ یہ تھی کہ ان مضامین میں ایسے حصے موجود ہیں۔ جو شر انگیز ہیں اور جن میں احمدیوں کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی گئی ہے۔ ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے اپنی یادداشت مورخہ 22 اگست 1952ء میں لکھا کہ یہ اخبار احمدیوں کے خلاف جو پروپیگنڈا کرتا رہا ہے وہ از سر تاپا نفرت و عناد سے لبریز ہے اور اس کے خلاف زیر دفعہ 4 (1) (d) پریس (ایمرجنسی پاورز) ایکٹ کارروائی کی جا سکتی ہے لیکن اس کے باوجود ڈائریکٹر نے لکھا کہ میرے نزدیک کوئی کارروائی نہ کرنی چاہیے اور مزید سمجھانے بجھانے اور تنبیہ کرنے کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ یہ طریقہ اب تک بالکل بے اثر ثابت ہوا ہے۔ لہٰذا کوئی زیادہ موثر طریقہ سوچنا چاہیے۔ لیکن انہوں نے بھی کوئی موثر طریقہ تجویز نہ کیا اور اگرچہ چیف منسٹر صاحب 28 اگست کو اس کیس کا معائنہ کر چکے تھے۔ لیکن اس اخبار کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی اور حکومت پنجاب نے اپنی چٹھی ڈی او نمبری۔ 52 PR 788 مورخہ 30 اگست 1952ء میں مرکزی حکومت کو صرف یہ اطلاع دے دی کہ اخبار مذکور کو شدید تنبیہ کر دی گئی ہے۔

ایک اردو اخبار "مزدور" ملتان سے شائع ہوتا ہے جس کا ایڈیٹر سید ابوذر بخاری ہے جو مشہور احراری لیڈر سید عطا اللہ شاہ بخاری کا بیٹا ہے اس اخبار کی غالب توجہ صرف احمدیوں کے خلاف تحریک پر مرتکز رہی ہے۔ اس نے اپنی اشاعت مورخہ 13 جون 1952ء میں ایک مضمون شائع کیا۔ جس میں جماعت احمدیہ کے امام کے متعلق عربی خط میں ایک ایسی پست اور بازاری بات لکھی کہ ہماری شائستگی ہمیں اسکی تفریح کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر یہ الفاظ احمدی جماعت کے کسی فرد کے سامنے کہے جاتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ کسی کی کھوپری توڑ دی جاتی تو ہمیں اس پر ذرا بھی تعجب نہ ہوتا جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ پرلے درجے کے مکروہ اور مبتذل ذوق کا ثبوت ہیں اور ان میں اس مقدس زبان کی نہایت گستاخانہ تضحیک کی گئی ہے جو قرآن مجید اور نبی کریم صلعم کی زبان ہے اس مضمون کو بھی ڈائریکٹر تعلقات عامہ نے پڑھا اور صرف یہی فیصلہ کیا کہ اخبار کو تنبیہ کر دی جائے۔ تین دن بعد اس اخبار نے اپنی اشاعت مورخہ 16 جون 1953ء میں مرکزی حکومت کو گالیاں دیں اگرچہ اس موقع پر اس اخبار سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی۔ لیکن چیف منسٹر نے ایک وفد کی عرض معروض پر ضمانت کا حکم منسوخ کر دیا۔

محکمہ اسلامیات

14 مئی 1951ء کو ایک اجلاس ہوا۔ جس میں چیف منسٹر۔ چیف سیکرٹری۔ فنانس سیکرٹری اور ڈائریکٹر تعلقات عامہ شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں قرار پایا کہ ایک محکمہ اسلامیات قائم کیا جائے چھ علماء کا ایک بورڈ مرتب کیا گیا اور چیف سیکرٹری اس محکمے کے حاکم اعلیٰ قرار پائے۔

اسکی نگرانی اور مصارف کا انتظام ڈائریکٹر تعلقات عامہ کے سپرد کیا گیا۔ اور مولوی ابراہیم علی چشتی چھ سو پچاس روپے ماہانہ پر ڈپٹی سیکرٹری مقرر کئے گئے۔ اس محکمے کے حقیقی اخراجات 52-1951ء میں 49815 روپے اور 53-1952ء میں 105435 روپے ہوئے۔ ستمبر 1951ء سے لیکر فروری 1953ء تک بہتر اشخاص کو مختلف اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھنے کے لئے معاوضے پیش کئے گئے۔ ان اشخاص میں سے مولانا ابوالحسنات محمد احمد اور مولانا محمد بخش مسلم نے احمدیوں کے خلاف تحریک میں نمایاں حصہ لیا کیونکہ اول الذکر پنجاب کی مجلس عمل کے صدر اور آخر الذکر ممبر تھے۔ اس محکمے نے اٹھارہ اشخاص کو اس کام پر مقرر کیا کہ سکولوں۔ کالجوں اور جیلوں میں دینیات پر لکچر دیا کریں۔ ان میں ذیل کے گیارہ افراد نے تحریک میں نہایت سرگرم حصہ لیا:۔

(1) مولانا محمد بخش مسلم (2) مولوی غلام دین (3) مولانا ابوالحسنات محمد قادری (4) صاحبزادہ فیض الحسن (5) علامہ علاؤ الدین صدیقی (6) مولانا غلام محمد ترنم (7) قاضی مرید احمد (8) حافظ کفایت حسین (9) پروفیسر عبدالحمید (10) مولانا سلیم اللہ (11) مفتی محمد حسن۔

ان حضرات میں سے چھ شورش کے سلسلے میں اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار کئے گئے۔ قاضی مرید احمد۔ پروفیسر عبدالحمید اور مفتی محمد حسن کے سوا باقی سب مجلس عمل کے ممبر تھے جو اس شورش کی سربراہ تھی۔ قاضی مرید احمد مجلس عمل ضلع سرگودھا اور حافظ کفایت حسین مجلس عمل ضلع لاہور کے صدر تھے۔ ممبروں کے بورڈ میں سے مندرجہ ذیل چار اشخاص نے تحریک میں نمایاں حصہ لیا ان میں سے پہلے دو اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار بھی ہوئے۔

(1) مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری

(2) مولانا غلام محمد ترنم

(3) مولانا محمد بخش مسلم

(4) مفتی محمد حسن

علماء کی سرگرمیاں اور وزیراعظم اور وزیراعلیٰ سے ان کی ملاقاتیں

پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیراعظم کی توجہ قادیانی تحریک کی سنگینی کی طرف مبذول کرائی وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا۔ قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ جہاں کہیں جاتا ہے اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے۔ جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ زیادہ اہم سیاسی واقعات کا ذکر تو درکنار پاکستان یا کسی اور شخص کو کوئی آفت پیش آ جائے کوئی افسوسناک واقعہ رونما ہو جائے قائد ملت قتل کر دیئے جائیں یا ہوئی جہاز گر پڑیں۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نزدیک وہ ہمیشہ احمدیوں ہی کی سازش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مارچ 1950ء میں شجاع آبادی کراچی کے ایک اور عالم مولانا احتشام الحق تھانوی کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر کے خواجہ ناظم الدین کے پاس لے گیا تاکہ وہ ان کو اس غیظ و غضب سے مطلع کریں جو احمدیوں کے خلاف ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ دونوں 3 مارچ 1950ء کو خواجہ ناظم الدین سے ملے شجاع آبادی کا چوبی صندوق اس کے ساتھ ہی تھا اس نے اس صندوق میں سے کچھ قادیانی لٹریچر نکالا جس کو پڑھ کر خواجہ ناظم الدین سخت پریشان ہوئے۔

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ احمدیوں کے خلاف مطالبات علماء نے جون 52ء میں بمقام کراچی 13 جولائی 52ء کو بمقام لاہور وضع کئے تھے اور اسی وقت ان مطالبات کی منظوری کے لئے تدابیر سوچنے کی غرض سے مجلس عمل مرتب کی گئی تھی۔ مجلس عمل کے ارکان نے جو طریقے اختیار کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم سے ایک وفد ملاقات کرے۔ اور ان کو مطالبات کی معقولیت کا قائل بنائے۔

وزیراعظم سے پہلی ملاقات مولانا اختر علی خاں نے جولائی 1950ء کی۔ جب وہ ایک پریس کانفرنس کی غرض سے کراچی میں مقیم تھے۔ مولانا نے خواجہ ناظم الدین سے مطالبات کا ذکر کیا اور دیکھنے لگے کہ خواجہ صاحب پر ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ مولانا نے ایک میمورنڈم (EXDE16) پیش کر کے دعویٰ کیا ہے کہ خواجہ ناظم الدین نے ان سے جو کچھ کہا تھا وہ بے کم و کاست اس میں درج ہے:۔

"مجھے ملک کے جذبات اور احساسات کا پورا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کیا چاہتے ہیں لیکن میں انہیں کہوں گا کہ حکومت ان کے جذبات کا پورا پورا احترام کرتی ہے۔ لیکن ان کے مطالبات کو پورا کرنے کے راستے میں کچھ آئینی دشواریاں ہیں۔ ان دشواریوں کو دور کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس لئے مسلمانوں کو توقف اور اطمینان سے کام لینا چاہیے۔ امن اور قانون کو برقرار رکھنے میں حکومت سے تعاون کرنا چاہیے۔ ہم جو بھی فیصلہ کریں گے وہ مسلمانوں کو قابل قبول ہو گا۔ آپ نے کہا کہ یہ فیصلہ علمائے کرام کی عین مرضی کے مطابق ہو گا میری حکومت 14 اگست کو بنیادی حکمت عملی کا اعلان کر دے گی۔ مجھے امید ہے کہ یہ وضاحت ملک کی رائے عامہ کو مطمئن کر دے گی"۔

خواجہ ناظم الدین کا بیان اس ملاقات کے واقعات کے متعلق مختلف ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے تو مولانا اختر علی خان سے صرف اتنا کہا تھا کہ میں اس مسئلے کے متعلق یوم پاکستان مورخہ 14 اگست کو اپنی تقریر میں کچھ بیان کروں گا۔

مولانا اختر علی خان نے کراچی سے واپس آ کر "زمیندار" مورخہ 4 اگست میں جلی قلم اعلان شائع کیا کہ قادیانیوں کے متعلق مرکزی حکومت کی پالیسی کا اعلان وزیراعظم صاحب یوم پاکستان پر اپنی تقریر میں کر دیں گے اور یہ اعلان شریعت اور علماء کی خواہش کے مطابق ہو گا۔ مولانا نے اس خبر میں یہ غلط بیانی کی کہ انہوں نے وزیراعظم کی خدمت میں تحریک ختم نبوت کے ایک وفد کی قیادت کی تھی۔ حالانکہ واقعہ صرف اتنا تھا کہ مولانا کسی پریس کانفرنس کے ممبر کی حیثیت سے کراچی گئے تھے اور اسی سلسلے میں کانفرنس کے بعض دیگر ممبروں کی معیت میں وزیراعظم سے ملے تھے۔ احمدیوں کے مسئلے کا ذکر صرف ضمنی حیثیت سے ہوا تھا۔

13 اگست 1952ء کو ایک وفد وزیراعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کے ارکان یہ تھے ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا ابو الحسنات محمد احمد، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش، شیخ حسام الدین، مولانا احتشام الحق تھانوی

اور مولانا عبدالحامد بدایونی۔ اس وفد نے ایک تحریری یادداشت پیش کی جس میں احمدیوں کے خلاف شکایات درج تھیں اور ان کے متعلق مندرجہ ذیل مطالبات کئے گئے تھے :

(1) احمدیوں کو ایک اقلیت قرار دیا جائے۔

(2) چوہدری ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کئے جائیں۔

(3) احمدیوں کو مملکت کے کلیدی عہدوں سے موقوف کر دیا جائے۔

خواجہ ناظم الدین نے بیان کیا کہ وہ اس وقت دوسرے دن کے لئے (جو یوم پاکستان تھا) بعض مصروفیتوں میں الجھے ہوئے ہیں اس لئے اس مسئلے پر گفتگو کے لئے وقت نہیں نکال سکتے اس لئے انہوں نے تجویز کی کہ ارکان وفد ان سے اس وقت ملیں جب یوم پاکستان کی مصروفیتوں سے فراغت ہو جائے۔ یوم پاکستان کی تقریر میں وزیراعظم نے احمدیوں کے متعلق یا ان کے خلاف مطالبات کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہا۔ بلکہ اس کے برعکس اس تقریر میں اخبارات کی غلط افواہوں کا اشارتاً ذکر کر کے ان کی مذمت کی گئی۔ اور ان اندرونی افتراق انگیز عناصر کا تذکرہ بھی کیا گیا جن کو اگر روکا نہ گیا تو ملک پارہ پارہ ہو جائے گا۔

تاہم اسی دن مرکزی حکومت نے یہ پراسرار سرکاری اعلان شائع کیا:۔

"حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا ہے کہ صوبائی یا مرکزی وزارتوں کا کوئی رکن ان اشخاص میں جن کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ کسی فرقہ وار عقیدے کی تبلیغ کے لئے اپنی سرکاری پوزیشن کو استعمال نہ کرے گا۔ ہر گورنر کو ہدایت کی گئی ہے کہ یہ فیصلہ تمام متعلقہ وزیروں تک پہنچا دیں اور حکومت توقع رکھتی ہے کہ آئندہ کوئی وزیر اس قاعدے کی خلاف ورزی نہ کرے گا۔

حکومت پاکستان کو اکثر اس امر کی شکایات موصول ہوئی ہیں کہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بعض افسر جو ایک خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں اور ان دوسرے اشخاص کے درمیان جن کے ساتھ سرکاری حیثیت میں ان کا واسطہ پڑتا ہے۔ اپنے فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کے لئے اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں۔ حکومت اس معاملے کو سخت نامناسب خیال کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناپسندیدہ سرگرمی کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے اس قابل اعتراض طریقے سے فرقہ وار عقائد کی تبلیغ کو ممنوع قرار دیا جائے۔

گورنمنٹ سروس کانڈکٹ رولز (قواعد کردار ملازمان سرکاری) میں اس منشا کے مطابق ترمیم کر دی گئی ہے۔

حکومت اعلان عام کر دینا چاہتی ہے کہ جو شخص خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اس قاعدے کی خلاف ورزی کرے گا اس کے خلاف شدید کارروائی کی جائے گی۔ پاکستان کی صوبائی اور ریاستی حکومتوں کو بھی اسی قسم کے اقدام کی ہدایت کی گئی ہے"۔

چونکہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس سرکاری اعلان کا روئے سخن چوہدری ظفر اللہ خاں اور دوسرے احمدی افسروں کی طرف ہے اس لئے چوہدری ظفر اللہ خاں نے فوراً مندرجہ ذیل بیان اخبارات میں شائع کرایا:۔

میں ان تعلیماتِ اسلامی کے مطابق جو قرآن مجید میں مندرج ہیں اور جن کا نمونہ رسول پاکؐ کی حیات طیبہ میں موجود ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آزادی ضمیر پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں میرے خیال میں سرکاری اثر و نفوذ کا استعمال بھی براہ راست دباؤ یا تشدد ہی کی مانند آزادی ضمیر میں مداخلت کا حکم رکھتا ہے۔ بلکہ اسلام نے تو ہر مسلمان پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قول و فعل سے احکام اسلامی کی تعمیل کا ثبوت دے۔ یہ وہ فرض ہے جس کی طرف سے مسلمانوں نے اپنے دور زوال میں افسوسناک غفلت برتی جس کے نتائج ان کی انفرادی اور قومی زندگیوں پر واضح ہیں۔

خود میرے عقائد میرے جاننے والوں سے (خواہ وہ مجھے شخصاً جانتے ہوں یا میری شہرت کی وجہ سے واقف ہوں) کبھی پوشیدہ نہیں رہے۔ گو پچھلے دنوں بعض حلقوں میں ان کو بگاڑ کر پیش کرنے اور ان کے متعلق غلط بیانی کرنے کی مسلسل کوششیں کی گئی ہیں جیسا میں پہلے کہہ چکا ہوں میں اس امر کو خلاف دیانت اور خلاف تعلیمات اسلامی سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے سرکاری عہدہ و اختیار کو بالواسطہ یا بلاواسطہ استعمال کر کے اپنے مذہبی عقائد کو دوسروں پر زبردستی منڈھ دے۔ یا اسی قسم کے اثر و نفوذ سے کام لے کر کسی شخص کو اس کے حقیقی عقائد کے ترک پر مجبور کرے۔ میں جس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اس میں اس اصول کی وسیع تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس کو مسلمہ اصول سمجھا جاتا ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ اس جماعت کا کوئی فرد اس صحیح اور مفید اصول کی خلاف ورزی کر رہا تو مجھے یقیناً بے حد حیرت اور انتہائی اذیت ہو گی۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں تک ہمارے محدود وسائل اجازت دیتے ہیں ہمارے خیالات و عقائد کی وسیع تبلیغ کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس فریضے کی بجا آوری میں کیا جاتا ہے جو سب صحیح الخیال لوگوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ جن عقائد کو تہ دل سے صحیح سمجھیں ان کی مسلسل اور مخلصانہ نشر و اشاعت اپنے قول و فعل سے کرتے رہیں تاکہ راست بازی پھیل جائے اور نیکیاں قائم ہو جائیں۔ اور اس مقصد کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا جس سے جبر اور دباؤ اور ناواجب وسائل کے استعمال کی بو آتی ہو

تو خود یہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ جس شخص کے متعلق ایسا طریقہ استعمال کیا جائے گا اس کا ردعمل لازماً مخالفانہ ہو گا اور وہ محسوس کرے گا۔ کہ اس کو آزادی اور خوشدلی سے بنیادی صداقتوں کے مطالعہ اور ان پر غور و خوض کرنے کی دعوت نہیں دی جا رہی ہے بلکہ ایک ایسے عقیدے کی ظاہری قبول پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کو اس کا ضمیر تسلیم نہیں کرتا۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جس جماعت کے خلاف بعض حلقے جو عظیم اکثریت ہونے کا دعویدار ہیں۔ برابر غلط بیانی اور جبر و ظلم میں مصروف ہیں۔ اس جماعت کے ارکان اس قسم کے طور طریقے اختیار ہی نہیں کر سکتے۔ جب انہیں ایسی باتوں کے لئے اتہام' استہزا اور نفرت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جو ان کے عقائد میں بھی شامل نہیں کیا تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ان طور طریقوں کو اختیار و استعمال کرنا شروع کر دیں گے جو نہ صرف سلام کے بلکہ عقل صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ اور جن سے بچنے کا کیونکر توقع رکھ سکتے ہیں۔

حکومت کی طرف سے جو اعلان کیا گیا ہے میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ باشندگان پاکستان کے تمام طبقے اس اعلان کو ہر دم پیش نظر رکھیں گے اور دین و ایمان کے متعلقہ امور میں سکون و متانت اور سنجیدگی اور رواداری کی فضا قائم کرنے میں معاون ہوں گے۔

جن موضوعات سے انسانی ذہن کا تعلق ہے اور جن کا اثر ذہن قبول کرتا ہے ان میں بلند ترین موضوعات ایمان و اعتقاد ہیں۔ اس دائرے میں انتہائی حزم و احتیاط لازمی ہے مبادا اللہ کی نظروں میں ہم اس گناہ کے مرتکب قرار پائیں کہ ہم نے کسی شخص کو ایسے عقیدے کے اعلان پر مجبور کیا جسے اس کا ضمیر قبول نہیں کرتا تھا۔ اور ان عقائد سے انکار کی ترغیب دی جن کو اس کا قلب و ضمیر مخلصانہ قبول کرتا تھا کوئی شخص جو اس قسم کے فعل کا مرتکب ہے وہ وزیر ہو حاکم ہو۔ یا کوئی غیر سرکاری فرد ہو۔ حقیقت میں مومنین مخلصین کی نہیں بلکہ منافقین کی جماعت پیدا کرنے کا خواہاں ہے۔

مجلس عمل کے وہی ممبر جو 13 اگست کو خواجہ ناظم الدین سے ملے تھے۔ 16 اگست کو پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اس موقع پر سردار عبدالرب نشتر' مسٹر گورمانی اور مسٹر فضل الرحمٰن بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کا نتیجہ ارکان وفد کے لئے واضح طور پر دل شکن تھا خواجہ ناظم الدین نے کہا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ دستور ساز اسمبلی کے دائرہ اختیار میں ہے اور میں اس معاملے میں کسی اقدام پر آمادہ نہیں ہوں آپ نے یہ بھی کہا کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو خود قائداعظم نے مقرر کیا تھا۔ اس لئے میں انہیں برطرف کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ احمدی افسروں کو کلیدی عہدوں سے الگ کیا جائے تو اس کے متعلق ارکان وفد کو دلائل و براہین کی مدد سے کیس تیار کرنا چاہئے۔ اور ربوہ کے متعلق جو شکایات ہیں وہ صوبائی حکومت کے سامنے پیش کرنی چاہئیں۔

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری۔ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش۔ شیخ حسام الدین اور مولانا داؤد غزنوی نے 29 ستمبر 1952ء کو چیف منسٹر پنجاب سے ملاقات کی۔ اور احمدیوں کے خلاف اپنی شکایات ان کے سامنے پیش کیں۔ جن میں یہ امور شامل تھے: ربوہ میں خالص احمدی بستی کے لئے اراضی کا عطیہ۔ ناواجب الاٹمنٹیں اور وہ مسئلہ جس کو ارکان وفد گولی بارود کی سازش سے موسوم کرتے تھے۔ چیف منسٹر نے ان امور پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جہانگیر پارک کراچی میں چوہدری ظفر اللہ خاں کی تقریر (مئی 1952ء) کے بعد مختلف مکاتب خیال کے علماء کا ایک اجلاس 2 جون کو بمقام کراچی منعقد ہوا۔ جس میں احمدیوں کے خلاف مطالبات مرتب کئے گئے۔ اور علماء کا ایک بورڈ مقرر کیا گیا۔ 15 اگست کو اس بورڈ کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں خاص دعوت پر شیخ حسام الدین۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد۔ ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش بھی شریک ہوئے۔ یہ پنجاب سے آنے والے ایک وفد کے ارکان تھے۔ بورڈ نے فیصلہ کیا کہ آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن 15-16 اور 17 ستمبر کو منعقد کی جائے۔ معلوم (1) ماسٹر تاج الدین انصاری (2) صاحبزادہ فیض الحسن (3) سید نورالحسن بخاری (4) مولانا سلطان احمد امیر جماعت اسلامی سندھ و کراچی (5) مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری (6) مولانا محمد الحامد بدایونی (7) مولانا احتشام الحق تھانوی (8) سید عطا اللہ شاہ بخاری (9) مولانا محمد یوسف کلکتوی (10) سید مظفر علی شمسی

اس اجلاس کی صدارت مولانا ابو الحسنات نے کی۔ اس میں اس مطلب کی ایک قرار داد منظور کی گئی کہ 18 جنوری کی کنونشن میں مرکزی حکومت کو جو نوٹس دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ وہ چونکہ مجلس عمل کے ایک وفد نے اس حکومت کے حوالے کر دیا تھا اور 22 فروری کو اس نوٹس کی میعاد ختم ہو گئی ہے۔ بلکہ مزید چار دن بھی گزر چکے ہیں۔ اس لئے اب پر امن راست اقدام کی شکل کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہے راست اقدام کی شکل کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ پانچ رضا کار جو ایسے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوں گے جن پر مطالبات ثبت ہوں گے۔ شارع عام پر سے نہیں۔ بلکہ چھوٹی سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے وزیراعظم کی کوٹھی پر جائیں گے اگر وہاں سنتری ان رضا کاروں کو روکے گا تو وہ اس سے کہیں گے کہ وہ وزیراعظم کی خدمت میں مطالبات پیش کرنے اور ان کو تسلیم کرنے کی

درخواست کرنے آئے ہیں اور وہ اسی صورت میں واپس جائیں گے کہ وزیراعظم ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا اعلان کر دیں۔ اگر یہ رضا کار گرفتار کر لئے جائیں گے تو مجلس عمل پانچ رضا کاروں کا ایک اور دستہ بھیج دے گی۔ اور یہ سلسلہ پر امن طریقے پر اس وقت تک جاری رہے گا تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اس تحریک کا رخ خواجہ ناظم الدین کی طرف محض اس لئے ہے کہ وہ بنگالی ہیں۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد اس متبرک تحریک کے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے۔ اور انہیں گرفتاری کی صورت میں اپنے جانشین کی نامزدگی کا اختیار دیا گیا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ اسی دن شام کو آرام باغ میں جو جلسہ عام ہو رہا ہے اس میں عوام کو یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ حسب معمول اپنے کاروبار میں مصروف رہیں۔ اور رضا کاروں کے ساتھ نہ جائیں۔

ڈائرکٹ ایکشن کی دھمکی کے مقابلے کی تیاریاں

پنجاب میں یہ اطلاعات موصول ہونے لگیں کہ ڈائرکٹ ایکشن کی دھمکی عمل میں لائی جا رہی ہے اور عنقریب سول نافرمانی کی پوری تحریک کا آغاز ہونے والا ہے۔ 16 فروری یا اس کے لگ بھگ سی آئی ڈی برانچ پنجاب کو انٹیلی جنس بیورو کراچی کی طرف سے مندرجہ ذیل اطلاع موصول ہوئی:۔

"انٹیلی جنس بیورو حکومت پاکستان
کراچی 14 فروری 1953ء

گشتی یادداشت

ذرائع خبر رسانی کی ایک رپورٹ جو کسی قدر قرین حقیقت معلوم ہوتی ہے مظہر ہے کہ تحریک نبوت کے علم بردار پنجاب اور کراچی میں 22 فروری 1953ء سے اپنے پانچ مطالبات کے سلسلے میں سول نافرمانی کی ایک تحریک جاری کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ان کے مطالبات یہ ہیں: (1) عزت مآب چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے (2) قادیانیوں کو ایک اقلیت قرار دیا جائے (3) قادیانیوں کو جو اراضی ربوہ میں دی گئی ہے وہ ان سے واپس لے کر مہاجرین کی آباد کاری میں صرف کی جائے (4) قادیانیوں کو حکومت کے کلیدی عہدوں سے الگ کر کے ان کی جگہ مسلمان مقرر کئے جائیں (5) دستور پاکستان خالص اسلامی خطوط پر وضع کیا جائے۔

2- اس شورش کے سلسلے میں پہلا شخص جو پنجاب میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرے گا وہ غالباً صاحبزادہ پیر فیض الحسن ہو گا جس کے تیس ہزار مرید ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تمام مرید اس تحریک میں اس کی پیروی کریں گے۔

3- کراچی میں لال حسین اختر کے بجائے جو ایک اطلاع کے مطابق اب نامقبول ہو چکا ہے کیونکہ اس نے پچھلے سال کوئی چوبیس ہزار روپیہ صرف کر دینے کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں کی ایک شخص محمد جوہر نائب ناظم اعلیٰ جماعت ختم نبوت اس شورش کے آغاز کے منصوبوں کی تکمیل کرے گا۔ لیکن محمد جوہر اس عمل کو شروع کرنے میں مشکلات محسوس کر رہا ہے کیونکہ رضا کار کافی تعداد میں دستیاب نہیں ہوتے۔ آئندہ چند روز کے دوران میں اس کی واحد کوشش یہی ہو گی کہ زیادہ سے زیادہ رضا کار بھرتی کرے۔ جو اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر سکیں۔ کل اس نے ایک شخص نیاز احمد کو بولٹن مارکیٹ کی میمن مسجد میں جمعہ کے نمازیوں کے سامنے تقریر کرنے کے لئے بھیجا۔ لیکن نیاز احمد تقریر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ خدا داد اور قائد آباد کالونیوں کے بعض باشندوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ بطور رضا کار بھرتی ہوئے ہیں لیکن ان کی پوری تعداد اب تک معلوم نہیں ہو سکی۔ تجویز یہ ہے کہ آئندہ چند روز کے اندر جہانگیر آباد میں جو عثمانیہ کالونی کے قریب ہے رضا کاروں کو بھرتی کرنے کی غرض سے ایک جلسہ منعقد کیا جائے۔

4- معلوم ہوا ہے کہ محمد علی جالندھری نے ہدایت جاری کی ہے۔ اور رضا کاروں کو حکم دیا ہے کہ 21 اور 22 فروری 1953ء کی درمیانی نصف شب کے وقت روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔

5- ذریعہ خبر رسانی کی اطلاع مذکورہ بالا ان اقدامات کے متعلق ہے جن کا منصوبہ تیار کئے گئے ہیں لہٰذا استدعا کی جاتی ہے کہ تمام صوبوں کی سی آئی ڈی ازراہ نوازش ضروری اقدام کی غرض سے فوری تحقیقات کرے"۔

مندرجہ ذیل 'انتہائی خفیہ'۔ 'نہایت فوری' اور مرکوز حروف میں ایک تار 'فارن کراچی' کی طرف سے 19 فروری 1953ء کو پنجاب میں موصول ہوا:۔

'زمیندار' اور 'آزاد' لاہور میں عنوانات۔ مضامین اور تبصروں کے ذریعے سے احمدیوں کے خلاف شورش کو برابر تیز کیا جا رہا ہے بعض تازہ مثالیں یہ ہیں: 'زمیندار' مورخہ 16' 17 فروری میں علی الترتیب مقالہ افتتاحیہ اور احمدیوں کے خلاف مضامین درج ہیں اور 4-8 اور 11 فروری کے 'آزاد' میں ایک سلسلہ مضامین اور نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ اس سے قبل 'آزاد' میں جو قابل اعتراض مضامین شائع ہو چکے ہیں ان کی طرف صوبائی حکومت کو توجہ دلائی جا چکی ہے۔

2- اب ایک اطلاع ہمارے علم میں آئی ہے کہ احمدیوں کے مخالف عناصر پنجاب میں اپنی شورش کو تیز تر کرنے کی غرض سے 22 فروری سے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں گے۔ مرکزی حکومت کو مسرت ہو گی اگر صوبائی حکومت اس اطلاع پر اپنے خیالات ظاہر کرے اور مرکزی حکومت کو یقین ہے کہ اخبارات کو شورش کی آگ بھڑکانے سے روکنے کی ضروری تدابیر اختیار کی جائیں گی"۔

اس تار کے موصول ہونے پر چیف منسٹر- ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی نے (جو اب قربان علی خان کی جگہ انسپکٹر جنرل پولیس تھے) گفت و شنید کی جس کا نتیجہ 20 فروری 1953ء کو مسٹر انور علی نے ان الفاظ میں قلم بند کیا:-

"اس کیس پر آج صبح میں نے اور ہوم سیکرٹری نے چیف منسٹر صاحب سے گفتگو کی چیف منسٹر صاحب نے مسودے میں جو ترمیمات تجویز کیں وہ کر دی گئیں ہیں- کیا چیف سیکرٹری صاحب ازراہ کرم اس پر دستخط کر دیں گے- تاکہ اسے فوراً جاری کر دیا جائے؟

2- چونکہ پرسوں اتوار ہے- اس لئے ممکن ہے کراچی میں مسودے پر کارروائی میں تاخیر ہو جائے اس لئے میر تجویز یہ ہے کہ تار موصولہ 19 فروری 1953ء کے جواب میں ایک مرموز تار بھیج دیا جائے- مسودہ شامل ہے-

3- چیف منسٹر صاحب کی تجویز ہے کہ ذیل کے خطوط پر مزید کارروائی کی جائے:-

(i) گذشتہ مہینے دو مہینے کے اندر صوبے میں جو مکروہ واقعات رونما ہوئے ہیں اور جن کا ذکر حکومت پاکستان کی چٹھی میں کیا گیا ہے ان کی مناسب اشاعت ہونی چاہیے چیف منسٹر کی خواہش ہے کہ ہوم سیکرٹری 'آفاق' ـ 'مغربی پاکستان' اور 'احسان' کے ایڈیٹروں کی طلب کر کے انہیں مناسب ہدایات دیں- ان کی یہ خواہش ہے کہ ڈی پی آر صاحب "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے ایڈیٹر سے بات کر کے ان کو مشورہ دیں کہ وہ صورت حالات کے متعلق زیادہ مقصدی انداز میں ایسے مضامین لکھیں جن سے عوام بہت زیادہ بے رخی کا اظہار نہ کریں-

(ii) آل پارٹیز مسلم کنونشن کے جن کارکنوں نے اس شورش کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے ان کو ہوم سیکرٹری صاحب طلب کریں اور بتائیں کہ ان کی شورش اب پرامن نہیں رہی اور ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے عوام کے دلوں میں حقیقتاً خوف و دہشت کا احساس پیدا ہو گیا ہے-

ان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ اگر امن و قانون کی حدود کو توڑا گیا تو صوبائی حکومت اس کے لئے براہ راست اس شورش کے علم برداروں کو ذمہ دار قرار دے گی-

(iii) چیف سیکرٹری صاحب ڈائریکٹر تعلقات عامہ کو ہدایت دیں کہ وہ مولانا ابوالحسنات- مولانا ترنم اور مولانا محمد بخش مسلم کو طلب کر کے انہیں ایسی تقریریں کرنے سے پرہیز کا مشورہ دیں- جن میں عوام کو قانون و انتظام کی خلاف ورزی پر اکسایا گیا ہو- ڈائریکٹر تعلقات عامہ مولانا اختر علی خاں کو علیحدہ طلب کر کے ان سے مناسب گفتگو کریں-

4- ہوم سیکرٹری نے اس یادداشت کو پڑھ لیا ہے اور وہ اس کے مطابق عمل کر رہے ہیں- چیف سیکرٹری صاحب ازراہ کرم ڈائریکٹر تعلقات عامہ کو ہدایات دے دیں"ـ

جو مرموز (سائیفر تار 19 فروری کو کراچی سے موصول ہوا تھا- اس کے جواب میں چیف سیکرٹری نے 21 فروری کو مندرجہ ذیل تار ارسال کیا:-

"جس شورش کی دھمکی دی گئی ہے وہ غالباً کراچی میں شروع کی جائے گی- لیکن اس کے اثرات اس صوبے (پنجاب) اور دوسرے صوبوں میں بھی رونما ہو سکتے ہیں- صوبائی حکومت صورت حالات سے برابر مطلع ہے- آپ کی رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے مفصل چٹھی آج ارسال کی جا رہی ہے-"

اس تار کے ساتھ چیف منسٹر کی منظوری سے مندرجہ ذیل چٹھی بھی ارسال کی گئی:-

"نمبر2249-BDSB

پنجاب سول سیکرٹریٹ لاہور

21 فروری 1953ء

مکرمی احمد صاحب

ازراہ کرم غیاث الدین احمد کی ڈی او چٹھی نمبر4682-BDSB مورخہ 21- اکتوبر 1952ء بنام حمید الدین احمد جو احمدی احرار شورش کے موضوع پر لکھی گئی تھی بغرض حوالہ پیش نظر رکھ لیجئے-

2- کچھ وقت کے لئے شورش کی رفتار نرم پڑ گئی تھی لیکن حال ہی میں عوام کی دلچسپی کو تیز کرنے کی کوششیں خاصی شدت کے ساتھ دوبارہ جاری کر دی گئی ہیں- صوبے بھر میں بے شمار کانفرنسیں اور جلسے منعقد کئے گئے ہیں اور آتش ریز تقریریں کی گئی ہیں- ملاؤں کی تائید و حمایت حاصل کر لی گئی ہے اور احمدیوں کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے- گوجرانوالہ میں مطبوعہ اشتہارات نشر کئے گئے- جن میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ احمدیوں سے اچھوتوں کا سا سلوک کیا جائے اور کھانے پینے کی چیزوں کی دکانوں پر ان کے لئے علیحدہ برتن رکھے جائیں- کچھ مدت تک ضلع گوجرانوالہ میں اس امر پر بھی زور دیا گیا ہے کہ احمدیوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی جائے- صرف پولیس کی مداخلت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے واقعات نہ ہونے پائے- احمدیوں نے جو اس نئی حرکت سے بہت زیادہ مضطرب ہو گئے تھے- یکم فروری 1953 کو سرگودھا میں مسلمانوں کے قبرستان میں ایک احمدی میت کی تدفین کے خلاف مزاحمت کی گئی- پولیس موقع پر پہنچ گئی جس سے صورت حالات پر قابو پا لیا گیا- احمدیوں کے مجلسی مقاطعہ کی تلقین کھلم کھلا کی جا رہی ہے- منٹگمری میں ایک مقرر نے کہا کہ احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کیا جائے اور ان کو عوامی کنووں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دی جائے- شورش کا لہجہ قطعی طور

پر نہایت پست اور بتذل صورت اختیار کر گیا ہے۔ صوبے بھر میں رضاکاروں کی بھرتی کے لئے ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا ہے اور صاحبزادہ فیض الحسن پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا ہے۔ رضاکاروں سے ایک حلف نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں کہ اگر رسول پاکؐ کی عزت کے لئے جان دینے کی ضرورت پڑیگی۔ تو وہ اس میں دریغ نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض رضاکاروں نے حلف نامہ اپنے خون سے لکھ کر پیش کیا ہے۔ لاہور میں کوئی ڈیڑھ سو اشخاص بھرتی ہوئے ہیں۔ صوبے کے دوسرے حصوں میں اب تک جو رضاکار بھرتی ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد کا اندازہ پانسو کے قریب کیا جاتا ہے۔ صوبے بھر میں پچاس ہزار رضاکاروں کو بھرتی کرنا مقصود ہے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری (صدر آل پاکستان مجلس احرار) سید مظفر علی شمسی (سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ) اور صاحبزادہ فیض الحسن کا رویہ خصوصاً جارحانہ ہو رہا ہے۔

3- آل مسلم پارٹیز کونشن جو گذشتہ ماہ جولائی میں احراریوں نے مرتب کی تھی۔ اس کا ایک اجلاس 16 جنوری سے 18 جنوری تک کراچی میں منعقد ہوا جس میں حسب معمول مطالبات کی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ اس کونشن کے مندوب جب سے پنجاب واپس آئے ہیں۔ ان کا طرز عمل پہلے کی نسبت زیادہ سرکشانہ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کراچی میں علماء کی کانفرنس نے احمدیوں کو ایک اقلیت قرار دینے کی جو حمایت کی۔ اس سے ان لوگوں کو بہت تقویت پہنچی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ وزیراعظم نے جن سے وہ ملاقات کر چکے ہیں۔ ان کے مطالبات سے ہمدردی نہیں کی۔ لہٰذا انہوں نے صاحب موصوف کو الٹی میٹم دے دیا ہے کہ وہ 23 فروری کو راست اقدام کریں گے وہ ظاہر کر رہے ہیں کہ کراچی کے عوام ان کے حامی ہیں اور اگر تحریک شروع کی گئی تو وہ جوق در جوق اس کی حمایت کریں گے۔ وہ مرکزی حکومت کے ارکان پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ انہوں نے وعدے کئے لیکن ان کا ایفانہ کیا۔ کراچی سے مندوبین کی واپسی کے بعد اس شورش میں ایک نئے پہلو کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی عزت ماب وزیراعظم پاکستان کے خلاف بدگوئی اور دشنام طرازی کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ شورش کے ابتدائی مرحلوں میں سر ظفر اللہ خاں کی موقوفی کا مطالبہ کیا جاتا تھا لیکن اب بعض مقررین یہ کہہ رہے ہیں کہ عزت ماب وزیراعظم کو اپنے عہدے سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔

4- کہا جاتا ہے کہ "ڈائرکٹ ایکشن' کراچی میں شروع کیا جائیگا اور اس کے لئے رضاکار پنجاب اور دوسرے صوبوں سے بھیجے جائینگے۔ ڈائرکٹ ایکشن احمدیوں کی دکانوں پر پکٹنگ کی شکل اختیار کریگا۔ یہ دھمکی بھی دی گئی ہے کہ اگر دفعہ 144 کے ماتحت احکام جاری کئے گئے تو ان کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ مطالبات حسب ذیل ہیں:۔

(1) سر ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

(2) احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(3) جو احمدی حکومت کے کلیدی عہدوں پر قابض ہیں ان کو ان عہدوں سے موقوف کیا جائے۔

5- اس شورش کو جماعت اسلامی۔ اہلسنّت و الجماعت' اہلحدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل ہے پیر صاحب گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) پیر صاحب سیال شریف _(ضلع سرگودھا) پیر صاحب علی پور سیداں (ضلع سیالکوٹ) پیر شوکت حسین (سجادہ نشین پیر صاحب ملتان) اور بعض دیگر حضرات نے اس شورش کو برکت کی دعا دی ہے سرمایہ جمع کیا جا رہا ہے۔ اور "ایک روپے کے نوٹ" چھاپ کر فروخت کئے جا رہے ہیں۔ بازاری اور غنڈا عناصر نے بھی شورش پسندوں کی تائید و حمایت اختیار کر لی ہے آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور نے شورش پسندوں کو ایک ہزار روپے کی رقم عطا کی ہے۔

6- جب یہ معلوم ہوا کہ عزت مآب وزیراعظم کی 16 تاریخ کو لاہور آ رہے ہیں تو ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا۔ جس میں اعلان کیا گیا کہ وزیراعظم کے ورود کی تاریخ کو ہڑتال کی جائے اور مکانوں کی چھتوں پر کالی جھنڈیاں لگائی جائیں مقررین نے احتیاطاً" اس بات پر زور دیا کہ تشدد سے کام نہ لیا جائے۔ لیکن عملاً وہ عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے میں برابر مصروف رہے بعض مقررین نے اپنی تقریروں میں کہا کہ نافرمانی شروع ہونے کی حالت میں پولیس کے جن ملازموں کو گرفتاریاں کرنے کا حکم دیا جائے انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ روز قیامت انہیں ان افعال کیلئے جو ابد ہی کرنی پڑے گی جو ان کے فرائض مذہبی کے منافی ہونگے۔ 16 تاریخ کی صبح کو سکولوں کے لڑکوں اور بازار کے لونڈوں کے دستے ادھر ادھر بھیج دیئے گئے اور دکانداروں کو دکانیں بند کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بہت سے لوگ اپنی دکانیں کھلی رکھنا چاہتے تھے لیکن ان کو دھمکایا گیا۔ اور وہ غریب ان لڑکوں اور دوسرے لوگوں کے سامنے جو بازاروں میں چکر کاٹ رہے تھے عاجز آ کر دکانیں بند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چند سکول بھی بند کر دیئے گئے۔ دو ایسے واقعات بھی ہوئے۔ جن میں تشدد اور خونریزی تک نوبت پہنچ گئی۔ ایک واقعہ دیال سنگھ کالج کے باہر اور دوسرا تعلیم الاسلام کالج (احمدیوں کی درسگاہ) میں رونما ہوا۔ جب ان کالجوں کے طلبہ نے ہڑتال کرنے سے انکار کیا۔ تو طرفین کی طرف سے خشت باری ہوئی اور لوگ زخمی ہوئے۔ سر ظفر اللہ خاں کا ایک جنازہ بھی نکالا گیا اور متعدد چھوٹے چھوٹے جلوس بازاروں میں چکر لگانے لگے۔ پابند قانون شہری ان مظاہروں کو پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن محض اس خوف سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرتے تھے کہ مبادا ان کو بھی احمدی قرار دیدیا جائے۔

7- کہا گیا ہے کہ کراچی میں ڈائریکٹ ایکشن' شروع کرنے کیلئے آخری تاریخ 23 مقرر کی گئی تھی۔ احراری لیڈروں نے عوام کے غیظ و غضب کو

اس حد تک مشتعل کر دیا ہے کہ اب ان کیلئے پیچھے ہٹنا بعید مشکل ہے وہ بڑی تیز و تند اور جنگجویانہ تقریریں کرتے رہے ہیں اور انہیں محض اپنی عزت سلامت رکھنے کی خاطر بھی 23 تاریخ کو کوئی نہ کوئی ڈرامائی اقدام کرنا پڑے گا۔

8- لاہور میں قریب قریب ہر شب کو جلسے ہو رہے ہیں۔ جن میں احمدیوں کے خلاف عوام کے احساسات کو مشتعل کرنے کے لئے تقریریں کی جاتی ہیں۔ 16 تاریخ کو بعض دکانداروں کے منہ کالے کر دیئے گئے کیونکہ انہوں نے دکانیں بند کرنے سے انکار کیا تھا۔ دیال سنگھ کالج کے قریب مظاہرین نے ایک موٹر کار کو بھی کسی قدر نقصان پہنچایا۔ 18 تاریخ کو نارتھ ویسٹرن ریلوے کی ورکشاپ میں ایک احمدی جو کئی روز سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ غصے میں بھر گیا اور اس نے ایک غیر احمدی کو لوہے کی ایک سلاخ مار کر بیہوش کر دیا۔ اس وقت سے یہ احمدی مفرور ہے۔ اس کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں۔ لاہور میں ایک ڈپو ہولڈر نے ایک احمدی عورت کے ہاتھ گیہوں فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آخر اس وقت مہربان ہوا جب عورت نے یہ وعدہ کر لیا۔ کہ احمدیوں کے خلاف جو تحریک شروع کی جائیگی وہ اس میں شامل ہو گی۔ سنت نگر کے پرائمری سکول کے ایک طالب علم کو اس کے ہم جماعتوں نے گھیر لیا۔ اس کو تھپڑ مارے۔ اور 'مرزائی کتا' کے نعرے لگائے۔

9- یہ شورش صرف اسی صوبے تک محدود نہیں۔ نہ وہ مطالبات جن پر بظاہر یہ شورش مبنی ہے۔ صوبائی حکومت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں۔ اسلئے حکومت کو اس صورت حالات کا مداوا کرنے میں سخت دقت محسوس ہو رہی ہے۔ اور وہ سمجھتی ہے کہ اگر مرکزی حکومت ان مطالبات کے متعلق ایک مضبوط پالیسی اختیار کرنے کا اعلان کرے۔ تو صوبائی حکومت کے ہاتھ کافی مضبوط ہو جائینگے۔ وہ پالیسی کچھ بھی ہو لیکن اس کے اعلان کے بعد کسی کو اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ کہ حکومت پاکستان کا ارادہ کیا ہے۔ اور وہ کیا رویہ اختیار کرنا چاہتی ہے۔ صوبائی حکومت محسوس کرتی ہے۔ کہ وہ صوبے کے اندر اس پالیسی پر عمل در آمد کرنے کے لئے کافی طاقتور ہے۔

آپ کا مخلص

(دستخط) ایچ۔ اے۔ مجید

بخدمت جی۔ احمد۔ اسکوائر

سیکرٹری حکومت پاکستان۔ وزارت داخلہ۔ کراچی

اسی دن مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے چیف سیکرٹری کو یہ یادداشت لکھ کر ارسال کی:۔

"حکومت غالباً اس تقریر کی روداد پر مطلع ہونے کی خواہاں ہو گی۔ جو مولوی محمد علی جالندھری نے 15 فروری 1953ء کو لاہور کے ایک جلسے میں کی۔ ایک بات خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔ کہ ایک دفعہ زور فصاحت میں اس مقرر نے اعتراف کیا۔ کہ وہ اور ان کی جماعت تقسیم ملک کے مخالف تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جن وجوہ کی بنا پر وہ تقسیم کے خلاف تھے۔ وہ لوگوں پر ظاہر ہونے چاہئیں لیکن اگر اب تک انہیں ان کا شعور حاصل نہیں ہوا تو ایک یا دو سال کے اندر انہیں سب معلوم ہو جائیگا۔ اس نے حکومت کی شدید مذمت کی۔ اور اس کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف وزیراعظم پاکستان تھے۔ اس جلسے میں مقررین نے پنجاب اور صوبہ سرحد کے چیف منسٹروں کو بھی برا بھلا کہا۔ وزیراعظم پاکستان کو کھلم کھلا مرزائی کہا جا رہا ہے۔ ایک اور جلسے عطا اللہ شاہ بخاری نے ان کو 'بدھو الذین احمقون' کہا۔ ان تقریروں کی خصوصیت صرف تحقیر تھی۔

2- جس زمانے میں غذا کی کمی ہو۔ بیروزگاری عام ہو۔ کاروبار کی کساد بازاری ہو اور کشمیر کے متعلق عام خیال یہ ہو کہ اس کو ہم کھو چکے ہیں۔ جو شخص بدنظمی اور ابتری پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دوست نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ احرار اور دیگر علماء جو ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں عوام کی توجہ کو ان سنگین مسائل کی طرف سے جو آج ملک کو درپیش ہیں منحرف کرنے میں خاص طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس ابتری کی وجہ سے عوام کا وہ عزم کمزور ہو جائیگا جو ان مسائل کا مقابلہ اور ان کا مداوا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے پاس اس امر کی شہادت موجود ہے کہ احرار نے آزاد پاکستان پارٹی کی شاخ بہاولپور سے روپیہ لیا۔ یہ لوگ پاکستان کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ حکومت کو کمر ہمت باندھ کر اس خطرے کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ حکومت پڑھے لکھے طبقے کی ہمدردی کھو چکی ہے اور اب غیر ملکی لوگ بھی یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ حکومت غالباً اس بحران کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی جو علماء نے پیدا کر رکھا ہے۔ 'لندن ٹائمز' کے نمائندے نے حکومت پنجاب کے ایک افسر سے یہ کہا کہ مرکزی حکومت کمزور ہے اور موجودہ مسائل کے موثر مداوا کی قوت نہیں رکھتی۔ رات لاہور کے برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی صورت حالات بعید تشویش انگیز ہے اور ایک عام ہنگامہ عنقریب برپا ہونے والا ہے۔ حسین شہید سہروردی ملک خضر حیات خان اور نواب ممدوٹ برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر سے ملاقات کر چکے ہیں۔ ہم نے مرکزی حکومت کو صورت حالات کی نزاکت سے مطلع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ کوئی مضبوط طرز عمل اختیار کرے گی۔

3- مولوی محمد علی جالندھری پہلے بھی قابل اعتراض تقریریں کرتا رہا ہے۔ اور اس منشا کے احکام جاری کئے گئے تھے کہ اس نے منٹگمری میں جو تقریر کی تھی اس کی بنا پر اس کے خلاف زیر دفعہ 124- الف مقدمہ چلایا جائے۔ میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ کیس اب کس

مرحلے میں ہے"۔
چونکہ اب یہ واضح تھا کہ "ڈائریکٹ ایکشن" کسی وقت بھی عملی صورت اختیار کرے گا۔ اسلئے مسٹر انور علی نے پولیس کے تمام سپرنٹنڈنٹوں اور سی آئی ڈی کے گروپ افسروں کو حکم دے دیا تھا کہ چوکنے رہیں۔ اور صورت حالات کا مطالعہ احتیاط سے کرتے رہیں۔ ان افسروں سے یہ استدعا بھی کی گئی تھی کہ رضاکاروں کی بھرتی کے متعلق معلومات فراہم کریں۔ بعد میں جو اعداد و شمار موصول ہوئے۔ وہ مظہر تھے۔ کہ صوبے بھر میں پچپن ہزار سے زیادہ رضاکار بھرتی ہو چکے ہیں۔
جب وزیراعظم پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صورت حالات روز بروز نازک ہوتی جا رہی ہے۔ اور قانون و انتظام کو جو خطرہ درپیش ہے اس کا مقابلہ کرن کے لئے کچھ تدابیر فوری طور پر اختیار کرنی چاہئیں۔ تو انہوں نے مرکزی کابینہ کا ایک اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پنجاب اور صوبہ سرحد کے نمائندوں کو بھی اس اجلاس میں شامل ہونے کی ہدایت کی گئی۔ چنانچہ یہ اجلاس 26 فروری کی شام کو منعقد ہوا اور اس میں صوبہ سرحد سے خواجہ شہاب الدین گورنر اور خان عبدالقیوم خان وزیراعلیٰ اور پنجاب سے مسٹر محمد حسین چٹھہ وزیر مال۔ مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری۔ اور مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس شامل ہوئے۔ مسٹر آئی ائی چندریگر گورنر پنجاب اور مسٹر ممتاز محمد خان دولتانہ وزیراعلیٰ دونوں اس اجلاس میں مدعو کئے گئے تھے۔ لیکن چونکہ انہیں لاہور میں بعض دوسری مصروفیتیں لاحق تھیں اس لئے وہ کراچی نہ جا سکے۔ لیکن انہوں نے وزیر مال پنجاب اور افسروں کو پوری ہدایات دے دیں۔ اور وہ پرواز کر کے کراچی پہنچ گئے۔ اس اجلاس کے مسائل زیر بحث یہ تھے: ایک تو وہ تین مطالبات جو 22 جنوری 1953ء کو وزیراعظم تک پہنچائے گئے تھے۔ دوسرے وہ خطرہ جو قانون انتظام کو "ڈائریکٹ ایکشن" کے اس پروگرام سے لاحق ہو رہا تھا جو مرکزی مجلس عمل نے تجویز کر رکھا تھا۔ پنجاب کے نمائندوں کو یہ ہدایت کی گئی تھی۔ کہ مرکزی حکومت کو بتا دیں کہ حکومت پنجاب کی رائے میں مطالبات غیر معقول ہیں۔ اور سختی سے ان کی مزاحمت ہونی چاہئے۔ کابینہ کا اجلاس 9 بجے شب تک جاری رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ بعد کی صبح کو دو بجے کابینہ کا ایک اور اجلاس طلب کیا گیا۔ کیونکہ یہ اطلاع موصول ہوئی تھی کہ اسی دن صبح کو رضاکار گورنر جنرل اور وزیراعظم کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کریں گے۔ اس اجلاس میں گورنر سندھ۔ گورنر صوبہ سرحد۔ وزیراعظم صوبہ سرحد چیف کمشنر اور انسپکٹر جنرل پولیس کراچی۔ سیکرٹری وزارت داخلہ اور ڈپٹی چیف آف سٹاف شریک تھے۔ اس میں مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:۔
(1) اس شورش کے تمام نمایاں لیڈر بشمول مولانا اختر علی خاں مالک "زمیندار" گرفتار کر لئے جائیں۔
(2) "آزاد"۔ "زمیندار" اور "الفضل" کی اشاعت روک دی جائے۔
(3) مرزا بشیر الدین محمود احمد کو تنبیہ کی جائے کہ وہ ربوہ سے باہر نہ جائیں نہ کوئی ایسا فعل کریں۔ جس سے ہیجان و اشتعال پیدا ہونے کا احتمال ہو۔
(4) رضاکاروں کو کراچی آنے سے روکا جائے اور ان کے خلاف اسی سٹیشن پر کارروائی کی جائے جہاں سے وہ سوار ہو رہے ہوں۔ ان فیصلوں سے مسلح ہونے کے بعد مسٹر چٹھہ وزیر مال۔ مسٹر غیاث الدین احمد ہوم سیکرٹری اور مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس اسی دن لاہور واپس چلے آئے۔

ابتدائی تدابیر

مجلس عمل پنجاب جس دن سے قائم ہوئی تھی۔ اس نے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ تاکہ اگر حکومت سے تصادم ناگزیر ہو جائے تو بڑے پیمانے پر مقابلہ کیا جا سکے۔ چنانچہ جب 22 جنوری کو وزیراعظم کے سامنے الٹی میٹم پیش کیا گیا۔ اس وقت سول نافرمانی کا سارا ساز و سامان تیار تھا۔ رضاکار۔ سرمایہ۔ مورچے کے مقامات۔ مجالس عمل۔ ڈکٹیٹروں کی فہرست ہر چیز مکمل تھی۔ عوام حکومت اور احمدیوں کی نفرت سے لبریز تھے اور کسی قسم کی نظریاتی مزاحمت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ڈائریکٹ ایکشن شروع کرنے کا اصلی فیصلہ 26 جنوری کی رات کو کراچی میں علماء نے کیا تھا۔ اور آدھی رات کے بعد صبح سے پہلے مرکزی حکومت نے اپنے آپ کو مجبور پایا کہ اس فیصلے کا مقابلہ کرے۔
جب پنجاب کے نمائندے 27 فروری کو لاہور واپس آئے تو انہوں نے اپنی حکومت کو کراچی کے فیصلوں سے آگاہ کیا مسٹر انور علی انسپکٹر جنرل پولیس نے ان فیصلوں اور مرکزی حکومت کی اختیار کردہ پالیسی کو عمل میں لانے کیلئے اپنی تجاویز کا مسودہ تیار کیا۔ یہ تجاویز ایک اجلاس میں پیش ہو کر منظور ہوئیں جس میں چیف منسٹر۔ وزیر مال۔ ہوم سیکرٹری انسپکٹر جنرل پولیس۔ اے ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی اور سپرنٹنڈنٹ پولیس (A) سی آئی ڈی شریک تھے۔ تجاویز حسب ذیل ہیں:۔
"(i) احراریوں کے تمام سرگرم کارکن اور دوسرے افراد جو "ڈائریکٹ ایکشن کی حمایت کے ذمے دار ہیں (بروئے فہرست منسلکہ) آج رات صوبے بھر میں گرفتار کر لئے جائیں۔
(ii) لاہور کے سوا دوسرے اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اپنی صوابدید کے مطابق زیر دفعہ 3 پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ یہ گرفتاریاں کرنی چاہئیں۔ لاہور میں نظربندی کے احکام حکومت پنجاب کے حکم کے ماتحت جاری ہونے چاہئیں۔ بیرونی اضلاع کے افراد کی مزید نظربندیوں کے احکام مناسب وقت کے اندر اندر حکومت کی

طرف سے بھیج دیئے جائیں گے۔

(iii) ذیل کے اخباروں کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے:۔

(الف) 'زمیندار' (ب) 'آزاد' (ج) 'الفضل'

(iv) ہوم سیکرٹری خواجہ نذیر احمد کو جو سول اینڈ ملٹری گزٹ کی پالیسی کے نگران ہیں طلب کر کے یہ سمجھا دیں کہ ان گرفتاریوں پر اظہار مسرت نہ کیا جائے۔ اور آئندہ ایک یا دو ماہ کے دوران میں انتہائی ضبط سے کام لیا جائے۔

(v) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ اصالتاً خلیفہ بشیر الدین محمود کو تنبیہ کر دیں کہ وہ اپنی جماعت کے ممبروں کو خصوصاً اپنی سیکریٹریٹ کے عملے کو ہر قسم کی اشتعال انگیزی سے باز رہنے کی تلقین کریں۔

(vi) جو رضاکار لاہور سے روانہ ہوں ان کے متعلق سندھ پولیس اور کراچی پولیس دونوں کو اطلاع دی جائے تاکہ برسر راہ ان کی گرفتاریوں کا انتظام کیا جا سکے۔

(vii) ہوم سیکرٹری 28 تاریخ کو ایک پریس کانفرنس منعقد کریں۔ جس میں اخباروں کو حکومت کا نقطہ نگاہ سمجھائیں اور ان سے اپیل کریں کہ وہ لوگوں کو صبر و سکون اور ضبط کی تلقین کریں۔

(viii) ایک گشتی مراسلہ تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو بھیجا جائے جس میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اس اقدام کا پس منظر واضح کیا جائے۔ ان افسروں سے یہ بھی کہا جائے کہ وہ معقول و سنجیدہ عناصر کی امداد سے عوام کو قانون و انتظام کی اہمیت کا قائل بنائیں۔"

ہوم سیکرٹری نے مندرجہ ذیل سلکی پیغام فی الفور اضلاع راولپنڈی۔ گجرات۔ سیالکوٹ۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ ملتان۔ سرگودھا اور شیخوپورہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو ارسال کر دیا:۔

"چونکہ احمدیوں کے خلاف شورش بدتر صورت اختیار کر گئی ہے۔ اس لئے ذیل کے اشخاص کو زیر دفعہ 3 پبلک سیفٹی ایکٹ چودہ دن کیلئے گرفتار کر لیجئے۔ مزید نظربندی کے احکام حکومت جاری کریگی اور مناسب وقت کے اندر اندر ارسال کر دیگی۔ آپ دونوں میں سے جو صاحب بھی صدر مقام پر موجود ہوں وہ 27- 28- فروری کی درمیانی رات کو یہ کارروائی کر کے تعمیل کی رپورٹ بھیج دیں۔ چٹھی اس پیغام کے ساتھ بھیجی جا رہی ہے۔ صرف پولیس سپرنٹنڈنٹوں کیلئے:۔ تا احکام ثانی آپ روزانہ ضمنیاں ڈی آئی جی- سی آئی ڈی کو لاسلکی کے ذریعے سے بھیجا کریں- یہ ضمنیاں مختصر ہونی چاہئیں۔ ان میں ہر قسم کی اہم معلومات جو دستیاب ہو سکے درج ہونی چاہئے۔ یہ بھی بتایا جائے کہ حکومت کے اقدام کا عام ردعمل کیا ہے۔ خصوصاً اگر لاہور یا کراچی کو رضاکار بھیجنے یا مقامی طور پر سول نافرمانی کرنے یا اس سلسلے میں سرمایہ فراہم کرنے کی سرگرم کوشش نظر آئے تو اس کی پوری اطلاع دی جائے۔

راولپنڈی:۔ مولوی غلام اللہ خاں خطیب مسجد پرانا قلعہ۔ راولپنڈی

گوجرانوالہ:۔ مولوی محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ شہر

سیالکوٹ: (1) قاضی منظور احمد رنگپورہ سیالکوٹ شہر (2) ولی محمد جرنیل سیالکوٹ شہر

لائل پور: (1) غلام نبی جانباز لائل پور (2) غازی محمد حسین سالار اندلیانوالہ (3) مولوی عبید اللہ لائل پور۔

منٹگمری:۔ (1) مولوی عبیداللہ جامعہ رشیدیہ منٹگمری (2) مولوی لطف اللہ خاں منٹگمری

ملتان: (1) محمد علی جالندھری ملتان (2) قاضی احسان احمد شجاع آباد ضلع ملتان (3) شیخ محمد سعید خانیوال ضلع ملتان

سرگودھا:۔ مولوی عبداللہ۔ سرگودھا۔

شیخوپورہ: قاضی محمد امین۔ شیخوپورہ"۔

ایک اور لاسلکی پیغام کے ذریعے سے اضلاع گجرات۔ جہلم۔ کیمبل پور۔ جھنگ۔ ڈیرہ غازیخاں میانوالی مظفرگڑھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو اطلاع دی گئی کہ دوسرے اضلاع میں احمدیوں کے شورش کے سلسلے میں جماعت احرار کے بعض ممبروں اور بعض غیراحراریوں کی گرفتاری کے احکام صادر کئے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگ چوکنے رہئے اور اگر آپ کے اضلاع میں کوئی اہم واقعہ رونما ہو یا ہونے کی توقع ہو تو فی الفور حکومت کو اطلاع دیجئے۔

ایک "نہایت فوری" "انتہائی مرجح"۔ "خفیہ" روئی پی مرموز تار مورخہ 27 فروری 1953ء مرکزی حکومت کی طرف سے حکومت پنجاب کو موصول ہوا جس میں اول الذکر نے مطالبات کے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا تھا:۔

"2- (i) احمدی ہوں یا پاکستانیوں کا کوئی دوسرا طبقہ ہو اس کو اسکی خواہشات کے خلاف اقلیت قرار نہیں دیا جا سکتا یہ امر حکمت کے وظائف میں داخل نہیں ہے کہ وہ کسی گروہ کو زبردستی اقلیت بن جانے پر مجبور کرے۔

(ii) احمدیوں کو صرف اس بنا پر کہ وہ احمدی ہیں حکومت کے کلیدی عہدوں سے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔ نہ عزت ماب وزیر خارجہ کی برطرفی کا مطالبہ محض اس بنا پر کہ وہ احمدی ہیں قابل توجہ ہو سکتا ہے۔ کسی وزیر کو عہدے سے برطرف کرنے کیلئے ایک آئینی مشینری مہیا ہے۔ جب تک کسی وزیر کو اپنے رفقائے کار کا اور مرکزی اسمبلی میں منتخب نمائندگان جمہور کا اعتماد حاصل رہے اس کو عہدے سے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی وزیر محض اس لئے عہدے سے برطرف نہیں ہو سکتا کہ عوام کا ایک طبقہ "ڈائریکٹ ایکشن" کی دھمکی دے کر اس کی برطرفی کا مطالبہ کر

رہا ہے کوئی سرکاری ملازم خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم حکومت کے کسی ماتحت عہدے سے محض اپنے مذہب کی وجہ سے موقوف نہیں کیا جا سکتا۔

(iii)- مرکزی حکومت پیراگراف 2 کے مطابق کوئی سرکاری اعلان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تاوقتیکہ صورت حالات اس قسم کے اعلان کی متقاضی نہ ہو۔ لیکن صوبائی حکومتوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ فی الفور ان خطوط پر نشر و اشاعت کا وسیع انتظام کریں اور اخبارات کی مناسب راہنمائی کریں۔

(iv) کراچی میں اس شورش کے نمایاں لیڈروں کی گرفتاری کے بعد آج ایک سرکاری اعلان جاری کیا جا رہا ہے یہ ضروری ہے کہ احراریوں کو شورش کے ان حمایوں سے جو سیتا کم جوشیلے ہیں علیحدہ اور منقطع کر دیا جانے اور فی الحال حملے کو احراریوں ہی پر مرتکز کیا جائے۔ سرکاری اعلان میں احراریوں کے متعلق جو طریق اظہار اختیار کیا گیا ہے اس کو تقویت دینے کے لئے احراریوں کی گذشتہ بد افعالیوں اور موجودہ افراق انگیز سرگرمیوں کی پرزور اشاعت کی جائے۔"

مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان میں صراحت کی گئی کہ احمدیوں کے خلاف شورش کو احراریوں نے منظم کیا ہے اور ان کے ماضی سے ظاہر ہے کہ وہ تقسیم پیشتر کانگرس اور ان دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے جو قائداعظم کی اس جدوجہد کے خلاف صف آرا ہو رہی تھیں۔ جو مرحوم نے مسلمانوں کی آزادی کیلئے جاری کر رکھی تھی۔ اس جماعت نے اب تک پاکستان کے قیام کو دل سے گوارا نہیں کیا۔ ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کریں۔ اور پاکستان کے استحکام کے متعلق عوام کے اعتماد کو نقصان پہنچائیں۔ اس شورش کا یہ مقصد بالکل واضح ہے کہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر فرقہ وار اختلاف کی آگ کو بھڑکایا جائے۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کر دیا جائے۔ اب اس شورش کے علمبرداروں نے فیصلہ کیا ہے کہ "ڈائریکٹ ایکشن" کیا جائے اور اسکے ساتھ ہی بڑے پیمانے پر فسادات برپا کرنے کا منصوبہ بھی تیار کر لیا ہے تاکہ اس طریقے سے حکومت ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ کوئی قابل ذکر حکومت ملت کے کسی طبقے کے "ڈائریکٹ ایکشن" سے مرعوب نہیں ہو سکتی۔ حکومت نے عزم مصمم کر لیا ہے کہ اپنے تمام ذرائع و وسائل سے کام لے کر قانون و انتظام کو برقرار رکھے گی۔ اگر امن عامہ میں خلل ڈالا گیا تو قانون اپنا کام کریگا اور اس کو توڑنے والے اس کے نتائج کو بھگتیں گے۔ اس سرکاری اعلان میں جمہور کے تمام طبقوں سے اپیل کی گئی کہ خلاف قانون سرگرمیوں کو ہرگز روا نہ رکھیں۔ اور کوئی ایسا فعل نہ ہونے دیں جس سے پاکستان کی سلامتی یا استواری کو کسی اعتبار سے بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

اس سرکاری اعلان کی نقول چیف سیکرٹری نے 28 فروری 1953ء کو تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور ڈویژنل کمشنروں کے نام ارسال کیں۔ اور ان کو اطلاع دی کہ حکومت نے جماعت احرار کے سرغنوں اور بعض دوسرے اشخاص کو جو اس شورش میں سرگرم حصہ لے رہے تھے گرفتار کرنے کا حکم صادر کیا ہے۔ "آزاد" اور "الفضل" جو علی الترتیب احراریوں اور احمدیوں اور احمدیوں کے جماعتی آرگن ہیں۔ ممنوع الاشاعت قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے اضلاع کی صورت حال پر چوکنے ہو کر نگاہ رکھیں۔ اس مُسلکہ چھٹی میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ مرکزی حکومت کے سرکاری اعلان کی بنیادوں پر حکومت کا نقطہ نگاہ جمہور پر واضح کریں۔ اور اس اپنے اغراض و حقیقت پر خاص زور دیں کہ یہ شورش احراریوں نے صرف اپنے اغراض۔ مقاصد کے لئے برپا کی ہے اور حکومت کے اقدامات کا رخ زیادہ تر انہی کی طرف ہے۔ اس چٹھی میں حکام اضلاع پر حکومت کا یہ منشا بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ کوئی مزید گرفتاریاں نہ کی جائیں تاوقتیکہ مقامی حالات کے ماتحت ایسا اقدام قطعی طور پر ضروری نہ ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اب اتنا وقت نہیں کہ ایسے اقدامات کے لئے پہلے صوبائی حکومت سے مشورہ کیا جائے۔ چونکہ اس امر کا اندیشہ تھا کہ شورش پسند لاہور یا کراچی کو رضاکاروں کے دستے بغرض گرفتاری بھیجنا شروع کریں گے۔ لہٰذا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مندرجہ ذیل فوری تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی:-

"(الف) آپ کو چاہئے کہ رائے عامہ پر اثر ڈالنے اور عام خیالات کو صحیح راستے پر لگانے کی غرض سے اپنے ضلع کے سنجیدہ عناصر کی امداد حاصل کریں۔ ان کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہیے کہ حکومت شہریوں کے جائز مذہبی یا غیرمذہبی حقوق میں کسی اعتبار سے بھی مداخلت یا ممانعت کی خواہاں نہیں۔ لیکن جو لوگ امن عامہ میں خلل ڈالنے یا حکومت کو پریشان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کو حکومت ہرگز بچنے کا موقع نہ دیگی۔

(ب) آپ کو چاہئے کہ اپنے ضلع میں احمدی جماعت کے مقتدر ارکان کو بھی تنبیہ کر دیں کہ وہ ایسی تحریر یا تقریر سے قطعی طور پر اجتناب کریں جس سے صورت حالات کے بدتر ہونے یا دوسرے فرقوں کے اشخاص کے بھڑک اٹھنے کا احتمال ہو۔ ان سے خاص طور پر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ حکومت کے موجودہ اقدامات پر اظہار مسرت سے بھی محترز رہیں کیونکہ ایسے اظہار سے حکومت کے خلاف جانب داری کا غلط احساس پیدا ہو سکتا ہے۔

(ج) پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ روزانہ صورت حالات کی رپورٹ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس سی آئی ڈی کو ارسال کیا کریں۔

اگر اس سلسلے میں کوئی اہم اور غیر معمولی نوعیت کا واقعہ آپ کے علم میں آئے تو ان رپورٹوں کے علاوہ آپ فی الفور پولیس کی لاسلکی یا ٹیلیفون کے ذریعے سے اس کی اطلاع ہوم سیکرٹری کو دیں۔

(د) جب تک صورت حالات کافی حد تک پرسکون نہ ہو جائے۔ آپ کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے صدر مقام ہی پر مقیم رہیں۔"

یکم مارچ 1953ء ہوم سیکرٹری نے (سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کے سوا) تمام پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے سوا) تمام ڈپٹی کمشنروں کو۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس لاہور رینج۔ (لاہور ڈویژن کے سوا) دوسرے ڈویژنل کمشنروں کو اور (لاہور کے سوا) باقی رینجوں کے ڈپٹی انسپکٹر جنرلوں کو حسب ذیل چٹھی بمراد اطلاع ارسال کی:۔

"احرار کی شورش اب یہ شکل اختیار کر رہی ہے کہ بیرونی اضلاع سے رضاکاروں کو 'ڈائریکٹ ایکشن' کے لئے لاہور بھیجا جا رہا ہے۔ حکومت کا منشا یہ ہے کہ اس شورش کو بیرونی اضلاع سے لاہور کی طرف پھیلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ اور اس کو ابتدائی سرچشمے ہی پر دبا دینے کے لئے مقامی اقدام کیا جائے۔ لہٰذا آپ مضبوط اقدام کریں۔ تاکہ رضاکار لاہور نہ آنے پائیں۔ اس امر کو حکومت آپ کے اختیار تمیزی پر چھوڑتی ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق ضروری تدابیر اختیار کریں جن میں زیر دفعہ 144- ضابطہ فوجداری احکام امتناعی صادر کرنا بھی شامل ہے۔ کثیر تعداد میں رضاکاروں کی اکٹھی گرفتاریوں سے حتی الوسع پرہیز کیا جائے۔ سابقہ ہدایت کے مطابق آپ کو چاہیے کہ حکومت کے اقدام کی حمایت میں رائے عامہ پر اثر ڈالنے کے لئے اپنے ضلع کے صحیح الدماغ عناصر کی تائید حاصل کریں۔"

اس چٹھی کی نقول ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کو بغرض "تعمیل حسب بیان" اور ڈی آئی جی لاہور کو "بغرض اطلاع" ارسال کی گئیں۔

اسی دن ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے ایک لاسلکی پیغام نمبر 2563-82/BDSB تمام پولیس سپرنٹنڈنٹوں اور رینج ڈپٹی انسپکٹر جنرلوں کو بھیجا۔ جس میں دوسرے امور کے علاوہ یہ ہدایت بھی کی گئی تھی:۔

"رضاکاروں کو کراچی کی طرف۔ اور ممکن ہو۔ تو لاہور کی طرف بھی روانہ ہونے کی اجازت نہ دی جائے"۔

2 مارچ 1953ء کو ملک حبیب اللہ اے ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے رضاکاروں کے متعلق ذیل کا ہدایت نامہ صادر کیا:۔

"انسپکٹر جنرل پولیس کی ہدایت کے مطابق میں نے گوجرانوالہ۔ راولپنڈی۔ سرگودھا۔ لائل پور۔ منٹگمری اور ملتان کے پولیس سپرنٹنڈنٹوں کو ٹیلیفون پر اطلاع دی ہے کہ رضاکاروں کو کراچی جانے سے روکنے کے لئے افہام تفہیم سے کام لیا جائے۔ لیکن اگر سمجھانا بجھانا بیکار ثابت ہو تو ان کو گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں۔...... تجویز یہ ہے کہ بیرونی اضلاع سے رضاکاروں کے جو دستے لاہور کو آ رہے ہوں ان کو لاہور سے خاصے دور فاصلے پر جہاں ممکن ہو روکا جائے۔ اور وہیں ان کے متعلق ضروری کارروائی کر لی جائے۔ اگر یہ طرز عمل کامیاب ہو گیا۔ تو شہر لاہور میں جلسوں اور جلوسوں کا دباؤ کافی حد تک کم ہو جائے گا۔ گزشتہ دو دن سے راولپنڈی۔ گجرات۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ سرگودھا۔ لائل پور اور منٹگمری کے اضلاع سے کثیر التعداد رضاکار لاہور میں آ رہے ہیں۔ اسی قسم کے انتظامات رضاکاروں کو الگ تھلگ کرنے کی غرض سے لاہور ریلوے سٹیشن پر بھی کئے جائیں گے۔ ٹرین سے سفر کرنے والے رضاکاروں کو کسی درمیانی سٹیشن پر روک لینا شاید ممکن نہ ہو۔"

4 مارچ 1953ء کو ہوم سیکرٹری نے لاسلکی پیغام نمبر 2563-82/ BDSB مورخہ یکم مارچ 1953ء کے تسلسل میں جو ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی نے تمام پولیس سپرنٹنڈنٹوں اور رینج ڈپٹی انسپکٹر جنرلوں کو بھیجا تھا۔ مندرجہ ذیل ہدایات رضاکاروں کے متعلق تمام ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں۔ پولیس سپرنٹنڈنٹوں اور رینج ڈپٹی انسپکٹر جنرلوں کو ارسال کیں:۔

"سب سے پہلے تو رضاکاروں کے دستوں کو کراچی یا لاہور جانے سے باز رکھنے کے لئے نصیحت و ترغیب سے کام لیا جائے۔ لیکن اگر سمجھانے بجھانے کا کوئی نتیجہ نہ نکلے تو پھر مناسب انسدادی کارروائی عمل میں لائی جائے۔"

حصہ سوم

فسادات

(27 فروری کے فسادات کے خاتمے تک)

فسادات کا حال

مجلس عمل کے ممبر 27 فروری کو کراچی میں گرفتار کر لئے گئے۔ تحریک کے جو لیڈر کراچی میں تھے ان کی طرف سے ٹیلیفون پر لاہور میں ہدایات موصول ہو چکی تھیں۔ چنانچہ اس وقت تک رضاکاروں کے چند دستے لاہور سے کراچی کو روانہ ہو چکے تھے۔ جو دستہ 27 فروری کو غازی علم الدین کی سرکردگی میں روانہ ہوا تھا۔ اس کو پنجاب پولیس نے لودھراں ریلوے سٹیشن پر روک کر ٹرین سے اتار لیا۔ باقی دو دستے جن میں سے ایک 25 کو زیر سرکردگی معراج الدین سلار اور دوسرا 26 کو زیر سرکردگی صاحبزادہ فیض الحسن روانہ ہوا تھا کراچی پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور وہاں گرفتار کر لئے گئے۔

26-27 فروری کی درمیانی رات کو کراچی میں جس اقدام کا فیصلہ ہوا تھا اس پر حکومت پنجاب نے عمل کیا۔ اور وہ اشخاص جن کی فہرست انسپکٹر جنرل پولیس نے کراچی سے واپسی پر تیار کی تھی گرفتار کر لئے گئے ان گرفتاریوں سے صوبے بھر میں اور بالخصوص لاہور میں اور سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ راولپنڈی۔ لائل پور اور منٹگمری کے شہروں میں برہمی اور لاقانونی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور لاہور میں بدنظمی اور ابتری کا سیلاب اس قدر قابو سے باہر ہو گیا۔ کہ 6 مارچ کو فوج شہر میں داخل ہو گئی اور مارشل لا کا اعلان کر دیا گیا۔

لاہور

27 فروری 1953ء

کراچی کے فیصلے کی تعمیل میں مولانا اختر علی خان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا۔ لیکن جب پولیس افسر نے جو اس وارنٹ کی تعمیل پر مامور تھا یہ وارنٹ مولانا کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ اگر مجھے گرفتار نہ کیا جائے تو میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ اس شورش سے قطع تعلق کر لوں گا۔ پولیس افسر نے انہیں سول لائنز کے تھانے میں لے گیا۔ وہاں مولانا نے یہ معافی نامہ لکھ کر دے دیا:۔

"میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ تحریک نے اب جو شکل اختیار کی ہے وہ پاکستان کی سالمیت کے لئے نقصان رساں ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر یہ تحریک اس طریقے سے جاری رہی تو پاکستان کے دشمن اس سے ناواجب فائدہ اٹھائیں گے۔ اور ہر پاکستانی ایسی تحریک کو ناپسند کرے گا جس سے پاکستان کی سالمیت تباہ ہو جائے۔ اس تحریک کا موجودہ رجحان ملک میں افتراق اور ابتری پیدا کرنے کا موجب ہو گا۔ اگر خدانخواستہ فسادات بڑھ گئے اور حکومت قوت استعمال کرنے پر مجبور ہو گئی تو یہ امر فریقین کے لئے سخت ذلت کا باعث ہو گا میری رائے میں مسلمان کے خون کا ایک قطرہ پوری کائنات سے بھی زیادہ بیش بہا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس معاملے پر مزید غور کرنا چاہیے۔ تاکہ صورت حالات کو درست کیا جا سکے۔ میرا کوئی تعلق موجودہ "ڈائریکٹ ایکشن" سے نہیں ہے۔ میں نے نہ کبھی تشدد کی حمایت کی ہے نہ میں گورنر جنرل وزیراعظم اور دوسرے اکابر پاکستان کو ملامت و دشنام کا نشانہ بنانے' ان کے جنازوں کے جلوس نکالنے یا ان کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کرنے کا حامی رہا ہوں۔ اس قسم کے افعال کا ارتکاب تو درکنار میری رائے میں ایسے افعال کا تصور بھی کسی صحیح الخیال پاکستانی کے لئے زیبا نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے ملک کے داخلی نظم و نسق کو مستحکم کرنے اور غیر ممالک کی نظروں میں حکومت کی ساکھ اور عزت کو بلند تر کرنے کے لئے ایسے افعال کے ارکاب سے اجتناب کریں۔ جن کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم دنیا کی نگاہوں میں اضحوکہ بن جائیں"۔

اس تحریر کے رو سے مولانا کے نزدیک مسلمان کے خون کا ایک قطرہ پوری کائنات سے زیادہ قیمتی تھا "ڈائریکٹ ایکشن" کے ساتھ مولانا کا کوئی تعلق نہ تھا۔ تحریک نے جو صورت اختیار کر لی تھی وہ پاکستان کے استحکام کے لئے خطرناک تھی۔ مولانا ہر قسم کے تشدد اور بدنظمی کے خلاف تھے۔ وہ ایسی باتوں کو روا رکھنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ وزیراعظم یا دوسرے رہنماؤں کے جنازے نکالے جائیں یا ان کی کوٹھیوں پر پکٹنگ کیا جائے۔ اور وہ ہر اس شے کی مخالف تھے جس سے پاکستان اور اس کے باشندے اضحوکہ روزگار بن جائیں۔ اس ذلت آمیز معافی نامے کی بناء پر مولانا اختر علی خان گرفتار نہ کئے گئے نہ ان کے اخبار "زمیندار" کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تاآنکہ 28 فروری کو اس نے پھر مکروہ رویہ اختیار کیا۔

28 فروری 1953ء

جونہی 27 فروری کو کراچی میں اور 27-28 فروری کی شب کو لاہور میں لیڈروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں لاہور میں دکانیں بند ہو گئیں۔ اور بعض اشخاص کی ٹولیاں غیر رضامند دکانداروں کو دکانیں بند کرنے پر مجبور کرنے کے لئے بازاروں میں چکر کاٹنے لگیں تیسرے پہر باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جہاں گرفتاری کے لئے تیار

ہوئے والے بعض رضا کاروں کو ہار پہنائے گئے۔ اور ان کا جلوس نکالا گیا جو سول سیکرٹیریٹ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستے میں ہجوم نے اپنا ارادہ بدل لیا اور گورنمنٹ ہاؤس پہنچنے کے لئے مال روڈ پر چل دیا۔ ہجوم کی تعداد پانچ اور چھ ہزار کے درمیان تھی اور اس کا رجحان بظاہر تشدد کی طرف نہ تھا شرکائے جلوس صرف حکومت کے خلاف پولیس کے خلاف اور احمدیوں کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ چیرنگ کراس کے قریب جلوس کو روکا گیا اور اس کو منتشر ہونے کی ہدایت دی گئی۔ اس وقت وہاں کمشنر۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس پہنچ چکے تھے۔ ہار پہنے ہوئے رضا کاروں نے باہر نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ لیکن ان سے کہا گیا کہ عام جلسوں اور جلوسوں پر چونکہ کوئی پابندی نہیں۔ اور انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس لئے وہ گرفتار نہیں کئے جا سکتے تاہم رضا کاروں نے گرفتاری پر اصرار کیا۔ اس پر ٹریفک کے لئے سڑک صاف کرنے کی غرض سے زیر دفعہ 107/151 ضابطہ فوجداری چونتیس اشخاص گرفتار کر لئے گئے۔ ان کو ٹرک میں بٹھایا گیا اور شہر سے کچھ فاصلے پر لے جا کر چھوڑ دیا گیا اس کے بعد ہجوم منتشر ہو کر مختلف اطراف کو روانہ ہو گیا۔ اس سے کچھ دیر بعد کمشنر۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس سول لائنز کے تھانے میں جمع ہوئے۔ اور انہوں نے صورت حالات پر گفتگو کرنے کے بعد عام جلسوں اور جلوسوں کو ممنوع قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

یکم مارچ

یہ جلوسوں اور گرفتاریوں کا دن تھا۔

مولانا اختر علی خان کے معافی مانگ لینے کی خبر شہر بھر میں پھیل گئی۔ عوام غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے میکلوڈ روڈ پر مولانا کے مکان کو گھیر لیا۔ پولیس کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا ور جب مولانا کے بیٹے نے ہجوم کو یقین دلایا کہ مولانا اپنے گاؤں کرم آباد (ضلع گوجرانوالہ) میں ہیں تو ہجوم منتشر ہو گیا۔ تقریباً اسی وقت مولانا احمد علی نے دہلی دروازے کے باہر ایک بڑا جلوس مرتب کیا یہاں ہجوم تشدد پر آمادہ معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے خشت باری کر کے پولیس کی ایک گاڑی کو نقصان پہنچایا مولانا احمد علی زیر دفعہ 3 پبلک سیفٹی ایکٹ گرفتار کر لئے گئے۔ اور بتیس دیگر اشخاص کی گرفتاری زیر دفعہ 107/151 ضابطہ فوجداری عمل میں آئی۔ ایک اور جلوس ہائی کورٹ کی عمارت کے نزدیک نمودار ہوا جو گورنمنٹ ہاؤس کی طرف جانا چاہتا تھا۔ یہ جلوس روک دیا گیا۔ اور ایڈیشنل سپرنٹنڈنٹ پولیس نے 29 اشخاص کو گرفتار کر لیا۔ اسی افسر نے مال روڈ پر ایک اور جلوس کا سامنا کیا۔ اور 23 مزید اشخاص کو گرفتار کیا۔ تیسرے پہر ایک بڑا جلوس دہلی دروازے سے گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔ جس کو چیرنگ کراس کے قریب روکا گیا۔ اس وقت کمشنر۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ موجود تھے۔ بہت سے لوگوں نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ وہ ٹرکوں میں سوار کرائے گئے۔ اور یوم گزشتہ کی طرح لاہور سے کچھ فیصلہ پر لے جا کر اتار دیئے گئے۔ اس کے بعد ہجوم تشدد کے کوئی آثار ظاہر کئے بغیر منتشر ہو گیا۔

2 مارچ

معلوم ہوتا ہے کہ جب بعض لوگوں نے سنا کہ مولانا اختر علی خاں نے معافی مانگ لی ہے اور اب کرم آباد جا کر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو چکے ہیں تو بعض مقامی آدمی ان کے پاس وہاں گئے اور انہیں بزدلی کا طعنہ دیا۔ مولانا نے الزام کی صحت سے انکار کیا۔ اور یکم مارچ کی شام کو یا 2 مارچ کی صبح کو لاہور پہنچ گئے انہوں نے وزیر خان کی مسجد میں جا کر لوگوں پر اپنا موقف واضح کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ میں اس تحریک کا اسی طرح وفادار ہوں۔ جیسے پہلے تھا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ میں تیسرے پہر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دوں گا چنانچہ شام کے وقت دس ہزار کا ایک جلوس مسجد سے نکلا۔ یہ ہجوم نہایت تند اور سرکش تھا یہ جلوس چیرنگ کراس پر روکا گیا۔ جہاں کمشنر۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈی آئی جی پولیس اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس موجود تھے۔ یہ مجمع خلاف قانون قرار دیا گیا۔ مولانا اور بعض دوسرے اشخاص گرفتار کر لئے گئے۔ اور ایک ایسی جگہ جمع کئے گئے جس کے گرد پولیس نے حلقہ باندھ لیا تھا۔ دفعتاً" کوئی ایک ہزار اشخاص کے ہجوم نے اینٹوں۔ ڈبوں۔ بوتلوں اور دوسری چیزوں سے پولیس کے حلقے پر حملہ کیا۔ اس حملے میں گیارہ پولیس افسر جن میں دو سپرنٹنڈنٹ پولیس یعنی مسٹر ذوالقرنین خاں اور مسٹر ٹیلر بھی تھے مجروح ہو گئے۔ اور ہجوم پر لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ مولانا جیل پہنچا دیئے گئے اور اکتالیس اشخاص حملے اور بلوے کی بناء پر گرفتار کر لئے گئے جو اشخاص اس سے پہلے مولانا اختر علی خان کے ساتھ گرفتار کئے گئے تھے ان کو حسب معمول لاہور سے دور لے جا کر چھوڑ دیا گیا اس پر ہجوم منتشر ہو گیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو کمشنر۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی نے سول لائنز کے تھانے میں اپنی کانفرنس منعقد کی۔ چونکہ صورت حالات نہایت تیزی سے بدتر ہو رہی تھی اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ جنرل آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن کو اطلاع دی جائے اور استدعا کی جائے کہ وہ فوج کو لے کر آئیں۔ اور سول حکام کی امداد کے لئے موجود رہیں۔ جنرل آفیسر

کمانڈنگ خود تو نہ آئے لیکن انہوں نے اپنے جی ایس او آئی (لیفٹیننٹ کرنل شیریں خاں) اور دوسرے افسروں کو بھیجا۔ جنہوں نے یہ سمجھایا کہ اگر فوجی امداد کی ضرورت ہے تو اس کے لئے صوبائی حکومت کی طرف سے مطالبہ ضروری ہے۔ اس پر کچھ بحث ہو گئی۔ سول کے حکام کا دعویٰ تھا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ حکومت کو کسی قسم کی اطلاع دیئے بغیر یہ اختیار رکھتے ہیں کہ فوج سے امداد طلب کریں۔ لیکن فوجی افسر اسی موقف پر ڈٹے ہوئے تھے کہ اس معاملے میں چونکہ فوج کے مصارف کا سوال بھی شامل تھے۔ اس لئے فوجی امداد کا مطالبہ رسماً" صوبائی حکومت کی طرف سے آنا چاہیے۔ بحث کے دوران میں انسپکٹر جنرل پولیس نے کہا کہ میں حکومت پنجاب کی طرف سے تحریری مطالبہ پیش کئے دیتا ہوں۔ لہٰذا ایک چٹھی کا مسودہ تیار کیا گیا جو ہوم سیکرٹری نے فوجی افسروں کے حوالے کر دیا چٹھی میں یہ لکھا تھا۔ کہ لاہور میں چونکہ سخت فساد کے پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے اور یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ شاید سول حکام اس صورت حالات کا کامیاب مقابلہ نہ کر سکیں۔ لہٰذا حکومت پنجاب نے ہوم سیکرٹری کو ہدایت کی ہے کہ وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو اس بدنظمی کے سدباب اور سرکوبی میں مدد دینے کے لئے فوجی امداد طلب کریں۔ اس تحریری مطالبہ میں یہ امور درج نہ کئے گئے کہ فوج کی کتنی تعداد مطلوب ہے۔ کتنی مدت تک اس کی ضرورت ہو گی اور اس کی ڈیوٹیاں کس طریق پر لگائی جائیں گی۔ اور کہا گیا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مناسب وقت کے اندر ان امور سے جی او سی صاحب کو مطلع کر دیں گے۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری ایک حکم صادر کر کے لاہور کارپوریشن کے مخصوص حصوں میں جلوسوں کا نکالنا ممنوع قرار دیا جائے۔ اسی شام کو چیف منسٹر کے مکان پر کابینہ کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں چیف سیکرٹری اور وہ سب افسر بھی شامل ہوئے جو سول لائنز کے تھانے میں اجلاس کر چکے تھے۔ سول لائنز کے تھانے میں جو فیصلے کئے گئے تھے ان کو کابینہ نے منظور کر لیا۔ اور آدھی رات سے کچھ بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری ایک حکم صادر کیا کہ لاہور شہر کی کارپوریشن کے حدود کے اندر پانچ یا پانچ سے زیادہ آدمیوں کا اجتماع ممنوع ہے۔ وہ رقبہ اس سے مستثنیٰ رکھا گیا جس کے گرد سرکلر روڈ واقع ہے۔

3 مارچ

اس دن نسبتاً خاموشی رہی۔ کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔ فوج جناح گارڈن میں پہنچ گئی۔ اور اس نے صبح کو سول لائنز اور کارپوریشن کے رقبہ شہر میں گشت لگانا شروع کیا۔ اندرون فصیل کا شہر مستثنیٰ رکھا گیا۔ بارڈر پولیس بھی حرکت میں آ گئی تھی۔ بعض غیر اہم سے جلوس اندرون فصیل اور بعض ایسے رقبوں میں بھی نکالے گئے۔ جو حکم زیر دفعہ 144 میں آتے تھے۔ انارکلی میں اکتیس آدمی دفعہ 144 کے احکام کو توڑنے کی وجہ سے گرفتار کئے گئے۔ اور ایک پرشور و سرکش جلوس جو نیلا گنبد سے مال روڈ کی طرف آ رہا تھا ٹالنٹن مارکیٹ کے قریب لاٹھی چارج سے منتشر کیا گیا جس کا حکم مسٹر ایم اے کے چوہدری اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے دیا تھا۔ دو اور ہجوم بھی روکے گئے۔ اور ان کو انسپکٹر جنرل پولیس نے خود ایک پولیس کے دستے سے لاٹھی چارج کرا کر منتشر کر دیا۔ اس دن صرف ایک ہی سنگین واقعہ ہوا۔ کوئی ایک سو آدمیوں کا ہجوم میکلوڈ روڈ سے منٹگمری روڈ کے راستے چیرنگ کراس کی طرف بڑھ رہا تھا اس ہجوم نے پولیس کی ایک پارٹی پر پتھر برسائے۔ جو زیر سرکردگی آغا سلطان احمد انسپکٹر نولکھا مامور تھی پولیس نے ہجوم پر تین راؤنڈ چلائے جن سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔

شام کو یہ دیکھا گیا کہ فوج نے گشت کرنا بند کر دیا ہے۔

4 مارچ:۔ اس دن کابینہ کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں چیف سیکرٹری۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس بھی شریک ہوئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک تقریر کی رپورٹ پڑھ کر سنائی جو شب گذشتہ مولانا عبدالستار خان نیازی نے مسجد وزیر خاں میں کی تھی۔ یہ تقریر سخت اشتعال انگیز تھی اور مقرر کی گرفتاری کے لئے ہوم سیکرٹری نے زیر دفعہ 3 پبلک سیفٹی ایکٹ ایک حکم صادر کیا تھا۔ لیکن اس کی تعمیل نہ ہو سکی تھی کیونکہ جس مسجد میں نیازی نے اپنے آپ کو مسند نشین کر رکھا تھا۔ وہ شورش پسندوں کا ایک مضبوط گڑھ بن چکی تھی جس میں داخلہ محال تھا۔

فوج نے بظاہر ہیڈ کوارٹر کے احکام کے ماتحت گشت لگانا بند کر دیا تھا۔ بلکہ ایک یا دو کمپنیاں جناح گارڈن سے واپس چھاونی بھی چلی گئی تھیں۔ بہت سے جلوس نکالے گئے اور منتشر کئے گئے۔ ان میں سے ایک جلوس نے احمدیہ بلڈنگز کا محاصرہ کر لیا۔ جس کو اسسٹنٹ سب انسپکٹر محمد اکرم نے ہلکے لاٹھی چارج سے منتشر کر دیا۔ اب ٹرینوں سے اور لاریوں سے رضاکاروں کے بے شمار دستے لاہور میں داخل ہو رہے تھے۔ سرگودھا کے رضاکاروں کے ایک دستے کو سب انسپکٹر محمد حامد نے نولکھا تھانہ کے قریب منتشر کیا۔ برانڈرتھ روڈ پر ایک سو دس رضاکاروں کے ایک اور دستے نے سید حسنات احمد سٹی مجسٹریٹ۔ ملک خان بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کا سامنا کیا۔ رضاکاروں نے منتشر ہونے سے انکار کیا اور چوک دال گراں پہنچے۔ جہاں ان پر اشک آور گیس چھوڑی گئی۔ وہ پھر بھی منتشر نہ ہوئے اور زمین پر بیٹھ گئے۔ جب لاٹھی چارج بھی غیر موثر ثابت ہوا تو پولیس والوں نے ان کو ایک ایک کر کے اٹھایا۔ ٹرکوں میں ڈالا اور لے گئے۔ اور واقعہ کے متعلق

غلط افواہیں فورا پھیلنے لگیں۔ ظاہر کیا گیا کہ پولیس نے رضاکاروں کو منتشر کرتے ہوئے قرآن مجید کی توہین کی۔ اس کو ٹھوکریں لگائیں۔ اس کے اوراق پھاڑ دیئے۔ اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو ہلاک کر دیا۔ دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا جس میں ایک لڑکا پیش کیا گیا۔ جو اپنے ہاتھ میں قرآن مجید کے چند پھٹے ہوئے اوراق لئے ہوئے تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں کلام الٰہی کی اس توہین کا عینی گواہ ہوں۔ ایک مولوی (غالبا مولوی محمد یوسف) نے یہ اوراق ہاتھ میں لے کر حاضرین کو دکھائے اور ایک نہایت پر تشدد تقریر کی جس سے غصے میں بھرا ہوا مجمع اور بھی زیادہ غضبناک ہو گیا۔ واقعہ کی یہ بناوٹی کہانی ہر جگہ جوش میں بھرے ہوئے لوگوں کا موضوع گفتگو بن گئی۔ اور چند گھنٹوں کے اندر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی جس سے پولیس کے خلاف غیظ و نفرت کے جذبات برانگیختہ ہو گئے۔

ہم نے دال گراں کے واقعہ کا مذکورہ حال تحریری بیانات اور افسروں کی شہادت سے اخذ کیا ہے لیکن اس کے متعلق احراریوں اور مجلس عمل والوں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ قطعاً" مختلف ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ اس واقعہ کے دوران میں ایک پولیس افسر نے قرآن کو ٹھوکر ماری۔ اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو زد و کوب کر کے مار ڈالا۔ اس قول کی تائید میں محمد نذیر گواہ نمبر 32 محمد حنیف گواہ نمبر 33 شیخ محمد رفیق گواہ نمبر 34 اور سراج دین گواہ نمبر 37 نے بیان دیئے ہیں۔ عدالت نے سید حسنات احمد سٹی مجسٹریٹ اور ملک خان بہادر خان سپرنٹنڈنٹ پولیس (پنجاب کنسٹیبلری) کی شہادت بھی قلمبند کی ہے جو موقع پر موجود تھے۔ غیر سرکاری گواہوں کا بیان ہے کہ رضاکاروں کا ایک دستہ چوک دال گراں کی طرف سے ریلوے سٹیشن کی طرف آ رہا تھا کہ پولیس نے اس کو روکا۔ رضاکاروں سے منتشر ہونے کے لئے کہا لیکن وہ بیٹھ گئے اور جب انہیں پاس کھڑے ہوئے ٹرکوں کی طرف لے جانے کی کوشش کی گئی۔ تو وہ زمین پر لیٹ گئے۔ اور انہیں گھسیٹ کر لے جانا پڑا۔ جو لوگ اس طرح گھسیٹے گئے ان میں ایک بوڑھا آدمی بھی تھا جس کے پاس ایک حمائل تھی۔ جب وہ گھسیٹا جا رہا تھا تو حمائل گر پڑی اور ایک پست قامت پولیس افسر نے جس کے گلے میں "کلھر" تھا اس کو ٹھوکر ماری۔ اس معاملے کے متعلق گواہوں میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حمائل ٹھکرا کر نالی میں پھینک دی گئی یا وہیں زمین پر پڑی رہی اور آیا وہ جزدان میں ملفوف تھی۔ یا بغیر جزدان کے تھی جو شخص یہ حمائل پہنے ہوئے تھا۔ وہ طلب نہیں کیا گیا۔ نہ اس شخص کا کوئی اتا پتا دیا گیا ہے اور نہ اس لڑکے کے متعلق کوئی تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان پولیس آفیسر خواہ وہ کتنا ہی لامذہب کیوں نہ ہو۔ کتاب اللہ کو ٹھوکر مار سکتا ہے اور اس شدید ترین کافرانہ حرکت کا مجرم بن سکتا ہے۔ ہمارے سامنے بحث میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کتاب اللہ نادانستگی کی حالت میں پامال کر دی گئی ہو۔ سید حسنات احمد اور ملک خان بہادر خان دونوں نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا ہے اور چونکہ اس بارے میں غیر سرکاری شہادت مایوس کن حد تک ناکافی اور قلیل ہے۔ اس لئے ہم قبول نہیں کر سکتے۔ کہ کسی نے قرآن مجید کو ٹھوکر ماری تھی یا کسی لڑکے کو مار مار کے ہلاک کر دیا تھا۔ اس لئے شورش پسندوں نے حکام کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے جو دوسری چالیں اختیار کیں وہ حسب ذیل تھیں:۔

(1) اس مضمون کے اشتہار شائع کئے گئے۔ کہ جھنگ اور سرگودھا میں ایک ہزار سے زیادہ اشخاص گولیاں مار مار کر ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس دن ان مقامات پر ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔

(2) یہ افواہ پھیلائی گئی کہ احمدی موٹرکاروں میں سوار ہو کر اندھا دھند لوگوں پر گولیاں چلا رہے ہیں۔

(3) مسجد وزیر خان سے یہ اعلان کیا گیا کہ سرکاری ملازموں نے دفتروں میں ہڑتال کر دی ہے اور تحریک میں شامل ہو گئے ہیں۔

(4) یہ خبریں پھیلائی گئیں کہ ضلع کی پولیس نے گولی چلانے سے انکار کر دیا ہے اور اب صرف بارڈر پولیس اور کنسٹیبلری پولیس گولیاں چلا رہی ہے۔

یہ بیان کہ بعض احمدی فوجی وردیاں پہنے ایک جیپ میں سوار ہو کر لوگوں کو اندھا دھند گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ہمارے سامنے موضوع ثبوت بنایا گیا۔ اور اس کی تائید میں متعدد گواہ پیش کئے گئے۔ اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پراسرار گاڑی میں بعض نامعلوم آدمی اس دن شہر میں گھومتے رہے لیکن ہمارے سامنے اس امر کی کوئی شہادت نہیں کہ اس گاڑی میں احمدی سوار تھے یا وہ گاڑی کسی احمدی کی ملکیت تھی۔

ساڑھے چار بجے شام دہلی دروازے کے باہر ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس کے حاضرین کی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی۔ اس جلسے میں بھی یہ بیان کیا گیا کہ چوک دال گراں میں، پولیس نے ایک لڑکے کو گولی مار دی ہے اور قرآن مجید کو پامال کیا ہے۔ جلسے کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا۔ جو مسجد وزیر خان کی طرف روانہ ہوا۔ منظور الحق اور محمد صادق اسسٹنٹ سب انسپکٹروں نے مسجد کے قریب اس ہجوم کو روکا۔ سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ٹیلیفون پر اطلاع ملی کہ لوگ ان اسسٹنٹ سب انسپکٹروں کو اٹھا کر مسجد میں لے گئے ہیں اور یہ دونوں ہلاک کر دیئے گئے ہیں یا عنقریب کئے جانے والے ہیں۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ایک مسلح ریزرو دستہ زیر سرکردگی سب انسپکٹر مظفر خان (تھانہ

کوتوالی ساتھ لیا اور مسجد کی طرف چل دیئے۔ مسجد کے عین باہر ان کا سامنا ایک غضبناک ہجوم سے ہوا۔ جب ڈی ایس پی نے پوچھا کہ وہ دو پولیس افسر کہاں ہیں۔ تو ان کو بلوائیوں نے گھیر لیا اور ان پر چھروں اور لاٹھیوں سے حملہ کر کے وہیں ہلاک کر دیا۔ سید فردوس شاہ کے جسم پر باون زخموں کے نشان تھے۔ ان کا ریوالور اور ان کے ساتھی پولیس مینوں کی دو بندوقیں چھین لی گئیں۔ اور سب انسپکٹر مظفر خان زخمی ہو گیا ڈی ایس پی کی نعش کو کسی نے کوتوالی پہنچا دیا۔ جہاں ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس موجود تھے۔ کرنل عالم آفیسر کمانڈنگ فرسٹ بلوچ رجمنٹ بھی بعض دوسرے افسروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ اور بعد میں جنرل آفیسر کمانڈنگ بھی ان سے آن ملے۔ جس وقت یہ افسر صورت حالات پر غور کر رہے تھے تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بتایا۔ کہ ڈی ایس پی کے قتل کی خبر سن کر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ شہر کو فوج کے حوالے کر دوں۔ اور اس کے بعد انہوں نے فوجی افسروں پر اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے اس اقدام کو پسند نہ کیا اور کہا کہ اس مرحلے پر شہر کو فوج کے حوالے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ انتظام کو سچ مچ فوج کے حوالے کر دیتے تو ہم ان کے اس فعل کو معقول اور دانش مندانہ خیال کرتے۔ لیکن یہ صاحب خود ہی اس امر کی نیک نامی لینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے سامنے شہادت دیتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے تو فوج کے حوالے کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔

جو افسر اس وقت موجود تھے انہوں نے کرفیو عائد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس کے متعلق حکم نافذ کر دیا۔ پولیس نے شہر میں گشت کی۔ اس کا سابقہ کئی مجمعوں سے پڑا۔ جن کو اس نے گولی چلا کر منتشر کر دیا۔ اسی طرح ایک ہجوم جو کرفیو کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا تھا بھاٹی دروازے کے قریب ملا اور چند گولیاں چلانے سے منتشر ہو گیا۔ نولکھا بازار میں بھی ایک مجمع کرفیو کو توڑنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل آیا تھا۔ اس پر بھی گولی چلائی گئی۔ احراری رضاکاروں کا ایک ہجوم جو دفتر احرار کے قریب سرکلر روڈ پر جمع ہو گیا تھا کوتوالی کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ اس کو ضروری تنبیہ کی گئی۔ اور پھر اس پر گولی چلائی گئی۔ جس سے ایک شخص ہلاک اور ایک مجروح ہوا۔ ایک ہجوم کو چوہدری محمد حسین سپرنٹنڈنٹ پولیس نے میکلوڈ روڈ پر رائفل فائر سے منتشر کیا۔ جس سے کچھ جانی نقصانات ہوئے۔ نسبت روڈ پر انسپکٹر آغا سلطان احمد نے چار راؤنڈ چلائے۔ سب انسپکٹر نے گوالمنڈی میں دو دفعہ گولی چلائی جو انسپکٹر جنرل نے ایک مجمع پر گولی چلوائی۔ جو کوتوالی کی طرف بڑھ رہا تھا اس میں کچھ جانی نقصانات ہوئے۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس چوکی موچی دروازہ نے ان بلوائیوں پر گولی چلائی۔ جو پولیس چوکی پر خشت باری کر رہے تھے غرض پورا شہر شور و غوغا کا ایک ہنگامہ زار بنا ہوا تھا۔ رات بھر دور دور تک مہیب و ہولناک شور کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

آدھی رات سے کچھ بعد چیف منسٹر کی کوٹھی پر ایک اجلاس ہوا جس میں ہوم سکرٹری انسپکٹر جنرل پولیس ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس جنرل آفیسر کمانڈنگ اور بعض دوسرے فوجی افسر شریک تھے یہ اجلاس تین بجے تب تک جاری رہا۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے جنرل آفیسر کمانڈنگ کو بتایا کہ کون کون سے واقعات ہو چکے ہیں۔ اور کن کن حوادث کا اندیشہ ہے تاکہ اس امر کا فیصلہ کیا جا سکے کہ فوج سے کیونکہ موثر کام لیا جا سکتا ہے۔

5 مارچ: جو واقعات سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے قتل کے بعد رونما ہوئے اور ہولناک شور کی جو آوازیں 4 مارچ کو رات کو سنی گئیں۔ آئندہ صبح کے منحوس حوادث کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں اگرچہ ہر شخص انداز لگا رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ کسی کے تصور میں بھی نہ آیا تھا۔ اول یہ امر کہ حکم زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری جس کے رو سے لوگوں کا اجتماع ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس کا اطلاق اندرون فصیل کے شہر پر نہ ہوتا تھا دوم یہ امر کہ کوئی ذمہ دار افسر مسجد وزیر خان تک نہیں جا سکتا تھا جہاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس قتل کر دیا گیا تھا۔ ان دونوں امور سے گویا اس حقیقت کا اعتراف کر لیا گیا تھا۔ کہ شہر ان حکام کی رسائی سے باہر ہو چکا ہے جو امن و نظم کے قیام کے ذمہ دار تھے۔

5 مارچ کی صبح کو نو بجے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے معززین شہر کا ایک اجلاس طلب کیا۔ تاکہ ان کو یہ ترغیب دی جائے کہ وہ عوام کو پرامن رہنے کی تلقین کریں۔ اور ان پر اپنے ذاتی اثر سے دباؤ ڈالیں۔ لیکن کسی نے اس راہ عمل پر گامزن ہونے کی ہامی نہ بھری۔ اور صرف چند عورتیں مسجد وزیر خان میں جانے کے لئے آمادہ ہوئی جتنا دن چڑھتا گیا۔ حادثے پر حادثہ رونما ہوتا گیا۔ پولیس اور احمدیوں پر حملے کئے گئے۔ اور حکومت یا احمدیوں کے اموال و جائداد کو آگ لگانے اور لوٹنے کا ہنگامہ جاری رہا۔ زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری جو حکم صادر کیا گیا تھا کہ پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص ایک جگہ جمع نہ ہوں۔ وہ شہر بھر میں توڑ دیا گیا تھا۔ ہجوم ہر جگہ جمع ہو رہے تھے۔ لوگ ان لوگوں کو گالیاں اور دھمکیاں دے رہے تھے جو گاڑیوں میں سوار نظر آتے تھے۔ بعض حالات میں ان لوگوں کو گھسیٹ کر سواریوں سے اتار دیا گیا۔ باغبانپورہ کا ایک احمدی مدرس منظور احمد چھرے کی ضرب سے ہلاک کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد قتل۔ لوٹ اور آتش زنی کے مزید واقعات ہوئے۔ حکومت کی بعض اومنی بسیں بالکل جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔ اور دو ڈاک خانے پہلے لوٹے گئے۔ اور پھر جلا دیئے گئے۔ پولیس کی ایک گاڑی کو آگ لگا دی گئی اور چھ اور

گاڑیاں توڑ پھوڑ دی گئیں۔ بہت سے پرائیویٹ کاروباری مرکز بھی لوٹ لئے گئے۔ پولیس کا ایک دستہ چند نعشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے میو ہسپتال لے جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک ہجوم آن پہنچ جس نے ان نعشوں کو چھیننے کی کوشش کی تاکہ عوام کے سامنے ان کا مظاہرہ کیا جا سکے۔ اس کش مکش میں دو کانسٹیبل مجروح ہو گئے۔ کئی مقامات پر پولیس پر خشت باری کی گئی۔ اور دو جگہ اس پر گولی بھی چلائی گئی۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل گولی سے زخمی ہوا۔لوہاری دروازے کے باہر فوج کے ایک گشتی دستے پر بھی اینٹیں پھینکی گئیں۔ چنانچہ اس دستے کو بھی گولی چلانی پڑی۔ پولیس کو دن بھر میں کئی مقامات پر گولی چلانی پڑی۔ سکریٹریٹ اور دوسرے کئی دفتروں کے کلرکوں نے کام چھوڑ دیا۔ اور باہر نکل آئے۔ اسلامیہ کالج کے طالب علم بھی کلاسیں چھوڑ کر دیال سنگھ کالج کو روانہ ہو گئے۔ اور اس کالج کے طالب علموں کو اپنے میں شامل ہونے پر آمادہ کر لیا۔ انہوں نے خشت باری کر کے دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے۔ اور پرنسپل کی موٹر کار کو بھی توڑ پھوڑ دیا۔ دیال سنگھ کالج سے وہ یونیورسٹی ہال پہنچے اور وہاں سے گورنمنٹ کالج جا نکلے۔ ان کو بزور منتشر کرنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ کیونکہ پولیس طلبہ سے تصادم پیدا کرنے پر آمادہ معلوم نہ ہوتی تھی۔

سائیکلوسٹائل سے چھاپے ہوئے اشتہار دیواروں پر چسپاں کئے گئے۔ جن میں پولیس کے آدمیوں سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہتھیار ڈال دیں۔ کیونکہ حکومت کے خلاف جدوجہد ایک "جہاد" ہے جس میں کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان پر گولی نہ چلانی چاہئے۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کرفیو لگا کر حکم دیا کہ 5 اور 6 مارچ کی درمیانی شب کو ساڑھے تین بجے شام سے چھ بجے صبح تک اور 6 سے 11 مارچ تک 6 بجے شام سے 6 بجے صبح تک کوئی شخص کسی سڑک۔ بازار۔ گلی۔ چھوٹی گلی عام یا کسی پبلک مقام پر باہر نہ نکلے۔ اس حکم کا اطلاق پورے شہر پر ہوتا تھا۔ صرف سول لائنز کا ایک حصہ مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اس رقبے کے اندر کسی پبلک مقام پر پانچ یا پانچ سے زیادہ اشخاص کا اجتماع اور دن اور رات کے کسی حصے میں بھی اسلحہ اٹھا کر چلنا بھی دو مہینے کے لئے ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

صبح کو گورنر نے کابینہ کا ایک اجلاس منعقد کیا۔ جس میں چیف سیکرٹری ہوم سیکرٹری جنرل آفیسر کمانڈنگ دہم ڈویژن بعض سٹاف افسر۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی طلب کئے گئے۔ اس جلسے میں جو وزرا و حکام شریک ہوئے۔ ان سے گورنر نے کہا کہ قوت کا استعمال نہایت مضبوطی سے کرو۔ کیونکہ میرا بمبئی کا تجربہ یہی ہے کہ اگر فساد کے اولین مرحلوں پر بلوائی کثیر تعداد میں ہلاک کر دیئے جائیں تو بلوہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اس اجلاس میں طویل بحث مباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:۔

(1) چونکہ لاہور کی صورت حالات بدتر ہو چکی ہے۔ اور شہر بھر میں عام ہنگامہ برپا ہے۔ اس لئے اولاً پولیس کو چاہئے کہ فسادات کو فرد کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ جتنی قوت کا استعمال ضروری ہو۔ اس سے کام لے کر شدید اقدام کرے۔ پولیس کے گشتی دستوں کی امداد کے لئے فوجی دستے بھی مامور ہوں گے۔ جو اپنے کمانڈروں کے ماتحت رہیں گے۔

(2) اگر پولیس کسی خاص حصہ شہر کی حالت پر قابو پانے سے عاجز ہو۔ تو جو سینئر پولیس افسر وہاں موجود ہو اس کو چاہئے کہ اس حصے کی صورت حالات کا انتظام اپنے ساتھ کے فوجی کمانڈر کے حوالے کر دے۔

(3) اگر مندرجہ بالا تدابیر قانون و انتظام کی بحالی میں ناکام رہیں اور پولیس فوج کی اس جزوی امداد سے بھی عام صورت حالات پر قابو نہ پا سکے۔ تو فوج سے کہا جائے گا کہ شہر کا چارج لے لے۔

(4) پولیس کے حوصلوں کو بلند رکھنے کی ہر تدبیر عمل میں لائی جائے۔ پولیس کے آدمیوں کو بتا دیا جائے کہ جو لوگ بہادری کا ثبوت دیں گے۔ اور اپنے فرائض کو امتیاز اور دیانتداری سے انجام دیں گے۔ ان کو مناسب انعامات دیئے جائیں گے ان کو یہ بھی بتا دیا جائے اگر ادائے فرض کے دوران میں کوئی جانی نقصان ہو گیا تو وارث کو کافی معاوضہ عطا کیا جائے گا۔ سید فردوس شاہ مرحوم کے وارثوں کو حکومت کسی کالونی کے ضلع میں دو مربع اراضی عطا کرے گی۔

(5) جہاں تک ممکن ہو طالب علموں کو بلوائیوں سے الگ رکھنے کی کوشش کی جائے۔

(6) ہز ایکسی لینسی گورنر آج تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندہ معزز شہریوں سے خطاب کریں گے۔ کہ وہ شہر میں عقل و ہوش کو بحال کرنے میں اپنے اثر کو استعمال کریں۔

چیف سیکرٹری سے کہا گیا کہ وہ ایک بیان کا مسودہ تیار کریں جو ان معزز شہریوں کے دستخطوں سے جاری کیا جائے۔ جو آج سہ پہر کے وقت مدعو کئے گئے ہیں لیکن چونکہ چیف سیکرٹری صاحب سیکریٹریٹ میں بلا لئے گئے تھے جہاں کلرکوں نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ اس لئے اس بیان کا مسودہ ہوم سیکرٹری نے تیار کیا۔ ہوم سیکرٹری کے لکھے ہوئے مسودے کے متعلق گورنر نے یہ رائے دی کہ اس میں مطالبات کی اس قدر زیادہ مذمت کی گئی ہے کہ نمائندگان عوام سے اس کی منظوری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ سیکرٹریٹ سے واپسی پر چیف سیکرٹری نے بھی مسودہ تیار کرنے کی کوشش کی لیکن بالاخر یہ خیال ترک کر دیا گیا۔

سہ پہر کے جلسے میں گورنر اور چیف منسٹر کے ایما پر انسپکٹر جنرل پولیس نے صورت حالات کی مفصل کیفیت بیان کی ان کے بعد دو اور مقررین یعنی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مسٹر احمد سعید کرمانی ایم ایل اے

نے تقریریں کیں۔ مولانا نے صورت حالات کو حکومت اور عوام کے درمیان خانہ جنگی سے تعبیر کیا۔ اور بتایا کہ جب تک حکومت عوام کے مطالبات کے متعلق غور کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کریگی۔ میں کسی اپیل میں شریک نہیں ہو سکتا۔ مسٹر کرمانی نے کہا کہ اس تحریک کی قیادت اب زیادہ تر بازاری غنڈوں اور دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے ہاتھ میں ہے اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ جب مسٹر کرمانی تقریر کر چکے۔ تو چیف سیکرٹری۔ ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس نے باہر جانے کی اجازت طلب کی۔ تاہم یہ اجلاس جاری رہا۔ اور مولانا مودودی ایک اپیل کا مسودہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن وہ مسودہ گورنر اور چیف مسٹر نے قبول نہ کیا۔

گورنمنٹ ہاؤس میں شام کو ایک اور اجلاس ہوا۔ جس میں وزرا۔ جرنل آفیسر کمانڈنگ۔ بریگیڈیئر حق نواز۔ بریگیڈیئر ایف آر کاو۔ چیف سیکرٹری۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور ملک حبیب اللہ سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی شامل تھے۔ صورت حالات پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ لاقانونی کا آخری واقعہ ڈھائی بجے بعد دوپہر ہوا تھا۔ جس میں پولیس کے ایک دستے پر حملہ کیا گیا تھا۔ اور پولیس کی ایک گاڑی جلا دی گئی۔ اسلئے جہاں تک ممکن ہو اب گولی چلانے سے پرہیز کیا جائے۔ گورنر نے کہا کہ کرفیو کی خلاف ورزی کے معمولی واقعات پر توجہ نہ کی اور حکام میں سے ایک نے یا خود گورنر نے یہ تجویز بھی کی کہ گولی چلانا بند کر دیا جائے۔ فائرنگ کو نرم کر دینے کا فیصلہ ان پولیس افسروں کے لئے بے حد پریشان کن ثابت ہوا جو صورت حالات پر قابو میں مصروف تھے۔ صبح کے احکام تو یہ تھے کہ پولیس کو مضبوط تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ چنانچہ مسٹر ایس این عالم اور ملک حبیب اللہ کی کمان میں پولیس کے گشتی دستے انہی ہدایات کے ساتھ بھیج دیئے گئے تھے۔ جب شام کے احکام کوتوالی کے مرکز میں پہنچے۔ اور وہاں سے ان افسروں کو پہنچائے گئے۔ جو عملی اقدامات میں مصروف تھے تو وہ بالکل ششدر و مبہوت رہ گئے۔ اور ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اب کیا کریں پولیس کی بکھری ہوئی ٹولیاں بالکل پریشانی کی حالت میں تھیں۔ رات کے وقت صرف ایک موقع پر گولی چلائی گئی جب ریلوے ملازمین کے ایک ہجوم نے ہڑتال کر دی تھی اور ایک سگنل اور ایک ٹرین کو تباہ کرنے میں مصروف تھا۔

5 مارچ کے دو ایسے واقعات ہیں جو ہمارے سامنے بحث و مناقشہ کا موضوع بنے رہے۔ اس میں پہلا واقعہ تو یہ تھا کہ دوپہر کے وقت گوال منڈی میں گولی چلائی گئی۔ جس میں (بیان کیا جاتا ہے کہ) بہت سے اشخاص ہلاک ہوئے۔ جن میں عبدالعزیز۔ مودی۔ نظام دین اور محمد حبیب بھی شامل تھے۔ احرار اور مجلس عمل کا بیان ہے کہ ان لوگوں کو ملک خان بہادر خان سپرنٹنڈنٹ پولیس پنجاب کسیبلری اور اے ایس آئی عبدالکریم نے ہلاک کیا جو ان دنوں تھانہ گوالمنڈی میں تعینات تھا کہا جاتا ہے کہ عبدالعزیز اور مودی کو عبدالکریم نے اور نظام دین اور محمد حبیب کو ملک خان بہادر خان نے رائفل کی گولیوں سے ہلاک کیا۔ اس بیان کو ثابت کرنے کے لئے جو گواہ طلب کئے گئے وہ یہ ہیں:-

ہدایت اللہ نمبر45- حسین بخش نمبر46- غلام احمد نمبر48 چراغ دین نمبر 49- عبدالروف نمبر50 ماسٹر عبدالمجید نمبر51- حکیم محمد جمیل نمبر53- مہر دین نمبر54- سراج دین نمبر55- محمد حنفی نمبر56 غلام حسین نمبر57- تاج دین نمبر58- علاؤ الدین نمبر59- سردار محمد نمبر60 اور مقبول احمد نمبر61 اس واقعہ کی علیحدہ تفتیش مسٹر عطا محمد خان نون ڈی آئی جی۔ مسٹر عبدالحی مجسٹریٹ اور ایک فوجی افسر نے بھی کی۔ اس تفتیش میں بھی ان دونوں افسروں میں سے کسی کے خلاف کسی چیز کا ثبوت فراہم نہیں ہو گا۔ حالانکہ ہمارے سامنے شہادت میں ان دونوں پر بیگناہوں کے خون ناحق کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس فائرنگ کا سراغ اس سے پیشتر کے ایک واقعہ میں معلوم ہوتا ہے۔ جس کی رپورٹ ابتدائی نمبر70 تھانہ گوالمنڈی میں اے ایس آئی عبدالکریم کے گھر کو آگ لگا رہے ہیں۔ جس نے اس دن میوہسپتال کے قریب گولی چلائی تھی۔ یہ اطلاع موصول ہوتے ہی اے ایس آئی فیض احمد۔ اے ایس آئی سلطان احمد اور ہیڈ کانشیبل عبدالقادر پولیس کا ایک دستہ ساتھ لے کر اس مقام پر پہنچے انہوں نے ہجوم کو منتشر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان پر ایک مکان کی چھت پر سے گولی چلائی گئی جو ہیڈ کانشیبل عبدالقادر کے لگی ایک کانشیبل کو چھری سے پیٹا گیا۔

متنازعہ واقعہ غالبا اس سے کچھ دیر بعد رونما ہوا۔ اور یہ بالکل ممکن ہے کہ پولیس نے عبدالقادر ہیڈ کانشیبل اور ایک پیادہ کانشیبل کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے انتقاما" گولی چلائی ہو۔ اے ایس آئی عبدالکریم قطعی طور پر منکر ہے کہ وہ اس فائرنگ کے وقت موجود تھا اس کا بیان ہے کہ اس دن اس نے اپنے ریوالور سے صرف تین راؤنڈ چلائے۔ ایک گندے انجن کے پاس۔ دوسرا چوک امیر علی کے پاس اور تیسرا اپنے گھرے کے قریب۔ لیکن ان فائروں سے کوئی ہلاک نہیں ہوا۔ تاہم وہ تسلیم کرتا ہے کہ اس دن ملک خان بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس پنجاب کانشیبلری کے حکم سے گوال منڈی میں کوئی دوسری فائرنگ ہوئی تھی۔ جس کا واقعہ متنازعہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہم اس واقعہ کے متعلق اپنی کوئی رائے ظاہر کرنے سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ ہماری شرائط تحقیقات کا دائرہ اس کا مقتضی ہے کہ ہم صرف اختیار کردہ تدابیر کے کافی یا ناکافی ہونے کے متعلق رپورٹ کریں۔ حد سے زیادہ فائرنگ ہمارے دائرہ تحقیقات سے باہر ہے۔ بجز اس حالت کے کہ ایسی فائرنگ فسادات میں اضافہ کرنے کا باعث ہوئی ہو۔

5 مارچ کے واقعات کے متعلق دوسرا متنازعہ فیہ امر کابینہ کا وہ اجلاس تھا جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ساڑھے چھ بجے شام گورنمنٹ ہاؤس میں منعقد ہوا تھا۔ جس کی صدارت گورنر نے کی تھی۔ اور جس میں میجر جنرل محمد اعظم خان جی او سی۔ بریگیڈیئر حق نواز۔ بریگیڈیر کلو چیف سیکرٹری۔ ہوم سیکرٹری۔ انسپکٹر جنرل پولیس اور ملک حبیب اللہ اے ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی شامل ہوئے تھے۔ اس اجلاس کے فیصلوں میں ایک مبینہ فیصلہ یہ تھا۔ کہ فائرنگ کو نرم کر دیا جائے۔ گورنر اور جی او سی دونوں اس امر سے انکار کرتے ہیں کہ کوئی ایسا اجلاس ہوا تھا۔ لیکن چیف سیکرٹری۔ ہوم سکرٹری انسپکٹر جنرل پولیس اور ملک حبیب اللہ قطعی طور پر کہتے ہیں کہ ایسا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس کی کارروائی ملک حبیب اللہ نے کاغذ کے ایک پرزے پر نوٹ کی تھی (E X.D.E 23I) وہ پرزہ انہوں نے جلسے کے کچھ دیر بعد ہوم سیکرٹری کے حوالے کر دیا تھا۔ اور ہوم سیکرٹری نے اس کو اپنے تحریری بیان کے ساتھ عدالت میں پیش کیا تھا۔ اس تحریر کے اندر اس کے صحیح ہونے کی شہادت موجود ہے کیونکہ یہ بات عجلت میں لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور اس کے بعض فقرے واضح طور پر نامکمل ہیں۔ اس میں اجلاس کا وقت ساڑھے چھ بجے شام لکھا ہے۔ حاضر اشخاص کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ اور اجلاس کے پانچ فیصلے بھی درج ہیں۔ جن میں ایک یہ تھا: "ہز ایکسی لینسی نے کہا کہ کرفیو کی معمول اصطلاحی خلاف ورزیوں پر کوئی کارروائی نہ کی جائے" اس تحریر میں "فائرنگ میں کمی کرنے" کے الفاظ درج ہیں نہ "let up" کا لفظ لکھا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ نہ مسٹر چندریگر کو اور نہ میجر جنرل محمد اعظم خاں کو واضح طور پر وہ باتیں یاد رہی ہوں جو اس وقت کی پریشانی اور گڑبڑ میں ہوئی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکام نے جس کو رسمی اجلاس بتایا ہے وہ محض ایک بحث و مشورہ کی مجلس ہو۔ جس میں حاضرین نے بعض ایسے خیالات ظاہر کئے ہوں۔ جن پر عمومی حیثیت سے اتفاق ہو گیا ہو۔ اور ملک حبیب اللہ ان کو ایک رسمی اجلاس کے فیصلہ جات قرار دے رہے ہوں۔ یہ نکتہ کچھ ایسی اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ مسٹر چندریگر خود تسلیم کرتے ہیں کہ اس دن گفت و شنید کے دوران میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ کرفیو کی اصطلاحی خلاف ورزی کی حالت میں کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ صبح کے فیصلوں میں کچھ تبدیلیاں تجویز کی گئیں اور قبول بھی کر لی گئیں۔ اور ان تبدیلیوں کو پولیس نے خدا جانے کیوں اس امر کی ہدایت سمجھ لیا کہ وہ صبح کے فیصلوں کے مطابق فساد کو دبانے کے لئے قوت کا استعمال جس حد تک کر رہے ہیں اس حد تک نہ کریں۔ یہ واقعہ ہے کہ اس اجلاس کے بعد پولیس نے اکوریا پل کے سوا اور کسی مقام پر کوئی گولی نہیں چلائی۔ اس سے قطعی طور پر ظاہر ہے کہ پولیس کو فائرنگ کے نرم کرنے کی ہدایت ضرور کی گئی ہو گی۔

6 مارچ: 6 مارچ کو جمعہ کا دن تھا۔ اور صبح سویرے ہی سے تمام اطراف سے جلوس مسجد وزیر کان میں دھڑا دھڑ پہنچ رہے تھے۔ حکومت کے دفاتر نے کام بند کر دیا۔ لوکو اور کیرج کی ورکشاپیں بند ہو گئیں۔ اور مزدور پوری تعداد میں تحریک سے اظہار ہمدردی کے طور پر باہر نکل آئے۔ غیظ میں بھرے ہوئے ہجوم نے کوتوالی کا محاصرہ کر لیا۔ لوگ اس عمارت پر پتھر پھینک رہے تھے۔ اور مطالبہ کر رہے تھے کہ جن سینئر پولیس افسروں نے گولی چلائی ہے وہ ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ چونکہ تازہ ترین احکام یہ تھے کہ گولی چلانے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے۔ اس لئے ہجوم کو دور رکھنے کی غرض سے اشک آور گیس کے بم کوتوالی کی چھت سے پھینکے گئے۔ لیکن جونہی اشک آور گیس ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ ہجوم دوبارہ کوتوالی پر یورش کرنے لگا۔ جس وقت انسپکٹر جنرل پولیس کوتوالی کی طرف آ رہے تھے۔ ایک ہجوم نے جو کاروں۔ تانگوں اور سائیکلوں پر سوار اشخاص کو روک رہا تھا ان کی موٹر کار کو بھی ریلوے سٹیشن کے قریب روکا انہوں نے نولکھا تھانہ کے قریب ایک ٹینک دیکھا جس کے گرد کوئی محافظ حلقہ نہ تھا۔ لیکن کچھ فوجی سپاہی موجود تھے۔ اور لوگ اس ٹینک کے اردگرد گھوم رہے تھے۔ سرکلر روڈ کے ایک زیریں پل کے پاس ان کو ایک اور ہجوم نے روکا۔ جس کی قیادت ایک داڑھی والا آدمی کر رہا تھا۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح آگے نکل گئے۔ انہوں نے ایک اور ہجوم کو دیکھا جو ایک گھوڑا گاڑی کا تعاقب لاٹھیوں سے کر رہا تھا۔ آخر اس نے گاڑی کو جالیا۔ اور گھوڑے کو کھول دیا۔ کوتوالی کے قریب پہنچ کر انہوں نے سنا۔ کہ ہجوم یہ نعرے لگا رہا ہے۔ شاہی پولیس زندہ باد پاکستان فوج زندہ باد۔ پولیس کانسٹیبلری اور بارڈر پولیس مردہ باد۔ کوتوالی میں آئی جی نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس مرزا نعیم الدین سے ملاقات کی۔ اور دونوں نے واقعات کے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔ مرزا نعیم الدین نے اس گفتگو کے دوران میں کیا کہا۔ اس کے متعلق میاں انور علی انسپکٹر جنرل پولیس اور مرزا نعیم الدین سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بیانوں میں ایک شدید اختلاف ہے۔ اس نکتہ پر میاں انور علی کی شہادت درج ذیل ہے:-

"انہوں نے (مرزا نعیم الدین نے) کہا کہ لوگوں کا کسی نہ کسی وجہ سے یہ خیال ہے کہ حکومت غلطی پر ہے۔ اور نہ صرف غیر ہمدرد ہے۔ بلکہ عملاً مخالف ہے۔ ان حالات میں قوت کا استعمال عام احساسات کو تیز و تند کر رہا ہے۔ اور تلخ کامی میں اضافے کا باعث ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب تک حکومت نے مطالبات کے متعلق اپنا رویہ معین نہیں کیا۔ نہ اس امر کے آثار نظر آتے ہیں کہ حکومت ان پر غور کرنے کے لئے تیار ہے مرزا نعیم الدین کے نزدیک اس وجہ سے صورت حالات

زیادہ دشوار ہو رہی ہے۔ وہ اس امر کے خواہاں تھے کہ اپنا خیال چیف منسٹر کی خدمت میں پیش کریں۔ اور کہیں کہ محض سختی کرنے سے صورت حالات پر قابو پانے کی کوئی صورت نہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ حکومت پنجاب لوگوں کو اس بات کا یقین دلائے کہ وہ اتنی غیر ہمدرد اور سنگدل نہیں جتنا اس کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اور وہ مطالبات کا فیصلہ کرانے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کر رہی ہے۔ ان کے نزدیک اس قسم کی اپیل سے حکومت کے خلاف تلخی اور عناد کے جذبات فرو ہو جائیں گے جو بحالت موجودہ واضح طور پر تیز تر ہو رہے ہیں..... (گورنمنٹ ہاؤس پہنچنے کے بعد) میں نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کو چیف منسٹر کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور انہوں نے وہاں بھی وہی باتیں دہرائیں جو مجھ سے کی تھیں"۔

لیکن مرزا نعیم الدین نے آئی جی سے اپنی گفت و شنید کے متعلق جو بیان دیا وہ درج ذیل ہے:۔

"میں کوئی سات بجے صبح کوتوالی پہنچا۔ اور کوئی آدھ گھنٹے کے بعد انسپکٹر جنرل پولیس بھی وہاں پہنچ گئے۔ میں نے صورت حالات کے متعلق انسپکٹر جنرل سے بات چیت کی اور ان کو بتایا کہ صورت حالات نہایت خطرناک ہے اور حکومت کی کمزور پالیسی اب پولیس کے حوصلوں کو بھی پست کر رہی ہے حالانکہ حکومت کی مشینری کا یہی پرزہ (یعنی پولیس) اب اس کی حمایت میں کھڑا ہے۔ میں نے ان پر زور دیا کہ وہ ہز ایکسی لینسی اور عزت ماب چیف منسٹر صاحب پر اس امر کی صراحت کر دیں۔ میں نے ان کو بتایا کہ اگر حکومت اپنی پالیسی میں ترمیم نہ کریگی۔ تو میں استعفیٰ دے دونگا انسپکٹر جنرل نے مجھ سے اتفاق کیا۔ اور ہم دونوں گورنمنٹ ہاؤس کو گئے"

ان دونوں بیانوں کا مقابلہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں مسٹر انور علی کے بیان کے مطابق مرزا نعیم الدین قوت کے استعمال کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ حکومت مطالبات کے متعلق اپنے رویے کی وضاحت کرے۔ اور اعلان کرے کہ وہ غیر ہمدرد اور سنگدل نہیں۔ اور حتی الواسع کوشش کر رہی ہے کہ مطالبات کے متعلق کوئی فیصلہ کرے۔ وہاں مرزا نعیم الدین کا بیان یہ ہے کہ میرے نزدیک حکومت کمزور پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ جس سے پولیس کا حوصلہ پست ہو رہا ہے اور اگر یہ پالیسی تبدیل نہ کر دی گئی۔ تو میں مستعفی ہو جاؤں گا۔ علاوہ بریں مرزا نعیم الدین نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ کہ گورنمنٹ ہاؤس میں چیف منسٹر کے سامنے طلب کئے گئے اور انہوں نے چیف منسٹر سے کیا کہا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر انور علی کے قول کے مطابق مرزا نعیم الدین نے کوئی ایسی بات ضرور کی تھی۔ اگرچہ مرزا نعیم الدین اس سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن مسٹر چندریگر اور مسٹر دولتانہ کی شہادتوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اب سلسلہ حکایت پھر شروع ہوتا ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کوتوالی سے چیف منسٹر کی کوٹھی پر پہنچے۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس چلے گئے ہیں۔ راستے میں انہوں نے دیکھا کہ تمام دکانیں بند ہیں اور آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں شرارت کی نیت سے ادھر ادھر گھوم رہی ہیں۔ چیف منسٹر کی کوٹھی سے یہ دونوں گورنمنٹ ہاؤس گئے۔ گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ چیف منسٹر اور دوسرے تمام وزراء وہاں موجود تھے ان کے علاوہ لاہور کارپوریشن کے ممبر جن میں بعض خواتین مثلاً بیگم تصدق حسین اور بیگم جی اے خان بھی تھیں۔ کارپوریشن کے میئر اور نواب مظفر علی خاں قزلباش بھی حاضر تھے۔ عطا اللہ جہانیاں بھی بعض طالب علم ورکروں کے ساتھ وہاں موجود تھے۔

چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری صبح سیکریٹریٹ گئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ سیکرٹریٹ کے ملازم احاطے میں جمع ہیں۔ اور فائرنگ کو روکنے اور مطالبات کو تسلیم کرنے کا مطالبہ بلند آہنگی سے کر رہے ہیں۔ مسٹر عالم ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس بھی وہاں پہنچ گئے تھے ان تینوں نے کلرکوں سے بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ ہر دلیل کے جواب میں یہی کہتے رہے کہ ہمارا مطالبہ پورا کیا جائے۔ یعنی فائرنگ بند کیا جائے اور مطالبات پورے کئے جائیں اور یہ مطالبہ ٹیلیفون پر گورنر اور چیف منسٹر کو پہنچا دیا جائے۔ جب چیف سیکرٹری نے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کے کیس کی پوری نمائندگی حکومت سے کر دیں گے۔ اور ہوم سیکرٹری نے یہ دھمکی دی کہ اگر انہیں باہر نکلنے کی اجازت نہ دی گئی تو فوج اور پولیس آ کر کارروائی کرے گی۔ جب جا کر کہیں سیکرٹریوں کی موٹرکاروں کو چلنے کا موقع دیا گیا۔ جن کو کلرکوں نے گھیر کر روک رکھا تھا۔ جب سیکرٹری گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچے تو انہوں نے اس کو شور و شغب کا ہنگامہ زار پایا۔ جو کچھ وہاں ہو رہا تھا۔ اس کی کیفیت ہوم سیکرٹری نے ذیل کے الفاظ میں بیان کی ہے:۔

"کثیر التعداد لوگ جن میں لاہور کے کونسلر بھی شامل تھے۔ وہاں موجود تھے۔ اور جو شائستگی کی فضا گورنمنٹ ہاؤس میں ہوا کرتی ہے۔ وہ بالکل مفقود تھی۔ ہز ایکسی لینسی گورنر۔ چیف منسٹر اور ارکان کابینہ ہز ایکسی لینسی کے دفتر میں جمع تھے میں نے اندر جا کر مختصراً" ان کو بتایا کہ سیکریٹریٹ میں کیا واقعات پیش آئے تھے۔ شہر میں جو مختلف واقعات رونما ہو رہے تھے ان کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ گورنر کی کوٹھی کی بجلی کاٹ دی گئی تھی۔ اور کسی نے ٹیلیفون پر مسٹر ایس ایس جعفری سی ایس پی کا یہ پیغام وصول کیا کہ انارکلی کی بعض دکانیں جل رہی ہیں۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ ٹیلیگراف آفس اور ٹیلیگراف ایکسچینج کے ملازموں نے ہڑتال کر

دیا ہے انسپکٹر جنرل پولیس اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جو کوتوالی سے آئے تھے یہ بتایا کہ کوتوالی کم و بیش محاصرے میں ہے اور صورت حالات نہایت تشویش انگیز ہے انسپکٹر جنرل پولیس نے مجھے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کی یہ رائے بتائی کہ شہر کا انتظام صرف قوت کے استعمال سے بحال نہ کیا جا سکے گا۔ اسلئے عوام کی تسکین کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے اور حکومت کو ایک بیان شائع کرنا چاہئے۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے یہ بھی کہا کہ میں اس رائے کو گورنر صاحب اور چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔ کچھ دیر بعد ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس لاہور رینج بھی گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئے"

شہر کی صورت حالات نہایت سرعت کے ساتھ نازک نقطے پر پہنچ رہی تھی۔ ریلوے کے ملازمین نے انجن شیڈ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا اور کسی انجن کو باہر نکلنے کا موقع نہیں دیتے تھے لاہور اور مغلپورہ کے درمیان ریلوے کی پٹڑی توڑ دی گئی تھی۔ اور شاہدرہ سے آنے والی ایک ٹرین راستے میں روک لی گئی تھی۔ وائی ایم سی اے کی عمارت کے قریب آٹو میٹک ٹریفک سگنل کو ایک ہجوم نے جلا دیا تھا۔ اور اب کمرشل بلڈنگ کو لوٹنے والا تھا۔ کچھ مزید سرکاری بسیں جلا دی گئی تھیں۔ چیف انجینئر الیکٹریسٹی کو کارکنوں نے ایک رسمی نوٹس دے دیا تھا۔ کہ اگر گورنمنٹ ہاؤس اور جی او آر اسٹیٹ میں رہنے والے وزیروں اور افسروں نے رضامندی کے ساتھ بجلی نہ کاٹ دی تو شہر بھر میں اندھیرا کر دیا جائے گا۔ ایک شخص چیف انجینئر کی طرف یہ اطلاع لے کر آیا۔ اور اس نے مطالبہ کیا کہ اس نوٹس کا فوری جواب دیا جائے۔ عین اس وقت گورنمنٹ ہاؤس کی بجلی کاٹ دی گئی۔ اور سیکروفون بیکار ہو گیا۔

جب ہوم سیکرٹری گورنر کے سیکرٹری کے کمرے میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ گورنر چیف منسٹر اور بعض وزرا کراچی کو ٹیلیفون کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہوم سیکرٹری نے اس کمرے کے حاضرین سے بات چیت کی اور ان کو بتایا کہ صورت حالات پر اسی صورت میں قابو پایا جا سکتا ہے۔ کہ مندرجہ ذیل کارروائی کی جائے:۔

(1) مجلس احرار پاکستان اور جماعت اسلامی خلاف قانون انجمنیں قرار دی جائیں۔

(2) ایسے علماء اور مولویوں کو جو عقل کی بات سن سکیں۔ اور قانون و انتظام کی بحالی میں حکومت کی امداد کرنے پر آمادہ ہوں۔ ترغیب دی جائے کہ باہر نکلیں اور ختم نبوت کے نام سے جو لاقانونی پھیل رہی ہے۔ اس کی علی الاعلان مذمت کریں۔

(3) مرکزی کابینہ سے استدعا کی جائے کہ وہ اپنے ایک وزیر فی الفور لاہور بھیجیں۔

(4) شہر مکمل طور پر فوج کے حوالے کر دیا جائے۔

ہوم سیکرٹری نے مشورہ دیا کہ مرکز سے فی الفور گفتگو کی جائے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ٹیلیفون کسی وقت بھی بیکار ہو جائے۔ انہوں نے ملٹری ٹرنک لائن پر کراچی سے ٹیلیفون کا رابطہ قائم کرایا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ دفعتاً" منقطع ہو گیا۔ ہوم سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس بھی جو کمرے میں آ گئے تھے۔ اس وقت باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد گورنر نے ہوم سیکرٹری کو طلب کیا۔ اور ان کو انگریزی میں کچھ نکات بتا کر کہا کہ ان کے مطابق اردو میں ایک بیان کا مسودہ تیار کریں۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا۔ کہ میں اردو میں مسودات لکھنے کی مہارت نہیں رکھتا اسلئے یہ کام مسٹر ذوالقرنین خان سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ چیف منسٹر کی ہدایات کا مفاد ہوم سیکرٹری نے گورنر اور چیف منسٹر کے سامنے مسٹر ذوالقرنین خان کو سمجھا دیا چیف منسٹر نے کہا کہ یہ مسودہ فوراً لکھ کر پیش کیا جائے۔ کیونکہ وہ کراچی سے ٹیلیفون پر بات کرنے والے ہیں مسٹر ذوالقرنین خان نے بیان کا جو ابتدائی مسودہ تیار کیا۔ وہ یہ تھا:۔

"وزیر اعلیٰ پنجاب اپنی اور اپنی وزارت کی جانب سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی حکومت تحفظ ختم نبوت کے لیڈران سے فوری گفت و شنید کے لئے تیار ہے۔ اور وہ عوام سے درخواست کرتے ہیں کہ ملک میں امن و امان قائم کرنے میں وہ ان کا ہاتھ بٹائیں۔ وہ عوام کو اطمینان دلاتے ہیں کہ پولیس اور فوج کوئی متشددانہ کارروائی بالخصوص فائرنگ نہیں کریں گی۔ تاوقتیکہ ان کو کسی کے جان و مال کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا نہ پڑے۔ صوبائی حکومت مرکزی حکومت سے گفت و شنید کر رہی ہے اور میاں ممتاز محمد خان دولتانہ بہ حیثیت صدر صوبہ مسلم لیگ۔ پاکستان کے صدر کے سامنے پنجاب کے عوام کی طرف سے یہ مطالبات فوری توجہ کے لئے پیش کر رہے ہیں"

جب چیف منسٹر نے اس بیان کو پڑھا تو انہوں نے کہا کہ یہ بالکل غیر موثر ثابت ہو گا چنانچہ انہوں نے ذیل کے الفاظ بڑھا دینے کا حکم دیا:۔

"پنجاب کے عوام کی طرف سے" کے بعد "اپنی تائید کے ساتھ" اور آخر میں "کیونکہ یہ قوم کے متفقہ مطالبات ہیں" کے الفاظ بڑھا دیئے جائیں۔

یہ بیان سائیکلو سٹائل کیا جا رہا تھا کہ چیف منسٹر نے اس میں ذیل کے الفاظ کا اضافہ کرنے کی خواہش کی:۔

"صوبائی حکومت کا ایک وزیر طیارے کے ذریعے ان مطالبات اور ہماری تائید کے ساتھ آج ہی کراچی بھیجا جا رہا ہے۔ ہماری پرزور سفارش ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت سے مستعفی ہونے پر فوراً مجبور کیا جائے"

گورنر اور چیف منسٹر دونوں کی خواہش یہ تھی کہ یہ بیان نماز جمعہ سے پہلے ہوائی جہاز سے مسجدوں میں گرایا جائے۔ گورنر نے چیف منسٹر

اور کابینہ کی موجودگی میں ہوم سیکرٹری کو حکم دیا۔ کہ یہ بیان ٹیلیفون پر خلیفہ شجاع الدین کو سنا دیں۔ جو اسی دن یا ایک دن قبل کے ایک مطبوعہ اشتہار کے رو سے مجلس عمل کے چوتھے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے تھے۔ ہوم سیکرٹری نے حکم کی تعمیل میں یہ بیان خلیفہ شجاع الدین کو پڑھ کر سنا دیا۔ اور گورنر کی خواہش کے مطابق اس کی نقلیں بھی خلیفہ صاحب کی کوٹھی پر بھجوا دیں۔ گورنر صاحب خلیفہ صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے بہت فکر مند معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے کئی دفعہ دریافت کیا کہ آیا خلیفہ صاحب کو بیان کی کاپیاں ارسال کر دی گئی ہیں یا نہیں۔ گورنر نے انسپکٹر جنرل پولیس کو ہدایت کی۔ کہ اس بیان کو لاؤڈ سپیکر والی گاڑیوں سے شہر بھر میں نشر کیا جائے۔ گورنر اور چیف منسٹر کے حکم کے مطابق اس بیان کا ترجمہ فی الفور اضلاع میں بھی پہنچا دیا گیا۔

اس دن کے واقعات کو دیکھ کر "سینٹ بار تھولو میوڈے" یاد آتا تھا حتیٰ کہ ڈیڑھ بجے بعد دوپہر مارشل لا کا اعلان کر دیا گیا۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ایک دن قبل ایک احمدی مدرس قتل کر دیا گیا تھا 6۔ مارچ کو ایک احمدی محمد شفیع برما والا مغلپورہ میں ہلاک کر دیا گیا اور کالج کے ایک احمدی طالب علم کو بھاٹی دروازے کے اندر لوگوں نے چھرے مار مار کر قتل کر دیا۔ ایک اور احمدی (یا مفروضہ احمدی) مرزا کریم بیگ کو فلیمنگ روڈ پر چھرا مار دیا گیا۔ اور اس کی نعش ایک چتا میں پھینک دی گئی جو فرنیچر کو آگ لگا کر تیار کی گئی تھی۔ احمدیوں کی جو جائدادیں اور دکانیں اس دن لوٹی یا جلائی گئیں۔ وہ یہ تھیں:۔ پاک ریز۔ شفا میڈیکل۔ اور سوکو۔ موسیٰ اینڈ سنز کی دکان۔ راجپوت سائیکل ورکس۔ ملک محمد طفیل اور ملک برکت علی کے چوب عمارتی کے احاطے اور گودام۔ میسن روڈ پر ملک عبدالرحمٰن کا مکان اور مزنگ روڈ اور ٹمپل روڈ پر پانچ احمدیوں کے مکان جن میں شیخ نور احمد ایڈووکیٹ کا مکان بھی شامل تھا۔ تیسرے پہر ایک ممتاز ایڈووکیٹ مسٹر بشیر احمد امیر جماعت احمدیہ لاہور کا مکان گھیر لیا گیا۔ ہجوم اس مکان میں داخل ہونے ہی والا تھا۔ کہ مسٹر بشیر احمد نے اپنے دفاع میں چند گولیاں چلائیں ایک خاص فوجی عدالت نے ان کے اس فعل پر مقدمہ چلایا۔ لیکن وہ بری کر دیئے گئے۔ 6-7 مارچ کی رات کو عبدالحکیم مالک پایونیر الیکٹرک اینڈ بیٹری سٹیشن کے مکان پر چھاپا مارا گیا۔ اور ان کی بوڑھی والدہ قتل کر دی گئی۔

مسٹر دولتانہ کی رہنمائی اور بیرونجات کی لیگوں کی پیروی

جب 6 مارچ کو چیف منسٹر کا بیان شائع ہو گیا۔ تو اس کے بعد صوبے کی بہت سی مسلم لیگوں نے مطالبات کی تائید میں قرار دیں منظور کیں۔ اسی طرح 6 مارچ کو میاں چنوں مسلم لیگ نے ایک قرار داد منظور کی۔ کہ اس مطلب کا ایک قانون منظور ہونا چاہئے کہ کوئی شخص اپنے لئے نبی کا لفظ استعمال نہ کرے گا اور اگر کرے گا تو جرم کا مرتکب ہو گا۔ 7 مارچ 1953ء کو سٹی مسلم لیگ وزیر آباد نے دو قرار دادیں منظور کیں۔ جن میں سے ایک قرار داد میں ہر کونسلر کا فرض قرار دیا گیا کہ وہ مقامی مجلس عمل کی مالی امداد کرے گا۔ اور بوقت ضرورت تحریک ختم نبوت کی حمایت میں اپنی جان تک دینے سے دریغ نہ کرے گا۔ قرار داد میں یہ اعلان بھی کیا گیا کہ سٹی مسلم لیگ من حیث الجماعت مجلس عمل کے پروگرام اور اس کی سرگرمیوں میں مداخلت نہ کرے گی۔ دوسری قرار دادوں میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ بذریعہ تار وزیراعظم پاکستان اور وزیراعلیٰ پنجاب کو اطلاع دی جائے کہ مجلس عمل کے مطالبات تین دن کے اندر تسلیم کئے جائیں۔ ورنہ سٹی مسلم لیگ کے ممبر متحدہ طور پر مستعفی ہو جائیں گے۔ اور اپنے اپنے حلقہ انتخاب کے ایم ایل اے حضرات سے درخواست کریں گے کہ چودھری ظفر اللہ خاں کے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد کے حق میں حمایت حاصل کرنے کی تحریک شروع کر دیں۔ اسی قرار داد میں یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ حکومت نے مسلمانوں کے مذہبی مطالبات کو دبانے کے لئے جو جابرانہ تدابیر اختیار کی ہیں وہ سخت قابل مذمت ہیں۔ اسی دن سٹی مسلم لیگ جلال پور جٹاں نے ایک قرار داد منظور کی جس میں تحریک ختم نبوت کی اور وزیراعلیٰ کے بیان مورخہ 6 مارچ کی غیر مشروط حمایت کی گئی۔ اور کہا گیا کہ اس بیان کے مطابق وہ جو بھی قدم اٹھائیں گے۔ لیگ اس کی تائید کرے گی۔ قرار داد میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ لیگ کے ممبر اپنے ہائی کمان کے احکام کے منتظر ہیں اور حصول مقصد کے لئے عملی قدم اٹھانے پر آمادہ ہیں دوسری قرار داد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مجلس عمل کے مطالبات کو حتی الامکان جلد سے جلد تسلیم کرے۔ 8 مارچ کو مسلم لیگ گکھڑ نے تین قرار دادیں منظور کیں۔ ایک کا مطلب یہ تھا کہ لیگ کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے اسکے ممبروں کا فرض ہے کہ عوام کا ساتھ دیں اور ختم نبوت کی تحریک میں حصہ لیں۔ دوسری قرار داد میں لیگ نے اپنے صدر میر محمد بشیر کا شکریہ ادا کیا تھا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اور تمام کونسلروں سے بھی اسی مطلب کی اپیل کی اور تیسری قرار داد میں حاکم علی ٹھیکیدار کو صدر مقرر کیا گیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ وہ میر محمد بشیر کی گرفتاری کے بعد رضاکاروں کے مہیا کرنے کے لئے ضروری انتظامات کریں سٹی مسلم لیگ کاموکے نے 10 مارچ 1953ء کو احمدیوں کو اقلیت قرار دینے اور چودھری ظفر اللہ خاں کو برطرف کرنے کے مطالبات کی حمایت کی۔

مسٹر دولتانہ نے 6 مارچ کا بیان واپس لے لیا

10 مارچ 1953ء کو مسٹر دولتانہ نے حسب ذیل اعلان کیا:۔

"اس مہینے کی 6 تاریخ کو میں نے اپنی اور اپنی وزارت کی طرف سے اہل

پنجاب سے اپیل کی تھی کہ قانون و انتظام کے قیام میں امداد دیں۔
میں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ میری حکومت تحریک تحفظ ختم نبوت کے لیڈروں سے فی الفور گفت و شنید شروع کرنے پر آمادہ ہے۔ اور میرے وزرا مطالبات کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر کے سفارش کریں گے کہ ان کو تسلیم کر لیا جائے۔
یہ اپیل اس وقت کی گئی تھی جب لاہور میں قانون کے دشمن لوٹ۔ آتش زنی اور ضروری سروسوں کو تلپٹ کرنے میں مصروف تھے۔ پاکستان کے مخالف تفرقہ پرداز گروہ پاکستان کی سلامتی اور استواری کو نقصان پہنچانے کی غرض سے تحریک تحفظ ختم نبوت سے فائدہ اٹھا کر نظم حکومت کو درہم برہم کرنے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لئے بد نظمی کی آگ کو بھڑکا رہے تھے۔
میری اپیل کا مقصد یہ تھا کہ صوبے کے باشندے قانون و انتظام کے قیام کے لئے کوشش کریں۔ تاکہ دشمنان پاکستان اس قابل نہ رہیں کہ پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ایک مذہبی تحریک کے پردے میں اندرونی تفرقوں کو مشتعل کر کے لاقانونی پھیلا دیں لیکن بدقسمتی سے نتیجہ یہ ہوا کہ میری اپیل کے باوجود لاقانونی جاری رہی اور لاہور میں صورت حالات پر قابو پانے کے لئے مارشل لا نافذ کرنا پڑا۔ موجودہ حالات میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے لیڈروں سے گفت و شنید کرنے اور مطالبات پر غور کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہر حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ قانون کی اطاعت اور شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کا پختہ بندوبست کرے۔ صوبائی حکومت اور مرکزی حکومت دونوں کا عزم یہ ہے۔ کہ لاقانونی جہاں بھی سر اٹھائے گی اسے دبا دیا جائے گا۔ اور صوبے میں قانون و انتظام کو بحال کیا جائے گا۔ حکومت موجودہ خطرے کو جو ملک کی سلامتی اور سالمیت کو درپیش ہے ہر ممکن ذریعے سے کام لے کر دبائے گی۔
میں اس صوبے کے لوگوں سے اپیل کرتا ہوں، کہ جہاں کہیں قانون و انتظام کو خطرہ درپیش ہو۔ وہاں اس کی بحالی کے لئے حکومت سے تعاون کریں اور ایسا انتظام کریں کہ دشمنان پاکستان ملک کی سلامتی اور سالمیت کو نقصان پہنچانے کے لئے مسئلہ ختم نبوت کو استعمال نہ کر سکیں"۔
مجلس عاملہ پنجاب مسلم لیگ نے اس بیان کی تائید کی اور اپنے اجلاس منعقدہ 11 مارچ 1953ء میں یہ اعلان کیا کہ مجلس عاملہ اس اپیل کی دلی حمایت کرتی ہے۔ جو باشندگان پنجاب سے کی گئی ہے اور مزید برآں پنجاب کے ہر مسلم لیگی کارکن کو ہدایت کرتی ہے کہ اس بیان کی ہدایات پر وفاداری سے عمل کرے۔

سیالکوٹ

سیالکوٹ کے واقعات کی کیفیت کے متعلق سرکاری بیان ان تحریری بیانات میں درج ہے جو مسٹر آئی یو خاں کمشنر۔ مسٹر ایس این عالم ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس۔ مسٹر غلام سرور خاں ڈپٹی کمشنر اور سید عبدالرؤف سپرنٹنڈنٹ پولیس نے داخل کئے۔ اور جو شہادت لیفٹیننٹ کرنل خوشی محمد نے دی جب مسٹر غلام سرور ڈپٹی کمشنر جن کے خلاف عوام کو بعض شکایات تھیں۔ تبدیل کر دیئے گئے تو ہم نے اپنے چند اجلاس سیالکوٹ میں منعقد کر کے کافی غیر سرکاری شہادت قلمبند کی۔
جب سے مسٹر مظہر علی اظہر 1931ء کی تحریک کشمیر میں احراری رضاکاروں کا ایک دستہ لے کر جموں میں داخل ہوئے تھے سیالکوٹ اسی زمانے سے احراریوں کا ایک ہدائتی مرکز چلا آتا ہے۔ یہ ایک اہم احمدی مرکز بھی رہا ہے جس کی اہمیت قادیان سے دوسرے درجے پر تھی۔ احراری احمدی نزاع کے سلسلے میں یہاں پہلا اہم واقعہ یہ ہوا۔ کہ غلام محمد شاہ نے احمدیوں کے خلاف ایک تیز و تند تقریر کی۔ جس کی پاداش میں وہ زیر دفعہ 295- الف تعزیرات ہند 30 نومبر 1936ء کو سزا یاب ہوا۔ نزاع کسی نہ کسی شکل میں 1949ء تک جاری رہا۔ لیکن ان برسوں کے دوران میں کوئی بڑا واقعہ رونما نہ ہوا۔ 26 نومبر 1949ء کو احراریوں نے ایک تبلیغ کانفرنس اس مقصد سے منعقد کی۔ کہ رائنڈ ری کمیشن میں احمدیوں کے رویے کے خلاف نکتہ چینی کریں۔ اس کے جواب میں احمدیوں نے اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے 15 جنوری 1950ء کو اپنا ایک جلسہ منعقد کیا۔ عین اس وقت جب یہ جلسہ ہو رہا تھا۔ احراریوں نے ہنگامہ برپا کیا۔ اور ایک لڑکے کے چھرا مار دیا گیا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری ایک حکم صادر کیا جس کے رو سے ایک ہفتے کے لئے جلسے ممنوع قرار دیئے گئے۔ نومبر 1951ء میں احمدی اپنا عام سالانہ اجلاس منعقد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جو جذبات اس وقت پھیل رہے تھے ان کے پیش نظر حکام ضلع نے ان کو سمجھا بجھا کر یہ اجلاس ملتوی کرا دیا۔ پھر یہ اجلاس نومبر 1952ء میں احمدیوں نے اپنے جلسہ گاہ میں منعقد کیا لیکن احراریوں نے حاضرین پر خشت باری کی۔
فروری 1952ء تک احراری احمدیوں کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب احمدیوں کے خلاف شورش نے تحفظ ختم نبوت کی شکل اختیار کی۔ اور 21 جولائی 1952 کو اس شہر میں ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کی گئی۔ اس کنونشن کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت زیادہ مقبول عام ہو گئی۔ اور تمام فرقوں کے مذہبی مبلغ اس میں شامل ہو گئے۔ تحریک روز بروز زیادہ قوی ہوتی گئی۔ مساجد کے اندر جمعہ کے ہر خطبے میں احمدیوں کے متعلق دشنام و بدگوئی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور تین مطالبات زور شور سے پیش کئے جانے لگے 20 جولائی 1952ء کو پسرور کے مقام پر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کنونشن میں چیف منسٹر نے ایک تقریر کی۔ جس میں انہوں نے اعلان کیا۔ کہ وہ "تحریک ختم نبوت کی پوری

حمایت کرتے ہیں۔ بشرطیکہ قانون و انتظام کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔" اکتوبر 1953ء میں عرس گول شاہ کے موقع پر مولوی بشیر احمد خطیب جامع مسجد پسرور۔ کرامت علی شاہ اور منظور احمدی نے احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان لوگوں کے خلاف زیر دفعہ 21- پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کارروائی کی سفارش کی۔ لیکن حکومت نے ان سے اتفاق نہ کیا۔ نومبر 1952ء میں ایک اور آل مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کی گئی۔ جس میں تین مطالبات بیشتر زور شور سے دہرائے گئے۔ صوبائی حکومت اب احراری احمدی نزاع کی وسعت اور شدت کا احساس کر چکی تھی۔ چنانچہ اس نے اس معاملے کے متعلق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے نام عام ہدایات کا ایک سلسلہ جاری کر دیا۔ ان ہدایات کا مفاد یہ تھا کہ قابل اقدام تقریروں کے خلاف صرف مقدمات دائر کئے جائیں مسجدوں می گرفتاریں نہ کی جائیں۔ نہ مساجد کے اجتماعات کو منتشر کیا جائے۔ ایک اور ہدایت یہ تھی کہ کارروائی صرف احراریوں اور احمدیوں تک محدود رکھی جائے۔ لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احراری مولویوں نے ہر مسجد کے منبر سے احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھنے میں اپنے آپ کو بالکل آزاد محسوس کیا۔

مجلس عمل پنجاب کی ہدایت کے مطابق اس ضلع میں ایک مجلس عمل مرتب کی گئی۔ اس مجلس عمل نے رضاکاروں کی بھرتی اور سرمائے کی فراہمی کا کام شروع کر دیا۔ صاحبزادہ فیض الحسن ضلع میں جلسوں کا ایک سلسلہ جاری کر کے شدید پروپیگنڈا کرنے میں مصروف رہے۔ 20 فروری 1953ء کو جناح پارک میں ہزارہا آدمی نماز جمعہ کے لئے جمع ہوئے۔ جن سے مولوی محمد علی کاندھلوی۔ پروفیسر خالد محمد۔ مولوی محمد یعقوب اور مولوی فضل حق نے خطاب کیا۔ احمدی عقائد کے خلاف رسالے اور کتابچے فروخت کئے گئے اور آٹھ آنے کے ٹکٹ بیچ کر ہزاروں روپے جمع کئے گئے۔

کراچی میں 27 فروری 1953ء کو جو فیصلے کئے گئے تھے۔ ان کے مطابق ہوم سیکرٹری نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ایک لاسلکی پیغام بھیجا جس میں قاضی منظور احمد اور ولی محمد جرنیل کو گرفتار کرنے کی ہدایت کی۔ یکم مارچ 1953ء کو شہر نے کامل ہڑتال کی۔ اور دس ہزار اشخاص کا ایک ہجوم ریلوے سٹیشن پر رضاکاروں کے اس پہلے دستے کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہوا جو زیر سرکردگی مولوی محمد یوسف "ڈائرکٹ ایکشن" میں اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ اس ہجوم نے بازاروں میں گشت لگایا۔ احمدیوں کے خلاف نعرے لگائے اور حکومت بالخصوص وزیراعظم پاکستان کو گالیاں دیں یہ ہجوم اس قدر سرکش تھا۔ کہ اس نے ٹرین کی روانگی میں تاخیر کرا دی۔ اور ٹرین کے بعض ڈبوں کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ بعض آدمی رضاکاروں کے ساتھ ٹرین میں سوار ہو گئے۔ اور نارووال پہنچ کر اتر گئے۔ واپس آتے ہوئے انہوں نے ٹرینوں کو روکا۔ سٹیشن کے دکانداروں کو لوٹا۔ اور ریل کی پٹڑی کے آس پاس گنے کی فصلوں کو برباد کیا۔

2 مارچ 1953ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس ڈی او چٹھی نمبری 2514-29-BDSR مورخہ 28 فروری 1953ء موصول ہوئی۔ جس میں حکومت کا یہ فیصلہ بتایا گیا تھا کہ اس شورش کو سختی سے دبایا جائے۔ انہوں نے پولیس اور مجسٹریٹوں کا اجلاس طلب کیا۔ اور فیصلہ کیا کہ:-

(1) 2-3 مارچ 1953ء کی درمیانی رات کو شورش کے نو سرغنہ زیر دفعہ 3- پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ گرفتار کر لئے جائیں (اس کے لئے ہوم سیکرٹری کی منظوری ٹیلیفون پر حاصل کر لی گئی)

(2) جو لوگ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں۔ ان کو حراست میں لے لیا جائے۔ اور پھر کہیں دور دست مقام پر لے جا کر چھوڑ دیا جائے۔

(3) فوج سے استدعا کی جائے کہ بوقت ضرورت امداد کے لئے موجود رہے۔

2 مارچ 1953ء کی شام کو رام تلائی میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں مولوی سلطان محمود پرفیسر خالد محمود۔ مولوی حبیب احمد اور مولوی محمد یعقوب نے تقریریں کی۔ ان تقریروں کا لہجہ واضح طور پر حکومت کے خلاف تھا اور پروفیسر خالد محمود نے خواجہ ناظم الدین کو آگاہ کیا۔ کہ ان کا انجام بھی مسٹر لیاقت علی خان کا سا ہو گا۔ اعلان کیا گیا کہ کل رضاکاروں کے دو دستے کراچی روانہ کئے جائیں گے۔

مولوی محمد حسین۔ مولوی محمد علی کاندھلوی - محمد صادق ولد بھولا۔ مولوی حبیب احمد۔ عبدالغفور بٹ اور شبیر احمد ولد چراغ دین 2-3 مارچ کی درمیانی رات گرفتار کر لئے گئے۔ 3 مارچ کی صبح کو فوج اور پولیس کے دستوں کی گشت کے باوجود چھوٹے چھوٹے ہجوم بازاروں میں نمودار ہوئے۔ یہ ہجوم سرکشی پر مائل تھے۔ لیکن ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم سے بعض کو فوج نے اور بعض کو پولیس نے منتشر کر دیا۔ جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کوئی سوا دس بجے قبل دوپہر دارا شہابیہ پہنچے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ اس عمارت کے اندر اور اردگرد کے مکانوں کی چھتوں پر ایک بہت بڑا ہجوم جمع ہے۔ اور حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا ہے جب ان سے منتشر ہونے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے شہابیہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس کو مجمع خلاف قانون قرار دیا اور مسٹر خلیل الرحمٰن اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور خواجہ اقبال احمد مجسٹریٹ کو حکم دیا کہ اس مجمع کو منتشر کر دیں۔ جب مسٹر خلیل الر حمان اس عمارت میں داخل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ ان کا ریوالور کسی نے ان

کی پٹی سے نکال لیا ہے تاہم وہ اور خواجہ اقبال احمد چار اشخاص کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ہار پہنے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے ایک مولوی محمد یعقوب تھا جو 2-3 مارچ کی درمیانی رات گرفتار نہیں ہو سکا تھا۔ گرفتاریوں کے بعد ہجوم دارا لشہابیہ اور ملحقہ عمارتوں کی چھتوں پر چڑھ گیا۔ اور منڈیروں پر سے اینٹیں پھینکنے لگا۔ جن کی وجہ سے پولیس نے ان گاڑیوں کے پیچھے پناہ لی۔ جو دارا لشہابیہ کے سامنے سڑک پر کھڑی تھیں خشت باری کی وجہ سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے چوٹیں آئیں۔ایک سب انسپکٹر کے چھرا گھونپ دیا گیا۔ ایک تنبیہہ کی گئی۔ جس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پولیس کو گولی چلانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے باوجود ہجوم برابر منڈیروں پر سے اینٹیں پھینکتا رہا۔

اس مرحلے پر ایک اور ہجوم دفعتا" دارا لشہابیہ کے عقب میں سڑک پر نمودار ہوا۔ اور اس نے بھی پولیس پر خشت باری شروع کر دی۔ ان کو منتشر ہونے کے لئے کہا گیا۔ لیکن چونکہ انہوں نے خشت باری جاری رکھی۔ اسلئے پولیس کو گولی چلانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر ہجوم پیچھے ہٹ گیا۔ ایک آدمی ہلاک پایا گیا۔ اس موقع پر کل اکیس گولیاں چلائی گئیں پولیس نے نعش کو اٹھا لیا۔ لیکن ہجوم پولیس پر غالب آیا۔ اس نے نعش بھی چھین لی۔ اور مولوی محمد یعقوب کو بھی حراست سے چھڑا لیا۔ چونکہ صورت حالات بالکل ہی قابو سے باہر ہو گئی تھی اس لئے اس کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔جس کی کمان لیفٹیننٹ کرنل خوشی محمد (ہشتم پنجاب رجمنٹ) کر رہے تھے۔ ہجوم نے سول کے افسروں کو گھیر لیا۔ جو ایک بند گلی میں بھاگے۔ جہاں سے وہ اس گلی کے ایک مکان کی چھت پر پہنچ گئے کچھ دیر بعد وہاں غلام حسن اے ایس آئی کو لایا گیا۔ جن کے پیٹ میں چھرا مارا گیا تھا۔ اور جن کا ریوالور چھین لیا گیا تھا اس اثنا میں ہجوم نے پولیس کی دو گاڑیوں اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی جیپ کو آگ لگا دی۔ میونسپل فائر بریگیڈ طلب کیا گیا۔ لیکن وہ بھی جلا دیا گیا اس مرحلے پر یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ہجوم ضلع کچہری کی عمارتوں۔ پولیس کے دفتر اور بعض دوسری سرکاری عمارتوں کو آگ لگانے کے درپے ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کسی نہ کسی طرح باہر نکلے اور انہوں نے پولیس لائن سے ایک گارڈ ساتھ لی۔ تاکہ سرکاری عمارتوں اور سٹیٹ بنک کی عمارت کو بچائیں۔

جس وقت دارا لشہابیہ کا واقعہ ہو رہا تھا۔ سٹی انسپکٹر اور سٹی مجسٹریٹ کو رنگپورہ کے چوک سنت سنگھ میں ایک ہجوم کا سامنا کرنا پڑا۔ جو دارا لشہابیہ کی طرف آ رہا تھا۔ اس ہجوم کو روکا گیا۔ لیکن وہ تشدد پر اتر آیا اور اس نے سٹی مجسٹریٹ سٹی انسپکٹر۔ اے ایس آئی ثناءاللہ اور ایک ہیڈ کانسٹیبل کو زخمی کر دیا۔ لیکن فوج ان کی مدد کو پہنچ گئی اور انہیں مزید نقصان سے بچایا۔

دوپہر تک ہجوم بے انتہا بڑھ گیا اور ٹریفک ڈیوٹی کے پولیس کانسٹیبلوں پر حملے کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ایک جلوس کی صورت اختیار کر لی اور اس شخص کی نعش کو ساتھ لے کر جو دارا لشہابیہ میں مارا گیا تھا۔ گشت کرنے لگا۔ یہ ہجوم سٹی مسلم لیگ کے دفتر میں پہنچا اور اس کی لائبریری لوٹ لی۔ خواجہ محمد صفدر ایم ایل اے صدر سٹی مسلم لیگ کو ان کے دفتر سے نکالا گیا۔ ان کا منہ کالا کیا گیا۔ اور ان کو بازاروں میں پھرایا گیا۔ آخر کرنل خوشی محمد نے ان کو چھڑایا۔ اس کے بعد ہجوم جناح پارک پہنچا۔ جہاں کوئی پچاس ہزار اشخاص نے مولوی محمد یعقوب کی امامت میں متوفی آدمی کے جنازے کی نماز ادا کی۔ اس موقع پر مولوی نے حسب توقع ایک پر زور تقریر کی۔

کمشنر کو ٹیلیفون پر صورت حالات کے متعلق اطلاع دے دی گئی۔ چنانچہ وہ اسی دن شام کو پہنچ گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے 3- تاریخ کے ایک بجے بعد دوپہر سے لے کر 4 تاریخ کے ایک بجے بعد دوپہر تک چوبیس گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا تھا۔ لیکن چونکہ پولیس اور فوج کی نفری کم تھی۔ اسلئے یہ کرفیو عمل میں نہ لایا جا سکا۔ اور کمشنر نے اس کے اوقات تبدیل کر کے دس بجے شب سے ساڑھے چار بجے صبح تک کر دیئے۔ اسی شام کو ایک غیر احمدی عبدالحی قریشی کو جس نے ہجوم کو تشدد سے منع کیا تھا۔ زد و کوب کیا گیا اور اس کا گھر لوٹ لیا گیا۔

4 مارچ کو زیر دفعہ 144- ضابطہ فوجداری ایک حکم نافذ کیا گیا۔ جس کے رو سے عام جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے گئے۔ اس دن ڈائرکٹ ایکشن کمیٹی نے اپنا مرکز دارا لشہابیہ سے مسجد مولوی نور حسین میں منتقل کر دیا۔ جو تحصیل اور تھانہ صدر کے قریب واقع ہے۔ ایک بڑا ہجوم اس مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ اس کو راستے میں روک لیا گیا۔ کمشنر کی ہدایت کے مطابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ہجوم کو منتشر ہونے کا حکم دیا۔ لیکن وہ افسروں پر پل پڑا۔ پولیس کو اس ہجوم پر لاٹھی چرج کا حکم دیا گیا۔ جس کے جواب میں آس پاس کے مکانوں سے اینٹیں برسائی گئیں۔ مسٹر خلیل الرحمٰن اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے سر پر شدید زخم آیا۔ اور پولیس کی ایک گاڑی توڑ پھوڑ دی گئی۔ لہذا صورت حالات کا انتظام فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے گولی چلا کر قابو پا لیا تھوڑی دیر بعد ایک ہجوم پھر مسجد کے سامنے جمع ہو گیا۔ فوج کے افسروں نے ان لوگوں سے بات چیت کی۔ اور ان سے منتشر ہو جانے کی استدعا کی لیکن جب اس کا کچھ اثر نہ ہوا تو بازار میں ایک طرف سے دوسری طرف ایک فیتہ کھینچ دیا گیا۔ اور ہجوم کو تنبیہہ کی گئی کہ اس فیتے کی حد سے آگے نہ بڑھیں۔ لیکن کسی نے فیتہ توڑ دیا۔ اور فوج کا جھنڈا جلا دیا۔ بعض لوگ تلواریں اور چھرے گھماتے ہوئے ناچنے لگے اور اس روک سے آگے بڑھنے لگے۔

اس پر فوج نے بریگیڈیئر اے کے اکبر کے حکم سے گولی چلائی۔ جس سے چار آدمی ہلاک اور دس مجروح ہوئے۔ اس ہنگامے میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ جو لیفٹیننٹ کرنل خوشی محمد کی زبان سے سنئے:۔

"ایک آدمی چھرے گھماتا اور ناچتا ہوا باہر نکلا۔ اور گولی کھانے کے لئے سینہ تان کے کھڑا ہو گیا۔ لیکن میں نے اس کو بتایا کہ جب تک وہ فیتے کی دوسری طرف رہے گا۔ اس کو گولی نہیں ماری جائے گی۔ لیکن جونہی اس نے فیتہ عبور کیا۔ اسے گولی مار دی جائے گی۔ جب گولی چلنی شروع ہوئی۔ تو مجھے وہ کہیں نظر نہ آیا۔ وہ کہیں ہجوم میں غائب ہو گیا تھا۔ پہلی فائرنگ کے بعد ایک مولوی نے سامنے آ کر فوج اور پولیس کو گالیاں دیں۔ اور ان کو کافر کہا۔ میں نے بگلر سے کہا کہ بگل بجائے۔ چنانچہ جونہی اس مولوی نے بگل کی آواز سنی وہ ہجوم پر سے پھلانگتا ہوا پیچھے کی طرف بھاگ گیا۔"

تیسرے پہر ایک ہجوم نے ایک اے ایس آئی۔ اور ایک کانسٹیبل پر یورش کی۔ اے ایس آئی کا ریوالور اور کانسٹیبل کی بندوق چھین لی۔ اور ان کی وردیاں جلا دی۔ ایک اور پیادہ کانسٹیبل کسی کیس کی مملوکات لئے جا رہا تھا۔ اس پر حملہ کیا گیا اور مملوکات چھین لی گئیں۔ دو احمدیوں کے چھرا گھونپ دیا گیا اور تین دوسرے احمدیوں کے مکانات ہجوم نے لوٹ لئے۔

جب مسٹر ایس این عالم ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس شام کو پہنچے۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے معاملات فوج کے حوالے کر رکھے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ حوالگی حق بجانب نہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے کمشنر سے مشورہ کر کے صورت حالات کو دوبارہ فوج سے واپس لے لینے کا فیصلہ کر لیا انہوں نے پولیس سے جو 3 اور 4 مارچ کے واقعات سے پست حوصلہ ہو چکی تھی۔ خطاب کیا۔ اور شہر کی گشت کے انتظامات کئے۔ فون نے اپنا بریگیڈ ہیڈ کوارٹر سٹی کوتوالی میں منتقل کر لیا۔

5 مارچ کو مسٹر دولتانہ کی اپیل ریڈیو پر نشر کی گئی۔ اور لاسلکی پیغام کے ذریعے سے بھی پہنچائی گئی۔ اس سے یہ خیال پھیل گیا کہ حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ چنانچہ حکام ضلع کی پوزیشن ناقابل رشک ہو گئی۔ جو جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے گئے تھے وہ جاری ہو گئے اور روزانہ بے شمار اشخاص گرفتار ہونے لگے۔ 7 تاریخ کو 98- 8 تاریخ کو 121 اور 9- تاریخ کو 149 رضاکار گرفتار کئے گئے۔ جس سے ظاہر تھا کہ عوام پر چیف منسٹر کی اپیل کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

7 مارچ کو پروفیسر خالد محمود اور فضل حق نے تقریریں کیں۔ جن میں پولیس اور فوج سے مطالبہ کیا کہ ہتھیار ڈال دیں اور دوسرے سرکاری ملازموں کو تلقین کی کہ ہڑتال کر دیں اور تحریک میں شامل ہو جائیں۔

10 مارچ تک صورت حالات یہی رہی۔ یہاں تک کہ چیف سیکرٹری کی طرف سے ایک لاسلکی پیغام پہنچا کہ حکام ضلع ہر قسم کی لاقانونی کو سختی سے کچل دیں۔ اس سے لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ اب حاکم ضلع کسی قسم کی لاقانونی کو روا نہ رکھیں گے۔ لہٰذا دفعہ 144 کے احکام کی تعمیل ہونے لگی۔ پروفیسر خالد محمود۔ فضل حق۔ مولوی سلطان محمود اور دیگر اشخاص مسجدوں میں منتقل ہو چکے تھے۔ جہاں سے وہ لاؤڈ سپیکر اور خفیہ پیغامات کے ذریعے سے احکام و ہدایات جاری کر کے تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان کو مسجدوں کے اندر گرفتار کرنا مناسب نہ سمجھا گیا البتہ ان کے خلاف زیر دفعہ 87' 88- ضابطہ فوجداری کارروائی کی گئی۔ اس سے بہت اچھا اثر ہوا۔ اور 12 مارچ کو ان لوگوں نے مسجدوں سے نکل کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ ان کی گرفتاری کے بعد شورش عملاً ختم ہو گئی۔ اور 16 مارچ کو شہر کے حالات بالکل معمول پر آ گئے۔

مذکورہ بالا ماجرا افسروں کے تحریری بیانات اور شہادتوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ غیر سرکاری گواہوں کی جو شہادت سیالکوٹ میں قلمبند کی گئی۔ اس سے اس ماجرا کے کسی حصے کی تردید نہیں ہوئی شہادت میں جس بات پر زور دیا گیا وہ یہ تھی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایسے آدمیوں کو پٹوایا یا پٹوایا۔ جو گرفتار ہونے کے بعد جیل میں بند کئے جا چکے تھے۔ انہوں نے خود ایک پولیس کانسٹیبل سے کہہ کر اپنی جیپ کو آگ لگوائی۔ اور خود ہی اس جلوس کی حوصلہ افزائی کی۔ جو یکم مارچ کو ریلوے سٹیشن پر تھا۔ پہلے الزام سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ گو اس کی تائید میں کافی شہادت موجود ہے۔ دوسرا الزام عام عقل و ہوش کی توہین ہے۔ اور تیسرے الزام کی صحت سے خود مولوی محمد کاندھلوی نے انکار کیا ہے۔ ہماری یہ سوچی سمجھی ہوئی رائے ہے کہ ایک سے زیادہ دفعہ صورت حالات کو فوج کے حوالے کر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دانشمندی اور جرات کا ثبوت دیا اور قانون اور اس کی پشت پناہ قوت کو عام تضحیک واستہزا سے بچا لیا۔ اس کے بعد جو خونریزی ہوئی اس کی ذمہ داری اگر اشخاص متعلقہ پر عائد نہیں ہوتی تو اس کا بار پولیس اور ملٹری پر بھی نہیں بلکہ یہ ذمہ داری کسی اور پر عائد ہوتی ہے۔

گوجرانوالہ

گوجرانوالہ احراریوں کا ایک اہم مرکز ہے۔ اول اس لئے کہ گوجرانوالہ سیالکوٹ کے قریب ہے۔ دوم اس لئے کہ یہ ایک مقبول عام احراری مقرر صاحبزادہ فیض الحسن کا وطن ہے۔

احراریوں نے 1949ء میں یہاں ایک تبلیغ کانفرنس منعقد کی۔ لیکن چونکہ اس وقت تک پاکستان کی نئی مملکت کے متعلق احراریوں کی نیک نیتی پر سخت شبہات موجود تھے۔ اس لئے یہ کانفرنس کچھ زیادہ کامیاب نہ

ہوئی۔ 1951ء میں انہوں نے "دفاع کانفرنس" کے پردے میں ایک اور کانفرنس منعقد کی۔ یہ اجتماع بہت کامیاب ہوا کیونکہ اس کے انتظامات سٹی مسلم لیگ کے صدر نے کئے تھے۔ اس کانفرنس میں سید عطا اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی اور اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ احمدیوں کو قتل کرنا اور ان کی جائیدادوں کو جلا دینا کار ثواب ہے۔ اسی سال میں ایک اور کانفرنس بھی ہوئی۔ جس میں احمدیوں کو کافر قرار دیا گیا اور ان کے مجلسی اور اقتصادی مقاطعہ کی حمایت کی گئی۔

20 جون 1952ء "یوم مطالبات" تھا۔ احراریوں نے دفعہ 144 کی خلاف ورزی کر کے مسجد شیرانوالہ باغ کے اندر ایک جلسہ عام منعقد کیا۔ اس جلسے میں صاحبزادہ فیض الحسن۔ شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین نے تقریریں کیں جو سب کے سب گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن بعد میں چیف منسٹر کے حکم سے رہا کر دیئے گئے۔ جولائی 1952ء میں ایک اور کانفرنس ہوئی۔ جس میں صاحبزادہ فیض الحسن نے یہ اعلان کیا کہ کسی احمدی کو قتل کرنا رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ جب کانفرنس ختم ہوئی تو مولانا اختر علی خان کے اعزاز میں ایک دعوت چائے دی گئی جس میں ڈپٹی کمشنر اور مسلم لیگی لیڈر بھی شامل ہوئے۔ بعد میں احمدیوں نے ڈپٹی کمشنر سے شکایت کی کہ اس کانفرنس میں ایک مقرر نے حاضرین کو امام جماعت احمدیہ کے قتل پر اکسایا تھا احمدیوں کے خلاف جذبات کی برانگیختگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر آباد میونسپل کمیٹی نے دو احمدی مدرسوں اور چار احمدی استانیوں کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ صاحبزادہ فیض الحسن۔ مولوی عبدالواحد خطیب مسجد شیرانوالہ باغ اور مولوی محمد اسماعیل نے احمدیوں کے خلاف شورش میں نمایاں حصہ لیا اور دوسری مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش بھی کی 2-3 نومبر 1952ء کو گوجرانوالہ میں مجلس عمل کے زیراہتمام ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ جس میں جماعت اسلامی کے ایک نمائندہ میاں طفیل محمد نے بھی شرکت کی۔ مجلس نے احمدیوں کے مجلسی اور اقتصادی مقاطعہ کی حمایت کی چنانچہ اس کے بعد اشیائے خورد و نوش کی دکانوں پر اس مطلب کے بورڈ لگائے گئے کہ یہاں احمدیوں کو علیحدہ برتنوں میں کھانا دیا جا سکتا ہے۔ ایک شخص عبدالغفار اثر بی اے جو اس سے قبل بازاری عورتوں کے خلاف تحریک میں کامیاب ہوا تھا۔ اس تحریک میں بھی شامل ہو گیا تاکہ اس کا اپنا دائرہ اثر وسیع ہو جائے۔ روزنامہ "زمیندار" کے مالک مولانا اختر علی خان نے تین عام جلسوں میں تقریریں کیں جن میں انہوں نے تحریک کے لئے دو ہزار روپیہ جمع کیا۔ ایک اور جلسے میں جو ان کے گاؤں کرم آباد میں ہوا تھا انہوں نے اس تحریک کے لئے ایک کروڑ روپیہ چندہ جمع کرنے کی اپیل کی۔ جب کراچی میں وزیراعظم کو الٹی میٹم دیا جا چکا تو ڈائریکٹ ایکشن کی وسیع تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اور مولویوں نے ضلع کے مختلف شہروں میں اپنا پروپیگنڈا بہت تیز کر دیا کامریڈ عبدالکریم اور مولوی عبدالغفور ہزاروی وزیر آباد میں۔ مولوی ابوالحسن محمد یحیٰی اور مولوی فضل احمد حافظ آباد میں' لطیف احمد چشتی اور حافظ عبدالشکور کاموکے میں اور مولوی عبدالواحد اور مولوی محمد اسماعیل گوجرانوالہ میں مصروف عمل ہو گئے۔ رضاکاروں کی بھرتی جاری ہو گئی حافظ آباد کے لئے پانچ سو رضاکاروں کا کوٹا مقرر کیا گیا تھا۔ جو مجلس عمل کی ترتیب سے ایک ہفتے کے اندر اندر پورا ہو گیا۔ پورے ضلع کی بھرتی کا کوٹا ساڑھے چار ہزار تھا۔ اور جن لوگوں نے رضاکاروں کے حلف نامے پر دستخط کئے ان میں مسٹر منظور حسن سیکرٹری سٹی مسلم لیگ بھی شامل تھے۔

شورش اس وقت شروع ہوئی۔ جب صوبائی حکومت کے احکام کے ماتحت مولوی محمد اسماعیل خطیب مسجد اہل حدیث گرفتار کر لئے گئے۔ یہ روز کا معمول ہو گیا کہ لاہور جانے سے پہلے رضاکاروں کے جلوس نکالے جاتے۔ اور جلسے منعقد کئے جاتے۔ مجلس عمل ختم کر دی گئی اور حکیم عبدالرحمٰن نائب صدر مجلس احرار گوجرانوالہ تحریک کے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے۔

2 مارچ کو چیف سیکرٹری کی طرف سے ایک ڈی او چٹھی نمبری BDSB 2514-29 مورخہ 28 فروری 1953ء ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو موصول ہوئی۔ جس میں مزید گرفتاریوں سے منع کیا گیا تھا لیکن یکم مارچ 1953ء کو اے ڈی آئی جی۔ سی آئی ڈی کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو یہ ہدایات پہنچیں کہ رضاکاروں کے دستوں کو لاہور اور کراچی کی طرف روانہ ہونے سے روکا جائے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں گوجرانوالہ میں گرفتار کیا جائے۔ دونوں ہدایات ایک دوسرے کے متضاد تھیں۔ اور چونکہ مجسٹریٹوں اور پولیس نفری کی کمی اور جیل میں جگہ کی قلت کے باعث حکام ضلع گرفتاریوں کے حق میں نہ تھے اور ایک آدھ دن اور صورت حالات کو دیکھنا چاہتے تھے لہٰذا لاہور کے حکام اعلیٰ پولیس سے استفسار کیا گیا۔ کہ ان حالات میں کیا کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ملا۔ کہ اس سے قبل رضاکاروں کی گرفتاری کے متعلق جو حکم دیا جا چکا ہے۔ اس کی تعمیل کی جائے۔ اور اگر جیل میں کافی جگہ نہ ہو۔ تو گرفتار شدہ اشخاص کو دور دست دیہات میں جمع کر دیا جائے۔

2 مارچ کو دس بجے ڈپٹی کمشنر کے کمرہ عدالت میں سرکاری اور غیر سرکاری آدمیوں کا ایک اجلاس ہوا۔ سٹی مسلم لیگ کے عہدہ داروں نے اس اجلاس میں موقع پا کر لیگ کے اندر اپنے مخالفین کی مذمت کی اور حکام ضلع کے ساتھ سرگرم تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ اس مرحلے پر لاہور جانے والی ٹرینوں کو ان ہجوموں نے روکنا شروع کیا جو لاہور جانے والے رضاکاروں کی مشایعت کے لئے ریلوے سٹیشن پر جمع ہو جاتے تھے۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پولیس کا ایک دستہ ساتھ لے کر ریلوے

سٹیشن پر گئے۔ اور انہوں نے پچاس رضاکاروں کے ایک دستے کو ٹرین سے اتار کر گرفتار کر لیا اس پر ہجوم میں جوش پھیل گیا۔ اور اس نے دو نعہ ٹرین کو روکا۔ جب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ٹرین کو روانہ کر دینے کی دوسری کوشش کی تو ان پر حملہ کیا گیا۔ جس سے وہ اور چار پولیس مین زخمی ہو گئے۔ جن میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ اسی دن شام کو پانچ ہزار کے ایک جوش میں بھرے ہوئے ہجوم نے ریلوے سٹیشن سے کچھ فاصلے پر سندھ ایکسپرس کو روک لیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس چھ پیادہ کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر اس مقام پر پہنچے لیکن ان پر اینٹوں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی گئی۔ چونکہ اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا۔ اور اگر ہجوم منتشر نہ ہوتا۔ تو تشدد پر اتر آتا اور ٹرین کے مسافروں کی پریشانی کا باعث ہوتا۔ اس لئے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے تین پیادہ کانسٹیبلوں کو حکم دیا۔ کہ بارہ راؤنڈ ہوا میں چلائیں۔ اس سے ہجوم منتشر ہو گیا اور کسی قسم کا جانی نقصان نہ ہوا۔ اس کے بعد معززین شہر کا ایک اجلاس ریلوے سٹیشن پر طلب کیا گیا۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک اس غنڈے پن کی مذمت کر رہا تھا لیکن کسی قسم کی عملی امداد کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ کہ مبادا وہ کافر یا مرزائی قرار دیا جائے۔

چونکہ مجلس عمل کے عہد داروں نے مجلس عمل کی حمایت کا عہد کر رکھا تھا۔ اس لئے مجلس عمل کے ڈکٹیٹر نے مسٹر منظور حسن ایم ایل اے سیکرٹری سٹی مسلم لیگ سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ ایک دستے کی قیادت کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کریں لیگ کے صدر شیخ آفتاب احمد نے تجویز کی کہ شیخ منظور حسن کی فرضی اور بناوٹی گرفتاری کا انتظام کیا جائے۔ تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ تحریک کو لیگ کی حمایت حاصل ہے۔ اس پر اتفاق ہو گیا۔ شیخ منظور حسن گرفتار کئے گئے۔ اور انہیں پولیس کی ایک جیپ میں بٹھا کر ضلع کے ایک دور دست گوشے میں اتار دیا گیااور کہا گیا کہ وہ چند روز تک گوجرانوالہ واپس نہ آئیں لیکن لوگ اس چال کو سمجھ گئے اور دوسرے دن کوئی دو سو آدمی شیخ آفتاب احمد کے مکان پر پہنچے۔ اور ان سے کہنے لگے کہ ایک جلوس میں شامل ہوں۔ وہ زبردستی مکان سے باہر نکالے گئے۔ اور ان کو ایک جلوس کے ساتھ چلنے پر مجبور کیا گیا جو مسجد شیرانوالہ باغ کو جا رہا تھا۔ اس وقت تک مسٹر منظور حسن گوجرانوالہ واپس آ چکے تھے۔ اور مسجد شیرانوالہ باغ میں پہنچ کر شورش پسندوں میں شامل ہو چکے تھے۔ انہوں نے احمدیوں اور حکومت کے خلاف کئی تقریریں کیں۔ اور سات مسلم لیگ کونسلروں کو ساتھ لے کر ایک جلوس کی قیادت کی یہ سب لوگ گرفتار کر لئے گئے۔

چیف منسٹر کا بیان مورخہ 6 مارچ لاہور کی ہدایات کے مطابق شہر بھر میں نشر کر دیا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع ملی کہ 7 مارچ کو احمدیوں کے جان و مال پر حملوں کا خطرہ ہے۔ اس صورت حالات پر فوج سے گفتگو کی گئی۔ فوج نے تجویز کی کہ دفعہ 144 کے ماتحت عام جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے جائیں لیکن سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر نے اس تجویز کو قبول نہ کیا۔ اور اس کے بجائے فیصلہ کیا کہ فوج اور پولیس مل کر شہر میں گشت کریں۔ اس کے بعد شہر میں لاقانونی کے کسی واقعہ کی اطلاع نہیں آئی سوائے اس کے کہ ایک احمدی کی دکان کو لوٹنے کی کوشش کی گئی۔

7 مارچ کو موضع نند پور میں شورش پسندوں کے ایک پر غیظ ہجوم نے ایک شخص محمد حسین کو یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ وہ احمدی ہے۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ متوفی کے ایک دشمن نے اس کو قتل کرانے کے لئے چال چلی تھی۔

8 مارچ کو مقامی ایم ایل اے مسجد شیرانوالہ باغ میں طلب کئے گئے اور ان سے درخواست کی گئی کہ لاہور جا کر ہدایات لائیں۔ یہ ایم ایل اے چیف منسٹر صاحب سے ملے لیکن کوئی قطعی ہدایات نہ لائے۔

گوجرانوالہ میں فوج کی ایک کمپنی 5 مارچ کو دو بٹالین 6 مارچ کو اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس پنجاب کانسٹیبلری کے دو ریزرو دستوں کو ساتھ لے کر 8 مارچ کو پہنچ گئے۔

جب فوج آئی تو ان نعروں سے اس کا خیر مقدم کیا گیا ”پاکستانی فوج نے سیالکوٹ گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ زندہ باد پاکستانی فوج زندہ باد“ شورش پسند ہر جگہ یہ اعلان کر رہے تھے۔ کہ وہ کفر کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔ اور کئی مقامات پر ایسے پوسٹر لگائے گئے۔ جن میں پولیس اور فوج سے اپیل کی گئی تھی کہ گولی نہ چلائیں۔ بلکہ جہاد میں شامل ہو جائیں۔

ضلع میں کوئی ایک درجن احمدیوں کو مجبور کر دیا گیا کہ اپنے عقیدے سے توبہ کر لیں۔

اس ضلع میں مسلم لیگ اس تحریک سے عملی رابطہ رکھتی تھی۔ گوجرانوالہ کی سٹی مسلم لیگ نے تحریک ختم نبوت کی حمایت میں قرار داد منظور کی۔ اور اس کے سیکرٹری مسٹر منظور حسن نے اسی مطلب کی ایک قرار داد صوبہ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس لاہور میں پیش کرنے کے لئے ارسال کی۔ انہوں نے اسی قسم کی ایک قرار داد آل پاکستان مسلم لیگ کے اجلاس ڈھاکہ میں پیش کرنے کی بھی کوشش کی۔

احمدیوں کا ایک وفد 20 مارچ کو سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں آپ لوگوں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے پہلے دن میں نے چیف منسٹر سے ہدایات طلب کی تھیں۔ اور انہوں نے ہدایات دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ مرکز نے اس معاملے کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

کمک پہنچنے کے بعد غنڈوں کی گرفتاریاں اور ناجائز اسلحہ کے لئے تلاشیاں شروع ہو گئیں مولوی عبدالواحد جو تحریک کی پشت پر تھے۔ اور

حکیم عبدالرحمٰن ڈکٹیٹر علی الترتیب 11 اور 12 مارچ کو گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے بعد چند اور مولوی آگے آئے۔ اور وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ فوج کی امداد سے مسجد شیرانوالہ باغ پر چھاپا مارا جائے۔ چھاپا مارا گیا مسجد شورش پسندوں سے پاک کر دی گئی۔ اور دس ہزار ایک سو روپے کی رقم قاری عبدالکریم سے حاصل کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رقم شیخ آفتاب احمد' مرزا شفیع بیگ' محمد دین۔ ایم۔ اے عزیز انصاری اور گوجرانوالہ مسلم لیگ کے بعض کونسلروں نے فراہم کی تھی۔

صفدر علی اور نصیردین عرف نصیریا غنڈوں کے دو مشہور لیڈر تھے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان کی گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ اول الذکر کسی نہ کسی طرح ضلع سے باہر نکل گیا۔ اور ازاں بعد جھنگ میں گرفتار کیا گیا۔ نصیریا بھی کچھ مدت تک گرفتاری سے بچتا بچاتا رہا لیکن آخر اس کا سراغ لگا کر اس کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

ضلع میں شورش کے دوسرے مرکز حسب ذیل تھے:۔

(1) کاموکے:۔ یہاں احمدیوں اور حکومت کے خلاف مظاہرے اور جلوس مرتب کرنے والے لطیف احمد چشتی اور حافظ عبدالشکور تھے۔ جو سرمایہ ضبط کیا گیا اس کی مقدار دس ہزار سات سو بہتر روپے تھی۔

(2) وزیر آباد: یہاں تحریک کی تنظیم کرنے والے مولوی عبدالغفور ہزاروی اور کامریڈ عبدالکریم تھے۔ یہاں ریل کی پٹڑی پر لکڑی کا ایک لٹھا رکھ کر ایک ٹرین روکی گئی۔ جو سرمایہ یہاں ضبط کیا گیا۔ اس کی مقدار دو ہزار پانچ سو ساٹھ روپے تھی۔

(3) حافظ آباد:۔ یہاں ابوالحسن محمد یحییٰ اور مولوی فضل الٰہی نے عوام کے جذبات کو بھڑکایا۔

(4) گکھڑ: یہاں ٹرینیں روکی گئیں۔ میر محمد بشیر صدر گکھڑ مسلم لیگ نے مع چند کونسلروں کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔

(5) نوشہرہ ورکاں: ایک پرانا کانگریسی ڈاکٹر محمد اشرف یہاں گڑبڑ کا ذمہ دار تھا۔

(6) سوہدرہ:۔ یہاں مولوی عبدالمجید اہل حدیث نے عام جلسوں کا اہتمام کیا۔

راولپنڈی

یہاں بھی فسادات کے آغاز سے پیشتر واقعات کی رفتار بالکل صوبے کے دوسرے قصبوں ہی کی مانند تھی۔ احراریوں نے احمدیوں اور ان کے مذہب کی مذمت سے کام کا آغاز کیا۔ اس کے جواب میں احمدیوں نے احراریوں کے ماضی کو اجاگر کرنا شروع کیا۔ تاکہ پاکستان کے متعلق ان کی نیت کی نسبت جو شبہات تھے۔ وہ قوی ہو جائیں۔ آل پارٹیز مسلم کونشن کے بعد احراری دوسرے مذہبی فرقوں مبلغوں اور پیروؤں کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد احمدیوں کے خلاف پروپیگنڈا کا مرکز بن گئیں۔ اور جمعہ کے خطبات تو احمدی عقائد کی مذمت و مخالفت کے لئے وقف ہی کر دیئے گئے۔ نومبر 1952ء میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے جو احراریوں کے بڑے لیڈروں میں سے ہیں' لیاقت باغ کے ایک جلسہ عام تقریریں کیں۔ اس کے بعد رضاکاروں کی بھرتی اور سرمائے کی فراہمی کی مہم شدت سے شروع کر دی گئی۔

جب کراچی میں تحریک کے لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور مولوی غلام اللہ خان کو بھی 27 فروری کو حکومت پنجاب نے گرفتار کر لیا۔ تو دھڑا دھڑا جلوس اور جلسے منعقد ہونے لگے۔ ایک جلسہ عام جو لیاقت باغ میں پیر صاحب گولڑہ شریف کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ وہ سب سے بڑا جلسہ تھا۔ جس کی نظیر ماضی میں نہ مل سکتی تھی۔ جب 6 مارچ کو سیالکوٹ اور لاہور کے واقعات کے متعلق مبالغہ آمیز افواہیں پھیلیں۔ اور یہ اطلاع موصول ہوئی کہ حکومت پنجاب نے مطالبات منظور کر لئے ہیں۔ اور کراچی کو اس منظوری کی اطلاع دے دی ہے۔ تو صورت حالات بے حد نازک ہو گئی۔ فوری نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے خیال کیا۔ حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں چنانچہ جلوس زیادہ جارحانہ ہو گئے۔ ان کی تعداد بھی بڑھ گئی۔ اور ان کو لاٹھی چارج سے منتشر کرنا پڑا۔

6 مارچ کو لیاقت باغ میں ایک اور جلسہ منعقد ہوا۔ ایک ہجوم نے جلسے کے بعد منتشر ہو کر مری روڈ کا رخ کیا۔ اور احمدیوں کی ایک مسجد کو اور ایک چھوٹی موٹر کار کو آگ لگا دی۔ اسی شام کو کچھ دیر بعد لوٹ مار اور آتش زنی کے مزید واقعات بھی رونما ہوئے۔ احمدیہ کمرشل کالج' نور آرٹ پریس اور پاک ریسٹوران شہر کے مختلف حصوں میں واقع تھے۔ لیکن لوگ زبردستی ان میں گھس گئے اور انہوں نے مختلف اشیاء کو لوٹنے' جلانے اور تباہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک غیر احمدی نوجوان نور آرٹ پریس میں ملازم تھا۔ اس کو احمدی سمجھ کر چھرا مارا گیا۔ اور وہ اسی زخم کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ جب صورت حالات سخت خطرناک ہو گئی۔ تو 7 مارچ کو فوج طلب کر لی گئی۔ اس دن تھانہ گولڑہ اور تھانہ سنگجانی کے علاقوں میں ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے گئے۔ شہر کے موزوں اور اہم مقامات پر فوج متعین کر دی گئی۔

8 مارچ کو گورنمنٹ کالج راولپنڈی کے ایک کمیونسٹ طالب علم مسعود ملک اور مولوی عبدالقدوس پونچھی کی سرکردگی میں ایک غضبناک ہجوم پولیس کوتوالی کے سامنے جمع ہو گیا۔ اور خشت باری کرنے لگا۔ سٹی مجسٹریٹ نے پولیس کو گولی چلانے کا حکم دیا۔ جس سے ایک بلوائی ہلاک ہو گیا اور چھ مجروح ہوئے۔ اس کے بعد دفعہ 144 کے ماتحت حکم صادر کیا گیا۔ جس کے رو سے جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے گئے۔ اور رات

کے وقت کرفیو عائد کر دیا گیا۔ 239 اشخاص کو کرفیو کی پابندیاں توڑنے کی پاداش میں سزائیں دی گئیں۔ اس کے بعد شورش کی تنظیم کرنے والوں نے جامع مسجد میں پناہ لی۔ جہاں سے وہ رضاکاروں کو گرفتاری کے لئے بھیجتے رہے۔ ایک ہزار تینتیس رضاکار گرفتار کئے گئے۔ اور ان کے خلاف زیر دفع 188 تعزیرات پاکستان مقدمات دائر کئے گئے یہ سب سزایاب ہوئے سوائے ان چونسٹھ اشخاص کے جنہوں نے معافی مانگ لی اور رہا کر دیئے گئے۔

شورس کی نوعیت کی وجہ سے پولیس اور فوج کے ادنیٰ ملازمین کے حوصلے اور وفاداری پر اثر پڑنے لگا مسلم لیگ کے اکثر لیڈر اور مقامی ایم ایل اے کہیں روپوش ہو گئے۔ اور انہوں نے عوام کا سامنا کرنے سے انکار کر دیا۔ حقیقت میں وہ دو رخی پالیسی پر عمل کر رہے تھے۔ بظاہر حکام کے حامی تھے۔ لیکن اندرونی طور پر شورش کی تائید و اعانت کر رہے تھے۔ پورے ضلعے میں ایک مولوی بھی ایسا نہ تھا۔ جو شورش کی حمایت نہ کر رہا ہو۔ جو مولوی گرفتار کئے گئے۔ ان میں عارف اللہ شاہ' محمد مسکین' محمد اسماعیل زاہدی اور عبدالحنان شامل تھے۔ اور یہ تمام آل پارٹیز مسلم کنونشن کے ممبر تھے۔

نواحی اضلاع سے بھی کثیر التعداد لوگ شورش میں حصہ لینے کے لئے آ گئے اطلاع موصول ہوئی کہ ضلع ہزرہ سے دو ہزار پٹھان راولپنڈی کی طرف آ رہے ہیں۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ پولیس نے پیر صاحب گولڑہ شریف کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو واپس چلے جانے کی ہدایت دے دیں اسی طرح ایک کہن سال مگر مقبول عام مولوی محمد اسحاق مانسہروی بھی تحریک کی قیادت کے لئے نکل آئے۔ لیکن حکام ضلع ان کو سمجھانے بجھانے میں کامیاب ہو گئے بلکہ ان سے ایک تحریری اپیل جاری کرائی کہ لوگ لاقانونی اور بدنظمی پیدا کرنے سے پرہیز کریں۔

اس ضلع میں شورش مارچ کے تیسرے ہفتے میں ختم ہو گئی۔

لائل پور

یہ ضلع احراریوں کا ایک اہم مرکز ہے۔ ان میں سے اکثر جالندھر گورداسپور' ہوشیار پور' لودھیانہ اور امرتسر کے اضلاع سے آئے ہیں۔ اور یہی اضلاع بہت سے آبادکاروں کے اصلی وطن ہیں۔ جنوری 1953ء تک اس ضلع میں بھی احراری احمدی نزاع کی کیفیت دوسرے اضلاع ہی کی مانند تھی۔ یکم دسمبر کو یوم میلاد النبیؐ کے موقع پر احراریوں نے ایسے جھنڈے بلند کئے جن پر یہ دو مطالبات لکھے تھے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ اور چودھری ظفر اللہ خان کابینہ سے برطرف کئے جائیں اس کے بعد یہ باقاعدہ معمول ہو گیا کہ قبل نماز اور بعد نماز کی تقریروں میں یہی مطالبات دہرائے جانے لگے تقریریں نہ صرف احمدیوں کے بلکہ حکومت کے بھی خلاف تھیں۔ جڑانوالہ کے ایک جلسہ عام میں مولوی فیروز الدین' حافظ عبدالقدیر' مولوی عنایت اللہ مجاہد' مولوی میرداد اور مولوی عبدالرحیم نے تقریریں کیں۔ جن میں مطالبات دہرائے۔ اسی قسم کے جلسے لائل پور' سمندری' ٹوبہ ٹیک سنگھ' تاندلیانوالہ اور گوجرہ میں منعقد ہوئے۔ اس دوران میں رضاکار برابر بھرتی کئے جاتے رہے جو قرآن پر حلف اٹھاتے تھے اور اپنے خون سے ڈائرکٹ ایکشن کے عہد نامے پر دستخط کرتے تھے۔ تحریک کے لئے چندہ آسانی سے جمع ہو رہا تھا۔ رضاکاروں کی تعداد نو ہزار تک اور فراہم شدہ سرمائے کی مقدار تیس ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی۔

اس تحریک کو بہت سے مسلم لیگیوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ حقیقت میں لیگ کے بہت سے کونسلر جماعت احرار سے متعلق رکھتے تھے۔ اور اس تحریک کی حمایت میں عوام پر اثر ڈال رہے تھے۔

لائل پور کے غلام نبی جانباز تاندلیانوالہ کے قاضی محمد حسین اور لائل پور کے مولوی عبیداللہ 27 فروری کو صوبائی حکومت کی ہدایت کے ماتحت گرفتار کر لئے گئے یکم مارچ کو جامع مسجد سے ایک جلوس پندرہ رضاکاروں کے اس دستے کی مشایعت کے لئے ریلوے سٹیشن کو روانہ ہوا جو مولوی محمد یوسف خطیب جامع مسجد کی سرکردگی میں کراچی جا رہا تھا۔ کوئی گرفتاری نہ کی گئی۔ کیونکہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو لاہور سے ٹیلیفون پر ہدایات موصول ہوئی تھیں کہ کراچی کو جانے والے رضاکاروں کو گرفتار نہ کیا جائے۔ دوسرے دن صاحبزادہ افتخار الحق نے ریلوے سٹیشن لائل پور کے سامنے ایک نہایت اشتعال انگیز تقریر کی۔ وہ ایک سو رضاکاروں کو ساتھ لے کر لاہور روانہ ہو رہے تھے۔ اور تقریباً چھ ہزار کا ایک ہجوم ان کو ایک جلوس کے ساتھ ریلوے سٹیشن پر لے گیا تھا۔ وہ سالاروالہ ریلوے سٹیشن پر اتار لئے گئے اور گرفتار کر لئے گئے۔ 3 مارچ کو زیر دفعہ 144 ضابطہ فوجداری ایک حکم صادر کر کے عام جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود جب سیالکوٹ میں گولی چلنے کی خبر یہاں پہنچی۔ تو چار پانچ ہزار انسانوں کا ایک جلوس جامع مسجد سے ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کو روانہ ہوا۔ ابھی وہ اپنی منزل مقصود پر نہیں پہنچا تھا۔ کہ 13 آدمی گرفتار کر لئے گئے۔ اور جلوس منتشر کر دیا گیا۔ زراعتی کالج بند ہو گیا۔ اور دیہات سے رضاکار دھڑا دھڑ شہر میں آنے لگے۔ شام کے وقت ڈپٹی کمشنر نے معززین شہر کا ایک اجلاس طلب کیا۔ جس میں ضلع مسلم لیگ اور سٹی مسلم لیگ کے صدر بھی شامل ہوئے۔ ان حضرات کا رویہ ہرگز تعاون کی طرف مائل نہ تھا۔ بلکہ آخر الذکر نے تو یہاں تک کہ دیا کہ میرا رویہ صدر صوبائی مسلم لیگ سے ملاقات کرنے کے بعد معین ہوا ہے۔ جنہیں کچھ مدت پہلے میں لاہور میں مل آیا ہوں۔

4 مارچ کو شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔ جامع مسجد میں سات ہزار

آدمیوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں بہت سے مولویوں نے تقریریں کر کے سیالکوٹ میں گولی چلانے کی مذمت کی۔ جس کے بعد تین الگ الگ جلوس روانہ ہوئے۔ جو بالآخر باہم مخلوط ہو گئے۔ اور ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد وہ ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی پر گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے مطالبات دہرائے۔ اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ لیکن ڈپٹی کمشنر نے دانائی سے کام لے کر اس جلوس کا رخ بدل دیا۔ بلکہ جیل تک خود اس کی رہنمائی کی۔ جہاں پہنچ کر جلوس کے لیڈر اور 124 دوسرے اشخاص گرفتار کر لئے گئے سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی جلوس کے ساتھ تھے۔

جب ڈپٹی کمشنر نے ہوم سیکرٹری سے فوج مہیا کرنے کی درخواست کی تو 4 اور 5 کی درمیانی رات 9/5 پنجاب رجمنٹ کی بٹالین یہاں پہنچ گئی۔

5 مارچ کو پچاس رضاکار گرفتار کئے گئے۔ اور بیس میل دور لے جا کر چھوڑ دیئے گئے ان کے علاوہ ایک جلوس کے 55 شرکا زیر دفعہ 188 تعزیرات پاکستان گرفتار کئے گئے۔ جب لاہور فائرنگ کی خبر 6 مارچ کو لائل پور میں پہنچی تو بطور احتجاجی کئی جلوس نکل آئے۔ اور کوئی 125 اشخاص گرفتار کئے گئے۔ چک جھمرا سے آنے والے رضاکاروں نے چناب ایکسپرس کو ریلوے سٹیشن لائل پور کے قریب روک لیا۔ یہ خبر بھی موصول ہوئی کہ لاہور میں مارشل لا کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ شام کو چیف منسٹر کا یہ اعلان پہنچا کہ حکومت پنجاب نے شورش پسندوں کے مطالبات کو تسلیم کر لیا ہے۔ ان کو حکومت پنجاب کی رائے کے ساتھ مرکز میں بھیج دیا ہے۔ اور صوبے کا ایک وزیر ان مطالبات کو کابینہ کے سامنے بوجہ احسن پیش کرنے کی غرض سے کراچی جا رہا ہے۔ شورش پسندوں نے اس اعلان سے یہ سمجھ لیا کہ حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مہم تیز کر دی اور اس کے بعد بعض مسلم لیگی ایم ایل اے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے لگے۔

7 مارچ غنڈے پن اور لاقانونی کا دن تھا۔ تین مختلف جلوس نکالے گئے۔ اور ایک سو سات اشخاص گرفتار کئے گئے۔ جن میں شیخ بشیر احمد صدر سٹی مسلم لیگ بھی شامل تھے جنہوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا تھا۔ دس ہزار کے ایک ہجوم نے ضلع کی کچہریوں پر حملہ کر دیا۔ کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ مجسٹریٹوں کو عدالتیں بند کرنے پر مجبور کر دیا اور پھر ڈپٹی کمشنر کے گھر میں گھس گئے۔ لائل پور کاٹن ملز کی ایک خوردہ فروشی کی دکان لوٹ لی گئی ریل کی پٹڑی توڑ دی گئی۔ اور تین ٹرینیں ریلوے سٹیشن کے قریب روک لی گئیں۔ ریلوے سٹیشن پر دکانوں اور مسافروں کو لوٹا گیا۔ ٹرین میں بعض عورتیں بے آبرو کی گئیں۔ اور ایک کیبن میں بری طرح زخمی کیا گیا۔ ہجوم کو منتشر ہونے کے لئے کہا گیا۔

اور جب اس نے تعمیل سے انکار کیا۔ تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پولیس کو گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ سینتالیس راؤنڈ چلائے گئے۔ چار آدمی ہلاک اور چار زخمی ہوئے اس کے بعد کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

اسی دن بعض مسلم لیگی ایم ایل اے سمندری میں ایک جلوس لے کر نکلے۔

8 مارچ کو دیروزہ ہلاک شدہ اشخاص کی نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے بیس ہزار کا ہجوم جمع ہوا۔ نماز کے بعد جلوس مرتب کیا گیا۔ جس نے بازاروں میں گشت لگایا۔ ایک اور جلوس زراعتی کالج سے نکالا گیا۔ دن بھر کرفیو کی خلاف ورزی ہوتی رہی اور کوئی ایک سو دس آدمی گرفتار کئے گئے۔ جب ڈپٹی کمشنر اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے سنا کہ ایک ہجوم چنیوٹ بازار کی طرف جا رہا ہے۔ تو وہ دونوں فوج ایک گشتی دستے کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ ہجوم کا رویہ جارحانہ تھا۔ ہجوم کو مجمع خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اور منتشر ہونے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اس حکم کی تعمیل نہ کی گئی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فوج کو گولی چلانے کا حکم دیا تین آدمی مارے گئے۔ اور ایک زخمی ہوا۔

کچھ احراری رضاکار گوجرانوالہ سے ایک ٹرک میں آئے۔ جس میں مائیکروفون لگا ہوا تھا۔ یہاں وہ گرفتاری سے بچ کر نکل گئے اور جھنگ کو چل دیئے۔ چنانچہ وہ وہاں گرفتار کئے گئے۔ یہ اپنے ساتھ تین ریوالور' کافی گولی بارود اور تیس ہزار روپیہ نقد لئے جا رہے تھے۔

اسی دن شام کے وقت ہجوم نے شہر کے اندرونی ٹرانسمشن سسٹم کے تار کاٹ ڈالے۔

9 مارچ کو ایک پورے دن کا کرفیو عائد کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجو زراعتی کالج کے طلبہ نے ایک لمبا جلوس نکال لیا۔ رضاکار دیہات سے برابر شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک سو بیس جامع مسجد میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے۔ وہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ شام کے وقت ڈپٹی کمشنر نے معززین شہر کا ایک اجلاس طلب کیا۔ جس میں ضلع مسلم لیگ کے صدر نے محض مجلس عمل کے نمائندے کا پارٹ ادا کیا۔

10 مارچ کو چیف منسٹر کی دوسری اپیل آ گئی۔ جس میں شورش پسندوں کے خلاف مضبوط کارروائی کی ہدایت دی گئی تھی اس کا اثر اچھا ہوا۔ اس لئے کہ حکام ضلع کو اس سے واضح ہدایت حاصل ہوئی۔ چنانچہ تحریک ٹھنڈی پڑنے لگی۔ 17 مارچ کو جامع مسجد سے رضاکاروں کا ایک جلوس نکلا۔ 19 مارچ کو متولی کی مدد سے مسجد خالی کرا لی گئی۔ اور 20 مارچ کو ضلع کی حالت پھر اپنے معمول پر آ گئی۔

اس تمام دوران میں کسی احمدی کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ نہ شہر میں اور نہ صنعتی رقبے میں کسی جائداد کی توڑ پھوڑ کی گئی۔ پرائیویٹ طور پر گولی چلانے کے صرف دو واقعات ہوئے دونوں میں

احمدیوں نے غلط فہمی کے ماتحت گولی چلا دی تھی۔ اور دونوں موقعوں پر بعض بچے زخمی ہوئے۔

ضلع کے جن دوسرے قصبوں پر شورش کا اثر ہوا۔ وہ یہ تھے: چک جھمرا۔ جڑانوالہ' ڈجکوٹ' سمندری' تاندلیانوالہ 'گوجرہ' ٹوبہ ٹیک سنگھ اور کمالیہ۔ لیکن ان مقامات پر قوت کے استعمال کی ہرگز ضرورت نہیں پڑی۔ اور احمدیوں کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

شورش پسندوں سے جو سرمایہ چھینا گیا۔ اس کی مقدار چار ہزار دو سو تیس روپے دو آنے تین پائی تھی۔

منٹگمری

منٹگمری بھی احراریوں کا ایک اہم مرکز ہے۔ کیونکہ (1) بہت سے احراری یہاں آباد ہو گئے ہیں (2) احمدیوں کے خلاف تحریک کے ذمہ داروں اور احراریوں کے خلاف بہت سے مقدمات اسی ضلع میں دائر ہوئے (3) احراری یہاں ایک ادارہ چلا رہے ہیں جس کا نام جامع رشیدیہ ہے اور یہ ادارہ احراریوں کی مذہبی سیاسی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس ضلع کے پانچ بڑے بڑے احراری یہ ہیں: مفتی ضیا الحسن (احراری لیڈر مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا بھتیجا) جو منٹگمری میں آباد ہو گیا ہے۔ مولوی حبیب اللہ' مولوی لطف اللہ اور مولوی عبداللہ تینوں بھائی جو منٹگمری جامع رشیدیہ کے بانی ہیں۔ اور مولوی بشیر احمد رضوانی جو اوکاڑے میں آباد ہو گیا ہے۔

یہاں جو واقعات فسادات سے پہلے یا ان کے دوران میں رونما ہوئے۔ ان کی کہانی اس جامع تحریری بیان میں درج ہے۔ جو مسٹر حق نواز سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مرتب کیا۔ واقعات ویسے ہی ہیں۔ جیسے دوسرے مقامات پر پیش آئے۔ احراریوں اور احمدیوں کی ایک دوسرے کے خلاف تقریریں۔ جب آل پارٹیز مسلم کنونشن نے جولائی 1952ء میں مطالبات مرتب کر لئے۔ اس کے بعد مسجدوں سے احمدیوں کے خلاف پرزور پروپیگنڈا' سرمائے کی فراہمی اور ڈائرکٹ ایکشن کے لئے رضاکاروں کی بھرتی اور 27 فروری کی گرفتاریوں کے بعد عام جلسے اور جلوس اور زیر دفعہ 107 ضابطہ فوجداری یا زیر دفعہ 3 پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ گرفتاریاں جماعت اسلامی کے مقامی ارکان اور دوسرے مولوی تحریک میں شامل ہو گئے۔ اور مسجدیں رضاکاروں کا ہیڈ کوارٹر بنا دی گئیں مختلف جماعتوں کے اشخاص نے جن میں مجلس احرار' جماعت اسلامی اور مسلم لیگ والے بھی شامل ہیں۔ مظاہروں میں سرگرم حصہ لیا۔ ان اشخاص کے نام سپرنٹنڈنٹ پولیس کے تحریری بیان کے ساتھ بطور ضمیمہ مندرج ہیں۔ بھرتی ہونے والے رضاکاروں کی تعداد منٹگمری میں دو ہزار' اوکاڑہ میں ڈیڑھ ہزار' عارف والا میں سات سو' اور چیچا وطنی میں دو سو تھی۔

مولوی لطف اللہ اور حبیب اللہ کی گرفتاری کے احکام صوبائی حکومت کی طرف سے 27 فروری کو موصول ہوئے۔ آخر الذکر اس وقت بھی ہائیکورٹ کے حکم کے ماتحت توہین عدالت کے جرم سزائے قید کاٹ رہا تھا۔ حکام ضلع مزید گرفتاریاں بھی کرنی چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے مفتی ضیا الحسن اور مولوی عبداللہ اول اور مولوی عبداللہ ثانی کو گرفتار کرنے کی اجازت حکومت سے حاصل کر لی تھی۔ 2 مارچ کو اے ڈی آئی جی کی طرف سے یہ ہدایت موصول ہوئی کہ کراچی جانے والے رضاکاروں کو گرفتار نہ کیا جائے۔

چیف منسٹر کی اپیل مورخہ 6 مارچ کا اثر یہاں بھی وہی ہوا جو دوسرے مقامات پر ہوا تھا۔ یعنی شورش کو مزید تقویت پہنچ گئی۔

اس ضلع میں کسی قدر اہمیت کے واقعات صرف وہ تھے جو اوکاڑہ میں پیش آئے 6 مارچ کو تین ہزار کا ایک ہجوم ریلوے سٹیشن پر پہنچا۔ اور اس نے ڈاؤن پاکستان میل کو تین گھنٹے تک روکے رکھا۔ ہجوم نے ڈبوں کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں۔ ٹرین کو روکنے والی ویکم کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور مسافر عورتوں کو بے آبرو کیا۔ 8 مارچ کو اوکاڑہ کے قریب ٹیلیگراف کے تار کاٹ دیئے گئے 3 اپریل کو جامع مسجد میں چند آتش ایز تقریروں کے بعد عورتوں کا ایک جلوس نکلا۔ جو کچھ کتبے اور جھنڈے اٹھائے ہوئے تھیں۔ پولیس نے کتبے چھیننے کی کوشش کی۔ جس پر پانچ سو آدمیوں کا ایک پر غیظ ہجوم پولیس پر پل پڑا۔ پولیس اس ہجوم کو پیچھے ہٹا رہی تھی کہ ستر سال کا ایک بوڑھا آدمی زخمی ہوا۔ اور پھر ہسپتال میں فوت ہو گیا 8 مارچ کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ اگرچہ اس کا ذکر کسی سرکاری بیان میں موجود نہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کے باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ حافظ محمد بخش سیکرٹری جماعت احمدیہ چک L 2/4 (نزد اوکاڑہ) اور ان کے کنبے کے اشخاص کو جن میں ایک بی اے اور دوسرا بی اے ایل ایل بی ہے۔ مجبور کیا گیا کہ اپنے عقیدے سے توبہ کریں۔ اور تحریک احمدیہ کے بانی کو گالیاں دیں۔ پھر چار پانچ ہزار کا ایک ہجوم ان کو ان کے گاؤں سے جامع ملیہ اوکاڑہ میں لایا۔ جہاں وہ مولوی ضیا الدین اور مولوی معین الدین کے سامنے پیش کئے گئے اور ان سے کہا گیا کہ ان مولویوں کے سامنے اپنے عقائد سے منحرف ہونے کا اعلان کریں۔

سرغنوں کو آسانی سے گرفتار کرنے کے لئے 14 مارچ کو اوکاڑہ میں چوبیس گھنٹے کا کرفیو نافذ کیا گیا۔ اس کے بعد 17 مارچ کو منٹگمری میں ڈھائی بجے بعد دوپہر سے 6 بجے صبح تک کرفیو عائد رکھا گیا۔ 13 مارچ کو منٹگمری اور اوکاڑہ میں 17 دن کے لئے عام جلسے اور جلوس ممنوع قرار دیئے گئے۔

اوکاڑہ میں 3 اپریل کا واقعہ پیش آنے کے بعد ضلع کے حالات پھر اپنے معمول پر آ گئے۔

بیان بھی ضرور سننا چاہیے۔ جنرل اعظم فیصلہ نمبر 2 کا یہ مطلب نہیں سمجھتے کہ پولیس کے ساتھ فوج ضرور ہو گی۔ "نہ پولیس نے ہم سے کوئی استدعا کی تھی کہ ہم اس کے ساتھ رہیں" لیکن فوج کہیں دور فاصلے پر مقیم نہ تھی اپنے کمانڈروں کے ماتحت "کا یہ مطلب نہ تھا کہ فوج پولیس سے بے نیاز ہو کر آزاد نہ اقدام کرے گی وہ اس سے پیشتر بھی اپنے ہی کمانڈروں کے ماتحت تھی۔ مسٹر چندریگر نے فیصلے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ فوجی دستے قوت کا استعمال کریں گے لیکن وہ اپنے کمانڈروں کے ماتحت اقدام کریں گے اور فوجی کمانڈر جی او سی کی عمومی ہدایات کے تحت اپنا اختیار تمیزی استعمال کریں گے یہ مطلب ان معنوں میں صحیح ہے کہ اگر پولیس ہم سے امداد طلب کرے گی اور وہ امدادی فی الفور دی جائے گی ...... ان کا بیان کہ میں نے تسلیم کیا ہے کہ ہار پہنانے کا کم از کم ایک واقعہ ضرور ہوا تھا صرف اس حد تک درست ہے کہ ایک دفعہ اس قسم کی کوشش کی گئی تھی اور اس میں پھول دور سے دکھائے گئے تھے شاید اس سے مقصود یہ تھا کہ فوج اور پولیس میں پھوٹ پڑ جائے۔ مسٹر چندریگر نے بیان کیا ہے کہ میں نے اس معاملے کی تحقیقات کی اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ جن موقعوں کے متعلق شکایت کی گئی ہے ان پر گولی چلانا ضروری نہ تھا یہ بیان صرف اس حد تک درست ہے کہ میں نے بریگیڈ کمانڈر سے تحقیق کی تھی جو اس وقت موقع پر موجود تھا"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہار پہنانے کے صرف ایک واقعہ نے فوج کے خلاف تعصب پیدا کر دیا یہ بات ایک شخص سے دوسرے شخص تک اور ایک حلقے سے دوسرے حلقے تک پہنچی اور لوگ اس کو بطور مثال پیش کرنے لگے کہ فوج نے صورت حالات کے متعلق یہ رویہ اختیار کیا ہے لیکن ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی گئی اور کوئی ایسی مثال ہم طور پر بھی معلوم نہیں جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ فوج نے اپنا مفوضہ کام انجام نہیں دیا یا ایسے طریق سے انجام دیا کہ اس کے متعلق دو رائیں ظاہر کی جا سکیں اس موضوع کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہا گیا ہے کہ فوج نے جو کچھ کیا وہ اس سے زیادہ بھی کر سکتی تھی۔

فوج کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں

وہ یقیناً کر سکتی تھی بشرطیکہ اس کو بغیر کسی تامل کے استعمال کیا جاتا یہ تامل محض اس اندیشے کی وجہ سے تھا کہ وہ خوں ریزی کا باعث ہو گی فوج کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں یہ الزام و ملامت سے بچنے کا محض ایک بہانہ تھا۔

6- کیا مارشل لاء سے بچنا ممکن تھا؟

جنرل اعظم کا خیال ہے کہ اگر بروقت کاروائی کی جاتی تو فوج بھی بالکل غیر ضروری تھی "نیم دلی کی تدبیروں اور ناقص قیادت کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلا پولیس فرسٹ کلاس تھی اگر وہ ایک خاص مرحلے پر مضبوط پالیسی پر عمل کرتی تو فوج کی مدد کے بغیر ہی صورت حالات پر قابو پا لیتی ضرورت جرات کی اور ایک متعین مقصد کی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس امر کا احساس چاہیے تھا کہ یہ معاملہ قانون و انتظام کا ہے اور ہر قیمت پر اس کا سامنا کرنا ہے"۔

اگر فوج کو استعمال کرنے کے متعلق ہچکچاہٹ نہ ہوتی

یہ شاید صحیح نہ ہو کہ فوج کی بالکل ہی ضرورت نہ پڑتی لیکن یہ صحیح ہے کہ سول حکام کے اقدامات پر ایسی مصلحتوں کا اثر تھا جو خالص قانون و انتظام کے مصالح سے بالکل علیحدہ تھیں حکومت فوج کو بلا تامل استعمال کرنے سے ہچکچا رہی تھی کہ مبادا خون ریزی ہو جائے جیسا مسٹر انور علی نے کہا ہے اور وزراء معزز شہریوں کے اس احتجاج سے پریشان ہو رہے تھے کہ پولیس ان پر تشدد ہجوموں پر بھی گولی چلا رہی ہے (ہم دہراتے ہیں کہ "پر تشدد ہجوموں پر بھی") جو زیادہ سے زیادہ کسی تھانے پر خشت باری کر دیتے ہیں یا کسی کسی جگہ کسی اومنی بس کو جلا دیتے ہیں یا کسی قصور وار ڈاک خانے کو آگ لگا دیتے ہیں یا مسافروں سے بھری ہوئی کسی ریلوے ٹرین پر پتھر پھینکتے ہیں کیونکہ وہ سٹیشن سے روانہ ہونے کی کوشش کرتی ہے یا ان تانگے داروں اور دکانداروں کا منہ کالا کر دیتے ہیں جو اپنے کاروبار کو بند نہ کرنا چاہتے یہ بہت چھوٹے واقعات ہیں بمقابلہ اس کے کہ ایک بھری ہوئی بوری کو خواجہ ناظم الدین کا مجسمہ بنا کر دکھایا جائے اور قصور میں ایک گدھا تیار کیا جائے جس کے سوار کو ظفراللہ خان ظاہر کیا جائے نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حکم صادر کیا گیا جس کے معنی یہ سمجھے گئے کہ فائرنگ کو محدود کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور جس کا اثر پولیس پر طبعاً" بہت برا ہوا۔

اگر مسجد وزیر خاں کو منقطع کر دیا جاتا

لیکن اب ہم پھر 4 مارچ کا ذکر کرتے ہیں جب سید فردوس شاہ قتل کیے گئے تھے اس سے بھی قبل سب کو معلوم تھا کہ مسجد وزیر خاں تمام گڑ بڑ کا مرکز ہے مولانا عبدالستار نیازی اس میں مسند نشین ہو چکے ہیں اور ایک ایسی مضبوط نشست سے حکومت کے خلاف نفرت پھیلا رہے ہیں۔ کہ ان کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ کی بھی تعمیل نہیں کی جا سکتی اگر پولیس صورت حالات پر قابو پا سکتی تھی تو مسجد کو کھلا کیوں چھوڑ دیا گیا اور اگر اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا تو اس کو فوج کے حوالے کیوں نہ کیا گیا ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر صرف اس ایک صورت حالات کو فوج کے حوالے کر دیا جاتا تو بلووں کی رفتار پر نہایت نمایاں اثر پڑ جاتا۔

اگر انسدادی اقدام کچھ مدت پہلے کیا جاتا

اب ہم اور بھی پہلے کے واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں سوائے اس حالت کے کہ حکومت پنجاب اور مجلس عمل کے درمیان یہ سمجھوتہ ہو چکا ہو کہ شورش کا مرکز کراچی ہو گا 28 فروری کو غیر دفعہ 144- ضابطہ فوجداری حکم نافذ کرنا دنیا دارانہ تدبیر تھی اسی وجہ کی بنا پر اسے "انسدادی" تدبیر کہتے ہیں اس قسم کا حکم 26 یا 27 جولائی 1952ء کو بھی جاری کیا گیا تھا جب لیگ کے دفتر کے سامنے تشدد کا مقامی خطرہ در پیش تھا اور یہ حکم ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کسی سے استصواب کئے بغیر نافذ کر دیا تھا یہ حس تناسب کے نقدان کا ثبوت ہے کہ اس موقع کو 28 فروری سے بھی زیادہ خطرناک ممکنات کا حامل سمجھا گیا حالانکہ 28 فروری کو ڈائرکٹ ایکشن کے چیلنج پر عمل ہونے والا تھا اور مرکزی حکومت نے اس چیلنج کو قبول کر کے ممتاز لیڈروں کی گرفتاری کا حکم دے دیا تھا جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے نزدیک "گم نام" لوگ تھے۔

اگر باورچی اتنے زیادہ نہ ہوتے

انگریزی میں ایک مثال ہے کہ بہت سے باورچی سالن کی ہنڈیا کو خراب کر دیتے ہیں ہمیں ایک بار یہ احساس ہوا ہے کہ لاہور کی مصیبت بھی "بہت سے باورچیوں" کی وجہ سے تھی دوسرے اضلاع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس صورت حالات پر گفتگو کر کے ایک لائحہ عمل تیار کر لیتے ہیں اور بغیر کسی خلل اور مداخلت کے اس کو پورا کر سکتے ہیں لاہور میں متعدد بڑے افسر موجود ہیں جن سے مشورہ ضروری ہوتا ہے اور باوجود اس کے جو کچھ مسٹر دولتانہ اور ان کے افسروں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے فرائض کے متعلق کہا ہے اگر ان کے پاس ایک ایسا قوی آدمی ہوتا جو بروقت ایک حکم امتناعی جاری کر دیتا مسجد وزیر خاں کو فی الفور آبادی سے منقطع کر دینے کا حکم دے دیتا اور فائرنگ نرم کرنے کے فیصلے کو اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا تو ہمیں یقین ہے کہ اس کا آئندہ عہدہ کراچی میں "کنٹرولر اجناس خوردنی و نوشتین پین" ہوتا لیکن تم کو حقیقت میں ایسے افسروں کی ضرورت ہے جو 4 مارچ کی شام کو صرف ایک پستول جیب میں ڈال کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر تن تنہا مسجد وزیر خاں میں جا سکیں تم کو اس قسم کے افسروں کی نسل بڑھانی چاہئے اور ان میں آزادی و خود مختاری کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔

لائل پور کی ایک مثال

"بہت سے باورچیوں" کے موضوع کے سلسلے میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کا مسٹر ابن حسن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لائل پور نے تن تنہا انسپکٹر جنرل' ہوم سیکرٹری' چیف سیکرٹری' چیف منسٹر اور گورنر کی امداد کے بغیر کیا کام انجام دیا۔ یہ شہر لاہور کے مقابلے میں چھوٹا ہے لیکن اس کا رقبہ مسجد وزیر خاں سے کچھ بڑا ہی ہو گا۔ 2 مارچ کو جامع مسجد میں لاہور اور کراچی جانے والے رضا کاروں کے اعزاز میں اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں لیکن اس کے بعد ہم نے ان رضاکاروں کے متعلق کچھ بھی نہ سنا پولیس نے سالار والا کے مقام پر ان کو کہیں غائب کر دیا۔ 3 مارچ کو سیالکوٹ میں گولی چلنے کی خبر سے کچھ اضطراب پیدا ہوا لہٰذا فوراً دفعہ 144 لگا دی گئی چار پانچ ہزار آدمیوں کا ایک جلوس ڈپٹی کمشنر کے مکان کی طرف روانہ ہوا لیکن منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے چند گرفتاریاں کرلی گئیں۔ 4 مارچ کو مکمل ہڑتال تھی ایک جلوس نے پھر ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی کا رخ کیا لیکن ڈپٹی کمشنر نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر اس کو جیل کی طرف منتقل کر دیا جلوس کا رویہ جارحانہ اور اشتعال انگیز تھا لیکن ڈپٹی کمشنر نے پولیس کی نفری کو ناکافی پا کر اس کو منتشر تو نہ کیا 125 آدمیوں کو گرفتار کر لیا اس کے بعد اس افسر نے ہوم سیکرٹری کو ٹیلیفون کر کے فوجی امداد اور ایک ہوائی جہاز کا مطالبہ کیا تاکہ قانون و انتظام کا احترام قائم کیا جائے یہ دونوں چیزیں بلا تاخیر مہیا کر دی گئیں۔ 5 مارچ کو دفعہ 144 ضابطہ فوجداری کے حکم کی خلاف ورزی میں ایک جلوس نکالا گیا اور 55 اشخاص گرفتار کئے گئے 6 اور 7 کو بھی جلوس نکلے اور گرفتاریاں کی گئیں لیکن 7 کو فضا زیادہ کشیدہ ہو گئی اور ہنگامہ آرائی رونما ہونے لگی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو خبر ملی کہ تین ٹرینیں روک لی گئی ہیں اور مسافر عورتوں کی بے عزتی کی جا رہی ہے اور ان کو لوٹا جا رہا ہے اس نے مضبوط اقدام کے لئے کسی مجسٹریٹ کو نہ بھیجا بلکہ خود وہاں گیا اور اس نے ہجوم کو منتشر کرنے کا حکم دے دیا جب لوگ منتشر نہ ہوئے تو اس نے لاٹھی چارج کا خطرہ لینا گوارا نہ کیا جس میں اکثر پولیس پٹ جایا کرتی ہے اس نے گولی چلانے کا حکم دے دیا جس سے چار ہلاک اور پانچ زخمی ہوئے پھر اس نے ٹرینوں کو فوجی پہرہ مہیا کیا تاکہ آمدورفت کی روانی معطل نہ ہونے پائے۔

8 مارچ کو اس نے سنا کہ چنیوٹ بازار کے مکانوں پر اینٹیں جمع کی گئی ہیں تاکہ اگر پولیس جلوسوں میں مداخلت کرے تو اس پر اینٹوں کی بوچھاڑ کی جا سکے 1/2' 7 بجے شام وہ ڈی۔ آئی۔ جی کے ساتھ چنیوٹ بازار گیا وہاں ان کا سامنا ایک سرکش ہجوم سے ہوا یہ دونوں افسر وہاں سے واپس آ گئے اور پھر فوج کا ایک دستہ لے کر آئے انہوں نے ہجوم کو منتشر ہونے کا حکم کیا جب اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے گولی چلانے کا حکم دے دیا جس سے تین آدمی ہلاک ہوئے اور ایک زخمی ہوا۔

اس کے بعد کوئی واقعہ نہیں ہوا ایک واقعہ البتہ ہوا کہ ایک دن شام کو چیف منسٹر نے ٹیلیفون پر اس کے مضبوط اقدام پر مبارکباد دی۔

سیال کوٹ کی مثال

سیال کوٹ میں کم از کم دو ایسے واقعات ہوئے جن کا انتظام فوج کے حوالے کر دیا گیا اور کسی کو یہ اندیشہ نہ ہوا کہ فوج ایسا قابو پائے گی کہ سول حکام بالکل ہی بے دخل ہو جائیں گے نہ کوئی ایسا خطرہ تھا کہ خون ریزی ہو جائے گی ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق کوئی اضطراب نہ تھا کیونکہ جب گولی چلے گی تو خون ریزی لازما ہو گی اور "تم کو معلوم ہے کہ ایسے واقعات ہر مشہور فتح کے موقع پر ہوا ہی کرتے ہیں" ہم ایک مختلف موقع پر یہ لکھ چکے ہیں کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جب دیکھا کہ صورت حالات اس کی متقاضی ہے تو اس کو فوج کے حوالے کر کے دانش مندی کا ثبوت دیا۔

مارشل لا کے بعد جنرل اعظم نے فصیلی شہر کے اندر (جس پر 1932ء سے کسی نے قابو نہ پایا تھا) صرف ایک بٹالین استعمال کی جس میں چار سو اور چھ سو کے درمیان نفری تھی۔ جنرل اعظم نے شکایت کی کہ مارشل لا کے اعلان سے پہلے فوج کو محض "نمائشی مقصد" (یعنی گشت) کے لئے استعمال کیا گیا اور بد نظمی کو دبانے کے لئے کام نہ لایا گیا: مثلا اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ کرفیو آڈر کو گولی چلا کر اور گرفتاریاں کر کے نافذ کرو تو یہ بد نظمی کو دبانے کا کام ہو گا۔ اس کے بعد طوفان کا مرکز یعنی مسجد وزیر خان کا رقبہ بلکہ حقیقتاً فصیلی شہر کا پورا رقبہ نظر انداز کر دیا گیا اگر دبانے کا کام ہمارے سپرد ہوتا تو ہم سارے شہر میں اپنی چوکیاں قائم کر لیتے اور لوگوں کو ان کے بھٹوں میں آنے جانے سے بالکل روک دیتے واقعہ یہ ہے کہ جہاں کہیں فوجی دستے ظاہر ہوتے تھے لوگ غائب ہو جاتے تھے"۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ہمیں بتایا ہے کہ 5 مارچ کی شام تک پولیس جواب تک صورت حالات کے تدارک کے لئے جدوجہد کر رہی تھی ناکام ہونے لگی اور اس کے بعد "پولیس کا کام تھا کہ فوج کی خدامات سے فائدہ اٹھاتی" جب ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اس کو ممکن کیوں نہ بنایا انہوں نے جواب دیا "فوج بھی موجود تھی اور پولیس بھی موجود تھی" "ان کا فرض تھا کہ فوج کو طلب کر لیتے اور فوج پہلے ہی سے شہر میں موجود تھی یہ پولیس کے حاکم اعلیٰ کا فرض تھا کہ انہیں بتاتا کہ انہیں کس کس طریقے سے کاروائی کرنی چاہیے اگر مجسٹریٹ موجود ہو جب بھی پولیس ہی کا کام ہے کہ فوج سے اقدام کی استدعا کرے" آپ نے کہا کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 29 کا یہی مطلب ہے۔

ہمارا یہی مطلب ہے اس قول سے کہ اگر ایک قوی آدمی موجود ہوتا جو قانون و انتظام کے سوا دوسری بیرونی مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتا اور اس اعلیٰ درجے کے مواد و سامان میں جو اس کے قدموں میں پڑا تھا زندگی کی روح پھونک دیتا تو حالات بالکل مختلف ہوتے اس باب کو ہم اس مصرع پر ختم کرتے ہیں کہ

شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

اس حصے کے آخری نتائج

اب پوری صورت حالات پر تبصرہ کرنا مناسب ہے۔

ہر شخص اس پر متفق تھا کہ احراری ایک مخالف حکومت گروہ ہے یہ لوگ قیام پاکستان کے مخالف تھے اور سردار عبدالرب نشتر کا خیال بھی یہی ہے کہ وہ اپنے اعتماد کو دوبارہ بحال کرنے کی فکر میں ہیں 1950ء میں اور 1952ء میں مسٹر انور علی نے جو اس زمانے میں ڈی۔ آئی۔ جی سی آئی ڈی تھے پرزور سفارش کی کہ ان کو خلاف قانون جماعت قرار دیا جائے مسٹر قربان علی خاں نے بار بار پرزور اور پیشینگویانہ یادداشتیں لکھیں اور غفلت کے امکانی نتائج سے آگاہ کیا ایک لا قانونی سے دوسری لاقانونی پیدا ہوتی ہے ایک مکروہ شے دوسری مکروہ شے کی باعث ہوتی ہے لیکن جب کبھی کوئی کانفرنس ہوئی یا تو ان لوگوں کو اپنی پرزور رائے تبدیل کرنے پر آمادہ کر لیا گیا یا سرکاری اخلاق نے انہیں احتجاج سے باز رکھا لہٰذا مسٹر دولتانہ کہتے ہیں کہ جو فیصلے فائلوں میں درج ہیں ان پر ہر شخص متفق تھا اور حکام متعلقہ نے اس بات کی کبھی تردید نہیں کی لہٰذا ہماری رائے یہ ہونی چاہیے کہ ذمہ داری مشترک تھی گو ہمارا احساس اس سے مختلف ہے مزید براں ہمارا احساس یہ بھی ہے کہ احراریوں سے تو ایسا برتاؤ کیا گیا گویا وہ خاندان کے افراد ہیں اور احمدیوں کو اجنبی سمجھا گیا۔ احرایوں کا رویہ اس بچے کا سا تھا جس کو اس کا باپ کسی اجنبی کو پیٹنے پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور وہ بچہ یہ جان کر کہ اسے سزا نہ دی جائے گی اجنبی کو پھر پیٹنے لگتا ہے۔ اس کے بعد چونکہ دوسرے لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لئے باپ محض پریشان ہو کر بیٹے کو مارتا ہے لیکن نرمی سے تاکہ اسے چوٹ نہ لگے۔

چونکہ مرکزی حکومت مسلسل دریافت کر رہی تھی اور سی آئی ڈی کی یادداشتیں انبار در انبار جمع ہو رہی تھیں اس لئے 25 مئی 1953ء کو ایک کانفرنس منعقد کی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ احراریوں اور احمدیوں کے تمام جلسے ممنوع قرار دئے جائیں یہ اقدام بہت خوب تھا لیکن 5 جولائی تک اس کو کاٹ چھانٹ کر بالکل ہی نیست و نابود کر دیا گیا حکم امتناعی کی خلاف ورزی میں جلوس نکلتے ہیں تو نکلنے دو جلسے ہوتے ہیں تو ہونے دو احراریوں کے سوا کسی کو گرفتار نہ کرو کوئی احراری گرفتار نہ کیا جائے صرف ممتاز احراری گرفتار کئے جائیں اور اگر کوئی ممتاز احراری کسی ایسے جلسے میں تقریر کرے جو اس کی جماعت نے منعقد نہ کیا ہو تو اسے حکومت سے استصواب کئے بغیر گرفتار نہ کیا جائے۔

اور حکام ضلع نے قدرتی طور پر اس میں ایک چوتھی ہدایت کا اضافہ کر لیا حکومت سے استصواب کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ استصواب کرنے میں دیر لگتی ہے آخر حکومت کو پولیس کے سولہ تھانوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے اور پھر مہاجرین اور استقبال معززین کو بھی مزید دو تھانے ہی سمجھنا چاہیے یہ کیس ایک کانفرنس میں پیش کرنا ہو گا لیکن اس وقت جب سات آٹھ اسی قسم کی مزید فائلیں جمع ہو جائیں پھر تین مہینے کے بعد تم سنتے ہو کہ عبداللہ اور نارائن صرف ادنیٰ قسم کے لوگ ہیں ان کے خلاف مقدمات دائر کرنے سے کوئی مفید مقصد حاصل نہ ہو گا لیکن اگر عدالتی کاروائی کی منظوری بھی دے دی گئی تو تین مہینے گزرانے کے بعد ان کی امتناعی وقعت کیا رہ جائے گی؟

اگرچہ 5 جولائی کے فیصلے اس وقت کئے گئے تھے جب مسٹر دولتانہ نتھیا گلی میں تھے لیکن اس امر کے قرائن موجود ہیں کہ ان کے جانے سے پہلے ان فیصلوں کے متعلق ان سے بات چیت کی جا چکی تھی ہوم سیکرٹری نے ان سے ٹیلیفون کا رابطہ بھی برابر قائم رکھا تھا۔

جہاں ایک طرف افسروں پر یہ ظاہر کی گیا کہ ان فیصلوں سے احراریوں کو باقی قوم سے منقطع کرنا مقصود ہے وہاں دوسری طرف احراریوں کو اس امر کا موقع دے دیا گیا کہ وہ 13 جولائی کو کنونشن منعقد کر کے تمام مسلم جماعتوں کے علمائے اتحاد کر لیں اس چال سے احرار نے جمہور کے ایک بہت بڑے طبقے کی ہمدردیاں حاصل کر لیں کیونکہ عوام احرار کی نسبت علما کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

جب احراریوں نے دیکھا کہ ان کے جلسے ممنوع کئے چکے ہیں اور بعض احراریوں کے خلاف مقدمات بھی دائر ہو چکے ہیں تو انہوں نے ایک نکا دے کر اپنی آزادی خرید لی انہوں نے ایک بیان جاری کیا کہ نہ انہوں نے کبھی آج تک تشدد کی تلقین کی ہے نہ آئندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں حکومت کو معلوم تھا کہ انہوں نے تشدد کی تبلیغ کی ہے یا کم از کم ان کی تقریروں کا اثر یہی ہوا ہے لیکن حکومت نے یہ جانتے ہوئے بھی ان کے بیان کو اس طرح قبول کر لیا گیا احراریوں نے معافی مانگ لی ہے حالانکہ صرف پندرہ روز پیشتر جب مسٹر انور علی نے ان سے معافی مانگنے کو کہا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا تھا حکومت کو خوب معلوم ہے کہ ایک صحیح قسم کا معافی نامہ کیونکر حاصل کیا جاتا ہے چنانچہ انہوں نے 28 فروری کو مولانا اختر علی خاں سے ایسا معافی نامہ حاصل کر ہی لیا تھا لیکن احرار کے معاملے میں ایک ایسا بیان جس سے ان کی عزت اور ان کے اعتبار میں ذرہ بھر کمی بھی نہ ہوتی تھی بہت بڑی کامیابی قرار دیا گیا اور ان کو اجازت دی گئی کہ وہ شوق سے تقریریں کریں وزیر خارجہ کو گالیاں دیں وزیراعظم کو رسوا کریں اور شائستگی کے خلاف الفاظ استعمال کریں اس تمام دوران میں مسٹر دولتانہ کو ان کے افسر بار بار یاد دلاتے ہے کہ احرار اپنے قول و قرار کی پابندی نہیں کر رہے ہیں لیکن ان افسروں نے خود بھی کسی کاروائی کی تجویز پیش نہ کی یا تو انہیں علم تھا کہ ان کی یاداشتوں کا کوئی اثر نہیں یا انہیں یادداشتیں لکھنے کی عادت پڑ گئی تھی جب متعدد فائلیں جمع ہو گئیں تو ایک پالیسی کانفرنس کی تجویز ہوئی اور 24 دسمبر 1952ء کو فیصلہ کیا گیا کہ عام قانون کا احترام کیا جائے یہ بات تمسخر سے کم نہیں معلوم ہوتی کہ اب تک حکومت پنجاب اس کی وزارت قانون و انتظام اور ان کی سول اور پولیس سیکرٹریٹ کو معلوم ہی نہ تھا کہ عام قانون کا احترام ضروری ہے لیکن اس وقت تک افسروں کی ذکاوت حس اس قدر مردہ ہو چکی تھی کہ ان کے نزدیک عام قانون کی خلاف ورزی کی سزا میں بھی محض تنبیہ کافی تھی۔

مرکزی حکومت نے پالیسی کی ایک چٹھی ستمبر 1951ء میں اور دوسرے جولائی 1952ء میں جاری کی اور صوبائی حکومت پر یہ واضح کر لیا کہ جارحانہ فرق آرائی کو سختی سے دبا دیا جائے لیکن صوبائی حکام نے اپنی یادداشتوں میں اس امر پر زور دیا کہ مطالبات کے متعلق فیصلہ مرکز کا کام ہے اور جب تک ان کے موافق یا مخالف فیصلہ نہ ہو گا قانون وانتظام کی صورت حالات بہتر نہ ہوگی انہیں خوب معلوم تھا کہ مرکز کسی حالت میں مطالبات کو منظور نہیں کر سکتا اور اگر کوئی فیصلہ ہو گا بھی تو وہ نامنظوری ہی کا فیصلہ ہو گا لیکن وہ مصر ہے کہ کوئی فیصلہ ضرور ہونا چاہیے اور مرکز جس کے نمائندہ خواجہ ناظم الدین تھے کھلم کھلا یہ نہیں کہنا چاہتا تھا کہ وہ مطالبات کو مسترد کر رہا ہے کیونکہ خواجہ صاحب کے نزدیک ایسے فیصلے سے ان کا علما سے تصادم ہو جائے گا اور خواجہ صاحب علما کی طرف نہایت گہرا میلان رکھتے تھے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ مطالبات بغیر کسی مذہبی احتیاط کے بغیر امن عامہ کو خطرے میں ڈالے اور بغیر حسیات عامہ کو صدمہ پہنچائے مسترد کئے جا سکتے تھے لیکن ہمارے نزدیک قانون و انتظام کی صورت حالات کے مقاصد کے لئے ان کا جواب دینا بالکل ضروری نہ تھا وہ صورت حالات تو ایک سادہ حکم امتناعی کے نفاذ ہی سے بہت بہتر ہو گئی تھی (گو وہ حکم بہت ناکافی تھا) لیکن جب جولائی 1952ء کے بعد احرار اور علما کے ہر قول و فعل کی طرف سے کامل بے پروائی کا رویہ اختیار کر لیا گیا تو وہ صورت حالات پھر بگڑتی چلی گئی بلکہ اس کے برعکس چیف منسٹر کی ان تقریروں کی وجہ سے یہ بگاڑ اور بھی زیادہ ہو گیا جن میں انہوں نے علی الاعلان یہ خیال ظاہر کیا کہ احمدی مسلمان نہیں ہیں۔

اخبارات نے یقیناً ڈائریکٹر تعلقات عامہ کی حوصلہ افزائی سے شورش کی آگ کو ہوا دی اور ہم ڈاکٹر قریشی کے اس خیال سے متفق ہیں کہ مسٹر دولتانہ ہرگز اس امر سے بے خبر نہ ہو سکتے تھے کہ اخبارات کیا کر رہے ہیں اردو کے چار اخباروں کو ان کے ہزاروں پرچوں کے عوض بڑی

رقمیں دی گئیں اور وہ پرچے بھی شاید خریدے نہ گئے اور یہ سب کچھ ایک پرانی پالیسی کی تعمیل میں کیا گیا کہ حکومت کی حمایت کرنے والے اخباروں کی سرپرستی کی جائے اور اگرچہ یہی اخبارات سب سے زیادہ شورش انگیزی کر رہے تھے لیکن جولائی 1952ء میں ان کے معاہدوں کی تجدید کر دی گئی اور مسٹر دولتانہ کو اس کا علم تھا دو لاکھ روپے کی رقم جو اسمبلی نے ناخواندہ بالغوں کی تعلیم کے لئے منظور کی تھی مسٹر دولتانہ کے احکام کے ماتحت ان چار اخباروں کی خریداری کے لئے منتقل کر لی گئی اور کہا گیا کہ اس سکیم کو خفیہ رکھا جائے۔ ڈائریکٹر نے نہایت خیرہ چشمی سے ہمارے سامنے بیان کیا کہ یہ سکیم خواندگی کو ترقی دینے کے لئے نہیں بلکہ خاص قسم کے اخباروں کی امداد کے لئے وضع کی گئی تھی "زمیندار" باوجود اس امر کے کہ وہ جولائی 1956ء کے بعد بھی جب ڈاکٹر قریشی نے مسٹر دولتانہ سے شکایت کی تھی برابر نفرت کی تلقین و اشاعت کرتا رہا گویا مامور من اللہ سمجھا جاتا رہا اس کے خلاف اقدام اس وقت تک ملتوی ہوتا رہا جب آخر اس التوا کی کوئی گنجائش نہ رہی کیونکہ مرکز نے سخت شکایت کی تھی احراریوں کے آرگن "آزاد" کی طرف مرکز نے بار بار صوبائی حکومت کو توجہ دلائی اور صوبائی حکومت نے ہر دفعہ محض تنبیہ پر اکتفا کیا۔

مجلس عمل کے چیلنج کو دونوں میں سے کسی حکومت نے بھی سنجیدگی سے قابل توجہ نہ سمجھا۔ خواجہ ناظم الدین آخری لمحے تک اسی امید میں رہے کہ غیب سے کوئی اچھا سامان ہو جائے گا اور صوبائی حکومت آخر تک یہی سمجھتی رہی کہ شورش کا آغاز کراچی میں ہو گا۔

آخر کار جب الٹی میٹم رد کر دیا گیا تو پوری صورت حالات کو بالکل تھیٹر کے ایک مدعا پرامن تماشے کی طرح سمجھا گیا جس میں مطمئن سامعین کی دلچسپی کے لئے سٹیج پر جلوس نکالے اور نعرے لگائے جا رہے ہوں۔ "لاہور میں جلوس قریب قریب روزانہ نکلتے ہیں اور کوئی شخص ان کی پرواہ بھی نہیں کرتا" جرگے بہت ہو رہے تھے اور کاروائی بالکل مفقود تھی۔ "پولیس بھی موجود تھی اور فوج بھی موجود تھی" اور جیسا کہ ایک افسر نے کہا ہر شخص صورت حالات کے متعلق گہرے غور و خوض میں مصروف تھا اور ہر شخص کو معلوم تھا کہ کیا کرنا چاہیے ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ فوج خاصا کام انجام دے سکتی تھی لیکن کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایسا کیوں نہ ہوا۔

"بعض کہتے ہیں کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا دوسرے کہتے ہیں کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا یہ لوگ یوں ہی قیاسی باتیں کرتیں کرتے ہیں ...... تو کہہ دے کہ میرا خدا بہتر جانتا ہے" (کہف)

ہمیں یقین واثق ہے کہ اگر احرار کے مسئلے کو سیاسی مصالح سے الگ ہو کر محض قانون و انتظام کا مسئلہ قرار دیا جاتا تو صرف ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ان کے تدارک کے لئے کافی تھے چنانچہ وہ طاقت جسے انسانی ضمیر کہتے ہیں ہمیں یہ سوال کرنے کی ترغیب دیتی ہے کہ آیا ہمارے سیاسی ارتقاء کے موجودہ مرحلے پر قانون و انتظام کا مسئلہ اس جمہوری "ہم بستر" سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جسے وزارتی حکومت کہتے ہیں اور جس کے سینے پر ہر وقت سیاسی کابوس سوار رہتا ہے۔ لیکن اگر جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ قانون و انتظام کو سیاسی اغراض کے ماتحت کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ہی علیم و خبیر ہے کہ کیا ہو گا اور یہاں ہم رپورٹ کو ختم کرتے ہیں۔

محمد منیر۔ پریذیڈنٹ

ایم آر کیانی۔ ممبر

قرارداد مقاصد

وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے قرار داد مقاصد پیش کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی میں 7 مارچ 1947ء کو جو تقریر کی اس کا متن درج ذیل ہے

صدر محترم۔ جناب والا۔ میں حسب ذیل قرار داد مقاصد پیش کرتا ہوں یہ قرارداد مقاصد ان خاص اصولوں پر مشتمل ہے۔ جن پر پاکستان کا دستور اساسی مبنی ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالی ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیر حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً" عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔

لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ سے استعمال کرے۔

جس میں اصول جمہوریت وحریت و مساوات و رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں۔ ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جواب پاکستان میں داخل یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں۔ جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات حیثیت و مواقع' قانون کی نظر میں برابری' عمرانی' اقتصادی' اور سیاسی' عدل' خیال' اظہار عقیدہ دین' عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہوں۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت اسکی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس بروبحراور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں۔ تحفظ کیا جائے۔

تاکہ اہل پاکستان فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود میں کماحقہ اضافہ کر سکیں۔

جناب والا میں اس موقعہ کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں بااعتماد اہمیت نہ صرف حصول آزادی ہی اس سے بلند تر ہے۔ کیونکہ حصول آزادی سے ہی ہمیں اس بات کا موقع ملا کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر اور اس کے نظام سیاست کی تشکیل اپنے نصب العین کے مطابق کر سکیں میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بابائے ملت قائداعظم نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی۔ پاکستان اس سے قائم کیا گیا کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق کرنی چاہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کر دینا چاہتے تھے کہ آج حیات انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ان سب کے لئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنی مادی ترقی کے ساتھ قدم نہ بڑھا سکا اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو جن اپنے اوپر مستولی کر لیا ہے۔ اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرہ کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظرانداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ ہو گیا ہوتا تو اس سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرہ میں نہ پڑتی۔ محض وجود باری کا احساس انسانیت کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ انسان کو جو قوتیں حاصل ہیں۔ ان سب کو ایسے اخلاقی معیاروں کے مطابق استعمال کرنا لازمی ہے جو وحی سے فیضیاب ہونے والے ان معلموں نے معین کر دئے ہیں۔ جنہیں ہم مختلف مذاہب کے جلیل القدر پیغمبر سمجھتے ہیں۔ ہم پاکستانی ہوتے ہوئے اس بات پر شرمندہ نہیں ہیں کہ ہماری غالب اکثریت مسلمان ہے۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اپنے ایمان اور نصب العین پر قائم رہ کر ہی دنیا کے فوزوفلاح میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جناب والا۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس قرارداد کی تمہید میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تمام اختیار واقتدار کا ذات الہی کے تابع ہونا لازم ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ نظریہ مغربی حکیم میکیاولی کے

خیالات کے بالکل برعکس ہے۔ جس کا تصور مملکت یہ ہے کہ اس کے نظام حکومت میں روحانی اور اخلاقی قدروں کو مطلق دخل نہیں ہونا چاہئے اس لئے شاید اس بات کا خیال بھی رواج کے کسی قدر خلاف ہی سمجھا جاتا ہے کہ مملکت کو خیر کا آلہ ہونا چاہئے نہ کہ شر کا۔ لیکن ہم پاکستانیوں میں اتنی جرات ایمان ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اسلئے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کریں اور یہ امانت ظلم وتشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن جائے۔ بہتر صورت میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سے ہرگز ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم حکمرانوں اور بادشاہوں کے ظل الٰہی ہونے کے فرسودہ نظریہ کو پھر سے زندہ کریں۔ کیونکہ جذبہ اسلامی کے تحت تمہید قرارداد میں اس حقیقت کو کلی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا نے اختیارات سوا جمہور کے کسی اور کو تفویض نہیں کئے اور اس کا فیصلہ خود جمہور ہی کو کرنا ہو گا کہ یہ اقتدار کن لوگوں کے ذریعہ استعمال کیا جائے گا۔

اسی لئے قرارداد میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مملکت تمام حقوق و اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ کام میں لائے گی۔

یہی جمہوریت کا نچوڑ ہے کیونکہ جمہور ہی کو اختیارات کی امانت کا حامل تسلیم کیا گیا ہے اور جمہور ہی کو ان اختیارات کے استعمال کا مجاز ٹھہرایا گیا ہے۔

جناب والا۔ میں نے ابھی یہ عرض کیا تھا کہ اختیارات کے حقیقی حامل جمہور ہیں۔ چنانچہ قدرتی طور پر "تھیوکریسی" کے لغوی معنی "خدا کی حکومت" ہیں اور اس اعتبار سے تو کل کائنات ہی "تھیوکریسی" ہوئی۔ کیونکہ کائنات کا کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں اسے قدرت حاصل نہیں۔ لیکن اصطلاح میں <تھیوکریسی> کلیسائی حکومت کو کہتے ہیں۔ یعنی برگزیدہ پادریوں کی حکومت جو محض اس بنا پر اختیار رکھتے ہوں کہ وہ ایسے اہل تقدس کی طرف سے خاص طور پر مقرر کئے گئے ہیں جو اپنے مقام تقدس کے اعتبار سے ان حقوق کے دعویدار ہیں۔ اور میں اس امر پر جتنا بھی زور دوں کم ہو گا کہ یہ تصور اسلام سے قطعاً بعید ہے۔ اسلام ملائیت یا کسی حکومت مشائخ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے اسلام میں "تھیوکریسی" کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر کوئی شخص اب بھی پاکستان کے نظام حکومت کے ضمن میں "تھیوکریسی" کا ذکر کرتا ہے تو وہ یا تو کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہے یا شرارت سے ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔

جناب والا۔ اب میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں کہ قرارداد مقاصد میں جمہوریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر زور دیا گیا ہے اور اسکی مزید صراحت یہ کہہ کر کر دی گئی ہے کہ دستور مملکت میں ان اصولوں کو اس تشریح کے مطابق ملحوظ رکھا جائے جو ان الفاظ کی اسلام نے کی ہے۔ ان الفاظ کی صراحت کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ یہ بالعموم مبہم طور پر استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً مغربی اور اشتراکی روس دونوں اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نظام حکومت جمہوریت پر مبنی ہیں۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ کس قدر مختلف ہیں۔ اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان الفاظ کے مفہوم کا تعین کر دیا جائے تاکہ ہر شخص کے ذہن میں ان کا مفہوم آ جائے۔ جس وقت ہم جمہوریت کا لفظ اس کے اسلامی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اور اس کا اطلاق جتنا ہمارے نظام حکومت پر ہے اتنا ہی ہمارے معاشرے پر بھی ہے۔ کیونکہ اسلام نے دنیا کو جن عظیم الشان صفتوں سے مالا مال کیا ہے ان میں ایک عام انسانوں کی مساوات ہے۔ اسلام ،نسل، رنگ اور نسب کے امتیازات کو تسلیم نہیں کرتا۔

مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے۔ جہاں اقلیتیں کافی تعداد میں موجود نہ ہوں اور جہاں وہ اپنے مذہب اور ثقافت کو برقرار نہ رکھ سکی ہوں۔ ہندوستان کے اس برصغیر میں جہاں کبھی مسلمانوں کو لامحدود اختیارات حاصل تھے غیر مسلموں کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا گیا اور ان کا ہمیشہ تحفظ کیا گیا۔

اسلام ایک ایسے معاشرہ کے قیام کا حامی ہے جس میں عدل عمرانی کا تصور نہ خیرات پر مبنی ہے نہ تشدد پر۔ اسلام جو عمرانی عدل قائم کرنا چاہتا ہے وہ ان بنیادی ضابطوں اور تصورات پر مبنی ہے جو انسان کی زندگی کو احتیاج سے پاک رکھنے کے ضامن ہیں اور جو دولت آزادی سے مالا مال کر دینے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کی ایسی تعریف کی گئی ہے جس کی وجہ سے ہمارے خیال کے مطابق ان الفاظ کے عام معانی کی بہ نسبت زیادہ گہرے اور وسیع معانی پیدا ہو گئے ہیں۔

قرار داد کی اس دفعہ کے بعد یہ دفعہ درج ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسولؐ میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی زندگی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق بنالیں تو اس پر کسی غیر مسلم کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

ایک اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کے مقصد میں ہم نے غیر مسلموں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ہم اقلیتوں کی آزادی میں مداخلت کرنیکی کوشش کرتے تو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوتا اور ہم یقیناً اپنے

مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے۔ اقلیتوں کو اپنے مذہب پر چلنے۔ اس کی حفاظت کرنے یا اپنی ثقافت کو فروغ دینے سے کسی طرح بھی روکا نہیں جائے گا۔ اسلامی ثقافت کے نشوونما کی تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان حکومتوں اور سلطنتوں کے تحت زندگی بسر کرنے والی اقلیتوں کی ثقافتیں میراث کی اس دولت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوئیں جو مسلمانوں نے اپنے لئے مہیا کی تھی۔ میں اقلیتوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر اقلیتیں انسانی علم و فکر کی دولت میں اضافہ کر سکیں۔ تو یہ امر پاکستان کی نیک نامی میں اضافہ کا موجب ہو گا اور ہماری قومی زندگی کو چار چاند لگا دے گا۔ اس لئے اقلیتوں کو نہ صرف کامل آزادی کی توقع کرنی چاہئے بلکہ یہ امید بھی رکھنی چاہئے کہ اکثریت ان کے ساتھ قدردانی اور احترام کا وہی برتاؤ کرے گی۔ جو تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہا۔

صاحب صدر۔ بعض بنیادی حقوق کے تحفظ کا یقین دلانا بھی ایک رسم سی ہو گئی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ایک ہاتھ سے حقوق دیں اور دوسرے ہاتھ سے انہیں واپس لے لیں میں اس بات کے ثبوت میں بہت کچھ کہہ چکا ہوں کہ ہم ایک حقیقی وسیع الخیال حکومت بنانا چاہتے ہیں جس کے تمام ارکان کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو گی قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پرسنل لاء کا تحفظ نہیں کیا جائے گا۔ حیثیت اور عدل کے معاملہ میں مساوات ہمارا عقیدہ ہے۔ یہ ہمارا پختہ یقین ہے اور ہم نے اکثر جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ پاکستان مفاد پرستوں اور مالدار طبقوں کے لئے نہیں بنا ہے ہمارا مقصد اقتصادی نظام کو اسلام کے بنیادی اصولوں پر تعمیر کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دولت کی بہتر تقسیم میں اور ناداری کو رفع کرنے میں مدد دیتے ہیں اپنے پورے عروج پر پہنچنے میں موجودہ انسان کیلئے مانع رہیں وہ افلاس اور پس ماندگی ہیں۔ اور پاکستان سے ہم ان کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ہمارے عوام اس وقت غریب اور جاہل ہیں لیکن ہمیں ان کا معیار زندگی ضرور بلند اور انہیں افلاس اور جہالت کی زنجیروں سے آزاد کرانا چاہئے۔ جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے حکومت کے پیش نظر حکمت عملی کے تعین اور حکومت چلانے کے لئے ان ارکان کو انتخاب کرنے میں ہر شخص کو دخل حاصل ہو گا تاکہ وہ اپنا کام عوام کے مفاد کا خیال رکھ کر کریں۔ چونکہ ہمیں یہ یقین ہے کہ خیالات پر کوئی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی۔ اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخص کو اس کے خیالات کے اظہار سے باز رکھیں اور نہ ہم کسی کو جائز اور اخلاقی مقاصد کے پیش نظر ربط و انتساب سے روکنا چاہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم اپنے نظام حکومت کی بنیاد آزادی، ترقی اور عدل عمرانی پر رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم سماجی تفاریق کو اس طریقہ سے ختم کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کو نقصان نہ پہنچے اور انسانی خیالات اور جائز رجحانات پر بھی پابندیاں عائد نہ ہوں۔

جناب والا۔ اقلیتوں کے بہت سے مفاد ایسے ہیں جن کا وہ بجا طور پر تحفظ چاہتی ہیں۔ یہ قرار داد اس تحفظ کی ضامن ہے۔ ہماری خاص ذمہ داری پست اور پس ماندہ لوگوں کی نسبت ہے۔ ہم ان کی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بغیر کسی قصور کے مبتلا ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ان کے اس حالت تک پہنچنے کے کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن اب چونکہ وہ ہمارے شہری ہیں۔ اس لئے ہماری خاص کوشش یہ ہو گی کہ ہم انہیں دیگر شہریوں کے دوش بدوش لے آئیں تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں جو ایک آزاد اور ترقی پسند مملکت کے شہری ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب تک ہمارے عوام میں پس ماندہ طبقے موجود ہیں ہمارے معاشرہ کی ترقی کی رفتار سست رہے گی۔ لہٰذا مملکت کی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ان طبقوں کے مفادات کو ملحوظ رکھیں۔

میں آخر میں۔ صاحب صدر۔یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں پختہ یقین ہے کہ ہم پاکستان کو ان اصولوں پر ڈھال کے جن کی توضیح کر دی گئی ہے۔ اس مملکت کو ترقی کی راہ پر ڈال دیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان ایک ایسا ملک بن جائے گا جس کے باشندے بلاتمیز عقائد و حیثیت اس پر فخر کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے عوام بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنی بے بہا قربانیوں اور قابل تعریف ضبط و نظم کی بدولت جس کا مظاہرہ انہوں نے ایک ابتلائی اور نازک دور میں کیا تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کر لیا ہے مجھے یقین ہے کہ ایسی قوم نہ صرف زندہ رہنے کی مستحق ہے بلکہ وہ انسانیت کی فلاح و ترقی میں بھی لازمی طور پر اضافہ کرے گی۔ یہ ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے جذبہ قربانی کو زندہ رکھے اور اپنے اعلیٰ نصب العین پر قائم ہے۔ پھر قدرت اسے امور عالم میں ایک عظیم الشان مرتبہ عطا کرے گی۔ اور اسے انسانیت کی تاریخ میں زندہ جاوید بنا دے گی۔

(تلخیص)

قرار داد مقاصد۔ 1949ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا وہ ایک مقدس امانت ہے۔

مجلس دستور ساز نے جو جمہوریہ پاکستان کی نمائندہ ہے آزاد و خود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

جس کی رو سے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل

عمرانی کے اصولوں کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جس طرح کہ قرآن پاک و سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں۔

جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذھبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رو سے وہ علاقے جو اب تک پاکستان میں داخل یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاقیہ بنائیں گے جس کے صوبوں کے مقررہ اختیارات و اقتدار کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی۔

جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے گی اور ان حقوق میں جہاں تک کہ قانون و اخلاق اجازت دیں مساوات حیثیت و مواقع قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی انصاف، اظہار خیال عقیدہ دین، عبادت اور شرکت کی آزادی شامل ہو گی۔

جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جس کی رو سے نظام عدل گستری کی آزادی پوری طرح محفوظ ہو گی۔

جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی صیانت اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے خشکی و تری اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے گا۔

تاکہ اہل پاکستان فلاح و بہبود حاصل کریں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم برقرار رکھنے اور بنی نوع انسان کی ترقی و خوش حالی کے لئے پوری طرح کوشش کر سکیں۔

اسلامی دستور کے 22 بنیادی نکات - 1951ء

اسلامی دستور کے وہ بائیس نکات جو جنوری 1951ء میں پاکستان کے مختلف مکتب فکر کے نمائندہ علماء نے متفقہ طور پر مرتب کر کے شائع کئے:

1- اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

2- ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ):

اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

3- مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ اصول اور مقاصد پر مبنی ہو گی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

4- اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مسلک کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

5- اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

6- مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہو گی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں یا بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

7- باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں، یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادی مذھب و مسلک، آزاد عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل و حرکت، آزادی اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارت سے استفادہ کا حق۔

8- مذکورہ بالا حقوق میں اسے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

9- مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہو گا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہو گا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

10- غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہو گی اور انہیں

اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہو گا۔

11- غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہو گی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر7 میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

12- رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین' صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

13- رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہو گا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

14- رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں' بلکہ شورائی ہو گی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض سرانجام دے گا۔

15- رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ دستور کو کلا یا جزوا معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

16- جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہو گی وہ کثرت رائے سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہو گیا۔

17- رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہو گا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہو گا۔

18- ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہو گا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

19- محکمہ عدلیہ' محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہو گا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

20- ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہو گی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

21- ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی' لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں' بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہو گی جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکزی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہو گا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہو گا۔

22- دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہو گی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

عدلیہ اور سیاست

(1) مولوی تمیزالدین بنام وفاق پاکستان

عدالت عالیہ سندھ

غیر معمولی/ خصوصی اختیار سماعت

بحضور:

عزت ماب مسٹر جسٹس کانسٹنٹائن (چیف جج)
عزت ماب مسٹر جسٹس ویلانی
عزت ماب مسٹر جسٹس محمد باچل
اور عزت ماب مسٹر جسٹس محمد بخش
رٹ درخواست نمبر 43 (1954ء)

مولوی تمیزالدین خاں ......درخواست گزار

بنام

1	وفاق پاکستان	
2	محمد علی	وزیراعظم پاکستان
3	چودھری محمد علی	رکن وزراء کونسل
4	میجر جنرل سکندر مرزا	رکن وزراء کونسل
5	ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی	رکن وزراء کونسل
6	ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک	رکن وزراء کونسل
7	ڈاکٹر خاں صاحب	رکن وزراء کونسل
8	جنرل محمد ایوب خاں	رکن وزراء کونسل
9	غیاث الدین پٹھان	رکن وزراء کونسل
10	میر غلام علی تالپور	رکن وزراء کونسل
11	اسٹیٹ آفیسر	حکومت پاکستان.. مسئول الیہان

مسٹر ڈی۔ این۔ پرٹ
مسٹر آئی آئی چندریگر
مسٹر وحید الدین احمد
مسٹر منظر عالم
مسٹر سید شریف الدین
مسٹر محمد نسیم
مسٹر ہوی۔ پی۔ نوسل والا...... وکلاء منجانب سائل

مسٹر فیاض علی، ایڈووکیٹ جنرل پاکستان مع مسٹر عبدالحق

وکلاء منجانب مسئول الیہان نمبر 1، 2، 3، 6، 9
مسٹر منظور قادر مع مسٹر محمد اسماعیل بھٹی
وکلاء منجانب مسئول الیہان نمبر 4، 5، 7، 8، 10

فیصلہ جات

1- کانسٹنٹائن- چیف جسٹس

24 اکتوبر 1954ء کو فضیلت ماب گورنر جنرل نے ایک فرمان جاری کیا جسے میرے فاضل رفقائے کار ویلانی اور محمد بخش نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مذکورہ فرمان کی رو سے کابینہ از سرنو تشکیل دی گئی اور مسئول الیہان 4، 5، 7، 8 اور 10 کو پارلیمان کا رکن نہ ہونے کے باوصف کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ مسئول الیہ 4 نے درخواست گزار کو مطلع کیا کہ دستور ساز اسمبلی برخاست کر دی گئی ہے اور اپنا اجلاس منعقد نہیں کر سکتی۔ درخواست گزار نے بحیثیت صدر دستور ساز اسمبلی عدالت سے استدعا کی ہے کہ

(1) مسئول الیہان کو فرمان مذکورہ پر عملدر آمد سے روکا جائے اور بحیثیت صدر دستور یہ سائل کے فرائض منصبی کی بجا آوری میں رکاوٹ نہ ڈالنے کی ہدایت جاری کی جائے۔

(2) مسئول الیہان 2 تا 10 کے بطور وزیر تقرر کے قانونی جواز کا تعین کیا جائے۔ محولہ بالا حقائق غیر متنازعہ ہیں۔

مسئول الیہان نے درخواست ہذا پر بنیادی اور قانونی اعتراضات کئے ہیں۔

پہلا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ کسی بھی دستوری دفعہ کو موثر قانونی حیثیت حاصل کرنے کے لئے دستو ساز اسمبلی کی منظوری کے علاوہ گورنر جنرل کی توثیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ 233 الف اس شرط کو پورا نہیں کرتی چنانچہ اس دفعہ کی رو سے مقصود اختیار سماعت ناقص قرار پاتا ہے۔ یہی اعتراض گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی نو منظور شدہ دفعہ 10 پر بھی منطبق ہوتا ہے جس کی رو سے وزراء کے انتخابات میں گورنر جنرل کے اختیارات پر تحدیدات عائد کی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ اعتراض درخواست گزار کی طرف سے طلبی سند کی استدعا پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے منظور کردہ قوانین کے جواز کو وفاقی عدالت سمیت مختلف پاکستانی عدالتوں میں پرکھا جا چکا ہے۔ اس ضمن میں مذکورہ استدلال صرف ایک پیش کیا گیا جسے جسٹس آغا پر مشتمل یک رکنی عدالت نے رد کر دیا۔ (بحوالہ پی۔ ایل۔ ڈی۔ (1950ء) سندھ صفحہ 49) مذکورہ

اعتراض قانونی آزادی ہند کی دفعہ 6 (3) پر کیا گیا تھا۔ تقسیم کے بعد سے دستور ساز اسمبلی نے متعدد قوانین منظور کئے ہیں خاص طور پر وفاقی عدالت کو ملنے والا پریوی کونسل کا اختیار سماعت دستور ساز اسمبلی کی قانون سازی ہی کا نتیجہ ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے زیر نظر درخواست دائر ہونے تک تاج کے قانونی حکام مذکورہ توثیق کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک غیر معمولی اعتراض ہے اور اسے منظور کرنے سے طے شدہ قانونی طریقہ کار اور ضوابط درہم برہم ہو جائیں گے۔

فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے استحقاق مطلق اور قانون آزادی ہند کی دفعہ 6 (3) پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ میں موخرالذکر کی طرف بعد میں توجہ کروں گا۔

قانون آزادی ہند کے ابتدائیے میں مذکور ہے۔

" ہندوستان میں دو خود مختار مملکتوں کے قیام کی غرض سے اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی چند دفعات کو جو مذکورہ مملکتوں کے باہر بھی لاگو ہوتی ہیں نئی دفعات سے بدلنے کی غرض سے نیز دونوں مملکتوں کے قیام کے ضمن میں دیگر معاملات اور ذیلی امور سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قانون تشکیل دیا جا رہا ہے۔"

قانون آزادی ہند کی دفعہ 1 بھارت اور پاکستان کی دو آزاد مملکتوں کے قیام کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ دفعات 2، 3 اور 4 برطانوی ہند کے دو نئی مملکتوں میں تقسیم ہونے کے متعلق ہیں۔ دفعہ 5 میں ملک معظم کی طرف سے گورنر جنرل کے تقرر کا مذکورہ ہے جو حکومت میں ملک معظم کی نمائندگی کرے گا۔ دفعہ 6 کی رو سے دونوں مملکتوں کو قانون ساز اداروں کو قانون سازی کے مکمل اختیارات سونپے گئے ہیں خواہ ایسے قوانین برطانوی قوانین اور برطانوی پارلیمان سے متناقض ہی کیوں نہ ہوں نیز نئی مملکتوں کے بارے میں قانون سازی کے ضمن میں برطانوی پارلیمان کا استحقاق ختم کر دیا گیا ہے۔ اسی دفعہ کی ذیلی دفعہ 3 کی رو سے گورنر جنرل کو ملک معظم کے نام پر مملکت کے قانون ساز اداروں کی طرف سے منظور کردہ قوانین کی توثیق کے مکمل اختیارات سونپے گئے ہیں نیز واضح کیا گیا ہے کہ کسی قانون کی رو سے گورنر جنرل پر اس ضمن میں عائد ہونے والی پابندیاں یا تحدیدات نئی مملکتوں کی حدود میں نافذ العمل نہیں ہوں گی۔ یہاں پر یہ امر قابل توجہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی نے مذکورہ ذیلی دفعہ سے "ملک معظم کے نام پر" کے الفاظ حذف کر دیئے تھے اسی طرح گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ 18 سے بھی مذکورہ عبارت خارج کر دی گئی تھی۔ دستور ساز اسمبلی نے یہ قانون 1950ء میں منظور کیا اور اس موثر بہ ماضی قرار دیا۔ بایں ہمہ فاضل ایڈووکیٹ جنرل کے استدلال (جس کی رو سے مذکورہ ترمیمی قانون غیر موثر قرار پاتا ہے) پر تفصیلی غور کے لئے میں اس اخراج عبارت کو فی الحال نظرانداز کرتا ہوں۔

ترک اختیار سے متعلق مذکورہ دفعات کے بعد ہم دفعہ 8 میں نئی مملکتوں کی حکومتوں کے بارے میں عارضی اہتمام کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مملکت کے آئین کی تشکیل کے ضمن میں قانون سازی کے اختیارات بنیادی طور پر دستور ساز اسمبلی کو حاصل ہوں گے اور زیر نظر قانون میں مملکت کے قانون ساز ادارے کا یہی مفہوم لیا جائے گا۔ مملکت کو جہاں تک ممکن ہو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی روشنی میں چلایا جائے گا سوائے ایسی صورت کے کہ دستور ساز اسمبلی نے اس ضمن کوئی قانون صریح شرائط اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کے متعلق گورنر جنرل کے عارضی اختیار کے اندر رہتے ہوئے منظور کیا ہو۔۔۔۔ گورنر جنرل کے مذکورہ عارضی اختیار کی مدت ختم ہو چکی ہے۔۔۔۔۔ محولہ بالا صریح شرائط و تحدیدات میں برطانیہ میں ملک معظم کے اقتدار کا خاتمہ، گورنر یا گورنر جنرل کے صوابدیدی اور انفرادی فیصلے، صوبائی قانون سازی کی تحدیدات اور ذیلی دفعہ (1) میں دیئے گئے اختیارات کے علاوہ وفاقی قانون ساز ادارے کے طور پر کام کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی کا اختیار جیسے قوانین اہمیت کے حامل تھے۔ دفعات 10-11-12-13 اور 14 میں ریاستی خدمات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے دفعہ 15 سیکرٹری آف سٹیٹ کی طرف سے یا اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی سے متعلق ہے۔ دفعہ 16 ایڈن اور دفعہ 17 طلاق کے اختیار سماعت کی وضاحت کرتی ہے۔ دفعہ 18 میں منجملہ دیگر امور کے برطانوی ہند کے موجودہ قانونی نظام کے تسلسل کی ضمانت دی گئی ہے سوائے اس کے کہ حکام مجاز نے ان قوانین میں ترمیم کی ہو یا جو انتظامی دستاویزات کی رو سے زائد المیعاد قرار پا جائیں۔ دفعہ 19 میں تعبیرو تشریح کے اصول بیان کئے گئے ہیں بالخصوص ذیلی دفعہ 3 میں پاکستان کے حوالے سے دستور ساز اسمبلی کا مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ادارہ ہو گا جسے زیر نظر قانون کے منظور ہوتے ہی گورنر جنرل قائم کرے گا نیز اسمبلی ہندوستانی ریاستوں اور قبائلی علاقوں کی نمائندگی کے تعین اور خالی نشستوں کو پر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس دفعہ میں ترمیم کے ذریعے دستور ساز اسمبلی نے نشستوں کی تعداد میں کمی بیشی یا از سرنو تقسیم کا اختیار حاصل کر لیا ہے۔

قانون آزادی کی تشریح کے لئے کلید اس کے ابتدائیے میں موجود ہے یعنی پاکستان کی آزادی - دفعہ 6 برطانوی پارلیمان کی بالادستی کو ختم کر کے مملکت کے قانون ساز ادارے کو مکمل خود مختاری عطا کرتی ہے مقننہ کی تشریح نہیں کی گئی لیکن دفعہ 8 کی ذیلی دفعہ 1 میں کہا گیا ہے کہ "مقننہ" سے مراد صرف دستور ساز اسمبلی نہیں بلکہ اس میں آئندہ معرض وجود میں آنے والے قانون ساز ادارے بھی شامل ہیں مزید یہ کہ مملکت کی مقننہ پر دستوری دفعات کی منظوری کے ضمن میں کوئی تحدید

عائد نہیں کی گئی وفاقی مقننہ کو کسی دوسری قانون سازی کی منظوری تک ریاستی مقننہ کا حصہ تصور کیا جائے گا۔ یہ امر دفعہ 8 کی تحتی دفعہ 3 سے مطابقت رکھتا ہے جس میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی کسی دفعہ کی رو سے مملکتوں کے اختیار قانون سازی پر تحدید کو کسی ادارے کی طرف سے اپنے ہی آئندہ اختیار قانون سازی پر تحدید کے مترادف سمجھا جائے گا۔ میرے خیال میں مقننہ کے لفظ کے چھوٹے یا بڑے انگریزی حروف کا استعمال کسی اہمیت کا حامل نہیں۔

چنانچہ مملکت کے قانون ساز ادارے کی اصطلاح خاصی جامع ہے اور ریاست کے قانون ساز اداروں کی طرف سے مملکت کے لئے قانون سازی کے اختیارات کا احاطہ کرتی ہے خواہ یہ ادارے قانون آزادی ہند کی رو سے معرض وجود میں آئے ہوں یا دستور ساز اسمبلی کی آئندہ قانون سازی کے نتیجے میں مذکورہ اداروں کو یہ اختیارات عطا ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں خواہ ان اداروں کے اختیارات قانون سازی پر تحدیدات عائد کی گئی ہوں یا انہیں صرف دستوری دفعات کی تشکیل تک محدود کیا گیا ہو۔

جب ہم دفعہ 6 کی ذیلی دفعہ 3 کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل کے توثیقی اختیارات کے ساتھ نامنظوری' تحفظات اور امتناع جسے اختیارات کی تنسیخ کا ذکر آیا ہے میری رائے میں اس دفعہ کا مقصد گورنر جنرل کے توثیقی اختیارات پر ملک معظم کی بالادستی کو ختم کرنا ہے۔ اور یہ تشریح ابتدائیے میں دی گئی کلید تعبیر' اعلان آزادی اور دفعات 5' 6 اور 7 سے مطابقت رکھتی ہے جن کی رو سے تاج' پارلیمان اور حکومت برطانیہ کے اختیارات منسوخ کئے گئے ہیں۔ اسی لئے جسٹس آغا نے اس دفعہ کی تشریح کرتے ہوئے فیصلہ دیا تھا کہ ذیلی دفعہ 3 میں گورنر جنرل کی توثیق کو لازمی قرار نہیں دیا گیا البتہ توثیق کی ضرورت پڑنے پر اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں توثیق کو صرف وفاقی قانون سازی کے حوالے سے لازمی قرار دیا گیا تھا جبکہ قانون آزادی ہند میں دستور ساز اسمبلی کی قانون سازی کے لئے گورنر جنرل کی توثیق کو لازمی قرار دینے کی کوئی صریح دفعہ موجود نہیں ہے۔

تاج اپنے مفتوحہ یا مشمولہ علاقوں کے لئے قانون سازی کے اختیارات کو بروئے کار لا سکتا ہے لیکن یہ استحقاق پارلیمان کی قانون سازی کے ساتھ مشروط ہے جس میں تاج برطانیہ کو واضح اور صریح الفاظ میں مقننہ کے اختیارات دیئے گئے ہوں۔ قلمرو کی مقننہ کو مملکت کے لئے قانون سازی کے مکمل اختیارات کو دستور ساز اسمبلی بروئے کار لاتی ہے۔ تاج کو ان اختیارات میں شریک نہیں کیا جاتا اور قانون آزادی میں واضح طور پر تاج کو مذکورہ اختیارات سے محروم کیا جا چکا ہے۔

چنانچہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ 10 کی جگہ لینے والا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (5ویں ترمیم) 1945ء موثر قانونی حیثیت کا حامل ہے۔ اور بادی النظر میں ایسے مسئول الیہان کی بحیثیت وزراء تقرری غیر قانونی ہے جو وفاقی مقننہ کے رکن نہیں ہیں۔ مسٹرپرٹ کو تمام اعلامیوں کے مطالعے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن ان کی نیم دلانہ بحث کے دوران ہی مسٹر چندریگر کو تسلیم کرنا پڑا کہ باقی ماندہ مسئول الیہان کو نئی دفعہ 10- الف کی وجہ سے تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ مسئول الیہان کی طرف سے استدلال پیش کیا گیا کہ دستور ساز اسمبلی کی برطرفی کے بعد مقننہ کے ارکین کو وزیر مقرر کرنا ممکن نہیں رہا۔ بایں ہمہ عدالت کو اس امر پر قائل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ نئے وزراء کی شمولیت کے بغیر حکومت کا انتظام چلانا ممکن نہیں تھا۔

یہ امر ناقابل تردید ہے کہ اگر دفعہ 233- الف موثر طور پر قانونی حیثیت رکھتی ہے تو عدالت عالیہ طلبی سند کے حکم نامے جاری کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔ فاضل وکیل سرکار نے موقف اختیار کیا ہے کہ طلبی سند کا پروانہ صرف تاج کے ایماء پر جاری کر سکتی ہے اور یہ کہ تاج کی طرف سے کی جانے والی تقرری کے خلاف ایسا پروانہ جاری نہ کیا جا سکتا۔ تاہم اٹارنی جنرل کے اس استدلال کو کنگز بنچ ڈویژن مسترد کر چکا ہے۔ یہ فیصلہ سپیئر کے مقدمے میں سنایا گیا تھا اور لارڈ ریڈنگ عدالت کی سربراہی کر رہے تھے۔

فاضل وکیل سرکار نے بحوالہ پاتکا میدی کیس یہ دلیل دی ہے کہ عدالت عالیہ کو اپنے جغرافیائی اختیار سماعت سے باہر اثر انداز ہونے والے امور میں حکم نامہ جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ پریوی کونسل کے سامنے پیش ہونے والے اس مقدمے میں عدالت کو فیصلہ کرنا تھا کہ آیا مدراس ہائی کورٹ' سپریم کورٹ کے اختیار سماعت کی وارث ہونے کے ناطے پروانہ مثل طلبی جاری کرنے کی مجاز تھی۔ سپریم کورٹ کا مقامی اختیار سماعت مدراس شہر تک محدود تھا اور صدر دیوانی عدالت نے اس اختیار کو مفصل پر استعمال کیا اور اسے طلبی مثل کا پروانہ جاری کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ اس قسم کا پروانہ جاری کرنے اختیار صرف پریذیڈنسی قصبات کی ہائی کورٹوں تک محدود تھا لہٰذا پریوی کونسل نے فیصلہ دیا کہ محض ریونیو بورڈ کا حدود شہر کے اندر واقع ہونا ہائی کورٹ کو ایسے فیصلے پر نظر ثانی کا اختیار نہیں دیتا جہاں وقوعہ شہر سے باہر رونما ہوا ہو۔ بایں ہمہ دفعہ 233- الف پوری مملکت (بشمول ملحقہ ریاستیں) کا احاطہ کرتی ہے چنانچہ اختیار اجرائے پروانہ مختلف عدالت ہائے عالیہ کے درمیان تقسیم ہو جاتا ہے۔ کیا عدالت عالیہ ایسے معاملے میں حکم نامہ جاری کر سکتی ہے جہاں قوت عاملہ تو عدالت کے اختیار سماعت کی جغرافیائی حدود میں واقعہ ہو لیکن امر متنازعہ ان جغرافیائی حدود سے باہر

واقع ہو۔ اس ضمن میں برطانوی قانون کسی رہنمائی سے قاصر ہے کیونکہ برطانیہ کا کل رقبہ کنگز بچ کے احاطہ سماعت میں داخل تھا۔ بھارت کی عدالت عظمیٰ اس سوال کا جواب اثبات میں دے چکی ہے۔ بایں ہمہ اس نکتے کا قطعی فیصلہ غیر ضروری ہے کیونکہ اگرچہ مرکزی وزراء کا اختیار کراچی اور سندھ سے باہر بھی واقع ہے لیکن وہ کراچی اور سندھ پر بھی اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔

لہٰذا میں مسئول الیہان نمبر4، 5، 7، 8 اور 10 کے خلاف پروانہ طلبی سند جاری کروں گا۔

فریقین نے تسلیم کیا ہے کہ گورنر جنرل کا فرمان دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کے لئے جاری کیا گیا تھا۔ کیا گورنر جنرل کو دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کا اختیار حاصل ہے؟ یہ سوال امر متنازعہ ہے۔ مسئول الیہان نے اس اختیار کی بنیاد استحقاق اور ان قانونی اختیارات پر رکھی ہے جو مسئول الیہان کے مطابق قانون آزادی ہند کی دفعہ 19(3)(ب) کی رو سے گورنر جنرل نے دفعہ 9 کے تحت جاری ہونے والے حکم کے ذریعے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کر کے گورنر جنرل کو وفاقی مقننہ توڑنے کے اختیار سے محروم کر دیا ہے جبکہ مقننہ کا اجلاس بلانے اور ملتوی کرنے کا اختیار برقرار رکھا ہے۔ قانون آزادی ہند دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کی طلبی، التوا یا برخاستگی جیسے معاملات پر بالکل خاموش ہے۔ پارلیمانی طریقہ کار کے ضابطہ نمبر9 کے مطابق اجلاس طلب کرنے اور ملتوی کرنے کا اختیار صدر کو حاصل ہے۔ ضابطہ نمبر15 کے مطابق اسمبلی صرف اس صورت میں برخاست ہو سکتی ہے کہ اسمبلی کے کم از کم دو تہائی ارکان اسمبلی کی برطرفی کا مطالبہ کریں۔ درخواست گزار نے دلیل دی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سے وفاقی برخاست کرنے کا اختیار اسی لئے خارج کیا گیا تھا کہ گورنر جنرل کو دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ دوسری طرف مسئول الیہان کا کہنا ہے کہ دستور ساز اسمبلی وفاقی قانون ساز ادارے کے طور پر بھی کام کرتی تھی لہٰذا دستور ساز اسمبلی کے بر طرف ہوتے ہی قانون ساز اسمبلی خود بخود ختم ہو جاتی چنانچہ وفاقی مقننہ کی برخاستگی کے بارے میں دفعات کو برقرار رکھنے غیر ضروری سمجھا گیا۔ اور یہ کہ وفاقی قانون ساز ادارہ برخاست کرنے کے بارے میں گورنر جنرل کے اختیار کی تنسیخ سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ گورنر جنرل دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کے اختیار سے بھی محروم ہو گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسئول الیہان کا نقطہ نگاہ اس حد تک درست ہے کہ وفاقی مقننہ کے برخاست کرنے کے اختیار کی تنسیخ سے دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کے اختیار کی موجودگی یا عدم موجودگی کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فرض کریں کہ قانون آزادی ہند میں صریح طور پر بیان کیا جاتا کہ گورنر جنرل دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کا مجاز نہیں ہے یا یہ بیان کیا جاتا کہ گورنر جنرل دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کا اختیار رکھتا ہے دونوں صورتوں میں وفاقی قانون ساز ادارے کی برطرفی کے بارے میں دفعہ غیر ضروری قرار پاتی۔ قانون آزادی ہند میں دستور ساز اسمبلی کی برطرفی کے بارے میں کوئی واضح دفعہ موجود نہیں۔ ضابطہ نمبر15 اور مذکورہ اعلامیہ گورنر جنرل میں یہ نکتہ اشتراک ملتا ہے کہ دستور ساز اسمبلی اور گورنر جنرل دونوں کا خیال تھا کہ دستور ساز اسمبلی برخاست کی جا سکتی ہے۔ کیا پارلیمان کا یہ منشا تھا کہ اس کی برطرفی کی گنجائش موجود ہونا چاہیے۔ دولت مشترکہ میں ہر جگہ نمائندہ مجالس قانون ساز کی رکنیت قابل تجدید ہے تاکہ ان اداروں کی نمائندہ حیثیت برقرار رہ سکے۔ دوسری طرف دستور ساز اسمبلی کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ یہ ادارہ دستور کی تشکیل کے عارضی اور مخصوص مقصد کے تحت وجود میں آتا ہے۔ اس موقف کے حق میں اور مخالفت میں یکساں طور پر معقول استدلال کیا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹ اس مقصد کی تکمیل میں زیادہ تاخیر کی توقع نہیں رکھتی تھی اور یہ کہ موعودہ مقصد یعنی دستور کی تشکیل کے بعد عارضی مقننہ کو فی نفسہ نئے آئین کے تحت معرض وجود میں آنے والی قانون ساز اسمبلی کے لئے جگہ خالی کرنا تھی۔ اب انگلستان میں پارلیمان کی برخاستگی ایک خاص استحقاق ہے (ہال۔ طبع ثانی، جلد ششم۔ پیرا 554) لیکن انگلستان میں پارلیمان بھی استحقاق کی طرح کامن لاء کی تخلیق ہے۔ قانون کے ذریعے معرض وجود میں آنے والی مقننہ کی برطرفی کے لئے قانون میں ہی صراحت کے ساتھ گنجائش بیان کر دی جاتی ہے۔ (چنانچہ قانون آزادی ہند میں ایسی صراحت کی متناقص عدم موجودگی دانستہ معلوم ہوتی ہے) انگلستان سے باہر دولت مشترکہ میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں کہ مقننہ کی برطرفی کے بارے میں آئین میں صراحت نہ کی گئی ہو۔ قانونی دفعہ کے تحت یہ اختیار قائم کیا جاتا ہے یا پھر کونسل کے حکم کے ذریعے۔

فاضل وکیل سرکار نے اپنے استدلال بنیاد دفعہ 19(3)(ب) پر رکھی ہے جس میں مذکور ہے "اس ایکٹ میں کسی مملکت کی دستور ساز اسمبلی سے مراد یہ لی جائے گی........ (ب) پاکستان کے حوالے سے وہ ادارہ جو اس قانون کی منظوری تک پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے طور پر گورنر جنرل کے یا تو قائم ہو چکا ہو گا یا قائم ہونے والا ہو گا"

اس دفعہ کے متعلق فاضل وکیل سرکار نے دلیل دی ہے کہ اسے قانون تشریحی 1889ء کی دفعہ 32 تحتی دفعات (1) اور (2) کے مطابق پڑھا جائے۔

(1) جب ایک ایکٹ کوئی اختیار عطا کرتا ہے.... اس اختیار کے متضاد ارادہ قانون کے اظہار تک ..... اس اختیار کو بوقت ضرورت استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

(2) جب ایک ایکٹ ..... کسی عہدے دار کو کوئی خاص اختیار عطا کرتا ہے ..... تو متضاد ارادہ قانون کے اظہار تک ..... متعلقہ عہدے دار اس منصب پر رہتے ہوئے مذکورہ اختیار ضرورت پڑنے پر استعمال کر سکتا ہے"

بایں ہمہ موجودہ معاملے میں متضاد ارادۂ قانون واضح طور پر موجود ہے کہ گورنر جنرل کے اختیار قانون آزادی ہند کی منظوری کے عرصہ تک محدود ہیں۔

لہٰذا دستور ساز اسمبلی کی برطرفی قانونی طور پر بلاجواز ہے دستور ساز اسمبلی اور اس کے صدر کا عہدہ قانونی طور پر وجود رکھتے ہیں۔ فریقین نے اس امر پر اختلاف رائے کا اظہار نہیں کیا کہ درخواست گزار کو اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری سے روکا گیا ہے۔ عدالت کسی حکومت کے خلاف پروانہ جاری کرنے کا اختیار رکھتی ہے اور اس مین وفاق پاکستان کی حکومت بھی شامل ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ 306 کے تحت گورنر جنرل کو قانونی چارہ جوئی سے شخصی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ دفعہ "حکومت" کے خلاف کاروائی پر تحدید عائد نہیں کرتی۔ "حکومت" کی اصطلاح پاکستان کے ضمن میں وفاق کی قوت عاملہ کے مترادف سمجھی جاتی ہے جسے گورنر جنرل براہ راست یا ماتحت حکام کے ذریعے استعمال کرتا ہے۔ اگر سرکاری منصب پر فائز شخص کو غیر قانونی طور پر اپنے عہدے سے محروم کیا جائے تو حکم امتناعی اس شخص کے خلاف جاری ہوتا ہے جواس برطرفی کا ذمہ دار ہو۔ یہ امر ریکس بنام بلور 2 پر 1042 (97-برطانوی رپورٹس 697) نامی مقدمے میں طے پا چکا ہے۔

بنابریں میں حکم امتناعی کے ذریعے مسئول الیہان کو حکم دیتا ہوں کہ بحیثیت صدر دستور ساز اسمبلی سائل کے فرائض منصبی کی بجا آوری میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رہیں۔

میں مسئول الیہان کو حکم دیتا ہوں کہ وہ درخواست گزار کے اس مقدمہ پر اٹھنے والے اخراجات برداشت کریں۔

دستخط

جی۔ بی۔ کانسٹنٹائن

(چیف جج)

9 فروری 1955ء

2- ڈبلیو- بی- ایل- ویلانی (جسٹس)
(اقتباسات)

"دستور ساز اسمبلی کا خاص فریضہ مملکت کے لئے دستور تشکیل دینا تھا اور فریضے کی تکمیل تک دستور ساز اسمبلی کو وفاقی مقننہ کے طور پر بھی اختیارات حاصل تھے۔"

"... بایں ہمہ ہر دو طرح کے اختیارات کی نوعیت ایک دوسرے سے قطعی مختلف تھی۔ وفاقی قانون ساز ادارے کے اختیارات گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (1935ء) کی رو سے بروئے کار لائے جا رہے تھے جبکہ دستوریہ کے اختیارات قانون آزادی ہند (1947ء) سے اخذ کئے جا رہے تھے۔"

"چنانچہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دستور ساز اسمبلی برخاست کرنے کا اختیار قانون آزادی ہند کی دفعات سے متاثر نہیں ہوتا"۔

"قانون آزادی ہند کی دفعہ 9 ذیلی دفعہ (سی) کی رو سے.... وفاقی مقننہ برخاست کرنے کے بارے میں گورنر جنرل کے اختیارات واپس لے لئے گئے تھے اگرچہ مقننہ کا اجلاس طلب کرنے یا ملتوی کرنے کے ضمن میں گورنر جنرل کے اختیارات برقرار رکھے گئے۔"

اسمبلی برخاست کرنے کے بارے میں قانون آزادی ہند کی دفعہ میں وضاحت کے ساتھ قانونی طریقہ کار بیان کیا گیا ہے اور اس دفعہ کی رو سے گورنر جنرل کو اسمبلی برخاست کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔"

زیر غور مقدمے سے قبل پاکستان کی پوری تاریخ میں حکومت کا کوئی ایسا اقدام نہیں ملتا جس کی بنیاد اس مفروضے پر ہو کہ دستور ساز اسمبلی کے منظور کردہ قوانین کو گورنر جنرل کی طرف سے توثیق کی ضرورت ہوتی ہے..... اس دوران میں منظور ہونے والے متعدد قوانین میں.... پریوی کونسل ایکٹ (تنسیخ اختیار سماعت) 1950ء بھی شامل ہے.... بھارت کی دستور ساز اسمبلی کی طرف سے انہی اصول و ضوابط کی روشنی میں کے لئے گورنر جنرل کی توثیق ضروری نہیں سمجھی گئی اور بھارت کی عدالت عظمیٰ اس دستور کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کی وضاحت نافذ کر رہی ہے۔"

"دلیل پیش کی گئی ہے کہ حکم امتناعی کے اجراء کا کوئی جواز نہیں کیونکہ درخواست گزار کو کوئی مخصوص قانونی حق حاصل نہیں ہے اسی طرح مسئول الیہان بھی درخواست گزار کو اس کے عہدے پر برقرار رکھنے کے قانونی طور پر پابند نہیں ہیں۔ چونکہ سرکاری عہدے سے محروم کئے جانے والے شخص کے عہدے کو حکم امتناعی کے ذریعے بحال کرنے کا اختیار موجود ہے لہٰذا کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ سائل کو اس کے اعلیٰ منصب پر دوبارہ فائز نہ کیا جائے۔ یہ عہدہ سرکاری نوعیت کا حامل ہے اور اس سے تقابل اور فوائد کی کئی صورتیں وابستہ ہیں۔

اس نوعیت کے معاملے میں جہاں مسئول الیہان کا اقدام ہر طرح سے دانستہ ہے یہ تجویز نہایت پوچ ہے کہ سائل کے مطالبہ پر مسئول الیہان نے اس کی داد رسی کر دی ہوتی"... لہٰذا میں حکم نامے کے ذریعے درخواست گزار کو دستور ساز اسمبلی کے صدر کے عہدے پر بحال کرنے کا حکم دیتا ہوں اور تمام مسئول الیہان کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ سائل کے اعلیٰ منصب کے فرائض اور اعمال کی بجا آوری میں دخل دینے سے باز رہیں.... "میں حکم نامہ طلبی سند کے ذریعے مسئول الیہان 4، 5، 7، 8 اور 10 کی بطور وزیر تقرری کو غیر قانونی قرار دیتا ہوں کیونکہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ 10 (ترمیمی شکل 21 ستمبر 1954ء) کی رو سے یہ اشخاص وفاقی مقننہ کی رکنیت کی عدم موجودگی میں اس عہدے کے اہل قرار نہیں پاتے۔"

3- محمد بچل (جسٹس)

"میں عزت ماب چیف جج کے تجویز کردہ حکم سے اتفاق کرتا ہوں"

4- محمد بخش (جسٹس)

"دستور ساز اسمبلی نے وقتاً فوقتاً کئی اجلاس منعقد کئے۔ آئین کی تسوید اور تشکیل کا کام حتمی شکل اختیار کر چکا تھا اور اس ضمن میں دستور ساز اسمبلی کا آخری اجلاس منعقد ہونے والا تھا۔ وزیراعظم (مسئول الیہ نمبر 2) کے اپنے اعلان کے مطابق ملک کے آئین کو 25 دسمبر 1954ء تک قائداعظم کے یوم پیدائش سے قبل مکمل کیا جانا تھا۔

"24 اکتوبر 1954ء کو گورنر جنرل نے.... مسرت کے ساتھ ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں منجملہ دیگر امور کے کہا گیا تھا کہ آئینی اداروں کی شکست و ریخت کے باعث ہنگامی صورت حال پیدا ہو چکی ہے.... مزید یہ کہ دستور ساز اسمبلی اپنی موجودہ شکل میں عوام کے اعتماد سے محروم ہو چکی ہے اور اپنے فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہے۔"

25 اکتوبر 1954ء کو دستور ساز اسمبلی کی طرف سے قائم کردہ تسوید آئین کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مسودہ آئین کو منظوری دے دی گئی نیز کمیٹی کی رپورٹ کو حتمی شکل دیکر اس پر اراکین سے دستخط لئے گئے۔

26 اکتوبر 1954ء کو صبح ساڑھے آٹھ اور نو بجے کے درمیان مسئول الیہ نمبر 4 نے درخواست گزار سے رابطہ قائم کیا اور اسے مطلع کیا کہ 24 اکتوبر 1954ء کے اعلامئے کی رو سے دستور ساز اسمبلی مبینہ طور پر برخاست ہو چکی ہے۔ مسئول الیہ نے سائل کو یہ صورت حال قبول کرنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر موخر الذکر نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ 27 اکتوبر 1954ء کو پولیس کی بھاری جمعیت نے دستور ساز اسمبلی کی عمارت

کو گھیرے میں لے لیا اور نائب صدر سمیت دستور ساز اسمبلی کے اراکین کو مذکورہ عمارت میں داخل ہونے سے روک دیا۔

قانون آزادی ہند منظور کرنے والی برطانوی پارلیمان اس امر کو پارلیمانی مسلمات کا درجہ دیتی ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے منظور کردہ قوانین کو گورنر جنرل کی توثیق کی احتیاج نہیں ہوتی۔"

گورنر جنرل پاکستان بذات خود دستور ساز اسمبلی کے منظور کردہ قوانین کے مطابق کئی احکامات جاری کر چکے ہیں اور انہوں نے کبھی یہ موقف اختیار نہیں کیا کہ گورنر جنرل کی توثیق نہ ہونے کے باعث یہ قوانین غیر موثر ہیں.... اس کے برعکس ان کا موقف یہ تھا کہ گورنر جنرل کی طرف سے توثیق نہ ہونے کے علیٰ الرغم یہ قوانین جائز اور موثر حیثیت کے حامل تھے۔"

سندھ 49 : 1950ء کے مقدمے میں مسٹر منظور قادر ایڈووکیٹ نے موقف اختیار کیا تھا کہ دستور ساز اسمبلی کے قوانین کو گورنر جنرل کی طرف سے توثیق کی ضرورت نہیں ہوتی..... اس قانون کو گورنر جنرل کی طرف سے توثیق کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ دستور ساز اسمبلی نے یہ قوانین دستور ساز ادارے کی حیثیت سے منظور کئے تھے نہ کہ وفاقی مقننہ کی حیثیت سے۔

پی۔ ایل۔ ڈی 1949ء سندھ 49 میں مسٹر کھوڑو کے وکیل نے نکتہ اٹھایا تھا کہ گورنر جنرل کی توثیق لازمی ہوتی ہے۔ لیکن وفاق پاکستان کی طرف سے منظور قادر نے موقف اختیار کیا تھا کہ ایسی توثیق قطعی غیر ضروری ہے بایں ہمہ عدالت نے واضح طور پر فیصلہ دیا تھا کہ "گورنر جنرل کی توثیق لازم نہیں ہے"... یقیناً اب مسٹر منظور قادر کا یہ موقف مضحکہ خیز ہے کہ 1950ء میں ان کا نقطہ نگاہ بالغ نہیں تھا۔"

"دستور ساز اسمبلی کو .... 1935ء کے ایکٹ کے تحت وفاقی مقننہ کے فرائض بھی سرانجام دینا تھے جبکہ دستور ساز اسمبلی کا عرصہ حیات دستور کی تشکیل تک محدود تھا چنانچہ دستور ساز اسمبلی کو دستور کی تدوین تک برخاست نہیں کیا جا سکتا تھا..... دستور ساز اسمبلی کی طرف برطرفی کا مطلب ہے قانون ساز اسمبلی کی برطرفی اور قانون ساز اسمبلی کی برخاستگی دستوریہ کی برخاستگی کے مترادف ہے۔ چونکہ دستور ساز اسمبلی کی میعاد کا تعین ممکن نہیں تھا اور ایسے قانون: آزادی ہند کے تحت تفویض کردہ فرائض کی انجام دہی تک برخاست نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا دفعہ 19(2) (سی) کے تحت گورنر جنرل کے اس اختیار کو برقرار رکھنا ممکن نہیں تھا کہ وفاقی مقننہ کی برخاست کر سکتا ہے۔ چنانچہ دانستہ طور پر گورنر جنرل کا یہ اختیار واپس لے لیا گیا۔

حقیقی صورت حال بہت سادہ ہے۔ دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار ادارہ ہے اور اسے دستور ساز اسمبلی کا صدر طلب کرتا ہے اور ملتوی کرتا ہے.... جبکہ قانون ساز اسمبلی وفاقی مقننہ کے طور پر کام کرتی ہے اور اس کے اجلاس کی طلبی اور التوا کا اختیار گورنر جنرل کو حاصل ہے... وفاقی مقننہ کی برخاستگی کے ضمن میں گورنر جنرل کا اختیار واپس لیا جا چکا ہے کیونکہ وفاقی مقننہ کی برخاستگی کا مطلب دستور ساز اسمبلی کی برخاستگی ہو گا اور ایسا کرنا قانون آزادی ہند کی رو سے ممکن نہیں ہے۔

"مذکورہ اعلامئے میں خاصی غیر معمولی زبان استعمال کی گئی ہے۔ اعلامئے میں قانون آزادی کی دفعہ 5 یا کسی دوسری قانونی شق کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ اعلامئے میں واضح اور صریح الفاظ میں دستور ساز اسمبلی کی " برطرفی " کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔ عمومی حالات میں کوئی حکم جاری کرتے وقت قانون کی اس دفعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے جس کی رو سے متعلقہ اختیار استعمال کیا جا رہا ہو..... بظاہر اعلامئے کا مسودہ تیار کرنے والے قانون کی کسی دفعہ کا حوالہ دینے سے قاصر تھے۔"

"میرا غیر متزلزل ایمان ہے کہ گورنر جنرل کو دستور ساز اسمبلی برطرف کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔"

"ان وجوہات کی بنا پر (جو فیصلے میں بیان کئے گئے ہیں) میں درخواست منظور کرتا ہوں۔ درخواست گزار کی استدعا کے مطابق تمام مسئول الیہان کو حکم نامہ جاری کیا جائے گا۔ مسئول الیہان 4، 5، 7، 8 اور 10 کی تقرری کے غیر قانونی ہونے کی بنا پر انہیں پروانہ طلبی سند جاری کیا جائے گا۔ میں مزید حکم دیتا ہوں کہ مسئول الیہان درخواست گزار کے اخراجات برداشت کریں۔

دستخط
محمد بخش اے۔ میمن
(جسٹس)

عدالت کا زبانی حکم

بذریعہ عدالت : مسئول الیہان 4، 5، 7، 8 اور 10 کو پروانہ طلبی سند کے ذریعے وزارت کا قلمدان استعمال کرنے سے روک دیا جائے اور حکمنامے کے ذریعے سائل کو دستور ساز اسمبلی کے صدر کے عہدے پر بحال کیا جائے مزید برآں مسئول الیہان کو درخواست گزار کے فرائض منصبی کی بجا آوری میں دخل اندازی سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے۔

مسئول الیہان درخواست ہذا پر درخواست گزار کے اخراجات برداشت کریں گے"

دستخط :
جی۔ بی۔ کانسٹنٹائن (چیف جج)
ڈبلیو۔ بی۔ ایل۔ ویلانی (جج)

محمد بجلی (ج)
محمد بخش (ج)

9 فروری 1955ء

(2) وفاق بنام مولوی تمیزالدین خان
وفاقی عدالت پاکستان

(اختیار سماعت مرافعہ)

دستوری دیوانی اپیل نمبر1 (1955ء)

فیصلہ مورخ نو فروری 1955ء مصدورہ سندھ عدالت عالیہ، کراچی متعلق بہ رٹ درخواست نمبر43 1954ء کے خلاف اپیل

وفاق پاکستان
محمد علی
ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی
ڈاکٹر خاں صاحب
چودھری محمد علی
میجر جنرل سکندر مرزا
ڈاکٹر اے۔ ایم۔ مالک
جنرل محمد ایوب خان
غیاث الدین پٹھان
میر غلام علی تالپور..... مرافعہ گزاران

بنام
مولوی تمیزالدین خاں..... مسئول الیہ

بحضور:
محمد منیر چیف جسٹس
جسٹس اے۔ ایس۔ ایم اکرم
جسٹس اے۔ آر۔ کار نیلس
جسٹس محمد شریف
جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان

فیصلہ جات

(اقتباسات)

(1) منیر (چیف جسٹس)

گورنر جنرل پاکستان کا تقرر ملک معظم یا ملک معظمہ کی طرف سے کیا جاتا ہے اور وہ ان کے نمائندے کے طور پر کام کرتا ہے.... یہ امر نمائندے کے اختیار میں ہے کہ وہ.... تفویض صریح کے بغیر بھی.... اختیار شاہی استعمال کر سکتا ہے.... مسٹر محمود علی کا یہ موقف کہ پاکستان میں گورنر جنرل اختیار شاہی استعمال نہیں کر سکتا' واضح طور پر غلط ہے کیونکہ یہاں 1935ء کے ترمیمی قانون کی رو سے بھی گورنر جنرل گورنروں کا تقرر کرتا ہے.... اور 1935ء کے ترمیم شدہ قانون کی رو سے تمام قانون ساز کی توثیق بادشاہ کے نام پر کی جاتی ہے۔ میں مسٹر محمود علی کے اس دعوے کا جواز سمجھنے سے قاصر ہوں کہ پاکستان میں گورنر جنرل اختیار شاہی استعمال نہیں کر سکتا۔

"مجھے اس امر کا احساس ہے کہ میں آئین کی تشریح کرتے ہوئے عام آدمی کے "آزاد مملکت" کے تصور کے منافی رائے دے رہا ہوں لیکن عام طور پر "آزاد مملکت" کے تصور کو پورے طور پر سمجھا نہیں گیا..... بایں ہمہ اس قسم کے مقدمات میں منصف کے فرائض کے بارے میں میرا ضمیر بالکل مطمئن ہے۔ اور وہ فرض یہ ہے کہ رد عمل کی پرواہ کئے بغیر قانون کی صحیح تشریح کی جائے۔

"اب سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کو لیتے ہیں۔ 19 روز کی بحث اور 25 روز کے غور و فکر کے بعد صادر کیا جانے والا یہ فیصلہ ایک مایوس کن دستاویز ہے۔"

"اس میں بنیادی مسئلے کے بارے میں ایک بھی لفظ یا کوئی بعید ترین اشارہ بھی نہیں ملتا کہ آیا ایک معزول حکومت کو حکم نامے کی مدد سے فی الواقعی حکومت کی جگہ بحال کرنا عدلیہ کی دانشمندانہ صوابدید میں آتا ہے یا نہیں؟

میں سمجھتا ہوں کہ دستور ساز اسمبلی..... جو مجلس قانون ساز کے طور پر بھی کام کرتی ہے... کی تمام قانون سازی کے موثر نفاذ کے لئے گورنر جنرل کی توثیق لازمی ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی دفعہ 223 کو جس کے تحت عدالت عالیہ سندھ نے حکمنامہ جاری کرنے کا اختیار استعمال کرنا چاہا ہے' گورنر جنرل کی توثیق نہیں مل سکی' لہٰذا یہ دفعہ ملکی قانون کا حصہ قرار نہیں پاتی چنانچہ عدالت کو حکم نامے جاری کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ اس پہنچنے کے بعد ہمارے لئے دیگر امور کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں خواہ مذکورہ امور کی عمومی اہمیت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ میں اپیل منظور کرتے ہوئے سندھ چیف کورٹ کا فیصلہ رد کرتا ہوں اور عدالت عالیہ کی طرف سے جاری کردہ دونوں حکمناموں کو واپس لینے کا حکم کرتا ہوں فریقین اخراجات مقدمہ خود برداشت کریں گے۔

(2) اکرم (جسٹس)

"میں اپیل منظور کرنے کے فیصلے سے اتفاق کرتا ہوں"

گورنر جنرل کو ریاست کے قانون ساز ادارے (ہم مرتبہ دستور ساز اسمبلی) کی طرف سے تجویز کردہ ہر نوع کے قوانین کی توثیق کا پورا اختیار حاصل ہے.... پس آئینی قانون سازی کے موثر نفاذ کے لئے بھی گورنر جنرل کی توثیق لازمی قرار پاتی ہے.... میری رائے کے مطابق کسی دستوری اقدام کے موثر طور پر قانون کی شکل اختیار کرنے سے قبل گورنر جنرل کی توثیق ضروری ہے۔"

(3) کارنیلئس (جسٹس)

مجھے آغاز ہی سے پورے خلوص کے ساتھ اظہار افسوس کرنا ہے کہ میں عالی مرتبت چیف جسٹس اور دوسرے فاضل جج بھائیوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا.... موجودہ حالات میں قانون کی کوئی ایسی شق موجود نہیں ہے جو دستور ساز اسمبلی کے بنائے ہوئے قوانین کے لئے گورنر جنرل کی منظوری کو لازمی قرار دیتی ہو۔"

موجودہ عدالت کا فیصلہ گورنر جنرل کی توثیق کی احتیاج کے واحد سوال تک محدود ہے... مسٹر ڈیلوک (وکیل ملکہ معظمہ برائے درخواست گزار) نے دستور ساز اسمبلی کی برطرفی کے اختیار کے بارے میں تفصیل سے دلائل دیئے ہیں جنہیں قانون آزادی ہند کی دفعہ 5 سے اخذ کیا گیا ہے.... دوم یہ کہ وفاقی قانون ساز ادارے کی برطرفی کا اختیار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ 32 میں موجود تھا اور اس ایکٹ (1935ء) کو نئے حالات کے مطابق تبدیل کرتے وقت یہ اختیار دانستہ طور پر واپس لے لیا گیا تھا۔"

"مسٹر ڈیلوک نے مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ "گورنر جنرل عملی طور پر سربراہ مملکت ہے اور اسے ملکی سلامتی کے لئے خطرناک کسی قومی المیے کی پیش بندی کرنے کا نہ صرف اختیار ہے بلکہ ایسا کرنا اس کے فرائض منصبی کا حصہ ہے۔ گورنر جنرل کی طرف سے ایسا اقدام و رائے قانون ہو گا لہٰذا اسے عدلیہ کی صوابدید سے بالا قرار دیا جائے گا" میں مسٹر ڈیلوک کے اس مزید دعوے سے بھی اتفاق کرنا ممکن پاتا کہ اگر ایسی تشویشناک صورتحال میں گورنر جنرل کوئی قدم اٹھانے سے قاصر رہے تو تاج برطانیہ کو... مداخلت کر کے ملک کے تحفظ اور سلامتی کو یقینی بنانے کا اختیار حاصل ہو گا... اس قسم کی صورت حال کبھی پیدا نہیں ہوئی اور امر بالکل عیاں ہے کہ تاج برطانیہ کی طرف سے ایسا کوئی بھی قدم عملی مشکلات سے دوچار ہو گا۔

گورنر جنرل کی توثیق کا جواز دو نکات سے اخذ کیا گیا ہے (الف) یہ ملک قلمرو کا درجہ رکھتا ہے (ب) یہ کہ مملکت تاج برطانیہ کے تابع ہے۔ مسٹر چندریگر نے دلیل دی ہے کہ بھارت اور پاکستان کی مملکتیں صرف "قلمرو" کے طور پر نہیں بلکہ "خود مختار قلمرو" کی حیثیت سے معرض وجود میں آئی تھیں۔ ان دونوں تصورات کا باہمی فرق بہت واضح اور اہم ہے۔ دونوں مملکتوں کو روز اول ہی سے عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل دستور ساز ادارے کئے گئے تھے ان اداروں کا متعلقہ مملکتوں کو اپنی پسند کا آئین فراہم کرنا قرار پایا تھا خواہ یہ آئین دونوں مملکتوں کو تاج برطانیہ کی اطاعت سے بے نیاز ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔ برطانوی دولت مشترکہ کے ارتقاء کی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ چندریگر نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ اس عظیم فرق کے باعث گورنر جنرل پاکستان کے حلف وفاداری میں بھی اہم تبدیلی کی گئی ہے۔ قبل ازیں گورنر جنرل تاج برطانیہ کے ساتھ سچی وفاداری اور حقیقی اطاعت کا اقرار کرتا تھا لیکن پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی اس حلف کے الفاظ تبدیل کر کے عبارت کو "پاکستان کے آئین کی حقیقی اطاعت اور ملک معظم کی وفاداری" کی شکل دیدی گئی۔ ایک ایسے آئین کی اطاعت جو بھلے ہی مملکت تخلیق کرنے کا باعث ہو لیکن دستور ساز اسمبلی کسی بھی وقت اسے تبدیل کرنے کا اختیار رکھتی ہو' یقیناً یہ مفہوم نہیں رکھتی کہ گورنر جنرل نے ملک معظم کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کر لیا یا یہ کہ گورنر جنرل محض تاج برطانیہ کا جانثار بن کر رہ گیا۔ انسانی تعلقات کی مختلف اشکال کے حوالے سے اطاعت اور وفاداری میں بڑا فرق ہے۔ ملکہ برطانیہ اب پاکستان کی مقتدر اعلیٰ نہیں بلکہ محض دولت مشترکہ کی سربراہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دوسری خود مختار ریاستوں کے معاملات سے مختلف ہونے کا اظہار اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ پاکستان کے ساتھ آزاد ہونے والے ملک بھارت کے ہمارے ساتھ معرض وجود میں آنے والے دستور ساز ادارے نے اس مملکت کو جمہوریہ قرار دیدیا اور جو آئین منظور کیا اس کے لئے گورنر جنرل کی منظوری کا حصول ضروری نہیں سمجھا گیا۔ بھارت میں دستور ساز اسمبلی نے جو بھی آئینی قوانین تشکیل کیے انہیں صدر کی منظوری سے قانون کا حصہ قرار دے دیا گیا اور گورنر جنرل کی طرف سے کبھی توثیق حاصل نہ کی گئی۔

اس کے بعد مسٹر چندریگر نے دلیل پیش کی کہ توثیق' قانون ساز پر بالادستی کی ایک شکل ہے... جبکہ دونوں نو آزاد ریاستوں کے لئے نئے دساتیر کی تیاری کا عمل واضح کرتا ہے کہ دستوریہ پر کسی قوت کی بالادستی مقصود نہیں تھی.... اس امر کا بار بار اعادہ کیا گیا کہ ہندوستان کے لئے دستور خود ہندوستان کے باشندے تیار کریں گے.... برطانوی پالیمان... نئی مملکت پاکستان کے اندر سے یا برطانیہ کی طرف سے کسی طرح کی بالا دستی کی روادار نہیں ہو سکتی تھی۔ قانون آزادی ہند کی دفعہ 6 (3) کا مفہوم یہی تھا کہ برطانیہ کے سابق اقتدار اعلیٰ اور بالادستی کو یکسر ختم کر دیا

جائے... دفعہ 6 (3) کی رو سے کسی حتمی منظوری کو لازمی قرار دینا ناقابل تصور تھا کیونکہ اس سے دستور ساز اداروں کے اختیارات میں کمی واقع ہوتی تھی۔

نیز یہ بھی کہا گیا کہ قانون آزادی ہند میں مملکتوں کے "قانون ساز اداروں" کے قیام کا کوئی ذکر نہیں اور یہ امر قبل ازیں قائم کی جانے والی مملکتوں طریقہ کار سے مکمل انحراف تھا... نو آزاد مملکتوں میں قانون ساز اداروں کی تشکیل کے لئے عوام کے کسی خاص طبقے یا گروہ کی تخصیص نہیں کی گئی۔ فی الواقعہ اس ضمن میں قطعی طور پر تجریدی عبارت استعمال کی گئی۔

دوسری طرف قانون آزادی ہند میں دستور ساز اسمبلیوں کا ایک مخصوص ادارے کے طور پر بار بار کیا گیا ہے.... قانون آزادی کی دفعہ 8 میں مملکت کے قانون سازی سے متعلق اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کا تین دفعہ حوالہ دیا گیا ہے اور ہر موقع پر اسے قانون ساز اداروں سے ممیز کی گئی۔ درحقیقت دستور ساز اسمبلی کو قانون ساز اسمبلیوں کے مترادف قرار نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ دستور ساز اسمبلی نے مملکت کے قانون ساز اداروں کو جنم دینا تھا اور برطانوی پارلیمان اس ضمن میں دستور ساز اسمبلی کی خود مختاری کو تسلیم کرنے کے بعد قانون ساز اداروں کی ہیت کے بارے میں کوئی رائے دینے کا اختیار نہیں رکھتی تھی۔... حقیقت یہ ہے کہ دستوریہ مملکت کی قانون ساز اسمبلی نہیں تھی خواہ وہ دستور سازی کے فرائض سرانجام دیتی یا وفاقی قانون ساز ادارے کے اختیارات بروئے کار لاتی۔ ..... دستور ساز اسمبلی نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں دفعہ 223 الف کا اضافہ اس وقت کے وزیر قانون اے۔ کے بروہی کی تحریک پر کیا تھا.... وفاقی حکومت نے بڑے غور خوض کے بعد عوامی اہمیت کے پیش نظر ہائی کورٹ کے اختیارات میں اضافے کے لئے یہ اقدام کیا تھا اب حکومت کو اس دفعہ کے منسوخ کرنے کی اجازت نہیں دی سکتی۔

یہ امر قطعی طور پر واضح ہے کہ برطانوی اقتدار اعلیٰ کی طرف سے گورنر جنرل پاکستان رسمی تعیناتی میں کسی قسم کے اوامرو نواہی کا کوئی ذکر نہیں ملتا... گورنر جنرل کا تاج برطانیہ سے صرف اتنا تعلق ہے کہ حکومت پاکستان کی سفارش پر ملک معظم گورنر جنرل کی تعیناتی کا رسمی حکم جاری کرتے ہیں۔ گورنر جنرل کا بنیادی فرض مملکت کے آئین کی متابعت ہے۔

کہا گیا ہے کہ ..... دستور ساز اسمبلی.... مملکت کے لئے قانون سازی کا اختیار دفعہ 6 (1) سے اخذ کرتی ہے لیکن ایسا استدلال کرتے ہوئے اس حقیقت کو فراموش کر دیا گیا ہے کہ یہ دستور ساز اسمبلی درحقیقت برطانوی پارلیمانی کی تخلیق نہیں ہے۔ میری رائے میں یہ ادارہ ایک ورائے قانون فرض یعنی دستور پاکستان کی تشکیل کی غرض سے ایک بالاتر قانون کے تحت قائم کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ ادارہ پاکستان کی آئندہ حکومت کی ہیت کے حوالے سے عوامی خواہشات کی نمائندگی میں معرض وجود میں آیا اور اس کے اختیارات بس یہی ہیں..... برطانوی پارلیمان کی طرف سے دیگر مملکتوں کے وساتیر مدون کرنے کی رسم کے برعکس قانون آزادی ہند میں "قانون ساز ادارے" قائم کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

میری رائے میں دستور از اسمبلی کو دو نکات کی بنیاد پر گورنر جنرل یعنی سربراہ مملکت پر بالا دستی حاصل ہے۔ اول یہ کہ دستور ساز اسمبلی ایک خود مختار ادارہ ہے اور دوم یہ کہ دستور ساز اسمبلی ان قوانین میں ترمیم کرنے کا اختیار رکھتی ہے جن کے تحت گورنر جنرل کو اپنے فرائض دینا ہوتے ہیں۔

1947ء سے مملکت کے تینوں اجزاء یعنی مقننہ، حکومت اور عدلیہ اس واضح مفروضے کی بنا پر کام کر رہے ہیں کہ دستور قوانین کے لئے گورنر جنرل کی توثیق ضروری نہیں ہے۔ یکم مارچ 1955ء سے وفاقی عدالت نے فیصلہ دیا ہے کہ وہ اپنے سابقہ فیصلوں کی پابند نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ حقیقت شک و شبے سے بالا ہے کہ برطانوی پارلیمان یا گورنر جنرل کا دستور ساز اسمبلی میں کوئی حصہ نہیں۔

اس معاملے پر ہر ممکن احتیاط کے ساتھ غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قانون آزادی ہند کی دفعہ 6 (3) یا بطور مملکت پاکستان کے قوانین میں کوئی ایسی شق موجود نہیں ہے جو دستور ساز اسمبلی کے منظور کردہ آئینی قوانین کے موثر نفاذ کے لئے گورنر جنرل کی توثیق کو ضروری قرار دیتی ہو۔ اس نقطہ نگاہ سے مرافعہ کا نتیجہ خیز ثابت ہونا ظاہر نہیں ہوتا عزت ماب چیف جسٹس اور میرے فاضل جج برادران اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں اور انکے نقطہ نگاہ کی بدولت یہ اپیل منظور کی جاتی ہے۔ تمیزالدین کی رٹ درخواست خارج کی جاتی ہے اور سندھ چیف کورٹ کے حکم نامے واپس لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ مقدمے کے اخراجات کے بارے میں مجھے اس رائے سے اتفاق ہے کہ فریقین اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے۔

(4) محمد شریف (جسٹس)

میں عزت ماب چیف جسٹس سے اتفاق کرتا ہوں۔

(5) ایس۔ اے۔ رحمان (جسٹس)

میں عزت ماب چیف جسٹس کے نقطہ نگاہ اور فیصلے سے مودبانہ اتفاق کرتا ہوں۔

ضمیمہ: ج

وفاقی عدالت پاکستان

رپورٹ متعلق بہ
خصوصی استصواب
ارسال کردہ
فضیلت ماب گورنر جنرل پاکستان

وفاقی عدالت پاکستان
(مشاورتی اختیار سماعت)
خصوصی استصواب نمبر1 (1955ء)
(استصواب ارسال کردہ فضیلت ماب گورنر جنرل' پاکستان زیر دفعہ 213
گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1953ء)

بحضور

عزت ماب مسٹر جسٹس محمد منیر (چیف جسٹس)
عزت ماب مسٹر جسٹس اے۔ ایس۔ ایم۔ اکرم
عزت ماب مسٹر جسٹس محمد شریف
عزت ماب مسٹر جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان

وکلاء منجانب گورنر جنرل پاکستان

(1) مسٹر فیاض علی ایڈووکیٹ جنرل آف پاکستان
(2) مسٹر کیسھ ڈیپلاک (وکیل ملکہ معظمہ) ہمراہ مسٹر آر۔ ایل۔ میکون بار۔ ایٹ۔ لاء زیر ہدایت مسٹر افتخار الدین احمد' اٹارنی زیر حکم XIV فیڈرل کورٹ رولز

1950ء

(1) مسٹر اے۔ آر۔ چنگیز ایڈووکیٹ جنرل پنجاب زیر ہدایت مسٹر اعجاز علی' اٹارنی
(2) مسٹر سکندر بیگ ایس۔ مرزا ایڈووکیٹ جنرل سندھ
(3) مسٹر محمد علی ایڈووکیٹ جنرل شمالی مغربی سرحدی صوبہ زیر ہدایت مسٹر افتخار الدین احمد' اٹارنی

وکلاء منجانب تمیز الدین خان:

مسٹر ڈی۔ این۔ پرٹ (وکیل ملکہ معظمہ)
مسٹر آئی۔ آئی۔ چندریگر' سینئر وکیل وفاقی عدالت (مع مسٹر شریف الدین پیرزادہ' ایڈووکیٹ فیڈرل کورٹ مسٹر منیر عالم' ایڈووکیٹ فیڈرل کورٹ اور مسٹر نسیم ایڈووکیٹ عدالت عالیہ سندھ زیر حکم IV ضابطہ نمبر7 فیڈرل کورٹ رولز 1950ء) زیر ہدایت مسٹر ایم۔ صدیق' اٹارنی

وکلاء منجانب متحدہ محاذ پارلیمانی پارٹی'
(مجلس قانون ساز' مشرقی بنگال) زیر قیادت
مسٹر اے۔ کے۔ فضل الحق' کانگریس پارٹی اور شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن

(3) یوسف پٹیل اور دوسرے بنام دی کراؤن
(Pld 1955ء FC 387)

جج صاحبان:

چیف جسٹس محمد منیر
جسٹس اے۔ ایس۔ ایم اکرم
جسٹس اے۔ آر۔ کار نیلیس
جسٹس محمد شریف
جسٹس ایس۔ اے رحمٰن

مقدمے کے حقائق

اپیل کنندگان کے خلاف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سندھ کنٹرول غنڈہ ایکٹ (گورنر کا قانون نمبر 28 مجریہ 1952ء) کے تحت کارروائی کی۔ اپیل کنندگان کو غنڈہ قرار دیا اور انہیں ضمانت (نیک چلنی کی) جمع کروانے کا حکم دیا اور ضمانت دینے میں ناکام رہنے کی وجہ سے انہیں جیل میں ڈال دیا گا۔ اپیل کنندگان نے اس نظربندی (Detension) کے خلاف مجموعہ ضابطہ فوج داری مجریہ 1898ء کی دفعہ 491 کے تحت پہلے سندھ چیف کورٹ کے سامنے درخواستیں پیش کیں کہ ان کی نظربندی غیر قانونی ہے اور انہیں آزاد کیا جائے۔ چیف کورٹ نے فیصلہ دیا کہ ان (اپیل کنندگان) کی نظر بندی قانونی ہے اور ان کی حبس بے جا (Habeas Corpus) کی درخواست ہائے خارج کی جاتی ہیں۔

چیف کورٹ کے سامنے یہ بحث (Contention) (دلیل) کی گئی کہ یہ قانون متنازعہ فیہ غیر صحیح تھا' کیونکہ یہ گورنر نے منظور کیا تھا جو گورنمنٹ اف انڈیا ایکٹ 1935ء کے تحت (دفعہ 92 کے تحت) گورنر جنرل کے جاری کردہ اعلان کے تحت اسے (گورنر کے) تفویض کردہ اختیارات کی رو سے اس نے منظور کیا تھا۔ اس دفعہ کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں گورنر جنرل نے خصوصی طور پر آئین آزادی ہند (Indian Independence Act) کی دفعہ کے تحت شامل کرنے پر زور دیا تھا اور گورنر جنرل کا یہ اقدام متذکرہ بالا دفعہ 9 کی شرائط کے تحت خارج از اختیار (Ultra Vires) تھا۔

چیف کورٹ نے یہ ادعا (Contention) خارج کر دی۔

فیصلہ:

یہ مقدمہ برائے اپیل یعنی اس مقدمہ کے بارے میں چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔ فیڈرل کورٹ کے سامنے ایک نئی دلیل پیش کی گئی۔ یہاں پر دفعہ 92 الف کی صحت (Validity) کو بھی زیر بحث لایا گیا۔ یہ بیان کیا گیا کہ دفعہ 9 کی ضمنی دفعہ (5) کے تحت ابتدائی تاریخ مقررہ (دفعہ 9' آئین آزادی ہند (Indian Independence Act) کے گزر جانے کے بعد یہ اقدام اٹھایا گیا جو تاریخ اس کے تحت حکم دیئے جانے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ وہ تاریخ' جس تاریخ پر یا جس تاریخ سے پہلے گورنر جنرل متذکرہ بالا دفعہ 9 کے تحت احکام جاری کر سکتا تھا' 31 مارچ 1948ء تھی' لیکن یہ تاریخ آئین آزادی ہند کی دستور ساز اسمبلی کی طرف سے کی گئی ترمیم کے بعد تحت دفعہ 2 کے 31 مارچ 1949ء کر دی گئی۔ یہ ترمیمی قانون (Amendment Act) گورنر جنرل کو برائے منظوری کبھی پیش نہ کیا گیا۔

موجودہ مقدمے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا قانون آزادی ہند (ترمیم شدہ) مجریہ 1948ء جس کے تحت دفعہ 9 (5) کو 31 مارچ 1949ء کی تاریخ ترمیم کرنے کے بعد تبدیل کی گئی 19 جولائی 1948ء کو قانونی حیثیت حاصل تھی جبکہ اس تاریخ (یعنی 19 جولائی 1948ء) کو گورنر جنرل نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ 1935ء میں دفعہ 92 الف کا اضافہ فرمایا۔ مولوی تمیزالدین خان کے مقدمے کو بطور نظیر (Authourity) پیش کرتے ہوئے اس سوال کا جواب لازماً نفی میں ہو گا جس کے نتیجے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ 1935ء میں دفعہ 92 الف کے اضافے کا اختیار حاصل نہ تھا' یعنی کہ یہ اضافہ بغیر کسی اختیار کے کیا گیا تھا۔ سندھ غنڈہ ایکٹ گورنر نے منظور کیا تھا اور اس قانون کو منظور کرنے کے متعلق اختیارات گورنر جنرل کے دفعہ 92 الف کے تحت کئے گئے اعلان سے حاصل کئے گئے تھے جو کہ صحیح نہ خیال کیا جائے گا اور اس قانون یعنی (سندھ غنڈہ ایکٹ) کے تحت کی گئی کارروائی باطل اور غیر موثر (Void and Operative) ہے۔

اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ یہ قاعدہ کلیہ (Rule) محتاج وضاحت نہیں کہ ایک مقننہ (Legislature) ایک غیر صحیح قانون یعنی ناقص قانون (Invalid Law) کو صحیح قرار دے سکتی' اگر وہ (مقننہ) اس موضوع پر قانون سازی کے اختیارات نہیں رکھتی جس موضوع سے وہ ناقص متعلق ہے۔ اگر وفاقی مقننہ (Federal Legislature)' قانونی دفعہ کی عدم موجودگی میں جو اسے ایسا کرنے کا اختیار دیتی ہو' قانون آزادی ہند یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو تو گورنر جنرل کے پاس وفاقی مقننہ سے زیادہ اختیارات نہیں تھے' لہٰذا وہ (گورنر جنرل) بھی آرڈیننس کے ذریعہ ان قوانین (قانون آزادی ہند اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ) میں ترمیم کرنے کے بارے میں اتنا ہی نااہل (Incompetent) ہے جتنی کہ وفاقی مقننہ (Federal Legislature) قانون آزادی ہند (Indian Indepence Act) کے تحت دستور ساز اسمبلی ہی دستوری معاملات

(Constitutional Matters) کے متعلق آئین سازی کے اختیارات استعمال کرنے کا اختیار رکھتی ہے' صرف دستور ساز اسمبلی ہی ان قوانین (قانون آزادی ہند اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ 1935ء) میں ترمیم کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ جب دستور ساز اسمبلی کا وجود ہی نہ رہے تو گورنر جنرل دستور ساز اسمبلی کے اختیارات کا مطالبہ نہیں کر سکتا' کیونکہ وہ (گورنر جنرل) خود دستور ساز اسمبلی نہیں اور نہ وہ خود دستور ساز اسمبلی کے اختیارات حاصل کرنے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

وفاقی عدالت نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ایسی صورت حال میں حکومت کو سب سے پہلے چاہئے تھا کہ دستور ساز اسمبلی کے اختیارات استعمال کرنے کے لئے کسی نمائندہ ادارے کو معرض وجود میں لاتی تاکہ سب ناقص آئین سازی کو فوری طور پر نیا ادارہ صحیح اور جائز بنا دیتا۔

(4) ہزایکسی لینسی گورنر جنرل کی طرف سے استصواب

Reference By his Excellency the Governor general

(گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء تحت دفعہ 213)

(Under Section 213 of the Government of India Act, 1935)

(PLD 1955ء FC 435)

جج صاحبان

چیف جسٹس محمد منیر
جسٹس اے۔ ایس۔ ایم اکرم
جسٹس اے۔ آر کارنیلیس
جسٹس محمد شریف
جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان

مقدمہ کے حقائق:

جب وفاقی عدالت نے مولوی تمیز الدین خان کے مقدمے میں یہ فیصلہ دیا کہ دستور ساز اسمبلی کے منظور کردہ تمام قوانین کیلئے گورنر جنرل کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے تو گورنر جنرل نے ایک آرڈیننس جسے ہنگامی اختیارات کا آرڈیننس (1955ء کانواں) کہا جاتا ہے جو اس (گورنر جنرل) نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ' مجریہ 1935ء کی دفعہ 42 کے تحت جاری کیا تھا' کی رو سے آئینی قوانین کے زمانہ ماقبل سے نفاذ کے متعلق جائز قرار دینے چاہے اپنی اپنی طرف سے منظوری دے کر۔

وفاقی عدالت نے تاہم یوسف پٹیل کے مقدمے میں فیصلہ دیا کہ اس آرڈیننس کی جدول میں بیان کئے گئے قوانین گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ 42 جائز قرار نہیں دیئے جا سکتے نہ ہی انہیں زمانہ ماقبل سے موثر قرار دیا جا سکتا ہے۔ دستور ساز اسمبلی گورنر جنرل کے احکامات کے تحت توڑ دیئے جانے کے بعد فرائض سرانجام نہیں دے سکتی اور کوئی قانون ساز ادارہ قوانین کو جائز قرار دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ گورنر جنرل نے وفاقی عدالت سے عدالتی رائے کے حصول کے لئے استصواب (Reference) کیا کہ آیا گورنر جنرل آئین کی کسی دفعہ یا قانون کی کسی دفعہ کے تحت یہ اعلان کر سکتا ہے کہ تمام دیئے گئے احکامات اور سرانجام دیئے گئے افعال ان قوانین کے تحت جائز ہیں اور ان احکامات و افعال کا نفاذ کیا جا سکتا ہے۔

فیصلہ

عدالت نے اپنا فیصلہ مندرجہ ذیل دیا۔ جسٹس کارنیلیس اور جسٹس محمد شریف نے اس فیصلہ کے متعلق اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ استصواب کے ذریعے جو صورت حال پیش کی گئی ہے' اس صورتحال میں گورنر جنرل عبوری عرصے کے دوران دو قوانین عامہ کے تحت جو شہری اور ملکی ضروریات کے تحت ہنگامی اختیارات کے آرڈیننس 1955ء کے جدول کے تحت موثر بہ ماضی (Retrospectively) جائز قرار دے سکتا تھا' ایسے قوانین جو ہنگامی اختیارات کے آرڈیننس مجریہ 1955ء کی جدول میں شامل ہیں اور تمام وہ قوانین' حتیٰ کہ ان قوانین کو جائز قرار دینے کے سوال کے متعلق دستور ساز اسمبلی نے طے کرنا ہو' وہ اول الذکر عرصے کے دوران جائز قرار دیئے جاتے اور ان کا نفاذ ہو سکتا ہے گویا کہ یہ قوانین اس تاریخ سے جائز قرار دیئے گئے ہوں جس تاریخ سے ان قوانین کا نفاذ کیا جانا مطلوب تھا۔

چیف جسٹس منیر نے "مملک کی حاجت" (Statenenecessity) کے اصول کے متعلق مندرجہ ذیل رائے کا اظہار فرمایا:

اس اصول نے لارڈ مینسفیلڈ (Lord Mansfield) کے خطبے (Address) سے جنم لیا ہے اور کامل' انتہائی اور فوری (Absolutness Extreness and Immience) ہونے کی شرط کے تابع ہے اگر کوئی فعل جو بطور دیگر غیر ضروری اور غیر قانونی ہو اس وقت قانونی حیثیت کا حامل ہو جاتا ہے جب اسے کسی ضرورت یا احتیاج کے دباؤ کے تحت سرانجام دیا جائے اور وہ ضرورت آئین کے تحفظ' مملکت کے تحفظ یا معاشرے کے تحفظ پر دلالت کرے اور نیت ظاہر کرے اور اسے انفساخ (Dissolution) سے باز رکھے اور چٹی (Chitty's) کے بیان یعنی "ضرورت کسی قانون کو نہیں جانتی بوجھتی" کی تائید کرے اور بریکٹن (Braction) کے مقولے "یعنی ضرورت اس فعل کو قانونی

حیثیت دے دیتی ہے جو عام حالات میں غیر قانونی ہو"۔

اس خطاب میں ایک نجی شخص (شخص نجی حیثیت سے) کے ضرورت کے تحت فعل سرانجام دینے کے حق کی طرف اشارہ صریحی طور پر کیا گیا ہے۔ مملکت کے سربراہ کی صورت میں ایسا فعل انجام دینے کے لئے معقولیت (Justification) زیادہ صاف (صریح طور پر) اور حکمیہ (Impertive)' اس استصواب (Reference) میں دو مزید سوالات اٹھائے گئے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ آیا گورنر جنرل نے دستور ساز اسمبلی کو جائز طور پر توڑا تھا؟ دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا گورنر جنرل کی طرف سے مجوزہ دستوری مجلس کا انعقاد' دستور ساز اسمبلی کو آزادی ہند کے قانون مجریہ 1947ء کی دفعہ 8 کی ضمنی دفعہ (I) کے تحت عطا کئے گئے اختیارات کو استعمال کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟

ان دونوں سوالات کا جواب جج صاحبان کی اکثریت نے مثبت (Affirmative) دیا۔ انفساخ ایک ضرورت ناگزیر (Imperitive) تھی' کیونکہ مجلس دستور ساز مناسب وقت کے دوران ایک کار آمد اور قابل عمل آئین بنانے میں ناکام رہی ہے اور اس ادارے نے یعنی مجلس دستور ساز نے ایک دوامی مقننہ کا کردار سنبھال لیا تھا۔ مزید برآں یہ ادارہ غیر نمائندہ حیثیت حاصل کر چکا تھا اور تمام قوانین جو اس یعنی مجلس دستور ساز نے منظور کئے تھے ان قوانین کے بارے میں گورنر جنرل کی منظور حاصل کرنے کی ضروری شرط کی خلاف ورزی کی تھی۔

جہاں تک ایک نئے آئینی ادارے کو قائم کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق اس رائے کا اظہار کیا کہ جس مجلس دستور ساز کو توڑا گیا۔ وہ مجلس دستور ساز ایک انتظامی حکم (Executive order) کے تحت قائم کی گئی تھی۔ مجلس دستور ساز کسی قانون کے تحت قائم نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے نئی مجلس دستور ساز بھی اسی طرح (انتظامی حکم) قائم کی جا سکتی ہے اس ضمن میں صرف یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ یہ ادارہ ایک نمائندہ حیثیت کا حامل ہونا چاہئے۔

(4) مملکت بنام دوسو اور دوسرے

State V. Dosso And other

(Pld ء1958 Sc (PAK) 533)

جج صاحبان:

چیف جسٹس محمد منیر
جسٹس ایم۔ شہاب الدین
جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس
جسٹس امیر الدین احمد

مقدمہ کے حقائق:

1956ء کے آئین کے کالعدم (Anual) ہونے اور مرکزی اور صوبائی کابینہ کے خاتمے اور اسمبلیوں کو توڑ دینے اور مارشل لاء لگا دینے اور ساری انتظامیہ اور آئینی مشینری چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھ میں آ جانے پر قوانین کے جاری رکھے جانے کے احکامات مجریہ 1958ء جاری کئے گئے۔ اس حکم کا اثر یہ پڑا کہ ماسوا 1956ء کے آئین کے' باقی تمام قوانین جو مارشل لاء کی انتظامیہ کے عہدے سنبھالنے سے پہلے نافذ العمل تھے' انہیں جائز قرار دیا گیا اور عدالتوں کا اختیار سماعت بھی بحال کر دیا گیا۔

اس حکم کے تحت یہ بھی واضح کیا گیا کہ ملکی حکومت کو کالعدم آئین کے مطابق جس قدر ممکن ہو گا چلایا جائے گا۔

متذکرہ بالا مقدمے اور ایسی ہی دوسری متعلقہ اپیلوں پر قابل غور نکتہ یہ تھا کہ آیا عدالت ہائے عالیہ کی جانب سے جاری کردہ پروانے (Writs) استصواب کے احکام، جرگہ (Council of Elders) کے بارے میں فرنٹیر کرائمز ریگولیشن کی دفعہ 11 مجریہ 1901ء کے تحت سزا سنا دینا اس بنا پر کالعدم آئین کی دفعہ 5 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے موخر الذکر ریگولیشن (فرنٹیر کرائمز ریگولیشن) کے ناقص ہونے کی بنیاد پر 1958ء کے قوانین کے جاری رکھے جانے کے حکم کی شق 7 قانون IV کے تحت ساقط ہو جائے گی۔

فیصلہ

فیصلہ دیا گیا کہ ایک جیتا ہوا انقلاب یا کامیاب تختہ الٹنا (Coupdetat) بین الاقوامی طور پر آئین تبدیل کرنے کا تسلیم شدہ قانونی طریقہ ہے۔ جب اس قسم کی کوئی تبدیلی امر واقع ہو تو قومی قانونی ڈھانچہ جائز قرار دیئے جانے کے لئے نئے قانون کی تخلیق کرنے والے ادارے پر انحصار رکھتا ہے۔ عدالتیں موجودہ سماعت کے اختیارات کھو دیتی ہیں اور اسی حد تک اور اسی طریقہ سے جو نئے آئین کے تحت مقرر کیا جائے' فرائض سرانجام دیتی ہیں۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ اگر علاقہ اور عوام تقریباً وہی لوگ رہیں تو جدید قانونی نظریہ کے تحت ریاست (مملکت) کی بین الاقوامی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور انقلابی حکومت اور نیا آئین قانون بین الاقوام' حقیقی حکومت اور ریاست کا صحیح آئین کے مطابق ہیں۔

جہاں انقلاب کامیاب ہو جاتا ہے اور قانون کو معرض وجود میں لانے کے لئے بنیادی حقیقت بن جاتا ہے۔ قوانین کو جاری رکھنے کا حکم خواہ کتنے ہی کم عرصے کے لئے ہو یا ناقص ہو' ایک نیا قانون حکم تھا اور اس

حکم کے مطابق قوانین کی صحت اور قانونی فیصلوں کی درستی طے کی جاتی تھی۔

فوج اور سیاست

(1) راولپنڈی سازش مقدمہ.... ایوب خان کا بیان

17 جنوری سنہ 1951ء کو میں نے کمانڈر ان چیف کا عہدہ سنبھالا۔ جنرل گریسی جب رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے کچھ زیادہ ہدایات نہیں دیں۔ اس قسم کے عہدے کا چارج لینے دینے میں ہوتا ہی کیا ہے۔ نئے آدمی کو اپنا کام نئے سرے سے خود ہی شروع کرنا پڑتا ہے۔ لیکن انہوں نے کسی قدر مبہم طور پر مجھ سے فوج میں ایک "نوجوان ترک پارٹی" کی موجودگی کا ذکر کیا۔ میں نے وضاحت چاہی تو انہوں نے کچھ زیادہ تشریح نہ کی، بس اتنا کہا کہ اس میں اکبر خاں جیسے کچھ لوگ شامل ہیں۔ اس کے دو یا تین مہینے کے بعد ہی اکبر سازش کا انکشاف ہوا، جسے بعد میں "راولپنڈی سازش" کے نام سے یاد کیا گیا۔

اس سازش کا حال مجھے وزیراعظم لیاقت علی خان کی زبانی معلوم ہوا۔ وہ اس وقت انتخابی دورے میں مصروف تھے۔ انہوں نے مجھے اور اسکندر مرزا کو سرگودھا کے ریلوے اسٹیشن پر ملاقات کے لئے بلوایا۔ مجھے لاہور سے اور اسکندر مرزا کو کراچی سے۔ میں اسکندر مرزا سے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وزیراعظم کچھ مضطرب سے ہیں۔ یہ غیر معمولی بات تھی کیونکہ وہ "طبعاً" بڑے تحمل مزاج تھے۔ ان کے چہرے سے کبھی بدمزاجی ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے اسکندر مرزا کے بارے میں پوچھا "یہ کم بخت کہاں رہ گیا؟ اب تک کیوں نہیں آیا؟"

اسکندر مرزا لنچ کے وقت پہنچے۔ وزیراعظم نے ہم دونوں کو کھانے پر مدعو کیا۔ اس دوران میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے جب کھانا کھا چکے تو انہوں نے کرسی سے ٹیک لگا کر ہم سے کہا: "صاحبان میں آپ لوگوں کو ایک بری خبر سنانے والا ہوں۔ میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ بعض فوجی افسروں نے حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا ہے اور بہت جلد اس پر عمل ہونے والا ہے۔"

میں نے ان سے مزید تفصیل کی درخواست کی۔ انہوں نے وہ پوری رپورٹ مجھے دے دی جو چندریگر صاحب نے انہیں بھیجی تھی۔ چندریگر اس زمانے میں شمال مغربی صوبہ سرحد کے گورنر تھے۔ میں نے مشورہ دیا کہ ہمیں کوئی کارروائی کرنے سے پہلے واقعات کی چھان بین کر لینی چاہئے۔

میں اور اسکندر مرزا گورنر سے ملاقات کے لئے پشاور پہنچے۔ ہم اس پولیس افسر سے بھی ملنا چاہتے تھے جس نے گورنر کو یہ رپورٹ بھیجی تھی اور مخبر سے بھی۔ میں نے گورنر سے بات چیت کی۔ اس کے بعد کیانی سے ملا۔ یہی وہ پولیس افسر تھے جنہوں نے رپورٹ دی تھی۔ کیانی مخبر کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن آخر کار ہم نے مخبر کو پکڑ بلوایا۔ ادھر تو میں کیانی سے سوالات کر رہا تھا اور ادھر اسکندر مرزا مخبر سے پوچھ گچھ میں مصروف تھے۔ جلد ہی ہم پر عیاں ہو گیا کہ سچ مچ بغاوت کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ سازشیوں میں ایک شخص بریگیڈیئر صدیق خان بھی تھا، جو کبھی میرے یونٹ میں کام کر چکا تھا، اور اب بنوں میں ایک بریگیڈ کی کمان کر رہا تھا۔ وہ کسی قدر غیر مستقل مزاج، جذباتی اور بے دھڑک قسم کا آدمی تھا۔ میں نے اس کو لانے کے لئے ہوائی جہاز بھیجا۔ جب وہ آیا تو میں نے اس سے کہا "صدیق تم مجھے سچ سچ بتاؤ، نہیں تو میں تمہیں الٹا لٹکا دوں گا۔"

صدیق نے قطعی لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ رپوٹ بالکل جھوٹی ہے۔

ہم نے صدیق کو واپس بنوں جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے وہاں پہنچ کر کرنل ارباب کو تھل کے مقام پر ٹیلی فون کیا۔ کرنل ارباب بھی جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا، سازشیوں میں سے تھا۔ صدیق نے اسے بتایا کہ بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے زبردست سازش کی جا رہی تھی۔

اس وقت تک ہمیں کافی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ہم نے واپس آ کر وزیراعظم کو ان سے مطلع کر دیا۔ انہوں نے فوری کارروائی کا فیصلہ کیا۔ قربان علی خان انسپکٹر جنرل پولیس کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا اور وہ تمام فوجی افسر اور شہری جن کا اس سازش سے تعلق تھا، راتوں رات اپنے اپنے ٹھکانوں سے گرفتار کر لئے گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مقدمہ فوجی عدالت میں پیش ہونا چاہئے۔ لیکن مشکل یہ آن پڑی کہ اس میں بعض شہری بھی شامل تھے۔ چنانچہ وزیراعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک سپیشل سول ٹریبونل مقرر کیا جائے اور مقدمے کی کارروائی بند کمرے میں ہو۔ تاکہ سرکاری راز افشا نہ ہونے پائیں۔

مقدمے کی کارروائی حیدر آباد جیل میں ہوئی۔ ملزمین نے مقدمے کی پیروی کے لئے سہروردی کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ سہروردی نے بڑی عجیب طبیعت پائی تھی۔ وہ نائٹ کلبوں کی رنگیلی زندگی پر جان دیتے تھے مگر ساتھ ہی وہ بلا کے باہمت اور مستعد بھی تھے۔ اس مقدمے کے سلسلے میں جو فوجی افسر گواہ کے طور پر پیش ہوئے، سہروردی نے ان پر بڑے مزے لے لے کر چوٹیں کیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ جرح کرتے وقت اپنی حد سے بہت بڑھ جاتے تھے لیکن عدالت خاموشی سے سنتی رہتی تھی۔ مجھے بھی سوائے خاموشی کے چارہ نہ تھے۔

سازشیوں پر جرم ثابت ہوا اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ اس کے چند سال بعد سہروردی اور ان کے حامیوں نے حکومت پر زور ڈالا کہ

قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ حکومت اس کی مجاز تھی اور میں اس پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جو بات میں کبھی معاف نہ کر سکا، وہ فوجی افسروں پر سہروردی کی بلاوجہ درشت اور متانت سے گری ہوئی جرح تھی۔

(2) پاکستان میں سیاسی نظام کے سوال پر اسکندر مرزا سے بی بی سی کا انٹرویو

سات برسوں تک ہم نے برطانوی سیاسی نظام کو پاکستان میں چلانے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ ہر کوئی دیکھ سکتا ہے.... یوں تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے سیاسی نظام میں ایک بنیادی تبدیلی ضروری ہے۔ ہم امریکی نظام کے بارے میں سوچ رہے ہیں جس میں پاکستان کے خصوصی حالات سے ہم آہنگی کے لئے رد و بدل کیا جائے گا۔ (اقتباس)

(3) ون یونٹ کے بارے میں اسکندر مرزا کا نقطہ نظر

ون یونٹ بھاپ کا ایک انجن ہے۔ کیا آپ نے کبھی بھاپ کا کوئی انجن دیکھا ہے جسے سڑک چھوٹے چھوٹے پتھر روک لیں؟.... کوئی بھی مغربی پاکستان کی وحدت کی تشکیل کو نہیں روک سکتا اس سلسلے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ (اقتباس)

(4) پاکستان کا سیاسی مستقبل

ایوب خان کی ایک اہم دستاویز

پاکستان کے آئینی مسئلے کی بابت میرے طرز فکر کی وضاحت کے لئے کچھ عرصے پیچھے کی طرف جانا پڑے گا۔ 4 اکتوبر 1954ء کو میں لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں امریکہ جاتے ہوئے دو دن کیلئے لندن رک گیا تھا۔ رات گرم گرم سی تھی۔ مجھے نیند نہ آئی، لیکن اس کی وجہ محض گرم رات نہ تھی۔ وطن سے بری بری خبریں آ رہی تھیں۔ شگون کچھ اچھے نہ تھے۔ میں مضطرب تھا، کیونکہ میں نے سنا تھا کہ گورنر جنرل غلام محمد، خدا جانے کیا کر بیٹھنے والے ہیں۔ ان میں اور وزیراعظم محمد علی بوگرا میں ٹھن گئی تھی۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ غلام محمد مجھے سیاسیات میں گھسیٹنا چاہیں گے، جس سے میں خاص طور پر بچنا چاہتا تھا۔

میں کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ سے کہا "آؤ ذرا فوجی طریق پر اپنے خیالات تو قلمبند کریں۔ ملک میں کیا خرابی پیدا ہو گئی ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟" میں نے اس معاملے کو اس انداز سے دیکھا جس طرح کوئی فوجی صورتحال کا جائزہ لیتا ہے۔ مسئلہ کیا ہے؟ کن عناصر نے اسے الجھا رکھا ہے، اور اگر اس کا کوئی حل ہو سکتا ہے تو وہ حل کیا ہے؟ چنانچہ میں اپنے کمرے میں میز کے پاس بیٹھ گیا اور لکھنا شروع کر دیا۔ شروع شروع میں میرے خیالات الجھے الجھے سے تھے۔ لیکن جلد ہی ہر بات روشن ہو گئی۔ چند گھنٹوں میں میں نے ایک دستاویز تیار کر لی، جس میں میں نے ملک کے موجودہ مسائل پر خیال آرائی کی تھی اور اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا تھا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ملک کے حالات ابتر ضرور ہیں، لیکن نہ ایسے کہ ان کی اصلاح ہی نہ سکے۔ وہ دستاویز یہ ہے:-

پاکستان کے موجودہ اور آئندہ مسائل کا جائزہ

مقصد

1- پاکستان کا بنیادی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک مضبوط، ٹھوس اور متحد قوم بنے تاکہ تاریخ عالم میں جو کام اس کے مقدر ہو چکا ہے اسے بجا لا سکے۔ یہ مقصد جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے ایک ایسا آئین وضع کیا جائے جو عوام کے مزاج کے مطابق اور ان حالات پر مبنی ہو جن سے وہ دوچار ہیں تاکہ وہ یکجہتی، اتحاد عمل اور تخلیقی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

2- ظاہر ہے کہ ایسا آئین وضع کرنے سے پہلے بعض ابتدائی اقدامات کرنے ضروری ہوں گے تاکہ آئین بلا کسی رکاوٹ کے پروان چڑھ سکے۔ چنانچہ ایسے ابتدائی اقدامات کرنا پاکستان کا فوری مقصد ہے۔

عناصر:

عام

3- (الف) پاکستان کے باشندے طرح طرح کی نسلوں کے ہیں۔ ہر نسل کا تاریخی پس منظر اور تمدن جداگانہ ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ مشرقی پاکستان کے رہنے والوں کا ہے۔ یہ لوگ غالبا ہندوستان کی قدیم ترین نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو گا کہ پاکستان وجود میں آنے سے پہلے انہیں حقیقی معنوں میں کبھی آزادی اور خود مختاری نصیب نہ ہوئی تھی۔ ان پر کبھی ذات پات والے ہندو حکمران تھے، کبھی مغل اور پٹھان اور کبھی انگریز۔ علاوہ ازیں ان پر ہندوؤں کے تہذیب و تمدن اور زبان کا خاصا اثر رہا ہے، جو ابھی تک زائل نہیں ہوا۔ ان کی ذہنی کیفیت بالکل ویسی ہے جیسی ستم زدہ اور مظلوم اقوام کی ہوتی ہے اور وہ ابھی تک نئی حاصل شدہ آزادی کے تقاضوں کے مطابق خود کو نفسیاتی طور پر ڈھال نہیں سکے۔ ان کی عام ذہنی الجھنیں یہ ہیں: کم آمیزی، شک و شبہ اور ایک قسم کی مدافعانہ جارحیت پسندی، ان کا باعث غالبا ان کا یہی تاریخی پس منظر ہے۔ چنانچہ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ ان عناصر کو تسلیم کر کے ان کا تدارک کیا جائے، اور مشرقی پاکستان والوں کے دلوں میں یہ احساس

پیدا کیا جائے کہ وہ حکومت میں برابر کا ساجھا رکھتے ہیں' تاکہ وہ ملک کے لئے قیمتی سرمایہ ثابت ہوں۔ یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ انہیں اس ساجھے داری میں معقول حصہ دیا جائے۔

(ب) اس کے برعکس مغربی پاکستان کے باشندے بہت سی مخلوط نسلوں کے ہیں۔ اس قسم کی آبادی کی نظیر دنیا میں شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ چونکہ یہ خطہ برصغیر ہندو پاکستان کے دروازے پر واقع ہے' اس لئے یکے بعد دیگرے جو فاتح قوم بھی ادھر آئی وہ لازمی طور پر اپنے نشان چھوڑتی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے اس جبری اختلاط کے باعث خیالات' نقطہ نگاہ اور تہذیب و تمدن میں بھی اخلاط پیدا ہوا' حالانکہ یہاں اب بھی مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں۔ جنگی اور اقتصادی لحاظ سے بھی اس سارے خطے کا مستقبل ایک ہی ہے' ابھرے یا ڈوبے۔ چونکہ یہ دریائے سندھ کے طاس اور اس کے معاونوں کے درمیان واقع ہے' اس لئے اس کی آئندہ اقتصادی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اسے ایک سالم خطہ قرار دیا جائے تاکہ بہتر سے بہتر نتائج حاصل ہو سکیں۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی پاکستان کو ایک وحدت میں سمو دینا لازمی ہے اور تمام مصنوعی حد بندیاں کسی قسم کی مخالفت کی پروا کئے بغیر ختم کر دی جائیں۔ کیونکہ یہ حد بندیاں قدرتی نہیں بلکہ سیاست دانوں کی قائم کردہ ہیں۔ اس طرح ایک تو یہ پورا خطہ مناسب طور پر ترقی کر سکے گا' دوسرے شمال یا جنوب سے حملے کی صورت میں دفاع کی پشت پناہ ثابت ہو گا۔ لیکن اس خطے کو ایک وحدت قرار دیتے وقت لوگوں کے تعصبات' ان کے اندیشوں اور ان کی آئندہ متوازن ترقی کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔ چنانچہ اس وحدت کو مختلف حصوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ہر ایک حصہ علیحدہ نسلی گروہ یا گروہوں کا حامل ہو' جو مشترکہ معیشت' مواصلات اور ترقی کے مشترکہ امکانات رکھتے ہوں اور ہر حصے کو زیادہ سے زیادہ انتظامی اختیارات تحویل کر دیئے جائیں۔

(ج) مغربی پاکستان میں ایک یونٹ کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہاں کا سب سے بڑا صوبہ سب کی بھلائی کے لئے فراخ دلی دکھانے اور ایثار کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ مغربی پاکستان میں پنجاب سب سے بڑا اور اہم صوبہ ہے جس کی آبادی پورے مغربی پاکستان کی نصف آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ اگر پنجاب نے اپنی آبادی کے تناسب کے مطابق نمائندگی پر اصرار کیا' تو دوسرے صوبے فوراً پیچھے ہٹ جائیں گے۔ علاوہ ازیں اگر کسی ساجھے داری میں کوئی فریق غالب حیثیت رکھتا ہو تو وہ چل نہیں سکتی۔ چنانچہ اپنی بقاء اور پاکستان کی عظمت کے لئے پنجاب سے درخواست کی جائے کہ وہ اس یونٹ کی مجلس قانون ساز میں چالیس فی صدی نمائندگی منظور کر لے مگر دوسرے صوبوں کی نمائندگی اپنی اپنی آبادی کے تناسب سے ہی ہو۔ لیکن ایسا ایک یونٹ قائم کرنے سے پہلے موجودہ صوبائی اور مرکزی قانون ساز مجلسوں اور وزارتوں کو توڑ دینا ہو گا تاکہ وہ نئی تنظیم کے اس کام میں نہ تو دخل دے سکیں اور نہ روڑے اٹکا سکیں۔

مندرجہ بالا تنقیحات سے نتائج:

(1) مشرقی بنگال کو ایک وحدت قرار دیا جائے' اور ملک کے انتظام میں اس کا زیادہ سے زیادہ ساجھا رکھا جائے۔

(2) مغربی پاکستان کو تنظیم نو کے ذریعے ایک وحدت بنایا جائے اور اس کا بھی ویسا ہی ساجھا رکھا جائے۔

(3) نئی تنظیم کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے موجودہ وزارتیں اور مجالس قانون ساز توڑ دی جائیں۔

(4) ہر ایک وحدت کو سہولت کے لئے تحتی وحدتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہر ایک تحتی وحدت ایک یا ایک سے زیادہ نسلی گروہوں کی حامل ہو جو مشترکہ معیشت' مواصلات اور ترقی کے مشترکہ امکانات رکھتے ہوں۔ ان تحتی یونٹوں کو زیادہ سے زیادہ انتظامی اختیارات دیئے جائیں۔

(5) پنجاب سے کہا جائے کہ وہ وحدت مغربی پاکستان کی مجلس قانون ساز میں چالیس فی صد نمائندگی منظور کر لے تاکہ دوسروں پر حاوی ہونے کا اندیشہ دور ہو جائے۔

(6) مشرقی اور مغربی دونوں وحدتوں کی اپنی اپنی الگ مجلس قانون ساز ہو۔

4- مندرجہ بالا امور پر عمل کرنے سے کسی فریق کے دوسروں پر غالب آنے یا تفریق پیدا کرنے کا اندیشہ نہ رہے گا۔ ہر ایک یونٹ یکجہتی کے ساتھ اور بلا روک ٹوک ترقی کر سکے گا۔ صوبائی عصبیت انتہائی طور پر کم ہو جائے گی۔ صوبائی انتظامیہ کے بہت سے بھاری بھرکم عملے ختم ہو جائیں گے۔ اس سے آدمیوں کی بھی بچت ہو گی اور اخراجات کی بھی۔ مقامی منتظمین کے کاموں میں سیاست دانوں کی دخل اندازی کا خدشہ دور ہو جائے گا۔ غرض اس نئی تنظیم سے ہر طرح فائدے ہی فائدے ہوں گے۔

ہر ایک یونٹ کا انتظامی ڈھانچا:

5- پاکستان میں دو صوبائی یونٹ قائم کر دینے کے بعد ہر ایک یونٹ کے لئے انتظامی ڈھانچا تجویز کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب دینے سے پہلے اس بات کو جتا دینا مناسب ہو گا کہ ہمارا مقصد بہرصورت پاکستان میں جمہوریت کا قیام ہونا چاہئے' لیکن ایسی جمہوریت جو عوام کی افتاد طبع کے مطابق ہو۔ ہمارے عوام کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہے اور ہمارے سیاست دان کچھ زیادہ محتاط واقع نہیں ہوئے ہیں۔ عوام بڑے بڑے کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں' مگر وہ آسانی سے گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایسی جمہوریت جس پر کوئی روک ٹوک نہ ہو خطرناک ثابت

ہو سکتی ہے' خاص طور پر آج کل جبکہ اشتراکیت ملک کے اندر اور باہر سے جمہوریت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ ہمیں ایک منضبط جمہوریت اور اس کے ساتھ روک رکاؤ کا ایک سلسلہ قائم کرنا ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجلس قانون ساز کابینہ کی کارروائی پر گورنر قابو رکھے گا' اور گورنر پر ملک کا سربراہ یعنی صدر قابو رکھے گا۔ بعض حالات میں گورنر کو اختیار ہو گا کہ وہ وزیروں یا وزارتوں کو برطرف کر سکے۔ اسے یہ حیثیت بھی حاصل ہو گی کہ سروسوں کے حقوق کی نگرانی کرے اور ان سے ان کے فرائض کی بجا آوری کا مطالبہ کر سکے۔

6- مجالس قانون ساز کے انتخابات کے سلسلے میں حق رائے دہی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہمہ گیر حق رئے دہی کا جو قاعدہ بن چکا ہے' اس کی خامی کے باوجود اس سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی بھی نگرانی کی جائے تاکہ یہ غیر ذمہ دارانہ نہ ہو جائے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جمہوریت ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے بطور خود مقصد نہیں ہے اور جمہوریت کا ایسا کوئی مستقل ڈھانچا نہیں ہے جو بغیر ترمیم و اصلاح کے ہر ملک میں اپنا لیا جائے۔ چنانچہ یہ بات قرین مصلحت ہو گی کہ پہلے ہر تحتی یونٹ میں عوام ایک انتخابی ادارہ منتخب کریں' اور پھر وہ انتخابی ادارہ صوبائی اور مرکزی مجالس قانون ساز کے ممبروں کو چنے۔ انتخاب کے اس طریقے کا انتظام آسانی سے ہو سکے گا' اور اس سے ذمہ داری کا احساس بڑھے گا۔

7- رہا یہ سوال کہ صوبائی اور مرکزی مجالس قانون ساز کے ممبروں کی تعداد کتنی ہو اور یہ مجالس کس ڈھب کی ہوں' ممکن ہے اس معاملے میں کچھ اختلاف رائے ہو' لیکن افراد اور اخراجات کی بچت کا تقاضا ہے کہ ہر ایک صوبے کی مجلس قانون ساز کے لئے ڈیڑھ سو سے زیادہ ممبر نہ ہوں۔ مرکزی مجلس قانون ساز کے لئے بھی جس کا ذکر بعد میں آئے گا ممبروں کی اتنی ہی تعداد کافی ہو گی۔

8- اب ملکی انتظام کو لیجئے۔ ہمارا قانونی نظام بڑا پیچیدہ' مہنگا' غیر موثر' سست رفتار' ظالمانہ اور ہمارے عوام کے مزاج کے سخت منافی ہے' ضرورت ہے کہ اس کی از سر نو تنظیم کی جائے' اور اسے انسان دوست زود حرکت اور سستا بنایا جائے۔ شاید اس کا علاج جرگے اور عدالت کا ملا جلا طریق رائج کرنے سے ہو سکے۔ گواہی اور عدالتی کارروائیوں کے طریق کی اصلاح کی جائے اور صرف ایک اپیل کا حق دیا جائے۔ ہر ایک تحتی یونٹ میں اعلیٰ ترین عدالت قائم کی جائے جس میں آئینی مقدموں کو چھوڑ کر دوسرے مقدمے پیش کئے جائیں۔ فیڈرل یا صوبائی کورٹ صرف آئینی نوعیت کے مقدموں کا فیصلہ کریں۔

مندرجہ بالا تنقیحات سے نتائج:

(1) ہر صوبے میں ایک مجلس قانون ساز ہو جس کے تقریباً ڈیڑھ سو ممبر ہوں۔ ہر ایک صوبے کا ایک گورنر ہو جس کا تقرر صدر کرے۔ گورنر کو کابینہ اور سروسوں کی نگرانی کا اختیار حاصل ہو۔

(2) ہمہ گیر حق رائے دہی کے طریقے سے انتخابی ادارے چنے جائیں۔ پھر ادارے صوبائی مجلس قانون ساز اور مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبروں کا انتخاب کریں' نیز ادارے صدر کا انتخاب بھی کریں جس کا ذکر آگے آئے گا۔

(3) قانونی نظام کو آسان بنایا جائے اور اس کے اختیارات ابتدائی یونٹوں کو تفویض کر دیئے جائیں۔ جرگے اور عدالت کے ملے جلے طریق کی آزمائش کی جائے۔

(4) سرکاری ملازموں کی شرائط ملازمت میں ایسی ترمیم کی جائے کہ ان کے انعام یا سزا کے معاملوں کا فیصلہ فوری طور پر کیا جا سکے۔

مرکزی ڈھانچا:

9- ملک کو دو یونٹوں میں تقسیم کر دینے کے بعد ان کا وفاق بنانا آسان کام ہو گا۔ یہ وفاق مساویانہ بنیاد پر ہونا چاہئے تاکہ ایک حصے کے دوسرے حصے پر غلبہ پانے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ یہ وفاق ایک مجلس قانون ساز پر مشتمل ہو جس کے ممبروں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہو۔ اس میں نصف ممبر مشرقی پاکستان کے ہوں اور نصف مغربی پاکستان کے اور اس کی ایک کابینہ ہو' جس کو مجلس قانون ساز کی تجویز کے مطابق صدر کی نگرانی میں منتظمانہ اختیارات حاصل ہوں۔ جب کبھی صوبوں یا مرکز میں حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو ان کو درست کرنا صدر ہی کا کام ہو۔ قوانین اس وقت تک نافذ نہ ہو سکیں جب تک صدر انہیں منظور نہ کر لے۔ البتہ ایسے قوانین اس قاعدے سے مستثنیٰ رہیں جن کو مجلس قانون ساز کی تین چوتھائی اکثریت پاس کر چکی ہو۔ صدر کی منظوری کے بغیر آئین میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ اگر صدر اور مجلس قانون ساز میں سخت اختلافات پیدا ہو جائے تو کسی ایک یا دونوں کے تازہ انتخاب کرانے کی شرط رکھی جائے۔ صدر کے انتخاب اور قوانین کی منظوری کے بارے میں شاید محمد علی والے فارمولے کو منظور کر لینا ضروری ہو۔

10- اوپر بیان کردہ وجوہات کی بنا پر صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن محکموں کے اختیارات انہیں پہلے سے حاصل ہیں ان میں مواصلات (بین صوبائی مواصلات کے علاوہ)' صنعت و حرفت' تجارت' صحت وغیرہ کا اور اضافہ کیا جائے۔ دفاع' امور خارجہ اور کرنسی مرکزی حکومت کے پاس رہیں۔

11- اپنے وسائل کو جلد تر ترقی دینا اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جسے پاکستان کو حل کرنا ہے۔ یہ موثر طریق پر جبھی

ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے تعلیمی نظام میں مناسب اصطلاح کریں تاکہ موزوں آدمی مہیا ہو سکیں۔ نیز ہمارے پاس اچھی تنظیم اور اچھے سرمائے والے ادارے بھی ہونے چاہئیں تاکہ وہ ترقی کے بڑے بڑے منصوبوں کو ہاتھ میں لے سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح صوبے میں پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے طرز کے ترقیاتی ادارے، تعلیم، گھریلو صنعت و حرفت، اراضی، بجلی وغیرہ اور کاموں کے لئے بھی بنائے جائیں۔ اس طرح مقامی انتظامیہ کو بہت سی درد سری سے چھٹکارا مل جائے گا اور ملک جلد جلد ترقی کرے گا۔

12- تاہم جب تک ہم سائنسی طریق کار سے زرعی اصلاحات نافذ نہ کریں کچھ زیادہ فائدہ نہ ہو گا۔ صرف چند افراد کے بڑی بڑی اراضی کے مالک ہونے کا بھی اب کوئی جواز نہیں رہا۔ انہیں معاوضہ دے کر یہ زمینیں حاصل کی جائیں۔ اس سلسلے میں مصریوں کی مثال عمدہ ہے۔ وہ زمیندار کے پاس ایک مقررہ حد تک زمین رہنے دیتے ہیں، باقی خرید کر کاشت کاروں میں تقسیم کر دیتے ہیں، اور کاشت کار اس زمین کی قیمت ستر (70) سالانہ قسطوں میں ادا کرتے ہیں۔

13- پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صدر کے ہاتھ میں کل اختیارات دے دینے چاہئیں۔ صدر اپنے فرائض جبھی ادا کر سکتا ہے کہ سروسیں براہ راست اس کے ماتحت ہوں۔ اس مقصد کے لئے ایک سپریم کمانڈر کی سربراہی میں جوائنٹ سٹاف کا طریقہ رائج کرنا پڑے گا۔ اس سپریم کمانڈر کا تقرر صدر کرے۔ سپریم کمانڈر کو علاوہ اور فرائض انجام دینے کے ڈیفنس ممبر اور ازروئے عہدہ کابینہ کا ممبر بھی ہونا چاہئے۔ اس سے سروسوں میں یکجہتی پیدا ہو گی اور سروسوں کی مشترکہ ضرورتوں کا کفایت کے ساتھ یکجا انتظام ہو سکے گا۔ نیز اس کی وجہ سے سیاست دان اپنے ذاتی مفاد کے لئے سروسوں کے اندرونی معاملوں میں دخل بھی نہ دے سکیں گے۔

14- پچھلے سات سال کے تجربے سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ مبہم اور فرسودہ نعروں کا استعمال کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کہتا رہا کہ ملک میں اسلامی جمہوریت رائج کی جائے، مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس کی نوعیت کیا ہو گی اور وہ عام جمہوریت سے کن باتوں میں مختلف ہو گی۔ شاید اس کی وضاحت ممکن ہی نہ ہو۔ تو پھر کیا یہ کہنا کہ کوئی بھی جمہوریت جس پر قرآن کی روح کے مطابق عمل کیا جائے اسلامی ہو سکتی ہے۔ ہم اسلامی جمہوریت کا یہ تصور قبول کر لیں تو شاید بہتر ہو اور ہم بہت سی اونچ نیچ سے بچے رہیں۔

منصوبے کا خاکہ:

15- پہلے مغربی پاکستان میں صوبائی وزارتوں اور مجالس قانون ساز کو منسوخ کر دیا جائے اور گورنر کے ماتحت ضروری عملے کے ساتھ ایک صوبہ قائم کر دیا جائے۔

16- مشرقی بنگال اور مغربی پاکستان میں تحتی یونٹ قائم کئے جائیں جو کمشنر کے ڈویژنوں کے مساوی ہوں۔ ہر ڈویژن میں ایک یا ایک سے زیادہ مشترک نسلی گروہ شامل ہوں جو مشترک زبان، مشترک معیشت اور مواصلات اور ترقی کے مشترک امکانات رکھتے ہوں۔ ہر ڈویژن کو انتظامی اختیارات تحویل کر دیئے جائیں تاکہ ڈویژن کا سربراہ نظم و نسق کا مختار اعلیٰ بن سکے۔

17- قانونی نظام میں ایسی اصلاح کی جائے کہ یہ سستا اور تیز رفتار بن سکے۔ ہر ڈویژن میں اعلیٰ ترین عدالت قائم کی جائے جو اپیلیں سننے کا اختیار رکھتی ہو۔ اس عدالت میں ان مقدموں کو چھوڑ کر جو آئینی قانون کے نکات سے تعلق رکھتے ہوں، دوسرے تمام مقدمات پیش کئے جائیں۔ آئینی نوعیت کے مقدموں کے لئے ہر صوبے میں ایک فیڈرل کورٹ بنا دینا کافی ہو گا۔ جرگہ اور عدالت کا ملا جلا طریق وضع کیا جائے۔ عدالتی کارروائیوں کو آسان بنایا جائے۔

18- ہر صوبے میں تعلیم، پانی اور بجلی، زرعی اصلاحات اور ترقی، گھریلو صنعتوں وغیرہ کے بارے میں ترقیاتی بورڈ قائم کئے جائیں۔

19- تینوں سروسوں کے لئے ایک سپریم کمانڈر کی سربراہی میں ایک جوائنٹ سٹاف قائم کیا جائے۔ سپریم کمانڈر کے دیگر فرائض کے علاوہ اسے ڈیفنس ممبر اور ازروئے عہدہ مرکزی کابینہ کا ممبر بھی بنایا جائے۔ وہ براہ راست صدر کے ماتحت ہو۔

20- مرکزی حکومت ایک مجلس قانون ساز، ایک کابینہ اور صدر پر مشتمل ہو۔ مجلس قانون ساز کے ممبروں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہو۔ اس میں نصف مشرقی پاکستان کے ہوں اور نصف مغربی پاکستان کے۔ صدر کو اختیارات کلی حاصل ہوں تاکہ جب کبھی صوبوں اور مرکز میں حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو وہ انتظام اپنے ہاتھ میں لے سکے۔ ایک صوبے کو دوسرے صوبے پر بے جا غلبہ حاصل ہونے سے روکنے کے لئے صدر کے انتخاب اور مسودہ قوانین کی منظوری کے بارے میں محمد علی کے فارمولے پر عمل کیا جائے۔

21- مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومت ایک مجلس قانون ساز پر مشتمل ہو، جس کے تقریباً ڈیڑھ سو ممبر ہوں۔ اس کی سربراہ کابینہ ہو۔ صوبے کا ایک گورنر ہو، جس کا تقرر صدر کرے۔ گورنر کو کابینہ اور سروسوں پر کسی حد تک اختیار حاصل ہو۔ اسی قسم کا انتظام مغربی پاکستان میں بھی کیا جائے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ پنجاب کو مجلس قانون ساز میں چالیس فی صد نمائندگی دی جائے اور باقی نشستیں دوسرے صوبوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے تقسیم کر دی جائیں۔

22- صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختار بنایا جائے۔ مرکز کے پاس

صرف دفاع، امور خارجہ، کرنسی اور صوبوں کے مواصلات کے محکمے رہیں۔

23- سرکاری ملازموں کے قواعد ملازمت میں ایسی ترمیم کی جائے کہ ان کے انعام یا سزا دینے کے معاملوں کا فوری طور پر فیصلہ کیا جا سکے۔

24- انتخاب بالغ رائے دہندگان کے ذریعے ہو، رائے دہندگان ہر ڈویژن میں انتخابی ادارے منتخب کریں، اور پھر یہ انتخابی ادارے صدر اور مرکزی و صوبائی مجالس قانون ساز کے ممبر چنیں۔

25- آخر میں دعا کی جائے کہ اس آئین پر قرآن کی روح کے مطابق عمل کیا جا سکے۔ اگر ایسا ہو تو ہماری یکجہتی اور طاقت مسلم اور ہمارا مستقبل شاندار ہو گا۔ (4 اکتوبر 1954ء)

(5) ایوب خان کی ڈائری

2 مئی 1958ء تا 25 ستمبر 1958ء

2 مئی سنہ 1958ء

جنرل ناتھن ٹوائنگ اور جنرل عمر بریڈلے کے ساتھ "برننگ ٹری" گاف کورس میں گاف کھیلا۔ جنرل بریڈلے کے غیر معمولی وقار اور انکسار سے بہت متاثر ہوا۔ سڑسٹھ (67) سال کی عمر میں بھی بڑے گٹھے ہوئے جسم کے آدمی ہیں۔ انہوں نے اسی (80) ضربوں میں ایک بہت مشکل کورس پورا کیا۔ ٹوائنگ بھی اچھے کھلاڑی ہیں۔ کھیل کے دوران میں ٹوائنگ، بریڈلے سے پاکستان اور ہماری مسلح افواج کے بارے میں بڑی گرم جوشی سے گفتگو کرتے رہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہندوستان کے بارے میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی پالیسی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ انہوں نے کہا کہ میں 5 مئی کو تمہارے اعزاز میں ایک لنچ کا انتظام کر رہا ہوں۔ جس میں تمام سروسوں کے سربراہ شریک ہوں گے۔ ان سے تمہیں اپنے مسائل کے بارے میں غیر رسمی بات چیت کرنے کا موقع ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مقدور بھر صاف گوئی اور بے باکی سے گفتگو کرو۔

5 مئی

لنچ پر سروسوں کے سربراہوں سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے اپنے دفاعی مسائل نیز فوجی امداد سے متعلقہ مسائل کھول کر بیان کئے۔

شام کو ایلن ڈلس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اپنے بھائی کو جو امریکہ کے امور خارجہ کے سیکرٹری ہیں ہمارے مسائل سے آگاہ کر دیا تھا۔

6 مئی

کانگریس کی عمارت میں امور خارجہ کی کمیٹی سے خطاب کیا۔ اس تقریر میں میں نے مشرق وسطیٰ میں گڑ بڑ کی وجوہ پر روشنی ڈالی۔ نیز اس بات کی وضاحت کی کہ ہندوستان کو کسی قسم کی امداد دینا کتنا خطرناک ہے جب تک کہ وہ صلح جو رویئے کی ضمانت نہ دے اور ہم سے منصفانہ اور باعزت بنیاد پر جھگڑے چکانے پر آمادہ نہ ہو میں نے اس واہمے کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہندوستان کی جنگی تیاری چین کے خوف کی وجہ سے ہے اور یہ کہ وہ پاکستان کے خلاف کوئی جارحانہ ارادہ نہیں رکھتا۔ کمیٹی نے مجھ سے کچھ باتیں بہت کرید کرید کر پوچھیں۔

اسی رات ایل پاسو (فورٹ بلیس) تک ہوائی جہاز سے سفر کیا۔ ہوائی جہازوں کو نشانہ بنانے والے گائڈڈ میزائلوں کا مظاہرہ دیکھا۔ خوب تھا۔ ظاہر ہے کہ اب اے اے آر ٹلری بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان میزائلوں کو حاصل کیا جائے جو ہر اڑنے والی چیز کے خلاف، خواہ وہ کسی رفتار سے بھی پرواز کر رہی ہو سو فی صدی کارگر ہیں۔

رات کو نیو یارک روانہ ہوا۔

8 مئی

پرنس علی خان کے ہاں ٹھہرا۔ انہوں نے کیبنٹ لاج کو لنچ پر بلوایا تھا۔ کیبنٹ وہی شخص ہیں جو امریکہ کو ہندوستان کی امداد پر آمادہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ میری ان سے طویل بات چیت ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ آخر میں انہیں اپنی سفارشات کی معقولیت پر کچھ کچھ شبہ ہونے لگا تھا۔

9 مئی

انگلستان روانہ ہوا۔

12 مئی

بیگم لیاقت علی خان سے ملنے ہیگ آیا۔ ان کی طبیعت بہتر معلوم ہوتی تھی۔ مگر وہ ملک کی سیاسی صورت حال سے بڑی مضطرب نظر آتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کا واحد حل یہ ہے کہ ملک میں دس سال تک ایک کڑا نظم و نسق نافذ رہے۔

14 مئی

امجد علی کے ساتھ شامل ہونے کے لئے برسلز پہنچا۔ برسلز کا عالمی میلہ دیکھا۔ روس والے ٹیکنیکل میدان میں زبردست ترقی کر رہے ہیں۔ چند سال کے اندر وہ کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔

18 مئی

کراچی پہنچا۔ اخبارات میں گورمانی کے مقدمے کا فیصلہ دیکھا۔ججوں نے فیروز خان نون کے بارے میں بڑے افسوس ناک ریمارکس لکھے تھے۔ اس سے ہمارے ملک کو عالمی سیاست میں ایک اور دھکا لگے گا اور ہمارے عوام کی ہمت اور پست ہو جائے گی۔

21 مئی

20 مئی کو بذریعہ تیز گام کراچی سے پنڈی روانہ ہوا۔ مجھے 21 کی شام کو پنڈی پہنچنا تھا' مگر میں جہلم اتر گیا وزیراعظم سے ملاقات کی۔ انہوں نے ایک افواہ کا ذکر کیا جو ایبٹ آباد سے چلی تھی۔ وہ یہ کہ جنرل فلاں اور بریگیڈیئر فلاں گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ میں اس کو بے پر کی سمجھ کر ہنس دیا۔ اگر اس افواہ میں ذرا بھی سچائی ہوتی تو چیف آف سٹاف جس سے میں نے کراچی سے ٹیلی فون پر بات چیت کی تھی' اس کا ذکر ضرور مجھ سے کرتا۔ پنڈی میں میں نے کچھ اور افواہیں سنیں۔ میں نے ان کا ذکر اپنی بیوی سے کیا۔ انہوں نے کہا "ہاں میں بھی طرح طرح کی باتیں سنتی رہتی ہوں۔" ان کا اندازہ ہمیشہ سے یہی ہے کہ کڑی سے کڑی مشکل پر بھی بے پناہ جرات اور ضبط و تحمل کا ثبوت دیتی ہیں اور اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ مجھے کسی قسم کی الجھن نہ ہونے پائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسی دانا اور دور اندیش رفیقہ حیات کے بغیر میں زندگی میں وہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکتا جو میں نے حاصل کیا ہے۔ گھریلو پریشانیوں سے آزادی اور ایک وسیع کنبے کو پروان چڑھانے سے بے فکری جو مجھے حاصل رہی' اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی دین ہے' جس کے بغیر انسان اپنی تعمیری صلاحیتوں سے پورا کام نہیں لے سکتا۔ میری بیوی نے ان افواہوں کا خلاصہ مجھ سے بیان کیا جو یہ تھا کہ بہت سے سینئر افسروں پر ہندوستان کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ انسان اپنی خود غرضی یا محض حسد کی وجہ سے دوسروں کو بدنام کرنے پر کیسا مستعد رہتا ہے۔ سخت تعجب ہوا کہ بعض لوگ کیسے کانوں کے کچے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے انتہائی وفاشعار خدمت گزاروں کے خلاف بھی ہر قسم کی بات باور کر لینے پر ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں۔ یقیناً یہ ذہن کی ناپختگی یا کسی قسم کے زوال کی علامت ہے۔

میں فطرتاً پر امید واقع ہوا ہوں۔ لیکن ان افواہوں سے مجھے سخت صدمہ ہوا اور میں اداس ہو گیا۔ فرض کرو کہ ہم غنیم کے ساتھ جنگ میں مصروف ہوں' اور اسکا پلہ بھاری ہونا شروع ہو جائے اور وہ ہماری فوج کے متعلق ایسی افواہیں محاذ کے پیچھے پھیلانا شروع کر دے تو اس کا نتیجہ کیا ہو؟ ظاہر ہے کہ تباہی.... ہم ایک گولی بھی چلائے بغیر جنگ ہار جائیں۔ کیسا خوفناک تصور ہے!

22 مئی

جنرل موسیٰ سے ان افواہوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ان افواہوں کو ایبٹ آباد میں بعض سیاست دانوں نے پھیلانا شروع کیا تھا۔

انتخابات قریب آ رہے ہیں۔ سیاست داں ہر قسم کی چالاکی اور عیاری کے ساتھ برسراقتدار آنا چاہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اقتدار حاصل کر لینے کے بعد ان کے پاس ملک کی فلاح و بہبود کا کوئی منصوبہ نہ ہو گا' سوائے اس کے کہ وہ ملک میں اور زیادہ انتشار پھیلائیں۔ ایسی صورت میں انہیں مجھ سے اور فوج سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے اپنا دشمن نمبر ایک خیال کرتے ہیں۔ محض اس لئے کہ میں اپنے فرض سے روگردانی نہیں کرنا چاہتا۔ ان کا ضمیر اس درجے مردہ ہو چکا ہے کہ وہ سیاسی فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے فوج کو بھی تباہ کرنے سے نہ چوکیں گے' جو ان کی واحد سپر ہے۔

میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے جمہوریت کے لئے کام کیا ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں اگر ہم اس پر کاربند ہو سکیں تو اس سے بہتر کوئی طریق حکومت نہیں۔ جب غلام محمد مرحوم نے مجھے اقتدار کی پیشکش کی تھی تو میں نے صاف انکار کر دیا تھا' کیونکہ اس وقت مجھے امید تھی کہ ان سیاستدانوں میں سے کوئی نہ کوئی اٹھے گا' جس میں وطن دوستی اور ایثار و قربانی کا جذبہ ہو گا' اور جو ملک کو ترقی کی راہ پر لگائے گا۔ لیکن ان سب کو آزمایا جا چکا ہے اور وہ ان صفات سے خالی پائے گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اب ملک کی باگ دوڑ ان کے ہاتھ میں چلی گئی تو سوائے تباہی کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں شاید ایک نسل تک حکومت کا ایک طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو رفتہ رفتہ ملک کو جمہوریت کے لئے تیار کر دے گا اور ہمارے بعض بڑے بڑے مسائل کو حل کر دے گا۔ موجودہ آئین کے تحت تو سوائے نظم و ضبط کو ختم کرنے اور ملک کو نقصان پہنچانے کے اور کوئی اختیار کسی کے پاس معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی سیاست داں بھلائی کا کام تو کیا کرے گا وہ اگر اپنی کرسی ہی پر جما رہے تو یہ اس کی بڑی خوش قسمتی ہو گی اور اگر وہ کوئی کام کرنا بھی چاہے وہ اس کے حمایتی جو سب کے سب غرض کے بندے ہیں' اسے ایسا کرنے ہی کب دیں گے!

ان افواہوں کی روک تھام کے لئے بعض اقدامات کئے گئے۔

27 مئی

اپنے امریکی دورے کے تاثرات کے بارے میں سٹیشن آفیسروں

سے خطاب کیا اور پاکستان کے دفاع کی بنیادی باتوں پر روشنی ڈالی۔

یکم جون

معاملات کشمیر کی کانفرنس میں شریک ہوا جس کی صدارت وزیراعظم نون نے کی۔ اس کانفرنس میں تین اور سابق وزیراعظم بھی تھے۔ اگر چندے توقف کیا جاتا تو ان میں اور دو کا اضافہ ہو جاتا۔

میرا خیال تھا کہ یہ سٹیج ایک دوسرے کے خلاف سیاسی برتری حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف وہ میری گفتگو غور و فکر سے سنتے رہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کشمیر کے بارے میں ہندوستان کی طرف سے نہروں کا پانی بند کر دینے کے بارے میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ جذباتی طور پر تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم ابھی جا کر ہندوستان پر دھاوا بول دیں۔ لیکن دانائی کا تقاضا کچھ اور ہے جس کی میں نے ان لوگوں سے وضاحت کی۔

6 جون

کور کمانڈروں اور ڈویژنل کمانڈروں سے ملاقات کی۔

7 جون

ہمارا نیا تجرباتی بریگیڈ قائم کیا گیا ہے۔ ہم اپنے یونٹوں کی آئندہ تنظیم کے بارے میں بڑے پرجوش ہیں۔ طرح طرح کی نئی تجویزیں ذہن میں آ رہی ہیں۔ لب لباب ان کا یہ ہے کہ ہم اپنے فوجی اداروں کو اس نظریئے کے تحت پروان چڑھائیں کے حملے کے وقت یا کسی قطعہ زمین کی حفاظت کے وقت انسانی جانوں کو نہیں بلکہ فائر کی طاقت کو کام میں لایا جائے۔ اس کے نتائج بڑے مفید ہونے چاہئیں۔ میں نے اس مسئلے پر تحقیقاتی کام شروع کرایا ہے کہ ہم اپنے بکتر بند ڈویژن اور موٹرائزڈ انفنٹری کو کس طرح استعمال کریں۔

9 جون

ڈیفنس سیکرٹری نے مجھے بتایا کہ آپ کے عہدے کی میعاد میں دو سال کی توسیع ہو گئی ہے۔ اس کا اعلان دوپہر کو ہو گا۔ یہ توسیع کس طرح عمل میں آئی اس کے بارے میں میرا رد عمل کیا تھا' اس کی کیفیت مندرجہ ذیل سگنلوں سے معلوم ہو گی۔

مسٹر فیروز خان نون وزیراعظم کی طرف سے کمانڈر ان چیف پاک آرمی کے نام تار مورخہ 9 جون 1958ء:

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ نے دو برس تک اور ہماری افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدے پر رہنا منظور کر لیا ہے (وقفہ) آپ ابھی بہت کم عمر ہیں آپ ابھی صرف اکیاون (51) سال ہے لیکن تجربے اور قابلیت میں نہایت پختہ کار (وقفہ) پاکستان موجودہ حالات میں آپ کی خدمات سے محرومی کا نقصان کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ پہلے کی طرح ملک کا دفاع آپ کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا۔ (ختم)"

کمانڈر انچیف کا جواب:

"میں اپنی ملازمت کی توسیع پر آپ کے تعریفی اور حوصلہ افزا پیام کا شکر گزار ہوں (وقفہ) ذاتی طور پر مجھے سبکدوشی پر بھی ویسی ہی خوشی ہوتی جیسی اس عظیم الشان فوج کی خدمت کا مزید موقع ملنے پر ہوئی ہے جس کی تعمیر میری عمر بھر کی تمنا رہی ہے (وقفہ) بہرحال میں نے اکتیس (31) برس تک اس کا نمک کھایا ہے اور میں نے جو کچھ حاصل کیا' اس کی بدولت اور وہ اسی کی ملکیت ہے (وقفہ) آپ مطمئن رہیں میری بہترین خدمات فوج اور اس کے ذریعے ملک کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی۔ (ختم)"

13 جون

بذریعہ ہوائی جہاز پشاور پہنچا اور ایک امدادی بٹالین اور ایک مورٹر بٹالین کا معائنہ کیا۔ ان دونوں کی فائر کی طاقت خصوصاً ٹینکوں کو نشانہ بنانے کی طاقت بڑی زبردست ہے۔ مگر مجھے محسوس ہوا کہ ان میں بار برداری کا سلسلہ طویل ہے یعنی ڈیڑھ سو سے اوپر گاڑیاں۔ اس کے لئے کچھ نہیں تو تیس میل لمبی سڑک چاہئے۔ چھان بین کی جانی چاہئے کہ کہاں کہاں کمی کی جا سکتی ہے۔

14 جون

کچھ دن آرام کرنے وادی کاغان گیا۔ رات شوگراں میں گزاری۔ یہ ایک خوبصورت مقام ہے جس کے نظارے بے حد حسین ہیں۔ چہل قدمی کے نکلا

15 جون

ناران پہنچا اور وہاں چار روز قیام کیا۔ کچھ وقت مچھلیاں پکڑنے میں گزارا۔ لیکن زیادہ تر وقت کتاب "مین ہو' رولڈ انڈیا" (وہ لوگ' جنہوں نے ہندوستان پر حکومت کی) پڑھنے میں گزارا۔

جھیل سیف الملوک تک گیا۔ چار میل کا سفر اور ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی طے کرنے میں مجھے دو گھنٹے اور پندرہ منٹ لگے۔ یہ سخت ترین چڑھائی تھی جو میں نے کبھی چڑھی' مگر اس کا گر یہ ہے کہ انسان آہستہ آہستہ چلتا رہے۔ بلندی پر پہنچ کر میں نے جو عظیم الشان نظارہ دیکھا اس سے مجھے اپنی کلفت کا صلہ مل گیا۔

21 جون

کاغان سے لوٹا تو معلوم ہوا کہ غلام عباس نے بڑے جتھے لے کر جنگ بندی لائن کو توڑنے کی جو دھمکی دی ہے' اس سے نظم و ضبط کا بڑا سخت مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ صدر کو جو ان دونوں نتھیا گلی میں آرام کر رہے ہیں' یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ غلام عباس کو ملاقات کے لئے بلائیں اور اس بابت مناسب اقدام کی ہدایت کریں۔ یہ معلوم کر کے میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ انہوں نے یہ ہدایت کی ہے کہ جب تک عباس اور ان کے آدمی جنگ بندی لائن پر ہی نہ پہنچ جائیں' ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ اس کے بعد فوج بغیر طاقت استعمال کئے انہیں گرفتار کرلے۔ میں نے اسی وقت صدر کو ٹیلی فون کر کے اس طفلانہ فیصلے کے خلاف احتجاج کیا۔ میں نے مطالبہ کیا کہ اگر کوئی کارروائی کرنی ہے تو پاکستان یا آزاد کشمیر کے علاقے کے سول حکام کے ذریعے کی جائے۔ اس پر کابینہ کا اجلاس ہوا اور میری سفارشات کو منظور کر لیا گیا۔ میرے کام کی مشکل یہ ہے کہ مجھے فوج کے انتظام کے ساتھ ساتھ ملک کے تحفظ کے سلسلے میں بہت سی اور باتوں پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اگر ہماری حکومت کے عملے میں بلند سیرت اور بااصول آدمی ہوں تو اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

24 جون

واہ کی اسلحہ ساز فیکٹری کے مستقبل کے بارے میں کابینہ کی سب کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی جو کراچی میں منعقد ہوا۔

28 جون

صدر سے ملنے نتھیا گلی پہنچا۔ نواب قزلباش وزیراعلیٰ مغربی پاکستان سے بھی ملاقات کی۔ ان سے سرحدی پولیس کے مستقبل کے بارے میں طویل گفتگو کی۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ان لوگوں کی تعداد کوئی اٹھاون (58) ہزار یعنی تقریباً تین ڈویژنوں کے برابر۔ میری تجویز یہ تھی کہ ان کی حیثیت سول فورس کی رہے۔ مگر ان کے افسر فوج سے لئے جائیں' جیسا کہ سکاؤٹوں کے معاملے میں ہوا ہے' تاکہ انہیں فوجی کارروائی کی تعلیم دی جا سکے۔ اس طرح ان سے امن کے زمانے میں سول کام اور جنگ کے زمانے میں فوجی کام بہتر طریقے سے لیا جا سکے گا۔ ملک کے اعلیٰ مفاد کو نظر میں رکھتے ہوئے یہی اس مسئلے کا حل ہونا چاہئے۔ لیکن قزلباش ایک بار اس امر کو منظور کر کے اپنے وعدے سے پھر گئے۔ چنانچہ مجھے ان سے کچھ باتیں صاف صاف کہنی پڑیں۔ ان کو کوئی پچاس پولیس افسروں کو ٹھکانے سے لگانے کا مسئلہ پریشان کر رہا تھا' جو زائد از ضرورت قرار دیئے جانے والے تھے۔ چنانچہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں ڈیفنس سیکرٹری' چیف سیکرٹری اور جنرل ہیڈ کوارٹرز کا ایک نمائندہ شامل ہو۔ یہ کمیٹی اس معاملے کی چھان بین کرے۔ مشرقی پاکستان کی حکومت کے ساتھ بھی مجھے اسی قسم کی مشکل پیش آ رہی ہے۔ تاہم میں نے ٹھان رکھی ہے کہ انجام کار انہیں صحیح کارروائی کرنے پر مجبور کر دوں۔ پاکستان جنگ کی صورت میں اس نفری سے محروم رہنے کا نقصان نہیں اٹھا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نفری کا وجود فیصلہ کن ثابت ہو۔

30/ جون

میں کچھ دنوں سے بعض بہت دلچسپ کتابیں پڑھ رہا ہوں۔ ہندوستان کے حکمرانوں والی کتاب کے علاوہ میں نے گنسھر کی کتاب "اندرون روس" اور کپتان وائنز کے مضامین "پیٹرن فور لمیٹڈ نیو کلیروار" (محدود ایٹمی جنگ کا خاکہ) اور "رڈل آف دی شائفن پلین" پڑھا جو روسی' نامی جرنل میں شائع ہوا۔ ان مضامین نے ہمیں نئے سوچ بچار اور اپنے بعض تنظیمی نظریوں اور جنگی اصولوں کی بابت نئے سرے سے چھان بین پر اکسایا ہے۔

مجھے عید اور دوسرے تہواروں پر تہنیت کے بہت پیغاموں کا جواب دینا پڑتا ہے جس سے میرا بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے لیکن میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کی دل شکنی ہو۔ ان میں سے بعض پیغامات بڑے ہی پرخلوص ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مجھ پر اندھا دھند بھروسا کرتے ہیں۔ مجھے اس سے بڑی شرمساری ہوتی ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ان لوگوں کی امیدوں پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔

4 جولائی

گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں ایک اجلاس میں شرکت کی۔ جس میں صدر' وزیراعظم اور مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ مع اپنی کابینہ کے شریک تھے۔ وزیراعلیٰ نے یہ اجلاس اس لئے منعقد کیا تھا کہ عباس نے اپنے والنٹیروں کے ساتھ جنگ بندی لائن کو توڑنے کا جو ارادہ کیا ہے' اس سے نمٹنے کا کوئی واضح طریقہ سوچا جائے۔ نیز حکومت کو نیچا دکھانے کے لئے سیاسی پارٹیوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکات اور گروہ بندی کی بڑھتی ہوئی کشاکش پر بھی غور و خوض کیا جائے۔ میں عباس کی تحریک کے بارے میں حکومت کے فیصلوں سے خاص طور پر دلچسپی رکھتا تھا' کیونکہ آگے چل کر اس کا اثر فوج پر پڑ دیں۔

13 جولائی

جوائنٹ چیفس کا ایک جلسہ طلب کیا گیا۔ کئی اہم باتوں پر بحث ہوئی۔ ایڈمرل چودھری نے تحفظ پاکستان کے نظریئے کے سوال کو پھر اٹھایا' جس کے متعلق کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی پہلے ہی فیصلہ دے چکی تھی' اور وہ پچھلے اجلاسوں میں ہم سب سے اتفاق رائے کر چکے تھے۔ بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ اس کے بارے میں حکومت کو ایک مراسلہ بھیجا۔

14 جولائی

سوا چار بجے صبح کراچی سے صدر کے ساتھ ان کے وائی کاؤنٹ میں طہران کے رستے استنبول روانہ ہوا جہاں بغداد پیکٹ کی اسلامی مملکتوں کے سربراہوں کی کانفرنس ہونے والی تھی' ایرانی مسلح افواج کے چیف آف جنرل ہدایت سے ملاقات کی تاکہ منصوبہ بندی کے مسائل کے بارے میں بعض شکوک رفع کئے جا سکیں۔ اسی ملاقات کے دوران میں ایک سٹاف افسر نے جنرل ہدایت کو بلایا اور کہا کہ خانقین سے ایرانی کمانڈر نے خبر بھیجی ہے کہ عراق میں فوجی انقلاب ہو گیا ہے۔ ایک کرنل نے جس کے حامی ناصر کے طرفدار اور کیمونسٹ عناصر ہیں' اقتدار سنبھال لیا ہے۔ بادشاہ کے چچا پرنس عبدالالہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی نعش کو بغداد کے بازاروں میں گھسیٹا گیا ہے۔ محل اور برطانوی سفارت خانے کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہے۔ عوام خوشیاں منا رہے ہیں اور ناصر کی تصویریں ہر جگہ نظر آ رہی ہیں۔ بادشاہ اور نوری السعید کے بارے میں متضاد خبریں آئی تھیں' لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نوری بچ نکلے ہیں۔ گو ان کا مکان جلا دیا گیا ہے' اور بادشاہ کو قید کر لیا گیا ہے۔

یہ بڑی اہم اور افسوس ناک خبر تھی۔ ہم لوگ غم زدہ دل کے ساتھ استنبول روانہ ہوئے۔ جب ہم استنبول کے قریب پہنچنے والے تھے تو ہم سے کہا گیا کہ آپ انقرہ جا کر اتریں۔ وہاں صدر ترکی اور مسٹر مندریس نے ہمارا استقبال کیا۔ جلسہ سوگ کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ ترک بغداد کی خبروں سے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے بڑی حد تک ان خبروں کی تصدیق کی جو ہم نے طہران میں سنی تھیں۔ بغداد میں ترکی کے سفیر کے پاس ایک ٹرانس میٹر تھا جس کے ذریعے اس نے اپنے ملک کو وہاں کے حالات سے باخبر رکھا تھا۔ لیکن اس کی اطلاعات بھی مبہم تھیں' کیونکہ وہ اور اس کا عملہ شہر میں سخت گڑبڑ ہونے کی وجہ سے باہر نکل کر تفصیلات کی چھان بین نہیں کر سکا تھا۔

صدر بایار کے ساتھ ڈنر کھایا۔ یہ ایک غیر رسمی سی تقریب تھی جس میں شاہ ایران' ہمارے صدر' مندریس اور زورلو شریک تھے۔ ڈنر کے بعد ایک اجلاس ہوا جس میں لبنان اور عراق کی صورت حال اور بغداد پیکٹ کے مستقبل کے بارے میں گفتگو ہوئی۔

شاہ ایران کو صورت حالات پر جو عبور حاصل تھا اور انہوں نے اس کا جو تجزیہ کیا اس سے میں بہت متاثر ہوا۔

15 جولائی

بارہ بجے دوپہر صدر ترکی کے محل میں جمع ہوئے۔ عراق کی صورت کے باعث فضا بڑی غم ناک تھی۔ اتنے میں خبر آئی کہ نوری السعید کو بھی قتل کر دیا گیا ہے اور انکی نعش کو بغداد میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ افسوس' یہ اس شخص کا انجام ہے جس نے ان لوگوں کی اتنی خدمت کی تھی۔

16 جولائی

تین اسلامی مملکتوں کے سربراہوں نے فیصلہ کیا کہ معاہدہ کے اجلاس جو لندن میں ہونے والے تھے' ملتوی کر دیئے جائیں۔ گو میرا یہ خیال تھا کہ ان کو منعقد ہونا چاہئے تاکہ بدلی ہوئی صورت حال پر غور کیا جا سکے۔

19 اور 20 جولائی

ترک بعض علاقوں کے بارے میں بڑے حساس ہیں لیکن انہوں نے کمال مہربانی سے مجھے جزیرہ نمائے گیلی پولی کا دورہ کرنے اور پہلی جنگ عظیم کے میدان کازار کو دیکھنے کی اجازت دے دی۔ یہ سفر بڑا تھکا دینے والا تھا۔ خراب سڑک اور دو دن میں آٹھ سو میل! لیکن تھا بڑا دلچسپ اور سبق آموز۔ بعض جگہوں پر طرفین کی خندقوں کے نشان ابھی تک دکھائی دیتے تھے۔

یکم اگست (پاکستان میں واپسی پر)

اٹک فورٹ اور چراٹ میں مٹھا کی تنظیم کا معائنہ کیا۔ اس یونٹ کی ٹریننگ' جو جنگ میں انتہائی کار آمد ثابت ہو گا۔ بہت اچھی طرح ہو رہی ہے اور ہر شخص خاص کر نوجوان افسر بڑے پرجوش معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں ہمیشہ کے لئے بس جانا چاہتے ہیں۔

اس یونٹ میں یہ اہلیت پیدا کرنے کے لئے کہ وہ دشمن کے عقب میں دور دور تک کارروائی کر سکے' میں چند خاص نمونے کے ہوائی جہاز حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جس میں چھ آدمی بیٹھتے ہیں اور جو محدود جگہ میں اتر چڑھ سکتا ہے۔

سہ پہر کو مردان پہنچا تاکہ نئی پنجاب رجمنٹ کے کمانڈنگ افسروں سے ملاقات کر سکوں۔ جو (رجمنل) سنٹر کی سالانہ کانفرنس کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑے چاق و چوبند ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کر رہے ہیں اس توسیع شدہ رجمنٹ میں نئی روح پیدا ہو رہی ہے۔

5 اگست

مری میں بارہویں ڈویژن کی مشق کا معائنہ کیا۔ پیشہ ورانہ علم کی عام معیار سے' میں خاصا متاثر ہوا۔ ہمارے افسر اب واقعی اپنے جوانوں کی قدر و قیمت سے واقف ہوتے جا رہے ہیں۔

11 اگست

ایک سول افسر' کیڈٹ کور کی تنظیم کے سلسلے میں مجھ سے ملنے آیا۔ وہ بہت آزردہ تھا۔ اس نے سول انتظام کا بڑا تاریک نقشہ کھینچا' جو سیاسی گروہ بندی کے باعث روز بروز ابتر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بہت سے سول ملازم خود اپنی مرضی سے اہل سیاست کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔

15 اگست

ایک انفنٹری کمپنی کا مظاہرہ دیکھنے لاہور پہنچا۔ اس کمپنی کو نئے جنگی نظریئے کے تحت کوئی چار ہزار گز لمبے محاذ کی حفاظت کرنی تھی۔ ہم نے نئے نظریئے کے تحت ایک بٹالین کی تنظیم پر بھی تبادلہ خیال کیا۔

قزلباش سے ان کے دفتر میں ملا۔ انہوں نے بہادری کے اعزاز حاصل کرنے والوں کو زمینیں دینا منظور کر لیا۔ نیز مویشیوں کی نسل بڑھانے کے لئے بھی۔

19 اگست

شکیاری میں "ریکے" بٹالین کا معائنہ کرنے گیا۔ یہ بٹالین خوب ترقی کر رہی ہے۔ البتہ ہر پلاٹون کو 106 ملی میٹر کی ٹینک شکن رائفلوں کی ضرورت ہے۔

بعدازاں کمانڈو اسکول کا معائنہ کیا۔ اس کی ترقی کی رفتار سے اطمینان ہوا۔

20 اگست

پی ایم اے کا معائنہ کیا۔ (پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول)

23 اگست

جہاز کے ذریعے نوشہرہ پہنچا اور ٹینکوں کے خلاف ایک بہت دلچسپ دفاعی مظاہرہ دیکھا جس میں حملہ آور ٹینکوں کی ایک پوری رجمنٹ کا مقابلہ کیا گیا۔ بلاشبہ یہ رائفل 1 ٹینکوں کے خلاف بڑا زبردست ہتھیار ہے۔ لیکن اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے اس کے استعمال میں بڑی مہارت درکار ہے۔

26 اگست

فیلڈ مارشل مونٹ گمری کے بارے میں ایک پیغام ریڈیو پاکستان کے لئے ریکارڈ کرایا۔

28 اگست

سیکرٹری وزارت دفاع نے مغربی پاکستان کے چیف سیکرٹری اور جی ایچ کیو اور پولیس کے نمائندوں کے ساتھ ایک میٹنگ میں شرکت کی' جس میں سرحدی پولیس کو فوجی طرز میں تبدیل کرنے اور زائد از ضرورت پولیس افسروں کو ٹھکانے سے لگانے کے مسئلے پر تبادلہ خیال کیا۔ پولیس والے قدرتی طور پر ہر قسم کے اعتراض کرنے اور روڑے اٹکانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ادھر سیاست داں بھی کوئی سخت فیصلہ کرنے سے جان چھڑا رہے ہیں۔ وہ پولیس والوں کو ناراض کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ان سے آئندہ انتخابات میں انہیں بڑی مدد ملنے کی امید ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس والے ہی اصل انتخاب جتانے والے باور کئے جاتے ہیں۔ میری ہدایات یہ ہیں کہ بڑے تحمل کے ساتھ برابر دباؤ ڈالتے رہو تاوقتیکہ صحیح کارروائی عمل میں نہ آ جائے۔ شاید اس میں کچھ وقت لگ جائے' لیکن ملک کے استحکام کے لئے یہی ضروری ہے کہ اس جمعیت کو فوجی طرز کا بنا دینا چاہئے۔

مجھے بڑی افسوس ناک اطلاعات مل رہی ہیں۔ اقتصادی بدحالی کے بارے میں' بدانتظامی کے بارے میں' جو سیاسی دخل اندازی کا نتیجہ ہے' عوام کی دل شکستگی کے بارے میں' کیونکہ ان کا اعتماد صدر سمیت سب سیاسی رہنماؤں پر سے اٹھ گیا ہے۔ عوام کا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی شخص بھی مخلص نہیں۔ نہ کسی کا کوئی سیاسی مسلک ہے' اور نہ کسی میں وطن پرستی کا جذبہ ہے کہ وہ سخت اقدام کر کے ملکی برائیوں کو دور کرے اور اب تو وہ خود مجھے اور فوج کو الزام دینے لگے ہیں کہ ہم اپنے فرائض سے غفلت برت رہے ہیں اور قوم کو ان ظالموں کے پنجے سے چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ یہ خطرناک خیال اس لئے پیدا ہوا ہے کہ لوگ فوج کے کام کی اصل نوعیت کو نہیں سمجھتے۔ لیکن انسان تنگ آ جائیں تو ہر طریقے سے نجات پانے کی سوچنے لگتے ہیں۔ خدا جانے ان لوگوں کو یہ احساس ہے یا نہیں کہ اگر میں خود کو سیاسیات سے الگ تھلک نہ رکھتا' تو آج ان کے پاس یہ فوج کہاں ہوتی اور اگر اس قسم کی فوج نہ ہوتی تو وہ اب تک آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوتے۔

3 ستمبر

امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں سے ہندوستان کو بڑی بھاری اقتصادی امداد ملنے کی خبریں آ رہی ہیں' جس سے بڑی پریشانی ہے۔ اس طرح ہندوستان اقتصادی فکروں سے آزاد ہو کر اپنا سارا زور فوجی تعمیر پر

لگا دے گا اور ہمارے حالات کو اور بھی زیادہ مشکل بنا دے گا۔

6 ستمبر

کراچی پہنچا۔ متروکہ جائداد کے مسائل پر وزارت بحالیات سے گفت و شنید کی۔ علاوہ ازیں ڈیفنس سیکرٹری کے ساتھ ڈائریکٹر جنرل ڈیفنس پرچیز کے چارٹر کے بارے میں بھی تبادلہ خیال کیا۔ میں نے ان پر زور دیا کہ سامان خریدنے اور پرانے سامان کو اٹھوانے میں عجلت کرنی چاہئے۔

13 ستمبر

او ٹی ایس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ دیکھی۔

14 ستمبر

فوجی اجتماع' اور رنگروٹوں کے میلے میں شرکت کی۔

15 ستمبر

ساڑھے پانچ بجے صبح بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانہ ہوا۔ دسویں پنجاب کی سو سالہ تقریب میں شرکت کی۔ لنچ کے بعد واپس آیا۔

18 ستمبر

شمالی علاقوں کو روانہ ہوا۔ پولیٹیکل ایجنٹ اور ریذیڈنٹ سے ملاقات کی۔

20 ستمبر

گوپس دریا میں کچھ دیر مچھلیاں پکڑیں۔

21 ستمبر

گلگت واپس آیا۔

22 ستمبر

ہنزہ روانہ ہوا۔

23 ستمبر

قیام کیا۔ چیف آف سٹاف سے کراچی کی سیاسی ہلچل کی اطلاع ملی۔

24 ستمبر

گلگت واپس آیا۔ میر آف نگر کے ساتھ لنچ کھایا۔ مسلم لیگ کی کارروائی کے بارے میں چیف آف سٹاف کا تفصیلی پیغام ملا۔

میں نے چیف آف سٹاف کو بتایا کہ پیشگی منظوری کے بغیر کسی قسم کی بڑی کارروائی کا وعدہ نہ کیا جائے۔

25 ستمبر

صبح سوا دس بجے راول پنڈی واپس آیا۔

پاک۔امریکہ تعلقات

(خفیہ امریکی رپورٹیں)

1949ء میں امریکہ میں پاکستان سفیر مسٹر اصفہانی کا وزیراعظم لیاقت علی خان کے نام مکتوب

7 ستمبر

"آپ نے ماسکو کے دورے کی دعوت قبول کر کے حکمت عملی کا شاہکار نمونہ پیش کیا ہے۔ چند ماہ پہلے تک ہم لوگ (امریکی) محکمہ خارجہ کے درمیانے درجے کے حکام سے چند میٹھے بولوں کے سوا اور کچھ حاصل کرنے کے قابل نہ تھے۔ ہمیں تو بس اچھے لونڈوں کی حیثیت سے قبول کیا جاتا تھا' یعنی ایسے لڑکے جو نہ تو کمیونزم کی طرف آنکھ اٹھائیں گے اور نہ ہی بائیں بازو کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلیں گے۔ ہمارے ملک کو سنجیدہ توجہ کے قابل سمجھا ہی نہ جاتا تھا۔ دوسری طرف امریکی حکومت بھارت پر بہت زیادہ توجہ دیتی تھی۔ بھارت کو خوش کرنے کی خاطر وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی لیکن آپ کی طرف سے ماسکو کی دعوت قبول ہونے کے بعد پاکستان راتوں رات امریکی حکومت کی نظروں میں اہم ہو گیا...... اب وہ یہ تاثر زائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے کہ امریکہ بھارت کے معاملے میں جانبدار ہے...... ہمارے شبہات دور کرنے اور ہمیں یہ جتلانے کی کوششیں بھی کی جا رہی ہیں کہ ہمارے ساتھ مناسب سلوک کیا جائے گا اور وہ توجہ دی جائے گی جس کے ہم مستحق ہیں"۔

(7 ستمبر 1949ء)

(1) ٹاپ سیکرٹ

امریکی محکمہ خارجہ کی ایک ٹاپ سیکرٹ رپورٹ

پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات میں ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کی حکومت اور عوام کو سوویت یونین سے دور کیا جائے اور امریکہ اور دوسری مغربی جمہوریتوں کی طرف مائل کیا جائے۔ جمہوری اصولوں سے وابستہ سیاسی اور معاشی طور پر صحت مند ملک کی حیثیت سے ہم اس کی مزید ترقی کے خواہاں ہیں۔ بین الاقوامی دائرے میں ہم پاکستان اور اس کے ہمسایوں کے درمیان پر امن اور تعاون کے روابط کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بین الاقوامی مقاصد میں حکومت پاکستان کی جانی بوجھی اور رضا کارانہ شرکت کے خواہشمند ہیں"۔

(اقتباس...1951ء)

پاکستان پر رپورٹ سے چند اقتباسات

1- جنوبی ایشیا میں امریکہ کے سٹریٹجک مفادات

ا...... نتائج

(1) جنوبی ایشیا کے موثر ترین فوجی دفاع کے لئے مضبوط پہلوؤں کی ضرورت ہو گی مغرب کی جانب ترکی' ایران اور پاکستان بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جبکہ ہند چینی مشرق کی جانب ہے۔

(2) پاکستان اب جنوبی ایشیا یا مغربی پہلو میں کسی اور جگہ استعمال کے لئے زمینی قوتیں فراہم کر سکتا ہے لہٰذا امریکہ اور برطانیہ کے لئے یہ مفید ہو گا کہ وہ پاکستان کو فوجی آلات فراہم کر کے اس کی بری افواج کو فوری طور پر ترقی دیں۔

(3) اگر بھارت کی خارجہ پالیسی تبدیل نہ ہوئی تو وہ جنگ کے دوران آزاد دنیا کو فوجی تعاون فراہم نہیں کرے گا۔

(4) سری لنکا اور پاکستان میں کئی ایسے اڈے موجود ہیں جو جنگ کے آغاز ہی سے آزاد دنیا کی فوجی کارروائیں میں بہت مدد گار ثابت ہو سکتے ہیں۔

ب...... سفارشات

(2) امریکہ کے فوجی حکام کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر پاکستان کے ساتھ جلد ایک سمجھوتے کے قابل قبول ہونے کا جائزہ لیں جس کے تحت پاکستان کی افواج کو ساز و سامان سے لیس کیا جائے' انہیں مضبوط بنایا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جنگ کے آغاز میں مغربی پہلو پر پاکستان کی بری افواج امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے سپرد کر دی جائیں گی۔

(3) بھارت اگر مغربی پہلو یا کسی دوسری جگہ اپنی افواج کے استعمال کے بارے میں ایسی ذمہ داریاں قبول کرنے پر رضا مند ہو تو اسے بھی ایسے ہی سمجھوتے کی پیشکش کی جائے۔

(4) اگر مشرق وسطیٰ کا ایک ایسا معاہدہ نشوونما پائے جس میں ایران شریک ہو تو پاکستان کو بھی اس کی رکنیت کی پیشکش کی جائے۔ تاہم یہ عمل پاکستان کے ساتھ اس مفاہمت کی نفی نہیں کرے گا جس کی سفارش دوسری شق میں کی گئی ہے۔

(5) پاکستان یا بھارت کے ساتھ بات چیت سے پہلے دوسری' تیسری اور چوتھی سفارش کے بارے میں برطانیہ سے صلاح مشورہ کیا جائے۔

(اقتباسات)

(3) پاکستان میں اشتراکیت کے فروغ کو روکنے کے پروگرام کے بارے میں امریکی محکمہ خارجہ کی ایک رپورٹ

(پاکستان کی) مرکزی حکومت اشتراکیت اور پاکستان کیمونسٹ پارٹی کے خطرات سے آگاہ ہے اور بسا اوقات اس نے اشتراکی رہنماؤں پر گہری نگرانی رکھی ہے اور ان کی سرگرمیوں کے کچلنے کے لئے سخت طریقے اختیار کئے ہیں۔ مرکزی اور صوبائی دونوں حکومتوں نے پاکستان میں اس اشتراکیت کے فروغ کو روکنے کی خاطر جوابی پروپیگنڈہ پروگرام تیار کرنے میں مغربی جمہوریتوں کے ساتھ تعاون پر رضامندی کااظہار کیا ہے جس کے خلاف اسلامی عقائد اس قدر مضبوط فصیل شاید ثابت نہ ہوں جس قدر ہم نے سمجھے ہوں۔

(اقتباس)

(4)قومی سلامتی کے لئے امریکی پروگراموں کاازسرنو جائزہ ٹرومین انتظامیہ کی سکیورٹی کونسل کو پیش کی جانے والی ایک رپورٹ

" مشرق وسطیٰ کی دفاعی تنظیم کے حصول کے لئے امریکہ کو اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ ابتدائی طور پر یہ اس خطے کے بعض ملکوں کا سیاسی تعاون حاصل کرنے کا وسیلہ ہو گی اس سمت میں ابتدائی جدوجہد کا رخ مصر کی طرف ہونا چاہئے بعد ازاں امریکہ کو مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے ان ملکوں کی مدد کرنے کی زیادہ رسمی پابندی قبول کرنی چاہیے جو اپنا دفاع کرنے کے عزم کا موثر مظاہرہ کریں اور مغرب کے ساتھ تعاون کرنے پر رضامندی کا اظہار کریں۔

یونان' ترکی اور ایران کے علاوہ امریکہ کو چاہئے کہ وہ مشرق وسطیٰ کے بعض دوسرے ملکوں کو بھی فوجی امداد مہیا کرنے پر تیار رہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ بھارت کے ساتھ ناقابل حل مسائل پیدا کئے بغیر مشرق وسطیٰ کے دفاع میں پاکستان کاسرگرم تعاون حاصل کرنا ممکن ہے۔ ایران کے مشرقی پہلو میں پاکستان کو مضبوط بنانے اور اس کے ساتھ شمال مغرب میں ترک قوت کی موجودگی سے ایران کی خود اعتمادی بڑھ سکتی ہے اور اس خطے میں استحکام پیدا کرنے والا اثر پیدا ہو گا۔

پاکستان کو کافی مقدار میں فوجی امداد کی اولین اقساط جلد فراہم کر دی جانی چاہئیں بشرطیکہ یہ کام ایسے طریقے سے کیا جائے جس سے بھارت کے ساتھ شدید نوعیت کے مسائل پیدا نہ ہوں۔

(اقتباس)

(5)امریکی وزیر خارجہ ڈلس کا نیشنل سکیورٹی کونسل سے مکالمہ 1952ء

میں جس امکان سے متعلق سوچتا ہوں وہ یہ ہے کہ شمالی علاقے (اشارہ کرتے ہوئے) کے ساتھ ساتھ قوت کو بڑھایا جا سکتا ہے جہاں سوویت یونین کا خوف زیادہ ہے۔ وہاں ایک قوت متحرکہ موجود ہے..... وہاں آپ کو ایک مختلف ولولہ ملتا ہے اور سوویت روس سے خطرے کا احساس بھی پایا جاتا ہے اور آپ کے پاس ایسی بنیاد موجود ہے جس پر تعمیر ممکن ہے۔

ترکی........ واقعی ایک مضبوط پوائنٹ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ مضبوط ہیں' وہ بہادر ہیں' وہ روح سے ہمارے اتحادی ہیں...... یہ ایک بے حد قابل اعتماد علاقہ ہے جو ایک ایسے وقت پر جو سٹر یٹجک اہمیت کا حامل ہو' بہت سی فوجی طاقت پیدا کر سکتا ہے۔

دوسرے کنارے پر پاکستان ہے...... جو بہت مضبوط پوائنٹ ہو سکتا ہے۔ گویا ہمارے پاس دو مضبوط پوائنٹ یہاں اور یہاں ہیں۔

یہاں سے ہمیں ممالک کی شمالی قطار پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ہم محسوس کرتے ہیں اگر یہاں اور یہاں آپ کے پاس دو مضبوط پوائنٹ ہوں (ترکی' پاکستان) تو پھر اگر ایران کو مضبوط بنایا جا سکے تو بھی ان پہاڑی راستوں سے گزرنا بہت دشوار ہے۔

پاکستان کے ساتھ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کی فوجی امداد کا کوئی پروگرام نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بھارت کے لئے اس کے مضمرات کی بناء پر ایسا کوئی پروگرام بنانے کی جرات نہیں کرتے۔

پاکستان کا امریکہ کے بارے میں رویہ نہت دوستانہ ہے۔ " سبتا جس کم رقم کامطالبہ کیاگیا ہے ہم اس سے بہت اچھے نتائج حاصل کر سکتے ہیں...... آیئے ہم پاکستان کو کچھ تو دیں"

(اقتباسات)

(6)ایوب خان کے بارے میں امریکی بحریہ کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر کی خفیہ رپورٹ.... ستمبر1953ء

6 فٹ 2 انچ سے زیادہ طویل القامت اور 210 پونڈ وزن کے توانا جنرل ایوب خان پاکستان کی ملٹری سروسز کے سب سے بااثر افسر ہیں۔ فوج پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے اور وہ زیادہ اور کم ہر دو قسم کی اہمیت کے فیصلے خود ہی کرتے ہیں' کیونکہ وہاں سٹاف افسروں کو بہت کم اختیارات تفویض کئے جاتے ہیں اگرچہ انہیں آفیس کیڈر کا احترام حاصل ہے لیکن وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ درشتی اور سختی سے پیش آنے کا میلان رکھتے ہیں۔

ان کی شہرت یہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ کس شے کی جستجو کرنی چاہئے اور یہ کہ وہ نتائج پر زور دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں اپنے اور اپنی افواج پر بڑا اعتماد ہے....ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ امریکہ نواز ہیں (اگرچہ وہ بھارت کے لئے امریکی امداد پر اکثر نکتہ

چینی کرتے ہیں) جاہ و جلال کی بہت زیادہ ہوس اور سیاست کو اپنے فوجی کیریئر سے مخلوط کرنے کے میلان کو ان کی کمزوریاں سمجھا جاتا ہے۔

امریکی قومی سلامتی کونسل کی پاکستان کے بارے میں رپورٹ

پاکستان کی موجودہ حکومت کی اس وقت تک مدد کی جائے جب تک وہ امریکہ کے ساتھ دوستانہ رہے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ آئندہ کوئی حکومت اشتراکیوں کے غلبے والی نہ ہو اور امریکہ کے بارے میں دوستانہ ہو۔

جنوبی ایشیاء میں امریکی پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے مغرب کی طرف پاکستان کے موقف رویے سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

اشتراکیت کے خلاف مشترکہ محاذ میں پاکستان کی زیادہ شرکت حاصل کی جائے۔

ہر اس دفاعی تنظیم میں پاکستان کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی جائے جس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ امریکی مفادات کی تکمیل کرتی ہے۔ پاکستان اور ترکی کے درمیان ایسے انتظام کے قیام کو ترجیح دی جائے۔

اس امر کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے کہ عام جنگ کی صورت میں پاکستان مغرب کے ساتھ باہمی دفاعی جدوجہد کے لئے افرادی قوت، وسائل اور سٹریٹجک سہولتیں فراہم کرے گا۔

پاکستان کے رویئے اور مغرب کے ساتھ فوجی تعاون کے معاملے میں جنوبی ایشیائی ملکوں میں پاکستان اہم پوزیشن کے مد نظر اسے فوجی امداد اور گرانٹ دینے پر خصوصی توجہ دی جائے۔

(این ایس سی 5409...19 فروری 1954ء)

(7) نیشنل سکیورٹی کونسل کے آپریشنز کو آرڈینیٹنگ بورڈ کی ایک پراگرس رپورٹ 1954ء

پاکستان میں عام انتخابات کبھی نہیں ہوئے۔ مرکزی حکومت کے اقتدار کا دارومدار فوج، چند نمایاں سیاسی شخصیات اور سول سروس پر ہے اس کااظہار 21 ستمبر سے شروع ہونے والے ان واقعات سے بھی ہوتا ہے جب کہ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے گورنر جنرل کو کابینہ کے وزراء کا اپنی مرضی سے تقرر کرنے اور اپنی مرضی سے انہیں برخاست کرنے کے اختیار محروم کرنے کی کوشش کی تھی۔ امریکہ سے وزیراعظم محمد علی بوگرا کے کراچی واپس پہنچنے پر 23 اکتوبر 1953ء کو گورنر جنرل نے فوج، بعض اہم سیاسی قائدین اور سول سروس کی حمایت کا یقین ہونے کی بنا پر آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا اور وزیراعظم کو مجبور کیاکہ وہ از سر نو کابینہ ترتیب دیں۔ اس جوڑ توڑ کے ذریعے دوبا اثر افراد ایوب خان بطور وزیر دفاع (جبکہ وہ فوج کے کمانڈر انچیف بھی بد ستور رہے) اور سکندر مرزا وزیر داخلہ کی حیثیت سے کابینہ میں شامل کئے گئے۔ لگتا ہے کہ بوگرا محض اس لئے وزیراعظم برقرار رہے ہیں کہ موجودہ حکمران گروہ کے بڑے رہنماؤں گورنر جنرل، ایوب اور مرزا کو ان کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہے اگر انہوں نے "تعاون" نہ کیا تو پھر انہیں کسی وقت بھی برخاست کر دیا جائے گا...... مرکزی حکومت کے کنٹرول کو مضبوط بنانے نیز پاکستان اور اس عموی علاقے میں قوت کی تخلیق کے لئے ہماری فوجی امداد اہم ہے۔

(اقتباسات)

(8) امریکی محکمہ خارجہ کے خفیہ تحقیق کے دفتر کی رپورٹ

1952ء کے بعد (اس وقت کے) گورنر جنرل غلام محمد کے گرد اکٹھے ہونے والے انگریزوں کے تربیت یافتہ سرکاری افسروں اور مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے فوجی حکام کے ایک چھوٹے سے گروہ نے بتدریج سیاسی اقتدار حاصل کر لیا۔ غلام محمد کے علاوہ اس جتھے میں سکندر مرزا اور چوہدری محمد علی شامل تھے جو دونوں سابق سرکاری افسر تھے ان کے علاوہ جنرل محمد ایوب خان تھے جو فوج کے کمانڈر انچیف تھے۔

پاکستان میں سیاسی اقتدار اب بھی (اس جتھے کے) ہاتھوں میں ہے..... اس کے سربراہ صدر سکندر مرزا ہیں یہ مرزا گروپ اگرچہ اس وقت وزیراعظم سہروردی کی قیادت میں مشرقی پاکستان کے سبتا اعتدال پسند سیاسی عناصر کو سیاسی اختیارات میں شریک کئے ہوئے ہے لیکن وہ کم و بیش یقینی طور پر کم از کم عام انتخابات کے انعقاد تک اقتدار سے چمٹا رہے گا۔ یہ انتخابات شاید 1957ء کے اواخر یا 1958ء کے اوائل میں ہوں گے اگرچہ اس گروپ کی حکومت بائیں بازو اور مذہبی رجعت پسندوں دونوں کے دباؤ کی مزاحمت کرے گی، لیکن وہ ملک کی شدید معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل سے جوش و ولولے کے ساتھ شاید نمٹ نہیں سکتی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ گروپ زیادہ تر سیاسی چال بازیوں میں مصروف رہتا ہے۔ اس کاسبب یہ بھی ہے کہ ان مسائل کے موثر ترین حل...... جسے زرعی اصلاحات یا قومی معاملات میں مشرقی پاکستانیوں کا زیادہ عمل دخل.....اس گرپ کے اقتدار کی جڑیں کھوکھلی کر دیں گے۔

دریں اثناء سازشوں اور بد عنوانی کا گھن انتظامی مشینری کو لگ چکا ہے اور آئینی حکومت اور جمہوری عمل کے خلاف مایوسی کی حوصلہ افزائی کر رہاہے اگرچہ مرزا گروپ غالبا آزادانہ انتخابات جیت نہیں

سکتا لیکن وہ اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے اس کے نتائج کو کنٹرول کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اگر مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے حکمران طبقے کو مذہبی رجعت پسندوں یا مشرقی پاکستانیوں کی بڑھتی ہوئی مخالفت سے کسی وقت بھی صاف طور پر خطرہ محسوس ہوا تو پھر مرزا یا موجودہ حکمران طبقے کا کوئی اور رکن فوج اور اعلیٰ سرکاری حکام کی مدد سے غالباً آمرانہ نظام قائم کر دے گا۔

"اگرچہ پاکستان کی آبادی کا بڑا حصہ جاہل ہے اور سیاسی امور کے بارے میں بے حس ہے، لیکن دیرینہ سیاسی عدم استحکام بار بار سر اٹھانے والے معاشی بحرانوں نیز ہمسایہ ملکوں اور خصوصاً بھارت کے ساتھ تعلقات میں مسلسل مایوسی نے مل کر موجودہ صورتحال سے متعلق عوامی بے چینی کو بڑھا دیا ہے"۔

"حکومت پاکستان نے ایسی پالیسیوں کو اپنایا ہے جو رویئے کے اعتبار سے لازماً مغرب نواز ہیں اور عمل کے حوالے سے عموماً امریکہ کے حق میں ہیں"۔ "اگرچہ پاکستان کے جمہوری عمل کے قابل عمل ہونے کا تعین ابھی ہونا ہے لیکن پھر بھی پاکستان نے اپنی قومی یکجہتی کو برقرار رکھا ہے اور پارلیمانی اداروں کی نشوونما کی طرف اس قدم اٹھائے ہیں اور مشرقی پاکستان کی لسانی اور جغرافیائی علیحدگی میں مضمر مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے"۔

"پاکستانی فوج...... پاکستانی معاشرے میں امکانی طور پر سب سے زیادہ مستحکم اور عملاً سب سے زیادہ تعاون کرنے والا عنصر ہے"۔ "امریکہ کے قومی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ اس خطے میں امریکہ کے سر گرم اتحادی کے طور پر پاکستان اپنی خود مختاری کو مستحکم بنائے۔ اپنے عوام کی فرمانبرداری کے لئے خاصی حد تک معاشی ترقی کرے، اپنے داخلی استحکام کو بہتر بنانے اور دفاعی صلاحیتوں کو بڑھائے"۔

اس صورتحال میں فوجی حکومت کا طویل دور، جس کا ایوب خان بظاہر ارادہ رکھتے ہیں، صوبائی اور طبقاتی کشیدگیوں کو تیز تر کر سکتا ہے اس سے دانشور، استاد، صحافی، قانون دان اور درمیانے طبقے کے دوسرے لوگ مایوس بھی ہوں گے۔ جن کی گہری آرزو یہ رہی ہے کہ وہ پاکستان کو مشرق وسطیٰ یا لاطینی امریکہ کی آمریت کی سطح پر اترنے کی بجائے بھارت کی جمہوریت کا مقابلہ کرتے دیکھیں۔

صرف جمہوری نظام کے تحت زیادہ آبادی والا مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی فوج اور افسر شاہی کے زیادہ وزن کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتا ہے...... تاہم فوجی غلبے کے تحت سیاسی آزادیوں کے طویل عرصے تک خاتمے کے امکان سے مشرقی پاکستان میں کشیدگی اور بے چینی کے اس حد تک بڑھنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا جو شاید ملک کے دونوں حصوں کی وحدت کو تباہ کر دے گا۔

(این ایس سی 5701ء...... اقتباسات)

(9) نیشنل سیکورٹی کونسل کی کاروائیوں کے ارتباطی بورڈ کی "جنوبی ایشیاء کے بارے میں امریکی پالیسی" (این ایس سی 5901/1 کے موضوع پر رپورٹ)

اس سیاسی عدم استحکام کی جگہ اب بستا مستحکم مارشل لاء حکومت نے لے لی ہے جو سابقہ حکومتوں کی خصوصیت تھی اور پاکستان میں امریکی کوششوں کے موثر ہونے میں بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ مختصر مدت کے لئے اور بہت ضروری اصلاحات کے لئے موجودہ حکمرانوں کے عزم اور صلاحیت کے حوالے سے موجودہ سیاسی صورتحال امریکی مقاصد کو آگے بڑھانے میں معاون ہونی چاہئے۔

موجودہ استحکام کے پیش نظر پہلے کی طرح مسئلہ یہ نہیں رہا کہ ایک کے بعد دوسرے بحران زدہ انفرادی سیاستدانوں کے ساتھ حساب چکایا جائے اب ہم پاکستان کے امکانات کا طویل المعیاد جائزہ لے سکتے ہیں..... چونکہ اس وقت ہم ایک مستحکم سیاسی صورتحال کو اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں، اس لئے ہم پاکستانی حکومت (جنرل ایوب خان) کو اس کی مجوزہ معاشی اور سماجی اصلاحات میں اپنی ہمدردانہ دلچسپی اور اپنے تعاون کا یقین دلانے پر خصوصی زور دیتے ہیں۔

(اقتباسات)

حکومتیں اور اسمبلیاں توڑنے کے اعلان نامے

(1) اسمبلی توڑنے کا گورنر جنرل غلام محمد کا اعلان

ملک کو درپیش سیاسی بحران پر غور کرنے کے بعد گورنر جنرل نہایت افسوس کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دستور ساز نظام ناکام ہو گیا ہے لہٰذا انہوں نے پاکستان بھر میں ہنگامی حالت کا اعلان کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ موجودہ دستور ساز اسمبلی عوام کے اعتماد سے محروم ہو چکی ہے اور اب اپنا فرض ادا نہیں کر سکتی۔

انتخابات کے انعقاد تک ملک کا نظم و نسق نو تشکیل شدہ کابینہ چلائے گی۔ (گورنر جنرل نے) وزیراعظم سے کہا ہے کہ وہ دوبارہ کابینہ بنائیں تاکہ ملک کو ایک مضبوط اور مستحکم انتظامیہ فراہم کی جا سکے۔

(2) 1954ء کی سیاسی صورتحال پر وزیراعظم بوگرہ کا بیان

یہ ایک پریشان کن صورتحال تھی ہماری معاشی کیفیت تشویش ناک تھی۔ ہمارے بنیادی خام مال پٹ سن اور کپاس کی قیمتیں بے حد

گر گئی تھیں۔ ہمارے زرمبادلہ کی آمدنی جو زیادہ تر ان ہی دو اجناس سے حاصل ہوتی تھی' خطرناک حد تک کم ہو گئی تھی۔ جزوی طور پر اس کے نتیجے میں اور اسی طرح حکومت کی غلط معاشی پالیسیوں کے سبب ہمارے زرمبادلہ کی مد میں 1952ء کے برس میں 87 کروڑ روپے کا شدید خسارہ ہوا۔ عمومی معاشی کساد بازاری اور بدنظمی کے باعث ہماری داخلی مالی صورتحال بھی اچھی نہ تھی۔ ریونیو کی آمدنی میں آئندہ برس ہمیں تیس کروڑ روپے کی حد تک کی کمی کا سامنا تھا' خوراک کی بھی شدید کمی تھی ...... ملک پر قحط کا خطرہ چھایا ہوا تھا۔

اس کے نتیجے میں وسیع تر بے چینی کا بول بالا تھا۔ یہ صورتحال اس حقیقت کی بناء پر مزید ابتر ہو گئی کہ مغربی پاکستان میں شدید فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے اور لا قانونیت کے مظاہرے ہوئے۔ پنجاب کے بعض حصوں میں صورتحال اس حد تک خراب ہو گئی تھی کہ لاہور پر مارشل لاء نافذ کر دیا گیا تھا۔

(3) 1954ء میں اسمبلیوں کے برخاست ہونے پر وزیراعظم محمد علی بوگرہ کی نشری تقریر

وزیراعظم مسٹر محمد علی نے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہوا عوام کو نئی مجلس دستور ساز منتخب کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ آپ نے کہا کہ مجلس دستور ساز کی بعض کارروائیوں سے ملک کی اکثریت میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور وہ عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔

نئی کابینہ کے حلف اٹھانے کی رسم کے بعد تقریر کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا "آئین سازی کا کام اہم ہے لیکن ملک کی سلامتی اور استحکام اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ دستور ساز اسمبلی نہ صرف عوام کو متحد کرنے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی بلکہ اس کی کارروائیوں کا الٹا اثر ہوا ہے۔ مسٹر محمد علی نے کہا کہ گورنر جنرل کے خیال میں مجلس دستور ساز عوام کا اعتماد کھو چکی ہے آخری اختیار عوام کو حاصل ہے اور عوام کو ہی تمام معاملات کا' جن میں آئین بھی شامل ہے فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے جس قدر جلد ممکن ہو انتخابات کرائے جائیں گے۔ انتخابات تک ملک کا نظم و نسق چلانے کے لئے گورنر جنرل نے مجھے کابینہ بنانے کی دعوت دی جو نے منظور کر لی"۔

مسٹر محمد علی نے کہا ملک کی اکثریت کا یہ دعویٰ تھا کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی کو چونکہ عوام کا اعتماد حاصل نہیں اس لئے وہ آئین بنانے کی مجاز نہیں۔ عوام کے لئے ایسے آئین کی ضرورت ہے' جو انہیں قابل قبول ہو۔ قابل قبول اور قابل عمل آئین بنانے کے لئے ملک میں اتحاد کی ضرورت ہے۔ وزیراعظم نے کہا "میرے دورہ امریکہ پر روانگی کے بعد ملک کی صورت حال کے متعلق تکلیف دہ اطلاعات پہنچنی شروع ہو گئی تھیں اور میں گہری تشویش سے ان کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس اثناء میں مجلس دستور ساز کے اقتدار میں تیزی سے کمی آ گئی اور واپسی پر ایسی صورتحال پیدا ہو گئی گورنر جنرل کو وہ قدم اٹھانا پڑا جو اب انہوں نے اٹھایا ہے"۔

ملک کا آئین تیار کرنے کا کام ایسی دستور ساز اسمبلی پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ جو داخلی کشمکش کا شکار ہو چکی ہے۔ آئین اہم مسئلہ ہے لیکن ملک کی سلامتی اور استحکام اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ذاتی' طبقاتی اور علاقائی کشمکش سے قومی اتحاد خطرے میں پڑ چکا تھا۔ پاکستان کے مفاد کو ہر بات پر مقدم رکھا جائے گا۔

وزیراعظم نے آخر میں عوام سے تعاون کی اپیل کی اور کہا کہ عوام کو نئے نمائندے منتخب کرنے کا موقع جلد دیا جائے گا تاکہ متحد' مضبوط اور ترقی پسند قوم کہلانے کا کام آگے بڑھ سکے۔

(4) اسکندر مرزا کا اعلان مارشل لاء

صدر مملکت کا ہنگامی فرمان

اعلامیہ جو 7 اکتوبر سنہ 1958ء کو صدر پاکستان نے جاری کیا۔

نمبر ایف 81 / پریز / 58' 25 اکتوبر سنہ 1958ء' گزٹ مورخہ 31 اکتوبر سنہ 1958ء حسب ذیل اعلان جو صدر نے 7 اکتوبر 1958ء کی رات کو ساڑھے دس بجے جاری کیا' عام اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے:۔

پچھلے دو سال سے میں گہری تشویش کے ساتھ مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اقتدار کے لئے بے تحاشا رسہ کشی جاری ہے' بدعنوانیاں ہیں' سادہ' نیک و محب وطن اور محنتی عوام سے بے شرمی کے ساتھ ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے' شائستگی کا فقدان ہے اور اسلام کو سیاسی مقاصد کا آلہ کار بنایا جا رہا ہے۔ فقط چند قابل قدر لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں' لیکن ایسے لوگ چونکہ اقلیت میں ہیں اس لئے وہ ملک کے معاملات میں اثر انداز نہیں ہو سکے۔

ان مذموم حرکتوں کا نتیجہ پست ترین درجے کی آمریت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اہل ہوس اور اہل غرض' عوام کو نقصان پہنچا کر ناجائز فائدہ حاصل کرتے رہے اور اپنی بد کرداریوں کی بدولت اور زیادہ دولت مند ہوتے گئے۔

میری مسلسل کوششوں کے باوجود غذائی مسئلے کو حل کرنے کی کوئی حقیقی کوشش نہیں کی گئی۔ خوراک ہماری زندگی اور موت کا

مسئلہ بن گئی ہے' حالانکہ ہمارے ملک کو در حقیقت خوراک میں خود کفیل ہونا چاہیے تھا۔ زراعت اور انتظام اراضی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے موجودہ نظام حکومت کے تحت کوئی سیاسی جماعت خوراک کی پیداوار بڑھانے کے لئے کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کے قابل نہ ہو گی۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان میں سمگلر بڑے منظم طریقے سے غلے' ادویات اور دوسری ضروریات زندگی سرحد پار پہنچا رہے ہیں' اس بناء پر جو قلت پیدا ہوئی ہے اور قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے وہ عام لوگوں کی مصیبت کا باعث بن گیا ہے۔ غلے کی درآمد کی وجہ سے گذشتہ چند برس سے ہماری بیرونی زرمبادلہ کی کمائی پر مستقل اور شدید بار پڑ رہا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت نہایت ضروری ترقیاتی منصوبوں میں تخفیف کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔

ہمارے کچھ سیاست داں چند دنوں سے خونی انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض ہنگامہ پسند بیرونی ملکوں میں جا کر براہ راست ان سے اتحاد عمل کی پیشکش کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے' جسے کھلی بغاوت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

سیاسی جماعتوں کی ذہنیت اتنی پست ہو گئی ہے کہ مجھے اس بات کا کوئی بھروسا نہیں رہا کہ انتخابات ملک کے موجودہ داخلی انتشار کو سدھار سکتے ہیں یا ان کے ذریعے ایک ایسی مضبوط اور مستحکم حکومت بنائی جا سکتی ہے' جو ان بے شمار پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے جو ہمیں درپیش ہیں۔ آسمان سے نئے لوگ اتر کر نہ آئیں گے۔ وہی گروہ جس نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے' انتخابات کو محض اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرے گا۔ بلکہ یہ لوگ بڑے انتقامی جذبے کے ساتھ دوبارہ برسر اقتدار آئیں گے' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انتخاب ذاتی' علاقائی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر لڑا جائے گا۔ جب وہ انتخاب میں کامیاب ہو کر آئیں گے تو انہی طریقوں کو استعمال کریں گے جنہوں نے جمہوریت کو ایک ڈھونگ' ایک المناک تماشا بنا کر رکھ دیا ہے' اور جو دراصل ہر طرف پھیلی ہوئی حرماں زدگی کا باعث ہیں۔ بدلتی ہوئی وفاداریوں اور کرسیوں کے لئے مچی ہوئی افراتفری کے پیش نظر مجھے اس امر کا یقین ہے کہ انتظامیہ خواہ کتنی بھی کوشش کرے انتخابات آزادانہ اور منصفانہ نہ ہوں گے۔ انتخابات ہماری مشکلات کو حل نہ کریں گے' اس کے برعکس زیادہ بد دلی اور مشکلات پیدا کریں گے جو آخر ہمیں ایک خونریز انقلاب کی جانب لے جائیں گی۔ حال ہی میں کراچی کارپوریشن کے انتخابات ہوئے تھے۔ پورے حلقے سے صرف بیس فی صد ووٹ ڈالے گئے اور ان میں سے تقریباً پچاس فی صدی ووٹ جعلی تھے۔

ہم ایک یونٹ توڑنے اور پرائیویٹ رضا کار تنظیموں کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں سول نافرمانی کی دھمکیاں سن رہے ہیں۔ ان انتشار پسند رجحانات سے ان لوگوں کی حب الوطنی کی قلعی کھل جاتی ہے اور ظاہر ہو جاتی ہے کہ سیاست باز اور حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اپنے اپنے تنگ دلانہ مقاصد کے حصول کے لئے کس حد تک بڑھ سکتے ہیں۔

ہماری خارجہ پالیسی پر غیر ذمہ دارانہ اور بلا سوچے سمجھے نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ حب الوطنی کے نظریئے سے نہیں بلکہ محض ذاتی اغراض کے لئے اور دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں' لیکن سیاسی موقع پسند روس' متحدہ عرب جمہوریہ اور عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب کرنے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھارت کے خلاف بیشک وہ جنگ کے نعرے بلند کرتے ہیں' مگر یہ جانتے ہوئے کہ خود کہیں میدان جنگ کے آس پاس نہ ہوں گے۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی سیاسی جماعتیں خارجہ پالیسی کے ساتھ اس طرح کا مذاق نہیں کرتیں جیسے کہ پاکستان میں کیا جاتا رہا ہے۔ اس خلجان کو دور کرنے کے لئے میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ ہم اس خارجہ پالیسی پر عمل کریں گے جس کا ہمارا قومی مفاد اور جغرافیائی محل وقوع مطالبہ کرتا ہے۔ ہم اپنے تمام بین الاقوامی معاہدات پر کاربند رہیں گے جو بلاشبہ ہم نے پاکستان کی سلامتی کی خاطر کئے ہیں' وعلیٰ ہذا القیاس ایک امن پسند قوم کی حیثیت سے ہم اس آفات زدہ دنیا سے جنگ کا خطرہ دور کرنے کے لئے اپنے مقدور بھر کوشش کرتے رہے گے۔

گذشتہ تین برس سے میں جمہوری طریقوں سے دستور پر عمل درآمد کرانے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے یکے بعد دیگرے کئی مخلوط حکومتوں کے قیام کے لئے کوشش کی' اس توقع میں کہ شاید نظم و نسق میں استواری پیدا ہو سکے اور ملک کی حکومت اس طرح چلے کہ عوام کو فائدہ پہنچے۔ مجھے رسوا کرنے والوں نے بدنیتی سے ہمیشہ ان تبدیلیوں کو محلاتی سازشوں کا نام دیا۔ سارا الزام صدر کے سر تھوپنا ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ کسی خوش طبع نے چند روز ہوئے کہا: "اگر ملک میں بارش زیادہ ہو جائے تو یہ صدر کا قصور ہے اور اگر نہ ہو تو یہ بھی صدر کا قصور ہے۔" اگر معاملہ صرف میرا ہی ہوتا تو میں ان ملامتوں کو برابر نظر انداز کئے جاتا اور ان کی مطلق پروانہ کرتا' لیکن ان غداروں اور ملک دشمن عناصر کا مقصد صدر مملکت پر حملہ کر کے پاکستان اور حکومت کا وقار گرانا تھا۔ وہ بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں اور اگر اس صورتحال کو برقرار رہنے دیا جائے تو وہ اپنے اصل مقصد میں بالآخر کامیاب ہو جائیں گے۔

داخلی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عوام کی اکثریت کا اعتبار موجودہ طرز حکومت پر سے بالکل اٹھ گیا ہے اور وہ روز بروز اس کی بابت زیادہ ناامید ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کو جس طرح جبر و استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کی بناء پر ان پر جو اعتماد کیا تھا وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کر سکے۔

آئین جو اتنی دشواریوں کے بعد 23 مارچ سنہ 1956ء کو نافذ کیا گیا تھا ناقابل عمل ہے۔ اس میں مصالحتیں ہی مصالحتیں ملتی ہیں جو بڑی خطرناک ہیں اور اگر اس کی خرابیوں کو دور نہ کیا گیا تو جلد ہی داخلی طور پر پاکستان کی جمعیت بکھر کر رہ جائے گی۔ ان حالات کو درست کرنے کی غرض سے پر امن انقلاب کے ذریعے ملک کو ہوش مندی کی طرف لے جانے کی ضرورت ہے' اس کے بعد میرا ارادہ یہ ہے کہ بعض محب وطن افراد کو جمع کروں تاکہ وہ سیاسی شعبے میں ہمارے مسائل کا جائزہ لے کر ایک ایسا موزوں آئین مرتب کریں جو مسلم عوام کے مزاج کے مطابق ہو۔ جب یہ تیار ہو جائے گا تو اسے مناسب وقت پر عوام سے استصواب رائے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ آئین ایک مقدس چیز ہے۔ لیکن آئین اور ہر دوسری چیز سے زیادہ مقدس اور اس کے عوام کی خوش حالی اور بہبود ہے۔ سربراہ مملکت کی حیثیت سے خدا اور عوام کے روبرو میرا اولین فریضہ پاکستان کی سالمیت ہے۔ اسے غداروں اور سیاسی زمانہ سازوں کی بے دردی سے سخت خطرہ لاحق ہے' جن کی خود غرضی' ہوس اقتدار اور غیر محب وطن رویئے کو روکنا موجودہ نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومت سے ممکن نہیں۔ نہ میں ملک کو تباہ کرنے کی کوششوں کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا گوارا کر سکتا ہوں۔ میں بڑے گہرے تفکر اور اضطراب کے بعد اس افسوسناک نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر میں نے پاکستان کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے ایسے اقدام نہ کئے جو موجودہ حالات میں ناگزیر ہیں' تو میں اپنے فرض سے کوتاہی کروں گا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ:۔

(الف) 23 مارچ سنہ 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا جائے۔

(ب) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو فوری طور پر برطرف کیا جائے۔

(ج) قومی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے۔

(د) تمام سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیا جائے۔

(و) جب تک متبادل انتظامات نہ ہوں پاکستان میں مارشل لاء نافذ رہے گا۔ میں جنرل محمد ایوب خاں' کمانڈر انچیف پاکستان آرمی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کرتا ہوں اور پاکستان کی تمام افواج کو ان کی کمان میں دیتا ہوں۔

پاکستان کی بہادر افواج سے مجھے یہ کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت سے میرا ان سے گہرا ربط رہا ہے' جس کے باعث میں ان کی وفاداری اور جذبہ حب الوطنی کا معترف اور مداح ہوں۔ میں ان پر بڑا بار ڈال رہا ہوں۔ مجھے اس کا احساس ہے لیکن افواج کے افسرو اور جوانو! تمہاری خدمت پر اس بات کا دارومدار ہے کہ پاکستان بحیثیت ایک آزاد قوم کے برقرار رہے اور آزاد دنیا کے اس علاقے میں ایک مضبوط قلعے کی حیثیت سے قائم رہے۔ بلا خوف و خطر اور بلا رورعایت اپنا فرض ادا کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

پاکستانی عوام سے میں ایک بھائی اور ہم وطن کی حیثیت سے مخاطب ہوں۔ موجودہ اقدام بڑے افسوس کے ساتھ کیا جا رہا ہے' لیکن یہ مجھے ملک کے مفاد اور عوام کی خاطر کرنا پڑا' ایسے عوام جن سے بہتر انسانوں کا تصور محال ہے۔ محب وطن اور قانون پسند لوگوں سے میں یہ کہوں گا کہ آپ آئندہ زیادہ آزاد اور خوش حال ہوں گے۔ سیاسی موقع پرستوں' سمگلروں' چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے برا وقت ہو گا اور ان کی سرگرمیوں کو سختی سے دبا دیا جائے گا۔ جہاں تک غداروں کا تعلق ہے' بہتر ہو گا کہ موقع پائیں تو ملک سے بھاگ جائیں۔

ایوب خان کا اعلان

حکومت پاکستان کا اعلان نمبر 1977ء / 58 مورخہ 7 اکتوبر 1958ء غیر معمولی گزٹ مجریہ 15 اکتوبر 1958ء

(1) ہر گاہ کہ میں قومی تقاضوں کے پیش نظر یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی بین الاقوامی سرحدات کے اندر اختیارات حکومت سنبھال لوں' لہٰذا میں افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر کی حیثیت میں حسب ذیل اعلان کرتا ہوں :

(2) مارشل لاء کے ضوابط اور احکام حسب سہولت شائع کئے جائیں گے۔ جو شخص ان ضوابط یا احکام کے خلاف ورزی کرے گا وہ مارشل لاء کے تحت اس سزا کا مستحق ہو گا جو ان ضوابط میں مذکور ہے۔

(3) ان ضوابط میں عام قوانین کے تحت کئے جانے والے جرموں کے لئے بھی خاص سزائیں مقرر کی جا سکتی ہیں۔

(4) ان ضوابط کے تحت ان ضوابط اور احکام کی خلاف ورزی کرنیوالوں نیز عام قوانین کے تحت کئے جانے والے جرموں پر مقدمہ چلانے اور سزا دینے کے لئے خاص عدالتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

محمد ایوب خاں۔ ایچ۔ پی' ایچ۔ جے' جنرل' سپریم کمانڈر و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان۔

پاکستان کے دفاعی معاہدے

جیسا کہ اسی کتاب کے حصے "پاکستان کی خارجہ پالیسی" میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ پاکستان نے شروع سے ہی مغربی طاقتوں سے بہتر تعلقات بنانے کی پالیسی اپنائی۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن چونکہ پاکستان ایک ایسے خطے میں واقع تھا جو متذکرہ مغربی ممالک کیلئے زیادہ اہمیت کا حامل نہ تھا۔ اور اگر تھا بھی تو پاکستان کی بجائے دوسرے ممالک۔ مثلاً ہندوستان وغیرہ چنانچہ شروع میں پاکستان اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود مغربی ممالک اور خاص طور پر امریکہ کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

1950ء کے عشرے میں عالمی سیاست میں سرد جنگ کا ماحول عروج کو پہنچا اور دونوں بلاکوں نے ایک دوسرے کے خلاف معاشی و فوجی معاہدے شروع کئے۔ اور تیسری دنیا کے ممالک کو ساتھ ملایا۔ 1953ء میں امریکہ نے اسی پالیسی کے تحت "شمالی گھیرے" کی پالیسی شروع کی جس کا مقصد شمال کی جانب سے مبینہ کیمونزم کو روکنا تھا۔ چنانچہ اس پالیسی کے تحت امریکہ کیلئے پاکستان بھی اہمیت اختیار کر گیا۔ اس پالیسی کے تحت امریکہ نے مشرق وسطیٰ، جنوبی ایشیاء اور باسفواس بحیرہ کے ممالک سے معاہدوں پر زور دیا۔ اور ان اتحادی ممالک کے آپس میں بھی معاہدے کروائے۔ جو کہ ان ممالک نے اپنے علاقائی حالات و تعلقات کی بجائے امریکہ کے اتحادی ہونے کی بنا پر کئے۔ معاہدوں کی اس زنجیر کے تین اہم معاہدوں میں پاکستان شامل ہوا۔ جن میں سیٹو (CETO) معاہدۂ بغداد اور امریکہ سے باہمی دفاعی تعاون کا معاہدہ شامل ہیں۔ یہاں پر قطع نظر اس بات کے یہ معاہدے پاکستان کے نقطہ نظر سے فائدہ مند تھے یا نقصان دہ، ان معاہدوں کا تھوڑا سا پس منظر، ان کے اصل سودات اور ان معاہدوں کی نوعیت وغیرہ مختصراً زیر بحث ہے۔ مثلاً جب فوجی معاہدہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ تو وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین نے اس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ امریکہ نے پاکستان کی غذائی امداد بند کر دی۔ اور جلد بعد ناظم الدین کی حکومت ختم کر دی گئی۔ اور امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمد علی بوگرا کو ملک کا نیا وزیراعظم بنا دیا گیا۔ انہوں نے آتے ہی معاہدوں میں شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اور امریکہ نے پاکستان کی امداد بھی بحال کر دی۔ معاہدۂ بغداد میں شامل ممالک نے اپنی افواج میں معاہدے کے موضوع کے تحت بے پناہ اضافہ کیا۔ اور ان افواج کے رکھ رکھاؤ اور ساز و سامان کے لئے مغربی ملکوں اور امریکہ پر انحصار کیا۔ معاہدۂ بغداد کے تینوں علاقائی ممالک ایران، ترکی اور پاکستان نے اپنے علاقوں میں سوویت سرحدوں کے قریب امریکہ کو فوجی اڈوں کی سہولتیں مہیا کیں۔

معاہدۂ بغداد کے اراکین نے "اشتراکی حملے" سے بچاؤ کیلئے ایک فوجی کمیٹی قائم کی۔ جس میں رکن ممالک کے کمانڈر انچیف شامل تھے۔ بعد میں امریکہ بھی اس کمیٹی کا رکن بن گیا۔ امریکہ معاہدین کا مالی سرپرست بھی تھا۔

معاہدہ کے اراکین نے داخلی مخالفت سے بچاؤ کی کمیٹی بھی قائم کی۔ جس کا مقصد اندرونی اور بیرونی طور پر معاہدہ کے حق میں موجود بدستور حالت (Status quo) کی مخالفت کو دبانا تھا۔ امریکہ اس کمیٹی کا بھی رکن تھا۔

جب سویز کا بحران کھڑا ہوا۔ اور برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا۔ تو پاکستان نے مغربی طاقتوں کا ان معاہدوں کے ذریعے اتحادی ہونے کی بناء پر اس حملے کی حمایت کی۔ اس سلسلے میں مبینہ طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ تہران میں سینٹو ممالک کی کانفرنس میں امریکی سفیر متعینہ پاکستان ہلڈ رتھ اور برطانوی خفیہ سروس کے اراکین نے وزیراعظم پاکستان سہروردی کو جوتوں سے پیٹا اور زبردستی اس حملے کی حمایت پر مجبور کیا۔ دوسری طرف معاہدۂ بغداد کے رکن عراق میں موجودہ برطانیہ کے فوجی اڈے مصر پر حملے کے لئے استعمال کئے گئے۔

مذکورہ بالا بحث سے معاہدوں کے پس منظر، نوعیت وغیرہ کو سامنے لانا تھا۔ معاہدوں کی حقیقت کو تفصیلاً سمجھنے کیلئے ذیل میں معاہدوں کے اصل مسودات دیئے جا رہے ہیں۔

(1) پاکستان اور ترکی کے درمیان دوستانہ تعاون کا معاہدہ

پاکستان اور ترکی

اقوام متحدہ کے منشور کے اصول و مقاصد پر اپنے اعتماد کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور عزم کرتے ہیں کہ وہ ان اصول و مقاصد کے نفاذ اور حصول کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

وہ اپنی پرخلوص دوستی کے پس منظر میں وسیع باہمی تعاون کے فوائد کو ترقی دینے (Promoting) کے خواہاں ہیں۔

وہ اپنے عوام کی سالمیت خوشحالی کیلئے باہمی تعاون اور مشاورت کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تعاون تمام امن پسند اقوام اور خاص طور پر (معاہدے کے) فریقین کے علاقائی ہمسایوں کے مفاد میں ہو گا۔ اور امن و سلامتی کے یکجا حصول میں مددگار ہو گا۔

چنانچہ اس سب کے نتیجے میں وہ دوستانہ تعاون کے اس سمجھوتے (Agreement) پر پہنچے ہیں۔ اور اس سمجھوتے کو طے کرنے کیلئے اپنے

مندرجہ خود مختار نمائندے مقرر کرتے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے محمد ظفر اللہ خان، خارجہ اور دولت مشترکہ کے امور کے وزیر۔

ترکی کی طرف سے صلاحسن رفعت آربل سفیر ترکی

یہ نمائندے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مندرجہ ذیل مثبت نتائج پر پہنچے ہیں۔

آرٹیکل 1

فریقین ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف کسی کارروائی یا اتحاد میں شمولیت سے باز رہنے کا عزم کرتے ہیں۔

آرٹیکل 2

فریقین باہمی مفاد کے بین الاقوامی معاملات پر مشاورت رکھیں گے وہ بین الاقوامی تقاضوں اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ باہمی تعاون کریں گے۔

آرٹیکل 3

فریقین باہمی تعاون کو بڑھانے کی خاطر، ثقافتی تعاون کے سلسلے میں پہلے سے موجود معاہدے کا ارتقاء جاری رکھیں گے۔ اور معاشی و تیکنیکی تعاون کیلئے اگر ضروری ہوا تو مزید معاہدے کر سکتے ہیں (کریں گے)

آرٹیکل 4

معاہدین دفاعی میدان میں تعان اور مشاورت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نقاط کو مدنظر رکھیں گے۔

(الف) ایک دوسرے کے تیکنیکی تجربے اور ترقی سے فائدہ اٹھانے کے لئے معلومات کا تبادلہ

(ب) ایک دوسرے کی ہتھیاروں اور گولہ بارود کی پیداواری ضروریات پوری کرنے کیلئے ہر ممکن سعی کرنا۔

(ج) باہمی راستوں کے تعین اور تعاون میں توسیع کیلئے اقوام متحدہ کے چارٹر کی طرف سے بلا اشتعال حملے کی صورت میں تعاون کا حق دیتی ہے۔

آرٹیکل 5

فریقین واضح کرتے ہیں کہ ان کے دوسرے بین الاقوامی معاہدات یا کسی تیسری ریاست سے تعلقات اس معاہدے کی دفعات سے متصادم نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اس معاہدے کی ایسی تشریح کی جا سکتی ہے۔ فریقین عزم کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسے بین الاقوامی معاہدے میں شریک نہیں ہوں گے جو اس معاہدے سے متصادم ہو۔

آرٹیکل 6

اگر موجود فریقین معاہدہ کسی ریاست کو معاہدے کے مقاصد کے حصول کی (کیلئے) خاطر مفید خیال کریں۔ تو وہ ریاست موجود فریقین کی طرح معاہدے کی شرائط و ضوابط کے تحت معاہدہ کی رکن بن سکتی ہے۔ ایسی کسی ریاست کی طرف سے رکنیت کی دستاویز پاکستان اور ترکی کی حکومتوں کو ملنے کے بعد اس ریاست کی رکنیت قانون موثر ہو جائے گی۔

آرٹیکل 7

یہ معاہدہ جس کا انگریزی مسودہ مستند ہے۔ فریقین کی طرف سے اپنے متعلقہ آئینی طریقہ کار کے مطابق اس مسودے کی توثیق کی جائے گی۔ اور یہ معاہدہ انقرہ میں باہمی توثیق کی دستاویزات کے تبادلے کے دن سے نافذ العمل ہو گا۔

اس معاہدے کی پانچ سالہ مدت (جو اس معاہدے کے عمل پیرا ہونے کے دن سے شمار کی جائے گی) ختم ہونے سے ایک سال بیشتر اگر معاہدین میں سے کوئی بھی معاہدے سے اختلاف کا نوٹس نہیں دیتا۔۔ تو معاہدہ خود بخود اگلے پانچ سال کیلئے نافذ العمل ہو گا۔ اور طریقہ کار بعد میں آنیوالے ہر نئے دورانئے کے بارے میں ہو گا۔

متذکرہ بالا خود مختار نمائندوں کی جانب سے اس معاہدے کی توثیق کی جاتی ہے۔ 2 اپریل 1954ء کو کراچی میں دو مسودات (نقول) پر معادہ ہوا۔

پاکستانی نمائندہ نمائندہ ترکی
ظفراللہ خان ایس۔ آر۔ آربل
دولت مشترکہ اور خارجہ امور کے وزیر سفارت کار ترکی

(2) پاکستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومتوں کے مابین باہمی دفاعی تعاون کا معاہدہ

حکومت پاکستان اور حکومت ریاست ہائے متحدہ امریکہ

منشور اقوام متحدہ کے لائحہ عمل کے مطابق بین الاقوامی امن و سالمیت کے قیام اور ارتقاء کی خواہاں ہیں۔ ایسے اقدامات کے ذریعے جو ان اصول و مقاصد کو حاصل کرنے کی خواہاں ریاستوں کی صلاحیتوں میں اضافہ کریں۔ تاکہ وہ متذکرہ اصول و مقاصد حاصل کرنے کے سلسلے میں انفرادی اور اجتماعی دفاع کو مضبوط کرنے کے اقدامات میں موثر طور پر

شریک ہو سکیں۔

منشور اقوام متحدہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے۔ قوام متحدہ کو مسلح افواج مہیا کرنے کی کوششوں میں تعاون' اور اس کے اجتماعی تحفظ کے اقدامات میں شریک ہونے کے عزم کا اعادہ کرتی ہیں۔ اور خلاف ورزی اور مزاحمت نہ کرنے کی ضمانت کے تحت ہتھیاروں پر نگرانی اور تخفیف اسلحہ کا بین الاقوامی معاہدہ حاصل کرنے میں تعاون کا عزم کرتی ہیں۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے معاہدہ باہمی دفاعی تعاون 1949ء اور معاہدہ مشترکہ تحفظ (دفاع 1951ء کے قیام (کی منظوری) سے متذکرہ اصولوں کیلئے جو حمایت حاصل کی ہے۔ دونوں حکومتیں اس پر اطمینان کا اظہار کرتی ہیں۔ اور ایسے حالات پیدا کرنے کی خواہاں ہیں جو متذکرہ بالا حمایت بڑھانے میں معاون ثابت ہوں۔

دونوں حکومتیں مندرجہ ذیل نقاط پر متفق ہیں۔

آرٹیکل 1

(1) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت طے پانے والے سمجھوتے اور شرائط کے مطابق حکومت پاکستان کو ساز و سامان' انفرادی خدمات' اور دوسری امداد دے گی۔ اس امداد کی فراہمی و استعمال اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق ہو گا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی طرف سے جو امداد اس سمجھوتے کے تحت دی جائے گی۔ وہ معاہدہ باہمی دفاعی تعاون 1949ء اور معاہدہ مشترکہ دفاع 1951ء کی شرائط' معیاد اور امداد کی بندش کی دفعات کے تابع ہو گی۔ ان معاہدات میں کوئی تبدیلی و اضافہ ہو گا۔ تو یہ امداد اس کے مطابق یا پھر دوسری قابل عمل قانونی دفعات کے تحت ہو گی۔ دونوں حکومتیں اس پیراگراف کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے وقتاً" فوقتاً" تفصیلا مذاکرات کرتی رہیں گی۔

(2) حکومت پاکستان اس امداد کو کلا (Exclusively) اپنی اندرونی سالمیت' جائز دفاع' علاقے کے دفاع میں شرکت کرنے یا اقوام متحدہ کے اجتماعی تحفظ کے انتظامات و اقدامات میں استعمال کرنے کی مجاز ہے۔ (بیان کردہ صورتحال کے علاوہ) پاکستان اس امداد کو کسی دوسری قوم کے خلاف جارحیت کیلئے استعمال نہیں کرے گا۔ (یا کرنے کا مجاز نہیں) اور حکومت پاکستان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی منظوری کے بغیر اس امداد کو اس کے جاری ہونے کے مقاصد کے علاوہ دوسرے مقاصد کیلئے استعمال نہیں کرے گی۔

(3) معاہدہ کی تکمیل کی خاطر ساز و سامان مہیا کرنے کے انتظامات کئے جائیں گے۔ اور ضرورت سے زائد اور

(4) حکومت پاکستان امریکی حکومت کی منظوری کے بغیر کسی حکومت' اس کے افسر یا کسی فرد کو اس معاہدہ کے تحت دیا گیا ساز و سامان' جائیداد معلومات یا خدمات پیش اور فراہم نہیں کرے گی۔

(5) حکومت پاکستان دونوں حکومتوں کے درمیان طے پانے والی شرائط کے مطابق مناسب اقدامات کرے گی تاکہ اس معاہدے کے مقاصد پورے کرنے کیلئے ملنے والے مختلف فوجی ہتھیاروں' خدمات اور معلومات کے افشاء Compromise کو روکا جا سکے۔

(6) دونوں حکومتیں دفاعی سلامتی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس معاہدے کے تحت ہونیوالی کارروائیوں سے عوام الناس کو آگاہ رکھنے کیلئے مناسب اقدامات کریں گی۔

(7) دونوں حکومتیں ایسا لائحہ عمل بنائیں گی۔ جب کہ حکومت پاکستان اس بات کی یقین دہانی کرائے گی اور ذمہ داری لے گی کہ حکومت امریکہ کی طرف سے کسی بھی امدادی پروگرام کے تحت دیئے جانے والے فنڈز پر باہمی طے شدہ امور کے علاوہ کوئی دوسرا قانون قابل عمل نہیں ہو گا۔ اور نہ ہی کسی فرد' فرم' ایجنسی' کارپوریشن تنظیم یا حکومت کی طرف سے ان پر قبضہ کرنے اور ان فنڈز کو ذخیرہ کرنے کی کارروائی ہو گی۔

آرٹیکل 2

دونوں حکومتیں' کسی ایک فریق کی درخواست پر' منضبط حقوق کے باہمی تبادلے سے متعلقہ امور پر' اور اس تبادلے کیلئے استعمال ہونیوالی تکنیکی دفاعی معلومات کے سلسلے میں مناسب انتظامات کیلئے مذاکرات کریں گی۔ لیکن ساتھ ہی انفرادی مفادات اور سلامتی کے تحفظات کو مدنظر رکھیں گی۔

آرٹیکل 3

(1) حکومت پاکستان معاہدے کی تکمیل کے سلسلے میں امریکی حکومت کے عملی و انتظامی اقدامات کے اخراجات امریکی حکومت کو ادا کرے گی۔

(حکومت پاکستان معاہدے کی تکمیل کے سلسلے میں عملی و انتظامی اقدامات پر خرچ کرنے کیلئے رقوم امریکی حکومت کو فراہم کرے گی) دونوں حکومتیں اس رقم کی مقدار مقرر کرنے اور پاکستان کی طرف سے اس کی فراہمی کے انتظامات کے سلسلے میں مذاکرات کریں گی۔

(2) حکومت پاکستان طے پا جانی والی شرائط کے علاوہ' اس معاہدے کے تحت یا امریکی حکومت کے کسی اور حکومت سے اسی قسم کے معاہدے کے تحت درآمد یا برآمد کئے جانے والے ساز و سامان' جائیداد (Property) ہتھیاروں یا کسی بھی دوسری چیز پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کرے گی۔

(3) ٹیکسوں سے یہ استثناء ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا اس کی خاطر کسی دوسرے کی طرف سے باہمی دفاعی کوششوں کے سلسلے میں ہونیوالے

تمام اخراجات کیلئے ہو گا۔ اس سلسلے میں حکومت پاکستان مناسب اقدامات و یقین دہانی کروائے گی کہ یہ اخراجات تمام ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہیں۔

آرٹیکل 4

(1) حکومت پاکستان، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جانب سے بھیجے جانیوالے افراد اور ملازمین قبول کرے گی جو کہ اس معاہدے کے سلسلے میں حکومت امریکہ کے فرائض و ذمہ داریاں ادا کریں گے۔ اور ان افراد کو معاہدے کے مقاصد حاصل کرنے کی خاطر دی گئی امداد کے استعمال کا مشاہدہ کرنے اور جائزہ لینے کی خاطر تمام ضروری سہولتیں اور اختیارات دیئے جائیں گے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے یہ باشندے اور عارضی طور پر بھرتی کئے جانے والے ملازمین پاکستان میں امریکہ کے سفارت کاروں کی حیثیت کے حامل ہوں گے۔ جو کہ سفارتی مشن کے سربراہ کے کنٹرول اور ماتحتی میں ہوں گے۔ ان امریکی باشندوں اور ملازمین کو ریاست کے سفارت کاروں جیسی سہولتیں اور مستثنیات حاصل ہوں گی۔ امریکی حکومت کی طرف سے کسی برمحل نوٹیفیکیشن کی صورت، حکومت پاکستان اس آرٹیکل کے تحت بھیجے جانیوالے سینئر فوجی ارکان، آرمی چیف، بری اور ہوائی فوجوں کے سربراہوں اور ان کے نائبین کو مکمل سفارتی درجہ عطا کرے گی۔

(2) حکومت پاکستان ان افراد کے ذاتی ساز و سامان کو، جو کہ ان کے ذاتی یا خاندانی استعمال کیلئے ہو۔ درآمدی اور برآمدی ٹیکسوں سے چھوٹ دے گی۔ اور ان کے ساز و سامان کی درآمد و برآمد کو آسان بنانے اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کیلئے حکومت پاکستان موزوں انتظامی اقدامات کرے گی۔

آرٹیکل 5

حکومت پاکستان پابند ہو گی۔

(الف) بین الاقوامی مفاہمت، بہتری اور قیام امن کی کوششوں میں شمولیت کی (کرے گی)

(ب) بین الاقوامی کشیدگی کی وجوہات ختم کرنے کیلئے اس معاہدے کے تحت باہمی رضامندی سے کئے جانیوالے اقدامات پر عمل کرنے کی۔ (کرے گی)

(ج) اپنے سیاسی معاشی استحکام میں ہم آہنگی (مطابقت) پیدا کرنے کی۔ اپنی ذاتی اور آزاد دنیا کی دفاعی صلاحیت کی نشوونما اور بہتری کیلئے اپنی تمام، افرادی قوت ذرائع اور معاشی و سماجی قوتوں کو استعمال کرنے کی۔ (کرے گی)

(د) اپنی دفاعی صلاحیتوں کو بڑھانے کیلئے تمام موزوں اقدامات کرے گی۔

(ر) ریاست ہائے متحدہ کی طرف سے دی جانے والی معاشی و فوجی امداد کے موثر استعمال کی خاطر مناسب اقدامات کرے گی۔

(2) (الف) حکومت پاکستان، منشور اقوام متحدہ کے مطابق، امریکہ اور اس معاہدے پر متفق ہونیوالی دوسری ریاستوں کے ذاتی اور اجتماعی دفاع کو مضبوط بنانے اور اقوام متحدہ کے اجتماعی تحفظ کے نظام میں ان کی شمولیت کو موثر بنانے کیلئے اقدامات (کوشش کرے گی) (Furnish) کرے گی۔

(ب) امداد باہمی کے اصول کے تحت، حکومت پاکستان امریکی حکومت کو طے ہونے والے وقت، مقدار اور شرائط کے مطابق ایسا خام اور نیم تیار شدہ اشیاء کی پیداوار (فراہمی) اور امریکہ منتقلی کی سہولیات بہم پہنچائے گی جو امریکہ میں نہ پائے جاتے ہوں۔ یا وہاں پر جن کی پیداوار اچھی نہ ہو۔ جبکہ وہ پاکستان میں وجود ہوں۔

اس منتقلی کے اقدامات کے سلسلے میں پاکستان کی ملکی اور برآمدی تجارت کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے گا۔

آرٹیکل 6

باہمی دفاعی مفادات کے پیش نظر، حکومت پاکستان بین الاقوامی امن کی مخالف اقوام سے تجارت کو کنٹرول کرنے کے لئے امریکی حکومت کے اقدامات میں تعاون کرے گی۔

آرٹیکل 7

(1) یہ معاہدہ توثیق (دستخط) ہونے کی تاریخ سے نافذ العمل ہو گا۔ (اور) جبکہ کسی ایک فریق کی طرف سے معاہدہ ختم کرنے کا تحریری نوٹس دینے کے ایک سال بعد تک نافذ العمل رہے گا۔ مزید برآں آرٹیکل کے ایک پیراگراف 2، 4، 3، 5، اور 7 کے تحت کئے جانیوالے اقدامات اور آرٹیکل 2 دونوں حکومتوں کی رضامندی ختم نہ ہونے تک جاری رہیں گے۔

(2) دونوں حکومتیں کسی ایک فریق کی درخواست پر معاہدے کے نفاذ اور اس میں ترمیم کیلئے مشاورت کریں گی۔

(3) یہ معاہدہ اقوام متحدہ کے سیکریٹریٹ میں رجسٹرڈ ہو گا۔

19 مئی 1954ء کو کراچی میں دو مسودات پر معاہدہ ہوا۔

نمائندہ حکومت پاکستان نمائندہ حکومت امریکہ
ظفراللہ خان جان۔ کے۔ ایمرسن
دولت مشترکہ اور خارجہ ریاست ہائے امریکہ کے
امور کے وزیر شارجے۔ ڈی' افیئرز۔

(3) عراق اور ترکی کے درمیان باہمی تعاون کا معاہدہ

ہرگاہ کہ عراق اور ترکی کے درمیان موجود برادرانہ اور دوستانہ تعلقات مسلسل بہتری کی جانب گامزن ہیں۔ اور اس سلسلہ میں 29 مارچ 1946ء کو شاہ عراق اور ترک جمہوریہ کے صدر کے درمیان دوستی اور اچھی ہمسائیگی کے مقاصد کی تکمیل کیلئے معاہدہ کیا گیا۔ جس میں تسلیم کیا گیا کہ دونوں ممالک کے درمیان امن اور سلامتی بین الاقوامی امن و سلامتی اور خاص طور پر مشرق وسطیٰ کی امن و سلامتی کا لازمی جزو ہے۔ اور یہی چیز ان دونوں کی خارجہ حکمت عملی کی بنیاد ہے۔

عرب لیگ کے ممالک کا مشترکہ دفاع اور معاشی تعاون کا معاہدہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کی کوئی دفعہ اقوام متحدہ کی طرف سے معاہدین پر عائد ہونے والے حقوق و فرائض کو متاثر نہیں کرتی۔ اور نہ ہی اس کی کسی دفعہ سے ایسا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اور مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے رکن ہونے کی حیثیت میں اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہیں۔ جو کہ اقوام متحدہ کے منشور کے آرٹیکل 51 کی مطابقت میں اقدامات کرنے سے متعلق ہیں۔

دونوں ممالک میں مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ایک معاہدے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اور اس مقصد کیلئے اپنے خود مختار نمائندے مقرر کرتے ہین جو ذیل ہیں

عزت ماب جناب شاہ فیصل دوئم۔ شہنشاہ عراق۔
جناب الدفارک نوری السعید' وزیراعظم
جناب برہان الدین باشادیان' قائم مقام وزیر امور خارجہ
عزت ماب جناب جلال باثیار' صدر جمہوریہ ترکی
جناب عدنان مینڈرس' وزیراعظم
جناب پروفیسر فوعاد کپرولو' وزیر خارجہ

(یہ نمائندے) جو کہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مندرجہ ذیل پر متفق ہوئے ہیں۔

آرٹیکل 1

منشور اقوام متحدہ کے آرٹیکل 51 کے مطابق دونوں ممالک باہمی دفاع و سلامتی میں تعاون کریں گے اس تعاون کو موثر بنانے کیلئے اقدامات کرنے کی خاطر دونوں فریقین خصوصی انتظامات کریں۔

آرٹیکل 2

آرٹیکل ایک میں بیان کردہ باہمی تعاون کے موثر نفاذ کو یقینی بنانے کیلئے۔ اقدامات کرنے کی خاطر معاہدے کے نفاذ کے فوری بعد فریقین کی طرف سے مجاز حکام مقرر کئے جائیں گے ان مجاز حکام کے تجویز کردہ اقدامات دونوں حکومتوں کی منظوری کے بعد نافذ العمل ہوں گے۔

آرٹیکل 3

دونوں فریقین ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہنے کا عزم کرتے ہیں۔ فریقین اپنے تمام جھگڑوں کو پرامن طریقے سے اقوام متحدہ کے منشور کی روشنی میں طے کریں گے۔

آرٹیکل 4

دونوں ممالک یہ بات واضح کرتے ہیں کہ یہ معاہدہ اپنے موضوع کے اعتبار سے دونوں ممالک کے دوسری ریاستوں سے معاہدات تعلقات کے سلسلہ میں بین الاقوامی فرائض پابندیوں سے متصادم نہیں ہے۔ وہ اس سلسلے میں بین الاقوامی فرائض کی تردید یا تضحیک کے مرتکب نہیں ہو رہے۔ اور نہ ہی اس سے ایسا مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ دونوں ممالک اس معاہدے کے منافی کسی بین الاقوامی عمل میں شریک نہ ہونے کا عزم کرتے ہیں۔

آرٹیکل 5

عرب لیگ کی کوئی بھی ریاست یا ایسی کوئی دوسری ریاست جو اس علاقے کے امن و سلامتی کیلئے اہمیت رکھتی ہو' دونوں موجودہ فریقین کی رضامندی سے اس معاہدے کی رکن بن سکتی ہے۔ یہ شمولیت اس وقت سے نافذ العمل ہو گی جب متعلقہ ریاست کی طرف سے رکنیت کا مسودہ (دستاویز) عراق کی امور خارجہ کی وزارت کو جمع کرایا جائے گا۔

نئی شمولیت رکنیت والی ریاست اس مسودہ معاہدے کے آرٹیکل ایک کے مطابق موجودہ معاہدے کی رکن کسی ایک ریاست یا ریاستوں سے تعلقات کے لئے خصوصی اقدامات کر سکتی ہے۔ (تجویز) کر سکتے ہیں یہ اقدامات متعلقہ فریقین کی حکومتوں سے منظوری کے بعد نافذ العمل ہوں گے

آرٹیکل 6

جب کم سے کم چار ممالک اس معاہدے کے رکن بن جائیں گے تو اس معاہدے کے مقاصد اور لائحہ عمل کے مطابق عمل کرنے کیلئے وزارتی سطح پر ایک مستقل کونسل قائم کی جائے گی۔

یہ کونسل اپنی کارروائی کے اصول خود مرتب کرے گی۔

آرٹیکل 7

۔ معاہدہ پانچ سال کی مدت کیلئے قابل عمل ہے۔ جبکہ (اس میں) مزید پانچ سال کی توسیع کی جا سکتی ہے۔ کوئی بھی فریق بیان کردہ مدت کے ختم ہونے سے 6 ماہ قبل معاہدے کو چھوڑنے کی درخواست دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔ اس صورت میں دوسرے فریقین کیلئے معاہدہ کی افادیت قائم رہے گی۔ (یا دوسرے کیلئے معاہدہ قابل عمل رہے گا)

آرٹیکل 8

رکن ممالک کی طرف سے اس معاہدے کی توثیق کی جائے گی اور جتنی جلد ممکن ہوا۔ توثیق کا انقرہ میں باہم تبادلہ کیا جائے گا۔ اس توثیق کے بعد معاہدہ نافذ العمل ہو جائے گا۔

فریقین نے تصدیق کے طور پر معاہدہ کے عربی، ترکی اور انگریزی مسودات پر دستخط کئے ہیں۔ تینوں مسودات مستند حیثیت رکھتے ہیں کسی معاملے میں شکوک پیدا ہونے کی صورت میں انگریزی مسودہ مستند خیال کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ ثمنی دستاویزات پر 2 رجب 1374 ہجری بمطابق 24 فروری 1955ء کو بغداد میں طے پایا۔

نمائندگان شہنشاہ عراق صدر جمہوریہ ترکی کے نمائندگان
نوری السعید فوعاد کیرولو
برہان الدین باشایان عدنان مینڈرس
بغداد 24 فروری 1955

عزت ماب

میں یقین رکھتا ہوں کہ آج کے دن کیا گیا یہ معاہدہ ہمارے دونوں ممالک کو کسی بیرونی جارحیت کے خلاف باہمی تعاون کے قابل بنائے گا۔ اور یہ کہ ہم مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی خاطر، فلسطین کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی قرار دادوں کو موثر بنانے کیلئے آپس میں تعاون کریں گے۔

جناب عالی میری اس یقین دہانی کو قبول فرمائیں

عزت ماب عدنان مینڈرس
وزیراعظم ترکی

نوری السعید
بغداد 24 فروری 1955

عزت ماب

مجھے آپ کا آج کی تاریخ کا خط موصول کرنے کا شرف حاصل ہوا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

(اس کے بعد خط نقل کیا گیا)

میں (متذکرہ) بیان کئے گئے خط کے موضوع سے متفق ہوں۔

جناب عالی میری اس یقین دہانی کو قبول فرمائیں۔

عزت ماب نوری السعید
وزیراعظم عراق

عدنان مینڈرس

عراق اور ترکی کے درمیان 24 فروری 1955ء کو کئے گئے معاہدہ باہمی تعاون میں پاکستان کی شمولیت کی دستاویز

(ہرگاہ) کہ 24 فروری 1955ء کو عراق میں ترکی اور عراق کے درمیان ان کے خود مختار نمائندوں عزت ماب شہنشاہ عراق اور ترک جمہوریہ کے صدر کی طرف سے باہمی تعاون کا معاہدہ کیا گیا۔

اس معاہدے کا مقصد منشور اقوام کے آرٹیکل 51 کے مطابق دونوں ممالک کے دفاع و سلامتی کی بہتری کیلئے موثر باہمی تعاون ہے۔ چونکہ اس سے قبل 2 اپریل 1954ء کو ترکی اور پاکستان کے درمیان باہمی دفاع اور خوشحالی کی خاطر زندگی کے ہر شعبے مین تعاون کیلئے دوستانہ تعاون کا معاہدہ کیا گیا۔ اور

پاکستان کی حکومت عراق اور ترکی کے درمیان باہمی تعاون کے اس معاہدے کو مد نظر رکھتے ہوئے خیال کرتی ہے کہ معاہدے کے آرٹیکل پانچ کے مطابق پاکستان کی معاہدے میں شمولیت پاکستان اور دوسرے رکن ممالک کے دفاع و سلامتی کو مزید مضبوط کرے گی۔

چنانچہ اب میں محمد علی وزیراعظم پاکستان اور وزیر امور خارجہ دولت مشترکہ اس دستاویز کے ذریعے واضح کرتا ہوں کہ پاکستان اس معاہدے کا رکن بننا چاہتا ہے۔ یہ عزم اور وعدہ کرتے ہوئے کہ ہم اس معاہدے کی تمام شرائط اور دفعات پر عمل کریں گے۔ اور میں یہ بھی واضح کر دوں کہ یہ دستاویز معاہدے کے آرٹیکل 5 کے مطابق عراقی امور خرجہ کی وزارت کو جمع کرائی جا رہی ہے۔

میں اس مسودہ پر تصدیقی دستخط اور مہر ثبت کرتا ہوں۔

7 ستمبر 1955ء کو کراچی میں طے پایا۔

(وزارت کی مہر)

محمد علی
وزیراعظم پاکستان
اور وزیر امور خارجہ و دولت مشترکہ

(4) تنظیم معاہدہ جنوب مشرقی ایشیاء (معاہدہ کا متن)

اس معاہدے کے ارکان تمام فریقین نے اقتدار اعلیٰ کی مساوات کو

برابری کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم سب منشور اقوام متحدہ کے اغراض و مقاصد پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ اور تمام اقوام اور حکومتوں کے ساتھ امن سے رہنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے منشور پر اپنے یقین کا اعادہ کرتے ہوئے۔ قوموں کے مساوی حقوق اور حق خود اختیاری کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم تمام پرامن ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے۔ حکومت خود اختیاری اور ایسی تمام قوموں کی آزادی کی حفاظت کریں گے۔ جہاں کے عوام آزادی کے خواہاں اور اس کی ذمہ داریاں نبھانے کا عزم رکھتے ہیں۔

ہم کھلم کھلا اور رسمی طور پر اپنے اتحاد کا اعلان کرتے ہیں تاکہ ہر طاقتور جارح کو معلوم ہو جائے کہ فریقین علاقے میں متحد ہیں۔ اور اجتماعی تحفظ اور مشترکہ دفاع و سلامتی کی خاطر اپنی کوششوں کو مجتمع کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پر متفق ہیں۔

آرٹیکل 1

تمام فریقین کسی بھی پیش آنیوالے بین الاقوامی جھگڑے کو پرامن ذرائع سے اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق حل کرنے کا عزم کرتے ہیں۔ ایسے طریقے سے کہ جس سے بین الاقوامی امن و سلامتی اور انصاف عدل خطرے میں نہ پڑے۔ اور اپنے بین الاقوامی تعلقات میں اقوام متحدہ کے منشور سے متضاد، طاقت کے استعمال یا اس کی دھمکی کے طریقہ کار استعمال نہیں کریں گے۔

آرٹیکل 2

اس معاہدے کے مقاصد کے موثر حصول کیلئے، فریقین انفرادی اور اجتماعی طور پر مستقل اور موثر ذاتی کوششوں اور باہمی تعاون کے ذریعے اپنی انفرادی اور اجتماعی دفاعی صلاحیتوں کو ترقی دیں گے۔ تاکہ اپنی جغرافیائی سالمیت اور سیاسی استحکام کے خلاف کسی مسلح حملے اور مخالفانہ تخریبی کارروائی کا مقابلہ کر سکیں۔

آرٹیکل 3

فریقین اپنے آزادانہ اداروں کو مضبوط کرنے کا عزم کرتے ہیں۔ اور اپنی سماجی و معاشی فلاح و بہبود کی خاطر معاشی اقدامات اور تیکنیکی امداد کے سلسلے میں تعاون کریں گے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے حکومتوں کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کو بڑھائیں گے۔ (تیز کریں گے)

آرٹیکل 4

(1) اس معاہدے کے ذریعے باہم متفق ہونیوالے تمام فریقین تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ریاست، علاقے یا فریق کے خلاف مسلح جارحیت ہو، یا اس کا خطرہ ہو، اور ان فریقین میں سے کوئی دوسرا ریاست فریق بھی اس چیز کو اپنے امن و تحفظ کے لئے خطرہ محسوس کرتی ہو، تو وہ اس مشترکہ خطرے سے نپٹنے کیلئے اپنے آئینی طریقہ کار کے مطابق اقدام کرے گی۔ اس آرٹیکل (پیراگراف) کے تحت کئے جانے والے اقدامات کی اطلاع اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کو فوراً پہنچائی جائے گی۔

(2) اگر فریقین کے خیال میں اس معاہدے کی کسی رکن ریاست، یا اس آرٹیکل کے پیراگراف (1) کے موضوع کے تحت آنیوالی کسی ریاست کے اقتدار اعلیٰ یا جغرافیائی سالمیت و سیاسی آزادی کے تقدس اور یکجہتی کو مسلح حملے کے علاوہ کسی طریقے سے خطرہ ہو، یا کسی بھی صورتحال یا عمل سے وہ متاثر ہو رہی ہو، جبکہ یہ خطرہ اور صورتحال علاقائی امن کیلئے بھی نقصان دہ ہو تو فریقین مشترکہ دفاع کے سلسلہ میں ممکنہ اقدامات کا فیصلہ کرنے کیلئے فوری مشاورت کریں گے۔

اوپر بیان کردہ خطرے کی کسی بھی صورتحال میں)

(3) یہ واضح رہے کہ اس آرٹیکل کے پیراگراف ایک کے مطابق متفق ہونیوالی ممبر ریاستوں یا کسی اور خصوصی رکن کے علاقہ پر کوئی اقدام متعلقہ ریاست کی دعوت یا اس کی حکومت کی منظوری کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل 5

تمام فریقین ایک کونسل مقرر کرتے ہیں۔ جس میں تمام ارکان کو معاہدے کے نفاذ سے متعلق معاملات میں نمائندگی اور اظہار رائے کا حق ہو گا۔ کونسل معاہدین کے علاقے کی وقتی ضروریات و صورتحال کے مطابق فوجی یا دوسری منصوبہ بندی کے سلسلے میں مشورے دے گی۔ کونسل اس قدر منظم اور باضابطہ ہو گی کہ وہ کسی بھی وقت اجلاس کر سکے گی۔

آرٹیکل 6

معاہدہ اپنی کسی بھی صورت میں، 1 اقوام متحدہ کی بین الاقوامی امن و سلامتی قائم کرنے کی ذمہ داری یا 2 اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق فریقین کے فرائض و ذمہ داریوں پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ تمام ارکان واضح کرتے ہیں کہ ان کے جو بین الاقوامی معاہدے موجود ہیں یا کسی دوسری ریاست سے معاہدے ہیں وہ اس معاہدے کی دفعات سے متضاد متصادم نہیں ہیں۔ اور ارکان اس معاہدے سے متضاد کسی بھی بین الاقوامی

معاہدے (Engagement) میں شامل نہ ہونے کا عزم کرتے ہیں۔

آرٹیکل 7

کوئی بھی دوسری ریاست جو اس معاہدے کے مقاصد میں معاون ہو اور وہ علاقے کی سلامتی کی خاطر اہم فریق ہو۔ اسے معاہدے کے تمام فریقین کی رضامندی سے معاہدے میں شمولیت کی دعوت دی جائے گی۔ ایسی ریاست اپنی شمولیت کی دستاویزات جمہوریہ فلپائن کی حکومت کو بھیجے گی۔ اور متعلقہ حکومت دوسرے تمام رکنیت فریقین کو اس دستاویز کی قبولیت کی اطلاع دے گی۔

آرٹیکل 8

جیسا کہ معاہدے میں ظاہر ہے' معاہدے کا علاقہ جنوب مشرقی ایشیا اور تمام ایشائی ارکان کے علاوہ جنوب مغربی باسفورس کے عام علاقہ پر مشتمل ہے۔ اس میں بحیرہ باسفورس کا علاقہ جو شمالی عرض بلا سے 21 درجہ 30 منٹ بنتا ہے شامل نہیں ہے۔ تمام فریقین باہمی رضامندی سے معاہدے کے آرٹیکل 7 کے مطابق کسی ریاست کو اس علاقہ میں شامل کرنے یا معاہدے میں کسی بھی دوسری علاقائی تبدیلی کے مجاز ہیں۔

آرٹیکل 9

(1) یہ معاہدہ جمہوریہ فلپائن کے دفتر دستاویزات (محافظ خانہ) میں جمع کروایا جائے گا۔ اور متعلقہ حکومت کی طرف سے دوہری تصدیق شدہ کاپیاں دوسرے ارکان کو بھجوائی جائیں گی۔

(2) تمام فریقین کی طرف سے ان کے متعلقہ آئینی طریقہ کار کے مطابق معاہدہ اور اس کی دفعات کی تصدیق کی جائے گی۔ یہ تصدیق شدہ دستاویزات جلد از جلد جمہوریہ فلپائن کی حکومت کو بھیجی جائیں گی' جو ان بیانات حلفی کی تمام ارکان کو اطلاع دے گی۔

(3) معاہدہ ارکان کی اکثریت کی دستاویزات حلفی کے جمع ہونے پر نافذ العمل ہو گا۔ ہر ریاست کی دستاویزات حلفی کے جمع ہونے پر اس پر نافذ العمل ہو گا (جائے گا)

آرٹیکل 10

معاہدہ مستقلاً نافذ العمل ہو گا۔ لیکن کوئی بھی ریاست جمہوریہ فلپائن کی حکومت کا معاہدے سے علیحدگی کا نوٹس دینے کے ایک سال بعد اس سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ اور فلپائنی حکومت تمام ارکان کو اس اعلان لاتعلقی سے مطلع کرے گی۔

آرٹیکل 11

فی الحال معاہدہ کا انگریزی مسودہ مستند ہے۔ لیکن جب فریقین فرنچ مسودہ پر متفق ہو جائیں گے۔ اور اس کی اطلاع جمہوری فلپائن کی حکومت کو کردیں گے تو فرنچ مسودہ مکمل طور پر مستند اور لاگو ہو جائے گا۔

معاہدہ کا موضوع درج ذیل ہے۔

معاہدے کا موضوع بمطابق ریاست ہائے متحدہ امریکہ اس طرح سے ہے۔ "اس معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا وفد خیال کرتا ہے کہ اس معاہدے کے آرٹیکل 4 میں بیان کردہ جارحیت اور مسلح حملے کا خطرہ اور اس سے متعلقہ باہمی معاہدہ صرف کمیونسٹ جارحیت کے بارے میں ہے۔ لیکن خیال کرتا ہے کہ کسی دوسری طرف سے جارحیت یا مسلح حملے کی صورت میں بھی اس معاہدے کے آرٹیکل 4 کے تحت مشاورت کی جائے گی"

اہم عہدے اور عہدیدار

پاکستان کے گورنر جنرل اور صدر

1- محمد علی جناح	15 اگست 1947ء تا 11 ستمبر 1948ء
2- خواجہ ناظم الدین	14 ستمبر 1948ء تا 16 اکتوبر 1951ء
3- غلام محمد	17 اکتوبر 1951ء تا 6 اگست 1955ء
4- اسکندر مرزا	6 اگست 1955ء تا 7 اکتوبر 1958ء

وزرائے اعظم

1- لیاقت علی خان	(مسلم لیگ)	15 اگست 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء
2- خواجہ ناظم الدین	(مسلم لیگ)	19 اکتوبر 1951ء تا 16 اپریل 1953ء
3- محمد علی بوگرا	(مسلم لیگ)	17 اپریل 1953ء تا 7 اگست 1955ء
4- چوہدری محمد علی	(مسلم لیگ)	11 اگست 1955ء تا 8 ستمبر 1956ء
5- ایچ۔ایس۔ سہروردی	(عوامی لیگ)	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
6- آئی۔ آئی چندریگر	(مسلم لیگ)	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
7- فیروز خان نون	(ری پبلیکن پارٹی)	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
8- جنرل ایوب خان	(فوجی افسر)	27 اکتوبر 1958ء تا 28 اکتوبر 1958ء

مرکزی وزارتیں (کابینہ)

مسلم لیگ کی حکومتیں

لیاقت علی خان: 15 اگست 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء

1- آئی۔ آئی چندریگر	15 اگست 1947ء تا 7 مئی 1948ء
2- غلام محمد	15 اگست 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء
3- عبدالرب نشتر	15 اگست 1947ء تا 2 اگست 1949ء
4- غضنفر علی خان	15 اگست 1947ء تا 30 جولائی 1948ء
5- جے۔ این۔ منڈل	15 اگست 1947ء تا 15 ستمبر 1950ء
6- فضل الرحمن	15 اگست 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء
7- ظفر اللہ خان	27 دسمبر 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء
8- عبدالستار	30 دسمبر 1947ء تا 16 اکتوبر 1951ء
9- شہاب الدین	8 مئی 1948ء تا 16 اکتوبر 1951ء
10- ایم۔ اے۔ گورمانی	3 جنوری 1949ء تا 30 اکتوبر 1949ء
ایضاً	30 اپریل 1950ء تا 16 اکتوبر 1951ء
11- سردار بہادر	10 ستمبر 1949ء تا 16 اکتوبر 1951ء
12- نذیر احمد خان	10 ستمبر 1949ء تا 16 اکتوبر 1951ء
13- اے۔ ایم۔ ملک	20 ستمبر 1949ء تا 16 اکتوبر 1951ء

(ب) خواجہ ناظم الدین: 19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء

1- عبدالرب نشتر	26 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
2- فضل الرحمٰن	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
3- ظفر اللہ خان	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
4- عبدالستار	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
5- شہاب الدین	19 اکتوبر 1951ء تا 26 نومبر 1951ء
6- ایم۔ اے۔ گورمانی	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
7- محمود حسین	26 نومبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
8- سردار بہادر	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
9- آئی۔ ایچ قریشی	26 نومبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
10- اے۔ ایم۔ ملک	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء
11- چوہدری محمد علی	19 اکتوبر 1951ء تا 17 اپریل 1953ء

(ج) محمد علی بوگرا: 17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء

1- ظفر اللہ خان	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
2- ایم۔ اے۔ گورمانی	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
3- سردار بہادر	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
4- آئی ایچ قریشی	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
5- اے۔ ایم۔ مالک	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
6- چوہدری محمد علی	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
7- اے۔ کے۔ بروہی	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
8- عبدالقیوم خان	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
9- شعیب قریشی	17 اپریل 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء
10- تفضل علی	7 دسمبر 1953ء تا 24 اکتوبر 1954ء

2 قومی حکومت

(د) محمد علی بوگرا: 24 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء

1- اے۔ ایم۔ مالک	24 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
2- غیاث الدین پٹھان	24 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
3- چوہدری محمد علی	24 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء

4- ایم۔اے۔ایچ اصفہانی	24 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
5- اسکندر مرزا	24 اکتوبر 1954ء تا 7 اگست 1955ء
6- محمد ایوب خان	24 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
7- غلام علی تالپور	24 اکتوبر 1954ء تا 18 مارچ 1955ء
8- خان صاحب	28 اکتوبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
9- ایچ۔ آئی۔ رحمت اللہ	26 نومبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
10- عابد حسین	18 دسمبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
11- ایچ۔ ایس۔ سہروردی	20 دسمبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
12- ممتاز علی خان	22 دسمبر 1954ء تا 11 اگست 1955ء
13- اے۔ ایچ سرکار	4 جنوری 1955ء تا 6 جون 1955ء

مخلوط حکومتیں (مسلم لیگ+یونائیٹڈ فرنٹ کی حکومت)

(د) چوہدری محمد علی:	11 اگست 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
1- آئی۔ آئی۔ چندریگر	31 اگست 1955ء تا 27 اگست 1956ء
2- ڈاکٹر خان صاحب	11 اگست 1955ء تا 14 اکتوبر 1955ء
3- ایچ۔ آئی۔ رحمت اللہ	11 اگست 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
4- عابد حسین	11 اگست 1955ء تا 14 اکتوبر 1955ء
5- اے۔ کے۔ فضل الحق	12 اگست 1955ء تا 9 مارچ 1956ء
6- کے۔ کے۔ دتہ	11 اگست 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
7- علی محمد راشدی	11 اگست 1955ء تا 27 اگست 1956ء
8- نور الحق چوہدری	11 اگست 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
9- اے۔ ایل۔ بسواس	11 اگست 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
10- حمید الحق چوہدری	26 ستمبر 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
11- امجد علی	17 اکتوبر 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
12- ایم۔ آر۔ کیانی	17 اکتوبر 1955ء تا 12 ستمبر 1956ء
13- عبدالستار	17 مارچ 1956ء تا 12 ستمبر 1956ء

(س) ایچ۔ ایس۔ سہروردی: 12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء

(عوامی لیگ اور ری پبلیکن پارٹی کی حکومت)

1- امیر اعظم خان	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
2- غلام علی تالپور	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
3- امجد علی	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
4- فیروز خان نون	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
5- ابو المنصور احمد	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
6- ایم۔ ایم خلیق (خالق)	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
7- اے۔ ایچ۔ دلدار احمد	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
8- میاں ظفر شاہ	12 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء
9- ظہیر الدین	17 ستمبر 1956ء تا 11 اکتوبر 1957ء

(ص) آئی۔ آئی۔ چندریگر: 18 اکتوبر 1957ء 11 دسمبر 1957ء

(مسلم لیگ، ری پبلیکن پارٹی، کرشک سرامک اور نظام اسلام پارٹی کی حکومت)

1- فیروز خان نون	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
2- فضل الرحمان	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
3- امجد علی	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
4- ممتاز دولتانہ	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
5- ایم۔ اے۔ قزلباش	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
6- اے۔ ایل۔ بسواس	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
7- غلام علی تالپور	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
8- مصباح الدین حسین	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
9- میاں ظفر شاہ	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
10- عبدالعلیم	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
11- یوسف ہارون	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
12- لطف الرحمٰن	18 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء
13- فرید احمد	23 اکتوبر 1957ء تا 11 دسمبر 1957ء

(ع) فیروز خان نون: 16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء

(حکومتی جماعتیں ری پبلیکن پارٹی، عوامی لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، پاکستان نیشنل کانگریس، شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن، اور کرشک سرامک پارٹی کا ایک فریق)

1- امجد علی	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
2- ایم۔ اے۔ قزلباش	16 دسمبر 1957ء تا 18 مارچ 1958ء
3- غلام علی تالپور	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
4- میاں ظفر شاہ	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
5- عبدالعلیم	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
6- رمیض الدین احمد	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
7- کے۔ کے۔ دتہ	16 دسمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
8- مولا بخش سومرو	20 جنوری 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء
9- محفوظ الحق	24 جنوری 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء

10- بی۔ کے۔ داس	7 فروری 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء
11- سردار عبدالرشید	29 مارچ 1958ء تا 19 جولائی 1958ء
12- امیر اعظم خان	29 مارچ 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء
13- ایم۔ اے۔ کھوڑو	8 اپریل 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء
14- حمید الحق چوہدری	16 ستمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
15- ظہیر الدین	16 اکتوبر 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء
16- دلدار احمد	2 اکتوبر 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء
17- نور الرحمٰن	2 اکتوبر 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء

صوبائی حکومتیں

(1) پنجاب

گورنر

1- سر فرانس مودی	اگست 1947ء تا اگست 1949ء
2- عبد الرب نشتر	اگست 1949ء تا نومبر 1951ء
3- آئی۔ آئی۔ چندریگر	نومبر 1951ء تا 1953ء
4- امین الدین	1953ء تا 1954ء
5- ایچ۔ آئی۔ رحمت اللہ	1954ء تا نومبر 1954ء
6- ایم۔ اے۔ گورمانی	نومبر 1954ء تا اکتوبر 1955ء

وزرائے اعلیٰ

1- خان آف ممدوٹ (مسلم لیگ)	اگست 1947ء تا جنوری 1949ء
2- ایم۔ ایم۔ دولتانہ (مسلم لیگ)	مارچ 1951ء تا اپریل 1953ء
3- فیروز خان نون (مسلم لیگ)	اپریل 1953ء تا مئی 1955ء
4- اے۔ ایچ۔ کے۔ دستی (مسلم لیگ)	مئی 1955ء تا اکتوبر 1955ء

شمال مغربی سرحدی صوبہ

گورنر

1- سر جارج کننگھم	اگست 1947ء تا 1948ء
2- سر امبروز ڈنڈس	1948ء تا 1949ء
3- محمد خورشید	1949ء تا 1950ء
4- آئی۔ آئی۔ چندریگر	1950ء تا نومبر 1951ء
5- شہاب الدین	1951ء تا 1954ء
6- قربان علی	1954ء تا اکتوبر 1955ء

وزرائے اعلیٰ

1- خان صاحب (کانگریس پارٹی)	15 اگست 1947ء تا اگست 1947ء
2- عبد القیوم خان (مسلم لیگ)	اگست 1947ء تا اپریل 1953ء
3- عبد الرشید (مسلم لیگ)	اپریل 1953ء تا جولائی 1955ء
4- سردار بہادر خان (مسلم لیگی)	جولائی 1955ء تا اکتوبر 1955ء

سندھ

گورنر

1- جی۔ ایچ۔ ہدایت اللہ	15 اگست 1947ء تا اپریل 1948ء
2- دین محمد	1948ء تا 1952ء
3- ایچ۔ آئی۔ رحمت اللہ	1953ء تا 1954ء
4- خان آف ممدوٹ	1954ء تا 1955ء

وزرائے اعلیٰ

1- ایم۔ اے۔ کھوڑو (مسلم لیگ)	اگست 1947ء تا اپریل 1948ء
2- الٰہی بخش (مسلم لیگ)	اپریل 1948ء تا 1949ء
3- یوسف ہارون (مسلم لیگ)	1949ء تا 1950ء
4- فضل اللہ (مسلم لیگ)	1950ء تا 1951ء
5- ایم۔ اے۔ کھوڑو (مسلم لیگ)	1951ء تا دسمبر 1951ء
6- عبد الستار (مسلم لیگ)	مئی 1953ء تا نومبر 1954ء
7- ایم۔ اے۔ کھوڑو (مسلم لیگ)	نومبر 1954ء تا 1955ء

مغربی پاکستان کی حکومتیں

گورنر

1- ایم۔ اے۔ گورمانی	14 اکتوبر 1955ء تا ستمبر 1957ء
2- اختر حسین	ستمبر 1957ء تا 7 اکتوبر 1958ء
ایضاً	1958ء تا 1960ء

وزرائے اعلیٰ

1- خان صاحب (ری پبلیکن پارٹی)	14 اکتوبر 1955ء تا مارچ 1957ء
2- عبد الرشید (ری پبلیکن پارٹی)	جولائی 1957ء تا مارچ 1958ء
3- ایم۔ اے۔ قزلباش (ری پبلیکن پارٹی)	18 مارچ 1958ء تا 20 جولائی 1958ء

مشرقی پاکستان کی حکومتیں

گورنر

1- سر فریڈرک بورن	15 اگست 1947ء تا 1950ء
2- فیروز خان نون	1950ء تا اپریل 1953ء
3- خلیق الزمان	اپریل 1953ء تا 1954ء

4- اسکندر مرزا — جون 1954ء تا اکتوبر 1954ء
5- اے۔ کے۔ فضل الحق — مارچ 1956ء تا مارچ 1958ء
6- اے۔ ایم۔ ملک — 1958ء تا 7 اکتوبر 1958ء

وزرائے اعلیٰ

1- ناظم الدین (مسلم لیگ) — 15 اگست 1947ء تا ستمبر 1948ء
2- نور الامین) مسلم لیگ) — ستمبر 1948ء تا اپریل 1954ء
3- اے۔ کے فضل الحق (یونائیٹڈ فرنٹ) — اپریل 1954ء تا 30 مئی 1954ء
4- اے۔ ایچ۔ سرکار (یونائیٹڈ فرنٹ) جون 1955ء تا اگست 1956ء
5- اے۔ آر۔ خان (عوامی لیگ) ستمبر 1956ء تا مارچ 1958ء
6- اے۔ ایچ۔ سرکار (کرشک سرامک) مارچ 1958ء تا مارچ 1958ء
7- اے۔ آر۔ خان (عوامی لیگ) مارچ 1958ء تا جون 1958ء
8- اے۔ ایچ۔ سرکار (کرشک سرامک) جون 1958ء تا جون 1958ء
9- اے۔ آر۔ خان (عوامی لیگ) اگست 1958ء تا اکتوبر 1958ء

مجالس قانون ساز میں پارٹی پوزیشن

پہلی دستور ساز اسمبلی (1948ء تا 1954ء)

مسلم لیگ	62
پاکستان نیشنل کانگریس	10
آزاد پاکستان پارٹی	3
آزاد	1

(2) دوسری دستور ساز اسمبلی (1955ء تا 1956ء)

مسلم لیگ	36
یونائیٹڈ فرنٹ	25
عوامی لیگ	13
آزاد	5

(3) قومی اسمبلی (1956ء تا 1958ء)

ری پبلیکن پارٹی	27
عوامی لیگ	15
یونائیٹڈ فرنٹ	12
مسلم لیگ	11
پاکستان نیشنل کانگریس	4
شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن	3
یونائیٹڈ پروگریسو پارٹی	2
آزاد	5

قانون ساز اسمبلی پنجاب (1951ء تا 1955ء)

مسلم لیگ	145
جناح عوامی مسلم لیگ	29
اقلیتیں	5
آزاد پاکستان پارٹی	1
جماعت اسلامی	1
آزاد	16

صوبہ سرحد کی قانون ساز اسمبلی (1951ء تا 1955ء)

مسلم لیگ	67
جناح عوامی مسلم لیگ	4
اقلیتیں	1
آزاد	13

مغربی پاکستان کی قانون ساز اسمبلی (1955ء تا 1958ء)

ری پبلیکن پارٹی	164
مسلم لیگ	110
پاکستان نیشنل عوامی پارٹی	12
آزاد	17

مشرقی بنگال کی قانون ساز اسمبلی (1954ء)

یونائیٹڈ فرنٹ	223
اقلیتیں	72
مسلم لیگ	10
خلافت ربانی	1
آزاد	3

مشرقی پاکستان کی قانون ساز اسمبلی (6 جون 1955ء)

عوامی لیگ	98
کرشک سرامک پارٹی	60
عوامی لیگ (مخالفین)	37
پاکستان نیشنل کانگریس	36
نظام اسلام	20
یونائیٹڈ پروگریسو پارٹی	17
مسلم لیگ	10
جناتنتری دل	9
شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن	8
پاکستان اقلیتی گروپ	5
خلافت ربانی	1

مشرقی بنگال کی قانون ساز اسمبلی (6 ستمبر 1956ء)

عوامی لیگ	98
کرشک سرامک پارٹی	60
پاکستان نیشنل کانگریس	36
نظام اسلام	33
عوامی لیگ (مخالفین)	25
یونائیٹڈ پروگریسو پارٹی	17
مسلم لیگ	11
جناتنتری دل	9
شیڈولڈ کاسٹ فیڈرل	8
پاکستان اقلیتی گروپ	5
خلافت ربانی	1

(حوالہ: منیر احمد، پاکستانی کی مجالس قانون ساز 1947ء تا 1958ء لاہور، 1960ء)

مرکزی مقنّنہ میں پارٹی پوزیشنوں میں تبدیلی جون 1955ء تا دسمبر 1957ء

تعداد اراکین

جماعتیں	جون 1955ء	دسمبر 1956ء	اکتوبر 1957ء	دسمبر 1957ء
مسلم لیگ	26	11	12	15
یونائیٹڈ فرنٹ		16	15	0 0
عوامی لیگ	13	14	13	13
ریپبلیکن پارٹی		0	26	21
کرشک سرامک پارٹی		0	0	6 7
نیشنل عوامی پارٹی		0	0	4 4
آزاد پاکستان پارٹی		0	1	0 0
جناتنتری دل	0	1	0	0
نظام اسلام پارٹی		0	0	3 3
پیپلز پروگریسو پارٹی		2	0	1 1
پاکستان نیشنل کانگریس		4	5	4 4
شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن		3	2	2 2
آزاد	16	5	11	8
خالی سیٹیں	0	0	2	3
--	--	--	--	--
کل	80	80	80	80

(حوالہ نمبر 1: 22، 23 جون 1955ء)

حوالہ نمبر 2 معلومات پاکستان 1956ء تا 1957ء پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ، حکومت پاکستان، کراچی، 1957ء)

1958ء تک کے فوجی سربراہان

(1) آرمی (بری فوج)

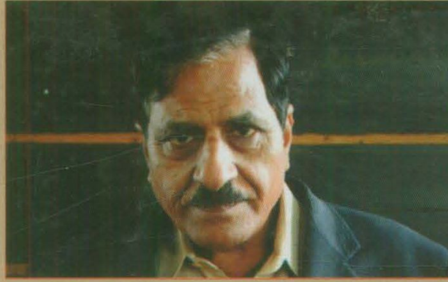
جنرل سر فرینک میسروی	اگست 1947ء تا جنوری 1951ء
جنرل سر ڈوگلس گریسی	اگست 1947ء تا جنوری 1951ء
فیلڈ مارشل ایوب خان	جنوری 1951ء تا اکتوبر 1958ء

(2) بحری فوج

ریئر ایڈمرل جے۔ ڈبلیو۔ جیفرڈ	اگست 1947ء تا فروری 1953ء
ایڈمرل حفیظ	فروری 1953ء تا فروری 1959ء
محمد صدیق چوہدری	فروری 1953ء تا فروری 1959ء

(3) فضائی فوج

ایئر وائس مارشل اے۔ ایل۔ اے پیری کین	اگست 1947ء
ایئر وائس مارشل آر۔ ایل۔ اے آٹیچرلی	تا
ایئر وائس مارشل ایل۔ ڈبلیو کین	جولائی 1957ء
ایئر وائس مارشل اے۔ ڈبلیو۔ بی میکڈونلڈ	
ایئر مارشل اصغر خان	جولائی 1957ء تا جولائی 1965ء



احمد سلیم 26 جنوری 1945ء کو موضع میانہ گوندل، تحصیل ملکوال، ضلع منڈی بہاؤالدین میں پیدا ہوئے۔ کراچی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری گولڈ میڈل کے اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ عملی زندگی کا آغاز بینکنگ سے کیا۔ بعدازاں مختلف تعلیمی اداروں (شاہ حسین کالج لاہور، سندھ یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی) میں درس وتدریس سے وابستہ رہے، عملی زندگی کے اس سفر میں انہوں نے ایک طویل عرصے تک صحافت کے شعبے میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

احمد سلیم، پاکستان کی ترقی پسند سیاست سے بے باکی، جرأت، نظریات پسندی اور اصول پرستی کے ساتھ وابستہ رہے۔ سیاسی جدوجہد کے دوران وہ نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) اور کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان میں رکن کی حیثیت سے سرکردہ کردار ادا کرتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان میں ترقی پسند نظریات کی عملی سیاسی جدوجہد کرنے والوں پر سخت پہرے تھے۔ احمد سلیم نے محنت کشوں اور محکوم طبقات کے لئے ان جماعتوں کے پلیٹ فارمز سے شاندار جدوجہد کی۔ اس بنا پر وہ ایوب خان، یحییٰ خان اور جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریتوں میں پابند سلاسل کئے گئے حتیٰ کہ ذوالفقار علی بھٹو کے جمہوری دور میں بھی انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑا۔ احمد سلیم، مغربی پاکستان میں ان چند ایک ترقی پسند کارکنوں میں سرفہرست تھے جنہوں نے سڑکوں پر آ کر مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کی مخالفت کی اور اپنی آواز مشرقی پاکستان پر ڈھائے جانے والے ظلم کے خلاف بلند کی اور پھر اسی جرم کی پاداش میں انہیں پابند سلاسل کیا گیا اور کوڑوں اور جرمانے کی سزا صادر کی گئی۔

احمد سلیم، پاکستان میں سیاسی، ادبی، سماجی اور ثقافتی موضوعات پر تحقیق کے حوالے سے منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ پچھلی دو دہائیوں سے انہوں نے تحقیق و تصنیف کے شعبے میں اثر انگیز کام کیا ہے اور اس طرح سو سے زائد کتب کی اشاعت کا سہرا ان کے سر ہے، جب کہ ان کی طبع زاد کتابوں کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ تحقیق وتصنیف کے اس سفر میں انہوں نے ٹیلی ویژن کے سیریلز اور طویل دورانیے کے کھیل بھی لکھے، جن میں ''دشمن''، ''اماوس''، ''سلمیٰ پاگل ہے'' اور ''کالا ٹِل'' قابل ذکر ہیں۔

2011ء میں حکومت پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے نوازا۔ احمد سلیم نے تمام عمر پاکستان میں عوامی حقوق کی آواز بلند کی۔ ایسے میں وہ ہمیشہ پسے ہوئے طبقات کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑے نظر آئے۔ 2013ء میں ری پبلک آف بنگلہ دیش نے انہیں فرینڈز آف بنگلہ دیش کا سول ایوارڈ عطا کیا۔ 2016ء میں انہیں ہندوستان سے روی میموریل ٹرسٹ پٹیالہ کی طرف سے پنجابی ادب پر لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دیا گیا جبکہ حال ہی میں 26 جولائی 2017ء کو انہیں بنگلہ دیش سے انتہائی ممتاز شخصیت کے نام پر جہاں آرا میموریل ایوارڈ دیا گیا ہے۔ انہیں پنجابی ادب کے حوالے سے مسعود کھدر پوش لائف اچیومنٹ ایوارڈ اور پالیسی ادارہ برائے پائیدار ترقی (SDPI) کی طرف سے بھی جس سے وہ گزشتہ بیس برس سے وابستہ ہیں، تعلیم اور مذہبی تنوع پر اعلیٰ کارکردگی کے لئے لائف اچیومنٹ ایوارڈ مل چکا ہے۔

احمد سلیم تین زبانوں پنجابی، اردو اور انگریزی میں لکھتے ہیں اور پنجابی شاعری کی پہچان پر فخر کرتے ہیں۔ آج کل وہ ''سنگِ میل پبلیکیشنز'' کے لئے اپنی متعدد زیرتکمیل کتابوں پر کام کر رہے ہیں۔



37-مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان
فون: 042-37239138- 0300 9426395
info@darulshaour.com
www.darulshaour.com
Darulshaour